مکتوبات امام ربانی
اردو

مؤلفہ
حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی
ترجمہ
مولانا محمد سعید احمد صاحب نقشبندی

مدینہ پبلشنگ کمپنی بندر روڈ کراچی

صُحُفًا مُّطَهَّرَةً فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ه

لِلّٰہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر می خواست
آخر آمد ز پسِ پردۂ تقدیر پدید

یعنی

(اُردُو ترجمہ)

مکتوبات امام ربّانی

حضرت مجدد الف ثانی الشیخ احمد سرہندی قدس سرّہٗ

دفتر اوّل ـــــ حصہ چہارم

(تصحیح و حواشی و ترجمہ)

مولانا محمد سعید احمد صاحب نقشبندی
خطیب و امام مسجد حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ لاہور

(ناشر)
مدینہ پبلشنگ کمپنی ۔ بندر روڈ ۔ کراچی

آفسٹ طباعت ــــــــــ سنہ ۱۹۷۱ء

نام کتاب ــــــ مکتوبات امام ربانی

مترجم ــــــ محمد سعید احمد نقشبندی خطیب جامع حضرت داتا گنج بخش۔ لاہور

طابع ــــــ الف۔آئی پرنٹرز کراچی

ناشر ــــــ مدینہ پبلشنگ کمپنی، بندر روڈ کراچی

تعداد ــــــ دو ہزار (۲۰۰۰)

قیمت ــــــ 75

ملنے کا پتہ

مدینہ پبلشنگ کمپنی

بندر روڈ ــــــ کراچی ــــــ پاکستان

فہرست مضامین مکتوبات امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ اردو ترجمہ دفتر اول حصہ چہارم

اُردو ترجمہ مکتوبات حصّہ چہارم

دفتر اوّل

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مکتوب نمبر ۲۲۱

سید حسین مانک پوری کی طرف صادر فرمایا:

طریقۂ علیہ نقشبندیہ کی خصوصیتوں اور کمالات کے بیان میں یعنی اس طریق کے افضل ہونے اور دوسروں کی انتہا اس کی ابتدا میں مندرج ہونے اور اس طریق کے انتہا کے بیان میں۔ اور سفر در وطن اور خلوت در انجمن اور سلوک پر جذبہ کے مقدم ہونے کے بیان میں۔ اور اس بیان میں کہ اس طریق میں سیر کی ابتدا عالم امر سے ہے۔ اور یہ طریقہ موصل الی اللہ طریقوں میں سب سے اقرب ہے اور یہ طریقہ ایسا ہے کہ اس کی ابتداء میں حلاوت اور وجدان ہے۔ اور انتہا میں بیمزگی اور فقدان جو ناامیدی کے لوازم سے ہے۔ اور ایسے ہی اس طریق کے ابتداء میں قرب و شہود ہے اور انتہا میں بُعد و حرمان اور اس طریقہ کے بزرگواروں نے احوال و مواجید کو احکام شرعی کے تابع کیا ہے۔ اور ذوق و معرفتوں کو علوم دینی کا خادم قرار دیا ہے اور اس طریق میں پیری و مُریدی طریقت کے سیکھنے اور سکھانے پر ہے نہ صرف کلاہ و شجرہ پر۔ اور اس طریق میں نفسِ امّارہ کے ساتھ ریاضتیں اور مجاہدے احکام شرعی کے بجالانے اور سنّت سنیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے لازم پکڑنے سے ہیں۔ اور اس طریق میں سالک کا سلوک شیخ مقتدا کے تصرف پر منحصر ہے اور جس طرح یہ بزرگوار نسبت کے عطا کرنے میں کامل طاقت رکھتے ہیں۔ اسی طرح اس نسبت کے سلب کرنے میں بھی پُوری پُوری طاقت رکھتے ہیں اور اس طریق میں زیادہ تر افادہ اور استفادہ خاموشی میں ہے۔ اور خاموشی اس طریق کے لوازمات سے ہے اور اس کے مناسب امور کے بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ، وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَاٰلِہِ الطَّاہِرِیْنَ وَعَلَیْہِمْ اَجْمَعِیْنَ۔

میرے عزیز بھائی! سیادت پناہ میر سید حسین نے دور پڑے ہوؤں کو فراموش نہ کیا ہوگا۔ اور اس طریقہ عَلیہ کے آداب کی رعایت کو جو مشائخ کرام کے تمام طریقوں سے کئی وجہ سے ممتاز ہے۔ ہاتھ سے نہ دیا ہوگا۔ چونکہ آپ کو ملاقات کی فرصت کم ملی۔ اس لیے مطلب کو مدنظر رکھ کر اس طریقۂ علیہ کی بعض خصوصیتوں اور کمالات کو علوم بلند و معارف ارجمند کے ضمن میں لکھتا ہے۔

اگرچہ معلوم ہے کہ اس قسم کے علوم و معارف کا سمجھنا بالفعل سننے والوں کے فہموں سے بعید ہے لیکن ایسے معارف اختیار کرنا دو وجہ سے ہے۔ ایک یہ کہ سننے والے کو ان علوم کی استعداد ہے اگرچہ اس کو بالفعل دور دکھائی دیتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ اگرچہ ظاہر میں مخاطب معین ہے۔ لیکن حقیقت میں مخاطب وہ شخص ہے جو اس معاملہ سے واقف ہے۔ اَلسَّیْفُ لِلضَّارِبِ (تلوار مارنے والے کے لیے ہے) مثل مشہور ہے۔

اے برادر! اس بلند طریق کے سر حلقہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد تحقیقی طور پر تمام بنی آدم سے افضل ہیں۔ اور اسی اعتبار سے اس طریق کے بزرگواروں کی عبارتوں میں آیا ہے کہ ہماری نسبت تمام نسبتوں سے بڑھ کر ہے۔ کیونکہ ان کی نسبت جس سے مراد خاص حضور اور آگاہی ہے بعینہٖ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی نسبت اور حضور ہے۔ جو تمام آگاہیوں سے بڑھ کر ہے۔ اور اس طریق میں نہایت اس کے ابتدا میں مندرج ہے۔

حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ ہم نہایت کو ابتدا میں درج کرتے ہیں ع

قیاس کن زگلستانِ من بہارِ مرا

میرے باغ کی رعنائی سے میری بہار کا اندازہ کرلو۔

اور اگر کوئی پوچھے کہ جب دوسروں کی انتہا ان کے ابتداء میں مندرج ہوئی تو پھر ان کی انتہا کیا ہوگی۔ نیز جب دوسروں کی نہایت وصول بحق ہے۔ تو پھر ان کو حق سے آگے کہاں تک سیر میسر ہوگا۔ حالاں کہ لَیْسَ وَرَاءَ الْعَبَّادَانِ قَرْیَۃٌ (جزیرہ عبادان کے آگے اور کوئی گاؤں نہیں ہے) مثل مشہور ہے۔ تو میں اس کے جواب میں کہتا ہوں کہ:۔

اس طریقہ علیہ کی نہایت اگر میسر ہو جائے وصل عریانی ہے۔ جس کے حاصل ہونے کی علامت مطلوب کے حاصل ہونے سے ناامیدی کا حاصل ہونا ہے۔ پس اسے سمجھ لے۔ کیونکہ ہمارا کلام وہ اشارات ہیں جن کو خواص بلکہ اخص میں سے بہت تھوڑے سمجھتے ہیں۔ اس اعلیٰ دولت کے حاصل ہونے کی علامت اس واسطے بیان کی ہے کہ

اس گروہ میں سے بعض نے وصل عریانی کا دم مارا ہے۔ اور بعض مطلوب کے حاصل ہونے سے نا اُمیدی کے قائل ہوئے ہیں۔ لیکن اگر دونوں دولتوں کا جمع ہونا ان کے پیش کیا جائے تو نزدیک ہے ان کے جمع ہونے کو جمع ضدین خیال کریں۔ اور محالات کی قسم سے جانیں۔ وہ جماعت جو وصل کا دعوےٰ کرتی ہے یاس کو حرمان جانتی ہے۔ اور وہ گروہ جو یاس کے مدعی ہے وصل کو عین فصل خیال کرتا ہے۔ یہ سب کچھ اس بلند مرتبہ تک نہ پہنچنے کی علامت ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اس عالی مقام کا ایک پرتو ان کے باطن پر چمکا ہے۔ جس کو بعض نے وصل خیال کیا ہے اور بعض نے یاس۔ اور یہ تفاوت ہر ایک گروہ کی استعداد سے پیدا ہوتی ہے۔ ایک گروہ کی استعداد کے مناسب وصل ہے اور دوسرے گروہ کی استعداد کے مناسب یاس۔

اس حقیر کے نزدیک وصل کی استعداد سے یاس کی استعداد بہت اچھی ہے۔ اگرچہ وصل و یاس ایک دوسرے کے لازم و ملزوم ہیں۔ اس جواب سے دوسرے اعتراض کا جواب بھی روشن ہوگیا۔ کیونکہ وصل مطلق اور ہے اور وصل عریاں اور۔ ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ اور وصل عریانی سے ہماری مراد یہ ہے کہ حجاب سب کے سب اُٹھ جائیں۔ اور تمام رکاوٹیں دور ہو جائیں اور چونکہ ہر قسم کی تجلیات اور مختلف قسم کے ظہورات بہت بڑے اور قوی حجاب ہیں۔ اس لیے ان سب تجلیات و ظہورات سے گزر جانا اور آگے بڑھنا ضروری ہے۔ خواہ یہ تجلی و ظہور امکانی آئینوں میں ہو۔ خواہ وجوبی مظہروں میں۔ کیونکہ اصل حجابوں کے حاصل ہونے میں دونوں برابر ہیں۔ اور اگر کچھ فرق ہے تو شرف اور رتبہ میں ہے۔ اور وہ طالب کی نظر سے خارج ہیں:

اگر پوچھیں کہ اس بیان سے لازم آتا ہے کہ تجلیات کی نہایت ہے۔ حالانکہ مشائخ طریقت نے تصریح کی ہے کہ تجلیات کی نہایت نہیں ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ تجلیات کا بے نہایت ہونا اس لحاظ سے ہے کہ اسماء و صفات میں سیر مفصل طور پر واقع ہو۔ اس تقدیر پر حضرت ذات تک پہنچنا میسر نہیں ہے۔ اور وصل عریانی حاصل نہیں۔ بلکہ حضرت ذات تک پہنچنا اسماء و صفات کو مجمل طور پر طے کرنے سے وابستہ ہے۔ پس اس وجہ سے تجلیات کی نہایت ہوگی۔ اور اگر کہا جائے کہ تجلیاتِ ذاتیہ کو بھی بے نہایت کہا ہے۔ چنانچہ مولوی جامی قدس سرہٗ نے شرح لمعات میں اس کی تصریح کی ہے۔ پس تجلیات کی نہایت کہنا کس وجہ سے درست ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ تجلیات ذاتیہ بھی شیون و اعتبارات کے ملاحظہ کے بغیر نہیں ہے۔ کیونکہ اس ملاحظہ کے بغیر تجلی کا ہونا ممکن نہیں اور جس کا ہم ذکر کر رہے ہیں۔ وہ ایک ایسا امر ہے جو تجلیات کے ماوراء ہے۔ خواہ وہ تجلیات صفاتی ہوں خواہ ذاتی۔ کیونکہ اس مقام میں تجلی کا اطلاق جائز نہیں۔ اس لیے تجلی پر تجلی کا ہونا مراد ہے، شے کے ظہور سے جو دوسرے یا تیسرے یا چوتھے

مرتبہ میں ہو۔ جہاں تک کہ اللہ تعالیٰ چاہے۔ اور یہاں سب مراتب ساقط ہو گئے ہیں اور تمام مسافت طے ہو چکی ہے۔

اور اگر یہ پوچھیں کہ ان تجلّیات کو ذاتی کس اعتبار سے کہا جاتا ہے۔ تو میں کہتا ہوں کہ تجلّیات اگر معانی زائدہ کے ملاحظہ سے ہیں، تو تجلّیاتِ صفات ہیں۔ اور اگر غیر زائدہ معانی کے مُلاحظہ سے ہیں۔ تو تجلّیاتِ ذات ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وحدت کے ظہور کو جو تعین اوّل ہے۔ اور ذات پر زائد نہیں ہے۔ بزرگوں نے تجلّی ذات کہا ہے۔ اور ہمارا مطلب حضرت ذات تعالیٰ و تقدس ہے جہاں معانی کے ملاحظہ کو ہرگز گنجائش نہیں ہے۔ خواہ وہ معانی زائد ہوں یا غیر زائد۔ کیونکہ معانی سب کے سب مجمل طور پر طے ہو کر حضرت ذات تعالیٰ تک وصول میسّر ہُوا ہے۔

اور جاننا چاہیے کہ وصل اس مقام میں مطلب کی طرح بیچگون ہے۔ اور وہ اتصال جس کو عقل سمجھ سکے وہ بحث سے خارج ہے اور اس جناب پاک کے لائق نہیں ہے۔ کیونکہ چون کو بیچون کی طرف کوئی راہ نہیں ہے لَا یَحْمِلُ عَطَایَا الْمَلِكِ اِلَّا مَطَایَاہُ "بادشاہ کے عطیّوں کو اُسی کے اونٹ اٹھا سکتے ہیں"۔ ؎

اتصالے بے تکیف بے قیاس ہست رب الناس را با جان ناس

اللہ تعالیٰ کو لوگوں کی جان سے بے کیف اور بے قیاس اتصال ہے۔

اس طریقہ عُلیہ کے مشائخ میں سے کسی نے اپنی نہایت کی خبر نہیں دی ہے۔ سب نے اپنے طریق کے ابتدائی نسبت کہا ہے کہ نہایت اسی میں مندرج ہے۔ جب ان کی ابتدا میں دوسروں کی انتہا ملی ہوئی ہو۔ تو ان کی نہایت بھی اسی بدایت کے مناسب ہونی چاہیے۔ اور وہی ہے۔ جس کے ظاہر کرنے سے اس فقیر نے امتیاز حاصل کیا ہے ؎

اگر بادشاہ بر درِ پیرزن بیاید تو اے خواجہ سبلت مکن

اے خواجہ اگر بڑھیا کے دروازہ پر بادشاہ تشریف لائے تو تجھے غصّے میں آکر اپنی ڈاڑھی نہیں نوچنی چاہیے۔

لِلّٰہِ سُبْحَانَہٗ اَلْحَمْدُ وَالْمِنَّۃُ عَلٰی ذٰلِكَ۔ اس بات پر اللہ کی حمد اور اس کا احسان ہے۔

اے برادر! اس طریق سے اور دوسرے طریقوں سے اس نہایت کے واصل بہت ہی تھوڑے ہیں۔ اگر ان کے افراد کی تعداد ظاہر کریں، تو نزدیک ہے کہ نزدیک لوگ دوری اختیار کریں اور بعیدوں کے انکار سے تو کچھ تعجب ہی نہیں۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صدقہ سے نہایت النہایت تک کمال وصول کے سبب سے ہے۔

اور اس طریقہ علیہ کی خصوصیتوں میں سے ایک سفر در وطن ہے۔ جو سیر انفسی سے مراد ہے۔ اگرچہ سیر انفسی مشائخ کے تمام طریقوں میں ثابت ہے۔ لیکن وہ سیر سیر آفاقی کے قطع کرنے کے بعد نہایت میں میسر ہوتا ہے۔ اور اس طریق میں ابتدا اس سیر سے ہے۔ اور سیر آفاقی اسی سیر کے ضمن میں قطع ہو جاتا ہے۔ پس اس سیر کا منشا جو ابتدا میں حاصل ہوتا ہے۔ ابتدا میں انتہا کا مندرج ہونا ہے اور دوسرا خاصہ خلوت در انجمن ہے۔ جو سفر در وطن پر متفرع و مترتب ہے۔ جب سفر در وطن میسر ہو جائے۔ خلوت در انجمن اس کے ضمن میں میسر ہو جائے گا۔ پس انجمن کا تفرقہ سفر در وطن کے خلوت خانہ میں تفرقہ نہیں ڈالتا۔ اور آفاق کا تفرقہ انفس کے حجرہ میں راہ نہیں پاتا۔ یہ خلوت در انجمن اگرچہ دوسرے طریقوں کے منتہیوں کو حاصل ہے لیکن اس طریق میں چونکہ ابتدا ہی میں میسر ہو جاتی ہے اس لیے اس طریق کے خاصوں میں سے ہے۔

اور جاننا چاہیے کہ خلوت در انجمن اس تقدیر پر ہے کہ وطن کے خلوت خانہ کے دروازوں کو بند کیا ہو اور تمام سوراخوں کو مسدود کر دیا ہو۔ یعنی انجمن تفرقہ میں کسی کی طرف متوجہ نہ ہو۔ اور متکلم و مخاطب نہ ہو نہ یہ کہ آنکھ کو ڈھانپے اور حواس کو تکلف کے ساتھ بیکار کرے۔ کیونکہ یہ بات اس طریق کے منافی ہے۔

اے برادر! یہ سب حیلہ و تکلف ابتدا اور وسط ہی میں ہے۔ اور انتہا میں اس قسم کا حیلہ و تکلف درکار نہیں ہے۔ عین تفرقہ میں جمعیت ہے۔ اور نفس غفلت میں حاضر ہے۔ اس سے کوئی یہ گمان نہ کرے کہ منتہی میں تفرقہ و عدم تفرقہ مطلق طور پر مساوی ہیں۔ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ تفرقہ و عدم تفرقہ اس کے باطن کے نفس جمعیت میں برابر ہیں۔ اس کے علاوہ اگر ظاہر کو باطن کے ساتھ جمع کرلے اور ظاہر سے بھی تفرقہ کو دفع کر دے تو پھر بہت ہی بہتر اور مناسب ہوگا۔

اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو امر کرتا ہوا فرماتا ہے۔ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا[1] اپنے رب کا نام یاد کر اور سب سے توڑ کر اس سے جوڑ۔

جاننا چاہئے کہ بعض اوقات ظاہر کے تفرقہ سے چارہ نہیں ہوتا۔ تاکہ خلق کے حقوق ادا ہوں۔ پس تفرقہ ظاہر بھی بعض اوقات اچھا ہے۔ لیکن تفرقہ باطن کسی وقت میں جائز نہیں۔ کیونکہ وہ خالص حق تعالیٰ کے لیے ہے۔

پس مسلمان بندوں سے تین حصے خدائے تعالیٰ کے لیے مقرر ہوئے۔ باطن سب کا سب اور ظاہر سے ایک نصف۔ اور ظاہر کا دوسرا نصف خلق کے حقوق ادا کرنے کے لیے باقی رہا۔ لیکن ان حقوق کے ادا کرنے میں چونکہ حق تعالیٰ کے امر کی بجا آوری ہے اس لیے وہ دوسرا نصف بھی حق تعالیٰ کی طرف راجع ہے۔

---

[1] سورۂ مزمل، پارہ تبارک الذی ۱۲

اِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۔ ¹

سب کام اسی کی طرف لوٹتا ہے۔ پس اسی کی عبادت کر اور اسی پر توکّل کر اور تیرا رب اس سے جو تم کرتے ہو غافل نہیں۔

اور اس طریق میں جذبہ سلوک پر مقدم ہے اور سیر کی ابتدا عالم امر سے ہے۔ برخلاف اکثر دوسرے طریقوں کے کہ ان کے سیر کی ابتدا عالم خلق سے ہے۔ اور اس طریق میں سلوک کی منزلیں جذبہ کے مراتب طے کرنے کے ضمن میں قطع ہو جاتی ہیں۔ اور عالم خلق کا سیر عالم امر کے سیر میں میسّر ہو جاتا ہے۔ پس اگر اس اعتبار سے بھی کہیں کہ اس طریق میں انتہا ابتدا میں درج ہے تو گنجائش رکھتا ہے۔ پس معلوم ہُوا کہ ابتدا کا سیر اس طریق میں انتہا کے سیر میں مندرج ہے نہ یہ کہ انتہا سے ابتدا کی سیر کے لیے اُتر آتے ہیں۔ اور نہایت کا سیر تمام کرنے کے بعد بدائت کا سیر کرتے ہیں۔

اس مضمون سے اس شخص کا خیال باطل ہو گیا جو یہ کہتا ہے کہ اس طریق کی انتہا دوسرے مشائخ کے طریقوں کی ابتدا ہے۔

اور اگر کوئی کہے کہ اس طریقہ کے بعض مشائخ کی عبارتوں میں واقع ہے کہ اسما و صفات میں ان کا سیر ان کی نسبت کے تمام ہونے کے بعد واقع ہوتا ہے۔ پس درست ہوا کہ ان کی نہایت دوسروں کی بدایت ہے کیونکہ اسما و صفات کا سیر تجلیات ذاتیہ کے سیر کی نسبت عین ابتداء ہے۔ تو ہم جواب میں کہتے ہیں کہ ان کا سیر اسما و صفات میں تجلیات ذاتیہ کے سیر کے بعد نہیں ہے۔ بلکہ اسی سیر کے ضمن میں وہ سیر بھی واقع ہو جاتا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ جب سیر اسمائی و صفاتی کسی عارضہ کے پیش آنے کے باعث ظہور کرتا ہے۔ اور تجلّیات ذاتی کا سیر پوشیدہ ہو جاتا ہے۔ تو خیال میں آتا ہے کہ اس سیر کو تمام کر کے عارضہ کے باعث تجلّیات اسمائی و صفاتی میں داخل ہو گیا ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ ہاں ولایت کے مدارج میں سیر پُورا کرنے کے بعد خلق کو حق تعالیٰ کی طرف دعوت کرنے کے لیے عالم کی طرف جو رجوع واقع ہوتا ہے اگر اس رجوع کو ان کی نہایت سمجھ کر اپنی بدایت تصوّر کیا ہو۔ تو بعید نہیں۔ لیکن فقیر کیا کہے۔ جب کہ اس کے مشائخ نہایت میں ہی رجوع رکھتے ہیں۔ اور نیز نہایت و بدایت سے مراد ولایت کا نہایت و بدایت ہے۔ اور یہ رجوع کا سیر ولایت سے تعلق نہیں رکھتا۔ بلکہ مرتبۂ دعوت و تبلیغ کا ایک حصّہ ہے۔ اور یہ طریق سب طریقوں سے اقرب ہے۔ اور بیشک مقصود تک پہنچانے والا ہے۔

حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ ہمارا طریقہ سب طریقوں سے اقرب ہے۔ اور فرمایا

---

¹ سورۂ ہود، پارہ ۱۲۔

حق تعالیٰ سے میں نے ایسا طریق طلب کیا ہے جو بے شک موصل ہے۔ اور آپ کی یہ التجا قبول ہو گئی ہوئی ہے۔

چنانچہ رشحات میں حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ سے منقول ہے کہ یہ طریقہ کیونکر اقرب اور موصل نہ ہو جب کہ انتہا اس کے ابتدا میں مندرج ہے وہ شخص بہت ہی بدقسمت ہے جو اس طریق میں داخل ہو اور استقامت اختیار نہ کرے اور بے نصیب چلا جائے ع

خورشید نہ مجرم ار کسے بینا نیست

سُورج کا کیا قصور اگر کوئی خود ہی نابینا ہو۔

ہاں اگر کوئی طالب کسی ناقص کے ہاتھ پڑ جائے تو طریق کا کیا گناہ ہے اور طالب کا کیا قصور۔ کیونکہ حقیقت میں اس طریق کا رہبر موصل ہے نہ نفس طریق۔ اور اس راہ میں ابتدا میں حلاوت و وجدان ہے اور انتہا میں بے مزگی اور فقدان، جو نااُمیدی کے لوازمات میں سے ہے۔ برخلاف دوسرے طریقوں کے کہ ابتدا میں بے مزگی اور فقدان رکھتے ہیں اور انتہا میں حلاوت و وجدان اور ایسے ہی اس طریق کے ابتدا میں قرب و شہُود ہے اور انتہا میں بُعد و حرمان۔ برخلاف دوسرے مشائخ کرام کے طریقوں کے۔

پس اس مضمون سے طریقوں کے فرق کو قیاس کرنا چاہیئے۔ اور اس بلند طریق کی بزرگی کو معلوم کرنا چاہیئے کیونکہ قرب و شہُود اور حلاوت و وجدان دوری اور مہجوری سے خبر دیتے ہیں۔ اور بُعد و حرمان اور بے حلاوتی اور فقدان نہایت قرب سے خبر دیتے ہیں۔ عقلمند لوگ اس بات کو سمجھتے ہیں۔

اس بھید کی شرح میں اس قدر بیان کیا جاتا ہے کہ کسی شخص کے لیے اپنے نفس سے زیادہ تر اپنے نزدیک کوئی چیز نہیں ہے۔ اور قرب و شہُود اور حلاوت و وجدان اس کے لیے اپنے نفس کے حق میں مفقود ہیں اور اپنے غیر کی نسبت جس سے بیگانگی رکھتا ہے۔ یہ سب نسبتیں موجود ہیں۔ فَالْعَاقِلُ تَكْفِيْهِ الْاِشَارَةُ پس عقلمند کے لیے ایک ہی اشارہ کافی ہے۔

اور اس طریقہ عُلیہ کے بزرگواروں نے احوال و مواجید کو احکام شرعیہ کے تابع کیا ہے اور اذواق و معارف کو علوم دینیہ کا خادم بنایا ہے۔

احکام شرعیہ کے قیمتی موتیوں کو بچوں کی طرح وجد و حال کے اخروٹ و منقہ کے عوض ہاتھ سے نہیں دیتے۔ اور صوفیہ کے کلمات سکریہ پر مغرور و مفتون نہیں ہوتے۔ اور ان کے احوال کو جو شرعی ممنوعات اور سنت سنیہ کے خلاف اختیار کرنے سے حاصل ہوں۔ قبول نہیں کرتے۔ اور نہ ہی انہیں چاہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ سماع و رقص کو پسند نہیں کرتے۔ اور ذکر جہر کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ ان کا حال دائمی ہے

اور ان کا وقت استمراری ۔ وہ تجلّی ذاتی جو دوسروں کو برق خاطف کی طرح ہے ۔ ان کے لیے دائمی ہے۔ اور وہ حضور جس کے پیچھے غیبت ہو ۔ ان بزرگواروں کے نزدیک بے اعتبار ہے ۔ بلکہ ان کا معاملہ حضور و تجلّی سے برتر ہے ۔ جیسے کہ اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ۔

حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ اس طریقہ علیہ کے خواجگان قدس سرہم ہر ادنیٰ و اعلیٰ کے ساتھ نسبت نہیں رکھتے، ان کا کام اس سے بلند تر ہے ۔ اور اس طریق میں پیری و مریدی طریقہ کے تعلم و تعلیم پر موقوف ہے نہ صرف کلاہ و شجرہ پر جو مشائخ کے اکثر طریقوں میں مروج ہے ۔ حتیٰ کہ ان میں سے متاخرین نے پیری و مریدی کو کلاہ و شجرہ پر منحصر کر دیا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ پیر کا تعدد تجویز نہیں کرتے اور طریق سکھانے والے کو مُرشد کہتے ہیں پیر نہیں جانتے ۔ اور آداب پیری کہ اس کے حق میں مدنظر نہیں رکھتے ۔ یہ ان کی بڑی جہالت اور نادانی ہے ۔ نہیں جانتے کہ ان کے مشائخ نے پیر تعلیم اور پیر صحبت کو بھی پیر کہا ہے ۔ اور پیر کا تعدد تجویز فرمایا ہے ۔ بلکہ پیر اول کی عین حیات میں اگر طالب اپنی ہدایت کسی اور جگہ دیکھے تو اس کو جائز ہے کہ پہلے پیر کے انکار کے بغیر دوسرے پیر کو اختیار کرے ۔

حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ نے اس بات کی تجویز کے لیے علمائے بخارا سے اس بات کا فتوے درست فرمایا تھا ۔ ہاں اگر ایک پیر سے خرقہ ارادت لیا ہو تو پھر دوسرے سے خرقہ ارادت نہ لے ۔ اور اگر لے تو تبرک کا خرقہ لے ۔ مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ دوسرا پیر ہرگز نہ پکڑے ۔ بلکہ روا ہے کہ خرقہ ارادت ایک سے لے ۔ اور طریقت کی تعلیم دوسرے سے اور صحبت تیسرے کے ساتھ رکھے ۔ اور اگر یہ تینوں دولتیں ایک ہی سے میسر ہو جائیں، تو زہے قسمت و نعمت اور جائز ہے کہ مشائخ متعددہ سے تعلیم و صحبت کا استفادہ کرے ۔

جاننا چاہیے کہ پیر وہ ہے جو مرید کو حق سبحانہٗ کی طرف رہنمائی کرے ۔ یہ بات تعلیم طریقت میں زیادہ ملحوظ اور واضح ہے ۔ کیونکہ پیر تعلیم شریعت کا استاد بھی ہے اور طریقت کا رہنما بھی ہے ۔ برخلاف پیر خرقہ کے ۔ پس پیر تعلیم کے آداب کی زیادہ تر رعایت کرنی چاہیے ۔ اور پیر بننے اور کہلانے کا زیادہ مستحق یہی ہے ۔ اور اس طریق میں ریاضتیں اور مجاہدے نفس امارہ کے ساتھ احکام شرعی کے بجالانے اور سنت سنیہ علے صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کو لازم پکڑنے سے ہیں ۔ کیونکہ پیغمبروں کے بھیجنے اور کتابوں کے نازل کرنے سے نفس امارہ کی خواہشوں کو دُور کرنا مقصود ہے جو اپنے مولائے جل شانہٗ کی دشمنی میں قائم ہے ۔ پس نفسانی خواہشوں کا دُور ہونا احکام شرعی کے بجالانے پر وابستہ ہے ۔ جس قدر شریعت میں راسخ اور ثابت قدم ہو گا ۔ اُسی قدر خواہش نفس سے دُور تر ہو گا کیونکہ نفس پر شریعت کے اوامر و نواہی کے بجالانے سے زیادہ دشوار کوئی چیز نہیں ہے ۔ اور صاحب شریعت کی پیروی کے سوا کسی چیز میں اس کی خرابی متصور

نہیں ہے۔ وہ ریاضتیں اور مجاہدے جو سنت کی تقلید کے سوا اختیار کریں وہ معتبر نہیں ہیں۔ کیونکہ جوگی اور ہندو اور برہمن اور یونان کے فلسفی اس امر میں شریک ہیں اور وہ ریاضتیں ان کے حق میں گمراہی کے سوا کچھ زیادہ نہیں کرتیں اور سوائے خسارہ کے کچھ فائدہ نہیں دیتیں۔ اور اس طریقہ میں طالب کا سلوک شیخ مقتدا کی تقلید پر منحصر ہے۔ اس کے تصرف[1] کے بغیر کچھ کام نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ ابتدا میں نہایت کا درج ہونا اسی کی شریف توجہ کا اثر ہے اور بےچونی اور بےچگونی کا حاصل ہونا اسی کے کمال تصرف کا نتیجہ ہے۔ بے خودی کی وہ کیفیت جس کے لیے انہوں نے مختص راستہ اختیار کیا ہے اس کا حاصل ہونا مبتدی کے اختیار میں نہیں ہے۔ اور وہ توجہ جو شش جہت سے معرا ہے۔ اس کا وجود طالب کے حوصلہ سے باہر ہے ؎

نقشبندیہ عجب قافلہ سالار انند
کہ برند از رہِ پنہاں بحرم قافلہ را

نقشبندی بزرگ عجیب قافلہ سالار ہیں کہ پوشیدہ پوشیدہ قافلے کو حرم تک پہنچادیتے ہیں۔

یہ بزرگوار جس طرح نسبت کے عطا کرنے پر کامل طاقت رکھتے ہیں اور تھوڑے وقت میں طالب صادق کو حضور و آگاہی بخش دیتے ہیں۔ اسی طرح نسبت کے سلب کرنے میں بھی پوری طاقت رکھتے ہیں اور ایک ہی بے التفاتی سے صاحب نسبت کو مفلس کر دیتے ہیں۔ ہاں سچ ہے جو دیتے ہیں وہ لے بھی لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے غضب اور اپنے اولیائے کرام کے غضب سے بچائے[2]۔

اور اس طریقہ میں زیادہ تر افادہ اور استفادہ خاموشی میں ہے۔ ان بزرگواروں نے فرمایا ہے کہ جس کو ہماری خاموشی سے نفع حاصل نہ ہوا۔ وہ ہمارے کلام سے کیا نفع حاصل کرے گا۔ اور اس خاموشی کو انہوں نے تکلف کے ساتھ اختیار نہیں کیا ہے۔ بلکہ ان کے طریق کے لوازم اور ضروریات سے ہے۔ کیونکہ ان بزرگواروں کی توجہ ابتدا ہی سے احدیت مجردہ کی طرف ہے۔ اور اسم و صفت سے سوائے ذات کے کچھ نہیں چاہتے اور معلوم ہے کہ اس توجہ کے مناسب اور اس مقام کے موافق خاموشی اور گنگا ہونا ہے۔ مَنْ عَرَفَ اللّٰہَ کَلَّ لِسَانُہٗ (جس نے اللہ کو پہچانا اس کی زبان گنگ ہوگئی) اس بات کی مصداق ہے[3]۔

اب ہم اس گفتگو کو اللہ کی حمد اور اس کے حبیب کی صلوٰۃ پر ختم کرتے ہیں۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَاٰلِہِ الطَّاھِرِیْنَ وَعَلَیْھِمْ اَجْمَعِیْنَ ـــــــ

---

[1] معلوم ہوا ولی اللہ کا تصرف کرنا برحق ہے ۱۲

[2] اولیاء اللہ کی قدرت و طاقت کے منکر امام ربانی کے ان کلمات کا غور سے مطالعہ کریں۔

[3] یہ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقولہ ہے۔

"تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لیے ہیں، اور حضرت سید المرسلین اور آپ کی آل پاک پر صلوٰۃ و سلام ہو"

مکتوب نمبر ۲۲۲

خواجہ محمد اشرف کابلی کی طرف صادر فرمایا:

احوال کی خرابی اور اپنے حسنات کو کم دیکھنا اور متہم رکھنا اور اس دید قصور کا ولایت کے کمالات کے ساتھ جمع ہونے بلکہ اس دید کا ان کمالات کا اثر ہونے اور اس کے مناسب بیان میں۔

اَللّٰهُمَّ وَفِّقْنَا لِمَرْضَاتِكَ وَثَبِّتْنَا عَلٰى طَاعَتِكَ بِحُرْمَةِ سَيِّدِ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ۔ ·· یا اللہ تو ہم کو اپنی رضامندی کی توفیق بخش۔ اور حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی طفیل اپنی طاعت پر ثابت قدم رکھ۔

ایک بزرگ نے فرمایا ہے کہ مرید صادق وہ ہے کہ بیس سال تک اس کی بائیں طرف کے عمل لکھنے والے فرشتے اس کے عمل نامہ میں کچھ لکھنے نہ پائیں، اور یہ فقیر پرتقصیر ذوق سے اپنے حق میں معلوم کرتا ہے کہ کاتب یمین معلوم نہیں کہ بیس سال کی مدت میں بھی کوئی ایسی نیکی پائے جو اس کے عمل نامہ میں درج کرے خدائے تعالیٰ جانتا ہے کہ فقیر اس بات کو بناوٹ اور تکلف سے نہیں کہتا۔ اور نیز از روئے ذوق کے معلوم کرتا ہے کہ کافر فرنگ اس سے کئی درجے بہتر ہے، اور اس کا باعث پوچھیں تو جواب سے عاجز نہیں ہے۔ اور نیز ذوق کے طریق پر اپنے آپ کو برائیوں کا احاطہ کیے ہوئے جانتا ہے۔ اور گناہوں کو شامل کیے ہوئے خیال کرتا ہے۔ اور وہ نیکیاں جو سرزد ہوتی ہیں۔ اپنے کاتب شمال کو ان کے لکھنے کا زیادہ مستحق پاتا ہے۔ اور معلوم کرتا ہے کہ اس کا کاتب شمال ہمیشہ اپنے کام میں مصروف ہے۔ اور کاتب یمین معطل و بیکار ہے اور دائیں طرف کے عمل نامے کو خالی اور سفید اور بائیں طرف کے عمل نامہ کو بھرا ہوا اور سیاہ جانتا ہے۔ رحمت کے سوا اسے کوئی امید نہیں اور مغفرت کے سوا کوئی وسیلہ نہیں جانتا۔

اَللّٰهُمَّ مَغْفِرَتُكَ اَوْسَعُ مِنْ ذُنُوْبِيْ وَرَحْمَتُكَ اَرْجٰى عِنْدِيْ مِنْ عَمَلِيْ۔ یا اللہ تیری بخشش میرے گناہوں سے زیادہ وسیع ہے۔ اور مجھے اپنے عمل کی نسبت تیری رحمت پر زیادہ اُمید ہے۔

اس کے حال کے موافق ہے۔

عجب معاملہ ہے کہ حق تعالیٰ کے فیوض و واردات جو ہمیشہ کمال اور تکمیل کے درجوں میں فائض اور

وارد ہیں وہ اس دید قصور کی تائید کرتے ہیں۔ اور اس عیب بینی کو تقویت دیتے ہیں۔ اور بجائے غرور کے منقصت زیادہ کرتے ہیں، اور بجائے رفعت وتکبر کے تواضع اور فروتنی کو بڑھاتے ہیں۔ اور ایک ہی وقت میں کمالات ولایت سے بھی مشرف ہے اور دید قصور سے بھی موصوف ہے۔ یہ فقیر جس قدر بلند جاتا ہے۔ اُسی قدر زیادہ نیچے اپنے آپ کو دیکھتا ہے۔ بلکہ وہی اوپر جانا زیادہ نیچے دیکھنے کا سبب ہوتا ہے۔ دانا اس بات کا یقین کریں یا نہ کریں۔ اور اگر اس بات کا بھید معلوم کریں۔ تو پھر شاید یقین کرلیں۔

سوال:۔ ان دو متنافی باتوں کے جمع ہونے کا کیا سر ہے۔ اور ایک متنافی کا وجود دوسرے متنافی کے وجود کا کیوں سبب ہے؟

جواب:۔ دونوں متنافی چیزوں کا جمع ہونا اس شرط پر محال ہے جب کہ محل دونوں کا واحد ہو اور جس کا ہم ذکر کر رہے ہیں اس میں محل متعدد ہیں۔ انسان کامل سے اوپر جانے والے اس کے عالم امر کے لطائف ہیں۔ اور نیچے آنے والے عالم خلق کے لطائف جس قدر بلند جاتے ہیں۔ اسی قدر عالم خلق سے زیادہ بے مناسب ہوتے جاتے ہیں۔ اور یہی بے مناسبتی عالم خلق کے زیادہ نیچے آنے کا سبب ہے۔ اور عالم خلق جس قدر زیادہ نیچے آتا ہے۔ اُسی قدر سالک کو زیادہ بے مزہ کرتا ہے۔ اور عیوب و قصور کی دید زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ منتہی مرجوع اس لذت وحلاوت کی آرزو کرتے ہیں جو ابتدا میں ان کو حاصل ہوتی تھی۔ اور انتہا میں ہاتھ سے جاتی رہی اور اس کی جگہ بے مزگی آگئی اور یہی وجہ ہے کہ عارف اپنے آپ سے کافر فرنگ کو بہتر جانتا ہے۔ کیونکہ کافر میں اس کے عالم امر کے عالم خلق میں ملنے کے سبب سے نور الٰہی ظاہر ہے۔ اور عارف میں یہ ملاوٹ دُور ہوچکی ہے۔ عالم خلق تنہا جس کے باعث عارف سے[1] فاسد ہوتا ہے، جدا رہ گیا ہے۔ جو سراسر ظلمت وکدورت سے پُر ہے۔ اور عالم امر کے لطائف خواہ کتنے ہی نیچے آئیں۔ عالم خلق کے ساتھ کوئی اختلاط نہیں رکھتے اور کچھ ملاوٹ حاصل نہیں کرتے، جیسے کہ ابتدا میں رکھتے تھے۔

وہ مکتوب جو برادرم خواجہ محمد طاہر کے ہاتھ آپ نے بھیجا تھا۔ پہنچا۔ رابطہ کا حاصل ہونا جو پُوری مناسبت پر مبنی ہے۔ غیبت کے زمانہ میں بڑی نعمت سمجھیں اور موانع کے دُور ہونے تک دلوں کے قرب پر کفایت کریں۔ اور اس قرب کے باوجود بدنوں کے قرب کی خواہش کو ہاتھ سے نہ دیں کیونکہ پوری نعمت اسی قرب پر موقوف ہے۔

خواجہ اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کو باوجود قرب قلبی کے چونکہ قرب بدنی حاصل نہ ہوا۔ اس لیے ان

---

[1] تصور شیخ کامل۔

لوگوں میں سے ادنیٰ آدمی کے درجے کو بھی نہیں پہنچا۔ جن کو قربِ بدنی حاصل تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا سونے کا پہاڑ خرچ کرنا ان کے ایک سیر بھر جو خرچ کرنے کے برابر نہیں ہوتا۔ پس صحبت کے برابر کوئی چیز نہیں ہے۔ والسّلام

مکتوب نمبر ۲۲۳

احوال و واقعات کو شیخ بزرگوار کی خدمت میں ظاہر کرنے کی ترغیب میں خواجہ جمال الدین حسین کولابی کی طرف صادر فرمایا ہے:۔

برادرم خواجہ جمال الدین حسینؒ نے مدت سے اپنے احوال کی کیفیت سے اطلاع نہیں دی۔ آپ نے نہیں سُنا کہ مشائخ کبرویہ، اُس مرید کو جو تین روز تک اپنے احوال و واقعات کو اپنے شیخ کی خدمت میں عرض نہ کرے۔ کفِ پا، فرماتے ہیں۔ خیر جو کچھ ہُوا، ہُوا۔ پھر ایسا نہ کریں۔ اور جو کچھ ظاہر ہوتا رہے، لکھتے رہا کریں۔ میرے بزرگ بھائی کا مبارک آنا غنیمت سمجھیں اور ان کی خدمت و دلجوئی میں کوشش کریں۔ اور ان کی بزرگ صحبت کو بڑا عزیز جانیں۔ ع

دادیم ترا ز گنج مقصود نشاں

ہم نے تجھے مقصود کے خزانے کا نشان بتا دیا ہے۔ والسّلام

مکتوب نمبر ۲۲۴

آداب کی رعایت کرنے اور آثار کے ظن کو دُور کرنے میں جس کا وہم ہُوا تھا۔ اور احتیاط کا امر کرنے اور تعلیم طریقت کے بارہ میں تاکید کرنے۔ اور فقر کی سختی اور نامرادی برداشت کرنے۔ اور بعض ان نصیحتوں اور تنبیہوں کے بیان میں جو اُس مکتوب کی پشت پر مُلا یار محمد قدیم کی طرف لکھیں تھیں میر محمد نعمان بدخشی کی طرف لکھا:۔

میرے سعادت مند بھائی یعنی سیادت پناہ میر محمد نعمان کا مکتوب شریف وصول ہُوا۔ ان مقدمات کا مضمون جو آپ نے ترتیب دیے تھے۔ اور ان شکوک کا مطلب جو آپ نے لکھے تھے۔ واضح ہُوا لوگ آپ کو زمانہ کا عاقل کہتے ہیں۔ پھر اس قسم کی باتیں اُس شخص کے ساتھ جس سے چارہ نہیں ہے درمیان لائی گیا

مناسب ہیں۔ جب کہ اس سے قطع نہیں کر سکتے اور مفارقت نہیں حاصل کر سکتے۔ باوجود ان باتوں کے خیال نہ کریں کہ اس قسم کی باتوں سے فقیر کے دل میں کسی قسم کا غبار آیا ہو جس کا انجام آزار ہو۔ چہ جائے کہ بیزاری کی نوبت پہنچے۔ آپ کی خوبیاں نظر کے سامنے ہیں اور آپ کی لغزشیں اعتبار سے ساقط ہیں۔ کسی طرح اپنے دل کو پریشان نہ رکھیں۔ اور کسی وجہ سے اس طرف کا آزار تصور نہ کریں۔ کیونکہ کسی وجہ سے آزار واقع نہیں ہے۔ اور آزار کیسے متصور ہو۔ جب کہ آزار کا موجب منتفی ہے۔ وہ امور جو بشریت کے لحاظ سے بھول چوک سے سرزد ہوں مواخذہ کے لائق نہیں ہیں۔ آزار کا وہم دل سے دور کر کے طریقت کی تعلیم دینے اور طالبوں کے فائدہ پہنچانے میں سرگرم رہیں۔ اور استخاروں کا حکم اس امر کی تاکید کے لیے ہے نہ کہ اس امر کی نفی کے لیے۔ کیونکہ جب شیطان لعین اور نفس بدترین اس مسکین کی گھات میں لگے ہوئے ہیں۔ تو پھر بڑی احتیاط اور تاکید سے کام لینا چاہیے، ایسا نہ ہو کہ مکر و حیلہ سے پھسلا دیں اور اپنے ڈھکوسلوں اور فریبوں سے برائیوں کو نیکیوں کی صورت میں ظاہر کریں۔

اور بزرگواروں نے فرمایا ہے کہ دشمن لعین جب طاعت و نصیحت کے رستہ سے آئے تو اس کا دفع کرنا بہت مشکل ہے۔ پس ہمیشہ روتے اور التجا کرتے رہیں۔ اور بڑی عاجزی و زاری کے ساتھ حق تعالےٰ سے دعا مانگتے رہیں کہ اس راہ سے آپ کی خرابی اور استدراج مطلوب نہ ہو۔ استقامت کا طریق یہی ہے جو سعادت ابدی کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

دوسرے یہ امر ہے کہ فقر و نامرادی اس گروہ کا جمال اور حضرت سید الکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتدا ہے۔ حضرت حق تعالیٰ اپنے کمال کرم سے اپنے بندوں کی روزی کا ذمہ دار ہوا ہے اور ہم کو اور آپ کو اس فکر و تردد سے فارغ کر دیا ہے۔ جس قدر آدمی زیادہ ہوں گے اسی قدر رزق زیادہ ہو گا۔ آپ جمعیت کے ساتھ حق تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنے میں متوجہ ہوں۔ اور متعلقین کا غم حق تعالیٰ کے کرم کے حوالہ کر دیں باقی ملاقات کے وقت۔

بعض یاروں نے جو اس طرف آئے تھے ظاہر کیا کہ ابھی تک آزار کا وہم میر کے دل میں متمکن ہے اس لیے تاکید اور مبالغہ سے لکھا گیا ہے کہ آزار کے وہم کو دور کر دیں۔

دوسرے یہ کہ ایک خط ملا یار محمد قدیم کی طرف لکھا تھا، جو پند و نصیحتوں پر مشتمل تھا۔ ظاہر یہی ہوتا ہے کہ اس خط کا مضمون اس کی طبیعت کے موافق نہیں آیا۔ کیونکہ اس کا جواب نہیں دیا۔ اور دعا تک نہیں کی اُسے پسند نہ آئے تو نہ آئے۔ وہ لوگ جو اس فقیر کے ساتھ نسبت رکھتے ہیں۔ اگر ان کی غلطی اور خطا کو انہیں نہ جتلائے اور حق کو باطل سے جدا نہ کرے تو اپنے ذمہ سے کس طرح بری ہو گا اور آخرت میں کیا منہ

دکھائے گا۔ آپ اس سے کہہ دیں ؎

من آنچہ شرط بلاغ است باتو میگویم
تو خواہ از سخنم پند گیر و خواہ ملال

میں شرطِ تبلیغ کے تحت — یہ کہہ رہا ہوں تو خواہ میری باتوں سے نصیحت گیر ہو خواہ ملال کر۔

جاننا چاہیے کہ شیخ بننے اور حق کی طرف خلق کو دعوت کرنے کا مقام بہت ہی عالی ہے آپ نے سُنا ہوگا کہ اَلشَّیْخُ فِیْ قَوْمِہٖ کَالنَّبِیِّ فِیْ اُمَّتِہٖ "شیخ اپنی قوم میں ایسا ہے جیسے نبی اپنی اُمّت میں"[۱]۔ ہر بے سروسامان کو اس بلند مرتبہ سے کیا مناسبت ہے ؎

ہر گدائے مرد میدان کے شود
پشۂ آخر سلیمان کے شود

ہر گدا اگر مرد میدان نہیں ہو سکتا۔ مچھر آخر سلیمان کیسے بن سکتا ہے۔

احوال و مقامات کا مفصل علم ہونا اور مشاہدات و تجلیات کی حقیقت کا پہچاننا۔ اور کشوف والہامات کا حاصل ہونا۔ اور واقعات کی تعبیر کا ظاہر ہونا۔ اس بلند مقام کے لوازمات سے ہے۔ وَبِدُوْنِھَا خَرْطُ الْقَتَادِ "اور ان کے بغیر بے فائدہ رنج و تکلیف ہے"۔

حاصل کلام یہ ہے کہ طریقت کے بزرگوار قدس سرہم بعض مُریدوں کو پیشتر اس کے کہ وہ مقامِ شیخی تک پہنچیں، کسی مصلحت اور بہتری کے لیے ایک قسم کی اجازت دے دیتے ہیں۔ اور ایک طرح تجویز فرماتے ہیں کہ طالبوں کو طریقہ دکھائیں تاکہ احوال و واقعات پر اطلاع پائیں۔

اس قسم کی تجویز میں شیخ مقتدا کو لازم ہے کہ اس مُرید مُجاز کو اس کام میں بڑی احتیاط سے کام کرنے کا حکم کرے اور تاکید کے ساتھ غلطی کے مواد کو ظاہر کر دے۔ اور بار بار ان کے نقص پر اطلاع دے۔ اور مبالغہ کے ساتھ ان کا ناقص ہونا ظاہر کر دے۔ اس صورت میں اگر شیخ حق کے ظاہر کرنے میں سستی کرے تو خیانت ہے۔ اور اگر مرید کو وہ باتیں بُری معلوم ہوں تو بد قسمت ہے۔ کیا نہیں جانتا کہ حق تعالیٰ کی رضامندی شیخ کی رضامندی سے وابستہ ہے[۲]۔ اور حق تعالیٰ کا غضب شیخ کے غضب پر موقوف ہے۔ اس پر

---

[۱] امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے الدرر المنتثرہ میں فرمایا کہ اس روایت کو دیلمی نے ابورافع سے باسند روایت کیا نیز امام سیوطی نے جامع صغیر میں ان الفاظ سے ذکر کیا۔ الشیخ فی اہلہ کالنبی فی امتہ اور ابن النجار نے ابورافع سے بایں الفاظ نقل کیا الشیخ فی بیتہ کالنبی فی امتہ یاد رہے کہ اس حدیث کو زیادہ سے زیادہ ضعیف کہا جا سکتا موضوعات میں شمار کرنا درست نہیں ۱۲

[۲] خدا تعالیٰ کی رضامندی مرشد کامل کی رضامندی سے وابستہ ہے اور خدا تعالیٰ کی ناراضگی شیخ کامل کی (باقی بر صفحہ آئندہ)

کیا بلا آپڑی وہ نہیں سمجھتا کہ ہم سے قطع کرنا اُس کو کہاں تک پہنچا دے گا۔ اور اگر ہم سے قطع کرے گا تو اور کس سے جا ملے گا۔ اور اگر نعوذ باللہ اس قسم کا کوئی امر اس کے دل میں راہ پا گیا ہو۔ تو بے توقف اس کو کہہ دیں کہ توبہ و استغفار کریں اور حق تعالیٰ کی بارگاہ میں عاجزی اور زاری کرے کہ اس ابتلا و فتنہ عظیم میں اس کو مبتلا نہ کرے اور اس خطرناک بلا و آزمائش میں اس کو گرفتار نہ کرے۔

اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے کہ یاروں کی اس بے پروائی اور اضطراب سے کسی قسم کا غبار اور آزار فقیر کے دل میں داخل نہیں ہُوا۔ اس سبب سے اُمید واثق ہے کہ تمام کاموں کا انجام بخیر ہو گا۔ اور باقی احوال و اوضاع کو برادر سیادت مند مولانا صالح محمد مفصل بیان کریں گے اور آپ بعض شبہوں کے مقام کو ان سے دریافت کرلیں گے۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ اَتَمُّهَا وَاَکْمَلُهَا اور سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت کا راستہ اختیار کیا اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑا۔

مکتوب نمبر ۲۲۵

ملا طاہر لاہوری کی طرف صادر فرمایا:۔

اس بیان میں کہ وہ احوال جو دوسروں کو نہایت میں میسّر ہوتے ہیں۔ اس طریقہ علیہ کے ابتدا میں میسّر ہو جاتے ہیں۔ لیکن بدایت میں نہایت مندرج ہونے کے طریق پر جو اس طریقۂ علیہ کے لوازم سے ہے اور اس قسم کے احوال کا ابتدا میں ظاہر ہونا اس بات کو مستلزم نہیں ہے کہ ایسے احوال والے کو کامل مکمل کہیں اور طریقت [illegible] کرنے کی اجازت دے دیں۔ اور اس کے مناسب بیان میں۔

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی نَبِیِّهٖ وَنُسَلِّمُ عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهِ الْکِرَامِ ہم اللہ کی حمد کرتے ہیں اور اس کے نبی اور آپ کی آل بزرگوار پر صلوٰۃ وسلام بھیجتے ہیں۔

آپ کے شریف خط پے در پے پہنچے۔ طالبوں کی ترقی اور ان کی تعداد اور جمعیت کا حال پڑھ کر بہت ہی خوشی حاصل ہوئی۔

حاصل کلام یہ ہے کہ چونکہ اس طریق میں نہایت ابتدا میں مندرج ہے۔ اس لیے اس طریقہ علیہ کے مبتدیوں

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ناراضگی پر موقوف ہے۔ جو لوگ شیخ کامل کو بے بس اور بے اختیار جانتے ہیں انہیں اپنے اس اعتقاد کی اصلاح کرنی چاہیے۔

کو ابتدا میں اس قسم کے احوال ظاہر ہوتے ہیں، جو منتہیوں کے احوال کے ساتھ یہاں تک مشابہ ہوتے ہیں کہ ان دونوں قسم کے احوال کے درمیان سوائے عارف کے جس کی نظر بصیرت تیز ہو کوئی فرق نہیں کر سکتا۔ پس اس لحاظ سے احوال کے حاصل ہونے کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔ ایسے احوال والے کو طریقہ سکھانے کی اجازت نہ دینی چاہیے۔ کیونکہ اس صورت میں طالبوں کے ضرر کی نسبت اس کا اپنا بڑا ضرر ہے۔ ممکن ہے کمال کا خیال کر کے ترقی سے رُک جائے۔ یا جاہ و ریاست کے حاصل ہونے سے جو مقام ارشاد کے لیے ضروری ہے فتنہ میں پڑ جائے۔ کیونکہ اس کا نفس امارہ ابھی اپنے کفر کی حالت پر ہے۔ اور اس کا تزکیہ نہیں ہُوا ہے خیر جو کچھ ہُوا سو ہُوا۔ جن لوگوں کو آپ نے اجازت دی ہے انہیں نرمی اور محبت سے سمجھا دیں کہ اس قسم کی اجازت کمال پر مبنی نہیں ہے۔ ابھی بہت کام در پیش ہے اس قسم کے احوال جو ابتدا میں ظاہر ہوتے ہیں۔ بدایت میں نہایت مندرج ہونے کی قسم سے ہیں۔ اور جو نصیحتیں مناسب جانیں عمل میں لائیں۔ اور ان کے نقص پر ان کو اطلاع بخشیں۔ اور چونکہ آپ نے ان کو اجازت دے دی ہے اس لیے طریقہ سکھانے سے ان کو منع نہ کریں۔ شاید آپ کی توجہ کی برکت سے مقام ارشاد کی حقیقت تک پہنچ جائیں۔

دوسرے یہ ہے کہ جب آپ نے اس عظیم القدر کام کو شروع کیا ہے تو مبارک ہے۔ اس کام میں بڑی سعی و کوشش بجالائیں۔ اور بڑے سرگرم رہیں تاکہ طالبوں کی زیادہ سے زیادہ ترقی کا باعث ہو۔ وَالسَّلَامُ۔

مکتوب نمبر ۲۲۶

اس بیان میں کہ زندگی کی فرصت بہت کم ہے اور ہمیشہ کا عذاب اس پر مترتب ہے اور اس کے مناسب امور کے بیان اپنے حقیقی بھائی میاں شیخ محمد مودود کی طرف لکھا ہے:۔

میرے عزیز بھائی! کا خط پہنچ کر خوشی کا موجب ہُوا۔ اے بھائی اللہ تعالیٰ ہم کو اور تم کو توفیق دے۔ زندگی کی فرصت بہت تھوڑی ہے۔ اور ہمیشہ کا عذاب اس پر آنے والا ہے۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ کوئی اس فرصت کو بیہودہ امور کے حاصل کرنے میں صرف کرے اور ہمیشہ کا رنج و الم خریدے۔

اے بھائی! لوگ دُور دُور سے دنیاوی اسباب کو چھوڑ کر مور و ملخ کی طرح آ رہے ہیں۔ اور تم اپنے گھر کی دولت کی قدر نہ جان کر دنیا کمینی کی طلب میں بڑے مزے سے باہر دوڑ رہے ہو اور بڑے شوق

ہے اس کے حاصل کرنے کے خواہاں ہو :

اَلْحَیَاءُ مِنَ الْاِیْمَانِ ۔ حیا ایمان کی شاخ ہے۔

حدیث نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے[1]۔

اے بھائی! اہل اللہ کا اس طرح اکٹھا ہونا۔ اور اس طرح للہ فی اللہ کی جمعیت جو آج سرہند میں میّسر ہے۔ اگر تمام جہان کے گرد پھرو تو بھی معلوم نہیں کہ اس دولت کا سواں حصّہ بھی کہیں پاسکو۔ اور اس ماجرا و کیفیت کا کچھ حصّہ حاصل کرسکو۔ تم نے اس دولت کو مفت ہاتھ سے کھودیا اور قیمتی موتیوں کو چھوڑ کر بچوں کی طرح اخروٹ و منقہ پر کفایت کی ع

شرمت بادا ہزار شرمت بادا

تمہیں ہزار بار شرم کرنی چاہیے۔

اے بھائی! آئندہ وقت تک شاید فرصت نہ دیں۔ اور اگر دیں بھی۔ تو اس قسم کے اجتماع کو قائم نہ رہنے دیں۔ تو پھر کیا علاج ہوگا۔ اور کس طرح تدارک ہو سکے گا۔ اور کس چیز سے تلافی حاصل ہوگی۔ تم نے خطا کی ہے اور غلط سمجھے ہو۔ چرب و شیریں لقموں پر فریفتہ نہ ہو جاؤ اور قیمتی اور آراستہ کپڑوں پر دھوکا نہ کھا جاؤ۔ ان کا نتیجہ دنیا و آخرت میں حسرت و ندامت کے سوا کچھ نہیں۔ اہل و عیال کی رضامندی کے لیے اپنے آپ کو مصیبت میں ڈالنا اور آخرت کا عذاب اختیار کرنا، عقل دور اندیش سے دُور ہے۔ حق تعالیٰ تم کو عقل دے اور آگاہ کردے۔

اے بھائی! دُنیا بے وفائی میں ضرب المثل ہے۔ اور اہل دُنیا خست اور کمینہ پن میں مشہور ہیں۔ پھر بڑے افسوس کی بات ہے کہ انسان اپنی قیمتی عمر کو اس بے وفا اور کمینی کے لیے خرچ کرے :

مَا عَلَی الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلَاغُ ۔ قاصد کا کام حکم پہنچا دینا ہے۔ والسلام

مکتوب نمبر ۲۲۷

بعض ان پند و نصائح کے بیان میں جو مقام شیخی اور تکمیل سے تعلق رکھتے ہیں۔ ملا طاہر لاہوری کی طرف لکھا ہے :۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی: تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں اور اس کے برگزیدہ

[1] بخاری و مسلم شریف بروایت ابوھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

بندوں پر سلام ہو"۔ آپ کا مکتوب شریف پہنچا۔ خوشی کا موجب ہوا۔ اور یاروں کے التذاذ اور حلاوت کا حال پڑھ کر نہایت ہی فرحت حاصل ہوئی۔

اے بھائی! حق تعالیٰ نے آپ کو یہ منصب عطا فرمایا ہے اس نعمت کا شکر پوری طرح ادا کریں اور محافظت کریں کہ کوئی ایسا امر صادر نہ ہو جو مخلوقات کی نفرت کا باعث ہو۔ کیونکہ اس میں بڑی خرابی ہے۔ خلق کی نفرت اس ملامتی گروہ کے حال کے مناسب ہے جن کا دعوت اور شیخی سے کچھ واسطہ نہیں ہے بلکہ ملامت کا مقام شیخی کے مقام کے برخلاف ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ان دونوں مقام کو آپس میں ملا دیں اور عین شیخی میں ملامت کی آرزو کریں کہ یہ بڑے ظلم کی بات ہے۔ اور مریدوں کی نظر میں اپنے آپ کو متجمل یعنی رُعب وداب سے آراستہ پیراستہ رکھیں۔ اور مُریدوں کے ساتھ کثرت سے میل جول اور اُنس اختیار نہ کریں کہ خفت اور سُبکی کا موجب ہے اور افادہ اور استفادہ کے منافی ہے۔ اور حدود شرعیہ کی اچھی طرح محافظت کریں۔ اور جہاں تک ہو سکے رخصت پر عمل کریں کہ یہ بھی اس طریقہ علیہ کے منافی اور سنت سنیہ کی تابعداری کے دعوے کے مخالف ہے۔

ایک بزرگ نے فرمایا ہے کہ رِیَاءُ الْعَارِفِیْنَ خَیْرٌ مِّنْ اِخْلَاصِ الْمُرِیْدِیْنَ " عارفوں کا ریا مریدوں کے اخلاص سے بہتر ہے"۔ کیوں کہ عارفوں کا ریا طالبوں کے دلوں کو حق تعالیٰ کی پاک بارگاہ کی طرف کھینچنے کے لیے ہوتا ہے۔ پس ضرور مریدوں کے اخلاص سے بہتر ہو گا۔ اور نیز عارفوں کے اعمال طالبوں کے لیے اعمال بجا لانے میں موجب تقلید ہیں۔ اگر عارف خود عمل نہ کریں تو طالب محروم رہیں گے۔ پس عارف اس واسطے ریا کرتے ہیں تاکہ طالب ان کی اقتدا کریں۔ یہ ریا عین اخلاص ہے۔ بلکہ اُس اخلاص سے بہتر ہے جو اپنے نفع کے لیے ہو۔

اس بات سے کوئی شخص یہ گمان نہ کرے کہ عارفوں کے عمل محض طالبوں کی تقلید کے لیے ہیں۔ اور عارفوں کو عمل کی حاجت نہیں ہے۔ نعوذ باللہ منہا یہ الحاد و زندقہ ہے۔ بلکہ عارف اعمال کے بجالانے میں عام طالبوں کے ساتھ برابر ہیں۔ اور اعمال کے بجالانے سے کسی کو چارہ نہیں ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ بسا اوقات عارفوں کے اعمال میں طالبوں کا نفع مدنظر ہوتا ہے جو تقلید پر وابستہ ہے۔ اس اعتبار سے اس کو ریا کہتے ہیں۔

غرض قول و فعل میں بڑی محافظت کریں کیوں کہ اس زمانہ میں اکثر لوگ فساد و ہنگامہ کے درپے ہیں۔ کوئی ایسا کام سرزد نہ ہونے پائے جو اس مقام کے منافی ہو۔ اور جاہل لوگوں کو بزرگوں کے طعن کا موقع مل جائے۔ اور حضرت حق تعالیٰ سے استقامت طلب کرتے رہا کریں۔

دوسرے یہ ہے کہ آپ نے مشائخ کی نسبتوں کے حاصل ہونے کے بارہ میں لکھا تھا۔ اس کی وجہ کئی دفعہ رُو برُو آپ سے بیان ہو چکی ہے۔ اس کے سوا اور کچھ نہ سمجھیں کہ اس میں خیریت نہیں ہے اس سے زیادہ کیا لکھا جائے۔ والسلام

مکتوب نمبر ۲۲۸

بعض نصیحتوں کے بیان میں جو مقام تکمیل اور تعلیم طریقت سے تعلق رکھتی ہیں۔ اور ان کے مناسب امور کے بیان میں میر نعمان کی طرف لکھا۔

میرے بھائی سیادت پناہ کا مکتوب پہنچا۔ خوشی کا باعث ہوا۔ اے بھائی کئی دفعہ آپ کو کہا گیا ہے کہ اس طریق کا مدار دو اصولوں پر ہے۔

ایک شریعت پر اس حد تک استقامت اختیار کرنی کہ اس کے چھوٹے چھوٹے آداب کے ترک پر بھی راضی نہ ہوں۔

دوسرے شیخ طریقت کی محبت اور اخلاص پر اس طرح راسخ اور ثابت قدم ہوں کہ اس پر کسی قسم کا اعتراض نہ کریں۔ بلکہ اس کے تمام حرکات و سکنات مرید کی نظر میں زیبا اور محبوب دکھائی دیں۔

خدا محفوظ رکھے کہ ان امور میں سے جو ان دو اصلوں کے متعلق ہیں کسی امر میں خلل واقع نہ ہو اور اگر اللہ کی مہربانی سے یہ دو اصل درست ہو گئے۔ تو دنیا و آخرت کی سعادت نقدِ وقت ہے۔ اور بھی بہت سی نصیحتیں اور وصیتیں آپ کے کانوں تک پہنچ چکی ہیں۔ ان کو مدنظر رکھنے میں بڑی احتیاط کریں اور بڑی عاجزی اور زاری سے پہلی کوتاہیوں کا تدارک کریں۔ اور رمضان شریف کے اخیر عشرہ کا اعتکاف جو ایک دفعہ آپ سے ترک ہو گیا تھا۔ اس کی قضا کی نیت پر اس ذی الحج کے عشرہ میں اعتکاف بیٹھیں تاکہ اس نیت سے سنت پر عمل کر سکیں۔ اور اس عشرۂ اعتکاف میں گریہ و زاری اور عجز و نیاز سے اپنی تقصیروں اور کوتاہیوں کی عذر خواہی کریں۔ فقیر بھی ان شاء اللہ اس عشرہ میں آپ کی مدد کرے گا۔

اجازت نامہ کے لکھنے میں جو آپ اس قدر مبالغہ اور کوشش کر رہے ہیں۔ اس سے آپ کا مقصود کیا ہے۔ طریقہ تعلیم کرنے کی اجازت جو آپ کو دی گئی ہے۔ اگر وہ کافی نہیں ہے تو اجازت نامہ کیا کرے گا۔ یہ لازم نہیں کہ جو کچھ دل میں گزرے اسی کے واسطے کوشش کرنے لگ جائیں۔ کئی ایسی باتیں دل میں گزرتی ہیں جن کا ترک کرنا بہتر اور مناسب ہوتا ہے۔ نفس بڑا ضدی ہے۔ جس امر کو اختیار کرتا ہے

اس کے پورا کرنے کے پیچھے پڑ جاتا ہے اور اس کے حق و باطل ہونے کا لحاظ نہیں کرتا۔ یہ چند باتیں آپ کی خاطر لکھی گئی ہیں حق تعالیٰ آپ کو نفع دے بھائی صاحب اپنے کام کا فکر کرنا چاہیے تاکہ جہان سے ایمان سلامت لے جائیں۔ اجازت نامہ اور مرید کچھ کام نہیں آئیں گے۔ ہاں اپنے کام کے ضمن میں اگر کوئی شخص سچی طلب سے آجائے تو اس کو طریقہ سکھا دیں نہ یہ کہ طریقت کی تعلیم کو اپنے کام کا اصل خیال کریں اور اپنے معاملہ کو اس کے تابع بنا دیں کہ اس میں سراسر ضرر اور خسارہ ہے۔

مکتوب نمبر ۲۲۹

میرزا حسام الدین احمد کی طرف صادر فرمایا۔

اس بیان میں کہ ہمارا طریق بعینہ حضرت ایشاں قدس سرہٗ کا طریق ہے اور ہماری نسبت وہی نسبت ہے۔ لیکن صناعت کا کامل ہونا اور نسبت کا تمام ہونا بہت سے فکروں کے ملنے اور بہت سی نظروں کے پے در پے آنے پر موقوف ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ تمام تعریفیں اللہ تعالےٰ کے لیے ہیں اور اُس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

آپ کے مکتوب شریف جو اپنے مخلص مشتاق کے نام لکھے ہوئے تھے پے در پے پہنچ کر بڑی خوشی اور زیادہ محبت کا باعث ہوئے۔ جَزَاکُمُ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ عَنَّا خَیْرَ الْجَزَاءِ۔ "اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری طرف سے جزائے خیر دے"۔

مجمل طور پر بعض شبہات و تردیدات جو آپ نے لکھے تھے۔ اُن کا جواب یہ ہے کہ ہمارا طریق وہی حضرت ایشاں یعنی حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کا طریق ہے۔ اور ہماری نسبت آنحضرت ہی کی شریف نسبت ہے۔ اس طریق سے بڑھ کر عالی اور کونسا طریق ہے۔ اور اس نسبت سے زیادہ بہتر اور مناسب اور کونسی نسبت ہے کہ کوئی اس کو اختیار کرے۔

اصل بات یہ ہے کہ ہر صناعت کی تکمیل اور ہر نسبت کی تتمیم مختلف فکروں کے ملنے اور بہت سی نظروں کے پے در پے آنے پر منحصر ہے۔ مثلاً وہ نحو جو سیبویہ کے زمانہ میں تھی۔ وہ اب متاخرین کے فکروں کے ملنے سے دوچند زیادہ ہو گئی ہے۔ اور یہ علم بہت کامل اور صاف ہو گیا ہے۔ حالاں کہ یہ وہی سیبویہ کی نحو ہے جس کو متاخرین کے فکروں نے پہلے کی نسبت زیادہ آراستہ پیراستہ

کر دیا ہے۔

شیخ علاءالدولہ قدس سرہٗ کا مقولہ آپ کے مبارک کانوں تک پہنچا ہوگا۔ انہوں نے فرمایا ہے کہ واسطے اور وسیلے جس قدر زیادہ ہوں اُسی قدر رستہ زیادہ نزدیک اور روشن ہوگا۔

اس نسبت عَلیہ پر اس قسم کی زیادتی نے جو آراستگی اور پیراستگی کے طور پر پیدا ہو گئی ہے بہت لوگوں کو تخیلات میں ڈال رکھا ہے۔ اصل معاملہ یہی ہے جس میں تکلف اور بناوٹ کو دخل نہیں۔

آپ اس فقیر کے مکتوبات اور رسالوں کو دیکھیں کہ اس طریق کو اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کا طریق ثابت کیا ہے۔ اور اس نسبت کو سب نسبتوں سے بڑھ کر مکمل بیان کیا ہے۔ اور اس طریق عالی اور اس طریق کے بزرگواروں کی تعریف اور مدح اس طرح پر کی ہے کہ اس بزرگ خاندان کے خلفا میں سے کسی کو اس کا سواں حصہ بیان کرنے کی توفیق حاصل نہیں ہوئی اور نیز یہ فقیر روزمرہ اور نشست و برخاست میں اس طریق کے آداب و لوازم کی رعایت پورے طور پر کرتا ہے۔ اور سرِ مُو مخالفت اور نئی بات کو پسند نہیں کرتا بڑے تعجب کی بات ہے کہ آپ نے یہ سب امر نظر انداز کر دیے ہیں اور اگر بالفرض آزار کے دنوں میں بعض یاروں کی نسبت کلمہ و کلام میں کوئی نامناسب بات کہی گئی ہو اور آپ کی نظر میں آئی ہو۔ تو پھر بھی تعجب ہے کہ آپ اس قسم کی باتوں کا یقین کر لیتے ہیں اور صرف سُن کر آپے سے باہر ہو جاتے ہیں اگر حُسن ظن ہے تو کیا اسی جماعت سے مخصوص ہے یا شاید میں ہی حُسن ظن کے قابل نہیں ہوں۔

الغرض اگر گفت و شنود پر ہی مدار ہے۔ تو پھر چغلخوروں کے ہاتھ سے خلاصی ناممکن ہے اور اخلاص کی کوئی توقع نہیں ہے۔ آپ گفت و شنید سے درگزر کریں اور گزشتہ امور کو یاد میں نہ لائیں۔ تاکہ اخلاص متصور ہو، اور پُرانی کلفت رفع ہو جائے۔

آپ نے لکھا تھا کہ حضرات پیرزادوں کی تربیت کا وقت آگیا ہے۔ اور حضرت ایشاں قدس سرہٗ کی وصیت کو یاد دلایا تھا۔

اے میرے مخدوم و مکرم! اس میں خادموں کی سعادت ہے کہ اپنے مخدوم زادوں کی خدمت سے کامیاب ہوں۔ لیکن اس مُدت میں معلومہ رکاوٹوں کے باعث ظاہری خدمت سے دُور رہا۔ اور وصیت کے وقت کے آنے کا انتظار کرتا رہا۔ اور اب اگر آپ جانتے ہیں کہ کوئی مانع نہیں ہے، اور گفت و شنود کا رستہ بند ہو گیا ہے۔ تو فرمائیں تاکہ بندہ چند روز آ کر اس خدمت میں مشغول رہے اور اگر اچھی طرح ملاحظہ کرتا ہے تو جانتا ہے کہ اس کام میں صرف وصیت کا حکم بجا لانا مقصود ہے ورنہ آپ کی ظاہری باطنی تربیت اُن کے لیے کافی ہے کسی اور کی حاجت نہیں۔

دوسرے یہ ہے کہ برادرم مولانا عبد اللطیف فرماتے تھے کہ میاں محمد قلیچ نے بڑے مخدوم زادہ کی ظاہری تعلیم و تربیت کو اپنے ذمے لے لیا ہے، اور آپ نے بھی اس بات کو پسند فرمایا ہے۔ اس بات کو سُن کر بہت تعجب ہوا۔ اور اگر وہ اپنی نارسائی کے باعث اس بارہ میں کچھ خیال کرے تو خیر۔ مگر آپ کیسے تجویز کرتے ہیں۔ مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ ایسا نہ ہو کہیں محمد قلیچ کا آزار کسی اور جگہ سرایت کر جائے۔

مکتوب نمبر ۲۳

شیخ یوسف برکی کی طرف صادر فرمایا:

ہمت بلند رکھنے اور اس چیز پر جو حاصل ہو کفایت نہ کرنے میں بلکہ جو کچھ معلوم و مشہود ہو اس کی نفی کرنے اور معبودِ بیچون و بیچگون کے ثابت کرنے میں جو دید و دانش سے باہر ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى۔ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

آپ کے بزرگ احوال میاں بابو نے آپ کے کہنے کے مطابق بتائے اور ان کی حقیقت دریافت فرمائی اس لیے چند کلمے لکھے جاتے ہیں۔

میرے مخدوم! اس قسم کے احوال ابتدائی مراتب میں اس راہ کے مُبتدیوں کو بہت حاصل ہوتے ہیں۔ لیکن ان کا کچھ اعتبار نہیں کرتے۔ بلکہ ان کی نفی کرتے ہیں۔ وصل کجا اور نہایت کونسی۔ شعر:

كَيْفَ الْوُصُوْلُ إِلٰى سُعَادَ وَدُوْنَهَا
قُلَلُ الْجِبَالِ وَدُوْنَهُنَّ حُيُوْفٌ

سعاد معشوقہ تک پہنچنا کس طرح ممکن ہے جب کہ اس کے اور میرے درمیان پہاڑوں کی بلند چوٹیاں اور ان کے درمیان نشیب و فراز واقع ہیں۔

اللہ تعالیٰ بے کیف اور بے مثل ہے۔ اور جو کچھ دید و دانش اور شہود و مکاشفہ میں آئے اس کا غیر ہے وہ حق سُبحانہٗ و تعالیٰ اس سے وراء الوراء ہے۔ آپ اس راہ کے جوز و مویز (معمولی چیزوں) پر بچوں کی طرح ہرگز فریفتہ نہ ہو جائیں۔ اور نہایت کو پا لینے پر مغرور نہ ہوں۔ اور احوال و واقعات کو ناقص مشائخ کے پاس ظاہر نہ کریں۔ کیونکہ یہ اپنی سمجھ کے موافق تھوڑے کو بہت خیال کرتے ہیں اور بدایت کو نہایت شمار کرتے ہیں پس طالب مستعد اپنے کمال کے خیال میں پڑ جاتا ہے۔ اور اس کی طلب میں فتور آ جاتا ہے۔

شیخ کامل کی تلاش کرنی چاہیے۔ اور اپنے باطنی امراض کا علاج اس سے کرانا چاہیے۔ اور جب تک شیخ کامل نہ ملے چاہیے کہ ان احوال کو لا کے نیچے لا کر نفی کریں اور معبود برحق کا جو بیچون و بیچگون ہے اثبات کریں۔

حضرت خواجہ نقش بند قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ جو کچھ دیکھا گیا اور سُنا گیا اور جانا گیا یہ سب اس کا غیر ہے کلمہ لا سے اس کی نفی کرنی چاہیے۔ آئندہ جو کچھ ظاہر ہو، اس کی نفی بھی کریں کہ وہ حق تعالیٰ وراء الوراء ہے۔ اور اثبات کی جانب میں کلمہ مستثنیٰ کے تکلم کے سوا کچھ ہاتھ میں نہ ہو۔ اس طریقت کے بزرگواروں کا طریق یہی ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهِ الصَّلَوٰتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ اَتَمُّهَا وَاَکْمَلُهَا۔	سلام ہو اُس شخص پر جو ہدایت کی راہ پر چلا اور حضرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑا۔

مکتوب نمبر ۲۳۱

میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا:

چند سوالوں کے جواب میں جو آپ سے کیے گئے تھے اور جن میں پوچھا گیا تھا کہ وصول اور حصول کے درمیان کیا فرق ہے۔ اور وہ اسما جو انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کے تعینات کے مبادی ہیں۔ اولیا کے تعینات کے مبادی بھی وہی اسم ہیں یا نہیں۔ اور اگر ہیں تو کیا فرق ہے۔ اور آپ سے پوچھا گیا تھا کہ مشائخ نقشبندیہ ذکر جہر سے منع کرتے ہیں کہ یہ بدعت ہے حالاں کہ ذوق و شوق بخشتا ہے۔ اور چیزوں سے جو آنحضرت کے زمانہ میں نہ تھیں۔ مثلاً لباس فرجی اور شال اور سراویل سے کیوں منع نہیں کرتے۔

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی نَبِیِّهٖ وَنُسَلِّمُ عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهِ الْکِرَامِ۔	ہم اللہ کی حمد کرتے ہیں اور نبی اور اُس کی آل بزرگوار پر صلوٰۃ والسلام بھیجتے ہیں۔

آپ کے دو مکتوب شریف پے در پے پہنچے۔ پہلا مکتوب تو سوزش اور اضطراب کی خبر دیتا تھا۔ لیکن دوسرا مکتوب اس سے ملائم اور شوق و سرگرمی سے بھرا ہوا تھا۔

میرے دوست آپ نے اس وقت جب کہ میر سعد الدین روانہ ہوئے خط کا جواب طلب کیا بندہ اس وقت یہاں تک بے دماغ اور مقبوض تھا کہ اپنے ہاتھ سے خط نہ لکھ سکتا تھا۔ مولانا یار محمد جدید کو لکھنے کے لیے کہا۔ بے دماغی کے وقت اگر کوئی نامناسب کلمہ لکھا گیا ہو تو معاف فرمائیں آپ کو چاہیے

کہ تھوڑی سی بات سے نہ بگڑ جائیں اور معاملہ کو درہم برہم نہ کریں۔ خدا نہ کرے کہ کسی قسم کا آزار درمیان ہو یا رنجش و رُوگردانی کے باعث کچھ لکھا جائے۔ ہاں اگر نصیحت کے طور پر کچھ لکھا جائے تو خوش حال ہونا چاہیئے۔

آپ کے دوسرے خط نے بہت ہی خوش کیا۔ حرارت ہر کام میں درکار ہے۔ پژمردگی اور افسردگی دشمنوں کے نصیب ہو۔

آپ نے لکھا تھا کہ حصُول اور وصول کے درمیان جو فرق ہے وہ سمجھ میں نہیں آتا۔

اے بھائی! حصُول باوجود بُعد کے متصوّر ہے اور وصُول متعذر و دشوار ہے۔ عنقا کو جب ہم صورت مخصوصہ سے تصوّر کرتے ہیں تو کہہ سکتے ہیں کہ عنقا ہماری قوت مدرکہ میں حاصل ہے۔ لیکن عنقا تک وصول ثابت نہیں ہے۔ کیوں کہ ظلّیت جو مرتبہ ثانی میں اُس شے کے ظہور سے مراد ہے۔ اس شے کے حصُول کی منافی نہیں ہے۔ لیکن شے کا وصُول ظلّیت کی تاب نہیں لا سکتا۔ پس دونوں کے درمیان فرق معلوم ہو گیا۔

اور نیز آپ نے پوچھا تھا کہ وہ اسما جو انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کے تعیّنات کا مبدء ہیں، وہی اسما اولیا کے تعیّنات کا بھی مبدء ہیں یا نہیں اور اگر ہیں تو کیا فرق ہے۔

اے عزیز! انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کے تعیّنات کے مبادی ان اسما کے کلّیات ہیں اور اولیا کے تعیّنات کے مبادی ان اسما کی جزئیات ہیں جو ان کلیات کے تحت میں مندرج ہیں۔ اور ان اسما کی جزئیات سے مراد وہی اسما ہیں جو قیود میں سے کسی قید کے ساتھ ماخوذ ہیں۔ جیسے کہ کسی شے کیساتھ ارادہ بے قید اور ارادہ مقیّد ہوتا ہے۔ اور چونکہ اولیا کو انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کے باعث ترقی واقع ہوتی ہے۔ اس لیے اس قید کو دُور کر کے مطلق کے ساتھ مل جائے گا۔ فقیر نے اس فرق کو اپنے بعض مکتوبات میں مفصّل ذکر کیا ہے۔ وہاں سے ملاحظہ کر لیں۔

نیز آپ نے پوچھا تھا کہ ذکر جہر سے منع کرتے ہیں کہ بدعت ہے حالاں کہ ذوق و شوق بخشتا ہے۔ اور اَور چیزوں سے جو آنحضرت علیہ و آلہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں نہ تھیں مثل لباس فرجی اور شال اور سراویل سے کیوں منع نہیں کرتے۔

میرے مخدوم! آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمل دو طرح پر ہے۔ ایک عبادت کے طریق پر دوسرا عرف اور عادت کے طور پر۔ وہ عمل جو عبادت کے طریق پر ہے اس کے خلاف کرنا بدعت منکرہ جانتا ہوں، اور اس کے منع کرنے میں بہت مبالغہ کرتا ہوں کہ یہ دین میں نئی بات ہے اور وہ مردود ہے

اور وہ عمل جو عرف و عادت کے طور پر ہے اس کے خلاف کو بدعت منکرہ نہیں جانتا۔ اور نہ ہی اس کے منع کرنے میں مبالغہ کرتا ہوں کیونکہ وہ دین سے تعلق نہیں رکھتا۔ اس کا ہونا یا نہ ہونا عرف و عادت پر مبنی ہے نہ کہ دین و مذہب پر، کیونکہ بعض شہروں کا عرف بعض دوسرے شہروں کے عرف کے برخلاف ہے۔ اور ایسے ہی ایک شہر میں زمانوں کے تفاوت کے اعتبار سے عرف میں تفاوت ظاہر ہے۔ البتہ عادی سنّت کو مدِنظر رکھنا بھی بہت سے فائدوں اور سعادتوں کا موجب ہے۔

ثَبَّتَنَا اللّٰهُ وَاِيَّاكُمْ عَلٰى مُتَابَعَةِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمْ وَعَلٰى تَابِعِيْ كُلٍّ مِّنَ الصَّلَوَاتِ اَفْضَلُهَا وَمِنَ التَّسْلِيْمَاتِ اَكْمَلُهَا۔

اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو حضرت سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی متابعت پر ثابت قدم رکھے۔

مکتوب نمبر ۲۳۲

دنیا کمینی کی حقیقت اور اس کی ردّی زیبائش کی برائی اور اس کمینی دنیا کی محبت کے دُور کرنے کے علاج اور مناسب امور کے بیان میں خان خاناں کی طرف صادر فرمایا:

حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طفیل ناپسندیدہ کمینی دنیا کی حقیقت اور اس کی ردّی زیب و زینت اور سج دھج کو آپ کی نظر بصیرت میں منکشف کر کے آخرت کے حسن و جمال کو بہشتوں اور اس کی نہروں کی تر و تازگی اور ان میں پروردگار جل شانہٗ کے دیدار کی زیادتی کے ساتھ جلوہ گر کرے۔ تاکہ اس جلدی دُور ہو جانے والی بُری دنیا کی طرف سے بے رغبتی حاصل ہو جائے اور پورے طور پر عالم بقا کی طرف جو مولیٰ جل شانہٗ کی رضا کا مقام ہے، توجہ میسر ہو جائے۔ اور جب تک اس کمینی کی برائی واضح نہ ہو، اس کی قید سے نکلنا مشکل ہے۔ جب تک اس کی قید سے خلاصی نہ ہو۔ تب تک آخرت کی نجات اور بچاؤ دشوار ہے:

حُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيْئَةٍ[۱] دنیا کی محبت ہر گناہ کی جڑ ہے۔

مشہور اور زبانی ہوئی بات ہے۔ اور چونکہ علاج ضد سے ہوتا ہے اس لیے اس کمینی دنیا کی محبت دور کرنے کا علاج امور آخرت میں رغبت کرنے اور شریعت روشن کے احکام کے موافق اعمال صالحہ بجا لانے پر وابستہ ہے۔ حق تعالیٰ نے دنیا کی زندگی کو پانچ بلکہ چار چیزوں پر منحصر کیا ہے اور فرمایا ہے:

---

[۱] رزین اور بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کی۔ مشکوٰۃ شریف۔

إِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ۔ دنیا کی زندگی کھیل کود اور زینت اور باہم فخر کرنا اور مال و اولاد میں زیادتی کرنا ہے ۔

پس جب عمل صالحہ میں مشغول ہوں، تو جزو اعظم لعب و لہو ہی کم ہونے لگتا ہے ۔ اور ریشم اور چاندی سونے کے استعمال سے جن پر عمدہ اور اعلیٰ زیب و زینت کا مدار ہے پرہیز کرنے لگتے ہیں اور دوسرا جزو جو زینت ہے، زائل ہونے لگتا ہے اور جب یقین ہو جائے کہ اللہ کے نزدیک فضیلت و بزرگی پرہیزگاری اور تقوےٰ سے ہے نہ کہ حسب و نسب سے ۔ تو فخر کرنے سے باز آتے ہیں ۔ اور جب جانیں کہ مال و اولاد حق تعالیٰ کے ذکر سے مانع ہیں اور اس کی بارگاہ سے روکتے ہیں ۔ تو ان کے زیادہ زیادہ حاصل کرنے سے کوتاہی کرتے ہیں اور ان کے بڑھانے کو معیوب جانتے ہیں ۔ غرض :

مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا كَيْلَا يَضُرَّكُمْ شَيْءٌ جو کچھ رسول تمہارے پاس لایا اس کو پکڑ لو اور جس سے اس نے منع کیا ہے، ہٹ جاؤ تاکہ تمہیں کوئی چیز ضرر نہ دے ۔

دادیم ترا ز گنج مقصود نشان
ما اگر نہ رسیدیم تو شاید برسی

ہم نے تجھے خزانہ مقصود کا نشان بتا دیا ہے ۔ اگر ہم نہیں پہنچ سکے تو شاید تو ہی پہنچ جائے

باقی مقصود یہ ہے کہ میاں شیخ عبدالمومن بزرگ زادہ ہیں اور تحصیل علوم سے فارغ ہو کر طریقہ صوفیہ کا سلوک فرماتے ہیں، اور سلوک کے ضمن میں عجیب و غریب احوال مشاہدہ کرتے ہیں ۔ ضرورت انسانی از قسم اہل و عیال ان کو حیران و بے اختیار ناچار کر دیتی ہے ۔ اس فقیر نے اس ناچارگی اور پریشانی کو دور کرنے کے لیے آپ کی جناب کی طرف ان کی رہنمائی کی ہے :

مَنْ دَقَّ بَابَ الْكَرِيْمِ انْفَتَحَ جس نے کریم کا دروازہ کھٹکھٹایا وہ کشادہ حال ہو گیا ۔ والسلام

مکتوب نمبر ۲۳۳

بعض عمدہ عمدہ نصیحتوں کے بیان میں عالی جناب شیخ فرید کی طرف لکھا :

---

۵۱ سورۂ حدید، پارہ ۲۷ ۔ ۵۲ سورۂ حشر، پارہ ۲۸ ۔

ثَبَّتَنَا اللّٰهُ وَإِيَّاكُمْ عَلٰى مَا جَاءَ بِهِ جَدُّكُمُ الْأَمْجَدُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ مِنَ الصَّلَوَاتِ أَفْضَلُهَا وَمِنَ التَّسْلِيْمَاتِ أَكْمَلُهَا۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو اس چیز پر جس کو آپکے جد بزرگوار صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم لائے ہیں ثابت قدم رکھے۔

حضرت خواجہ قدس سرہٗ کے عرس شریف کے دنوں میں دہلی حاضر ہو کر ارادہ تھا کہ آپ کی خدمت عالی میں بھی پہنچے کہ اسی اثنا میں کوچ کی خبر پھیل گئی۔ اس لیے توقف کر کے چند ٹوٹے پھوٹے کلموں سے آپ کو تکلیف دی گئی ہے۔ فقیر خواہ حضور میں ہو خواہ غیبت میں ہر دم آپ کے لیے دُعا گو ہے، کہ اللہ تعالیٰ آپکو ہر نامناسب اور نالائق امر سے سلامت رکھے۔ بعض اوقات خیر خواہی کا غلبہ اس بات پر آمادہ کرتا ہے کہ للہ ان کی خدمت کو اختیار کر کے ان چیزوں سے جو آپ کی بلند درگاہ کے لائق نہیں تاکید و مبالغہ کے ساتھ آپ کو ان سے منع کرے اور مجلس شریف میں نااہلوں کو نہ رہنے دے۔ لیکن جانتا ہے کہ سب امیدیں حاصل نہیں ہوتیں ناچار آپکے حق میں غائبانہ دعا سے تر زبان رہتا ہے۔ شاید قبول ہو جائے۔

حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ اپنی بزرگی اور کلانی کی نسبت فرمایا کرتے تھے کہ ہر چند یہ کفر ہے کہ کوئی ایسا بڑا ہو جائے کہ اگر وہ برہم ہو جائے تو تمام جہان برہم ہو جائے۔ لیکن کیا کیا جائے کہ ہم کو ہماری مصلحت کے بغیر بڑا بنایا ہے۔

آج اس قسم کی بزرگی اور کلانی نزدیک ہے کہ آپ کی جناب کے بارہ میں صادق آئے۔ کیونکہ آپ مخلوقات کے آرام میں ہیں اور مخلوقات آپ کے آرام میں۔ یہی وجہ ہے کہ لوگوں کی طرف سے آپ کے لیے دُعائے خیر بارش کی طرح برس رہی ہے۔ جو عام مخلوقات کو فائدہ مند ہے۔ پھر افسوس ہے کہ باوجود اس قدر کلانی اور بزرگی کے دانہ خشخاش کے برابر خالی جگہ رہ جائے۔ اور یہ دانہ خشخاش دوستوں اور خیر خواہوں کے دل پر بڑا بھاری بوجھ ہے۔ مہربانی فرما کر ان کو اس بوجھ سے ہلکا کریں۔ مدت ہوئی ہے کہ اس خیر خواہ نے اس بات کی نسبت کچھ نہیں لکھا کہ ایسا نہ ہو کہ تکرار و مبالغہ گراں معلوم ہو۔ ؎

یار نازک بدن زبار ہوا مے رنجد
ہمچو گل برگ زآسیب صبا مے رنجد

میرا یار نازک بدن ہے ہوا کے بوجھ سے بھی رنجیدہ ہوتا ہے، جس طرح پھول کا پتہ بادِ صبا کے آسیب سے رنجیدہ ہوتا ہے۔

لہ اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت امام ربانی رضی اللہ عنہ مجلس عرس میں شرکت کرتے تھے اور سرہند شریف سے ہی آتے تھے۔ اگر یہ سفر اور اس طرح کی مجلس میں شریک ہونا بدعت ہوتا تو آپ ہرگز ایسا نہ کرتے۔ مانعین عرس غور فرمائیں۔ یاد رہے کہ عرس کی اصل حدیث سے بھی ثابت ہے۔ حدیث میں ہے کہ حضور علیہ السلام ہر سال شہدائے احد کی قبور پر تشریف (باقی بر صفحہ آئندہ)

محسوس کرتا ہے۔

لیکن دوستی سے دُور معلوم ہوا کہ آپ کے دل کے ناراض ہونے کا لحاظ کرکے خاموش رہے ؎

حافظ وظیفۂ تو دُعا گفتن است و بس

در بند آں مباش کہ نشنید یا شنید

اے حافظ تیرا وظیفہ صرف یہ ہے کہ دعا کرتا رہے۔ اس فکر میں نہ پڑ کہ سنتا ہے یا نہیں سُنتا۔

کچھ مدت سے حرمین شریفین (کہ خدائے تعالیٰ ان کو آفات سے محفوظ رکھے) کی زیارت کا ارادہ و شوق پیدا ہُوا۔ اور اس سفر کا باعث یہی خواہش ہے۔ اور چونکہ یہ ارادہ آپ کے صلاح مشورے اور رضامندی پر وابستہ تھا۔ اس لیے کوچ کی خبر سُن کر وہ ارادہ ملتوی ہوگیا:

اَلْخَیْرُ فِیْ مَا صَنَعَ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ۔ بہتری اسی بات میں ہے جو اللہ تعالیٰ کرے۔

والسّلام۔

مکتوب نمبر ۲۳۴

حقائق کو جاننے والے معارف کے پہچاننے والے عالم ربانی عارف سُبحانی مخدوم زادۂ کلاں یعنی شیخ محمد صادق (خدا اُن کو سلامت اور باقی رکھے اور اعلیٰ مقصود تک پہنچائے) کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ واجب الوجُود کی حقیقت وجود محض ہے جو ہر چیز و کمال کا منشا ہے۔ اور ممکنات کی حقیقتیں عدمات ہیں جو ہر شر و نقص کا مبدء ہیں۔ اور مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ کے معنی میں اور تجلّی ذاتی کے بیان میں جو تمام نسبتوں اور اعتباروں سے بلند ہے۔ اور آیت کریمہ اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کے تاویلی معنوں اور اس کے مناسب بیان میں مع ان سوالات و جوابات کے جو اس مقام کی توضیح کے متعلق ہیں۔ اور مع تنبیہات کے جو اس مطلب کی تلخیص کے لائق ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

خداوند بیچون کی حمد اور پیغمبر رہنما کے درُود کے بعد میرے فرزند کو معلوم ہو کہ حق سبحانہٗ کی حقیقت وجود محض ہے کہ اور کوئی امر اس کے ساتھ ملا ہُوا نہیں ہے۔ اور وہ وجود تعالیٰ ہر چیز و کمال کا منشا اور ہر حسن و جمال کا مبدء ہے۔ اور جزئی حقیقی اور بسیط ہے۔ جس کی طرف ترکیب کو ہرگز راہ نہیں ہے نہ ذہنی طور پر نہ خارجی طور پر۔ اور حقیقت کے اعتبار سے اس کا تصوّر میں آنا محال ہے۔ اور وجود ذات تعالیٰ پر ازروئے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ے جاتے اور فاتحہ شریف پڑھتے اور خلفائے راشدین کا بھی یہی معمول رہا کما فی التفسیر الکبیر للرازی۔

مواطات کے محمول ہے نہ از روئے اشتقاق کے۔ اگرچہ حمل کی نسبت کو بھی اس مقام میں فی الحقیقت کچھ گنجائش نہیں ہے۔ کیونکہ تمام نسبتیں وہاں ساقط ہو گئی ہوئی ہیں اور وہ وجود جو عام و مشترک ہے۔ وہ اس وجود خاص کے ظلوں میں سے ایک ظل ہے۔ اور یہ ظل ذات تعالیٰ و تقدّس پر محمول ہے۔ اور اشیاء پر تشکیک کے طور پر از روئے اشتقاق کے نہ از روئے مُواطات کے۔ اور اس ظل سے مراد تنزّلات کے مرتبوں میں حضرت وجود تعالیٰ و تقدس کا ظہور ہے۔ اور اس ظل کے افراد میں سے اولیٰ و اقدم و اشرف وہ فرد ہے جو ذات تعالیٰ پر از روئے اشتقاق کے محمول ہے۔ پس اصالت کے ہر مرتبہ میں اَللّٰہُ تَعَالیٰ وَجُوْدٌ کہ سکتے ہیں، نہ کہ اَللّٰہُ تَعَالیٰ مَوْجُوْدٌ۔ اور اس ظل کے مرتبہ میں اَللّٰہُ تَعَالیٰ مَوْجُوْدٌ صادق ہے نہ اَللّٰہُ تَعَالیٰ وَجُوْدٌ۔ اور چونکہ حکما اور صوفیہ کے ایک گروہ نے وجود وجُود کی عینیت کے قائل ہیں اور اس فرق کی حقیقت سے واقف نہیں ہوئے۔ اور ظل کو اصل سے جُدا نہیں کیا۔ حمل اشتقاق اور حمل مواطات دونوں کو ایک ہی مرتبہ میں ثابت کیا ہے۔ اور حمل اشتقاق کے صحیح کرنے میں بے جا تکلف اور حیلہ کے محتاج ہوئے ہیں۔ اور حق وہی ہے جو میں نے اللہ تعالیٰ کے الہام سے ثابت و تحقیق کیا ہے۔ اور یہ اصالت و ظلیّت تمام حقیقی صفات کی اصالت و ظلیّت کی طرح ہے۔ کیونکہ ہر مرتبۂ اصالت میں جو اجمال اور غیب الغیب کا مقام ہے۔ ان صفات کا حمل کرنا مواطات کے طریق پر ہے نہ اشتقاق کے طریق پر۔ پس اَللّٰہُ تَعَالیٰ عِلْمٌ کہ سکتے ہیں اور اَللّٰہُ تَعَالیٰ عَالِمٌ نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ حمل اشتقاق میں مغائرت کا ہونا ضروری ہے۔ اگرچہ بالاعتبار ہی ہو۔ اور وہ یہاں بالکل مفقود ہے کیونکہ مغائرت ظلیّت کے مرتبوں میں ہوتی ہے۔ اور اس جگہ کوئی ظلیّت نہیں۔ کیونکہ وہ تعین اوّل سے کئی درجے برتر ہے۔ اس لیے کہ نسبتیں اس تعین میں اجمالی طور پر ملحوظ ہیں اور اس مقام میں اشیا میں سے کسی شئے کا کسی طرح کا ملاحظہ نہیں ہے اور مرتبۂ ظل میں جو اس اجمال کی تفصیل ہے۔ حمل اشتقاق صادق ہے نہ حمل مواطات۔ لیکن ان صفات کی عینیت اس مرتبہ میں وجود تعالیٰ کی عینیت کی فرع ہے جو ہر خیر و کمال کا مبدء اور حسن و جمال کا منشاء ہے۔ اور اس فقیر نے اپنی کتابوں اور رسالوں میں جس جگہ وجود کی عینیت کی نفی کی ہے۔ اس سے وجود ظلی مراد رکھنا چاہیے۔ جو حمل اشتقاق کا صحیح کرنے والا ہے اور یہ وجود ظلی بھی آثار خارجیہ کا مبدء ہے پس وہ ماہیتیں جو مراتب موجودات میں سے ہر مرتبہ میں اس وجود کے ساتھ متصف ہوں خارجیہ ہوں گی

فَافْہَمْ فَاِنَّہٗ یَنْفَعُکَ فِیْ کَثِیْرٍ مِّنَ الْمَوَاقِعِ — پس سمجھ لے کیونکہ یہ بہت جگہ تجھے نفع دے گا

پس صفات حقیقیہ بھی موجودات خارجیہ ہونگی اور ممکنات بھی خارج میں موجود ہوں گی۔

اے فرزند! اس پوشیدہ سر کو سن کہ کمالاتِ ذاتیہ حضرت ذات تعالیٰ کے مرتبہ میں حضرت ذات کا

عین ہیں۔ مثلاً علم کی صفت اس مقام میں حضرت ذات کا عین ہے۔ اور ایسے ہی قدرت اور ارادہ اور تمام صفات کا حال ہے۔ اور نیز اس مقام میں حضرت ذات بتمامہ علم ہے اور ایسے ہی بتمامہ قدرت ہے نہ یہ کہ حضرت ذات کا بعض علم ہے اور بعض قدرت۔ کیونکہ وہاں بعض ہونا اور جزو بننا محال ہے اور ان کمالات نے جو گویا حضرت ذات سے مُنتزع اور الگ ہیں۔ حضرت علم کے مرتبہ میں تفصیل پائی ہے اور تمیز پیدا کی ہے۔ اور حضرت ذات تعالیٰ و تقدس اپنی وحدانیت کی اسی اجمالی صرافت پر باقی ہے بعد ازاں اس مقام میں کوئی ایسی چیز نہیں رہی جو اس تفصیل میں داخل نہ ہوئی ہو۔ اور متمیز نہ ہوئی ہو۔ بلکہ تمام وہ کمالات جن میں سے ہر ایک ذات تعالیٰ کا عین ہے مرتبہ علم میں آگئی ہیں۔ اور ان مفصلہ کمالات نے دوسرے مرتبہ میں وجود ظلی پیدا کر کے صفات نام حاصل کیا ہے۔ اور حضرت ذات کے ساتھ جو ان کا اصل ہے قیام پیدا کیا ہے۔ اور اعیان ثابتہ صاحب فصوص علیہ الرحمۃ کے نزدیک انہی مفصلہ کمالات سے مراد ہے۔ جنہوں نے خانۂ علم میں وجُودِ علمی حاصل کیا ہے۔ اور فقیر کے نزدیک ممکنات کی حقائق عدم محض ہیں۔ جو جمیع ان کمالات کے جو ان میں منعکس ہوئے ہیں۔ ہر شر و نقص کا مبدء و ماوے ہیں۔

یہ بات تفصیل چاہتی ہے گوش ہوش سے سُننا چاہیے۔ خدا تجھے ہدایت دے۔

جان لے کہ عدم وجود کے مقابل ہے اور اس کی نقیض ہے۔ پس عدم بالذات ہر شر و نقص کا منشا بلکہ ہر شر و فساد کا عین ہوگا۔ جس نے وجود مرتبۂ اجمال میں ہر خیر و کمال کا عین ہے۔ اور جس طرح حضرت وجود اَصل الاَصْل مقام میں ذات تعالیٰ پر اشتقاق کے طریق پر محمُول نہیں ہے اسی طرح عدم بھی جو اس وجود کے مقابل ہے ماہیّت عدمیہ پر اشتقاق کے طور پر محمُول نہیں ہے۔ اس مرتبہ میں اس ماہیّت کو معدوم نہیں کہ سکتے بلکہ وہ عدم محض ہے۔ اور تفصیل عِلمی کے مرتبوں میں کہ جس کے ساتھ ماہیّت عدمیہ نے تعلق پایا ہے اس ماہیّت کی جزئیات عدم سے متصف ہو جاتی ہیں اور حمل اشتقاق ان میں درست آتا ہے۔ اور عدم کا مفہوم کہ گویا اس اجمالیہ عدمیہ ماہیّت سے متنزع اور الگ ہے اور اس ماہیّت عدمیّہ کے لیے ظل کی مانند ہے۔ اس ماہیّت عدمیّہ کے تمام مفصلہ افراد پر اشتقاق کے طریق پر حمل پاتا ہے۔ جیسے کہ آگے آئے گا اور چونکہ وہ عدم مرتبہ اجمال شر و فساد کا عین تھا۔ اور اللہ تعالیٰ کے علم میں ہر شر دوسرے شر سے جدا اور ہر فساد دوسرے فساد سے الگ ہو گیا۔ جیسے کہ وجود کی جانب میں اجمال کے مرتبہ میں حضرت وجود ہر خیر و کمال کا عین تھا۔ اور تفصیل عِلمی کے مرتبہ میں ہر کمال سے الگ اور ہر خیر دوسرے خیر سے جُدا ہو گیا۔ پس ان وجودیہ کمالات میں سے ہر ایک کمال ان نقائص عدمیہ میں سے ہر ایک نقص میں جو اس کے مقابل ہے، خانۂ علم میں منعکس ہُوا ہے اور ایک دوسرے کی علمیہ صورتیں باہم مل جل گئی ہیں۔ اور وہ عدمات جو شر و نقائص

سے مراد ہیں مع اُن کمالات منعکسہ کے ممکنات کی ماہیتیں ہیں۔ حاصل کلام یہ کہ وہ عدمات ان ماہیتوں کے اصول و مواد ہیں۔ اور وہ کمالات ان میں حلول کی ہوئی صورتوں کی مانند ہیں۔

پس اعیانِ ثابتہ اس فقیر کے نزدیک ان عدمات اور کمالات سے مراد ہے جو ایک دوسرے کے ساتھ باہم مل جل گئے ہیں۔ اور جب قادر مختار جلّ شانہٗ نے چاہا ان عدمیہ ماہیات کو مع اُن کے لوازم اور وجودیہ ظلال کے کمالات کے جوان میں حضرت علم میں منعکس ہو کر ممکنات کی ماہیات نام پایا ہے۔ اس وجود ظلی کے رنگ میں کہ موجودات خارجیہ بنایا اور آثار خارجیہ کا مبدء کر دیا۔

جاننا چاہیے کہ صور علمیہ کا جو ممکنات کے اعیان ثابتہ اور ان کی ماہیات سے مراد ہیں۔ رنگ دار کرنا ان معنوں میں نہیں ہے کہ صور علمیہ نے خانہ علم سے نکل کر وجود خارجی پیدا کیا ہے۔ کیونکہ یہ محال ہے اور جہل کو مستلزم ہے:

تَعَالَى اللّٰهُ عَنْ ذٰلِكَ عُلُوًّا كَبِيْرًا۔ اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند ہے۔

بلکہ ان معنوں میں ہے کہ ممکنات نے خارج میں ان صور علمیہ کے مطابق وجود پیدا کیا ہے اور وجود علمی کے سوائے اس وجود علمی کے موافق وجود خارجی حاصل کیا ہے۔ جیسے کہ کاریگر نجار تخت کی صورت کو ذہن میں تصور کر کے خارج میں اس کا اختراع کرتا ہے۔ اس صورت میں تخت کی وہ ذہنیہ صورت جو حقیقت میں اس تخت کی ماہیت ہے۔ اس نجار کے خانہ علم سے باہر نہیں نکلی۔ بلکہ خارج میں اس تخت نے اس صورت ذہنیہ کے مطابق وجود پیدا کیا ہے، فافہم۔

جاننا چاہیے کہ ہر عدم نے کمالات وجودیہ کے ظلال میں سے ایک ظل کے ساتھ جو اس کے مقابل ہے اور اس میں منعکس اور منصبغ ہے۔ خارج میں وجود ذہنی پیدا کیا ہے۔ بخلاف عدم صرف کے کہ وہ ان ظلال سے متاثرہ نہیں ہوا۔ اور ان کا رنگ نہیں پکڑا۔ اور وہ کیسے رنگ پکڑے جب کہ وہ ان ظلال کے مقابل نہیں ہے۔ اگر مقابلہ رکھتا ہے تو حضرت وجود سے صرف رکھتا ہے۔

پس عارف تام المعرفت جب حضرت وجود سے ترقی کر کے عدم صرف کے مقام میں نزول کرتا ہے تو اس کے وسیلہ سے یہ عدم بھی اس حضرت سے انصباغ پیدا کر کے مزین و مستحسن ہو جاتا ہے۔ اس وقت اس عارف کے تمام عدم کے مراتب نے جو فی الحقیقت اس کی تمام اجمالی اور تفصیلی مراتب ذاتیہ ہیں۔ حسن و خیریت پیدا کی ہے۔ اور کمال حاصل کیا ہے۔ اور یہ خیریت جو تمام ذاتیہ میں سرایت کرتی ہے اس قسم کے عارف سے مخصوص ہے۔ اور اس کے غیر کے لیے اگر خیریت نے سرایت کی ہے۔ تو وہ اس کے اعدام ذاتیہ کے بعض تفصیلیہ مراتب تک ہی منحصر ہے۔ بالملحاظ اختلاف درجات کے اس کے تمام تفصیلی مراتب میں پھیلی ہوئی

ہے۔ اور یہ قسم اخیر بھی نادرالوجود ہے۔ لیکن عدم کے مرتبہ اجمال میں جو شر و نقص کا عین ہے اس عارف کے سوا اور کسی نے خیریت کی بُو نہیں پائی اور نہ ہی حسن کا کوئی رنگ پیدا کیا ہے۔

پس ناچار ایسے عارف کا جو خیریت نام سے متصف ہے، شیطان بھی حسنِ اسلام پیدا کرلیتا ہے اور اس کا نفس امارہ مطمئنہ ہوکر اپنے مولیٰ سے راضی ہوجاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سید المرسلین علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیمات نے فرمایا ہے کہ:

اَسۡلَمَ شَیۡطَانِیۡ۔ ؎۱ میرا شیطان بھی مسلمان ہوگیا ہے۔

پس کوئی غازی غزا میں اس سے سبقت نہیں کرتا۔ اور شیطان جیسے کو خیر کی طرف دلالت نہیں کرتا۔

سُبحان اللہ! وہ معارف جو اس فقیر حقیر سے بے ارادہ و بے تکلف ظاہر ہو رہے ہیں۔ اگر بہت سے لوگ جمع ہوکر ان کی تصویر میں کوشش کریں تو معلوم نہیں کہ میسّر ہوسکے۔ فقیر کا یقین ہے کہ ان معارف کا بہت سا حصہ حضرت مہدی موعود علیہ الرضوان کے نصیب ہوگا۔

اگر پادشاہ بردرِ پیر زن
بیاید تو اے خواجہ سُبلت مکن

اگر بادشاہ بڑھیا کے دروازے پر آجائے تو اے خواجہ تو حسد سے اس کی مونچھ اپنی داڑھی نہ نوچ

فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحۡسَنُ الۡخَالِقِیۡنَ ۝ وَالۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعَالَمِیۡنَ ۔

پس کیا ہی بزرگ اور بابرکت ہے وہ اللہ تعالیٰ جو بہتر پیدا کرنے والا ہے اور اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔

پس ثابت ہوا کہ ذوات ممکنات عدمات ہیں کہ وجودی کمالات کے ظلال نے ان میں منعکس ہوکر ان کو مزین کردیا ہے۔ پس ناچار ممکنات بالذات ہر شر و فساد کا مادہ اور ہر شر و نقص کی جائے پناہ ہوئیں۔ اور ہر خیر و کمال جو ان میں آراستہ اور پوشیدہ فرمایا ہے وہ عارتی ہے جو حضرت وجود سے جو خیر محض ہے فائض ہوا ہے:

مَاۤ اَصَابَكَ مِنۡ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَاۤ اَصَابَكَ مِنۡ سَيِّئَةٍ فَمِنۡ نَّفۡسِكَ ۔ ؎۲

جو تجھے بھلائی پہنچے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو تجھے برائی پہنچے وہ تیرے نفس سے ہے۔

؎۱ مسلم شریف بروایت حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۲

؎۲ پارہ، ۵۔ سورۃ النساء ۱۲۔

اس مضمون کی شاہد ہے۔ اور جب خداوند تعالیٰ کے فضل سے یہ دید غلبہ پا جاتی ہے۔ اور اپنے کمالات کو ٹھیک اسی طرف دیکھتا ہے۔ تو اپنے آپ کو شرِ محض معلوم کرتا ہے اور خالص نقص جانتا ہے۔ اور کوئی کمال اپنے آپ میں مشاہدہ نہیں کرتا۔ اگرچہ انعکاس کے طریق پر ہو۔ اُس شخص کی طرح جو کہ ننگا ہو اور اُس نے عاریت کا لباس پہنا ہو۔ اور یہ دید عاریت اس پر اس قدر غالب آجائے کہ وہ اپنے خیال میں اپنا سارا لباس اس لباس کے مالک کا سمجھے۔ تو بالضرور وہ شخص اپنے آپ کو ذوق میں ننگا معلوم کرے گا۔ اگرچہ عاریت درمیان واسطہ ہے اس دید کا صاحب مقام عبدیت سے مشرف ہوتا ہے جو تمام کمالات ولایت سے برتر ہے۔

تنبیہ یہ خیر و شر اور نقص و کمال کا اجتماع جو درحقیقت وجود و عدم کا اجتماع ہے۔ جمع نقیضین کی قسم سے ہے کہ تو اس کو محال جانے کیونکہ وجود صرف کی نقیض عدم صرف ہے۔ اور ان ظلی مراتب نے جس طرح وجود کی جانب میں اصل کی بلندی سے تنزلات کی پستی میں نزول فرمایا ہے۔ اسی طرح عدم کی جانب میں بھی ان ظلی مراتب نے عدم صرف کی پستی سے اُوپر کی طرف عروج کیا ہے۔ ان کا اجتماع عناصر متضادہ کے اجتماع کی طرح ہے کہ ہر ایک کے ضد یہ غلبہ اور تیزی کو توڑ کر ان کو جمع فرمایا ہے:

سُبْحَانَ مَنْ جَمَعَ بَيْنَ الظُّلْمَةِ وَالنُّورِ۔	پس پاک ہے وہ ذات جس نے اندھیرے اور نور کو جمع کر دیا۔

اگر کہا جائے کہ تو نے اوپر، عدم صرف کے لیے بھی وجود صرف کے ساتھ جو اس کی ضد ہے منصبغ اور رنگ دار ہونے کا حکم کیا ہے۔ پس اجتماع نقیضین پیدا ہوا۔

اس کے جواب میں مَیں کہتا ہوں کہ دو نقیضوں کا جمع ہونا ایک محل میں محال ہے۔ لیکن ایک نقیض کا دوسرے نقیض کے ساتھ قیام کرنا اور ایک دوسرے سے متصف ہونا محال نہیں ہے جیسے کہ معقول والوں نے کہا ہے کہ وجود کے کہ وجود معدوم ہے اور وجود کا عدم کے ساتھ متصف ہونا محال نہیں ہے پس اگر عدم موجود ہو۔ اور وجود کے ساتھ رنگا جائے۔ تو کیوں محال ہوگا۔ تو اس کے جواب میں مَیں کہتا ہوں کہ عدم کے مفہوم کو معقولات ثانیہ سے کہا ہے۔ لیکن اگر عدم کے افراد میں سے کوئی فرد وجود سے متصف ہو جائے تو کیا فساد ہے۔ جس طرح معقول والوں نے وجود کے بارہ میں اشکال کے طریق پر کہا ہے کہ وجود کو چاہیے کہ واجب الوجود تعالیٰ کی ذات کا عین نہ ہو۔ کیونکہ وجود معقولات ثانیہ سے ہے جو وجود خارجی نہیں رکھتا۔ اور واجب الوجود کی ذات خارج میں موجود ہے پس عین نہ ہوگا اور اس کے جواب میں انہوں نے کہا ہے کہ وجود کا مفہوم معقولات ثانیہ سے ہے نہ کہ اس کی جزئیات۔ پس اس کی جزئیات میں سے جزئی وجود خارجی کے منافی نہ ہوگی۔ اور ہو سکتا ہے کہ خارج میں موجود ہو

سوال :

پہلی تحقیق سے معلوم ہُوا کہ صفات حقیقیہ کا وجود ظلال کے مرتبوں میں ہے اور مرتبہ اصل میں ان کا کوئی وجود حاصل نہیں ہے۔ یہ بات اہل حق شکر اللہ تعالیٰ سعیھم کی رائے کے مخالف ہے۔ کیونکہ وہ صفات کو کسی وقت ذات مقدس سے جدا نہیں جانتے اور ممتنع الانفکاک، یعنی ان کا ذات سے جُدا ہونا مُحال تصوّر کرتے ہیں۔

جواب :۔ اس کا یہ ہے کہ اس بیان سے انفکاک کا جواز لازم نہیں آتا۔ کیونکہ یہ ظل اس اصل کے لازم ہے۔ پس انفکاک نہ رہا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ وہ عارف جس کی توجہ کا قبلہ احدیت ذات ہے۔ اور اسماء و صفات میں سے کچھ اُس کے مدنظر نہیں ہے۔ اس مقام میں ذات تعالیٰ ہی کو پاتا ہے۔ اور صفات سے کچھ ملحوظ نہیں ہوتا نہ یہ کہ صفات اس وقت حاصل نہایں ہیں۔ پس حضرت ذات تعالیٰ و تقدس سے صفات کا الگ ہونا نہ ہی عارف کے ملاحظہ کے اعتبار سے ثابت ہُوا۔ اور نہ ہی حقیقت امر کے اعتبار سے تاکہ اہل سنت و جماعت کے مخالف ہو۔ فافہم

اس بیان سے :

مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ۔ جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے رب کو پہچان لیا

کے معنے بھی ظاہر ہو گئے۔ کیونکہ جس نے اپنی حقیقت کو شرارت و نقص کے ساتھ پہچان لیا۔ اور جان لیا کہ ہر خیر و کمال جو اس میں پوشیدہ کیا گیا ہے۔ وہ حضرت واجب الوجود کی طرف سے عاریت کے طور پر ہے۔ پس وہ ضرور ہی حق سبحانہ کو خیر و کمال و حسن و جمال سے پہچان لے گا۔ اس تحقیقات سے آیت کریمہ اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کے تاویلی معنے بھی واضح ہو گئے۔ کیونکہ جب ظاہر ہو چکا کہ ممکنات سب کے سب عدمات ہیں۔ جو سراسر ظلمت و شرارت ہیں۔ اور ان میں خیر و کمال اور حسن و جمال حضرت وجود کی طرف سے ہے جو نفس ذات تعالیٰ ہے اور ہر خیر و کمال اور حسن و جمال کا عین ہے۔ تو بالضرور آسمانوں اور زمینوں کا نور حضرت وجود ہی ہو گا جو واجب تعالیٰ و تقدس کی حقیقت ہے اور چونکہ یہ نور آسمانوں اور زمین میں ظلال کے واسطہ سے ہے اس لیے ان وہم کرنے والوں کے وہم کو دُور کرنے کے لیے جو بیواسطہ سمجھتے ہیں۔ اس نور کے لیے مثال بیان کی اور اس طرح فرمایا :

---

۵۱ سمعانی فرماتے ہیں یہ یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ عنہ کا قول ہے ابن حجر نے کہا یہ حضرت کا کلام ہے۔ لیکن کتاب ماوردی میں ہے کہ حضرت عائشہ سے مرفوعًا حضور کا ارشاد بیان فرمایا ہے۔

مَثَلُ نُوْرِہٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِىْ زُجَاجَةٍ۔

الیٰ آخر الآیۃ الکریمہ تاکہ واسطوں کا ثبوت ہو جائے۔ اور اس آیت کریمہ کے تاویلی معنے مفصل طور پر ان شاء اللہ تعالیٰ کسی علیحدہ جگہ پر لکھے جائیں گے۔ کیونکہ اس میں سخن کی بہت مجال ہے۔ اور یہ مکتوب اس کی تفصیل کی گنجائش نہیں رکھتا اور یہ جو ہم نے کہا ہے کہ آیت کریمہ کے یہ تاویلی معنے ہیں۔ اس لیے کہا ہے کہ تفسیری معنے نقل و سماع پر مشروط ہیں:

مَنْ فَسَّرَ الْقُرْاٰنَ بِرَأْيِهٖ فَقَدْ كَفَرَ۔ — جس نے قرآن کی تفسیر اپنی رائے سے کی وہ کافر ہو گیا۔

تم نے سُنا ہو گا۔ اور تاویل میں صرف احتمال کافی ہے۔ بشرطیکہ کتاب و سنت کے مخالف نہ ہو۔ پس ثابت ہُوا کہ ممکنات کے ذوات و اصول عدمات ہیں۔ اور ان کی ناقص اور رذیل صفات ان عدمات کی مقتضا ہیں جو قادر مختار جل سلطانہ کے ایجاد سے وجود میں آئی ہیں۔ اور صفات کاملہ ان میں حضرت وجود تعالےٰ کے کمالات کے ظل سے عاریت کے طور پر ہیں جو انعکاس کے طریق پر ظہور پا کر قادر مختار جل شانہ کی ایجاد سے موجود ہوئی ہیں۔ اور اشیا کے حسن و قبح کا مصداق یہ ہے کہ جو چیز آخرت سے تعلق رکھتی ہے اور دنیا کے لیے ذریعہ و وسیلہ ہے۔ وہ حسن ہے اگرچہ بظاہر اچھی دکھائی نہ دے۔ اور جو چیز دنیا سے تعلق رکھتی ہے اور دنیا کے لیے وسیلہ و ذریعہ ہے وہ قبیح ہے اگرچہ بظاہر حسن و خوب دکھائی دے۔ اور حلاوت و طراوت سے ظاہر ہو۔ دنیا کی مزخرفات یعنی بے ہودہ زیب و زینت کا یہی حال ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شریعت مصطفوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ میں امردوں یعنی بے ریشوں اور بیگانی عورتوں کے حسن اور دنیاوی زیب و زینت کی طرف رغبت و خواہش سے نظر کرنا منع فرمایا گیا ہے۔ کیونکہ یہ حسن و طراوت مقتضیات عدم سے ہے جو ہر فساد کا محل ہے۔ اور اگر حسن و جمال کا منشا کمالات وجودیہ ہوتے تو اس سے منع نہ فرماتے۔ مگر اس سبب سے کہ اصل کے ہوتے ظل کی طرف توجہ کرنا بُرا ہے۔ یہ منع منع استحسانی ہے۔ نہ وجوبی برخلاف پہلی منع کے۔ پس وہ حسن جو دنیا کے مظاہر جمیلہ میں ظاہر ہے۔ وہ اس ذات تعالیٰ کے حسن ظلال سے نہیں ہے

---

۵۱ سورہ نور۔ پارہ ۱۸۔

۵۲ اس مضمون کی احادیث ترمذی، ابو داؤد، مسند الفردوس بروایت حضرت ابو ہریرہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ میں موجود ہیں

۵۳ رد المحتار میں ہے قال فی الهندية والغلام اذا بلغ مبلغ الرجال ولم يكن صبيحا فحكمه حكم الرجال وان كان صبيحا فحكمه حكم النساء وهو عورة من قرنه الى قدمه لا يحل النظر اليه عن شهوة "یعنی بچہ جب مردوں کے مقام کو پہنچ جائے اور خوبصورت نہ ہو تو اس کا حکم مردوں کا ہے اور اگر صبیح اور خوبصورت ہو تو وہ عورتوں کے حکم میں ہے اور سر سے لیکر پاؤں تک اس کے کسی بھی حصہ جسم کو شہوت سے دیکھنا [illegible]

بلکہ لوازم عدم سے ہے جس نے حسن کی مجاورت کے باعث ظاہر میں حسن پیدا کر لیا ہے اور حقیقت میں قبیح و ناقص ہے۔ جس طرح زہر کو شکر کے غلاف میں رکھیں۔ اور نجاست کو زر سے منڈھیں۔ اور یہ جو منکوحہ خوبصورت عورتوں اور لونڈیوں سے تمتع حاصل کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ وہ اولاد کے حاصل کرنے اور نسل کے باقی رکھنے کے لیے ہے جو انتظام عالم کے باقی رکھنے کے لیے مطلوب ہے۔

پس بعض صوفیہ جو مظاہر جمیلہ اور عمدہ عمدہ نغموں میں اس خیال سے گرفتار ہیں کہ یہ حسن و جمال حضرت واجب الوجود تعالیٰ کے کمالات سے مستعار ہے جو ان مظاہر میں ظاہر ہوا ہے۔ اور اس گرفتاری اور تعلق کو نیک اور بہتر سمجھتے ہیں۔ بلکہ راہ وصول تصور کرتے ہیں۔ اس فقیر کے نزدیک ان کے برخلاف صادق و ثابت ہوا ہے۔ چنانچہ اس قسم کا تھوڑا سا مضمون اوپر مذکور ہو چکا ہے۔ بڑے تعجب کی بات ہے کہ ان میں سے بعض اپنے مطلب کے لیے اس قول کو بطور سند پیش کرتے ہیں، جو کہا گیا ہے کہ:

اِيَّاكُمْ وَالْمُرْدَ فَاِنَّ فِيْهِمْ لَوْنًا كَلَوْنِ اللّٰهِ۔ — تم بے ریشوں سے بچو کیونکہ ان میں رنگ ہے، اللہ تعالیٰ کے رنگ کی طرح۔

کلمہ "كَلَوْنِ اللّٰهِ" ان کو شبہ میں ڈال دیتا ہے اور نہیں جانتے کہ یہ قول ان کی طلب کے منافی ہے اور اس فقیر کی معرفت کی تائید کرتا ہے۔ کیونکہ کلمہ تحذیر لایا گیا ہے۔ جس سے ان کی طرف توجہ کرنے سے ان کو منع کیا گیا ہے۔ اور اس غلط فہمی کا منشا بیان فرمایا ہے کہ ان کا حسن حق سبحانہ کے حسن و جمال کے مشابہ اور ماخذ ہے نہ کہ بعینہ اُس کا حسن۔ تاکہ غلطی میں نہ پڑ جائیں۔

آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے:

مَا الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةُ اِلَّا ضَرَّتَانِ اِنْ رَضِيَتْ اِحْدٰهُمَا سَخِطَتِ الْاُخْرٰى۔ — دنیا اور آخرت دو سوکنیں ہیں یعنی دو عورتیں جو ایک مرد کے نکاح میں ہوں اگر ایک راضی ہو تو دوسری ناراض۔

اس حدیث میں بھی اس امر کی تصریح ہے کہ دنیا و آخرت کا حسن و جمال ایک دوسرے کا نقیض اور ضد ہے اور مقرر ہے کہ دنیاوی حسن ناپسند ہے اور حسن اخروی پسند۔ پس شر دنیاوی حسن کے لازم ہوگا۔ اور خیر حسن آخرت کے لازم۔ پس ناچار اوّل کا منشا عدم ہوگا اور دوسرے کا منشا وجود۔ ہاں بعض چیزیں ایسی ہیں جو ایک وجہ سے دنیا کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں اور ایک وجہ سے آخرت کے ساتھ یہ اشیا پہلی وجہ کے لحاظ سے قبیح ہیں۔ اور دوسری وجہ کے اعتبار سے حسن۔ اور ان ہر دو وجہ کے درمیان اور ہر ایک کے حسن و قبح کے درمیان تمیز کرنا علم شریعت پر موقوف ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا — جو کچھ رسول تمہارے پاس لائے اس کو پکڑ لو۔ اور جس سے منع کرے اس سے ہٹ جاؤ۔[۱]

حدیث میں آیا ہے کہ جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے حضرت حق سبحانہٗ نے اس پر نظر نہیں کی اور اس پر حق تعالیٰ کا غضب ہے۔

یہ سب کچھ اس کی قباحت اور شرارت اور فساد کے باعث ہے جو عدم کے مقتضیات سے ہے۔ جو ہر شر و فساد کا مادہ ہے۔ دنیاوی حسن و جمال اور اس کی حلاوت و طراوت رستہ میں پھینکے ہوئے کوڑے کرکٹ کی طرح ہیں۔ اور منظورِ نظر نہیں ہیں۔ وہ آخرت کا جمال ہی ہے، جو نظر کے لائق اور حق تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ہے۔

اللہ تعالیٰ دنیا داروں کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:

يُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ — وہ دنیا کا مال و اسباب چاہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ آخرت چاہتا ہے۔

اَللّٰهُمَّ صَغِّرِ الدُّنْيَا بِاَعْيُنِنَا وَكَبِّرِ الْاٰخِرَةَ فِيْ قُلُوْبِنَا بِحُرْمَةِ مَنِ افْتَخَرَ بِالْفَقْرِ وَتَجَنَّبَ عَنِ الْغِنَا عَلَيْهِ وَعَلٰٓى اٰلِهِ الصَّلٰوٰتُ اَتَمُّهَا وَاَكْمَلُهَا۔ — یا اللہ تو دنیا کو ہماری آنکھوں میں حقیر کر دے اور آخرت کو ہمارے دلوں میں بزرگ بنا اس رسول کی طفیل جس نے فقر کے ساتھ فخر کیا۔ اور دولت مندی سے الگ رہا اُس پر اُس کی آل پر اتم و اکمل صلوٰۃ و سلام ہو۔

اور چونکہ شیخ اجل شیخ محی الدین بن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی شرارت اور نقص اور فساد کی حقیقت پر نظر نہیں ڈالی۔ اور ممکنات کے حقائق کو حق جل و علا کی علمیہ صورتیں مقرر کی ہیں۔ کیونکہ ان کی صورتوں نے حضرت تعالیٰ و تقدس کے آئینہ میں کہ خارج میں اس کے سوا کچھ موجود نہیں جانتا۔ انعکاس پیدا کر کے خارجی نمود و ظہور حاصل کیا ہے۔ اور ان علمیہ صورتوں کو واجب تعالیٰ کی صفات اور شیون کی صورتوں کے غیر نہیں سمجھا ہے اس لیے وحدت وجود کا حکم کیا ہے۔ اور ممکنات کے وجود کو واجب تعالیٰ و تقدس کے وجود کا عین کہا ہے اور شر و نقص کو اضافی اور نسبتی کہہ کر شرارت مطلق اور نقص محض کی نفی کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی چیز کو فی نفسہٖ قبیح نہیں جانتا حتیٰ کہ کفر و ضلالت کو ایمان و ہدایت کی نسبت برا جانتا ہے نہ اپنی ذات کی نسبت سے کہ اس کو عین صلاح و خیر سمجھتا ہے۔ اور ارباب کفر کی نسبت ان کے لیے استقامت کا حکم کرتا ہے۔ اور آیت کریمہ

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا[۲] — کوئی زمین پر چلنے والا نہیں جس کو وہ اس کی پیشانی سے

---

[۱] سورہ حشر: پارہ ۲۸۔
[۲] سورۂ ہود پارہ ۱۲

اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ پکڑنے والا نہیں ہے۔ بیشک میرا رب صراط مستقیم پر ہے

کو ان معنے پر شاہد لاتا ہے۔ ہاں جو کوئی وحدت وجود کے سوا حکم نہ پائے۔ وہ اس قسم کی باتوں سے کیوں کنارہ کرے۔

اور جو کچھ اس فقیر پر ظاہر کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ ممکنات کی ماہیتیں بمع اُن کے کمالاتِ وجودیہ کے جو ان میں منعکس ہو کر ان سے مل گئی ہیں، عدمات ہیں جیسے کہ مفصّل طور پر گزر چکا:

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ یُحِقُّ الْحَقَّ وَهُوَ یَهْدِی السَّبِیْلَ۔ اللہ تعالیٰ ہی حق ظاہر کرتا اور وہی راہ راست کی ہدایت دیتا ہے۔

اے فرزند! یہ علوم و معارف جن کی نسبت کسی اہل اللہ نے نہ ہی صراحت سے اور نہ ہی اشارہ سے گفتگو کی ہے۔ بڑے اعلیٰ معارف اور اکمل علوم ہیں۔ جو ہزار سال کے بعد ظہور میں آئے ہیں اور واجب تعالیٰ و ممکنات کی حقیقت کو جیسے کہ ممکن اور لائق ہے، بیان فرمایا۔ اور جو نہ ہی کتاب و سنت کی مخالفت رکھتے ہیں۔ اور نہ ہی اہل حق کے اقوال کے مخالف ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دعا میں جو آپ نے گویا تعلیم کے لیے فرمائی ہے[51] اَللّٰهُمَّ اَرِنَا حَقَائِقَ الْاَشْیَاءِ کَمَا هِیَ یا اللہ تو اشیا کی حقیقتیں کما حقہ دکھا۔

حقائق سے مراد یہی حقائق ہیں جو ان علوم کے ضمن میں بیان ہوئے ہیں۔ اور جو کہ مقام عبودیّت کے مناسب ہیں۔ اور جو کہ نقص و ذلّت و انکسار پر جو بندگی کے حال کے مناسب ہے دلالت کرتی ہیں۔ بندہ عاجز جو اپنے آپ کو اپنے مولائے قادر کا عین جانتے، کمال بے ادبی ہے۔

اے فرزند! یہ وہ وقت ہے جب کہ پہلی اُمتوں میں سے ایسی ظلمت سے بھرے ہوئے وقت میں اُولوالعزم پیغمبر مبعوث ہوتا تھا۔ اور نئی شریعت کو زندہ کرتا تھا۔ اور اس امت میں جو خیر الامم ہے اور اس امت کا پیغمبر خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ اس کے علماء کو انبیائے بنی اسرائیل کا مرتبہ دیا[52] ہے۔ اور علما کے وجود کے ساتھ انبیا کے وجود سے کفایت کی ہے۔ اسی واسطے ہر صدی کے بعد اس اُمت کے علما میں سے ایک مجدد مقرر کرتے ہیں۔[53] تاکہ شریعت کو زندہ کرے۔ خاص کر ہزار سال کے بعد جو کہ اولوالعزم پیغمبر کے پیدا ہونے کا وقت ہے اور ہر پیغمبر پر اس وقت کفایت نہیں کی ہے۔ اسی

---

۵۱ اس روایت کو امام غزالی نے علق مضنون اور حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے مدارج النبوت میں ذکر کیا ہے۔

۵۲ بخاری شریف میں ہے العلماء ورثۃ الانبیاء اور فتوحات مکیہ میں ہے ان علماء ھذہ الامۃ کانبیاء بنی اسرائیل۔

۵۳ ابو داؤد شریف بروایت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، مشکوٰۃ - ۱۲م

طرح اُس وقت ایک تام المعرفت عالم و عارف درکار ہے جو گزشتہ امتوں کے اولوالعزم پیغمبر کے قائم مقام ہو ۵

فیض رُوح القدس ار باز مدد فرماید
دیگراں نیز کنند آنچہ مسیحا می کرد !

رُوح القدس کا فیض اگر اب بھی مدد کرے تو دوسرے بھی وہ کام کرسکتے ہیں جو حضرت مسیح علیہ السلام کرتے تھے

اے فرزند! وجودِ صرف عدمِ صرف کے مقابل ہے۔ اور اوپر گزر چکا کہ وجودِ صرف واجب الوجود تعالےٰ و تقدس کی حقیقت اور ہر خیر و کمال کا عین ہے۔ اگرچہ یہ عینیت بھی خواہ اجمال کے طور پر ہی ہو اس مقام میں گنجائش نہیں رکھتی۔ کیونکہ ظلّیت کی آمیزش رکھتی ہے۔ اور عدم جو صرف اس وجود کے مقابل ہے وہ عدم ہے جس کی طرف کسی نسبت اور اضافت نے راہ نہیں پایا۔ اور وہ ہر شر و نقص کا عین ہے۔ اگرچہ یہ عینیت بھی وہاں گنجائش نہیں رکھتی۔ کیونکہ اضافت کی بُو رکھتی ہے۔

اور معلوم ہے کہ کسی شے کا ظہور پُورے طور پر اس شے کے حقیقی مقابل میں ظاہر ہوتا ہے:

وَبِضِدِّهَا تَتَبَيَّنُ الْاَشْيَآءُ — اشیاء اپنی ضد سے ظاہر ہوتی ہیں۔

پس بالضرور وجود صرف کا ظہور پُورے طور پر عدم صرف کے آئینہ میں حاصل ہوگا۔ اور مقرر ہے کہ نزول عروج کے اندازہ سے ہے۔ پس جس کا عروج اللہ تعالیٰ کی عنایت سے وجود صرف تک ثابت ہو۔ ناچار اس کا نزول عدم صرف میں ہوگا۔ جو اس کے مقابل ہے۔ لیکن عروج کے وقت وہاں عارف کا استہلاک ہے جس کو جہل لازم ہے۔ اور نزول کے وقت صحو سے تحقق ہے جو علم و معرفت کا مقام ہے۔ اس وقت اس کے صحو کو اس تجلّی ذاتی سے جو ظلّیت کی آمیزش سے منزّہ اور حائیہ شیون و اعتبارات کے ملاحظہ سے مُبرّا ہے مشرّف کرتے ہیں۔ اور اس کو جتلا دیتے ہیں کہ اس سے پہلے جو تجلّی حاصل ہوئی تھی۔ وہ اسماء وصفات و شیون و اعتبارات کے ظلال میں کسی ظل کے پردہ میں تھی۔ اگرچہ عارف اس کو اسماء و شیون کے ملاحظہ کے بغیر جانتا ہے۔ اور حضرت وجود صرف کی تجلّی گنتا ہے۔ سُبحان اللہ! اس عدم نے جو ہر شر و نقص کا ماویٰ ہے۔ حضرت وجود تعالیٰ کے ظہورِ تام کے باعث حسن کے معنے پیدا کیے۔ اور وہ کچھ پایا جو کسی نے نہ پایا۔ اور جو فی نفسہٖ قبیح تھا حسن عارضی کے سبب مستحسن ہو گیا۔ نفس امّارہ انسانی جو بالذات شرارت کی طرف مائل ہے۔ اس عدم کے ساتھ سب سے زیادہ کامل مناسبت رکھتا ہے۔ اسی واسطے تجلّی خاص میں سب سے فائق ہو گیا۔ اور سب پر ترقی پا گیا ع

کہ مستحق کرامت گنہگار انند ۵

---

۵ کیونکہ گناہ گار ہی عزت افزائی کے مستحق ہیں۔

جاننا چاہیے کہ تام المعرفت عارف جب عروج کے مقامات اور نزول کے مراتب کو مفصل طور پر طے کرنے کے بعد عدم صرف میں نزول فرمائے گا اور حضرت وجود کی آئینہ داری کرے گا۔ تو اس وقت تمام اسمائی وصفاتی کمالات اس میں ظہور پائیں گے۔ اور مفصل طور پر سب کو ایسے لطائف کے ساتھ ظاہر کرے گا کہ مقام اجمال جن کا متضمن ہے اور یہ دولت اس کے سوا کسی دوسرے کو میسّر نہیں ہے اور یہ آئینہ داری ایک قیمتی لباس ہے جو اس کے قد پر سجا ہوا ہے۔ اس تفصیل نے اگرچہ حضرت علم کے خزینہ میں صورت حاصل کی ہے۔ لیکن وہ آئینہ داری مرتبۂ علم میں ہے۔ اور اس عارف کا آئینہ مرتبہ خارج میں ہے جس نے خارج میں تمام کمالات کو ظاہر کیا ہے۔

سوال:۔ مرآتیتِ عَدَم کے کیا معنے ہیں۔ اور عَدَم کو جو لاشے محض ہے کس اعتبار سے وجُود کا آئینہ کہا ہے؟

جواب:۔ عدم باعتبار خارج کے لاشے محض ہے۔ لیکن اس نے علم میں امتیاز پیدا کی ہے بلکہ وجود ذہنی کے ثابت کرنے والوں کے نزدیک اس نے وجود علمی بھی حاصل کیا ہے۔ اور اس کو وجود کا آئینہ اس اعتبار سے کہا ہے کہ مرتبۂ عدم میں ہر نقص و شرارت جو وجود سے جو اس کی نقیض ہے ثابت ہو۔ ضرور مسلوب ہوگا۔ اور ہر کمال جو مرتبہ عدم میں مسلوب ہو۔ وہ حضرت وجود میں مُثبت ہوگا۔ پس ناچار عدم کمالات وجودی کے ظہور کا سبب ہُوا۔ اور یہ آئینہ ہونے کے یہی معنے ہیں اس کے سوا اور معنے کچھ نہیں:

فَافْهَمْ فَإِنَّهُ دَقِيْقٌ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْمُلْهِمُ۔

پس سمجھ لے کیونکہ یہ باریک مطلب ہے اور اللہ تعالیٰ الہام کرنے والا ہے۔

اے فرزند! یہ جو معارف لکھے گئے ہیں امید ہے کہ رحمانی الہامات سے ہوں گے جن میں ہرگز شیطانی وسوسوں کی آمیزش نہیں ہے۔ اور اس مطلب پر دلیل یہ ہے کہ جب فقیر ان علوم کے لکھنے کے در پے ہُوا اور اللہ تعالیٰ کی پاک بارگاہ میں التجا کی تو دیکھا کہ گویا ملائکہ کرام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام اس مقام کے گرد و نواح سے شیطان کو دفع کرتے ہیں۔ اور اس مکان کے گرد نہیں آنے دیتے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ أَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْحَالِ۔ اور چونکہ اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمتوں کا ظاہر کرنا بڑی اعلیٰ درجہ کی شکر گزاری ہے۔ اس لیے اس نعمت عظمےٰ کے ظاہر کرنے کی دلیری کی۔ اُمید ہے کہ یہ بات عُجب اور خود بینی کے گمان سے پاک ہوگی۔ اور خود بینی کی گنجائش کیسے ہو سکے جب کہ اللہ تعالیٰ کی عنایت سے اپنا ذاتی نقص و شرارت ہر وقت اپنی آنکھوں کے سامنے ہے۔ اور کمالات سب اللہ تعالیٰ ہی کی طرف منسُوب ہیں:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اَوَّلًا وَّاٰخِرًا

اوّل آخر میں اللہ رب العالمین کی حمد ہے اور

وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ دَائِمًا وَّ سَرْمَدًا وَّ عَلٰی اٰلِہِ الْکِرَامِ وَاَصْحَابِہِ الْعِظَامِ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَائِرِ مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَۃَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ اَتَمُّھَا وَاَکْمَلُھَا۔	اس کے رسول اور اُس کی آل بزرگوار اور اصحاب عظام پر ہمیشہ صلوٰۃ و سلام ہو۔ اور سلام ہو اُن سب پر جو ہدایت کے رستہ پر چلے۔ اور حضرت مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑا۔

مکتوب نمبر ۲۳۵

اس بیان میں کہ اس طائفہ کی محبت دنیا و آخرت کی سعادت کا سرمایہ ہے اور احکام شرعیہ کے بجا لانے اور باطنی جمعیت کے حاصل کرنے کی توفیق اس محبت کا ثمرہ ہے۔ اور اس کے مناسب بیان میں مُلّا عبد الغفور سمرقندی اور حاجی بیگ فرکتی اور خواجہ محمد اشرف کابلی کی طرف صادر فرمایا ہے :۔

حمد و صلوٰت اور دعوات کے بعد دوستانِ حقیقی اور مشتاقانِ تحقیقی کو معلوم شریف ہو، کہ آپ کے مکتوبات شریفہ جو فرط محبت اور کمال اشتیاق سے بھرے ہوئے تھے، ان کے پہنچنے سے بہت خوشی حاصل ہوئی۔ اللہ تعالٰی آپ کو اسی محبت پر ثابت قدم رکھے۔ اس محبت کو دنیا اور آخرت کی سعادت کا سرمایہ جان کر حق سبحانہٗ و تعالٰی سے اس پر ثابت اور قائم رہنے کی دُعا مانگتے رہا کریں۔ اور احکام شرعیہ کے بجالانے کی توفیق اسی محبت کا نتیجہ ہے۔ اور باطنی جمعیت کا حاصل ہونا اسی دوستی کا ثمرہ ہے۔ اگر تمام جہان جتنی ظلمتیں اور کدورتیں باطن میں گرادیں لیکن اس محبت کو قائم رکھیں تو کچھ غم نہ کرنا چاہیئے۔ بلکہ اُمیدوار رہنا چاہیے۔ اور اگر تمام پہاڑوں کے برابر انوار و احوال کو باطن میں زیادہ کردیں لیکن اس محبت سے بال کے برابر بھی دور کردیں۔ تو سوائے خرابی کے کچھ نہ جاننا چاہیئے۔ اور اس کو استدراج شمار کرنا چاہیے۔ اس سر رشتہ کو مضبوط پکڑ کر اپنے کام میں متوجہ رہیں اور قیمتی عمر کو بے فائدہ کاموں میں ضائع نہ کریں ؎

ہمہ اندرز من بتو این است
کہ تو طفلی و خانہ رنگین است

میری ساری نصیحت یہی ہے کہ تو بچہ ہے اور مکان رنگین اور خوشنما ہے

وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَعَلٰی سَائِرِ مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَۃَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ مِنَ الصَّلَوَاتِ اَفْضَلُھَا وَمِنَ التَّسْلِیْمَاتِ اَکْمَلُھَا۔	اور سلام ہو آپ پر اور اُن سب پر جو ہدایت کے راہ پر چلے اور حضرت مصطفٰے صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑا۔

مکتوب نمبر ۲۳۶

بعض اسرار کے بیان میں مخدوم زادہ میاں شیخ محمد صادق سلمہُ اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا :-

حمد و صلوٰۃ کے بعد میرے فرزند ارشد کو معلوم ہو کہ تمہارے خط سے جو تم نے احوال کی شرح میں لکھا ہوا تھا۔ ایسا مفہوم ہُوا تھا کہ تم کو ولایت خاصہ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مناسبت پیدا ہو گئی ہے۔ اس بات سے خداوند جل سُلطانہ کا شکر بجالایا کہ بہت مدّت سے یہ آرزو تھی کہ یہ دولت تمہیں حاصل ہو جائے۔ اب اُمیدوار ہو کہ اس طرف متوجہ ہوتا ہے کہ تم کو اس دولت کی طرف جذب کرے۔ اتفاقاً اس جستجو میں تم کو ولایتِ مُوسوی علیٰ نبیّنا و علیہ الصلوٰۃ والسلام میں داخل پایا۔ اور وہاں سے کھینچ کر دائرہ ولایت خاصہ میں داخل کیا۔ لِلّٰہِ سُبْحَانَہُ الْحَمْدُ وَالْمِنَّۃُ عَلیٰ ذَالِکَ۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے۔ اور جب تم کو قسر و جبر سے اس ولایت میں لائے ہیں۔ اس لیے بیس روز سے زیادہ ہوئے ہیں کہ تم کو اپنی بغل میں نگاہ رکھ کر پرورش کرتا ہے۔ معلوم نہیں کہ اس نسبت کے ضعف سے تمہیں معلوم ہُوا ہو گا۔ اور اب چونکہ یہ نسبت قوی ہو گئی ہے اُمید ہے کہ تم کو بھی معلوم ہو جائے گا۔ اور حضرت حق سبحانہٗ کے انعامات کی نسبت جو پے درپے اس عاصی کے حق میں پہنچ رہے ہیں، کیا لکھے ؎

من آں خاکم کہ ابرِ نو بہاری | کند از لطف بر من قطرہ باری
اگر بر روید از تن صد زبانم | چو سبزہ شکر لطفش کے توانم

میں وہ خاک ہوں کہ نو بہار کا بادل لطف و مہربانی سے مجھ پر برس رہا ہے۔

اگر میرے تن پر سو زبانیں بھی اُگ آئیں تو پھر بھی میں سبزے کی طرح اس کی مہربانی کا شکر کیسے ادا کر سکتا ہوں۔

دوسرے یہ کہ ہے کہ فرزند عزیز محمد سعید نے جو اپنے مکتوب میں اپنے احوال کو ظاہر کیا تھا، بہت ٹھیک ہیں۔ اور اس خصوصیّت کے ساتھ یاروں میں سے کم کسی کو حاصل ہوئے ہیں۔ اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو بھی ولایت خاصہ سے مشرف فرمائے گا۔ اور فرزندی محمد معصوم بالذات اس دولت کے قابل ہے۔ حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے صدقے قوت سے فعل میں لائے۔

مکتوب نمبر ۲۳۷

سنت سنیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی تابعداری پر ترغیب دینے اور طریقہ علیہ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی مدح میں محمد طالب بیاکی کی طرف صادر فرمایا :-

ثَبَّتَنَا اللّٰهُ وَاِيَّاكُمْ عَلٰى جَادَّةِ الشَّرِيْعَةِ الْحَقَّةِ	اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو حضرت مصطفےٰ صلی اللہ
الْمُصْطَفَوِيَّةِ عَلٰى صَاحِبِهَا الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ	علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی شریعت حقہ کے
وَالتَّحِيَّةُ وَاٰلِهِ الْكِرَامِ وَاَصْحَابِهِ الْعِظَامِ۔	سیدھے راستہ پر ثابت قدم رکھے۔

میرے سعادت مند بھائی! طریقہ علیہ نقشبندیہ قدس سرہم کے بزرگواروں نے سنت سنیہ کو لازم پکڑا ہے اور عزیمت پر عمل اختیار کیا ہے۔ اگر اس التزام اور اختیار کے ساتھ ان کو احوال و مواجید سے مشرف کرا دیں تو ان کو نعمت عظیم جانتے ہیں۔ اور اگر احوال و مواجید تو ان کو بخشیں۔ مگر اس التزام اور اختیار میں فتور معلوم کریں تو ان احوال کو پسند نہیں کرتے۔ اور ان مواجید کو نہیں چاہتے۔ اور اس فتور میں اپنی سراسر خرابی جانتے ہیں۔ کیونکہ برہمنوں اور ہندو جوگیوں اور یونانی فلاسفہ کو علم توحید کی بہت قسم کی تجلیات صوری اور مکاشفات مثالی ہوتی ہیں۔ لیکن سوائے خرابی اور رسوائی کے ان سے کچھ نتیجہ حاصل نہ ہوا۔ اور سوائے بُعد و حرمان کے ان کے ہاتھ کچھ نہ آیا۔

اے بھائی! جب آپ نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان بزرگواروں کی ارادات کے سلک میں داخل کیا ہے تو چاہئے کہ ان کی متابعت کو لازم پکڑیں اور سر مُو ان کی مخالفت نہ کریں۔ تاکہ ان کے کمالات سے فائدہ مند اور برخوردار ہوں۔ اوّل اپنے عقاید کو اہل سنت و جماعت کثرہم اللہ تعالیٰ کے عقاید کے موافق درست کریں۔

دوسرے فرض و سنت و واجب و مندوب و حلال و حرام و مکروہ و مشتبہ کا علم جو فقہ میں مذکور ہے حاصل کریں اور اس علم کے موافق عمل درست کریں۔

تیسرے درجے پر علوم صوفیہ کی نوبت پہنچتی ہے جب تک وہ دو پَر درست نہ کر لیں عالم قدس میں اڑنا محال ہے۔ اور اگر ان دو کاموں کے حاصل ہونے کے بغیر احوال و مواجید میسر ہوں تو ان میں اپنی سراسر خرابی جاننی چاہیے۔ اور ایسے احوال و مواجید سے پناہ مانگنی چاہئے۔ ع

کار این است غیر ایں ہمہ ہیچ[۵]!

---

[۵] اصل کام یہی ہے باقی سب ہیچ ہے۔

مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلَاغ
رسول کا کام حکم پہنچا دینا ہے۔

برادرم میاں شیخ داؤد وہاں آئے ہوئے ہیں۔ان کی صحبت کو غنیمت جانیں اور جو نصیحت اور دلالت کریں بجالائیں۔کیونکہ وہ ان بزرگواروں کے مُریدوں کی صحبت میں بہت مدت رہے ہیں۔اور انہیں ان کا راہ وروش معلوم ہو چکا ہے۔اُس جگہ کے اُن یاروں کو جو میر نعمان کے ذریعے اس طریقہ عُلیہ میں داخل ہوئے ہیں۔چاہیے کہ مشارُ الیہ (شیخ داؤد) کی صحبت کو غنیمت جانیں۔اور حلقہ میں ایک ہی جگہ بیٹھیں۔اور ایک دوسرے میں فانی ہوں تاکہ جمعیّت حاصل ہو۔اور معاملہ ترقی پائے۔اور مکتوب کا مطالعہ کیا کریں کہ بہت فائدہ مند ہے ع

دادیم ترا ز گنج مقصود نشان
ہم نے تجھے گنج مقصود کا نشان بتا دیا ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الصَّلَوٰتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ اَتَمُّهَا وَاَكْمَلُهَا۔

اور سلام ہو اُس شخص پر جو ہدایت کی راہ پر چلا اور حضرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑا۔

مکتوب نمبر ۲۳۸

میر نعمان کی طرف صادر فرمایا :۔

اس بیان میں کہ بھائیوں یعنی دوستوں کے زیادہ ہونے میں بہت سی امیدیں ہیں۔اور اس امر کی تنبیہ میں کہ ایسا نہ ہو کہ مریدوں کے احوال و معارف پیروں کے توقف اور عُجب کا موجب بن جائیں اور اس بیان میں کہ مُریدوں کے احوال حیا کا موجب بننے چاہیں۔تاکہ ترقیات پر راغب کریں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَعَلٰى اٰلِهِ الطَّيِّبِيْنَ الطَّاهِرِيْنَ اَجْمَعِيْنَ۔

اللہ رب العالمین کی حمد ہے۔اور سید المرسلین اور ان کی آلِ پاک و طاہر پر صلوٰۃ و سلام ہو۔

آپ کا مکتوب شریف جو خواجہ رحمی کی خدمتگار کے ہمراہ ارسال کیا تھا، پہنچ کر نہایت ہی خوشی کا باعث ہُوا اور چونکہ آپ کے مریدوں کے احوال مفصل طور پر درج تھے۔اس لیے خوشی پر خوشی حاصل ہوئی۔کیونکہ بھائیوں کے زیادہ ہونے میں :

اَکْثِرُوْا اِخْوَانَکُمْ فِی الدِّیْنِ۔ اپنے دینی بھائیوں کو زیادہ بناؤ۔

کے بموجب بہت بہت اُمیدیں ہیں۔ اور آیت کریمہ:

سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِیْكَ۔ ہم عنقریب تیرے بھائی سے قوی کریں گے

بھی اسی مضمون کی مؤید ہے۔ لیکن چاہیے کہ اپنے احوال و اعمال منظور نظر ہوں اور اپنی حرکت و سکون ملحوظ ہو۔ ایسا نہ ہو کہ مُریدوں کی ترقیاں پیروں کے توقف کا باعث بن جائیں۔ اور مسترشدوں اور مریدوں کی گرمجوشی مُرشدوں کے گھروں میں سردی ڈال دے۔ اس بات سے بہت ڈرتے رہنا چاہیے۔ اور مریدوں کے احوال و مقامات کو شیر و ببر کی طرح جاننا چاہیے۔ اور اُن پر فخر و مباہات نہ کرنا چاہیے۔ تاکہ ایسا نہ ہو کہ اس وجہ سے عجب و غرور کا دروازہ کھل جائے۔ بلکہ چاہیئے کہ:

اَلْحَیَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِیْمَانِ۔ حیا ایمان کی جزو ہے۔

کے موافق مریدوں کی ترقیاں شرمندگی و خجالت کا باعث ہوں۔ اور طالبوں کی گرمی عبرت و غیرت کا موجب بنے۔ اور چاہیئے کہ اپنے اعمال کو قاصر اور اپنی نیت کو کوتاہ سمجھیں۔ اور حال و قال کی زبان کلمہ سے تر ہے۔ اگرچہ آپ کے پسندیدہ اطوار سے اُمید ہے کہ آپ اس طرح معاملہ کریں گے۔ لیکن دینی دشمنوں یعنی نفس امارہ اور شیطان لعین کا خیال کرتے ہوئے تاکید کے طور پر مبالغہ کیا گیا ہے۔ تاکہ ایسا نہ ہو کہ طالبوں کی توجہ کی سرگرمی میں سردی پڑ جائے۔ کیونکہ مقصود ان دونوں حالتوں کا جمع کرنا ہے۔ صرف ایک ہی کے فکر میں لگا رہنا قصور میں داخل ہے۔

خواجہ رحمی و سید احمد کو آپ کی خدمت میں حاضر رہنا چاہیئے۔ اور آپ ان کے حال پر پورے طور سے توجہ فرماتے ہیں۔ میر عبد اللطیف نے بھی اگر توجہ کی توفیق پائی ہو۔ تو اس کی بھی مدد کریں۔ تا کہ استقامت حاصل کرلے۔

آپ نے لکھا تھا کہ بعض طالب طریقہ قادریہ کی التماس کرتے ہیں۔ چاہیے کہ طریقہ نقشبندیہ کے سوا اور کوئی طریقہ کسی کو نہ سکھائیں۔ تاکہ دو طریقے باہم مل نہ جائیں۔ ہاں اگر کلاہ و شجرہ طلب کریں۔ اور استخارہ کی اجازت دیں تو مرید بنالیں۔

وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَعَلٰی سَائِرِ اَصْحَابِکُمْ وَاَحْبَابِکُمْ وَعَلٰی سَائِرِ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ

آپ پر اور آپ کے تمام دوستوں پر سلام ہو۔ اور نیز ان تمام پر جو ہدایت کے راستہ پر چلے۔ اور حضرت مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

---

۵۱ پارہ امن خلق، سورہ قصص ۱۲

۵۲ بخاری و مسلم مشکوٰۃ شریف۔

تَتِمُّهَا وَاَكْمَلُهَا۔ کی متابعت کو لازم پکڑا۔

مکتوب نمبر ۲۳۹

ملا احمد برکی کی طرف اُس کے اس خط کے جواب میں جو اُس نے لکھا تھا اور اس میں چند سوال استفسار کیے تھے، لکھا:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَ السَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَاٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهِ الطَّاهِرِيْنَ اَجْمَعِيْنَ۔ اللہ رب العالمین کے لیے حمد ہے۔ اور سید المرسلین اور ان کی آل و اصحاب پاک پر صلوٰۃ و سلام ہو۔

آپ کا مکتوب گرامی جواز روئے شفقت و مہربانی ارسال کیا تھا۔ اس کے مضمون کا مطالعہ کر کے بڑی خوشی حاصل ہوئی۔ آپ نے لکھا تھا کہ احوال کا عرض کرنا احوال کے اندازہ پر ہے الخ۔

میرے مخدوم! احوال کے حاصل ہونے سے مقصود یہ ہے کہ محوّل احوال یعنی احوال کے پھیرنے والے (اللہ) کے ساتھ گرفتاری اور تعلق حاصل ہو جائے۔ جب یہ گرفتاری حاصل ہو تو پھر اگر احوال حاصل ہوں یا نہ ہوں کچھ پروا نہیں۔

آپ نے لکھا تھا کہ حضور میں مذکور ہوا تھا کہ آپ کے حق میں ہم نے بہت تخم ریزی کی الخ

میرے مخدوم! واقعی اسی طرح ہے۔ لیکن ثمرات کا ظہور زندگی اور مرنے کے بعد بے شمار زمانوں کے گزرنے پر موقوف ہے۔ اَبْشِرْ وَلَا تَعْجِلْ بِهٖ۔ (خوش ہو اور جلدی نہ کر)۔

مولانا محمد صالح کے مقولہ کی نسبت آپ نے لکھا تھا۔ چونکہ مولانا مذکور حاضر نہ تھے تا کہ ان کی مراد سمجھی جاتی اس لیے اس مقولہ سے معترض نہ ہوا۔ لیکن خیر ہے کسی طرح کا فکر دل میں نہ لائیں، اور بے ادبی کی نسبت جو آپ نے لکھا تھا، سہو دوستوں کی خطائیں معاف ہیں دل میں کچھ فکر اندیشہ نہ کریں۔

آپ نے اپنے احوال کی نسبت تفتیش کی تھی۔ اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے کہ آپ مقبولوں میں سے ہیں۔

قُبِلَ مَنْ قُبِلَ بِلَا عِلَّةٍ۔ جو قبول کیا گیا وہ بلا علت قبول کیا گیا۔

آپ نے لکھا تھا کہ دو شیخ زادے آئے تھے تا کہ ذکر کی تلقین حاصل کریں الخ

میرے مخدوم! استخارہ ہر کام میں مسنون و مبارک ہے۔ لیکن ضروری نہیں ہے ممکن ہے کہ استخارہ

کے بعد خواب یا واقعہ یا بیداری میں ایسا امر ظاہر ہو۔ جو اس کام کے کرنے یا نہ کرنے پر دلالت کرے۔ بلکہ استخارہ کے بعد دل کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ اگر اس کام کی طرف پہلے سے زیادہ توجہ ہے تو اس کام کرنے پر دلالت رکھتا ہے۔ اور اگر توجہ اسی قدر ہے جس قدر کہ پہلے تھی اور کچھ کم نہیں ہوئی۔ تب بھی منع نہیں ہے اس صورت میں استخارہ کو دوبارہ سہ بارہ کرے۔ تاکہ توجہ کی زیادتی معلوم ہو جائے۔ استخارہ کے تکرار کی نہایت سات مرتبہ تک ہے۔ اور اگر استخارہ کے ادا کرنے کے بعد پہلی توجہ میں نقصان معلوم ہو۔ تو منع پر دلالت ہے اس صورت میں بھی اگر استخارہ کرے گنجائش ہے۔ بلکہ ہر تقدیر پر استخارہ کو مکرر کرنا بہت بہتر اور مناسب ہے۔ اور اس امر کے کرنے یا نہ کرنے میں احتیاط ہے۔

رسالہ مبدء و معاد کی اس عبارت کے معنے جو اس جسد کے بیان میں لکھی گئی ہے۔ جو روح سے مکتسب ہے آپ نے پوچھی تھی۔

میرے مخدوم! روح کا ایسے افعال کا اختیار کرنا اور کر گزرنا جو اجسام کے افعال کے مناسب ہیں جیسے کہ دشمنوں کا ہلاک کرنا اور دوستوں کی مدد کرنا[۵۱] وغیرہ وغیرہ اسی قسم سے ہے۔

ظالموں کے فتنہ سے آپ نے امن طلب کیا تھا۔ حق تعالیٰ نے آپ کو اور آپ کے اہل بیت کو بلکہ آپ کی جگہ کو ان ظالموں کی شرارت سے محفوظ رکھا ہے۔ خاطر جمع ہو کر حق تعالیٰ کی پاک جناب کی طرف متوجہ رہیں اور امید ہے کہ اس حفظ کو کسی خاص وقت تک معین نہیں کریں گے:

اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ[۵۲]۔ تیرا رب بڑی بخشش والا ہے۔

لیکن اس جگہ کے رہنے والوں کو نصیحت کریں کہ مسلمانوں کی بہتری اور خیر خواہی کی وضع کو نہ بدلیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ[۵۳]۔ اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک وہ اپنی حالت کو خود نہ بدلائیں۔

مکتوب نمبر ۲۴

شیخ یوسف برکی کی طرف صادر فرمایا:

[۵۱] معلوم ہوا کہ اولیاء اللہ کی روحیں مدد کرتی ہیں ۱۲

[۵۲] سورۃ والنجم، پارہ قما خطبکم۔

[۵۳] سورہ رعد، پارہ ۱۳۔

اس راستہ کی بے نہایتی اور کلمہ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے بعض فائدوں کے بیان میں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالسَّلَامُ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی — اللہ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو

وہ رسالہ جو آپ کے خیریت کے انجام والے احوال پر شامل تھا، پہنچا اور اس کا مطالعہ خوشی کا باعث ہوا

ع در عشق چنیں بو العجبیہا باشد

عشق میں اس طرح کے بہت سے تعجب انگیز کام ہوتے ہیں

لیکن چاہیے کہ احوال سے گزر کر محول احوال یعنی احوال کے پلٹانے والے (اللہ) تک پہنچنا چاہیے کہ وہاں سراسر جہالت و نادانی ہے۔ بعد از اں اگر معرفت سے مشرف فرمائیں تو زہے دولت و سعادت۔ غرض جو کچھ دید و دانش میں آئے نفی کے قابل ہے۔ خواہ کثرت میں وحدت کا مشاہدہ ہی ہو۔ کیونکہ اس وحدت کی کثرت میں گنجائش نہیں ہے۔ جو کچھ دکھائی دیتا ہے اس وحدت کا شبح و مثال ہے نہ بذاتِ خود وحدت پس اس وقت آپ کے حال کے مناسب کلمہ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا ذکر اور تکرار ہے۔ اس حد تک کہ دید و دانش میں کچھ نہ چھوڑے اور حیرت و جہالت میں ڈال دے۔ اور معاملہ کو فنا تک پہنچا دے۔ جب تک جہل و حیرت میں نہ پہنچیں۔ فنا نصیب نہیں ہوتی۔ جس کو آپ نے فنا تصور کیا ہے۔ اس فنا کو عدم سے تعبیر کرتے ہیں۔ نہ فنا سے۔ اور جب جہل تک پہنچنے کے بعد فنا حاصل ہو گی۔ تب پہلا قدم اس راہ میں رکھا جائے گا۔ وصل کہاں اور انصال کس کے لیے ؎

کَیْفَ الْوُصُوْلُ اِلٰی سُعَادَ وَدُوْنَھَا
قُلَلُ الْجِبَالِ وَدُوْنَھُنَّ حُیُوْفُ

سعاد معشوقہ تک پہنچنا کس طرح ممکن ہے جب کہ اس کے اور میرے درمیان پہاڑوں کی بلند چوٹیاں اور نشیب و فراز واقع ہیں۔

آپ کے احوال درست ہیں لیکن ان سے گزرنا لازم ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَۃَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ مِنَ الصَّلَوَاتِ وَالتَّسْلِیْمَاتِ — اور سلام ہو اس شخص پر جو ہدایت کے راہ پر چلا اور حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑا۔

دوسری نصیحت یہ ہے کہ آپ شریعت پر استقامت اختیار کریں اور اپنے احوال کو علوم و اصول شرعیہ کے مطابق درست کریں۔ اگر عیاذاً باللہ کسی قول و فعل میں شریعت کا خلاف پیدا ہو تو اس میں اپنی خرابی سمجھنی چاہیے۔ استقامت والوں کا یہی طریق ہے۔ والسلام

مکتوب نمبر ۲۴۱

بعض یاروں کی ترقی کے بیان میں مولانا محمد صالح کی طرف لکھا:

میرے سعادت مند بھائی کو حمد و صلوٰۃ کے بعد معلوم ہو کہ ان حدود کے احوال حمد کے لائق ہیں اور اس جگہ کے سب یار خوش و خرم ہیں۔ بالخصوص مولانا محمد صدیق ان دنوں اللہ تعالیٰ کی عنایت سے ولایت خاصہ کے ساتھ مشرف ہوئے۔ اور اسم جزئی سے اسم کلّی کے ساتھ ملحق ہوئے باوجود اس کے نظر فوق کی جانب رکھتے ہیں۔ وہاں سے نصیب وافر حاصل کر کے شاید رجوع کی طرف مَیلان کریں:

وَاللّٰهُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ یَّشَآءُ۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت سے خاص کرتا ہے۔ (پ۔ سورہ بقرہ)

کبھی کبھی اپنے اور اُن دوستوں کے احوال جو طریقہ میں داخل ہوئے ہیں اور ہوتے ہیں۔ لکھتے رہا کریں۔ اور چند روز اسی جگہ استقامت اختیار کریں۔ والسلام

مکتوب نمبر ۲۴۲

بعض سوالوں کے جواب میں ملا بدیع الدین کی طرف صادر فرمایا:۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد میرے عزیز بھائی کو معلوم ہو کہ درویش کمال نے آپ کا مکتوب شریف پہنچایا۔ بڑی خوشی کا موجب ہُوا۔ آپ نے جو اپنے اعمال کو قاصر اور نیتوں کو کوتاہ سمجھنے کے بارہ میں لکھا ہُوا تھا۔ واضح ہُوا۔ حق تعالیٰ سے التجا ہے کہ اس دید کو زیادہ کرے۔ اور اس الہام کو کمال تک پہنچائے۔ کیونکہ اس راہ میں یہ دونوں دولتیں اصل مقصود میں سے ہیں۔

آپ نے لکھا اور دریافت کیا تھا کہ اسم ذات کا شغل کہاں تک ہے۔ اور اس مبارک شغل کی مداومت سے کس قدر پردے دُور ہوتے ہیں۔ اور نفی و اثبات کی نہایت کہاں تک ہے۔ اور اس کلمہ متبرکہ سے کیا دمعت حاصل ہوتی ہے اور کس قدر حجاب دور ہوتے ہیں۔

جاننا چاہیے کہ ذکر سے مُراد غفلت کا دُور کرنا ہے۔ اور چونکہ ظاہر کو غفلت سے چارہ نہیں ہے۔ خواہ ابتدا میں ہو خواہ انتہا میں۔ اس لیے ظاہر ہر وقت ذکر کا محتاج ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ بعض اوقات ذکر اسم ذات نفع دیتا ہے اور بعض اوقات ذکر نفی و اثبات مناسب ہوتا ہے۔ باقی رہا معاملہ باطن کا۔ وہاں بھی جب تک بالکل غفلت دُور نہ ہو جائے۔ تب تک ذکر کرنے سے چارہ نہیں ہاں اس قدر ہے کہ ابتدا میں یہ دونوں ذکر متعین ہیں اور توسط و انتہا میں یہ دونوں ذکر متعین نہیں ہیں۔ اگر قرآن مجید کی تلاوت اور نماز کے ادا کرنے سے غفلت دُور ہو جائے تو ہو سکتا ہے۔ لیکن قرآن مجید کی تلاوت متوسط کے حال کے مناسب ہے۔ اور نماز نوافل کا ادا کرنا منتہی کے حال کے مناسب ہے۔

جاننا چاہیے کہ حضرت ذات کا وہ حضور جو اسما و صفات کے ملاحظہ سے ہو۔ اگرچہ دائمی ہو۔ احدیت مجردہ کی طرف توجہ کرنے والوں کے نزدیک غفلت میں داخل ہے۔ اس غفلت کو بھی دُور کرنا چاہیے اور وراء الورا کی طرف جانا چاہیے ؎

فراق دوست اگر اندک است اندک نیست

درونِ دیدہ اگر نیم موست بسیار است

دوست کا فراق اگر تھوڑا سا بھی ہو تو تھوڑا نہیں ہے، آنکھ میں اگر آدھا بال بھی پڑ جائے تو بہت ہے

آپ نے ان واقعات کی نسبت جو ظاہر ہوتے ہیں لکھا تھا۔ اس سے پہلے بھی جواب میں یہی لکھا تھا کہ یہ مبشرات ہیں ابھی ان کے ظہور کا وقت نہیں آیا منتظر رہیں اور کام کرتے جائیں ؎

كَيْفَ الْوُصُوْلُ اِلٰى سُعَادَ وَدُوْنَهَا

قُلَلُ الْجِبَالِ وَ دُوْنَهُنَّ حُيُوْفُ

سعاد معشوقہ تک پہنچنا کس طرح ممکن ہے جب کہ اس کے اور میرے درمیان پہاڑوں کی بلند چوٹیاں اور نشیب و فراز واقع ہیں۔ والسّلام

مکتوب نمبر ۲۴۳

طریقہ علیہ نقشبندیہ رض کی ترغیب میں مُلّا ایوب محتسب کی طرف صادر فرمایا :

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد میرے معزز بھائی کو معلوم ہو کہ کئی دفعہ آپ نے اپنے متعدد خطوں میں نصیحتیں طلب فرمائی تھیں۔ لیکن جب بار بار یہی طلب آپ کی طرف سے ظہور میں آئی۔ اس بنا پر چند ٹوٹے پھوٹے فقرے لکھے جاتے ہیں، ان کو غور سے سنیں۔ اور جان لیں کہ جو کچھ طالب کے لیے ضروری ہے اور اس کے ساتھ مکلف ہے وہ اوامر کا بجالانا اور نواہی سے ہٹ جانا ہے۔ آیت کریمہ :

مَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا — جو کچھ رسول تمہارے پاس لایا اس کو پکڑ لو۔ اور جس سے اس نے تمہیں منع کیا ہے اس سے ہٹ جاؤ۔

اس مطلب پر شاہد ہے۔ اور جب طالب کو اخلاص کا حکم ہے:

اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ۔ — خبردار دین خالص اللہ ہی کے لیے ہے۔

اور وہ بغیر فنا کے حاصل نہیں ہوتا۔ اور محبت ذاتیہ کے سوا متصور نہیں اس لیے طریق صوفیہ کا سلوک بھی جس سے فنا اور محبت ذاتیہ حاصل ہوتی ہے۔ ضروری ہے۔ تاکہ اخلاص کی حقیقت ہاتھ آئے۔ اور چونکہ صوفیہ کے طریقے کمال و تکمیل کے مرتبوں میں اصالۃً متفاوت ہیں۔ اس لیے ایسے طریق کا اختیار کرنا جس میں سنت سنیہ کی متابعت زیادہ لازم اور احکام شرعیہ کے بجالانے کے زیادہ موافق ہو۔ بہت ہی بہتر اور مناسب ہے۔ اور وہ طریقہ مشائخ نقشبندیہ قدس سرہم کا طریق ہے۔ کیونکہ ان بزرگواروں نے اس طریق میں سنت کو لازم پکڑا ہے اور بدعت سے اجتناب فرمایا ہے۔ جہاں تک ہو سکے رخصت پر عمل کرنا پسند نہیں کرتے۔ اگرچہ بظاہر اس کا نفع باطن میں معلوم کریں۔ اور عزیمت پر عمل کرنا نہیں چھوڑتے اگرچہ بظاہر اس کو باطن میں مضر جانیں۔ انہوں نے احوال و مواجید کو احکام شرعیہ کے تابع کیا ہے۔ اور ذوق و معارف کو علوم دینیہ کا خادم جانتے ہیں۔ احکام شرعیہ کے قیمتی موتیوں کو بچوں کی طرح وجد و حال کے جوز و مویز کے بدلے ہاتھ سے نہیں دیتے۔ اور صوفیہ کی بے فائدہ باتوں پر مغرور و مفتون نہیں ہوتے نص کو چھوڑ کر فص[3] کی طرف خواہش نہیں کرتے۔ اور فتوحات مدنیہ کو چھوڑ کر فتوحات مکیہ کی طرف التفات نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا حال دائمی اور ان کا وقت استمراری ہے۔ ماسوائے اللہ کے نقش ان کے باطن سے اس طرح محو ہو جاتے ہیں کہ اگر ماسوائے کے حاضر کرنے میں ہزار سال تک توقف کریں تو بھی میسر نہ ہو۔ اور وہ تجلّی ذاتی جو دوسروں کے لیے برق کی طرح ہے۔ ان بزرگواروں کے لیے دائمی ہے۔ اور وہ حضور جس کے پیچھے غیبت ہو۔ ان عزیزوں کے نزدیک اعتبار سے ساقط ہے:

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ۔[4] — وہ ایسے مرد ہیں کہ تجارت اور خرید و فروخت اُن کو ذکر سے غافل نہیں کرتی۔

ان کے حال کا بیان ہے۔

اس کے علاوہ ان کا طریق سب طریقوں سے اقرب اور ضرور موصل ہے۔ اور دوسروں کی نہایت ان کی

---

[1] سورۃ حشر، پارہ قد سمع اللہ۔ [2] سورۃ زمر، پارہ ۲۳۔

[3] نص سے کتاب فصوص الحکم کی طرف اشارہ ہے جو شیخ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کی معرکۃ الآراء تصنیف ہے ۱۲

[4] سورۃ نور، پارہ ۱۸۔

ہدایت میں درج ہے۔ اور ان کی نسبت جو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے۔ تمام مشائخ کی نسبتوں سے بڑھ کر ہے۔ لیکن ہر کسی کا فہم ان بزرگواروں کے مذاق تک نہیں پہنچتا۔ بلکہ ممکن ہے کہ اس طریقہ علیہ کے کم ہمت لوگ بھی ان کے بعض کمالات سے انکار کریں ؎

قاصرے گر کند ایں طائفہ را طعن قصور
حاش للہ کہ برارم بزبان ایں گلہ را!

کوئی کوتاہ اندیش اگر اس گروہ نقشبندیہ پر اعتراض کرے تو کرتا ہے۔ میں تو ہرگز ان کا گلہ زبان پر نہیں لا سکتا۔

شاعر عرب فرماتا ہے شعر

أُولٰئِكَ اٰبَآءِیْ فَجِئْنِیْ بِمِثْلِهِمْ
إِذَا جَمَعَتْنَا یَا جَرِیْرُ الْمَجَامِعُ

میرے آباء و اجداد تو یہ ہیں، تو بھی ان کی مثل لے آ۔ جبکہ مجالس منعقد ہوں۔

حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ اس سلسلہ علیہ کے مشائخ قدس سرہم ہر زرّاق اور رقّاص (فریب کرنے والے اور رقص کرنے والے) کے ساتھ نسبت نہیں رکھتے۔ ان کا کارخانہ بلند ہے ؎

حیف باشد شرح او اندر جہاں ہم چو رازِ عشق باید در نہاں
لیک گفتم وصف او تا رہ برند پیش ازاں کز فوت حسرت آں خورند

اس کی شرح جہاں میں نہیں ہو سکتی اور وہ راز عشق کی طرح پوشیدہ ہے۔ لیکن میں نے اس کی صفت بیان کی ہے تاکہ لوگ اس کا سراغ لگائیں اس سے قبل کہ ہاتھ سے نکل جانے کے بعد افسوس کریں۔

اگر ان بزرگواروں کے خصائص و کمالات میں دفتروں کے دفتر لکھے جائیں۔ تو دریائے بے نہایت سے قطرہ کی طرح ہیں ع

دادیم ترا از گنج مقصود نشان

ہم نے تجھے گنج مقصود کا نشان بتلا دیا ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ مِنَ الصَّلَوَاتِ اَفْضَلُهَا وَمِنَ التَّسْلِیْمَاتِ اَکْمَلُهَا۔

اور سلام ہو اس شخص پر جو ہدایت کے راستہ پر چلا۔ اور حضرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑا۔

مکتوب نمبر ۲۴۴

محمد صالح کولابی کی طرف اُس کے اُس خط کے جواب میں جو اس نے اپنے حال کی خرابی کے بیان میں تحریر کیا تھا، صادر فرمایا :-

میرے سعادت مند بھائی خواجہ محمد صالح کا مکتوب شریف پہنچا جو آپ نے اپنے احوال کی خرابی کی نسبت لکھ ہوا تھا، اُمید ہے کہ اس سے بھی زیادہ خراب ہوگا۔ اور اس خرابی کی نہایت اس مکتوب میں جو انہی دنوں میں میرے فرزند ارشد کے نام لکھا ہے۔ درج ہو چکی ہے۔ وہاں سے معلوم کرلیں۔ اگر آپ جانتے ہیں کہ آپ کا وہاں چند روز رہنا یاروں کی جمعیت کا باعث ہے۔ تو بہتر ہے کہ چند روز وہاں ٹھیریں۔ یہ فقیر بھی عنقریب حضرت دہلی کے سفر کا ارادہ رکھتا ہے۔ اکثر استخارے اور توجہات اس سفر کا باعث ہیں۔ اور یہ مقام میرے فرزند ارشد کو عنایت فرمایا ہے اور ان کی ولایت میں داخل کیا ہے۔ فقیر اس جگہ مسافروں کی طرح ان کی ولایت میں بیٹھا ہے۔ وہ یار جو طریقہ علیہ میں داخل ہوئے ہیں خاص کر میر سید مرتضیٰ و مولنا شکر اللہ اور میر سید نظام بہت بہت دعاؤں سے مخصوص ہیں۔ فرزندی خواجہ محمد صادق اور سب بھائی آپ کو اور تمام یاروں کو سلام و دُعا کہتے ہیں۔

مکتوب نمبر ۲۴۵

مُلا محمد صالح کی طرف بعض استفساروں کے جواب میں لکھا ہے :-

حمد و صلوٰۃ و تبلیغ دعوات کے بعد واضح ہو کہ مکتوب شریف جو قاصد کے ہمراہ ارسال کیا تھا پہنچا اور بڑی خوشی کا باعث ہوا۔

آپ نے لکھا تھا کہ ذکر نفی و اثبات اکیس عدد تک پہنچایا ہے۔ لیکن ہمیشگی نہیں ہو سکتی اور غیبت بھی کبھی کبھی ظاہر ہوتی ہے۔ میرے محبت آثار، ذکر کرنے میں ظاہرًا کوئی نہ کوئی شرط مفقود ہے جس کے باعث اس عدد پر کوئی نتیجہ مترتب نہیں ہوا۔ روبرو ان شاء اللہ دریافت کرلیں گے۔

دوسرے آپ نے اس قول کے معنے دریافت کیے تھے اور لکھا تھا کہ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے کام کو تمام کر کے فرمایا کہ :

ذِکْرُ اللِّسَانِ لَقْلَقَۃٌ وَذِکْرُ الْقَلْبِ وَسْوَسَۃٌ وَذِکْرُ الرُّوْحِ شِرْکٌ وَذِکْرُ السِّرِّ کُفْرٌ

زبان کا ذکر بکواس ، اور قلب کا ذکر وسوسہ اور روح کا ذکر شرک اور سر کا ذکر کفر ہے ۔

کیونکہ جب ذکر ، ذاکر اور مذکور کی خبر دینے والا ہے خواہ کوئی ذکر ہو ۔ اور اصل مقصود مذکور میں ذکر و ذاکر کا فنا ہونا ہے اس لیے ذکر کو لقلقہ و وسوسہ و شرک و کفر فرمایا ۔

بہر چہ از دوست وا مانی چہ کفر آں حرف وچہ ایماں
بہر چہ از راہ وا افتی چہ زشت آں حرف وچہ زیبا

جس چیز کے باعث تم دوست سے دور ہو جاؤ ، وہ چاہے کفر ہو چاہے ایمان یکساں ہے ۔ اور جس چیز سے تم راستے سے بھٹک جاؤ اس کی اچھائی اور برائی برابر ہے ۔

لیکن ذکر کے لیے ان ناموں کا عارض ہونا فنا و بقا کے حاصل ہونے سے پہلے جاننا چاہیے ۔ کیونکہ بقا کے حاصل ہونے کے بعد ذاکر کا وجود اور ذکر کا ثبوت اس سے مذموم نہیں ہے ۔ اگر اس میں کچھ پوشیدگی رہی ہو ۔ تو حضور میں دریافت فرمائیں گے ۔ کیونکہ تحریر کا حوصلہ تنگ ہے تو اس قول کو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کرنا خاص کر کام کے تمام ہونے کے بعد اچھا نہیں ہے ۔

دوسرا استفسار یہ تھا کہ آپ نے لکھا تھا کہ شیخ ابوسعید ابوالخیر نے ابوعلی سینا سے مقصود پر دلیل طلب کی تھی اور اس نے جواب میں لکھا تھا کہ کفر حقیقی میں آجا اور اسلام مجازی سے نکل جا ۔ اور شیخ ابوسعید نے عین القضاۃ کی طرف لکھا کہ اگر میں لاکھ برس تک عبادت کرتا تو مجھے وہ فائدہ حاصل نہ ہوتا جو مجھے ابوعلی سینا کے اس کلمہ سے حاصل ہوا ۔ عین القضاۃ نے لکھا کہ اگر آپ سمجھتے تو اس بے چارہ کی طرح مطعون وملام کیوں ہوتے ۔

جاننا چاہیے کہ کفر حقیقی دوئی کے بالکل دور ہو جانے اور کثرت کے کلی طور پر چھپ جانے سے مراد ہے جو کہ فنا کا مقام ہے ۔ اور اس کفر حقیقی کے اوپر اسلام حقیقی کا مقام ہے جو بقا کا محل ہے کفر حقیقی کو اسلام حقیقی سے نسبت دینی سراسر نقص و عیب ہے ۔ یہ ابن سینا کی کوتاہ نظری ہے کہ اس نے اسلام حقیقی کی طرف دلالت نہیں کی ہے ۔ اور حقیقت میں اس کو کفر حقیقی سے بھی کچھ نصیب نہیں ہوا ۔ اس نے صرف از روئے علم و تقلید کے کہدیا اور لکھ دیا ہے ۔ بلکہ اس کو تو اسلام مجازی سے بھی حظ وافر حاصل نہ ہوا ۔ اور فلسفی بکھیڑوں میں عمر بسر کر دی ۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اس کی تکفیر کرتے ہیں اور واقعی اس کے فلسفی اصول اصول اسلام کے منافی و مخالف ہیں ۔ نیز شیخ ابوسعید ، عین القضاۃ سے بہت مقدم ہے وہ اس کی طرف کیا لکھے اگر کچھ شبہ باقی رہا ہو تو حضور میں آکر دریافت فرمائیں گے ۔ والسلام

مکتوب نمبر ۲۴۶

میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا:

اُس مقام کے حاصل ہونے کے بیان میں جو کمال و تکمیل کے مرتبوں میں متوقع اور جس کی انتظار رہتی ہے

اور اس بے توفیقی کی وجہ کے بیان میں جو بعض اوقات طاری ہو جاتی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهِ الطَّاهِرِيْنَ اَجْمَعِيْنَ

اللہ رب العالمین کی حمد ہے اور حضرت سید المرسلین اور ان کی آل و اصحاب پاک پر صلوٰۃ و سلام ہو۔

آپ کے مکتوب شریف یکے بعد دیگرے صادر ہوئے۔ بڑی خوشی حاصل ہوئی۔ ان حدود کی طرف جانے والا کوئی نہ ملا تاکہ ہر ایک کا جواب الگ الگ لکھا جاتا۔ امید ہے کہ معذور فرمادیں گے۔ اس مکتوب کے پہنچنے کے بعد جو میر داد کے ہمراہ ارسال کیا تھا۔ ایک دن صبح کی نماز کے بعد دوستوں کے حلقہ میں بیٹھا تھا کہ بیخواستہ آپ کی طرف توجہ پیدا ہوئی۔ اور بقایا آثار جو نظر میں آتے تھے ان کے دُور کرنے کے درپے ہوا۔ اور وہ ظلمتیں اور کدورتیں جو محسوس ہو رہی تھیں ان کے دفع کرنے میں کوشش کرنے لگا۔ یہاں تک کہ آپ کے کمال کا ہلال بدر کامل بن گیا۔ اور جو کچھ ہدایت کے آفتاب میں امانت رکھا تھا سب اس بدر میں منعکس ہوا حتیٰ کہ کمال کی جانب میں کچھ متوقع اور منتظر نہ رہا:

اِلَّا اَنْ يَّتَّسِعَ الظَّرْفُ وَيَاْخُذَ بِقَدْرِ وُسْعَتِهٖ شَيْئًا فَشَيْئًا۔

سوائے اس کے کہ ظرف وسیع ہو جائے اور اپنی وسعت کے موافق کچھ حاصل کرے۔

اور بہت دیر تک اس معنے کی مثالیہ صورت نظر میں رہی۔ یہاں تک کہ وہ یقین جو صدق کا مصداق ہے حاصل ہوا۔ الحمد للہ سبحانہ علیٰ ذالک۔

اس دولت کا حاصل ہونا اس واقع کی تاویل ہے جو آپ نے دیکھا تھا۔ اور اس کے حاصل ہونے کے لیے بڑے مبالغہ اور تاکید کے ساتھ سوال کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی حمد اور احسان ہے کہ آپ کا قرض سب کا سب ادا ہو گیا۔ اور وعدہ پورا ہوا۔ اب امیدوار ہے کہ اس کملی کے اندازہ پر تکمیل حاصل ہو گی۔ اور اس طرف کے دشت و صحرا آپ کے وجود شریف سے منور ہوں گے۔

آپ نے اپنی بے توفیقی کی نسبت لکھا تھا۔ ظاہراً اس کا سبب قبض کی زیادت ہے اور چوں کہ

آپ کی قبض مفرط اور دیر کے بعد دُور ہونے والی ہے۔ اس کا مسبّب بھی سبب کے اندازہ کے موافق طویل ہوگا۔ اس حال میں تکلف کے ساتھ آپ اعمال بجالاتے اور عبادات کرتے رہیں۔ اور تحمّل اور بناوٹ کے ساتھ اس پر آمادہ رہیں۔

دوسرے یہ ہے کہ اس سال میں بہت علوم بلند اور معارف ارجمند ظہور میں آئے ہیں۔ ان میں سے دو مسودہ کو اخوند مولانا محمد امین ہمراہ لائے ہیں۔ ان میں ایک مسودہ ہمارے حضرت خواجہ قدس سرہٗ کی ان بعض رباعیوں کی شرح کے حل میں ہے جو فیروز آبادی دوستوں کی قرأت کے وقت لکھا گیا ہے۔ اس رسالہ میں توحید آمیز علوم ان رباعیوں کے مناسب درج ہوئے ہیں۔ اور علما اور وحدت وجود کے قائل صوفیہ کے درمیان تطبیق دی ہے۔ اور اس طرح تحریر ہُوا ہے کہ فریقین کی نزاع لفظ کی طرف راجع ہوتی ہے۔ اور دوسرا مسودہ وہ مکتوب ہے جو فرزندی ارشدی کی طرف بڑے طول و بسط کے ساتھ لکھا ہُوا ہے۔ آپ کو مطالعہ کے وقت معلوم ہو جائے گا یہ علوم کس درجہ بلند ہیں۔ اگر کوئی امر ان سے رہ جائے تو دریافت کرلیں

مکتوب نمبر ۲۴۷

عرفان پناہ مرزا حسام الدین احمد کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ حق تعالیٰ کے وجود پاک پر اس کا اپنا وجود پاک ہی دلیل ہے نہ کہ اس کا ماسوا۔ اور اس کے مناسب بیان میں۔

عَرَفْتُ بِفَسْخِ الْعَزَائِمِ لَا بَلْ عَرَفْتُ فَسْخَ الْعَزَائِمِ بِرَبِّیْ۔	میں نے اپنے رب کو ارادوں کے توڑنے سے نہیں پہچانا، بلکہ ارادوں کے توڑنے کو اپنے رب کے ساتھ پہچان لیا ہے۔

کیونکہ وہ حق تعالیٰ اپنے ماسوائے پر دلیل ہے نہ کہ برعکس۔ اس لیے کہ دلیل اپنے مدلول سے اظہر ہوتی ہے۔ اور حق تعالیٰ سے بڑھ کر اور کونسی چیز اظہر ہے۔ کیونکہ تمام اشیا اسی سے ظاہر ہوتی ہیں۔ پس وہ اپنی ذات اور اپنے ماسوائے پر دلیل ہے۔ اسی واسطے میں کہتا ہوں کہ:

عَرَفْتُ رَبِّیْ بِرَبِّیْ وَعَرَفْتُ الْاَشْیَاءَ بِهٖ تَعَالٰی۔	میں نے اللہ تعالیٰ کو اللہ ہی کے ساتھ پہچانا اور اشیا کو اس کے ساتھ پہچانا۔

پس برہان اس جگہ لِمّی ہے اور اکثر کے خیال میں اِنّی ہے اور تفاوت نظر کے تفاوت سے ہے۔ اور

ﮯ اگلے صفحہ پر۔

اختلاف بلحاظ منظر کے ہے۔ بلکہ وہاں استدلال اور برہان کی گنجائش نہیں ہے۔ کیونکہ حق سبحانہٗ کے وجود میں کوئی پوشیدگی اور اس کے ظہور میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ اور وہ تمام بدیہیات سے زیادہ روشن ہے۔ اور یہ بات سوائے اُس شخص کے کہ جس کے دل میں مرض اور اُس کی آنکھوں پر پردہ ہو کسی پر پوشیدہ نہیں ہے اور تمام اشیاء حواس ظاہری سے محسوس ہیں۔ اور ضروری طور پر معلوم ہے کہ ان سب کا وجود اُسی ذات پاک کی طرف سے ہے جو مطلوب میں منحصر نہیں ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلٰى سَائِرِ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى	اور سلام ہو آپ پر اور اُن سب پر جو ہدایت پر چلے
وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ	اور حضرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی متابعت
الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ اَتَمُّهَا وَاَكْمَلُهَا۔	کو لازم پکڑا۔

مکتوب نمبر ۲۴۸

عالی جناب مرزا حسام الدین احمد کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے کامل تابعداروں کو ان کے تمام کمالات سے بطریق تبعیت کچھ نہ کچھ حصہ حاصل ہے۔ اور اس بیان میں کہ کوئی ولی نبی کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ اور اس امر کی تحقیق میں کہ تجلی ذاتی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے مخصوص ہے، کس معنی سے ہے۔ اور اس کے مناسب بیان میں:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا	اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہم کو اس طرف ہدایت
لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَقَدْ	کی اگر وہ ہم کو ہدایت نہ کرتا تو ہم ہرگز ہدایت نہ پاتے
جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ صَلَوَاتُ	بے شک ہمارے رب کے رسول حق کے ساتھ آئے
اللّٰهِ تَعَالٰى وَتَسْلِيْمَاتُهٗ عَلَيْهِمْ وَعَلٰى	ہیں، اُن پر اور ان کے تابعداروں اور مددگاروں
اَتْبَاعِهِمْ وَاَعْوَانِهِمْ وَخَزَنَةِ	اور ان کے اسرار کے خزانچیوں پر اللہ تعالیٰ کی
اَسْرَارِهِمْ	طرف سے صلوٰۃ وسلام ہو۔

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے کامل تابعدار کمال متابعت اور زیادہ محبت کے باعث بلکہ محض عنایت و

(حاشیہ صفحہ ۵۰۶) سے برہان لمی یہ ہے کہ علت سے معلول کی طرف دلیل پکڑیں اور انی یہ ہے کہ معلول سے علت کی طرف دلیل پکڑیں۔

حاشیہ صفحہ ھٰذا سلہ سورہ اعراف، پارہ ولو اننا۔

بخشش سے اپنے متبوع انبیاؑ کے تمام کمالات کو جذب کر لیتے ہیں۔ اور پورے طور پر ان کے رنگ میں رنگے جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ تابعوں اور متبوعوں کے درمیان سوائے اصالت اور تبعیت اور اولیت اور آخریت کے کچھ فرق نہیں رہتا۔ باوجود اس امر کے کوئی تابعدار اگرچہ افضل الرسل کے تابعداروں سے ہو۔ کسی نبی کے مرتبہ کو اگرچہ وہ تمام انبیا سے کم درجہ کا ہو نہیں پہنچ سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ جو انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد تمام انسانوں سے افضل ہیں ان کا سر ہمیشہ اس پیغمبر کے پیچھے رہتا ہے جو تمام پیغمبروں سے نیچے درجے کا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ تمام انبیا اور ان کے ارباب کے تعینات کے مبادی مقام اصل سے ہیں۔ اور تمام اعلیٰ و اسفل امتوں اور ان کے ارباب کے مبادی تعینات اس اصل کے ظلال کے مقامات سے اپنے اپنے درجہ کے موافق ہیں۔ پھر اصل و ظل کے درمیان کس طرح مساوات ہو سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُورُونَ وَإِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ[1]	بے شک ہمارے مرسل بندوں کے لیے ہمارا وعدہ ہو چکا کہ وہ فتحیاب ہیں اور ہمارا ہی لشکر غالب ہے۔

اور یہ جو کہتے ہیں کہ تجلی ذاتی جو تمام انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کے درمیان حضرت خاتم الرسل سے مخصوص ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کامل تابعداروں کو بھی اس تجلی سے حصہ حاصل ہے۔ وہ اس معنے کے لحاظ سے نہیں ہے کہ تجلی ذات انبیا کے نصیب نہیں ہے۔ اور تابعداری کے سبب ان کے کاملوں کو نصیب ہے۔ حاشا وکلا کہ کوئی اس سے یہ مطلب تصور کرے۔ کیونکہ اس میں اولیا کی انبیا پر زیادت ہے بلکہ اس تجلی کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مخصوص ہونا اس معنے کے اعتبار سے ہے۔ کہ دوسروں کو اس کا حاصل ہونا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کی طفیل اور تبعیت سے ہے۔ یعنی انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اس تجلی کا حاصل ہونا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طفیل ہے۔ اور اس امت کے کامل اولیا کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تابعداری کے سبب سے انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعمت عظمےٰ کے دستر خوان پر اس کے طفیلی اور جلیس ہیں۔ اور اولیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خادم پس خوردہ کھانے والے۔ اور جلیس طفیلی اور خادم پس خوردہ کھانے والے کے درمیان بہت فرق ہے۔ اس مقام پر قدم لغزش کھا جاتا ہے۔

اس شبہ کی تحقیق میں اس فقیر نے اپنے مکتوبات اور رسالوں میں کئی قسم کی وجہیں ذکر کی ہیں۔ اور

[1] سورۃ والصافات، پارہ ۲۳۔

حق وہی ہے جو میں نے اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس مسودہ میں تحقیق کیا ہے۔

آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ اگرچہ تمام انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طفیل اس تجلی سے کامل حصہ حاصل ہے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس ولایت خاصہ نے ان کی امتوں کے اولیا میں اثر نہیں کیا ہے۔ اور اس تجلی سے وافر حصہ حاصل نہیں ہوا ہے۔ کیونکہ جب ان کی اصلوں میں یہ دولت طفیلی اور انعکاسی ہو تو فروع میں عکس العکس کے طریق پر کیا پہنچے۔ اس معنے کا مصداق کشف صریح ہے نہ استدلال عقلی۔

اور یہ جو پہلے مذکور ہوا ہے کہ کامل تابعدار کمال متابعت کے سبب اپنے متبوعوں کے کمالات جذب کر لیتے ہیں، مراد ان سے متبوعوں کے اصلیہ کمالات ہیں نہ کہ مطلقاً تاکہ تناقض پیدا نہ ہو۔ بلکہ یہ لوگ انبیا میں سے اپنے ہر ایک نبی کی مخصوصہ ولایت سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔ اور سب امتوں کے درمیان یہی اُمت تابعداری کے سبب اس تجلی سے مخصوص ہے۔ اور اس دولت عظمےٰ سے مشرف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ امت خیر الامم ہے۔ اور اس اُمت کے علما بنی اسرائیل کی طرح ہیں:

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ	یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے بخشتا ہے
وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۔	اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

دل نے چاہا کہ اس ولایت خاصہ کے کچھ فضائل وخصائص لکھے۔ لیکن وقت کی تنگی نے مدد نہ کی اور کاغذ نے کوتاہی کی۔ اللہ تعالیٰ کی عنایت سے علوم ومعارف بھاری بادل کی طرح برس رہے ہیں۔ اور عجیب وغریب اسرار پر اطلاع بخش رہے ہیں۔ اس راز کے محرم اپنی اپنی استعداد کے موافق میرے بزرگوار فرزند ہیں۔ اور دوسرے دوست چند روز حضور میں ہیں اور چند روز غیبت میں۔ اسی واسطے کہتے ہیں کہ ولی ہر چند ولی ہو صحابی کے درجے کو نہیں پہنچتا۔

آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کا شوق حد سے بڑھ کر ہے صحیفہ گرامی جو اس حقیر کے نامزد فرمایا تھا اس کے پہنچنے سے مشرف ہوا۔ اعمال کو قاصر دیکھنا بڑی بھاری نعمت ہے۔ لیکن توسط احوال تمام امور میں اچھا ہے۔ افراط تفریط کی طرح حد اعتدال سے باہر ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلٰى سَآئِرِ مَنِ اتَّبَعَ	اور سلام ہو آپ پر اور ان سب پر جو ہدایت
الْهُدٰى وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰى عَلَيْهِ	پر چلے اور حضرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم
وَعَلٰى اٰلِهِ الصَّلَوٰتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ	کی متابعت کو لازم پکڑا۔

مکتوب نمبر ۲۴۹

میرزا داراب کی طرف صادر فرمایا:

حضرت سید المرسلین و الآخرین کی متابعت کے فضائل اور اس پر مترتبہ کمالات اور اس کے ساتھ مخصوص مراتب کے بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو

آخرت کی نجات اور ہمیشہ کی خلاصی حضرت سید الاولین و الآخرین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی متابعت پر وابستہ ہے۔ آپ ہی کی متابعت سے حق تعالیٰ کی محبوبیت کے مقام میں پہنچتے ہیں۔ اور آپ ہی کی متابعت سے تجلی ذات سے مشرف ہوتے ہیں۔ اور آپ ہی کی متابعت سے مرتبہ عبدیت میں جو کمال کے مراتب سے اوپر اور مقام محبوبیت کے حاصل ہونے کے بعد ہے سرفراز فرماتے ہیں۔ اور آپ کے کامل تابعداروں کو بنی اسرائیل کے پیغمبروں کی طرح فرماتے ہیں۔ اور اُولوالعزم پیغمبر آپ کی متابعت کی آرزو کرتے ہیں۔ اور اگر موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ کے زمانہ میں زندہ ہوتے تو آپ ہی کی تابعداری کرتے۔ اور عیسےٰ روح اللہ کے نازل ہونے اور حضرت حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کرنے کا قصہ مشہور و معلوم ہے۔ آپ کی اُمّت آپ کی متابعت کے سبب خیر الامم ہوئی ہے۔ اور اس میں سے اکثر اہل جنت ہیں۔ قیامت کے دن آپ کی تابعداری کی بدولت تمام اُمتوں سے پہلے آپ کے اُمتی بہشت میں جائیں گے۔ اور ناز و نعمت حاصل کریں گے۔ پس آپ کو لازم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و علیٰ اخوانہ وسلم کی متابعت اور سنت کو لازم پکڑیں اور شریعت حقہ کے موافق اعمال بجا لائیں۔

دوسرے یہ کہ شیخ اسماعیل کی سفارش کرتا ہے جو معارف آگاہ حاجی عبد الحق کے دوستوں میں سے ہے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر ۲۵۰

بعض استفساروں کے حل میں مُلّا احمد برکی کی طرف صادر فرمایا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد واضح ہو کہ اس طرف کے فقرا کے احوال و اوضاع حمد کے لائق ہیں

اور آپ کی عافیت حق تعالیٰ سے مطلوب و مسئول ہے۔

آپ کا مکتوب شریف صادر ہوا۔ آپ نے لکھا تھا کہ وہ ذوق و خوشی جو اول حاصل تھی۔ اب اپنے آپ میں نہیں پاتا۔ اور اس بات کو اپنا تنزل جانتا ہے، سو میرے بھائی کو معلوم ہو کہ پہلی حالت اہل وجد و سماع کی طرح تھی۔ جس میں جسد کو کامل دخل تھا۔ اور جو حالت اب حاصل ہوئی ہے اس میں جسد کا کوئی حصہ نہیں ہے اس کا زیادہ تر تعلق قلب و روح کے ساتھ ہے۔ اس معنی کا بیان کرنا تفصیل چاہتا ہے حاصل یہ کہ دوسری حالت پہلی حالت سے کئی مرتبہ بڑھ کر ہے۔ اور ذوق کا نہ پانا اور خوشی کا دور ہونا، ذوق و خوشی کے پانے سے برتر ہے۔ کیونکہ نسبت جس قدر جہالت اور حیرت میں ترقی کرے اور جسد سے دور تر ہو۔ اسی قدر اصل اور مقصود حاصل ہونے کے نزدیک تر ہے۔ اس لیے کہ اس مقام میں عجز و جہل کے سوا کسی اور چیز کی گنجائش نہیں ہے۔ جہل کو معرفت سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور عجز کا نام ادراک رکھتے ہیں۔

آپ نے لکھا تھا کہ اس نسبت کی وہ تاثیر جو پہلے تھی اب نہیں رہی۔ ہاں تاثیر جسدی نہیں رہی، لیکن تاثیر روحی زیادہ تر حاصل ہو گئی ہے۔ لیکن ہر ایک شخص اس کا ادراک نہیں کر سکتا۔ لیکن کیا کیا جائے آپ کی صحبت اس فقیر کے ساتھ بہت کم ہوئی ہے۔ اور علوم و معارف خاصہ بہت کم مذکور ہوئے ہیں۔ شاید اللہ تعالیٰ کو منظور ہو گا کہ دوبارہ صحبت حاصل ہو۔ اور پھر چند روز باہم اکٹھے رہیں۔

نیز آپ نے دریافت کیا تھا کہ باوجود زاد و راحلہ کے اس زمانہ میں مکہ معظمہ جانا فرض ہے یا نہیں؟

میرے مخدوم! اس بارہ میں فقہ کی روایتوں میں بہت اختلاف ہے۔ اور اس مسئلہ میں مختار فقیہ ابوالیث رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ ہے، جو اُس نے کہا ہے کہ اگر راستہ میں امن اور عدم ہلاک کا ظن غالب ہے تو اُس کی فرضیت ثابت ہے، ورنہ نہیں۔ لیکن یہ شرط وجوب ادا کی شرط ہے نہ کہ نفس وجوب کی۔ کما ہو الصحیح۔ پس اس صورت میں حج کی وصیت واجب نہیں ہوتی۔ چونکہ وقت نے موافقت نہ کی۔ اس لیے آپ کے دوسرے استفساروں کے جواب کو کسی دوسرے مکتوب پر موقوف رکھا۔ والسلام

مکتوب نمبر ۲۵۱

مولانا محمد اشرف کی طرف صادر فرمایا:

خلفائے راشدین کے فضائل اور حضرات شیخینؓ کی فضیلت اور حضرت امیرؓ کے بعض خاصوں اور اصحاب کرام علیہم الرضوان کی تعظیم و توقیر اور ان کے درمیانی جھگڑوں اور لڑائیوں کو محمل صحیح پر محمول کرنے اور

اُس کے متعلق بیان میں ۔

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد میرے سعادت مند بھائی محمد اشرف کو معلوم ہو کہ بعض علوم غریبہ اور اسرار عجیبہ اور مواہب لطیفہ اور معارف شریفہ جن میں سے اکثر حضرات شیخین و ذی النورین و حیدر کرار رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے فضائل و کمالات سے تعلق رکھتے ہیں اپنی ناقص سمجھ کے موافق لکھتا ہے، گوش ہوش سے سُنیں۔

حضرت صدیق اور حضرت فاروق رضی اللہ عنہما کمالات محمدی کے حاصل ہونے اور ولایت مصطفوی علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰت والسلام کے درجوں کے پہنچنے کے باوجود گزشتہ انبیا کے درمیان جانب ولایت میں حضرت ابراہیم علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں اور جانب دعوت میں جو مقام نبوت کے مناسب ہے حضرت موسیٰ علیٰ نبیّنا و علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مناسبت رکھتے ہیں۔ اور حضرت ذی النورین رضی اللہ عنہ دونوں طرف میں حضرت نوح علیٰ نبیّنا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں۔ اور حضرت امیر رضی اللہ عنہ دونوں طرف میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں، اور چونکہ حضرت عیسیٰ روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں۔ اس لیے نبوّت کی جانب سے ولایت کی جانب ان میں غالب ہے۔ اور حضرت امیرؓ میں بھی اس مناسبت کے باعث ولایت کی جانب غالب ہے۔ اور خلفائے اربعہ کے تعیّنات کے مبادی جہالت کے اختلاف کے بموجب اجمالی اور تفصیلی طور پر صفت العلم ہے۔ اور وہ صفت باعتبار اجمال حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رب ہے۔ اور باعتبار تفصیل کے حضرت خلیل علیہ السلام کا رب اور اجمال و تفصیل کی برزخیت کے اعتبار سے حضرت نوح علیہ السلام کا رب ہے۔ جیسے کہ موسیٰ علیہ السلام کا رب صفت الکلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا رب صفت القدرت اور حضرت آدم علیہ السلام کا رب صفت التکوین ہے۔

اب ہم اصل بات کو بیان کرتے ہیں کہ حضرت صدیق رضہ اور حضرت فاروق رضہ مراتب کے اختلاف کے موافق نبوّت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بوجھ کو اُٹھانے والے ہیں۔ اور حضرت امیر رضہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مناسبت اور جانب ولایت کے غلبہ کے باعث ولایت محمدی کے بوجھ کو اُٹھانے والے ہیں اور حضرت ذی النورین کو برزخیت کے اعتبار سے ہر دو طرف کے بوجھ اٹھانے والا فرمایا ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ اس اعتبار سے بھی ان کو ذی النورین کہیں۔ اور چونکہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما بار نبوت کے اٹھانے والے ہیں۔ اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے زیادہ مناسبت رکھتے ہیں۔ کیونکہ مقام دعوت جو مرتبۂ نبوت سے پیدا ہوا ہے۔ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد باقی تمام انبیا کے درمیان ان میں اتم و اکمل ہے اور ان کی کتاب قرآن مجید تمام نازل شدہ کتابوں سے بہتر ہے۔ اسی واسطے ان کی

امت گزشتہ امتوں کی نسبت زیادہ بہشت میں جائے گی۔ اگرچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی ملت تمام شریعتوں اور ملتوں سے افضل و اکمل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام پیغمبروں میں سے افضل پیغمبر کو اس کی ملت کی متابعت کا امر کیا گیا ہے۔ آیت کریمہ:

ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا۔ پھر ہم نے تیری طرف وحی بھیجی کہ ملت ابراہیم کی تابعداری کر کہ وہ راہ راست پر چلنے والا ہے۔

اس مضمون کی شاہد ہے اور حضرت مہدی موعود کہ اس کا رب بھی صفت العلم ہے حضرت امیرؓ کی طرح حضرت عیسیٰ سے مناسبت رکھتے ہیں۔ گویا ایک قدم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے سر پر ہے اور دوسرا قدم حضرت مہدی رضی اللہ عنہ کے سر پر۔

اور جاننا چاہیے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولایت، ولایت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں طرف واقع ہوئی ہے اور ولایت عیسویؑ اس ولایت کے بائیں طرف اور چونکہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ ولایت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے حامل ہیں۔ اس لیے مشائخ و اولیا کے اکثر سلسلے ان سے منتسب ہوئے ہیں۔ اور حضرت امیر کے کمالات حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے کمالات کی نسبت اکثر اولیائے عظام پر جو کمالات ولایت سے مخصوص ہیں۔ زیادہ تر ظاہر ہوئے ہیں۔ اگر شیخین رضؓ کی افضلیت پر اہل سنت کا اجماع نہ ہوتا تو اکثر اولیائے عظام کا کشف حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا حکم کر دیتا۔ کیونکہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے کمالات انبیائے علیہم الصلوٰۃ والسلام کے کمالات کے مشابہ ہیں۔ اور صاحبان ولایت کا ہاتھ ان کے کمالات کے دامن سے کوتاہ ہے۔ اور اہل کشف کا کشف ان کے کمالات کے درجوں کی بلندی کے باعث راہ میں ہیں۔ ولایت کے کمالات ان کے کمالات کے مقابلہ میں مطروح فی الطریق (راہ میں پھینکے ہوئے) کی طرح ہیں۔ کمالات ولایت کمالات نبوت پر چڑھنے کے لیے بمنزلہ زینہ کے ہیں۔ پس مقدمات کو مقاصد کی کیا خبر ہے۔ اور مطالب کو مبادی سے کیا شعور۔ آج یہ بات عہد نبوت کے بُعد کے باعث اکثر لوگوں کو ناگوار اور قبول سے دور معلوم ہوتی ہے لیکن کیا کیا جائے ؎

در پس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند
ہرچہ اُستاد ازل گفت ہماں میگویم

مجھے آئینہ کے پیچھے طوطی کی طرح رکھا گیا ہے۔ جو کچھ اُستاد ازل نے کہا میں وہی کہتا ہوں۔

لیکن اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے کہ اس گفتگو میں علمائے اہل سنت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کے ساتھ

---

۵۱ سورۂ نحل، پارہ ۱۴۔

موافق ہوں۔ اور ان کے اجماع سے متفق ہوں۔ ان کے استدلالی علم کو مجھ پر کشفی اور اجمالی کو تفصیلی کیا ہے۔

اس فقیر کو جب تک کہ مقام نبوت کے کمالات تک اپنے نبی کی متابعت میں نہ پہنچایا۔ اور کمالات سے پورا حصہ عطا نہ فرمایا تھا۔ تب تک شیخین کے فضائل پر کشف کے طور پر اطلاع نہ بخشی تھی۔ اور تقلید کے سوائے کوئی راہ نہ دکھایا تھا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا	اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہم کو اس کی ہدایت دی اگر اللہ
لِنَهْتَدِیَ لَوْلَاۤ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَقَدْ	تعالیٰ ہم کو ہدایت نہ دیتا تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے۔ بیشک
جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ۔	ہمارے رب کے رسول حق کے ساتھ آئے ہیں۔

ایک دن کسی شخص نے بیان کیا کہ لکھا ہے کہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ کا نام بہشت کے دروازہ پر لکھا ہوا ہے۔ دل میں گزرا کہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے لیے اس مقام کی کیا خصوصیتیں ہوں گی۔ توجہ تام کے بعد ظاہر ہُوا کہ بہشت میں اس امت کا داخل ہونا ان دو بزرگواروں کی رائے اور تجویز سے ہوگا گویا حضرت صدیقؓ بہشت کے دروازے پر کھڑے ہیں۔ اور لوگوں کے داخل ہونے کی تجویز فرماتے ہیں۔ اور حضرت فاروق رضی اللہ عنہ ہاتھ پکڑ کر اندر لے جاتے ہیں۔ اور ایسا مشہود ہوتا ہے کہ گویا تمام بہشت حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے نور سے بھرا ہُوا ہے۔

اس حقیر کی نظر میں حضرات شیخین کے لیے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان علیحدہ شان اور الگ درجہ ہے۔ گویا یہ دونوں کسی کے ساتھ مشارکت نہیں رکھتے۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ حضرت پیغمبر علیہ السلام کے ساتھ گویا ہم خانہ ہیں۔ اگر فرق ہے تو صرف علو و سفل یعنی بلندی اور پستی کا ہے۔ اور حضرت فاروق رضی اللہ عنہ بھی حضرت صدیق رضؓ کی طفیل اس دولت سے مشرف ہیں۔ اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آنحضرت کے ساتھ ہمسرائی یا ہم شہر ہونے کی نسبت رکھتے ہیں۔ پھر اولیائے اُمت کا وہاں کیا دخل ہے۔ ع

ایں بس کہ رسد ز دُور بانگ جرسم!

یہی کافی ہے کہ دُور سے گھنٹی کی آواز سُنائی دیتی رہے۔

یہ لوگ کمالاتِ شیخین رضی اللہ عنہ سے کیا حاصل کریں۔ یہ دونوں بزرگوار اپنی بزرگی و کلانی کی وجہ سے انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام میں معدود اور ان کے فضائل کے ساتھ موصوف ہیں۔

حضرت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے :-

لَوْ كَانَ بَعْدِیْ نَبِیٌّ لَكَانَ عُمَرُ	اگر میرے پیچھے کوئی نبی ہوتا تو البتہ عمر ہوتا۔

امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کی ماتم پرسی کے دنوں میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے صحابہ کی مجلس میں کہا کہ :

مَاتَ تِسْعَةُ اَعْشَارِ الْعِلْمِ — آج نو حصے علم فوت ہو گیا۔

جب بعض میں اس معنے کے سمجھنے میں توقف دیکھا تو کہا کہ میری مراد علم سے علم باللہ ہے نہ علم حیض و نفاس۔

حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی نسبت کیا بیان کیا جائے جب کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تمام نیکیاں ان کی ایک نیکی کے برابر ہیں۔ جیسے کہ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نسبت خبر دی ہے۔ اور وہ انحطاط یعنی کمی جو حضرت فاروق رضؓ کو حضرت صدیقؓ سے ہے اس انحطاط و کمی سے زیادہ ہے۔ جو حضرت صدیق رضؓ کو حضرت پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام سے ہے۔ پھر قیاس کرنا چاہیئے کہ دوسروں کا حضرت صدیق رضؓ سے انحطاط کس قدر ہوگا۔ اور حضرات شیخینؓ موت کے بعد بھی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جدا نہ ہوئے اور ان کا حشر بھی یکجا ہوگا۔ جیسے کہ فرمایا ہے۔ پس ان کی فضیلت قربیت کے باعث ہوگی۔

یہ قلیل البضاعت یعنی بے سروسامان ان کے کمالات کو کیا بیان کرے اور ان کے فضائل کیا ظاہر کرے ذرہ کی کیا طاقت کہ آسمان کی نسبت گفتگو کرے۔ اور قطرہ کی کیا مجال کہ بحر عمان کی بات زبان پر لائے۔

اُن اولیا نے جو دعوت خلق کی طرف راجع ہیں اور ولایت و دعوت کی دونوں طرفوں سے حصہ رکھتے ہیں۔ اور تابعین اور تبع تابعین میں سے علمائے مجتہدین نے کشف صحیح کے نور اور اخبار صادقہ اور آثار متابعہ سے شیخین رضی اللہ عنہم کے کمالات کو دریافت کیا ہے۔ اور ان کے فضائل کو پہچان کر ان کے افضل ہونے کا حکم دیا ہے۔ اور اس پر اجماع کیا ہے اور اُس کشف کو جو اس اجماع کے برخلاف ظاہر ہو، غلط خیال کر کے اُس کا کچھ اعتبار نہیں کیا ہے۔ اور کس طرح ایسے کشف کا اعتبار کیا جائے جب کہ صدر اول میں ان کی افضلیت صحیح ہو چکی ہے۔ چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عمرؓ سے روایت کی ہے :۔

قَالَ كُنَّا فِي زَمَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ لَا نَعْدِلُ بِاَبِيْ بَكْرٍ اَحَدًا ثُمَّ عُمَرَ ثُمَّ عُثْمَانَ ثُمَّ نَتْرُكُ اَصْحَابَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ لَا نُفَاضِلُ بَيْنَهُمْ۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں کسی کو ابوبکرؓ پھر عمرؓ پھر عثمانؓ کے برابر نہیں سمجھتے تھے۔ پھر ہم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کو چھوڑ دیتے تھے۔ یعنی اُن کے درمیان ایک دوسرے کو فضیلت نہ دیتے تھے۔

(حاشیہ صفحہ ۵۰۴) ۱؎ ترمذی شریف، ابویعلی، طبرانی، حاکم اور ابونعیم۔

اور ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت میں ہے:

قَالَ كُنَّا نَقُوْلُ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَيٌّ اَفْضَلُ اُمَّةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ بَعْدَهٗ اَبُوْبَكْرٍ ثُمَّ عُمَرُ ثُمَّ عُثْمَانُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمْ۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں کہا کرتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سب امت میں سے افضل ابوبکرؓ ہیں پھر عمرؓ پھر عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم

اور جنہوں نے کہا ہے کہ ولایت نبوت سے افضل ہے وہ ارباب سکر اور اولیائے غیر مرجوع میں سے ہیں۔ جن کو کمالاتِ نبوت سے زیادہ حصہ حاصل نہیں ہے۔ اور آپ کی نظر میں آیا ہوگا کہ فقیر نے اپنے بعض رسالوں میں تحقیق کی ہے کہ نبوت ولایت سے افضل ہے اگرچہ اسی نبی کی ولایت ہو۔ اور یہی حق ہے اور جس نے اس کے برخلاف کہا وہ مقام نبوت کے کمالات سے جاہل ہے۔ جیسے کہ اوپر گزر چکا۔

اور آپ کو معلوم ہے کہ اولیا کے تمام سلسلوں کے درمیان سلسلہ علیہ نقشبندیہ حضرت صدیقؓ کی طرف منسوب ہے۔ پس صحو کی نسبت ان میں غالب ہوگی اور ان کی دعوت اتم ہوگی۔ اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے کمالات ان پر ظاہر ہوں گے۔ ناچار ان کی نسبت تمام سلسلوں کی نسبتوں سے بڑھ کر ہوگی۔ دوسروں کو ان کے کمالات کا کیا پتہ اور ان کے معاملہ کی حقیقت کی کیا خبر۔ میں نہیں کہتا کہ تمام مشائخ نقشبندیہ اس معاملہ میں برابر ہیں۔ ہرگز ایسا نہیں ہے۔ بلکہ اگر ہزاروں میں سے ایک بھی اس صفت کا مل جائے تو غنیمت ہے میرا خیال ہے کہ حضرت مہدی موعود جو ولایت کی اکملیت کے لیے مقرر ہیں ان کو یہ نسبت حاصل ہوگی۔ اور اس سلسلہ علیہ کی تتمیم و تکمیل فرمائیں گے۔ کیونکہ تمام ولایتوں کی نسبت اس نسبت علیہ سے نیچے ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ باقی سب ولایتوں کو مرتبہ نبوت کے کمالات سے بہت کم حصہ حاصل ہے۔ اور یہ ولایت حضرت صدیقؓ کی طرف منسوب ہونے کے باعث ان کمالات سے وافر حصہ رکھتی ہے۔ جیسے کہ ابھی بیان ہو چکا۔ ع

بہ بیں تفاوت رہ از کجاست تابکجا

دیکھو دونوں راستوں میں کس قدر فرق ہے۔

اے بھائی! چونکہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ ولایت محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا بوجھ اُٹھانے والے ہیں اس لیے اقطاب ابدال و اوتاد (جو اولیائے عزلت میں سے ہیں۔ اور کمالات ولایت کی جانب ان میں غالب ہے) کے مقام کی تربیت حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی امداد[۱] و اعانت کے سپرد ہے۔

---

[۱] اولیاء کرام کی مدد کا انکار کرنے والے حضرت امام ربانی رضی اللہ عنہ کے اس عقیدہ پر غور فرمائیں۔

قطب الاقطاب یعنی قطب مدار کا سر حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے قدم کے نیچے ہے۔ قطب مدار انہی کی حمایت و رعایت سے اپنے ضروری امور کو سرانجام کرتا اور مداریت سے عہدہ برا ہوتا ہے۔ حضرت فاطمہؓ اور امامینؓ بھی اس مقام میں حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ شریک ہیں۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم سب کے سب بزرگ ہیں اور سب کو بزرگی سے یاد کرنا چاہیئے۔

خطیب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

إِنَّ اللّٰهَ اخْتَارَنِي وَاخْتَارَ لِي أَصْحَابًا وَاخْتَارَ لِي مِنْهُمْ أَصْهَارًا وَأَنْصَارًا فَمَنْ حَفِظَنِي فِيهِمْ حَفِظَهُ اللّٰهُ وَمَنْ آذَانِي فِيهِمْ آذَاهُ اللّٰهُ تَعَالٰى۔	اللہ تعالیٰ نے مجھے پسند فرمایا اور میرے لیے اصحاب کو پسند کیا اور ان میں سے بعض کو میرے لیے رشتہ دار اور مددگار پسند کیا۔ پس جس شخص نے ان کے حق میں مجھے محفوظ رکھا اس کو اللہ تعالیٰ نے محفوظ رکھا اور جس نے ان کے حق میں مجھے ایذا دی اس کو اللہ تعالیٰ نے ایذا دی۔

طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کہ:

مَنْ سَبَّ أَصْحَابِي فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ۔	جس نے میرے اصحاب کو گالی دی اس پر اللہ تعالیٰ اور فرشتوں اور تمام آدمیوں کی لعنت ہے۔

اور ابن عدی نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ:

إِنَّ أَشْرَارَ أُمَّتِي أَجْرَءُهُمْ عَلٰى أَصْحَابِي	میری اُمت میں سے بدترین وہ لوگ ہیں جو میرے اصحاب پر دلیر ہیں۔

اور ان لڑائی جھگڑوں کو جو ان کے درمیان واقع ہوئے ہیں۔ نیک محمل پر محمول کرنا چاہیے۔ اور ہوا و تعصب سے دور سمجھنا چاہیے۔ کیونکہ وہ مخالفتیں تاویل و اجتہاد پر مبنی تھیں، نہ ہوا و ہوس پر۔ یہی اہل سنت کا مذہب ہے۔

لیکن جاننا چاہیے کہ حضرت امیر کرم اللہ وجہہ کے ساتھ لڑائی کرنے والے خطا پر تھے۔ اور حق حضرت امیرؓ کی طرف تھا۔ لیکن چونکہ یہ خطا، خطائے اجتہادی کی طرح تھی۔ اس لیے ملامت سے دُور ہے اور اس کے

کوئی مواخذہ نہیں ہے، جیسے کہ شارح[1] مواقف، آمدی[2] سے نقل کرتا ہے کہ جمل و صفین کے واقعات اجتہاد سے ہوئے ہیں۔

اور شیخ ابو شکور[3] سلمی نے تمہید میں تصریح کی ہے اہل سنت و جماعت اس بات پر ہیں کہ معاویہ رضی اللہ عنہ مع اُن کے تمام اصحاب کے جو ان کے ہمراہ تھے سب خطا پر تھے۔ لیکن ان کی خطا اجتہادی تھی۔

اور شیخ ابن حجر[4] نے صواعق میں کہا ہے کہ حضرت معاویہؓ اور امیرؓ کے درمیان جھگڑے ازروئے اجتہاد کے ہوئے ہیں۔ اور اس قول کو اہل سنّت کے معتقدات سے فرمایا ہے۔

اور شارح مواقف نے جو یہ کہا ہے کہ ہمارے بہت سے اصحاب اس بات پر ہیں کہ وہ منازعات ازروئے اجتہاد کے نہیں ہوئے۔

معلوم نہیں اصحاب سے اس کی مراد کونسا گروہ ہے۔ جب کہ اہل سنت اس کے برخلاف حکم دیتے ہیں۔ جیسے کہ گزر چکا۔ اور قوم کی کتابیں خطائے اجتہادی سے بھری پڑی ہیں۔ جیسے کہ امام غزالی رح اور قاضی ابوبکر رح وغیرہ نے تصریح کی ہے۔ پس حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ لڑائی کرنے والوں کے حق میں فسق و ضلال کا گمان جائز نہیں ہے۔

قاضی نے شفا میں بیان کیا ہے:

قَالَ مَالِكٌ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مَنْ شَتَمَ
اَحَدًا مِّنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ اَبَا بَكْرٍ رضؓ وَعُمَرَ رضؓ
وَعُثْمَانَ وَعَمْرَو بْنِ الْعَاصِ فَاِنْ قَالَ
كَانُوْا عَلٰى ضَلَالٍ وَكُفْرٍ اَوْ اِنْ شَتَمَ بِغَيْرِ
هٰذَا مِنْ مُشَاتَمَةِ النَّاسِ نُكِّلَ
نَكَالًا شَدِيْدًا فَلَا يَكُوْنُ مُحَارِبُوْ عَلِيٍّ
كَفَرَةً كَمَا زَعَمَتِ الْغُلَاةُ مِنَ

حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ نے کہا ہے
کہ جس نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اصحاب
میں سے کسی کو یعنی ابوبکر رضؓ و عمر رضؓ و عثمان رضؓ و عمرو
بن العاص رضؓ کو گالی دی۔ اور کہا کہ وہ کفر اور گمراہی
پر تھے یا اس کے سوا اور کوئی گالی نکالی جس طرح
لوگ ایک دوسرے کو گالی نکالتے ہیں۔ تو وہ سخت
عذاب کا مستحق ہوا۔ کیونکہ حضرت امیرؓ کے ساتھ
لڑائی کرنے والے کفر پر نہ تھے۔ جیسے کہ بعض غالی

---

[1] یعنی میر سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ۸۰۱ھ

[2] یعنی سیف الدین ابو الحسن علی بن ابی علی محمد بن سالم تغلبی فقیہہ اصول متوفی ۶۳۱ھ وفیات الاعیان۔

[3] محمد بن اسید بن شعیب الحنفی۔

[4] یعنی شیخ شہاب الدین احمد بن حجر الہیتمی نزیل مکہ معظمہ۔

الرَّفْضَةِ وَلَا فِسْقَهُ كَمَا زَعَمَ الْبَعْضُ	رافضیوں کا خیال ہے۔ اور نہ ہی فسق پر تھے جیسے
وَنَسَبَهُ شَارِحُ الْمَوَاقِفِ إِلَى كَثِيْرٍ	کہ بعض نے خیال کیا ہے، اور بہت سے اصحاب کی
مِنْ أَصْحَابِهِ كَيْفَ وَقَدْ كَانَتِ	طرف ان کو منسوب کیا ہے۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے
الصِّدِّيْقَةُ رضؓ وَطَلْحَةُ رضؓ وَالزُّبَيْرُ رضؓ	جب کہ حضرت صدیقہ رضؓ اور طلحہ رضؓ اور زبیر رضؓ اور بہت
وَكَثِيْرٌ مِنْ أَصْحَابِ الْكِرَامِ مِنْهُمْ	سے اصحاب کرام انہی میں سے تھے۔ اور طلحہ رضؓ اور
وَقَدْ قُتِلَ الطَّلْحَةُ وَالزُّبَيْرُ فِي قِتَالِ	اور زبیر رضؓ جمل کی لڑائی میں معاویہ رضؓ کے خروج سے
الْجَمَلِ قَبْلَ خُرُوْجِ مُعَاوِيَةَ مَعَ ثَلٰثَةَ	پہلے تیرہ ہزار مقتولوں کے ساتھ قتل ہوئے پس
عَشَرَ أَلْفًا مِنَ الْقَتْلٰى فَتَضْلِيْلُهُمْ وَ	ان کو ضلالت اور فسق کی طرف منسوب کرنے پر
تَفْسِيْقُهُمْ مِمَّا لَا يَجْتَرِءُ عَلَيْهِ الْمُسْلِمُ	سوائے اس شخص کے کہ جس کے دل میں مرض اور
إِلَّا أَنْ يَكُوْنَ فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ وَفِيْ	اس کے باطن میں خبث ہو، کوئی مسلمان دلیری
بَاطِنِهِ خُبْثٌ	نہیں کرتا۔

اور یہ جو بعض فقہا کی عبارتوں میں جور کا لفظ معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں واقع ہوا ہے اور کہا ہے کہ معاویہ رضؓ جور کرنے والا امام تھے تو اس جور سے مراد یہ ہے کہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں وہ خلافت کا حق دار نہ تھے۔ نہ کہ وہ جور جس کا انجام فسق و ضلالت ہے تاکہ اہل سنت کے اقوال کے موافق ہو۔ اور نیز استقامت والے لوگ ایسے الفاظ بولنے سے جن سے مقصود کے برخلاف وہم پیدا ہو، پرہیز کرتے ہیں۔ اور خطا سے زیادہ کہنا پسند نہیں کرتے۔ اور وہ کس طرح جائز ہو سکتے ہیں، جبکہ صحیح و تحقیق ہو چکا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حقوق اور مسلمانوں کے حقوق میں امام عادل تھے۔ جیسے کہ صواعق میں ہے اور حضرت مولانا جامی نے جو خطائے منکر کہا ہے اس نے بھی زیادتی کی ہے۔ خطا پر جو کچھ زیادہ کریں خطا ہے اور جو کچھ اس کے بعد کہا ہے کہ اگر وہ لعنت کا مستحق ہے الخ یہ بھی نامناسب کہا ہے۔ اس کی تردید کی کیا حاجت ہے۔ اور اس میں کونسا محل اشتباہ ہے۔ اگر یہ بات یزید کے حق میں کہتے تو بے شک جائز تھا لیکن حضرت معاویہ رضؓ کے حق میں کہنا برا ہے۔ اور احادیث نبوی میں معتبر اور ثقات کی اسناد سے مروی ہے کہ حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے معاویہ رضؓ کے حق میں یہ دعا کی ہے:

اَللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ الْكِتَابَ وَالْحِسَابَ	یا اللہ تو اس کو کتاب و حساب سکھا اور عذاب
وَقِهِ الْعَذَابَ۔	سے بچا۔

اور دوسری جگہ دعا میں فرمایا:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْہُ ھَادِیًا وَّ مَھْدِیًّا۔ یا اللہ تو اس کو ہادی اور مہدی بنا۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دُعا مقبول ہے۔

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات مولانا سے سہو و نسیان کے طور پر سرزد ہوئی ہو گی۔ اور نیز مولانا نے انہی ابیات میں نام کی تصریح نہ کر کے کہا ہے کہ وہ صحابی اور ہے۔ اور یہ عبارت بھی ناخوشی سے خبر دیتی ہے:

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِیْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا یا اللہ ہم کو بھول چوک پر مواخذہ نہ کر۔

اور وہ جو بعض نے امام شعبی رحؒ سے معاویہؓ کی مذمت میں نقل کیا گیا ہے۔ اور اس کی بُرائی کو فسق سے برتر بیان کیا ہے۔ اس نقل کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ اور اگر بالفرض اس بات کو صحیح بھی مان لیا جائے۔ تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ جو اس کے شاگردوں میں سے ہیں، اس نقل کے زیادہ مستحق تھے۔ اور امام مالک نے جو تابعین میں سے ہیں۔ اور اس کے ہمعصر اور علمائے مدینہ میں سے زیادہ عالم ہیں۔ معاویہؓ اور عمرو بن العاصؓ کے گالی دینے والے کو قتل کا حکم دیا ہے۔ جیسے کہ اوپر گزر چکا۔ اگر وہ گالی کا مستحق ہوتا تو اس کے گالی دینے والے کو قتل کا حکم کیوں دیتے، تو معلوم ہوا کہ اس کو گالی نکالنا کبیرہ گناہ جان کر اس کے گالی نکالنے والے کو قتل کا حکم دیا ہے۔ اور نیز اس کو گالی دینا ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کو گالی دینے کی طرح خیال کیا ہے۔ جیسے کہ اوپر گزر چکا۔ تو حضرت معاویہؓ برائی کے مستحق نہیں ہیں۔

اے بھائی! معاویہؓ تنہا اس معاملہ میں نہیں ہے۔ کم و بیش آدھے اصحاب کرام اس کے ساتھ اس معاملہ میں شریک ہیں۔ پس اگر حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ لڑائی کرنے والے کافر یا فاسق ہوں تو نصف دین سے اعتماد اُٹھ جاتا ہے۔ جو ان کی تبلیغ کے ذریعے ہم تک پہنچا ہے۔ اس بات کو سوائے اس زندیق کے جس کا مقصود دین کی بربادی ہے کوئی پسند نہیں کر سکتا۔

اے برادر! اس فتنہ کے برپا ہونے کا منشا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قتل اور اُن کے قاتلوں سے اُن کا قصاص طلب کرنا ہے۔ طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما جو اوّل مدینہ سے باہر نکلے تاخیر قصاص کے باعث نکلے۔ اور حضرت صدیقہؓ نے بھی اس امر میں ان کے ساتھ موافقت کی۔ اور جنگ جمل جس میں تیرہ ہزار آدمی قتل ہوئے۔ اور طلحہ و زبیر بھی جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں قتل ہوئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کے باعث ہوا ہے۔ اس کے بعد معاویہ رضی اللہ عنہ نے شام سے آ کر ان کے ساتھ شریک ہو کر جنگ صفین کیا۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح کی ہے کہ وہ جھگڑا امر خلافت پر نہیں ہوا۔ بلکہ قصاص کے پورا کرنے کے لیے حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدا میں ہوا ہے۔ اور شیخ ابن حجرؒ نے بھی اس بات کو اہل سنت

کے معتقدات سے کہا ہے۔ اور شیخ ابو شکور سلمی رحمۃ اللہ علیہ نے جو بزرگ علمائے حنفیہ میں سے ہیں کہا ہے کہ حضرت معاویہؓ اور حضرت امیر رضی اللہ عنہما کے درمیانی جھگڑے خلافت کے بارہ میں ہوئے ہیں۔

کیونکہ حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو فرمایا تھا کہ:

اِذَا مَلَكْتَ النَّاسَ فَارْفِقْ بِهِمْ — جب تو لوگوں کا مالک بنے تو ان کے ساتھ نرمی کر

شاید اس بات سے معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلافت کا طمع پیدا ہو گیا ہو۔ لیکن وہ اس اجتہاد میں خطا پر تھے، اور حضرت امیر رضی اللہ عنہ حق پر۔ کیونکہ ان کی خلافت کا وقت حضرت امیرؓ کی خلافت کے بعد تھا۔ اور ان دونوں قولوں کے درمیان موافقت اس طرح پر ہے کہ ہو سکتا ہے کہ اس منازعت کا منشا قصاص کی تاخیر ہو۔ اور پھر خلافت کا طمع بھی پیدا ہو گیا ہو۔ بہر تقدیر اجتہاد اپنے محل میں واقع ہوا ہے۔ اگر خطا پر ہے تو ایک درجہ اور حق والے کے لیے دو درجے بلکہ دس درجے۔

اے برادر! اس امر میں بہتر طریق یہ ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب رضی اللہ عنہ کے لڑائی جھگڑوں سے خاموش رہیں۔ اور ان کے ذکر اذکار سے منہ موڑیں۔

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے:

اِيَّاكُمْ وَمَا شَجَرَ بَيْنَ اَصْحَابِيْ — میرے اصحاب کے درمیان جو جھگڑے ہوئے ہیں ان سے اپنے آپ کو بچاؤ۔[۱]

اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بھی فرمایا:

اِذَا ذُكِرَ اَصْحَابِيْ فَاَمْسِكُوْا۔ — یعنی جب میرے صحابہ کا ذکر کیا جائے تو زبان کو روکو۔

(طبرانی)

نیز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے:

اَللّٰهَ اَللّٰهَ فِيْ اَصْحَابِيْ لَا تَتَّخِذُوْهُمْ غَرَضًا۔ — یعنی میرے اصحابؓ کے حق میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور ان کو اپنے تیر کا نشانہ نہ بناؤ۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے اور نیز عمر بن عبدالعزیزؒ سے بھی منقول ہے کہ:

تِلْكَ دِمَاءٌ طَهَّرَ اللّٰهُ عَنْهَا اَيْدِيَنَا فَلْنُطَهِّرْ عَنْهَا اَلْسِنَتَنَا۔ — یہ وہ خون ہیں جن سے ہمارے ہاتھوں کو اللہ تعالیٰ نے پاک رکھا تو ہم اپنی زبانوں کو ان سے پاک رکھیں۔

۱ھ مسلم شریف وابن ابی شیبہ و طبرانی و امام احمد۔
۲ھ ابن اثیر جزری نے نہایت الغریب میں روایت کی۔
۳ھ مشکوٰۃ شریف بحوالہ ترمذی۔

اس عبارت سے مفہوم ہوتا ہے کہ ان کی خطا کو بھی زبان پر نہ لانا چاہیے۔ اور ان کے ذکر خیر کے سوا اور کچھ نہ بیان کرنا چاہیئے۔

یزید بدبخت فاسقوں کے زمرہ میں سے ہے۔ اس کی لعنت میں توقف اہل سنت کے مقررہ اصل کے باعث ہے۔ کیونکہ انہوں نے معیّن شخص کے لیے اگرچہ کافر ہو لعنت جائز نہیں کی۔ مگر جب یقیناً معلوم کریں کہ اس کا خاتمہ کفر پر ہوا ہے جیسے کہ ابولہب جہنمی اور اس کی عورت نہ یہ کہ وہ لعنت کے لائق نہیں:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ[1] — جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں ان پر دنیا و آخرت میں اللہ کی لعنت ہے۔

جاننا چاہیے کہ چونکہ اس زمانہ میں اکثر لوگوں نے امامت کی بحث چھیڑ رکھی ہے اور اصحاب کرام علیہم الرضوان کی خلافت کی نسبت گفتگو مدنظر کی ہوئی ہے۔ اور جاہل اہل تاریخ اور سرکش بدعتیوں کی تقلید پر اکثر اصحاب کرام کو نیکی سے یاد نہیں کرتے۔ اور کئی نامناسب امور ان کی جناب کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اس لیے جو کچھ معلوم تھا، تحریر میں لا کر دوستوں کی طرف بھیجا گیا ہے۔

قَالَ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ: اِذَا ظَھَرَتِ الْفِتَنُ اَوْقَالَ الْبِدَعُ وَسُبَّتْ اَصْحَابِیْ فَلْیُظْھِرِ الْعَالِمُ عِلْمَہٗ فَمَنْ لَّمْ یَفْعَلْ ذٰلِکَ فَعَلَیْہِ لَعْنَۃُ اللّٰہِ وَالْمَلٰٓئِکَۃِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ لَا یَقْبَلُ اللّٰہُ عَدْلًا وَّلَا فَرْضًا۔[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب فتنے اور بدعتیں ظاہر ہو جائیں اور میرے اصحاب کو گالیاں دی جاویں تو عالم کو چاہیے کہ اپنے علم کو ظاہر کرے۔ پس جس نے ایسا نہ کیا، اس پر اللہ اور فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کا کوئی فرض و نفل قبول نہ کریگا۔

لیکن اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے کہ سلطانِ وقت اپنے آپ کو حنفی مذہب قرار دیتا ہے اور اہل سنت وجماعت میں سے جانتا ہے۔ ورنہ مسلمانوں پر کام بہت تنگ ہوتا۔ اس بڑی نعمت کا شکر ادا کرنا چاہیئے۔

پس چاہیے کہ اہل سنت وجماعت کے معتقدات پر اپنے اعتقاد کا مدار رکھیں۔ اور زید و عمر کی باتوں کو نہ سنیں۔ جھوٹے قصوں پر کام کا مدار رکھنا اپنے آپ کو ضائع کرنا ہے۔ فرقہ ناجیہ کی تقلید ضروری ہے۔ تاکہ نجات کی اُمید پیدا ہو۔ وَدُوْنَہٗ خَرْطُ الْقَتَادِ ورنہ بے فائدہ تکلیف ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَعَلٰی سَآئِرِ مَنِ اتَّبَعَ — اور سلام ہو آپ پر اور اُن سب پر جنہوں نے ہدایت

[1] سورۃ احزاب، پارہ ۲۲۔

[2] صواعق محرقہ مصنفہ علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ۔

اَلْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَيْهِ وَعَلٰی اٰلِهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ۔ اختیار کی اور حضرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑا۔

مکتوب نمبر ۲۵۲

بعض سوالات کے جواب میں جناب شیخ بدیع الدین کی طرف صادر فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی اللہ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو

برادر ارجمند کا مکتوب مرغوب پہنچا۔ بڑی خوشی حاصل ہوئی۔ آپ نے چند استفسار درج کیے تھے۔ ان کے جواب میں آپ کو معلوم ہو کہ حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علٰی نبیّنا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے تعین کا مبدء صفت العلم ہے جیسے کہ تعین محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مبدء یہی صفت ہے۔ فرق جہات و اعتبارات کے لحاظ سے ہے۔ کیونکہ اس صفت کی ایک جانب عالم کی طرف ہے۔ اور دوسری معلوم کی طرف۔ پہلی جانب وحدت کے مناسب ہے اور دوسری کثرت کے موافق۔ اور اس صفت کے لیے بھی اجمال و تفصیل ہے کہ ہر ایک اس بزرگ کے مبدء تعین کے اعتبار سے ہے۔

دوسرے وہ معارف جو بار نبوت و ولایت کے برداشت کرنے سے متعلق تھے۔ وہ اس خط میں جو خواجہ محمد اشرف کی طرف لکھا تھا مفصل درج ہو چکے ہیں۔ دوبارہ لکھنے کی حاجت نہیں۔ وہاں سے معلوم کرلیں۔

دوسرے یہ کہ فقیر نے چاہا کہ اس استفسار کے جواب میں کہ قطب و غوث و خلیفہ کے درمیان کیا فرق ہے کچھ لکھے۔ لیکن اذن نہ ہوا۔ اس کو دوسرے وقت پر موقوف رکھیں۔ والسلام

مکتوب نمبر ۲۵۳

مشیخت پناہ شیخ ادریس سامانی کی طرف صادر فرمایا:

چند سوالات کے جواب میں اور اس راہ کی بے نہایتی اور رمز و اجمال کے طور پر طریقت کے بعض مقامات و منازل کی تفصیل کے بیان میں۔

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد عرض کرتا ہے کہ اس طرف کے فقراء کے احوال حمد کے لائق ہیں۔

اور آپ کی خیر و عافیت اور آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پسندیدہ طریقہ پر استقامت و ثابت قدمی اللہ تعالیٰ سے مطلوب و مسئول ہے۔

ان احوال و مواجید کا بیان جو مولانا عبدالمؤمن کی زبان کے حوالہ کیا تھا۔ مولانا نے مفصل طور پر ظاہر کر کے کہا کہ آپ نے فرمایا ہے کہ اگر میں زمین کی طرف نظر کرتا ہوں تو زمین کو نہیں پاتا۔ اور اگر آسمان کی طرف نظر کرتا ہوں تو اس کو بھی نہیں پاتا۔ اور جس کسی کے آگے جاتا ہوں اس کا وجود بھی نہیں پاتا، اور ایسے ہی عرش و کرسی و بہشت و دوزخ کا بھی وجود نہیں پاتا، اور اپنا وجود بھی نہیں جانتا ہوں۔ حق تعالیٰ کا وجود بے پایاں ہے اس کی نہایت کو کسی نے معلوم نہیں کیا۔ بزرگ بھی اسی جگہ تک رہ گئے ہیں اور یہاں تک اگر سیر سے عاجز ہو گئے ہیں۔ اور اس معنے سے زیادہ کچھ اختیار نہیں کیا۔ اگر آپ بھی اس کو کمال جانتے ہیں اور اسی مقام میں ہیں تو پھر میں آپ کے پاس کس لیے آؤں اور کیوں تکلیف اُٹھاؤں۔ اور آپ کو بھی تکلیف دوں۔ اور اگر اس کمال کے سوا کوئی اور امر ہو تو اطلاع بخشیں۔ تاکہ ایک اور یار کے ساتھ جو درد طلب بہت رکھتا ہے وہاں آؤں۔ اسی تردّد کے حاصل ہونے کی وجہ سے چند سال تک وہاں آنے میں توقف رہا۔

میرے مخدوم! اس قسم کے احوال قلب کے تلوینات[1] سے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ایسے احوال والے شخص نے قلب کے مقامات سے ابھی چوتھے حصہ سے زیادہ طے نہیں کیا۔ مقامات قلب سے تین حصہ اور طے کرنے چاہئیں تاکہ قلب کا معاملہ پورے طور پر طے ہو۔ اور پھر قلب کے آگے رُوح اور رُوح کے آگے سِر اور سِر کے آگے خفی اور اس کے بعد اخفیٰ ہے۔ ان باقیماندہ چاروں میں سے ہر ایک کے لیے الگ الگ احوال و مواجید ہیں۔ اور سب کو جدا جدا طے کرنا چاہیئے۔ اور ہر ایک کمالات سے آراستہ ہونا چاہیے۔ عالم امر کے ان پنج گانہ لطائف سے گزرنے اور ان کے اصلوں کی منازل کو درجہ بدرجہ طے کرنے اور اسما و صفات کے ظلی مدارج کو جو ان اصول کے اصول ہیں۔ درجہ بدرجہ قطع کرنے کے بعد اسماء و صفات کی تجلیات اور شیونات و اعتبارات کے ظہورات ہیں۔ اور ان تجلیات سے گزر کر آگے تجلّیات ذات ہیں۔ تب نفس کے اطمینان سے معاملہ پڑتا ہے۔ اور پروردگار تعالیٰ کی رضا حاصل ہوتی ہے۔ وہ کمالات جو اس مقام میں ہیں۔ ان کے مقابلہ میں پہلے کمالات ایسے ہیں جیسے کہ دریائے محیط ناپیدا کنار کے مقابلہ میں قطرہ۔ اس مقام میں شرح صدر حاصل ہوتا ہے اور اسلام حقیقی سے مشرف ہوتے ہیں۔ ع

کار این است غیر این ہمہ ہیچ

اصل کام یہ ہے باقی سب ہیچ ہے۔

---

[1] تلوین۔ گونا گون کرنا۔ اہل تصوّف کی اصطلاح میں مقامات فقر میں سے ایک مقام کا نام ہے۔

اسماء وصفات کی وہ تجلیات جو عالم امر کی ان پنج گانہ منزلوں کو مع ان کے اُصول اور اصول کے قطع کرنے سے پہلے متوہم ہوتی ہیں۔ وہ عالم امر کے بعض خواص کے ظہورات ہیں جو بے چونی اور لامکانیت سے کچھ حصّہ رکھتے ہیں نہ کہ اسماء وصفات کی تجلیات۔ ایک سالک نے اسی مقام میں کہا ہے کہ میں تیس سال تک روح کو خدا سمجھ کر اس کی پرستش کرتا رہا۔ پس وصول کہاں ہے اور سیری کس کے لیے ہے ؎

كَيْفَ الْوُصُوْلُ اِلٰى سُعَادَ وَ دُوْنَهَا

قُلَلُ الْجِبَالِ وَ دُوْنَهُنَّ خَيُوْفٌ

سعاد معشوقہ تک پہنچنا بہت مشکل ہے، کیونکہ اس کے اور میرے درمیان پہاڑوں کی بلند چوٹیاں اور نشیب وفراز واقع ہیں۔

چوں کہ آپ نے توجہ کے ساتھ اس راہ کی حقیقت کو بیان کرنا طلب فرمایا تھا۔ اس لیے مختصر طور پر اس کا کچھ بیان لکھا گیا ہے:

وَالْاَمْرُ عِنْدَ اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ۔ اصل معاملہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلٰى مَنْ لَّدَيْكُمْ۔ آپ پر اور آپ کے حاضرین مجلس پر سلام ہو۔

مکتوب نمبر ۲۵۴

بعض سوالات کے جواب میں ملا احمد برکی کی طرف صادر ہوا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى۔ اللہ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

آپ نے لکھا تھا کہ بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ آدمی جو کچھ کرنا چاہے اپنے صاحب زمان کے حکم سے کرے۔ تاکہ نیک نتیجہ حاصل ہو۔ اگرچہ شرعی کام ہوں۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو بندہ تمام مشروعات میں فرمان کا امیدوار ہے۔

میرے مخدوم! بزرگوں کی بات صحیح ہے۔ اور آپ کو اذن حاصل کر کے ماذون کیا ہے، لیکن جاننا چاہیے کہ نتیجہ سے مراد معتد بہ نتیجہ ہے نہ کہ مطلق۔

نیز آپ نے لکھا تھا کہ ایک رسالہ میں لکھا دیکھا ہے کہ حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ قرآن مجید میں مرتبہ عین جمع یعنی احدیت ذات تعالیٰ سے ہے۔ پس رسالہ مبدء ومعاد کی اس عبارت کے معنے کہ کعبہ

ربانی کی حقیقت قرآنی حقیقت سے بڑھ کر ہے۔ کیا ہوں گے ؟

میرے مخدوم احدیت ذات سے مراد احدیت مجردہ نہیں ہے کہ جس میں کوئی صفت وشان ملحوظ نہیں ہے۔ کیوں کہ حقیقت قرآن کا منشا صفت کلام ہے جو صفات ثمانیہ میں سے ایک صفت ہے۔ اور حقیقت کعبہ کا منشا وہ مرتبہ ہے جو شیونات وصفات کی تلوینات سے برتر ہے۔ اس لیے اس کی برتری کی گنجائش ہے

نیز آپ نے لکھا تھا کہ بعض تفاسیر میں ہے کہ اگر کوئی کہے کہ میں کعبہ کو سجدہ کرتا ہوں تو کافر ہو جاتا ہے کیونکہ سجدہ کعبہ کی طرف ہے نہ کعبہ کو۔ اور دوسری جگہ لکھا ہے کہ ابتدائے اسلام میں سجدہ کے وقت لَكَ سَجَدْتُ (میں نے تیرے لیے سجدہ کیا) کہتے تھے ضمیروں کا مدلول نفس ذات ہے۔ پس رسالہ مبدء و معاد کی اس عبارت کے معنی کہ کعبے کی صورت جس طرح اشیا کی صورتوں کی مسجود ہے۔ اسی طرح حقیقت کعبہ بھی حقائق اشیا کی مسجود ہے۔ کیا ہوں گے ؟

میرے مخدوم! یہ عبارتوں کی فروگزاشتوں سے ہے۔ جس طرح کہتے ہیں کہ آدم مسجود ملائکہ ہے۔ حالاں کہ سجدہ خالق کے لیے ہے نہ کہ اس کی کسی مخلوق ومصنوع کے لیے۔ خواہ کوئی مخلوق ہو۔

آپ کو اور آپ کے تمام دوستوں اور یاروں اور خاص کر مُلّا پائندہ وشیخ حسن کو سلام ہو۔

مکتوب نمبر ۲۵۵

سنت سَنیّہ کے زندہ کرنے اور نامرضیہ بدعت کے دور کرنے کی ترغیب میں مُلّا طاہر لاہوری کی طرف لکھا :

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى۔ اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

آپ کا مکتوب شریف جو حافظ بہاؤالدین کے ہمراہ ارسال کیا تھا، پہنچا۔ بہت خوشی حاصل ہوئی۔ یہ کس قدر بھاری نعمت ہے کہ محب ومخلص ہمہ تن حضرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں میں سے کسی سنت کے زندہ کرنے کی طرف متوجہ ہوں۔ اور منکرہ اور نامرضیہ بدعتوں میں سے کسی بدعت کے دور کرنے کے خواہاں ہوں۔ سنت وبدعت دونوں پورے طور پر ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ ایک کا وجود دوسرے کے نقص ونفی کو مستلزم ہے۔ پس ایک کا زندہ کرنا دوسرے کو مارنے کا مستلزم ہے۔ یعنی سنت کا زندہ کرنا بدعت کے مارنے کا موجب ہے، اور بالعکس۔

پس بدعت خواہ اس کو حسنہ کہیں یا سیئہ۔ رفع سنّت کو مستلزم ہے۔ شاید حسن نسبی یعنی اضافی کا کچھ اعتبار ہوگا۔ کیونکہ حسن مطلق وہاں گنجائش نہیں رکھتا۔ کیونکہ تمام سُنتیں حق تعالیٰ کے نزدیک مقبول و پسندیدہ ہیں۔ اور ان کے اضداد یعنی بدعتیں شیطان کی پسندیدہ ہیں۔ آج یہ بات بدعت کے پھیل جانے کے باعث اکثر لوگوں کو ناگوار معلوم ہوتی ہے۔ لیکن ان کو معلوم ہو جائے گا کہ ہم ہدایت پر ہیں یا یہ لوگ۔

منقول ہے کہ حضرت مہدی رضی اللہ عنہ اپنی سلطنت کے زمانہ میں جب دین کو رواج دیں گے۔ اور سنّت کو زندہ فرمائیں گے۔ تو مدینہ کا عالم جس نے بدعت پر عمل کرنے کو اپنی عادت بنائی ہوگی۔ اور اس کو حسن خیال کر کے دین کے ساتھ ملا لیا ہوگا۔ تعجب سے کہے گا کہ اس شخص نے ہمارے دین کو دور کر دیا ہے۔ اور ہمارے مذہب و ملّت کو مار دیا اور خراب کر دیا ہے۔ حضرت مہدی رضی اللہ عنہ اس عالم کے قتل کا حکم فرمائیں گے۔ اور حسنہ کو سیئہ خیال کریں گے:

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے
وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔ اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔
وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلٰى سَائِرِ مَنْ لَّدَيْكُمْ۔ اور آپ پر اور ان سب پر جو آپ کے پاس ہیں سلام ہو۔

نسیان فقیر پر غالب ہے معلوم نہیں رہا کہ آپ کا مکتوب کس کے سپرد تھا تاکہ سوالوں کے موافق جواب لکھتا۔ معذور فرمائیں گے۔ میاں شیخ احمد فرملی، دوستوں میں سے ہے۔ چونکہ آپ کے قرب و جوار میں رہتا ہے اس لیے اُمید ہے کہ اس کے حق میں التفات و توجہ کو مد نظر رکھیں گے۔

مکتوب نمبر ۲۵۶

چند سوالات کے جواب میں یعنی اس سوال کے جواب میں کہ قطب و قطب الاقطاب و غوث و خلیفہ کے کیا معنی ہیں۔ اور اس سوال کے جواب میں کہ حدیث لَوْ وُزِنَ اِيْمَانُ اَبِيْ بَكْرٍ الخ کی کیا تحقیق ہے۔ اور اس کے مناسب امور کے بیان میں میاں شیخ بدیع الدین کی طرف صادر فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ۔ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى۔ اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

آپ کا مکتوب شریف جو ایک درویش کے ہمراہ ارسال کیا تھا، پہنچا۔ بہت خوشی حاصل ہوئی۔ آپ نے پوچھا

تھا کہ قطب و قطب الاقطاب و غوث و خلیفہ کے کیا معنے ہیں۔ اور ہر ایک ان میں سے کس کس خدمت پر مامور ہے اور اپنی خدمت کی نسبت اطلاع رکھتے ہیں یا نہیں۔ اور قطب الاقطاب کی بشارت جو عالم غیب سے پہنچتی ہے۔ کچھ اصل رکھتی ہے۔ یا کہ وہم و خیال کا اختراع ہے؟

جاننا چاہیے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کامل تابعدار کامل تابعداری کے باعث جب مقام نبوت کے کمالات کو تمام کر لیتے ہیں۔ تو ان میں سے بعض کو منصب امامت سے سرفراز کرتے ہیں۔ اور بعض کو صرف اس کمال کے حاصل ہونے پر کفایت فرماتے ہیں۔ یہ دونوں بزرگ اس کمال کے نفس حصول میں برابر ہیں۔ فرق صرف منصب اور عدم منصب اور ان امور میں ہے جو اس منصب سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور جب کامل تابعدار ولایت نبوت کے کمالات کو تمام کر لیتے ہیں۔ تو ان میں سے بعض کو منصب خلافت سے مشرف فرماتے ہیں اور بعض کو صرف ان کمالات کے حاصل ہونے پر کفایت کرتے ہیں جس طرح کہ اوپر گزرا۔

یہ دونوں منصب کمالات اصلیہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور کمالات ظلیہ میں منصب امامت کے مناسب قطب ارشاد کا منصب ہے۔ اور منصب خلافت کے مناسب قطب مدار کا منصب۔ گویا یہ دونوں مقام جو تحت میں ہیں۔ ان دونوں مقاموں کے جو اوپر ہیں ظل ہیں۔

اور شیخ محی الدین عربی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک غوث ہی قطب مدار ہے۔ اس کے نزدیک منصب غوثیت منصب قطبیت سے کوئی علیحدہ منصب نہیں ہے اور جو کچھ فقیر کا عقیدہ ہے وہ یہ ہے کہ غوث قطب مدار سے الگ ہے۔ بلکہ اس کے روزگار کا ممد و معاون ہے۔ قطب مدار بعض امور میں اس سے مدد لیتا ہے اور ابدال کے منصب مقرر کرنے میں بھی اس کا دخل ہے۔ اور قطب کو اس کے اعوان و انصار کے اعتبار سے قطب الاقطاب بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ قطب الاقطاب کے اعوان و انصار قطب حکمی ہیں۔ اسی واسطے صاحب فتوحاتِ مکیہ لکھتا ہے کہ:

مَا مِنْ قَرْيَةٍ مُؤْمِنَةٍ كَانَتْ اَوْ كَافِرَةً	مومنوں یا کافروں کا کوئی ایسا گاؤں نہیں ہے
اِلَّا وَفِيْهَا قُطْبٌ ۔	جس میں قطب نہ ہو۔

جاننا چاہیئے کہ صاحب منصب کو البتہ اپنے منصب کا علم ہوتا ہے۔ اور وہ جو اس منصب کا کمال رکھتا ہے اور منصب نہیں رکھتا اس کے لیے لازم نہیں کہ صاحب علم ہو۔ اور اپنی خدمت سے مطلع ہو۔ اور وہ بشارت جو عالم غیب سے پہنچتی ہے اس مقام کے کمالات حاصل ہونے کی بشارت ہے نہ اس مقام کے منصب کی بشارت جو علم سے وابستہ ہے۔

نیز آپ نے پوچھا تھا کہ اس ایمان سے جو حدیث:

تھا کہ قطب و قطب الاقطاب و غوث و خلیفہ کے کیا معنے ہیں۔ اور ہر ایک ان میں سے کس کس خدمت پر مامور ہے اور اپنی خدمت کی نسبت اطلاع رکھتے ہیں یا نہیں۔ اور قطب الاقطاب کی بشارت جو عالم غیب سے پہنچتی ہے۔ کچھ اصل رکھتی ہے۔ یا کہ وہم و خیال کا اختراع ہے؟

جاننا چاہیے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کامل تابعدار کامل تابعداری کے باعث جب مقام نبوت کے کمالات کو تمام کر لیتے ہیں۔ تو ان میں سے بعض کو منصب امامت سے سرفراز کرتے ہیں۔ اور بعض کو صرف اس کمال کے حاصل ہونے پر کفایت فرماتے ہیں۔ یہ دونوں بزرگ اس کمال کے نفس حصول میں برابر ہیں۔ فرق صرف منصب اور عدم منصب اور ان امور میں ہے جو اس منصب سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور جب کامل تابعدار ولایت نبوت کے کمالات کو تمام کر لیتے ہیں۔ تو ان میں سے بعض کو منصب خلافت سے مشرف فرماتے ہیں اور بعض کو صرف ان کمالات کے حاصل ہونے پر کفایت کرتے ہیں جس طرح کہ اوپر گزرا۔

یہ دونوں منصب کمالات اصلیہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور کمالات ظلیہ میں منصب امامت کے مناسب قطب ارشاد کا منصب ہے۔ اور منصب خلافت کے مناسب قطب مدار کا منصب گویا یہ دونوں مقام جو تحت میں ہیں۔ ان دونوں مقاموں کے جو اوپر ہیں ظل ہیں۔

اور شیخ محی الدین عربی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک غوث ہی قطب مدار ہے۔ اس کے نزدیک منصب غوثیت منصب قطبیت سے کوئی علیحدہ منصب نہیں ہے اور جو کچھ فقیر کا عقیدہ ہے وہ یہ ہے کہ غوث قطب مدار سے الگ ہے۔ بلکہ اس کے روزگار کا ممد و معاون ہے۔ قطب مدار بعض امور میں اس سے مدد لیتا ہے اور ابدال کے منصب مقرر کرنے میں بھی اس کا دخل ہے۔ اور قطب کو اس کے اعوان و انصار کے اعتبار سے قطب الاقطاب بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ قطب الاقطاب کے اعوان و انصار قطب حکمی ہیں۔ اسی واسطے صاحب فتوحات مکیہ لکھتا ہے کہ:

مَا مِنْ قَرْيَةٍ مُؤْمِنَةٍ كَانَتْ اَوْ كَافِرَةً	مومنوں یا کافروں کا کوئی ایسا گاؤں نہیں ہے
اِلَّا وَفِيهَا قُطْبٌ۔	جس میں قطب نہ ہو۔

جاننا چاہیئے کہ صاحب منصب کو البتہ اپنے منصب کا علم ہوتا ہے۔ اور وہ جو اس منصب کا کمال رکھتا ہے اور منصب نہیں رکھتا اس کے لیے لازم نہیں کہ صاحب علم ہو۔ اور اپنی خدمت سے مطلع ہو۔ اور وہ بشارت جو عالم غیب سے پہنچتی ہے اس مقام کے کمالات حاصل ہونے کی بشارت ہے نہ اس مقام کے منصب کی بشارت جو علم سے وابستہ ہے۔

نیز آپ نے پوچھا تھا کہ اس ایمان سے جو حدیث:

لَوْ وُزِنَ اِیْمَانُ اَبِیْ بَکْرٍ مَعَ اِیْمَانِ اُمَّتِیْ لَرَجَحَ۔[۱] — اگر ابو بکرؓ کا ایمان میری اُمّت کے ایمان کے ساتھ وزن کیا جاوے تو البتہ غالب آجائے۔

میں واقع ہے، کیا مراد ہے اور اس کی ترجیح کا کیا سبب ہے۔

جاننا چاہیے کہ ایمان کا رُجحان مُؤْمِنٌ بِہٖ کے رجحان کے باعث ہے چونکہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے ایمان کا متعلق تمام اُمّت کے ایمان کے متعلقات سے برتر ہے۔ اس لیے راجح و غالب ہوگا۔

میرے مخدوم! عروجات میں معاملہ یہاں تک پہنچتا ہے کہ اگر ایک نقطہ زیادہ بلند جائیں۔ تو وہ کمالات جو اس ایک نقطہ کے عروجات کے باعث حاصل ہوتے ہیں۔ تمام گزشتہ کمالات سے بہت زیادہ ہوتے ہیں کیونکہ وہ نقطہ اپنے تمام ماتحتوں سے افزوں تر ہے۔ یہی حال اُس نقطہ کا ہے جو اس نقطہ کے ماتقدم کے اُوپر ہے۔ کیونکہ نقطۂ ماتقدم مع اپنے ماتحت کے نقطہ فوق کے مقابلہ میں حقیر و نقیر ہے۔ تو اس قیاس پر جس کے ایمان کا متعلق کمال فوق ہو۔ وہ بے شک اپنے تمام ماتحت سے راجح و غالب ہوگا۔ اسی بنا پر سے کہتے ہیں کہ عارف کا معاملہ یہاں تک پہنچتا ہے کہ ایک لحظہ میں تمام ماتقدم کمالات کو حاصل کر لیتا ہے۔ اور فقیر کی تحقیق کے اندازہ کے موافق ایک لمحہ میں تمام ماتقدم کمالات سے زیادہ تحصیل کر لیتا ہے:

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔ — یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے۔

وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔ — اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

اور نیز پوچھا تھا کہ شیخ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ اور اس کے تابعداروں نے لکھا ہے کہ جس قدر لڑکے حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے سبب قتل کیے گئے۔ ان سب مقتولوں کی استعداد یں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف منتقل ہوگئیں۔ اس بات کی حقیقت مفصّل طور پر لکھیں۔

جاننا چاہیے کہ یہ درست ہے کیونکہ تحقیق سے لکھا ہے کہ جس طرح ایک شخص کو جماعت کے کمالات حاصل ہونے کا سبب بناتے ہیں۔ اسی طرح جماعت کو بھی ایک شخص کے کمالات حاصل ہونے کا سبب بناتے ہیں۔ پیر اگرچہ مُریدوں کے کمالات حاصل ہونے کا سبب ہے۔ لیکن مرید بھی پیر کے کمالات کا سبب ہیں اس مطلب کو فقیر ماکولات و مشروبات میں بھی جن کو اپنے بدن کا اجزا بناتا تھا محسوس کرتا تھا، کہ جو طعام اور پینے کی چیز کھاتا پیتا تھا۔ استعداد کی جامعیت کا سبب ہوتا تھا۔ اور ایک الگ قابلیت پیدا کرتا تھا۔ اور جب کبھی ماکولات لذیذہ کے چھوڑنے کا قصد کرتا تھا۔ تو روک دیا جاتا تھا۔ اور اس جامعیت اور قابلیت کے حاصل ہونے کی وجہ سے اس لذیذ طعام کو چھوڑنے کی اجازت نہ ملتی تھی۔ اور بسا اوقات ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک کا

[۱] امام سیوطی نے الدر المنتثرہ اور ابن عدی نے کامل میں بروایت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرفوعاً روایت کیا۔

استعداد دوسرے میں کلی اور جزئی طور پر انتقال کر جاتی ہے۔ اور محسوس ہوتا ہے کہ ایک خالی ہے اور دوسر
جمعیت سے پُر ہے۔

نیز آپ نے پوچھا تھا کہ شیخ نجم الدین کُبریٰ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مُرید کو ایک بزرگ کے پاس بھیجا تا
اس کے ذریعے معلوم کریں کہ آپ کس پیغمبر کے قدم کے نیچے ہیں۔ اس بزرگ نے فرمایا کہ تیرا جہود کس کام میں
ہے۔ شیخ نے اس عبارت سے سمجھ لیا کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے قدم کے نیچے ہیں۔ اس عبارت
سے یہ مطلب کس طرح سمجھ لیا ہے۔

جاننا چاہیئے کہ جہوُد، یہوُد کو کہتے ہیں جو حضرت موسیٰ علیٰ نبیّنا و علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی اُمّت تھے
نیز آپ نے پوچھا تھا کہ نفحات میں لکھا ہے کہ چار آدمیوں کے سوا تمام اولیا کی ولایت مرنے کے
بعد سلب ہو جاتی ہے۔

جاننا چاہیئے کہ ولایت سے مراد تصرفات اور کرامات کا ظہور ہوگا نہ کہ اصل ولایت جو قربِ الٰہی
سے مراد ہے۔ اور نیز سلب سے مراد کرامات کے بکثرت ظاہر ہونے کا سلب ہوگا۔ نہ کہ اس ظہور
کے اصل کا سلب۔

چونکہ یہ بات کشفی ہے اور کشف میں خطا کی بہت مجال ہے۔ معلوم نہیں کہ آپ نے کیا دیکھ
اور کیا سمجھا ہے۔

آپ نے اولیا کی بعض کرامات کا ظہور طلب فرمایا تھا۔ آپ منتظر رہیں :

سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا۔ اللہ تعالیٰ جلدی تنگی کے بعد فراخی لائے گا۔

آپ نے پوچھا تھا کہ نیشاپوری میں لکھا ہے۔ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ یعنی شَانِئَكَ یا کے
ساتھ ہے یا ہمزہ (ء) کے ساتھ۔ اس کی تحقیق کیا ہے۔

جاننا چاہیئے کہ شَانِئَكَ ہمزہ کے ساتھ ہے۔ اور جس نے یا سے لکھا ہے وہ غیر مشہور قرأت
ہو گی۔

آپ نے لکھا تھا کہ بعض عورتیں مشغولی یعنی ذکر کی طلب ظاہر کرتی ہیں۔ اگر محرمات ہیں تو کوئی منع نہیں
ورنہ پردہ میں بیٹھ کر طریقہ اخذ کریں۔

نیز آپ نے پوچھا تھا کہ اہل حدیث نے ہر مہینہ میں منحوس ایام مقرر کیے ہیں۔ اور اس بارہ میں حدیث
نقل کرتے ہیں۔ فرمائیں کہ کس طرح کرنا چاہیے۔

جاننا چاہیے کہ فقیر کے والد قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ شیخ عبداللہ و شیخ رحمت اللہ جو اکابر محدثین

سے تھے۔ اور حرمین میں شیخین کے لقب سے مشہور تھے۔ کسی تقریب پر ہندوستان تشریف لائے تھے۔ وہ فرماتے تھے کہ اس حدیث کو کرمانی شارح صحیح بخاری نے نقل کیا ہے۔ لیکن ضعیف ہے۔ صحیح حدیث اس بارہ میں اَلْاَیَّامُ اَیَّامُ اللّٰہِ وَالْعِبَادُ عِبَادُ اللّٰہِ ۔ (دن اللہ کے دن ہیں اور بندے بھی اللہ کے بندے ہیں۔) ہے۔

نیز فرماتے تھے کہ دنوں کی نحوست رحمت عالمیان علیہ وعلٰی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش سے دُور ہوگئی۔ اَیَّامٍ نَحِسَاتٍ یعنی منحوس دن گزشتہ اُمتوں کی نسبت تھے۔ اور فقیر کا عمل بھی اسی پر ہے۔ اور کسی دن کو دوسرے دن پر ترجیح نہیں دیتا، جب تک کہ اس کی ترجیح شارع سے معلوم نہیں کرتا۔ جیسے کہ جمعہ اور رمضان وغیرہ۔

نیز آپ نے لکھا تھا کہ وہ معارف جو بار نبوت کو برداشت کرنے سے تعلق رکھتے ہیں خواجہ محمد اشرف کے مکتوب میں نہیں ملے۔ آپ ان کو کہاں پا سکیں کیونکہ وہ مکتوب انہی دنوں میں لکھا گیا ہے اور اس کی نقل ابھی آپ کو نہیں پہنچی۔ مکتوب بہت لمبا ہے۔ شاید ایک جزو سے زیادہ ہوگا۔ فقیر نے اس کی نقل آپ کی طرف بھیجنے کے لیے کہدیا ہے۔ والسلام

مکتوب نمبر ۲۵۷

مجمل طور پر طریقوں کے بیان میں میر نعمان کی طرف صادر فرمایا:

حمد وصلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد واضح ہو کہ آپ کا مکتوب شریف جو شیخ احمد فرملی کے ہمراہ ارسال کیا تھا، پہنچا۔ بہت خوشی ہوئی۔ آپ نے وہ رسالہ جس میں طریقہ کا بیان ہے طلب فرمایا تھا۔ ابھی اس کے مسوّدے پڑے ہوئے ہیں۔ اگر خدا نے توفیق دی تو بیاض میں لکھ کر بھیجا جائے گا۔ فی الحال مختصر طور پر چند فقرے طریقہ کے بیان میں لکھتا ہے۔ گوش ہوش سے سُنیں۔

میرے سیادت پناہ! وہ طریقہ جو ہم نے اختیار کیا ہے اس کے سیر کی ابتدا قلب سے ہے۔ قلب سے گزر کر مراتب روح میں جو اس سے اوپر ہے سیر واقع ہوتا ہے۔ اور روح سے گزر کر یہ معاملہ سِرّ کے ساتھ جو اس کے اوپر ہے پڑتا ہے۔ یہی حال خفی اور اخفیٰ میں ہے۔

ان لطائف پنجگانہ کی منزلوں کے طے کرنے اور ان میں سے ہر ایک کے متعلق جُدا جُدا علوم و معارف کے حاصل ہونے اور ان احوال و مواجید کے ساتھ جو ان پنجگانہ میں سے ہر ایک کے ساتھ جُدا جُدا مخصوص

ہیں متحقق ہونے کے بعد ان پنجگانہ لطائف کے اصول میں جو عالمِ کبیر میں ہیں، سیر واقع ہوتی ہے۔ کیونکہ جو کچھ عالم صغیر میں ہے اس کا اصل عالم کبیر میں ہے۔ عالم صغیر سے مراد انسان ہے اور عالم کبیر سے مجموعہ کائنات۔ اور پنجگانہ لطائف کے اصول میں سیر کا آغاز عرش مجید سے ہے جو انسان کے قلب کا اصل ہے۔ اور اس کے اوپر روح انسانی کا اصل ہے۔ اور اس کے اوپر سرِ انسانی کا اصل ہے۔ اور اصلِ سر کے اوپر خفی کا اصل ہے۔ اور اصل خفی کے اوپر اخفیٰ کا اصل ہے۔

جب عالم کبیر کے ان پنجگانہ مراتب کو مفصل طور پر طے کر کے اس کے آخیر نقطہ تک پہنچتے ہیں اس وقت دائرہ امکان تمام طے ہو کر فنا کی منزلوں میں سے اول منزل میں قدم رکھا جاتا ہے۔

بعد ازاں اگر ترقی واقع ہو تو اسما و صفات واجب تعالیٰ کے ظلال میں سیر واقع ہوگا۔ اور یہ ظلال وجوب و امکان کے درمیان برزخ کی طرح ہیں۔ اور عالم کبیر کے ان پنجگانہ مراتب کے لیے اصول کی مانند ہیں۔ اور ان ظلال میں بھی اسی ترتیب سے سیر ہوگا جس طرح ان کے فروع میں ذکر ہو چکا ہے۔ اگر اللہ جل شانہٗ کے فضل سے ان ظلال کی بہت سی منزلوں کو بھی طے کر کے ان کے آخیری نقطہ تک پہنچ جائیں۔ تو پھر اسما و صفات واجب تعالیٰ میں سیر شروع ہوگا۔ اور اسما و صفات کی تجلّیات ظاہر ہوں گی۔ اور شیون و اعتبارات کا ظہور جلوہ فرمائے گا۔ اس وقت عالم امر کے پنجگانہ لطائف کا معاملہ سب کا سب طے ہو جائے گا۔ اور ان کا حق ادا ہو چکے گا اس کے بعد اگر خدائے تعالیٰ کے فضل سے اس مقام سے بھی ترقی واقع ہو جائے تو نفس کے اطمینان سے معاملہ پڑے گا۔ اور مقام رضا جو سلوک کے مقامات میں سے نہایت کا مقام ہے حاصل ہو جائے گا۔ اس مقام میں شرح صدر حاصل ہوتا ہے، اور اسلام حقیقی سے مشرف ہوتے ہیں۔ اور وہ کمالات جو اس مقام میں حاصل ہوتے ہیں۔ ان کے مقابلہ میں وہ کمالات جو عالم امر سے متعلق ہیں، ایسے ہیں جیسے دریائے محیط کے مقابلہ میں قطرہ۔

یہ سب کمالات جن کا ذکر ہو چکا ہے اسم ظاہر سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور وہ کمالات جو اسم باطن سے تعلق رکھتے ہیں، وہ اور ہیں۔ جو استتار اور تبطّن (پوشیدگی اور باطن) کے مناسب ہیں۔ جب ان دونوں مبارک اسموں کے کمالات سب کے سب حاصل ہو جائیں تو گویا سالک کے لیے اُڑنے کے دو بازو میسّر ہو جاتے ہیں۔ جن کی قوت سے عالم قدس میں پرواز کرتا اور بے انداز ترقیاں حاصل کرتا ہے، اس معاملہ کی تفصیل بعض مسوّدوں میں تحریر ہو چکی ہے۔ میرے فرزند ارشد ان کے جمع کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

دوسرے یہ عرض ہے کہ اگر ہو سکے تو ایک مرتبہ ضرور اس جگہ تشریف لائیں۔ بشرطیکہ اس مقام کو خالی نہ چھوڑیں اور اُس انتظام کو درہم برہم نہ کریں۔ آپ ہی اکیلے آئیں اور یاروں میں سے جس کسی کو پیش قدم جانیں

اس جماعت کا پیشوا ناکران حدود کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ واللہ اعلم دوسرے وقت تک فرصت دیں یا نہ دیں۔ والسلام

مکتوب نمبر ۲۵۸

حق تعالیٰ کی اقربیت (اقرب و قریب ہونے) کے بیان میں شریف خاں کی طرف صادر فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ — اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اُس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

آپ کا صحیفہ شریفہ جو از روئے کرم ان حدود کے فقرا کے نامزد فرمایا تھا۔ اس کے پہنچنے سے بہت مسرت و خوشی حاصل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

میرے مخدوم! اگرچہ حق تعالیٰ کا ہمارے ساتھ ہم سے زیادہ اقرب ہونا نص قطعی سے ثابت ہے لیکن کیا کیا جائے کہ حق تعالیٰ ہماری عقلوں اور فہموں اور ہمارے علوم و ادراکات سے وراء الورا ہے۔ حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ یہ ماوراء ہونا قرب میں ہے نہ جانب بُعد میں۔ کیونکہ وہ حق تعالیٰ ہر نزدیک سے زیادہ نزدیک ہے حتیٰ کہ اس کی ذاتِ احدیت کو ان صفات کی نسبت جن کے آثار و افعال ہم ہیں زیادہ نزدیک پاتے ہیں۔ یہ معرفت نظرِ عقل سے ماوراء ہے۔ کیونکہ عقل اپنے سے زیادہ نزدیک کا تصور نہیں کر سکتی۔ ایسی مثال جو اس مبحث کی تشریح و توضیح کر سکے۔ ہر چند تلاش کی گئی، پر نہ ملی۔ اس معرفت کی دلیل و سند نص قطعی اور کشف صحیح ہے۔

مشائخ طریقت نے توحید و اتحاد کی نسبت بہت گفتگو کی ہے۔ اور قرب و معیت کی نسبت کچھ نہ کچھ بیان فرمایا ہے۔ لیکن حق تعالیٰ کی اقربیت کی نسبت خاموشی اختیار کی ہے۔ اور کوئی بیان شافی اس بارہ میں نہیں فرمایا:

عجیب معاملہ ہے کہ حق تعالیٰ کی اقربیت (زیادہ قریب ہونا) ہماری ابعدیت (زیادہ دور ہونا) کا سبب ہوئی ہے:

ھٰذَا اِلٰی اَنْ یَّبْلُغَ الْکِتَابُ اَجَلَہٗ۔ — یہی کافی ہے یہاں تک کہ کتاب اپنے مقرر وقت کو پہنچے

فَافْھَمْ فَاِنَّ کَلَامَنَا اِشَارَاتٌ وَّبَشَارَاتٌ۔ — پس سمجھ تو کیونکہ ہمارا کلام اشارت و بشارت کے قبیلہ سے ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلٰى سَائِرِ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الصَّلَوٰتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ اَتَمُّهَا وَاَكْمَلُهَا

اور سلام ہو آپ پر اور ان سب پر جنہوں نے ہدایت اختیار کی اور حضرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑا۔

مکتوب نمبر ۲۵۹

پیغمبروں کے بھیجنے کے فائدوں اور واجب الوجود تعالیٰ کی معرفت میں عقل کے مستقل نہ ہونے اور حکم خاص کے بیان میں جو شاہق جبل اور پیغمبروں کے زمانۂ فترت کے مشرکوں اور دار حرب کے مشرکوں کے اطفال کے حق میں فرمایا ہے۔ اور گزشتہ امتوں میں زمین ہند میں اہل ہند سے انبیا کے مبعوث ہونے کی تحقیق اور اس کے مناسب بیان میں مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید کی طرف جو علوم عقلیہ ونقلیہ کے جامع اور نسبت علیہ کے صاحب ہیں صادر فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰنَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَا اَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ۔

اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہم کو اس کی ہدایت دی، اور ہم ہرگز ہدایت نہ پاتے اگر ہم کو اللہ تعالےٰ ہدایت نہ کرتا۔ بے شک ہمارے رب کے پیغمبر حق لے کر آئے ہیں۔

انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ارسال کرنے کی نعمت کا شکر کس زبان سے ادا کیا جائے اور کس دل سے اُس منعم کا اعتقاد کیا جائے۔ اور وہ اعضا کہاں ہیں جو اعمال حسنہ کے ساتھ اس نعمت عظمیٰ کا بدلہ ادا کرسکیں۔ اگر ان بزرگواروں کا وجود شریف نہ ہوتا۔ ہم بے سمجھوں کو صانع کے وجود اور اس کی وحدت کی طرف کون ہدایت کرتا۔

یونان کے قدیم فلاسفہ باوجود بڑے دانا ہونے کے صانع کے وجود کی طرف ہدایت نہ پاسکے۔ اور کائنات کے وجود کو دہر یعنی زمانہ کی طرف منسوب کیا۔ لیکن جب انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کی دعوت کے انوار کا دن چڑھا تو متاخرین فلاسفہ نے انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کی دعوت کے انوار کی برکت سے اپنے متقدمین کے مذہب کو رد کیا۔ اور صانع جل شانہٗ کے وجود کے قائل ہوئے اور حق تعالیٰ کا اثبات ثابت کیا پس ہماری عقلیں انوار نبوت کی تائید کے بغیر اس کام سے معزول ہیں اور ہمارے فہم وجود انبیائے علیہم الصلوٰۃ والسلام کے وسیلہ کے سوا اس معاملہ سے دُور ہیں پھر معلوم نہیں کہ ہمارے اصحاب ماتریدیہ نے بعض امور

مثل وجود صانع کے اثبات اور اس کی وحدت میں عقل کے استقلال سے کیا مراد لی ہے کہ انہوں نے شاہق جبل بت پرست کو ان دونوں یعنی وجود صانع کے اثبات اور اس کی وحدت کے لیے مکلّف کیا ہے۔ اگرچہ اس کو پیغمبر کی دعوت نہیں پہنچی ہو۔ اور ان دونوں میں نظر و غور کے ترک کرنے پر اس کے کفر اور خلود فی النار کا حکم لگایا ہے۔ لیکن ہم بلاغ مبین اور حجت بالغہ کے بغیر جو پیغمبروں کے ارسال کرنے پر وابستہ ہے۔ کفر اور خلود فی النار کا حکم دینا مناسب نہیں سمجھتے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ عقل اللہ کی حجتوں میں سے ایک حجت ہے۔ لیکن حجیت میں ایسی حجت بالغہ نہیں ہے جس پر ایسا سخت عذاب مترتب ہو سکے۔

سوال :

اگر شاہق جبل میں رہنے والا جو بُت پرست ہے دوزخ میں ہمیشہ کے لیے نہ رہے تو پھر وہ بہشت میں جائے گا۔ اور یہ بھی جائز نہیں۔ کیونکہ جنّت میں داخل ہونا مشرکوں پر حرام ہے۔ اُن کی جگہ دوزخ ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت عیسےٰ علیٰ نبیّنا و علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی نسبت حکایت کرتے ہوئے فرماتا ہے:

مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰهُ النَّارُ۔[1] — جو اللہ کے ساتھ شرک کرے اُس پر جنت حرام ہے اور اُس کی جگہ دوزخ ہے۔

اور جنت و دوزخ کے درمیان کوئی اور واسطہ ثابت نہیں۔ اور اصحاب اعراف بھی چند روز کے بعد بہشت میں داخل ہو جائیں گے۔ پس یا جنت میں داخل ہوگا یا دوزخ میں۔

یہ سوال واقعی بہت مشکل ہے۔ اس فرزند ارشد کو معلوم ہے کہ مدت تک اس فقیر پر اس سوال کا تکرار ہوتا رہا لیکن جواب شافی کچھ نہ پایا۔ اور جو کچھ فتوحات مکیہ والے نے اس سوال کے حل میں کہا ہے۔ اور قیامت کے دن ان لوگوں کی دعوت کے لیے پیغمبرؑ کا مبعوث ہونا ثابت کیا ہے۔ اور اس دعوت کے رد و انکار کے بموجب ان کے لیے بہشت و دوزخ کا کیا حکم ہے۔ اس فقیر کے نزدیک پسندیدہ نہیں ہے۔ کیونکہ دار آخرت دار جزا ہے نہ دار تکلیف تاکہ کسی پیغمبر کے بھیجنے کی ضرورت پڑے۔ بہت مدت کے بعد خداوند تعالیٰ کی عنایت نے رہنمائی کی اور اس معما کو حل کر دیا۔ اور منکشف فرمایا کہ یہ لوگ نہ بہشت میں ہمیشہ رہیں گے نہ دوزخ میں بلکہ آخرت کے بعث و احیا کے بعد ان کو مقام حساب میں کھڑا رکھ کر گناہوں کے اندازہ کے موافق ان کو عتاب و عذاب دیں گے۔ اور حقوق پورے کر کے غیر مکلف حیوانوں کی طرح ان کو بھی معدوم مطلق اور لاشے محض کر دیں گے۔ پس خلود کس کے لیے اور مخلّد کون ہوگا اس معرفت غریبہ کو جب انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے حضور میں پیش کیا گیا۔ تو سب نے اس کی تصدیق کی اور اس کو مقبول فرمایا۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ

---

[1] سورۃ مائدہ، پارہ ۶ - ۱۲

عِنْدَاللّٰہِ سُبْحَانَہٗ ۔

فقیر پر یہ بات نہایت ناگوار گزرتی ہے کہ حق تعالیٰ باوجود اپنی کمال رافت و رحمت کے بغیر اس بات کے کہ انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ذریعے ابلاغ مبین فرمائے، صرف عقل کے اعتبار پر جس میں غلطی اور خطا کی بہت مجال ہے، پس اپنے بندے کو ہمیشہ کے لیے دوزخ میں ڈالے اور ہمیشہ کے عذاب میں گرفتار کرے۔ جس طرح کہ باوجود شرک کے اس کے لیے جنت میں ہمیشہ رہنے کا حکم کرنا ناگوار معلوم ہوتا ہے۔ جیسے کہ جنت و دوزخ کے درمیان واسطہ کے قائل نہ ہونے کے باعث اشعری کے مذہب سے لازم آتا ہے پس حق یہی ہے جو مجھے الہام ہوا کہ قیامت کے دن محاسبہ کے بعد وہ معدوم کیا جائے گا۔ اور فقیر کے نزدیک دار حرب کے مشرکین کے اطفال کے بارہ میں بھی یہی حکم ہے کیونکہ بہشت میں داخل ہونا ایمان پر وابستہ ہے۔ خواہ ایمان اصالت کے طور پر ہو یا تبعیت کے طور پر اگرچہ تبعیت دار اسلام میں ہوتی ہے جیسے کہ اہل ذمہ کے لڑکوں کے لیے۔ لیکن ان کے حق میں ایمان مطلق طور پر مفقود ہے۔ پس بہشت میں ان کا داخل ہونا متصور نہیں ہوتا۔ اور دوزخ میں داخل ہونا، اور اس میں ہمیشہ رہنا تکلیف کے ثابت ہونے کے بعد شرک پر منحصر ہے۔ اور یہ بھی ان کے حق میں مفقود ہے۔ پس ان کا حکم حیوانوں کا سا حکم ہے کہ بعث و نشور کے بعد حساب کے لیے کھڑا کریں گے اور ان سے حقوق پورا کر کے ان کو معدوم و نیست و نابود کر دیں گے۔ اور ان مشرکوں کے حق میں بھی جو پیغمبروں کی فترت کے زمانہ (دو پیغمبروں کا درمیانی زمانہ) میں ہوتے ہیں اور جن کو کسی پیغمبر کی دعوت نصیب نہیں ہوئی یہی حکم ہے۔

اے فرزند! یہ فقیر جس قدر ملاحظہ کرتا ہے اور نظر کو وسیع کرتا ہے، کوئی ایسی جگہ نہیں پاتا جہاں ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت نہ پہنچی ہو۔ بلکہ محسوس ہوتا ہے کہ آفتاب کی طرح سب جگہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعوت کا سب جگہ نور پہنچا ہے۔ حتیٰ کہ یاجوج ماجوج میں بھی جن کو دیوار حائل ہے پہنچا ہوا ہے۔ اور گزشتہ امتوں میں ملاحظہ کرتے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسی جگہ بہت کم ہے جہاں پیغمبر مبعوث نہ ہوا ہو۔ حتیٰ کہ زمین ہند میں بھی جو اس معاملہ سے دُور دکھائی دیتی ہے، معلوم کرتا ہے کہ اہل ہند سے پیغمبر مبعوث ہوئے ہیں۔ اور صانع جل شانہ کی طرف دعوت فرمائی ہے۔ اور ہندوستان کے بعض شہروں میں محسوس ہوتا ہے کہ انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کے انوار شرک کے اندھیروں میں مشعلوں کی طرح روشن ہیں۔ اگر ان شہروں کو معین کرنا چاہے تو کر سکتا ہے اور دیکھتا ہے کہ کوئی ایسا پیغمبر ہے جس کی کسی نے تابعداری نہیں کی اور کسی نے اس کی دعوت کو قبول نہیں کیا۔ اور کوئی ایسا پیغمبر ہے کہ صرف

ایک ہی آدمی اس پر ایمان لایا ہے اور کسی پیغمبر کے تابع صرف دو شخص ہوئے ہیں۔ اور بعض کے ساتھ تین آدمی ایمان لائے ہیں۔ تین آدمیوں میں سے زیادہ نظر نہیں آتے۔ جو ہند میں کسی پیغمبر پر ایمان لائے ہوں تاکہ چار آدمی ایک پیغمبر کی امت ہوں اور جو کچھ ہند کے رئیس کفار نے واجب تعالیٰ کے وجود اور اس کی صفات اور اس کے تنزیہ و تقدیس کے بارے میں لکھا ہے، سب انوار نبوت سے مقتبس ہے۔ کیونکہ گزشتہ امتوں میں سے ہر ایک کے زمانہ میں ایک نہ ایک پیغمبر ضرور گزرا ہے۔ جس نے واجب تعالیٰ کے وجود اور اس کے ثبوت اور اس کے تنزیہ تقدیس کی نسبت خبر دی ہے۔ اگر ان بزرگواروں کا وجود شریف نہ ہوتا ان بدبختوں کی لنگڑی اور اندھی عقل جو کفر و معاصی کے ظلمات سے آلودہ ہے، اس دولت کی طرف کس طرح ہدایت پاتی۔ ان بدبختوں کی ناقص عقلیں اپنی حد ذات میں اپنی الوہیت کا حکم دیتی ہیں۔ اور اپنے سوا کوئی اور خدا ثابت نہیں کرتیں۔ جس طرح کہ فرعونِ مصر نے کہا کہ:

مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ[1] — میں تمہارے لیے اپنے سوا کوئی خدا نہیں جانتا۔

اور یہ بھی کہا کہ:

لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ۔[2] — اگر تو میرے سوا کوئی اور خدا بنائے گا تو میں تجھے قید کر دوں گا۔

اور جب انبیائے علیہم الصلوٰۃ والسلام کے آگاہ کرنے سے انہوں نے معلوم کیا کہ عالم کے لیے ایک صانع واجب الوجود ہے۔ تو ان کم بختوں میں سے بعض نے اپنے دعوے کی برائی پر اطلاع پا کر تقلید و تستر کے طور پر صانع کو ثابت کیا اور اس کو اپنے آپ میں حلول کیا ہوا اور سرایت کیا ہوا سمجھا۔ اور اس حیلہ سے لوگوں کو اپنی پرستش کی طرف بلایا:

تَعَالَى اللّٰهُ عَمَّا يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا۔ — اللہ تعالیٰ اس بات سے جو ظالم کہتے ہیں بہت بڑا ہے۔

اس جگہ کوئی بے وقوف یہ سوال نہ کرے کہ اگر زمین ہند میں پیغمبر مبعوث ہوتے۔ تو ان کے مبعوث ہونے کی خبر ضرور ہم تک پہنچتی بلکہ وہ خبر بکثرت دعوتوں کی جہت سے تواتر کے طور پر منقول ہوتی۔ جب ایسا نہیں ہے تو ویسا بھی نہیں ہے۔

اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ ان مبعوث پیغمبروں کی دعوت عام نہ تھی۔ بلکہ کسی کی دعوت ایک قوم سے اور بعض کی ایک گاؤں سے یا شہر سے مخصوص تھی۔ اور ہو سکتا ہے کہ حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے کسی قوم یا گاؤں میں کسی شخص کو اس دولت سے مشرف فرمایا ہو۔ اور اس شخص نے اس قوم یا اس گاؤں کے لوگوں

[1] سورہ قصص، پارہ امن خلق۔ [2] سورہ شعراء، پارہ وقال الذین۔

کو صانع جل شانہ کی معرفت کی طرف دعوت کی ہو۔ اور حق تعالیٰ کے سوا اوروں کی عبادت سے منع کیا ہو۔ اور اس
قوم یا گاؤں والوں نے اس کا انکار کیا ہو۔ اور اس کو ذلیل و جاہل سمجھا ہو۔ اور جب انکار و تکذیب حد سے بڑھ
گیا ہو۔ تو حق تعالیٰ کی مدد نے آ کر اُن کو ہلاک کر دیا ہو۔

اسی طرح کچھ مدت کے بعد ایک اور پیغمبر کسی قوم یا گاؤں کی طرف مبعوث ہوا ہو۔ اور اس پیغمبر
نے بھی اُن لوگوں کے ساتھ وہی معاملہ کیا ہو جو پہلے پیغمبر نے کیا تھا۔ اور اس پیغمبر کے ساتھ وہی معاملہ کیا
جو ان کے پہلوں نے کیا تھا۔ علیٰ ہذا القیاس اسی طرح ہوتا رہا ہو۔

زمین ہند میں گاؤں اور شہروں کی ہلاکت کے آثار بہت پائے جاتے ہیں۔ یہ لوگ اگرچہ ہلاک ہو
گئے۔ لیکن وہ دعوت کا کلمہ ان کے ہم عصروں کے درمیان باقی رہا :

جَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۔ اور اس کلمہ کو اس واسطے پیچھے باقی رکھا کہ شاید وہ رجوع کر آئیں۔

ان مبعوث پیغمبروں کی دعوت کی خبر ہم تک تب پہنچتی جب کہ بہت سے لوگ ان کے تابع ہوتے
اور بڑی بھاری قوم بہم پہنچاتے۔ جب ایک آدمی آیا اور چند روز دعوت کر کے چلا گیا۔ اور کسی نے اُس کو
قبول نہ کیا۔ پھر دوسرا آیا اور اس نے بھی یہی کام کیا۔ اور ایک آدمی اس کے ساتھ ایمان لایا۔ اور تیسرے
کے ساتھ دو یا تین آدمی ایمان لائے۔ تو پھر خبر کس طرح پھیلتی اور عام ہوتی۔ اور کفار سب کے سب
انکار کے درپے تھے اور اپنے باپ دادا کے دین کے مخالفوں کو رد کرتے تھے۔ تو پھر نقل کون کرتا اور کس
کی طرف نقل کرتا۔

دوسرے یہ کہ نبوت و رسالت و پیغمبر کے الفاظ ان پیغمبروں اور ہمارے پیغمبر علیہ و علیہم الصلوٰۃ
والسلام کی دعوت کے متحد ہونے کے باعث عربی اور فارسی لغت کے تھے۔ اور یہ الفاظ ہندی لغت
میں نہ تھے۔ تاکہ ہند کے مبعوث انبیا کو نبی یا رسول یا پیغمبر کہتے اور ان ناموں سے ان کو یاد کرتے۔

اور نیز اس سوال کے جواب میں ہم معارضہ کے طور پر کہتے ہیں کہ اگر ہند میں انبیاء مبعوث نہ ہوئے
ہوں اور ان کی زبان میں ان کو دعوت بھی نہ کی ہو تو پھر ان کا حکم بھی شاہق جبل کا حکم ہو گا کہ باوجود سرکشی اور
دعویٰ الوہیت کے دوزخ میں نہ جائیں۔ اور ہمیشہ کے عذاب میں نہ رہیں۔ اس بات کو بھی نہ تو عقل سلیم پسند
کرتی ہے اور نہ ہی کشف صحیح اس کی شہادت دیتا ہے کیونکہ ہم ان میں سے بعض سرکش مردودوں کو دوزخ کے
وسط میں دیکھتے ہیں۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْحَالِ ۔ وَالسَّلَامُ ۔

مکتوب نمبر ۲۶۰

حقائق آگاہ معارف دستگاہ مظہر فیض الٰہی و منبع رحمت نامتناہی مخدوم زادہ میاں شیخ محمد صادق سلمہ اللہ کی طرف صادر فرمایا :

اس طریق کے بیان میں جس سے آپ کی ذات کو ممتاز کیا گیا ہے۔ اور جس میں ولایت سہ گانہ یعنی ولایت صغریٰ، جو اولیا کی ولایت ہے۔ اور ولایت کبریٰ، جو پیغمبروں کی ولایت ہے۔ اور ولایت عُلیا کا جو ملائے اعلیٰ کی ولایت ہے، بیان مندرج ہے۔ اور جس میں ہر قسم کی ولایت پر نبوت کے افضل ہونے کا بیان ہے۔ اور لطائف عشرہ انسانی کے بیان میں کہ ان میں سے پنج عالم امر سے ہیں اور دوسرے پنج عالم خلق سے جو نفس اور عناصر اربعہ ہیں، مع اُن کمالات کے جو ان لطائف میں سے ہر ایک کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اور عالم امر پر عالم خلق کے افضل ہونے کے بیان میں۔ مع اُن کمالات کے جو عنصر خاک سے مخصوص ہیں۔ اور ان عجیب و غریب علوم و معارف کے بیان میں جو ہر مقام کے مناسب ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهِ الطَّاهِرِيْنَ

اللہ رب العالمین کی حمد ہے اور حضرت سید المرسلین اور اُن کی آل و اصحاب پاک پر صلوٰۃ و سلام ہو۔

اے فرزند! خدا تجھے سعادتمند کرے۔ جاننا چاہیے کہ عالم امر کے پنجگانہ لطائف یعنی قلب، روح و سر و خفی و اخفیٰ جو انسانی عالم صغیر کے اجزا ہیں۔ ان کے اصل عالم کبیر میں ہیں۔ جس طرح کہ عناصر اربعہ جو انسان کے اجزا ہیں اپنی اصل عالم کبیر میں رکھتے ہیں۔ اور ان پنجگانہ لطائف کے اصلوں کا ظہور عرش کے اوپر ہے جو لامکانیت سے موصوف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عالم امر کو لامکانی کہتے ہیں۔ دائرہ امکان یعنی خلق و امر اور صغیر و کبیر ان اصول کی نہایت تک تمام ہو جاتا ہے اور عدم کا وجود سے ملنا جو امکان کا منشا ہے اس مقام میں منتہی ہو جاتا ہے جب سالک رشید محمدی المشرب لطائف پنجگانہ کو ترتیب وار طے کر کے ان کے اصول میں جو عالم کبیر میں ہیں سیر فرماتا ہے اور بلند فطرتی بلکہ محض فضل ایزدی سے ان سب کو ترتیب و تفصیل کے ساتھ طے کر کے ان کے اخیر نقطہ تک پہنچتا ہے تو اس وقت دائرہ امکان کو سیر الی اللہ کے ساتھ تمام کر لیتا ہے۔ اور فنا کے اسم کا اطلاق اپنے اوپر حاصل کر کے ولایت صغریٰ میں جو اولیا کی ولایت ہے، سیر شروع کرتا ہے۔ اور اس کے بعد اگر اسمائے وجوبی تعالت و تقدست کے ظلال میں جو حقیقت میں ان پنجگانہ عالم کبیر کے اصول ہیں۔ اور

اور جن میں علوم کی کچھ آمیزش نہیں ہے سیر واقع ہو جائے۔ اور ان سب کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے سیر فی اللہ کے طریق سے طے کر کے ان کی نہایت تک پہنچ جائے تو اسمائے وجوبی کے ظلال کا دائرہ سب کا سب تمام ہو جاتا ہے۔ اور اسماء وصفات واجبی جل شانہٗ کے مرتبہ تک پہنچ جاتا ہے۔ ولایت صغریٰ کے عروج کی نہایت یہیں تک ہے۔ اس مقام میں حقیقت فنا کا آغاز متحقق ہوتا ہے اور ولایت کبریٰ کی ابتدا میں جو انبیائے علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ولایت ہے قدم رکھا جاتا ہے۔

جاننا چاہیے کہ یہ دائرہ ظل انبیائے کرام اور ملائکہ عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے سوا تمام مخلوقات کے مبادی تعیّنات کو متضمن ہے۔ اور ہر ایک اسم کا ظل ہر ایک شخص کا مبدءِ تعین ہے۔ حتیٰ کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا جو انبیائے علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد تمام انسانوں میں سے اشرف ہیں مبدءِ تعین اس دائرہ کے اوپر کا نقطہ ہے۔

اور یہ جو بعض نے کہا ہے کہ جب سالک اس اسم تک جو اس کا مبدءِ تعین ہے۔ پہنچ جاتا ہے، تو اس وقت سیر الی اللہ کو تمام کر لیتا ہے۔ اس اسم سے مراد اسم الٰہی جل شانہٗ کا ظل اور اسم کی جزئیات میں سے ایک جزئی ہے نہ کہ اس اسم کا اصل۔ اور یہ دائرہ ظل حقیقت میں مرتبہ اسماء وصفات کی تفصیل ہے۔

مثلاً علم ایک حقیقی صفت ہے جس کی بہت سی جزئیات ہیں۔ اور ان جزئیات کی تفصیل اس صفت کے ظلال ہیں۔ جو اجمال کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں۔ اور اس صفت کی ہر ایک جزئی انبیائے کرام و ملائکہ عظام کے سوا باقی اشخاص میں سے ہر ایک شخص کی حقیقت ہے۔ اور انبیاء و ملائکہ کے مبادی تعینات ان ظلال کے اصول یعنی ان مفصلہ جزئیات کی کلیات ہیں۔

مثلاً صفت العلم اور صفت القدرت اور صفت الارادت وغیرہ وغیرہ۔ اور بہت سے اشخاص ایک صفت میں جو مبدءِ تعین ہے مختلف اعتباروں کے لحاظ سے باہم شرکت رکھتے ہیں۔

مثلاً حضرت خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مبدءِ تعین شان العلم ہے۔ اور یہی صفت العلم ایک اعتبار سے حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا مبدءِ تعین ہے۔ اور نیز یہی صفت ایک اعتبار سے حضرت نوح علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا مبدءِ تعین ہے۔ اور ان اعتبارات کا تعیّن خواجہ محمد اشرف کے مکتوب میں ذکر ہو چکا ہے۔

اور یہ جو بعض مشائخ نے کہا ہے کہ حقیقت محمدیؐ تعین اوّل ہے جو حضرت اجمال ہے اور وحدت کے نام سے موسوم ہے۔ ان کی مراد جو کچھ اس فقیر پر ظاہر ہوتی ہے، یہ ہے کہ اس سے ان کی مراد اسی دائرہ ظل کا مرکز ہے۔ اس دائرہ ظل کو تعین اوّل سمجھے ہیں اور اس کے مرکز کو اجمال جان کر اس کا نام وحدت رکھا ہے۔ اور اس

مرکز کی تفصیل کو جو اس دائرہ کا محیط ہے واحدیت گمان کیا ہے۔ اور دائرہ ظل کے مقام فوق کو جو اسما وصفات کا دائرہ ہے۔ ذات بیچون جو تعین سے مبرا ہے تصور کیا ہے۔ حالاں کہ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ اس دائرہ ظل کا مرکز دائرہ فوق کے جو اس کا اصل ہے اور اسماء وصفات اور شیون اعتبارات کے دائرہ سے موسوم ہے۔ مرکز کا ظل ہے۔ حقیقت میں حقیقت محمدی اس دائرہ اصل کا مرکز ہے جو اسماء و شیونات کا اجمال ہے۔ اور اس دائرہ میں ان اسماء وصفات کی تفصیل واحدیت کا مرتبہ ہے اور ظلال اسماء کے مرتبہ وحدت اور واحدیت کا اطلاق کرنا ظل کو اصل کے مشابہ سمجھنے پر مبنی ہے اور سیر فی اللہ کا اطلاق بھی اس مقام میں اسی قسم سے ہے۔ حالانکہ وہ سیر درحقیقت سیرالی اللہ میں داخل ہے۔ اس کے بعد اگر دائرہ اسما وصفات میں جو اس دائرہ ظل کا اصل ہے۔ سیر فی اللہ کے طریق پر عروج واقع ہو جائے۔ تو ولایت کبریٰ کے کمالات کا آغاز شروع ہو جائے گا۔ اور یہ ولایت کبریٰ اصلی طور پر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور ان کی تابعداری کے باعث ان کے اصحاب کرام کو بھی یہ دولت حاصل ہوئی ہے۔ اس دائرہ کا نچلا نصف حصہ اسما وصفات زائدہ کو متضمن ہے اور اوپر کا نصف حصہ شیون واعتبارات ذاتیہ پر مشتمل ہے۔

عالم امر کے پنجگانہ لطائف ومراتب کا عروج اس دائرہ اسما و شیونات کے نہایت تک ہے۔ اس کے بعد اگر محض فضل خداوندی جل شانہٗ سے صفات وشیونات کے مقام سے زیادہ تر واقع ہو۔ تو اُن کے اصول کے دائرہ میں سیر واقع ہوگا۔ اور اس دائرہ اصول کے آگے ان اصول کے اصول کا دائرہ ہے اور اس دائرہ کے طے کرنے کے بعد دائرہ فوق کی ایک قوس ظاہر ہوگی۔ اس کو بھی قطع کرنا پڑتا ہے۔ چونکہ دائرہ فوق سے ایک قوس کے سوا اور کچھ ظاہر نہ ہوا۔ اس لیے اسی قوس پر بس کی گئی۔ شاید یہاں کوئی سر ہوگا جس پر اطلاع نہیں بخشی اور اسماوصفات کے یہ اصول سہ گانہ جو مذکور ہوئے جو حضرت ذات تعالیٰ وتقدس میں محض اعتبار ہی اعتبار ہیں۔ جو صفات وشیونات کے مبادی ہیں۔ ان اصول سہ گانہ کے کمالات کا حاصل ہونا نفس مطمئنہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس کو اس مقام میں اطمینان حاصل ہو جاتا ہے۔ اور اسی مقام میں شرح صدر حاصل ہوتا ہے اور سالک اسلام حقیقی سے مشرف ہوتا ہے۔

یہ وہی مقام ہے جہاں نفس مطمئنہ تخت صدر پر جلوس فرماتا ہے اور مقام رضا وارتضا پر ترقی کرتا ہے ولایت کبریٰ یعنی ولایت انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کا انتہائی مقام ہے۔

جب سیر یہاں تک ہو چکا تو وہم وخیال میں آیا کہ اب کام سب ختم ہو چکا۔ اتنے میں آواز آئی کہ یہ سب کچھ ابھی اسم ظاہر کی تفصیل تھی۔ اور ابھی پرواز کے لیے ایک ہی بازو میسر ہوا ہے۔ اور اسم باطن۔ جو عالم قدس کی طرف پرواز کرنے کے لیے دوسرا بازو ہے۔ ابھی در پیش ہے۔ جب تو اس کو بھی مفصل طور پر

سرانجام کرے گا۔ تو پرواز کے لیے دونوں بازو تجھے حاصل ہوں گے۔ جب اللہ تعالیٰ کی عنایت سے اسم باطن کا سیر بھی سرانجام پا چکا۔ تو دونوں بازو مُیسّر ہو گئے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدٰنَا لِھٰذَا وَمَا کُنَّا لِنَھْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ ھَدٰنَا اللّٰہُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ۔

اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہم کو اس کی ہدایت بخشی اگر وہ ہم کو ہدایت نہ بخشتا تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے۔ بے شک ہمارے رب کے رسول حق لے کر آئے ہیں۔

اے فرزند! اسم باطن کے سیر کی نسبت کیا لکھا جائے۔ اس سیر کا حال استتار و تبطّن (دور پردہ رہنے) کے مناسب ہے۔ البتہ اس قدر بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اسم ظاہر کا سیر صفات میں ہے۔ بغیر اس بات کے کہ ان کے ضمن میں ذات ملحوظ ہو۔ اور اسم باطن کا سیر بھی اگرچہ اسما میں ہے لیکن ان کے ضمن میں ذات ملحوظ ہے۔ اور یہ اسما ڈھالوں کی طرح ہیں جو حضرت کے روپوش ہیں۔

مثلاً صفت علم میں ہرگز ذات ملحوظ نہیں ہے لیکن اس کے اسم علیم میں پردہ صفت کے پیچھے ذات ملحوظ ہے۔ کیونکہ علیم ایک ذات ہے۔ جس کی صفت علم ہے۔ پس علم کی سیر اسم ظاہر کی سیر ہے۔ اور علیم کی سیر اسم باطن کی سیر۔ باقی تمام صفات و اسما کا حال اسی قیاس پر ہے۔

یہ اسما جو اسم باطن سے تعلق رکھتے ہیں ملائکہ ملائے اعلیٰ علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے تعیّنات کے مبادی ہیں۔ اور ان اسماء میں سیر کا آغاز ولایت عُلیا میں جو ملائے اعلیٰ کی ولایت ہے، قدم رکھنا ہے۔

اب علم و علیم اور اسم ظاہر و اسم باطن کے درمیان فرق بیان کیا جاتا ہے تاکہ تو اس فرق کو تھوڑا نہ خیال کرے اور نہ کہے کہ علم سے علیم تک تھوڑا راستہ ہے نہیں۔ بلکہ وہ فرق جو مرکز خاک اور محدّب عرش کے درمیان ہے۔ اس فرق کی نسبت ایسا ہے، جیسے دریائے محیط کی نسبت قطرہ کہنے کو نزدیک ہے پر حاصل ہونے میں دُور ہے۔ اور مقامات کا ذکر جو مجمل طور پر بیان کیا گیا ہے۔ وہ بھی اسی قسم سے ہے۔ مثلاً کہا گیا ہے کہ پنجگانہ عالم امر کو طے کر کے ان کے اصول کا سیر کرے تاکہ دائرہ امکان تمام ہو جائے اس تھوڑی سی عبارت میں سیر الی اللہ کا پورا ذکر آ چکا ہے۔ لیکن اس سیر کے حاصل ہونے میں پنجاہ ہزار سال کی راہ کا اندازہ کیا گیا ہے۔

آیت کریمہ[۱]:

تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِکَۃُ وَالرُّوْحُ فِیْ یَوْمٍ کَانَ فرشتے اور رُوح چڑھتے ہیں اُس دن میں جس کا

---

[۱] سُورۃ معارج پارہ تبارک الذی۔

مِقْدَارُہٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَةٍ   اندازہ پچاس ہزار سال کا ہے۔

اسی مطلب کی رمز کو بیان کرتی ہے۔

حاصل کلام یہ کہ حق تعالیٰ کے جذبۂ عنایت کے آگے کچھ دور نہیں ہے کہ اس قدر مدت دراز کے کام کو ایک لحظہ میں میسر کر دے ؎

بر کریماں کارہا دشوار نیست

کریموں کے لیے کوئی کام مشکل نہیں۔

اور اسی طرح ہے جو کہا گیا ہے کہ دائرۂ اسماء و صفات و شیون و اعتبارات کو طے کر کے ان کے اصول میں سیر کرے۔ تمام اسماء و صفات و شیون و اعتبارات کا طے کرنا کہنے میں آسان ہے۔ لیکن طے کرنے میں مشکل ہے۔ اس طے کی نسبت مشائخ نے فرمایا ہے کہ:

مَنَازِلُ الْوُصُوْلِ لَا تَنْقَطِعُ اَبَدَ الْاٰبِدِیْنَ   وصول کی منزلیں کبھی ختم نہیں ہوتیں۔

اور ان مراتب کے تمامی سیر سے منع کیا ہے ؎

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی را سخن پایاں
بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہمچناں باقی

نہ اس کے حسن کی انتہا ہے اور نہ سعدی کے بیان کی انتہا ہے۔ مرض استسقا والا مر جاتا ہے اور دریا اسی طرح بھرا ہوا باقی ہے۔

تو یہ گمان نہ کرے کہ مراتب کا منقطع نہ ہونا تجلیات ذاتیہ کے اعتبار سے کہا ہو۔ نہ کہ تجلیات صفاتیہ کے اعتبار سے۔ اور حسن سے مراد حسن ذاتی ہو نہ کہ حسن صفاتی۔ کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ وہ تجلیات ذاتیہ شیون و اعتبارات کے ملاحظہ کے بغیر نہیں ہیں۔ اور وہ حسن ذاتی صفات جمالیہ کے روپوشش کے بغیر نہیں ہے۔ کیونکہ اس مقام میں ان روپوشوں کے بغیر گفتگو کی مجال نہیں ہے:

مَنْ عَرَفَ اللّٰہَ کَلَّ لِسَانُہٗ   جس نے اللہ کو پہچانا اس کی زبان گنگ ہو گئی۔

اور تجلی ایک قسم کی ظلیت چاہتی ہے۔ اس لیے اس مقام میں شیون کے ملاحظہ سے چارہ نہیں۔ پس یہ منازل وصول اور مراتب حسن دائرۂ اسماء و شیونات میں داخل ہیں۔ جن کا منقطع ہونا ان کے نزدیک مشکل ہے لیکن وہ امر جو اس فقیر پر ظاہر کیا گیا ہے وہ تجلیات و ظہورات کے ماوراء ہے۔ خواہ وہ تجلیات ذاتی ہوں خواہ صفاتی۔ اور حسن و جمال کے ماوراء ہے خواہ وہ حسن ذاتی ہو خواہ صفاتی۔

غرض مطالب بلند اور مقاصد ارجمند کے موتیوں کو مختصر طور پر چھوٹی چھوٹی عبارتوں کی لڑی میں پرو دیا

ہے۔ اور بے نہایت دریاؤں کو چند کوزوں میں بند کر دیا ہے۔ فَلَا تَکُنْ مِنَ الْقَاصِرِیْنَ۔ پس کوتاہ ہمت نہ ہو

اب ہم اصل بات کو بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسم ظاہر اور اسم باطن کے دونوں پروں کے حاصل ہونے کے بعد جب پرواز میسر ہوئی اور عروج واقع ہوا۔ تو معلوم ہوا کہ یہ ترقیات اصالت کے طور پر عنصر ناری اور عنصر ہوائی اور عنصر آبی کے نصیب ہیں۔ بلکہ ملائکہ کرام کو بھی ان عناصر سہ گانہ سے نصیب حاصل ہے۔ جیسے کہ وارد ہوا ہے کہ بعض ملائکہ آگ اور برف سے مخلوق ہیں۔ اور ان کی تسبیح:

سُبْحَانَ الَّذِیْ جَمَعَ بَیْنَ النَّارِ وَالثَّلْجِ پاک ہے وہ ذات جس نے آگ اور برف کو جمع کر دیا۔

ہے۔ اس سیر کی اثنا میں حالت واقع میں ظاہر ہوا کہ میں ایک راستہ میں جا رہا ہوں اور بہت چلنے کے باعث تھک گیا ہوں۔ اور لاٹھی اور عصا کی خواہش رکھتا ہوں کہ شاید اس کی مدد سے چل سکوں، لیکن نہیں ملتی اور ہر خس و خاشاک کی طرف ہاتھ ڈالتا ہوں۔ تاکہ راستہ پر چلنے کی طاقت حاصل ہو۔ کیونکہ راہ طے کرنے سے چارہ نہ تھا۔ اور جب کچھ مدت اسی طرح چلتا رہا۔ ایک شہر کی فنا (گرد نواح کا میدان) ظاہر ہوئی۔ اس فنا کی مسافت طے کرنے کے بعد اس شہر میں داخل ہوا۔ میں نے معلوم کیا کہ یہ شہر تعین اوّل سے مراد ہے جو تمام مراتب اسما اور صفات و شیون و اعتبارات کا جامع ہے۔ اور نیز ان مراتب کے اصول اور ان کے اصول کے اصول کا جامع ہے۔ اور اعتبارات ذاتیہ کا منتہا ہے۔ جن کے درمیان تمیز کرنا علم حصولی کے مناسب ہے۔ اس کے بعد اگر سیر واقع ہو تو علم حضوری کے مناسب ہوگا۔

اے فرزند! آنحضرت جل سلطانہٗ میں علم حصولی اور علم حضوری کا اطلاق مثال اور نظیر کے اعتبار سے ہے۔ کیونکہ وہ صفات جن کا وجود ذات تعالیٰ کے وجود پر زائد ہے ان کا علم علم حصولی کے مناسب ہے، اور اعتبارات ذاتیہ جن کا ذات تعالیٰ پر زیادہ ہونا ہرگز متصور نہیں، ان کا علم علم حضوری کے مناسب ہے۔ ورنہ وہاں تو سوائے اس تعلق کے جو علم کو اپنے معلوم سے ہے بغیر اس امر کے کہ معلوم کی نسبت کچھ اس میں حاصل ہوا۔ اور کچھ نہیں ہے۔ فافہم۔ اور یہ تعین اول جس سے وہ شہر جامع مراد ہے انبیائے کرام اور ملائکہ عظام علیہم الصلوٰۃ والسّلام کی تمام ولایات کا جامع اور ولایت علیا کا منتہا ہے جو اصلی طور پر ملائے اعلیٰ کے ساتھ مخصوص ہے۔

اس مقام میں ملاحظہ کیا گیا کہ آیا یہ تعین اول حقیقت محمدی ہے یا نہیں۔ تو معلوم ہوا کہ حقیقت محمدی وہی ہے جو اوپر ذکر ہو چکی ہے۔ اور اس کا تعین اوّل اس اعتبار سے کہتے ہیں کہ وہ اسما و صفات و شیون و اعتبارات کی جامعیت کے اعتبار سے اس تعین اوّل کے ظل کا مرکز ہے۔ اور وہ سیر جو اس شہر کے اوپر واقع ہو، وہ کمالات نبوت کا شروع ہے۔ ان کمالات کا حاصل ہونا انبیائے علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور یہ کمالات مقام نبوت سے ناشی اور پیدا ہوئے ہیں۔ اور انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کے کامل تابعداروں کو بھی ان کی تابعداری کے سبب

ان کمالات سے کچھ حصہ مل جاتا ہے۔ اور لطائف انسانی کے درمیان عنصر خاک کو اصالت کے طور پر ان کمالات کا بہت سا حصہ حاصل ہے۔ باقی تمام اجزائے انسانی خواہ وہ عالم امر سے ہوں خواہ عالم خلق سے سب اس مقام میں اسی عنصر پاک کے تابع ہیں۔ اور اسی کے طفیل اس دولت سے مشرف ہیں۔ اور چونکہ یہ عنصر بشر کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس لیے خاص انسان خاص فرشتوں سے افضل ہو گئے۔ کیونکہ جو کچھ اس عنصر کو حاصل ہوا ہے اور کسی کو وہ میسّر نہیں ہوا۔ اور دَنٰی کے بعد تَدَلّٰی کی حقیقت اسی مقام سے ظاہر ہوتی ہے اور قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی کا سر اسی جگہ منکشف ہوتا ہے۔ اور اس سیر میں معلوم ہوتا ہے کہ تمام ولایتوں یعنی صغریٰ و کبریٰ و علیا کے کمالات سب مقام نبوت کے کمالات کے ظلال ہیں۔ اور وہ کمالات ان کمالات کی حقیقت کے لیے شبح و مثال کی طرح ہیں۔ اور روشن ہوتا ہے کہ اس سیر کے ضمن میں ایک نقطہ کا طے کرنا مقام ولایت کے تمام کمالات کے طے کرنے سے زیادہ ہے۔ پھر قیاس کرنا چاہیے کہ ان سب کمالات کو تمام گزشتہ کمالات کے ساتھ کیا نسبت ہوگی۔ دریائے محیط کو بھی قطرہ کے ساتھ کچھ نہ کچھ نسبت ضرور ہے لیکن یہاں تو یہ نسبت بھی مفقود ہے۔ ہاں اس قدر کہہ سکتے ہیں کہ مقام نبوت کو مقام ولایت سے وہ نسبت ہے جو غیر متناہی کو متناہی کے ساتھ ہے۔

سُبحان اللہ! اس سر سے جاہل کہتا ہے کہ ولایت نبوت سے افضل ہے۔ اور دوسرا اس معاملہ سے ناواقف ہونے کے باعث اس کی توجیہ میں کہتا ہے کہ نبی کی ولایت نبوت سے افضل ہے۔ کَبُرَتْ کَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ۔ چھوٹا منہ بڑی بات۔

اور حق اللہ تعالیٰ کی عنایت اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے سے اس سیر کو بھی انجام تک پہنچایا۔ تو مشہود ہوا کہ اگر ایک قدم اور سفر میں زیادہ کرے تو عدم محض میں جا پڑے گا۔ کیونکہ اس کے آگے عدم محض کے سوا کچھ نہیں۔

اے فرزند! اس ماجرا سے تو یہ وہم نہ کرے کہ عنقا شکار ہو گیا۔ اور سیمرغ جال میں پڑ گیا ؎

عنقا شکار کس نشود دام باز چیں

کاینجا ہمیشہ باد بدست ست دام را

عنقا کسی کے شکار میں نہیں آسکتا، اللہٰذا جال سمیٹ لے کیونکہ یہاں ہمیشہ جال کے حصہ میں ہوا ہی آتی ہے۔

کیونکہ وہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ وراء الوراء ثم وراء الوراء ہے ؎

ہنوز ایوان استغنا بلند است مرا فکرِ رسیدن ناپسند است

ابھی استغنا اور بے پرواہی کا محل بہت بلندی پر ہے اور مجھے وہاں تک پہنچنے کی فکر نہیں۔

وہ ورائیت حجب کے وجود کے اعتبار سے نہیں ہے کیونکہ حجب سب کے سب مرتفع ہو گئے ہیں۔ بلکہ عظمت و کبریا کے ثبوت کے اعتبار سے ہے جو ادراک کے مانع اور وجدان کے منافی ہے۔ کیونکہ وہ حق سبحانہ وجود میں اقرب ہے اور وجدان و ادراک سے ابعد ہے۔ ہاں بعض کامل مراد والوں کو انبیائے علیہم الصلوٰۃ والسلام کی طفیل عظمت و کبریا کے ان پردوں میں جگہ دیتے ہیں :

نُعُوْمِلَ مَعَهُمْ مَا عُوْمِلَ مَعَهُمْ۔ تو ان کے ساتھ وہ معاملہ ہوا جو ہوا۔

اے فرزند ! یہ معاملہ انسان کی اس ہیئت وحدانی سے مخصوص ہے جو عالم خلق اور عالم امر کے مجموعہ سے ناشی ہوئی ہے۔ باوجود اس کے اس مقام میں بھی سب کا رئیس عنصر خاک ہے۔ اور یہ جو کہا ہے کہ :

لَيْسَ وَرَاءَهُ اِلَّا الْعَدَمُ الْمَحْضُ۔ اس کے آگے سوائے عدم محض کے کچھ نہیں۔

وہ اس لیے کہ وجود خارجی اور وجود علمی کے تمام ہونے کے بعد عدم کا حاصل ہونا ہے جو اس کی نقیض ہے۔ اور حق سبحانہ کی ذات اس وجود و عدم کے ماوراء ہے جس طرح عدم کو وہاں راہ نہیں۔ وجود کی بھی گنجائش نہیں ہے۔ کیونکہ وہ وجود جس کی نقیض عدم ہو، اس بارگاہ جل شانہ کے لائق نہیں ہے۔ اور اگر عبارت کی تنگی کے باعث اس مرتبہ میں وجود کا اطلاق کریں، تو اس سے وہ وجود مراد ہو گا۔ جس کی نقیض بننے کی عدم کو مجال نہیں ہے۔

اور یہ جو اس فقیر نے اپنے بعض مکتوبات میں لکھا ہے کہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ کی حقیقت وجود محض ہے اس معاملہ کی حقیقت کو نہ پانے کے باعث لکھا ہے۔ اور وہ بعض معارف جو توحید وجودی وغیرہ میں لکھے ہیں وہ بھی اسی قسم سے ہیں۔ ان کا سر بھی یہی عدم اطلاع ہے۔ جب معاملہ کی اصل حقیقت سے فقیر کو آگاہ کیا جو کچھ ابتداء اور وسط میں لکھا اور کہا ہے اس سے نادم ہوا۔ اور استغفار کیا :

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَاَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مِنْ جَمِيْعِ مَا كَرِهَ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى۔ میں اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگتا ہوں اور اس کی طرف توبہ کرتا ہوں۔ ان تمام باتوں سے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں۔

اس بیان سے روشن ہوا کہ کمالات نبوت مراتب صعود میں ہیں۔ اور نیز نبوت کے عروجات میں توجہ حق تعالیٰ کی طرف ہے۔ نہ جیسے کہ اکثر نے گمان کیا ہے کہ ولایت میں حق تعالیٰ کی طرف توجہ ہے اور نبوت میں توجہ خلق کی طرف۔ اور ولایت مراتب عروج میں ہے اور نبوت مدارج نزول میں اسی وجہ سے بعض نے وہم کیا ہے کہ ولایت نبوت سے افضل ہے۔ ہاں نبوت و ولایت میں سے ہر ایک کے لیے عروج و ہبوط ہے۔ عروج میں دونوں کا منہ حق کی طرف ہے اور ہبوط میں دونوں کا منہ خلق کی طرف۔

حاصل کلام یہ ہے کہ نبوت کے مرتبہ ہبوط میں کلی طور پر خلق کی طرف توجہ ہے۔ اور ولایت کے مرتبہ ہبوط میں کلی طور پر خلق کی طرف منہ نہیں ہے۔ بلکہ اس کا باطن رُو بحق ہے اور اس کا ظاہر رُو بخلق اس کی وجہ یہ ہے کہ صاحب ولایت نے عروج کے مقامات کو تمام نہ کر کے نزول کیا ہے اسی واسطے فوق کی نگرانی ہر دم اس کی دامن گیر ہے۔ اور خلق کی طرف کلی طور پر اس کی توجہ کی مانع ہے۔ برخلاف صاحب نبوت کے کہ اس نے مقامات عروج کو تمام کر کے ہبوط فرمایا ہے۔ اسی واسطے وہ کلی طور پر خلق کو خالق کی طرف دعوت کرنے میں متوجہ ہے:

فَافْهَمْ فَاِنَّ هٰذِهِ الْمَعْرِفَةَ الشَّرِيْفَةَ وَاَمْثَالَهَا مِمَّا لَمْ يَتَكَلَّمْ بِهَا اَحَدٌ

یہ معرفت شریفہ اور اسی قسم کے اور معارف اس قسم کے ہیں کہ پہلے کسی نے بیان نہیں کیے۔

جاننا چاہیے کہ عنصر خاک جس طرح مراتب عروج میں سب سے بالاتر جاتا ہے اسی طرح منازل ہبوط میں وہ عنصر سب سے زیادہ نیچے آجاتا ہے۔ اور کیونکر نیچے نہ آئے جب کہ اس کا طبعی مکان سب سے نیچے ہے اور چونکہ سب سے زیادہ نیچے ہے اسی واسطے اس کے صاحب کی دعوت اتم ہے اور اس کا افادہ اکمل ہے۔

اے فرزند! جان لے کہ جب طریقہ نقشبندیہ میں سیر کی ابتدا قلب سے ہے جو عالم امر سے ہے تو بات کی ابتدا بھی عالم امر سے کی گئی۔ برخلاف مشائخ کرام کے باقی طریقوں کے جو شروع میں تزکیہ نفس کرتے ہیں اور قالب یعنی وجود کو پاک فرماتے ہیں۔ اور بعد ازاں عالم امر میں آتے ہیں۔ اور جہاں تک اللہ تعالیٰ کو منظور ہو اس میں عروج کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ دوسروں کی نہایت ان بزرگواروں کی بدایت میں مندرج ہے۔ اور یہ طریق سب طریقوں سے اقرب ہے۔ کیونکہ ان کے اس سیر کے ضمن میں تزکیہ و تطہیر بہت اچھی طرح حاصل ہو جاتا ہے اور مسافت کوتاہ ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان بزرگواروں نے عالم خلق کی سیر کو قصداً ضائع اور بے کار ہی نہیں جانا، بلکہ مطلب کے پانے میں مضر و مانع یقین کیا ہے۔ کیونکہ سالکان طریق مشکل سے مشکل ریاضتوں اور سخت سے سخت مجاہدوں اور تزکیہ کے قدم کے ساتھ عالم خلق کی صورت کے جنگلوں کو قطع کر کے جب عالم امر کا سیر شروع کرتے ہیں۔ اور انجذاب قلبی اور التذاذ روحی میں پڑتے ہیں تو بسا اوقات ایسا ہوا کرتا ہے کہ اکثر اسی انجذاب پر قناعت کرنے اور اسی التذاذ پر کفایت کرتے ہیں۔ اور اس عالم کے لامکان ہونے کا گمان دامن گیر ہو جاتا ہے۔ اور اس عالم کی بیچونی کی آمیزش ان کو بیچون حقیقی سے ہٹا رکھتی ہے۔

شاید اسی مقام پر کسی سالک نے کہا ہے کہ میں تیس سال تک روح کو خدا سمجھ کر اس کی پرستش کرتا رہا۔ اور دوسرے نے کہا ہے کہ استوائے کا سر اور عرش پر تنزیہ کا ظہور معارف غامضہ سے ہے۔

اور بیان سابق سے معلوم ہو چکا ہے کہ یہ تنزیہ بھی دائرہ امکان میں داخل ہے۔ ہاں تنزیہ نما ہے۔ اور حقیقت میں تشبیہ ہے۔ برخلاف اس طریقہ علیہ کے بزرگواروں کے جو مقام جذبہ سے شروع کرتے ہیں۔ اور اس التذاذ کی مدد سے ترقی کرتے ہیں۔ یہ انجذاب والتذاذ ان بزرگواروں کے حق میں ایسا ہے، جیسے دوسروں کے حق میں ریاضتیں اور مجاہدے۔ پس جو کچھ دوسروں کے لیے وصول کا مانع ہے۔ وہ ان بزرگواروں کے لیے ممد و معاون ہے۔ عالم امر کی لامکانیت کو عین مکانیت تصور کر کے حقیقی لامکانی کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ اور اس عالم کی بے چونی کو عین چون جان کر بیچون حقیقی کی طرف ترقی کرتے ہیں۔ اسی واسطے دوسروں کی طرح وجد و حال کے غرور پر مفتون نہیں ہوتے۔ اور بچوں کی طرح اس راہ کے جوز و مویز پر فریفتہ نہیں ہوتے اور ترہات صوفیہ پر خوش نہیں ہوتے۔ اور شطحیات مشائخ پر فخر نہیں کرتے اور احدیت صرف کی طرف متوجہ ہیں اور اسم و صفت سے ذات مقدس کے سوا کچھ نہیں چاہتے۔

جاننا چاہیے کہ یہ عروج جو پہلے ذکر ہو چکا ہے محمدی المشرب کے ساتھ مخصوص ہے جو تام الاستعداد ہے اور جو عالم امر کے جواہر خمسہ کے کمالات سے حصہ رکھتا ہے۔ خواہ عالم صغیر ہو خواہ کبیر۔ اور ایسے ہی پنجگانہ اصول سے جو اسما وجوبی کے ظلال ہیں خط وافر رکھتا ہے اور ایسے ہی ان ظلال کے اصول سے جو اسما وصفات کا مقام ہے۔ بہرہ ور ہوتا ہے۔

اور یہ جو کہا ہے کہ تام الاستعداد ہو۔ وہ اس لیے کہا ہے کہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بظاہر محمدی المشرب کو کمالات اخفے ——— سے بھی جو مراتب امر کا نہایت ہے۔ حصہ حاصل ہوتا ہے۔ لیکن معاملہ اخفے کو انجام تک نہیں پہنچاتا۔ اور اس کے اخیری نقطہ تک منتہی نہیں ہوتا۔ بلکہ اسکی ابتدا یا وسط میں رہ جاتا ہے اور جب اخفیٰ میں کوتاہی کرے تو اس کے اندازہ کے موافق اس کے اصول میں بھی کوتاہی کرے گا اور کام کو انجام تک نہ پہنچائے گا۔ عالم امر کے باقی چارگانہ مراتب میں بھی یہی نسبت ہے کہ ہر مرتبہ کی استعداد کا کامل ہونا اس کے اخیری نقطہ تک پہنچنے سے وابستہ ہے۔ ابتدا اور وسط نقص کی خبر دیتا ہے اگرچہ نہایت سے بال کے برابر کم ہو ؎

فراق دوست اگر اندک است اندک نیست

درون دیدہ اگر نیم موست بسیار است

دوست کی جدائی اگر تھوڑی بھی ہو تو تھوڑی نہیں، آنکھ میں اگر آدھا بال پڑ جائے تو وہ بھی بہت ہے

اور یہ کوتاہی اصول اور اصولِ اصول میں سرایت کر جائے گی۔ اور مطلب تک پہنچنے سے روک دے گی اور یہ جو کہا ہے کہ یہ بیان محمدی المشرب کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس لیے کہا ہے کہ محمدی المشرب کے سوا کسی

ایک کا کمال درجاتِ ولایت میں سے اوّل درجہ تک ہی محدود ہوتا ہے۔ اور درجہ اوّل سے مراد مرتبہ قلب ہے۔ اور دوسرے کا کمال درجاتِ ولایت میں سے دوسرے درجہ یعنی مقام روح تک محدود ہوتا ہے۔ اور تیسرے شخص کے کمال کا عروج تیسرے درجے تک ہوتا ہے۔ جو مقام سر ہے۔ اور چوتھے شخص کے کمال کا عروج چوتھے درجے تک ہوتا ہے جو مقام خفی ہے۔ درجہ اوّل کی مناسبت صفاتِ افعال کی تجلی کے ساتھ ہے۔ اور درجہ دوم کی مناسبت صفاتِ ثبوتیہ ذاتیہ کی تجلّی سے۔ اور درجہ سوم کی مناسبت شیون و اعتبارات ذاتیہ کے ساتھ۔ اور درجہ چہارم کو صفات سلبیہ کے ساتھ جو تقدیس و تنزیہ کا مقام ہے، مناسبت ہے۔ اور درجاتِ ولایت میں سے ہر ایک درجہ انبیائے اولوالعزم میں سے ایک نبی کے قدم کے نیچے ہے۔

ولایت کا درجہ اوّل حضرت آدم علیٰ نبیّنا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قدم کے نیچے ہے، اس کا رب صفتِ التکوین ہے جو افعال کے صادر ہونے کا منشا ہے۔ اور درجہ دوم حضرت ابراہیم علیٰ نبیّنا و علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے زیر قدم ہے۔ اور حضرت نوح علیٰ نبیّنا و علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اس مقام میں مشارکت رکھتے ہیں۔ ان کا رب صفت العلم ہے جو صفات ذاتیہ میں سے اجمع ہے اور درجہ سوم حضرت موسیٰ علیٰ نبیّنا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زیر قدم ہے۔ اس کا رب مقام شیونات سے شان الکلام ہے۔ اور درجہ چہارم حضرت عیسیٰ علیٰ نبیّنا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زیر قدم ہے۔ اس کا رب صفات سلبیہ سے ہے جو مقام تقدیس و تنزیہ ہے نہ ثبوتیہ سے۔ اور اکثر ملائکہ کرام اس مقام میں حضرت عیسیٰ علیٰ نبیّنا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مشارکت رکھتے ہیں۔ اور ان کو اس مقام میں شان عظیم حاصل ہے۔ اور درجہ پنجم خاتم الرسل علیہ و علیہم الصلوٰۃ والسلام کے زیر قدم ہے۔ اس کا رب رب الارباب ہے جو صفات و شیونات و تقدیسات و تنزیہات کا جامع اور ان کمالات کے دائرہ کا مرکز ہے اور مرتبہ شیونات و صفات میں اس رب جامع کی تعبیر شان العلم کے ساتھ مناسب ہے۔ کیونکہ یہ شان عظیم الشان تمام کمالات کا جامع ہے۔ اسی مناسبت کے سبب سے آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملت حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملت ہوئی۔ اور ان کا قبلہ ان کا قبلہ بنا علیہم الصلوٰۃ والسلام۔

جاننا چاہیے کہ اقدام ولایت کا ایک دوسرے سے افضل ہونا درجوں کے مقدم و مؤخر ہونے کے اعتبار سے نہیں ہے۔ تاکہ صاحب اخفیٰ دوسروں سے افضل ہو۔ بلکہ اصل سے قریب و بعید ہونے اور درجات ظلال کی منزلوں کو زیادہ اور کم طے کرنے کے اعتبار سے ہے۔ پس ہو سکتا ہے کہ صاحب قلب اصل سے قریب ہونے کے اعتبار سے صاحب اخفیٰ سے جس کو یہ قرب حاصل نہیں۔ افضل ہو اور کیونکر نہ ہو جب کہ

نبی کی وہ ولایت جو ولایت کے درجہ اول میں ہے، اس ولی کی ولایت سے قطعی طور پر افضل ہے جو آخری درجہ میں ہے۔ پوشیدہ نہ رہے کہ لطائف کا مذکورہ بالا ترتیب کے ساتھ سلوک کرنا یعنی قلب سے روح اور روح سے سر اور سر سے خفی اور خفی سے اخفیٰ تک پہنچنا بھی محمدی المشرب کے ساتھ مخصوص ہے جو ترتیب وار ان پنجگانہ عالم امر کو تمام کر کے بترتیب ان کے اصول میں سیر کرتا ہے۔ بعد ازاں اصول اصول میں اسی ترتیب کو مدنظر رکھ کر کام کو سرانجام کرتا ہے۔ اور احدیت کی طرف متوجہ ہونے والوں کے لیے یہ راستہ اس مذکورہ بالا ترتیب سے وصول کے لیے شاہراہ اور صراط مستقیم ہے۔ برخلاف دوسری ولایتوں کے کہ ان میں گویا ہر درجہ سے نقب کھود کر مطلوب تک لے گئے ہیں۔ یعنی مقام قلب سے نقب کھود کر صفات افعال تک جو اس کی اصل کا اصل ہے لے گئے ہیں۔ اور اسی طرح مقام رُوح سے نقب کھود کر صفات ذاتیہ تک لے گئے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس۔ اور شک نہیں ہے کہ حق تعالیٰ کے افعال وصفات اس کی ذات سے منفک نہیں ہیں۔ اگر انفکاک ہے تو ظلال میں ہے۔ پس اس مقام میں افعال وصفات کے واصلوں کو بھی ذات بیچون تعالیٰ وتقدس کی تجلیات سے حصہ حاصل ہوگا۔ جس طرح کہ صاحب اخفیٰ کو اس کام کے تمام کرنے کے بعد یہ دولت میسر ہوگی۔ اگرچہ علو وسفل یعنی بلندی وپستی کے اعتبار سے تفاوت باقی رہے گا۔ اور صاحب قلب صاحب اخفیٰ کے ساتھ برابری نہ کر سکے گا۔ لیکن اس جگہ تو یہ غلطی نہ کرے کہ یہ تفاوت اولیا کے درمیان متصور رہے۔ کیونکہ مرتبہ کمال تک دونوں کے پہنچنے کے بعد ولایت قلب والا، ولایت اخفیٰ والے سے کم درجے کا ہے۔ لیکن اولیا اور انبیائے علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نسبت یہ تفاوت مفقود ہے۔ کیونکہ نبی کی ولایت جو مقام قلب سے خاص ہے۔ ولی کی ولایت سے جو مقام اخفیٰ سے ناشی ہوئی ہے افضل ہے۔ اگرچہ اس ولی نے اخفیٰ کے کمالات کو انجام تک پہنچایا ہو۔ اور اس صاحب ولایت کا سر اس ولایت کے نبی کے زیر قدم ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ۚ	بے شک ہمارے مُرسل بندوں کے لیے ہمارا
إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ۚ وَإِنَّ جُنْدَنَا	وعدہ ہو چکا کہ وہی فتح مند ہیں۔ اور وہی ہمارا لشکر
لَهُمُ الْغَالِبُوْنَ ۔[1]	غالب ہے۔

ہاں یہ تفاوت انبیا کے درمیان ایک دوسرے کے ساتھ متصور رہے۔ اور بلندی والا پستی والے سے افضل ہے۔ لیکن یہ تفاوت انبیائے علیہم الصلوٰۃ والسلام میں بھی عالم امر کے دائرہ کمالات کے آخر

[1] سورۃ الصافات، پارہ ۲۳۔

تک ہے۔ بعد ازاں یہ تفاضل اس بلندی و پستی پر منحصر نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس مقام میں اس پستی والا اس بلندی والے سے افضل ہو۔ جیسے کہ ہم نے اس مقام میں حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیٰ نبینا و علیہما الصلوٰۃ والسلام کے درمیان اس تفاوت کو مشاہدہ کیا ہے کہ حضرت موسیٰؑ اس مقام میں جسیم اور شان عظیم کے ساتھ ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسّلام کو یہ جسامت اور شان حاصل نہیں ہے۔

لیکن ہم نے معلوم کیا ہے کہ اس مقام میں یہ تفاوت اس بلندی و پستی کے سوا ایک اور امر کے سبب سے ہے۔ جس کو ہم ان شاء اللہ تعالیٰ احسن توفیق اور کمال منت اور کرم کے ساتھ اس کے بعد مفصل طور پر ابھی بیان کریں گے۔

اسی طرح یہ تفاوت حضرت خلیل الرحمٰن علیہ السلام اور حضرت خاتم الرُسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا باقی تمام پیغمبروں علیہم الصلوٰۃ والسّلام کے درمیان ان کے کمالات میں جو کعبہ ربّانی کی حقیقت کے ساتھ جو تمام حقائق بشریت اور ملکیت سے برتر ہے۔ تعلق رکھتے ہیں، مشاہدہ کیا کہ حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس جگہ وہ شان عظیم اور مرتبہ بلند حاصل ہے جو کسی اور کو میسر نہیں ہوا۔

اس مقام عجیب میں جو عظمت و کبریا کے پردوں کے ظہور کا مقام ہے اس مقام کے مرکز یعنی مقام اجمال کے کمالات حضرت خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نصیب ہیں۔ اور باقی سب مفصل طور پر حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے مسلم ہیں۔ اور باقی جس قدر انبیا اور کامل اولیا علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں، سب اس جگہ ان کے طفیلی ہیں۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس اجمال کی تفصیل طلب فرمائی ہے چنانچہ اپنے مسئولہ صلوات و برکات کو حضرت ابراہیم علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی صلوات و برکات کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ لیکن اس فقیر پر ظاہر کیا گیا ہے کہ ہزار سال کے بعد وہ تفصیل آپ کو بھی میسر ہو گئی۔ اور آپ کا سوال قبول ہوا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى جَمِيْعِ نِعْمَائِهٖ۔ اس پر اور تمام نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر ہے۔

اس مقام عالی کے کمالات تمام ولایتوں کے کمالات اور نبوت و رسالت کے کمالات سے برتر ہیں۔ اور کیونکر برتر نہ ہوں جب کہ یہی حقیقت انبیائے کرام اور ملائکہ عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی مسجود الیہ ہے اور اس فقیر نے رسالہ مبدء و معاد میں جو یہ لکھا ہے کہ حقیقت محمدی اپنے مقام سے عروج کر کے حقیقت کعبہ کے مقام تک جو اس سے برتر ہے پہنچ کر متحد ہو جاتی ہے۔ اور حقیقت محمدی اس جگہ حقیقت احمدی نام باقی ہے۔ کعبہ کی وہ حقیقت اس حقیقت کے ظلال میں سے ایک ظل ہے کہ یہ فقیر اس حقیقت کے عدم ظہور

کے وقت ان سب کو حقیقت سمجھتا تھا۔ اس قسم کے اشتباہ بہت واقع ہوتے ہیں کہ اصل کے ظاہر نہ ہونے کے وقت ظل کو اصل سمجھتا ہے اور اس کا نام حقیقت رکھتا ہے۔ یہی باعث ہے کہ ایک مقام چند مرتبہ ظاہر ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس مقام کے ظہورات اس مقام کے ظلال کے اعتبار سے ہیں۔ اصل میں اس مقام کی حقیقت وہی ہے جو مرتبہ اخیر میں ظاہر ہوئی ہے۔

اگر کہیں کہ یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ یہ مرتبہ اس کے ظہورات کا اخیری مرتبہ ہے تاکہ اس کو حقیقت سمجھا جائے تو میں کہتا ہوں کہ ظہورات سابق کی ظلیت کا علم حاصل ہونا۔ اس ظہور کی آخریت پر شاہد عدل ہے۔ کیونکہ یہ علم ظہورات سابقہ کے وقت حاصل نہیں ہے۔ بلکہ ہر ظہور کو حقیقت جانتا ہے۔ اور کسی کو ظلال خیال نہیں کرتا اگرچہ نہیں جانتا کہ ان حقائق کا اختلاف کہاں سے پیدا ہوا ہے۔ فافہم

اے فرزند! معارف سابقہ سے معلوم ہوا ہے کہ وہ کمالات جو عالم امر سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کمالات کے لیے جو عالم خلق کے متعلق ہیں مقدمات اور زینوں کی طرح ہیں۔ پہلے کمالات ظلیت سے خالی نہیں ہیں اور مقامات ولایت سے مخصوص ہیں۔ اور دوسرے کمالات نے ظلیت کی آمیزش سے جو اس نشأ دنیویہ کے ظہورات کے مناسب ہے۔ خالی ہو کر مقامات نبوت سے کامل حصہ حاصل کیا ہے۔ پس طریقت و حقیقت جو ولایت سے وابستہ ہیں۔ دونوں شریعت کے لیے جو مقام نبوت سے ناشی ہے، بمنزلہ خادموں کے ہیں۔ اور نبوت کے عروج کے لیے ولایت بمنزلہ زینہ کے ہے۔

اس بیان سے معلوم ہوا کہ وہ سیر جو بزرگانِ نقشبندیہ قدس سرہم نے اختیار کی ہے اور اس کو عالم امر سے شروع کیا ہے۔ نہایت ہی بہتر اور مناسب ہے۔ کیونکہ ادنیٰ سے (جو عالم امر ہے) اعلیٰ کی طرف (جو عالم خلق ہے) ترقی کرنی چاہیے۔ نہ کہ اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف۔ لیکن کیا کیا جائے یہ معما سب پر نہیں کھلا دوسروں نے صورت پر نظر ڈال کر عالم خلق کو پست دیکھا ہے۔ اور پستی سے شروع کر کے بلندئ صوری کی طرف ترقی کی ہے اور یہ نہیں سمجھے کہ اصل معاملہ دگرگوں ہے اور پستی حقیقت میں بلندی ہے اور بلندی پستی ہے۔ ہاں نقطہ آخر جو عالم خلق ہے نقطۂ اوّل سے کہ اصل الاصل ہے نزدیک ہوا ہوتا ہے۔ یہ قرب کسی اور نقطہ کو میسر نہیں ہوا۔ ع

کہ مستحق کرامت گناہ گار انند

گناہ گار مستحق کرامت ہیں۔

یہ دید چراغ نبوت سے مقتبس ہے۔ اور ارباب ولایت کو اس معرفت سے بہت کم حصہ حاصل ہوتا ہے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے عالم امر سے سیر شروع کیا ہے۔ اور حقیقت سے شریعت کی طرف آئے ہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اُن کامل اولیا کے لیے جن کا سیر انبیائے علیہم الصلوٰۃ والسلام کے سیر کے موافق ہوا ہے۔ ابتدا میں شریعت کی صورت ہے اور وسط میں طریقت و حقیقت جو ولایت سے تعلق رکھتی ہیں اور عالم امر کے مناسب ہیں۔ اور آخر میں شریعت کی حقیقت ہے۔ جو نبوت کا ثمرہ ہے۔

پس ثابت ہوا کہ طریقت و حقیقت کا حاصل ہونا شریعت کی حقیقت حاصل ہونے کے لیے مقدمہ ہے۔ پس اولیائے کامل کی ہدایت اور انبیائے رُسل کی ہدایت حقیقت ہے اور دونوں کی نہایت شریعت تو جس نے یہ کہا کہ اولیا کی ہدایت انبیا کی نہایت ہے اور اولیا کی ہدایت اور انبیا کی نہایت سے شریعت مراد رکھی ہے۔ اس کے کچھ معنی نہیں ہیں۔ چونکہ وہ بیچارا اصل حقیقت سے واقفیت نہ رکھتا تھا۔ اس لیے اس طرح کا سطحی کلام کہہ دیا۔ ان معارف کو اگرچہ کسی نے نہیں کہا بلکہ اکثر نے ان کے برخلاف کہا ہے۔ اور ادراک سے بعید معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن وہ منصف جو انبیائے علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بزرگی کی طرف نظر کرے اور شریعت کی عظمت اُس پر غالب ہو، اُمید ہے کہ ان اسرار غامضہ کو قبول کرے گا۔ اور اس قبول کو اپنے ایمان کی زیادت کا وسیلہ بنائے گا۔

اے فرزند! سُن لے کہ انبیائے علیہم الصلوٰۃ والسلام نے دعوت کو عالم خلق پر منحصر رکھا ہے:

بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ۔[1] اسلام کی بنا پانچ ہیں۔

اور چونکہ قلب کو عالم خلق سے زیادہ مناسبت تھی۔ اس لیے اس کی تصدیق کی بھی دعوت فرمائی اور قلب کے ماسوٰی کی نسبت کچھ نہ فرمایا۔ بلکہ اس کو مطروح فی الطریق (راستہ کے کوڑے کرکٹ) کی طرح سمجھا اور اس کو بے مطلب جانا۔ ہاں بہشت کی نعمتیں اور دوزخ کے رنج اور دیدار کی دولت اور حرمان کی بدبختی سب عالم خلق سے وابستہ ہیں۔ عالم امر کے ساتھ ان کو کچھ تعلق نہیں ہے۔ دوسرے وہ عمل جو فرض و واجب و سنت ہیں۔ ان کا بجا لانا قالب سے تعلق رکھتا ہے جو عالم خلق سے ہے۔ اور اعمال نافلہ عالم امر کا نصیب ہیں۔ پس وہ قرب جو ان اعمال کے ادا کرنے کا ثمرہ ہے اعمال کے اندازہ کے موافق ہوگا۔ پس ناچار وہ قرب جو فرائض کے ادا کرنے کا ثمرہ ہے عالم خلق کا نصیب ہے۔ اور وہ قرب جو ادائے نوافل کا ثمرہ ہے عالم امر کے نصیب ہے۔ اور شک نہیں کہ نفل فرض کے مقابلہ میں کسی گنتی میں نہیں ہیں۔ کاش کہ ان کے درمیان قطرہ اور دریائے محیط کی ہی نسبت ہوتی۔ بلکہ نفل کی سنت کے مقابلہ میں یہی نسبت ہے۔ اگرچہ سنت و فرض کے درمیان بھی قطرہ اور دریا کی نسبت ہے۔ پس دونوں قربوں کے درمیان تفاوت اس سے قیاس کرنا چاہیے اور عالم خلق کی زیادت عالم امر پر اس تفاوت سے سمجھ لینی چاہیے۔ اکثر لوگ چونکہ اس معنی سے بے نصیب ہیں۔

[1] بخاری و مسلم بروایت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ۔

فرائض کو خراب کرکے نوافل کی ترویج میں کوشش کرتے ہیں۔

صوفیہ خام ذکر و فکر کو ضروری سمجھ کر فرضوں اور سنتوں کے بجالانے میں سستی کرتے ہیں۔ اور چلّہ اور ریاضتیں اختیار کرکے جمعہ و جماعت کو ترک کر دیتے ہیں۔ اور نہیں جانتے کہ ایک فرض کا جماعت کیساتھ ادا کرنا ان کے ہزاروں چلّوں سے بہتر ہے۔ ہاں آداب شرعیہ کو مدنظر رکھ کر ذکر و فکر میں مشغول ہونا بہت ہی بہتر اور ضروری ہے۔

اور علمائے بے سرانجام بھی نوافل کی ترویج میں سعی کرتے ہیں اور فرائض کو خراب و ابتر کرتے ہیں مثلاً نماز عاشورا کو جو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسّلام سے صحت تک نہیں پہنچی، جماعت اور جمعیت تمام سے ادا کرتے ہیں۔ حالانکہ جانتے ہیں کہ فقہ کی روایتیں نفلی جماعت کی کراہت پر ناطق ہیں۔ اور فرضوں کے ادا کرنے میں سستی کرتے ہیں۔ ایسا کم ہے کہ فرض کو مستحب وقت میں ادا کریں۔ بلکہ اصل وقت سے تجاوز کر جاتے ہیں اور جماعت کی بھی چنداں قید نہیں رکھتے۔ جماعت میں ایک یا دو آدمیوں پر قناعت کرتے ہیں۔ بلکہ بسا اوقات تنہا ہی کفایت کرتے ہیں۔ جب اسلام کے پیشواؤں کا یہ حال ہو۔ تو پھر عوام کا کیا حال بیان کیا جائے۔ اس عمل کی کم بختی سے اسلام میں ضعف پیدا ہو گیا ہے۔ اور اسی فعل کی ظلمت سے بدعت و ہوا ظاہر ہو گئی ہے۔

اندکے پیش تو گفتم غم دل ترسیدم

کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

میں نے تھوڑا سا دل کا غم بیان کیا ہے مجھے ڈر ہے کہ تو دل آزردہ ہوگا۔ ورنہ باتیں بہت ہیں۔

نیز نوافل کا ادا کرنا ظلّی قرب بخشتا ہے۔ اور فرائض کا ادا کرنا قرب اصلی جس میں ظلّیت کی آمیزش نہیں ہے۔ ہاں وہ نوافل جو فرائض کی تکمیل کے لیے ادا کیے جائیں وہ بھی قرب اصل کے ممد و معاون ہیں اور فرض کے ملحقات میں سے ہیں۔ پس ناچار فرائض کا ادا کرنا عالم خلق کے مناسب ہے۔ جو اصل کی طرف متوجہ ہے۔ اور نوافل کا ادا کرنا عالم امر کے مناسب ہے جس کا منہ ظلّ کی طرف ہے۔ فرائض اگرچہ سب کے سب اصلی قرب بخشتے ہیں۔ لیکن ان میں سے افضل و اکمل نماز ہے۔ حدیث:

اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ۔[۱] نماز مومنوں کا معراج ہے۔

اور:

اَقْرَبُ مَا یَکُوْنُ الْعَبْدُ مِنَ الرَّبِّ فِی الصَّلٰوۃِ۔[۲] بندے کو زیادہ قرب نماز میں ہوتا ہے

---

۱ یہ حدیث صوفیہ میں مشہور ہے۔ ۲ مسلم، ابوداؤد، نسائی بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ۔

تو نے سنا ہوگا۔ وہ وقت خاص جو حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حاصل تھا جس کی تعبیر لِی مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ[1] سے کی ہے۔ فقیر کے نزدیک نماز ہی میں ہوا ہے۔ نماز ہی گناہوں کا کفارہ ہے۔ اور نماز ہی فحشا اور منکر سے روکتی ہے۔ وہ نماز ہی ہے جس میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی راحت ڈھونڈتے تھے۔ جیسے کہ آپ فرمایا کرتے تھے اَرِحْنِی[2] یَا بِلَالُ۔ (اے بلال مجھے آرام دے)، اور نماز ہی دین کا ستون ہے۔ اور نماز ہی کفر اور اسلام کے درمیان فرق ہے۔

اب ہم اصل بات کو بیان کرتے ہیں، اور عالم امر پر عالم خلق کی زیادت کی نسبت کچھ کہتے ہیں کہ عالم امر نے اسی جگہ پورا حظ لے لیا ہے اور مشاہدہ اور معاینہ حاصل کیا ہے۔ کل بہشت میں معاملہ عالم خلق کے ساتھ پڑے گا۔ اور بلا کیف دیدار اسی کو میسر ہوگا۔

اور نیز مشاہدہ کا متعلق وجوب کے ظلال میں سے ایک ظل ہے۔ اور آخرت میں واجب الوجود کا دیدار۔ پس جس قدر مشاہدہ اور رویت اور ظلیت اور اصلیت کے درمیان فرق ہے۔ اسی قدر فرق عالم امر و عالم خلق میں پہچان لے۔

اور نیز جان لے کہ مشاہدہ ولایت کا ثمرہ ہے اور رویت نبوت کا ثمرہ۔ جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تابعداری کے باعث عام تابعداروں کو بھی میسر ہوگی۔ اس بات سے ولایت و نبوت کے درمیان بھی فرق معلوم کرلے۔

تنبیہ:

جس عارف کو عالم امر کے ساتھ زیادہ مناسبت ہوگی۔ اس کا قدم کمالات ولایت میں زیادہ تر ہوگا اور جس کو عالم خلق کے ساتھ زیادہ مناسبت ہوگی، اس کا قدم کمالات نبوت سے بڑھ کر ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام ولایت میں قدم آگے رکھتے ہیں اور حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا قدم نبوت میں زیادہ تر ہے۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام میں عالم امر کی نسبت بلند ہے۔ جس کے باعث وہ روحانیوں سے مل گئے اور حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام میں عالم خلق کی جانب غالب ہے۔ جس کے باعث انہوں نے مشاہدہ پر کفایت نہ کر کے رویت بصر طلب فرمائی۔

کمالات نبوت میں انبیا کے اقدام کے متفاوت ہونے کا سبب جس کے بیان کرنے کا پہلے وعدہ کیا تھا۔ یہی ہے نہ کہ بعض لطائف کی بلندی اور بعض کی پستی جو کمالاتِ ولایت کے تفاوت میں معتبر ہے

[1] رسالہ قشیریہ میں یہ حدیث موجود ہے۔ [2] دار قطنی و ابو داؤد۔

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہُ الْمُلْہِمُ لِلصَّوَابِ۔ اللہ تعالیٰ بہتری کا الہام کرنے والا ہے۔

اے فرزند! چونکہ علوم نبوت یعنی شرائع و احکام قالب کے ساتھ زیادہ تعلق رکھتے ہیں اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بھی عالم خلق کے ساتھ زیادہ مناسبت ہے۔ اس لیے بعض نے گمان کیا ہے کہ نبوت مقامات قرب تک جو ولایت سے تعلق رکھتے ہیں۔ عروج کرنے کے بعد خلق کی دعوت کے لیے نزول کرنے سے مراد ہے۔ اور نہیں سمجھے کہ نہایت عروج اور غایت قرب اسی مقام میں ہے۔ اور وہ قرب جو پہلے حاصل ہوا تھا وہ اس قرب کے ظلال میں سے ایک ظل ہے۔ جو بعد کی صورت میں متصور ہوتا ہے۔ اور وہ عروج جو اوّل میسر ہوا تھا۔ وہ اس عروج کے عکسوں میں سے ایک عکس ہے جو بظاہر نزول دکھائی دیتا ہے۔ تو نہیں دیکھتا کہ دائرہ کا مرکز دائرہ کے محیط کی نسبت سب سے زیادہ بعید نقطہ ہے۔ حالانکہ حقیقت میں کوئی نقطہ مرکز کے سوا محیط کے زیادہ قریب نہیں ہے۔ کیونکہ محیط اس نقطہ اجمال کی تفصیل ہے اور یہ نسبت کسی اور نقطہ کو میسر نہیں۔ عوام ظاہر بین اس اقربیت کو نہیں پا سکتے۔ اس لیے اس نقطہ کے ابعد ہونے کا حکم کرتے ہیں۔ اور اس نقطہ کے اقرب ہونے کے حکم کو جہل مرکب تصور کرتے ہیں۔ اور اس حکم کے دینے والے کو جاہل اور احمق سمجھتے ہیں۔ وَاللّٰہُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰی مَا تَصِفُوْنَ۔ (اللہ تعالیٰ اس سے برتر ہے جو تم اس کی وصف بیان کرتے ہو۔

جاننا چاہیے کہ مطمئنہ شرح صدر حاصل ہونے کے بعد جو ولایت کبریٰ کے لوازم سے ہے اپنے مقام سے عروج فرما کر تخت صدر پر چڑھ جاتا ہے۔ اور وہاں تمکین و سلطنت حاصل کر لیتا ہے۔ اور ممالک قرب پر غلبہ پا لیتا ہے۔ یہ تخت صدر حقیقت میں ولایت کبریٰ کے عروج کے تمام مقامات سے برتر ہے۔ اس تخت پر چڑھنے والے کی نظر ابطن البطون کی طرف نفوذ کرتی ہے۔ اور غیب الغیب میں سرایت کر جاتی ہے۔ ہاں جو شخص بہت اونچے مکان پر چڑھ جائے اس کی نظر بھی بہت دور تک نفوذ کر جاتی ہے۔ اور اس مطمئنہ کی تمکین کے بعد عقل بھی اپنے مقام سے نکل کر اس سے مل جاتی ہے اور عقل معاد نام پاتی ہے۔ اور دونوں اتفاق بلکہ اتحاد سے اپنے کام کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

اے فرزند! اس مطمئنہ کے لیے اب مخالفت کی گنجائش اور سرکشی کی مجال نہیں رہی۔ اور پورے طور پر مقصود کے حاصل کرنے کے درپے ہے۔ رضائے پروردگار کے سوا اس کا کوئی ارادہ نہیں۔ اور حق تعالیٰ کی اطاعت و عبادت کے سوائے اس کا کچھ مطلب نہیں۔ سبحان اللہ! وہ امارہ جو اول بدترین خلائق تھا۔ اطمینان اور حضرت سبحان کی رضا حاصل ہونے کے بعد عالم امر کے لطائف کا رئیس ہو گیا اور اپنے ہمسروں کا سردار بن گیا۔

مخبر صادق علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام نے کیا سچ فرمایا ہے:

خِيَارُكُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُكُمْ فِي الْإِسْلَامِ إِذَا فَقِهُوا۔[1] جو لوگ جاہلیت میں تم سے اچھے تھے وہ اسلام میں بھی تم سے اچھے ہیں جب انہوں نے دین سمجھ لیا۔

اس کے بعد اگر خلاف اور سرکشی کی صورت ہے تو اس کا منشا اربع عناصر کی مختلف طبائع ہیں۔ جو قالب کے اجزا ہیں۔ یعنی اگر قوت غضبیہ ہے تو وہیں سے پیدا ہے۔ اور اگر شہویہ ہے تو وہیں سے ظاہر ہے۔ اور اگر خست و کمینہ پن ہے تو وہ بھی وہیں سے ہے۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ وہ تمام حیوانات جن میں نفس امارہ نہیں ہے۔ ان کو یہ اوصاف رذیلہ پورے اور کامل طور پر حاصل ہیں۔ پس ہو سکتا ہے کہ مراد اس جہاد اکبر سے جو حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْأَصْغَرِ إِلَى الْجِهَادِ الْأَكْبَرِ[2] ہم نے جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف رجوع کی جہاد با قالب ہو نہ کہ جہاد بانفس۔ جیسے کہ کہا گیا ہے۔ کیونکہ نفس اطمینان تک پہنچ چکا ہے۔ اور راضی و مرضی ہو گیا ہے۔ پس خلاف و سرکشی کی صورت اس سے متصور نہ ہوگی۔ اور اجزائے قالب سے خلاف و سرکشی کی صورت سے مراد ترک اولی اور امور مرخصہ کے ارتکاب اور ترک عزیمت کا ارادہ ہے نہ کہ اشیاء محرمہ کے ارتکاب اور ترک فرائض و واجبات کا ارادہ کہ یہ اس کے حق میں نصیب اعدا ہو چکا ہے۔

اے فرزند! عناصر اربعہ کے کمالات اگرچہ مطمئنہ کے کمالات سے برتر ہیں۔ جیسے کہ گزر چکا۔ لیکن مطمئنہ چونکہ مقام ولایت سے مناسبت رکھتا ہے اور عالم امر سے ملحق ہوا ہے۔ اس لیے صاحب سُکر ہے اور مقام استغراق میں ہے۔ اور اسی سبب سے اس میں مخالفت کی مجال نہیں رہی۔ اور عناصر کی مناسبت چونکہ مقام نبوت کے ساتھ زیادہ ہے۔ اس لیے صحو ان میں غالب ہے۔ اور اسی سبب سے بعض منافعوں اور فائدوں کے لیے جو ان سے متعلق ہیں مخالفت کی صورت ان میں باقی ہے۔ فافہم۔

جاننا چاہیے کہ منصب نبوت حضرت خاتم الرسل علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام پر ختم ہو چکا ہے۔ لیکن اس منصب کے کمالات سے تابعداری کے باعث آپ کے تابعداروں کو بھی کامل حصہ حاصل ہوا ہے۔ یہ کمالات طبقہ صحابہ میں زیادہ ہیں۔ اور تابعین اور تبع تابعین میں بھی اس دولت نے کچھ کچھ اثر کیا ہوا ہے۔ اس کے بعد یہ کمالات پوشیدہ ہو گئے ہیں۔ اور ولایت ظلی کے کمالات جلوہ گر ہوئے ہیں۔

---

[1] بخاری و مسلم شریف بروایت ابوھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

[2] اس حدیث کی تخریج و تحقیق مکتوب نمبر ۱۴۱ دفتر اول میں ہو چکی ہے۔

لیکن امید ہے کہ ہزار سال گزرنے کے بعد یہ دولت از سر نو تازہ ہو۔ اور غلبہ اور شیوع پیدا کرے۔ اور کمالات اصلیہ ظاہر ہوں۔ اور ظلیہ پوشیدہ ہو جائیں۔ اور حضرت مہدی علیہ الرضوان ظاہر و باطن میں اسی نسبت علیہ کو رواج دیں گے۔

اے فرزند! نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کامل تابعدار، تابعداری کے سبب جب کمالاتِ نبوت کو تمام کر لیتا ہے تو پھر وہ اگر اہل مناصب سے ہے تو منصب امامت سے اس کو سرفراز کرتے ہیں۔ اور جب ولایت کبریٰ کے کمالات کو تمام کر لیتا ہے اور اہل منصب سے ہوتا ہے۔ تو اس کو منصب خلافت سے مشرف کرتے ہیں۔ اور کمالاتِ ظلّی کے مقامات سے منصب امامت کے مناسب قطب ارشاد کا منصب ہے۔ اور منصب خلافت کے مناسب قطب مدار کا منصب گویا نیچے کے یہ دونوں مقام ان اوپر کے دونوں مقاموں کا ظلّ ہیں۔

شیخ محی الدین بن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک غوث بھی قطب مدار ہے ان کے نزدیک غوثیت کا علیحدہ مرتبہ نہیں ہے۔ لیکن جو فقیر کا اعتقاد ہے وہ یہ ہے کہ غوث قطب مدار نہیں ہے۔ بلکہ قطب اس سے بعض امور میں مدد لیتا ہے۔ اور ابدال کے مراتب مقرر کرنے میں بھی اس کا دخل ہے:

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔ یہ اللہ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

تذییل

وہ علوم و معارف جو نبوّت اور اس نبوت کی ولایت کے مقام کے مناسب ہیں۔ انبیائے علیہم الصلوٰۃ والسلام کے شرائع ہیں۔ اور چونکہ اقدام نبوت میں تفاوت ہے اس لیے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شرائع میں بھی اس تفاوت کے موافق اختلاف پیدا ہوا ہے۔ اور وہ معارف جو مقام اولیا کے مناسب ہیں۔ مشائخ کے شطحیات اور وہ علوم ہیں جو توحید و اتحاد کی خبر دیتے ہیں اور احاطہ و سریان اور قرب و معیّت کا پتہ بتاتے ہیں۔ اور مرآتیت و ظلیّت کو ظاہر کرتے ہیں۔ اور شہود و مشاہدہ ثابت کرتے ہیں۔ غرض انبیا کے معارف کتاب و سنت ہیں۔ اور اولیا کے معارف فصوص اور فتوحات مکیہ

ع۔ قیاس کن زگلستانِ من بہارِ مرا

میری بہار کا قیاس میرے باغ سے کر لو۔

اولیا کی ولایت حق کے قرب کی طرف سراغ لے جاتی ہے۔ اور انبیا کی ولایت حق تعالیٰ کی اقربیت کا نشان بتلاتی ہے۔ اولیا کی ولایت شہود کی طرف دلالت کرتی ہے۔ اور انبیا کی ولایت اس شہود کو

ثابت کرتی ہے، جس کی کیفیت مجہول ہے۔ اولیا کی ولایت اقربیت کو نہیں جانتی کہ کیا ہے اور جہالت کو نہیں پہچانتی کہ کیسی ہے اور انبیا کی ولایت باوجود اقربیّت کے قُرب کو عین بُعد جانتی ہے۔ اور شہود کو نفس غیب سمجھتی ہے۔ ع

گر بگویم شرح ایں بے حد شود

اگر میں اس کی شرح لکھوں تو وہ بے حد و بے حساب ہے

اے فرزند! کمالاتِ نبوت اور ولایت پر اس کی برتری اور ولایت سہ گانہ یعنی ولایتِ صغریٰ و ولایت کبریٰ و ولایت علیا کے درمیانی فرق اور ان میں سے ہر ایک کے مناسب علوم اور ہر ایک کے متعلق محل کا بیان طول طویل اس لیے کیا ہے۔ اور بار بار لمبے چوڑے فقرے اس واسطے بیان کیے گئے ہیں تاکہ کمال غرابت کے سبب لوگ ان کو فہم سے بعید نہ سمجھیں۔ اور کسی کو ان کے انکار کی مجال نہ رہے۔ یہ علوم کشفی اور ضروری ہیں، نہ کہ استدلالی اور نظری۔ اور ان میں بعض مقدمات کا ذکر عوام کے فہموں کی تنبیہ اور تقریب کے لیے ہے۔ بلکہ خواص کے ادراک کے لیے تبیین و تشریح ہے۔ یہ سب شروع سے اخیر تک اس طریقہ کا بیان ہے۔ جس طریقہ کے ساتھ حق تعالیٰ نے اس حقیر کو ممتاز کیا ہے اس کی بنیاد نسبت نقشبندیہ ہے۔ جس کی ابتدا میں دوسروں کی انتہا مندرج ہے۔ اسی بنیاد پر بہت سی عمارتیں اور کئی قسم کے محل بنائے گئے ہیں اگر یہ بنیاد نہ ہوتی معاملہ یہاں تک نہ پہنچتا۔ یعنی بخارا و سمرقند سے اس بیج کو لاکر زمین ہند میں جس کا خمیر یثرب و بطحا کی خاک سے ہے، لو دیا۔ اور فضل کے پانی سے کئی سالوں تک اس کو سیراب کیا اور احسان کی تربیت سے اس کی تربیت کی جب وہ کھیتی کمال تک پہنچ گئی، ان علوم و معارف کا ثمرہ اس سے حاصل ہُوا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَاۤ اَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ؕ	اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہم کو اس کی ہدایت دی۔ اگر وہ ہم کو ہدایت نہ دیتا تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے بے شک ہمارے رب کے رسول حق کے ساتھ آئے ہیں۔

جاننا چاہیے کہ اس طریقہ علیہ کا سلوک شیخ مقتدا کی محبت کے رابطہ پر وابستہ ہے جس نے سیر مرادی سے اس راہ کو طے کیا ہو۔ اور قوتِ انجذاب سے ان کمالات کے ساتھ رنگا ہوا ہو۔ اس کی نظر دلی امراض کو شفا بخشتی ہے اور اس کی توجہ باطنی مرضوں کو دور کرتی ہے۔ ان کمالات کا صاحب اپنے وقت کا امام اور اپنے زمانہ کا خلیفہ ہے۔ اقطاب و ابدال اس کے مقامات کے ظلال میں خوش ہیں۔

اور اوتاد و نجبا اس کے کمالات کے سمندر سے ایک قطرہ پر قناعت کیے بیٹھے ہیں۔ اس کی ہدایت و ارشاد کا نور اُس کے ارادہ و خواہش کے بغیر آفتاب کے نور کی طرح سب پر چمکتا ہے۔ پس کس طرح نہ چمکے جب کہ وہ خود چاہے۔ اگرچہ یہ خواہش اس کے اپنے اختیار میں نہ ہو۔ کیونکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ وہ کسی امر کی خواہش طلب کرتا ہے۔ لیکن وہ خواہش اس میں پیدا نہیں ہوتی۔ اور یہ بھی لازم نہیں کہ وہ لوگ جو اس کے نور سے ہدایت پائیں اور اس کے وسیلہ سے راہ راست پر آجائیں، اس بات کو جان لیں۔ بلکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ وہ اپنے رُشد و ہدایت کے اصل کو بھی کما حقہٗ نہیں جانتے۔ حالاں کہ شیخ مقتدا کے کمالات سے متحقق ہوتے ہیں۔ جن کے سبب جہان کو ہدایت کرتے ہیں۔ کیونکہ علم سب کو نہیں دیتے۔ اور سیر مقامات کی تفصیل کی معرفت سب کو نہیں بخشتے۔ ہاں وہ شیخ جس کے وجود شریف پر طرق وصول میں سے کسی خاص طریقہ کی بنا کا مدار ہے۔ بے شک صاحب علم اور سیر کی تفصیل سے آگاہ ہوتا ہے۔ اور دوسروں کو اسی کے علم پر کفایت کر کے اس کے ذریعے سے مرتبہ کمال و تکمیل تک پہنچاتے ہیں۔ اور فنا و بقا سے مشرف کرتے ہیں۔ ع

خاص کند بندۂ مصلحت عام را ٭

اللہ تعالیٰ ایک بندے کو مصلحت عام کے لیے خاص کر لیتا ہے

ہمارے اس طریق میں افادہ اور استفادہ انعکاسی اور انصباغی ہے۔ مرید محبت کے رابطہ سے جو وہ اپنے شیخ مقتدا کے ساتھ رکھتا ہے، دم بدم اس کا رنگ پکڑتا جاتا ہے۔ اور انعکاس کے طریق پر اس کے نور سے منور ہوتا جاتا ہے۔ اس صورت میں افادہ اور استفادہ میں علم کیا درکار ہے۔

خربزہ جو سورج کی گرمی سے دم بدم پکتا جاتا ہے اور کچھ زمانہ کے بعد پک جاتا ہے۔ اس کے لیے کیا ضرورت ہے کہ اس کو اپنے پک جانے کا علم ہو یا سورج کو اس کے پکانے کا علم ہو۔ ہاں اختیاری سلوک و تسلیک کے لیے جو دوسرے سلسلوں میں مربوط ہے علم کا اور ہمارے طریق میں جو اصحاب کرام علیہم السلام کا طریق ہے۔ سلوک و تسلیک کا علم کچھ درکار نہیں ہے۔ اگرچہ شیخ مقتدا جو اس طریقہ کے بانی کی طرح ہے کمال علم اور وفور معرفت سے متحقق ہے۔ پس ناچار اس طریقہ علیہ میں زندے اور مردے اور بوڑھے اور جوان اور بچے اور میانہ عمر والے سب وصول کے حق میں برابر ہوں گے۔ جو صاحب دولت کی محبت کے رابطے یا توجہ سے اپنے بلند مقصودوں تک پہنچتے ہیں:

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۔

یہ اللہ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

اور ادنا و نجبا اس کے کمالات کے سمندر سے ایک قطرہ پر قناعت کیے بیٹھے ہیں۔ اس کی ہدایت و ارشاد کا نور اُس کے ارادہ و خواہش کے بغیر آفتاب کے نور کی طرح سب پر چمکتا ہے۔ پس کس طرح نہ چمکے جب کہ وہ خود چاہے۔ اگرچہ یہ خواہش اس کے اپنے اختیار میں نہ ہو۔ کیونکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ وہ کسی امر کی خواہش طلب کرتا ہے۔ لیکن وہ خواہش اس میں پیدا نہیں ہوتی۔ اور یہ بھی لازم نہیں کہ وہ لوگ جو اس کے نور سے ہدایت پائیں اور اس کے وسیلے سے راہ راست پر آجائیں، اس بات کو جان لیں۔ بلکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ وہ اپنے رُشد و ہدایت کے اصل کو بھی کما حقہ نہیں جانتے۔ حالاں کہ شیخ مقتدا کے کمالات سے متحقق ہوتے ہیں۔ جن کے سبب جہان کو ہدایت کرتے ہیں۔ کیونکہ علم سب کو نہیں دیتے۔ اور سیر مقامات کی تفصیل کی معرفت سب کو نہیں بخشتے۔ ہاں وہ شیخ جس کے وجود شریف پر طرق وصول میں سے کسی خاص طریقہ کی بنا کا مدار ہے۔ بے شک صاحب علم اور سیر کی تفصیل سے آگاہ ہوتا ہے۔ اور دوسروں کو اسی کے علم پر کفایت کر کے اس کے ذریعے سے مرتبہ کمال و تکمیل تک پہنچاتے ہیں۔ اور فنا و بقا سے مشرف کرتے ہیں۔ ع

خاص کند بندۂ مصلحت عام را ٭

اللہ تعالیٰ ایک بندے کو مصلحت عام کے لیے خاص کر لیتا ہے

ہمارے اس طریق میں افادہ اور استفادہ انعکاسی اور انصباغی ہے۔ مرید محبت کے رابطہ سے جو وہ اپنے شیخ مقتدا کے ساتھ رکھتا ہے، دم بدم اس کا رنگ پکڑتا جاتا ہے۔ اور انعکاس کے طریق پر اس کے نور سے منور ہوتا جاتا ہے۔ اس صورت میں افادہ اور استفادہ میں علم کیا درکار ہے۔

خربزہ جو سورج کی گرمی سے دم بدم پکتا جاتا ہے اور کچھ زمانہ کے بعد پک جاتا ہے۔ اس کے لیے کیا ضرورت ہے کہ اس کو اپنے پک جانے کا علم ہو یا سورج کو اس کے پکانے کا علم ہو۔ ہاں اختیاری سلوک و تسلیک کے لیے جو دوسرے سلسلوں میں مربوط ہے علم کا اور ہمارے طریق میں جو اصحاب کرام علیہم السلام کا طریق ہے۔ سلوک و تسلیک کا علم کچھ درکار نہیں ہے۔ اگرچہ شیخ مقتدا جو اس طریقہ کے بانی کی طرح ہے کمال علم اور وفور معرفت سے متحقق ہے۔ پس ناچار اس طریقہ علیہ میں زندے اور مردے اور بوڑھے اور جوان اور بچے اور میانہ عمر والے سب وصول کے حق میں برابر ہوں گے۔ جو صاحب دولت کی محبت کے رابطے یا توجہ سے اپنے بلند مقصودوں تک پہنچتے ہیں:

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ ۚ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔ یہ اللہ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

لیکن جاننا چاہیے کہ منتہی اگرچہ صاحب علم نہیں ہوتا، لیکن خوارق کے ظہور سے اس کو چارہ نہیں ہوتا۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اس ظہور میں اُس کا اختیار نہیں ہوتا۔ بلکہ بسا اوقات اُس کو اس ظہور کا علم بھی نہیں ہوتا لوگ اس سے خوارق ظاہر ہوتے دیکھتے ہیں۔ لیکن اس کو ان کی اطلاع نہیں ہوتی۔

اور یہ جو کہا گیا ہے کہ منتہی صاحب علم نہیں ہوتا۔ اس عدم علم سے مراد احوال کا تفصیلی علم نہ ہونا ہے نہ کہ مطلق طور پر علم کا نہ ہونا۔ اس حیثیت سے کہ اپنے احوال کچھ نہیں سمجھتا ہے۔ جیسے کہ پہلے اس کی طرف اشارہ ہو چکا۔ اور اس کی ہدایت کا یہ نور اس کے مریدوں میں بالواسطہ یا بے واسطہ اس وقت تک جاری و ساری رہتا ہے۔ جب تک کہ اس کا طریق مخصوص تغیرات اور تبدیلات کی آلودگی سے آلودہ نہ ہو جائے۔ اور مخترعات اور مبتدعات کے ملنے سے خراب نہ ہو جائے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ۔[1] — اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا۔ جب تک وہ خود اپنی حالت کو نہ بدلیں۔

بڑے تعجب کی بات ہے کہ بعض لوگ ان تبدیلات کو اس طریقہ کی تکمیلات خیال کرتے ہیں۔ اور ان الحاقات کو اس نسبت کے تتمیمات تصور کرتے ہیں۔ اور یہ نہیں جانتے کہ اس کی تتمیم و تکمیل ہر بے سر انجام کا کام نہیں ہے۔ اور الحاق و اختراع ہر بے سر و سامان کے لائق نہیں ہے ؎

ہزار نکتۂ باریک تر زمو ایں جاست
نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

یہاں بال سے بھی باریک ہزار نکتہ ہے، ہر سر منڈا قلندری نہیں جانتا۔

سنت سنیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کے نور کو بدعتوں کے اندھیروں نے پوشیدہ کر دیا ہے۔ اور ملت مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی رونق کو امور محدثہ کی کدورتوں نے ضائع کر دیا ہے۔ پھر اس سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ بعض لوگ ان محدثات کو امور مستحسنہ جانتے ہیں اور ان بدعتوں کو حسنہ خیال کرتے ہیں۔ اور ان حسنات سے دین کی تکمیل اور ملت کی تتمیم ڈھونڈتے ہیں اور ان امور کے بجالانے میں ترغیبیں دیتے ہیں۔ خدائے تعالیٰ ان کو سیدھے راستہ کی ہدایت دے۔ دین تو ان محدثات سے پہلے ہی کامل اور نعمت تمام ہو چکا ہے اور حق تعالیٰ کی رضامندی اس سے حاصل ہو چکی ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ[2] — آج میں نے تمہارے دین کو کامل کر دیا۔ اور اپنی

[1] سورہ رعد، پارہ ۱۳۔
[2] سورہ مائدہ، پارہ ۶۔

عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِيْنًا۔ نعمت کو تم پر پورا کر دیا۔ اور تمہارے لیے دین اسلام پسند کیا۔

پس ان محدثات سے دین کا کمال طلب کرنا حقیقت میں اس آیت کریمہ کے مفہوم سے انکار کرنا ہے ؂

اندکے پیش تو گفتم غم دل ترسیدم
کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

میں نے دل کا غم تھوڑا سا بیان کیا ہے، ڈرتا ہوں کہ تو دل آزردہ ہو گا ورنہ باتیں بہت ہیں

علمائے مجتہدین نے احکام دین کو ظاہر کیا ہے۔ اور راز سر تو کسی ایسے امر کو ظاہر نہیں کیا جو دین میں سے نہیں ہے۔ پس احکام اجتہادیہ امور محدثہ میں سے نہیں ہیں۔ بلکہ اصول دین میں سے ہیں۔ کیونکہ اصل چہارم یہی قیاس ہے۔

اے فرزند! وہ معرفت جو رسالۂ مبدء و معاد میں اسی افادہ اور استفادہ کے بارہ میں جو قطب ارشاد سے تعلق رکھتا ہے لکھی گئی ہے۔ چونکہ اس مقام کے ساتھ مناسبت رکھتی تھی۔ اور بہت مفید تھی۔ اس لیے وہ معرفت اس مکتوب میں بھی لکھی گئی ہے۔ اسی جگہ سے اعتبار حاصل کریں۔ قطب ارشاد جو کمالات فردیہ کا بھی جامع ہوتا ہے۔ بہت عزیز الوجود اور نایاب ہے اور بہت سے قرنوں اور بے شمار زمانوں کے بعد اس قسم کا گوہر ظہور میں آتا ہے۔ اور عالم تاریک اس کے نور ظہور سے نورانی ہوتا ہے۔ اور اس کی ہدایت و ارشاد کا نور محیط عرش سے لے کر مرکز فرش تک تمام جہان کو شامل ہوتا ہے۔ اور جس کسی کو رشد و ہدایت اور ایمان و معرفت حاصل ہونا ہوتا ہے اسی کے ذریعے سے حاصل ہوتا ہے۔ اور اس کے وسیلہ کے بغیر کوئی شخص اس دولت کو نہیں پا سکتا۔ مثلاً اس کی ہدایت کے نور نے دریائے محیط کی طرح تمام جہان کو گھیرا ہوا ہے۔ اور وہ دریا گویا منجمد ہے۔ اور ہرگز حرکت نہیں کرتا۔ اور وہ شخص جو اس بزرگ کی طرف متوجہ ہے۔ اور اس کے ساتھ اخلاص رکھتا ہے۔ یا یہ کہ وہ بزرگ طالب کے حال کی طرف متوجہ ہے۔ تو توجہ کے وقت گویا طالب کے دل میں ایک روزن کھل جاتا ہے۔ اور اس راہ سے توجہ و اخلاص کے موافق اس دریا سے سیراب ہوتا ہے۔ ایسے ہی وہ شخص جو ذکر الٰہی کی طرف متوجہ ہے اور اس عزیز کی طرف بالکل متوجہ نہیں ہے۔ انکار سے نہیں بلکہ اس کو پہچانتا نہیں ہے۔ اس کو بھی یہ افادہ حاصل ہو جاتا ہے۔ لیکن پہلی صورت میں دوسری صورت کی نسبت افادہ بہتر اور بڑھ کر ہے۔ لیکن وہ شخص جو اس بزرگ کا منکر ہے یا وہ بزرگ اس سے آزردہ ہے۔ اگرچہ وہ ذکر الٰہی میں مشغول ہے۔ لیکن وہ

رشد و ہدایت کی حقیقت سے محروم ہے۔ یہی انکار و آزار اس کے فیض کا مانع ہو جاتا ہے۔ بغیر اس امر کے کہ وہ بزرگ اس کے عدم افادہ کی طرف متوجہ ہو یا اس کے ضرر کا قصد کرے۔ کیونکہ ہدایت کی حقیقت اس سے مفقود ہے۔ وہ صرف مرشد کی صورت ہے اور صورت بے معنی کچھ فائدہ نہیں دیتی۔ اور وہ لوگ جو اس عزیز کے ساتھ محبت و اخلاص رکھتے ہیں۔ اگرچہ توجہ مذکورہ اور ذکر الٰہی سے خالی ہوں۔ لیکن فقط محبت ہی کے باعث رشد و ہدایت کا نور ان کو پہنچ جاتا ہے۔ وَلٰکِنْ ھٰذِہِ الْمَعْرِفَۃِ اٰخِرُ الْمَکْتُوْبِ اور یہی معرفت مکتوب کا اخیر ہے ؎

بس کنم خود زیرکاں را ایں بس است
بانگ دو کردم اگر در دہ کس است

میں بس کرتا ہوں زیرک لوگوں کے لیے یہ کافی ہے۔ میں نے دو آوازیں دیدی ہیں اگر گاؤں میں کوئی ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَوَّلًا وَّ اٰخِرًا وَّالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ دَائِمًا وَّ سَرْمَدًا۔

اول و آخر اللہ رب العالمین کی حمد ہے اور حضرت رسول اللہ اور آپ کی آل پاک پر ہمیشہ صلوٰۃ و سلام ہو۔

مکتوب نمبر ۲۶۱

نماز کے فضائل اور معارف بلند اور حقائق ارجمند کے ضمن میں نماز کے مخصوصہ کمالات کے بیان میں سیادت مآب میر نعمان کی طرف صادر فرمایا:۔

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد میرے عزیز بھائی کو کہ خدا اُس کو ہدایت دے معلوم ہو کہ اسلام کے پانچ ارکان میں سے، نماز، دوسرا رکن ہے۔ نماز تمام عبادات کی جامع ہے اور جزو ہے جس نے جامعیت کے سبب سے کل کا حکم پیدا کیا ہے۔ اور تمام مقربہ اعمال سے برتر ہو گئی ہے۔ اور وہ دولتِ رویت جو سرورِ عالمیان صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو معراج کی رات بہشت میں میسر ہوئی تھی۔ دنیا میں نازل ہونے کے بعد اس جہان کے مناسب آپ کو وہ دولت نماز میں حاصل ہوئی۔ اسی واسطے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے:۔

اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ — نماز مومنوں کا معراج ہے۔

نیز فرمایا:۔

اَقْرَبُ مَا يَكُوْنُ الْعَبْدُ مِنَ الرَّبِّ فِي الصَّلٰوةِ۔ — سب سے زیادہ اعلیٰ قرب جو بندے کو رب سے ہوتا ہے وہ نماز میں ہے۔

اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کامل تابعداروں کو اس جہان میں اس دولت کا بہت سا حصہ نماز میں حاصل ہے۔ اگرچہ رویت میسر نہیں کیونکہ یہ جہان اس کی طاقت نہیں رکھتا۔ اگر نماز کا حکم نہ ہوتا چہرۂ مقصود سے نقاب کون کھولتا۔ اور طالب کو مطلوب کی طرف کون رہنمائی کرتا۔ نماز ہی غم زدوں کی غمگسار ہے اور نماز ہی بیماروں کے لیے راحت بخش ہے:

اَرِحْنِيْ يَا بِلَالُ۔ — راحت دے مجھے اے بلال۔

اسی ماجرا کی رمز ہے اور:

قُرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلٰوةِ۔ — نماز میں میری آنکھ کی ٹھنڈک ہے۔

میں اسی مطلب کی طرف اشارہ ہے۔ وہ ذوق و مواجید اور علوم و معارف اور مقامات و انوار اور تلوینات و تمکینات اور تجلیاتِ متکیفہ اور غیر متکیفہ اور ظہوراتِ متلونہ اور غیر متلونہ وغیرہ جو کچھ ان میں سے نماز کے سوا میسر ہوں۔ اور نماز کی حقیقت سے بے خبر ہونے کے باعث ظاہر ہوں۔ ان کا منشا ظلال و امثال بلکہ وہم و خیال ہیں۔

نمازی جو نماز کی حقیقت سے آگاہ ہے، نماز کے ادا کرنے کے وقت گویا عالم دنیا سے باہر نکل جاتا ہے اور عالم آخرت میں داخل ہو جاتا ہے۔ اس وقت اس دولت سے جو آخرت سے مخصوص ہے حصہ حاصل کر لیتا ہے۔ اور ظلیت کی آمیزش کے بغیر اصل کا فائدہ پا لیتا ہے۔ کیونکہ عالم دنیا کمالاتِ ظلی پر منحصر ہے۔ اور وہ معاملہ جو ظلال سے باہر ہے وہ آخرت سے مخصوص ہے۔ پس معراج سے چارہ نہ ہوگا۔ اور وہ مومنوں کے حق میں نماز ہے۔ یہ دولت اس امت کے ساتھ مخصوص ہے۔ جو اپنے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تابعداری کے سبب کہ شب معراج میں دنیا سے آخرت میں چلے گئے۔ اور بہشت میں پہنچ کر حق تعالیٰ کی رویت کی دولت سے مشرف ہوئے۔ اس کمال کے ساتھ مشرف ہوئے۔ اور اس سعادت سے فیضیاب ہوئے:

اَللّٰهُمَّ اَجْزِهٖ عَنَّا مَا هُوَ اَهْلُهٗ وَاَجْزِهٖ عَنَّا اَفْضَلَ مَا جَزَيْتَ نَبِيًّا عَنْ اُمَّتِهٖ وَاَجْزِ الْاَنْبِيَاءَ كُلَّهُمْ — یا اللہ تو ہماری طرف سے ان کو ایسی جزا دے جس کے وہ لائق ہیں اور اُن کو ہماری طرف سے اس سے افضل جزا دے جو تو نے اُمت کی طرف سے

له نسائی اور حاکم بروایت انس رضی اللہ عنہ۔

جَزَآءً خَيْرًا فَإِنَّهُمْ دُعَاةُ الْخَلْقِ إِلَى اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ وَهُدَاتُهُمْ إِلٰى لِقَآءِ اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ۔

کسی نبی کو دی اور ہماری طرف سے تمام انبیاء کو جزائے خیر عطا کر کیونکہ وہ سب کے سب خلق کو اللہ کی طرف بلانے والے اور اس کے لقا کی طرف اُن کو ہدایت دینے والے ہیں۔

اس گروہ میں سے بعض نے جن کو نماز کی حقیقت سے آگاہ نہ کیا۔ اور اس کے مخصوصہ کمالات پر اطلاع نہ بخشی۔ انہوں نے اپنی امراض کا علاج اور امور سے کیا۔ اور اپنی مرادوں کا حاصل ہونا اور اشیاء پر وابستہ جانا۔ بلکہ ان میں سے ایک گروہ نے نماز کو بے فائدہ اور دور از کار سمجھ کر اس کی بنیاد غیر اور غیریت پر رکھی۔ اور روزہ کو نماز سے افضل جانا۔

صاحب فتوحات مکیہ کہتا ہے کہ روزہ میں جو کھانے پینے کی ترک ہے، وہ صفات صمدیت سے تحقق ہونا ہے۔ اور نماز میں غیر و غیریت کی طرف آنا اور عابد و معبود کا جاننا ہے۔

اس قسم کی باتیں اہل سکر کے احوال میں سے مسئلہ توحید وجودی پر مبنی ہیں۔ اور ایسی باتوں کا بولنا نماز کی حقیقت سے بے خبر ہونے کے سبب ہے۔ بلکہ اس طائفہ میں سے جم غفیر یعنی بہت سے لوگوں نے اپنے اضطراب و بے قراری کی تسکین سماع و نغمہ و وجد و تواجد سے حاصل کی اور اپنے مطلوب کو نغمہ کے پردہ میں مطالعہ کیا۔ اسی واسطے رقص و رقاصی کو دیکھنا عادت بنالی۔ حالانکہ انہوں نے سُنا ہوگا کہ:

مَا جَعَلَ اللّٰهُ فِي الْحَرَامِ شِفَآءً۔[1] — اللہ تعالیٰ نے حرام میں شفا نہیں رکھی۔

ہاں: اَلْغَرِيْقُ يَتَعَلَّقُ بِكُلِّ حَشِيْشٍ وَحُبُّ الشَّيْءِ يُعْمِيْ وَيُصِمُّ۔ — ڈوبتے کو تنکے کا سہارا۔ اور کسی شے کی محبت اندھا اور بہرہ کر دیتی ہے۔

اگر نماز کے کمالات کی حقیقت کچھ بھی ان پر منکشف ہو جاتی تو ہرگز سماع و نغمہ کا دم نہ مارتے۔ اور وجد تواجد کو یاد نہ کرتے ع

چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

جب حقیقت کو نہ جان سکے تو افسانے کا راستہ اختیار کیا۔

اے برادر! جس قدر فرق نماز و نغمہ میں ہے۔ اسی قدر فرق نماز کے مخصوصہ کمالات اور نغمہ سے پیدا ہوئے ہوئے کمالات میں ہے:

اَلْعَاقِلُ تَكْفِيْهِ الْإِشَارَةُ — عاقل کو ایک ہی اشارہ کافی ہے۔

یہ وہ کمالات ہیں جو ہزار سال کے بعد وجود میں آئے ہیں۔ اور آخریت ہے جو اولیت کے رنگ

[1] حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں فرمایا کہ اس حدیث کو طبرانی نے حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً روایت کیا۔

میں ظاہر ہوتی ہے۔ شاید حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسی سبب سے فرمایا ہے کہ:

اَوَّلُهُمْ خَيْرٌ اَمْ اٰخِرُهُمْ۔ ان میں سے اوّل بہتر ہیں یا ان میں سے آخر۔

اور یہ نہ فرمایا کہ:

اَوَّلُهُمْ خَيْرٌ اَمْ اَوْسَطُهُمْ ان کے اوّل بہتر ہیں یا ان کے اوسط۔

کیونکہ آخر کو اوّل کے ساتھ زیادہ مناسبت دیکھی جو تردد کا محل ہے۔

اور دوسری حدیث میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اس امت میں سے بہترین اول میں آخر۔ اور درمیان میں کدورت و تیرگی ہے۔

ہاں اس اُمت کے متاخرین میں اگرچہ وہ نسبت بلند ہے لیکن قلیل بلکہ اقل ہے۔ اور متوسطوں میں وہ نسبت اگرچہ بلند نہیں ہے، لیکن کثیر بلکہ اکثر ہے:

وَلِكُلٍّ وِجْهَةٌ كَمِّيَّةً وَكَيْفِيَّةً ہر ایک کے لیے کمیت و کیفیت کے لحاظ سے ایک جہت ہے

لیکن اس نسبت کے اقل ہونے نے متاخرین کو درجہ بلند میں پہنچایا۔ اور سابقین کے ساتھ مناسبت دیکر خوشخبری دی۔ جیسے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے:

اَلْاِسْلَامُ بَدَءَ غَرِيْبًا وَسَيَعُوْدُ كَمَا بَدَءَ فَطُوْبٰى لِلْغُرَبَاءِ۔ اسلام غریب شروع ہوا، اور پھر ویسا ہی غریب ہو جائے گا۔ پس غرباء کو خوش خبری ہے۔

اور اس امت کی آخریت کا شروع آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے رحلت فرما جانے کے بعد الفِ ثانی یعنی دوسرے ہزار سال کی ابتدا ہے۔ کیونکہ الف یعنی ہزار سال کے گزرنے کو امور کے تغیر میں بڑی خاصیت ہے اور اشیا کی تبدیلی میں قوی تاثیر ہے۔ اور چونکہ اس امت میں نسخ و تبدیل نہیں ہے۔ اس لیے سابقین کی نسبت اُسی تروتازگی کے ساتھ متاخرین میں جلوہ گر ہوتی ہے اور الف ثانی میں ازسرنو شریعت کی تجدید اور ملّت کی ترقی فرمائی ہے۔ اس معنے پر حضرت عیسٰی علیٰ نبیّنا و علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت مہدی علیہ الرضوان دونوں عادل گواہ ہیں ؂

فیض روح القدس ار بازمدد فرماید
دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا می کرد!

روح القدس اگر پھر مدد فرمائے، تو دوسرے بھی وہ کر سکتے ہیں جو حضرت مسیح کرتے تھے۔

؂ مسلم و ابن ماجہ بروایت ابوہریرہ اور طبرانی بروایت سلمان فارسی اور امام احمد و ترمذی اور روافعی اور خطیب اور ابن عساکر وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ۔

اے برادر! یہ بات آج اکثر لوگوں کو ناگوار اور ان کے فہم سے دور معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اگر انصاف کریں اور ایک دوسرے کے علوم و معارف کا موازنہ کریں۔ اور احوال کی صحت و سقم علوم شرعیہ کی مطابقت اور عدم مطابقت سے ملاحظہ کریں۔ اور شریعت و نبوت کی تعظیم و توقیر دیکھیں کہ ان میں سے کس میں زیادہ تر ہے تو امید ہے کہ یہ تعجب ان کا جاتا رہے۔ اور یہ بات ان کو فہم سے دور معلوم نہ ہو۔

آپ نے دیکھا ہوگا کہ فقیر نے اپنی کتابوں اور رسالوں میں لکھا ہے کہ طریقت و حقیقت دونوں شریعت کے خادم ہیں۔ اور نبوت ولایت سے افضل ہے۔ اگرچہ اس نبی کی ولایت ہو اور یہ بھی لکھا ہے کہ کمالات ولایت کو کمالات نبوت کے ساتھ کچھ نسبت نہیں ہے کاش کہ ان کے درمیان قطرہ اور دریا کی سی نسبت ہوتی اس قسم کی بہت سی باتیں اس مکتوب میں جو طریقہ کے بیان میں اپنے فرزند کی طرف لکھا ہے خاص طور پر لکھی گئی ہیں وہاں سے ملاحظہ فرمالیں۔

اس گفتگو سے مقصود یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی نعمت کا اظہار ہو۔ اور اس طریقہ کے طالبوں کو ترغیب ہو نہ یہ کہ دوسروں پر اپنی فضیلت و بزرگی ثابت ہو۔ خدائے تعالیٰ کی معرفت اس شخص پر حرام ہے جو اپنے آپ کو کافر فرنگ سے بہتر جانے۔ تو پھر اس شخص کا کیا حال ہو جو بزرگانِ دین سے اپنے آپ کو افضل جانے

؎
وے چوں شہ ابر داشت از خاک ۔۔۔ سزد گر بگذرانم سر ز افلاک
من آں خاکم کہ ابر نو بہاری ۔۔۔ کند از لطف بر من قطرہ باری
اگر بر روید از تن صد زبانم ۔۔۔ چو سوسن شکر لطفش کے توانم

ہاں جب بادشاہ نے مجھے خاک سے اوپر اٹھایا تو لائق ہے کہ اپنا سر آسمان سے اوپر لے جاؤں۔ میں وہ خاک ہوں نو بہار کا بادل اپنی مہربانی سے مجھ پر برس رہا ہے۔ اگر میرے جسم پر سو زبانیں نکل آئیں تو بھی سوسن کی طرح میں اس کی مہربانی کا شکر کیسے کر سکتا ہوں۔

اس کے مطالعہ کے بعد اگر تم میں نماز کے سیکھنے اور اس کے مخصوص کمالات میں سے بعض کے حاصل کرنے کا شوق پیدا ہو۔ اور وہ شوق تم کو بے آرام کر دے۔ تو استخاروں کے بعد ان حدود کی طرف آ جائیں اور عمر کا کچھ حصہ نماز کے سیکھنے میں صرف کریں۔

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْهَادِيْ اِلٰى سَبِيْلِ الرَّشَادِ	اللہ تعالیٰ سیدھے رستے کی طرف ہدایت دینے والا ہے۔
وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى وَالْتَزَمَ	اور سلام ہو اُس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی
مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الصَّلٰوةُ	اور حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کو
وَالسَّلَامُ اَتَمُّهَا وَاَكْمَلُهَا	لازم پکڑا۔

مکتوب نمبر ۲۶۲

مولانا محب علی کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ ہمارا ارتباط حُبّی اور ہماری نسبت انعکاسی ہے۔ اور قرب و بُعد میں کچھ فرق نہیں رکھتی۔ اور اس کے مناسب بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ تمام تعریفیں اللہ کے لیے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

آپ کا صحیفہ شریفہ جو التفات و توجہ سے لکھا ہُوا تھا اس کے پہنچنے سے خوشی حاصل ہوئی۔ اور چونکہ فرط محبت اور کمال اختصاص سے بھرا ہُوا تھا اس لیے فرحت پر فرحت حاصل ہوئی۔ آپ نے سابقہ عہد کے پُورا کرنے کے لیے لکھا ہُوا تھا۔

میرے مخدوم! اوضاع شرعیہ میں سے جس وضع پر آپ رہیں کچھ مضائقہ نہیں بشرطیکہ رشتہ محبت نہ ٹوٹ جائے۔ بلکہ دن بدن قوت پیدا کرے۔ اور اس اشتیاق کی چنگاری سرد نہ ہو جائے۔ بلکہ ہر گھڑی زیادہ بھڑکتی جائے۔ کیونکہ ہمارا ارتباط حُبّی ہے۔ اور ہماری نسبت انعکاسی اور انصباغی ہے۔ اور جلدی اور دیر اور طریق کے بعض خصوصیات کا علم ہونے اور نہ ہونے کے سوا قرب و بعد میں کچھ فرق نہیں رکھتی اس معنی کی تحقیق اس مکتوب کے خاتمہ سے جو اپنے فرزند ارشد کے نام طریق کے بیان میں لکھا ہے، طلب فرمائیں۔ اس مکتوب کی نقل برادرم سیادت پناہ میر محمد نعمان کے دوست لے گئے ہیں۔ وہاں سے منگوا لیں۔ زیادہ طول کلام کیا کی جائے۔ والسلام

مکتوب نمبر ۲۶۳

جناب معارف آگاہ میاں تاج الدین کی طرف صادر فرمایا:

ان معارف کے بیان میں جو کعبۂ ربانی کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ اور نماز کے فضائل اور اس کے مناسب بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ تمام تعریفیں اللہ کے لیے اور اس کے برگزیدہ

الَّذِیْنَ اصْطَفٰی - ان بندوں پر سلام ہو -

آپ کے قدوم مسرت لزوم یعنی تشریف آوری کی خوشخبری سن کر مشتاق دوستوں کو بہت خوشی حاصل ہوئی - اس پر اللہ کی حمد اور اس کا احسان ہے ؎

انصاف بدہ اے فلک مینا فام ۔۔۔ تازیں دو کدام خوب تر کرد خرام

خورشید جہاں تاب تو از جانب شرق ۔۔۔ یا ماہ جہاں گرد من از جانب شام

اے مینا فام آسمان تو ہی انصاف کر کہ ان دونوں میں سے کس کا آنا زیادہ بہتر ہے - تیرے سورج کا مشرق سے طلوع ہونا یا میرے معشوق کا شام کے وقت تشریف لانا -

جب آپ نے قدم رنجہ فرمایا ہے تو جلدی تشریف لائیں - کیونکہ مشتاق مدت سے منتظر ہیں - اور بیت اللہ کے حالات سننے کی آرزو رکھتے ہیں - فقیر کے نزدیک جس طرح کعبہ کی صورت کیا، فرشتے کیا - بشر تمام خلائق کی صورتوں کے لیے مسجود الیہ ہے اسی طرح اس کی حقیقت بھی ان صورتوں کی حقائق کے لیے مسجود الیہ ہے - اسی لیے لازماً وہ حقیقت تمام حقائق سے برتر ہے - اور اس کے متعلقہ کمالات تمام حقائق کے متعلقہ کمالات سے بڑھ کر ہیں - گویا یہ حقیقت حقائق کونی اور حقائق الٰہی کے درمیان برزخ ہے - حقائق الٰہی سے مراد عظمت و کبریا کے پردے ہیں جن کے پاک دامن کو کوئی رنگ و کیفیت نہیں لگی - اور کسی ظلیت نے ان کی طرف راہ نہیں پایا - دنیوی عروجات اور ان کے ظہورات کی نہایت حقائق کونی کے انتہا تک ہے - اور حقائق الٰہی سے کامیاب ہونا آخرت پر مخصوص ہے - ہاں نماز میں جو مومن کا معراج ہے - اور اس معراج میں گویا دنیا سے نکل کر آخرت میں چلا جاتا ہے - اس حظ میں سے جو آخرت کو میسر ہوگا کچھ حصہ حاصل ہو جاتا ہے -

میں خیال کرتا ہوں کہ نماز میں اس دولت کے حاصل ہونے کا عمدہ ذریعہ کعبہ کی طرف جو حقائق الٰہی جل شانہ کے ظہورات کا مقام ہے - نمازی کا توجہ کرنا ہے - پس کعبہ دنیا میں ایک اعجوبہ ہے جو صورت میں دنیا سے ہے لیکن حقیقت میں آخرت سے ہے - اور نمازنے بھی اس کے وسیلہ سے یہ نسبت پیدا کر لی ہے اور صورت و حقیقت میں دنیا و آخرت کی جامع ہے - اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ وہ حالت جو نماز کے ادا کرنے کے وقت میسر ہوتی ہے - ان تمام حالات سے جو نماز کے سوا حاصل ہوں بلند تر ہے - کیونکہ وہ حالات اگرچہ اعلیٰ سے اعلیٰ ہوں - دائرہ ظل سے باہر نہیں ہیں - اور یہ حالت اصل سے حصہ رکھتی ہے - پس جس قدر اصل اور ظل کے درمیان فرق ہے - اسی قدر ان حالات اور اس حالت کے درمیان فرق ہے - اور مشاہدہ میں آتا ہے کہ وہ حالت جو اللہ تعالیٰ کی عنایت سے موت کے وقت ظاہر ہوگی - وہ نماز کی حالت سے برتر ہوگی - کیونکہ موت احوال آخرت کے مقدمات سے ہے - اور جو حالت

آخرت کے زیادہ نزدیک ہے وہ زیادہ اتم و اکمل ہے۔ کیونکہ اس جگہ صُورت کا ظہور ہے اور وہاں حقیقت کا ظہور۔ پس دونوں میں کس قدر فرق ہے۔ اور ایسے ہی وہ حالت جو اللہ جل شانہٗ کے کرم و فضل سے برزخ صُغریٰ یعنی قبر میں مُیسّر ہوگی۔ اس حالت سے جو موت کے وقت مُیسّر ہوگی، بڑھ کر ہوگی۔ اور برزخ کبریٰ یعنی روز قیامت کو کہ جہاں کا مشہُود اتم و اکمل ہے، برزخ صُغریٰ کے ساتھ یہی نسبت ہے۔ اور اسی طرح برزخ کبریٰ کی مشہُود کی نسبت جنات النعیم کا مشہُود اتم و اکمل ہے۔ اور تمام مقامات سے بلند تر وہ مقام ہے جس کی نسبت مخبر صادق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبر دی ہے اور فرمایا ہے کہ:

اِنَّ لِلّٰهِ جَنَّةً لَيْسَ فِيْهَا حُوْرٌ وَّلَا قُصُوْرٌ يَتَجَلّٰى فِيْهَا رَبُّنَا ضَاحِكًا۔ — اللہ تعالیٰ کی ایک جنت ہے جس میں نہ حور ہے اور نہ کوئی محل۔ اس میں اللہ تعالیٰ ہنستے ہوئے تجلی فرمائے گا۔

پس تمام ظہورات میں سے ادنیٰ ظہور دنیا و مافیہا ہے۔ اور ان ظہورات میں سے اعلیٰ جنت۔ بلکہ دنیا بالکل ظہور کا مقام نہیں ہے وہ ظلی ظہورات اور مثالی نمائش جو دنیا کے ساتھ مخصوص ہیں۔ فقیر کے نزدیک سب امورِ دُنیا میں شمار ہیں۔ اور حقیقت میں وہ ظہورات خواہ تجلیات صفات ہوں خواہ تجلیات ذات ہوں۔ سب دائرہ مکان میں داخل ہیں:

تَعَالَى اللّٰهُ عَمَّا يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا۔ — اللہ تعالیٰ اس بات سے جو ظالم کہتے ہیں بہت بلند ہے۔

فقیر جب دُنیا کو پُورے طور پر ملاحظہ کرتا ہے تو محض خالی پاتا ہے۔ اور مطلوب کی کچھ بُو اس کے دماغ میں نہیں پہنچتی۔

حاصل کلام یہ ہے کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ اس جگہ مطلوب کو ڈھونڈنا اپنے آپ کو پریشان کرنا یا مطلوب کے غیر کو مطلوب جاننا ہے۔ چنانچہ اکثر لوگ اس میں گرفتار ہیں۔ اور خواب و خیال میں آرام کیے ہوئے ہیں۔ اس مقام میں صرف نماز ہی ہے جو اصل سے کچھ حصہ رکھتی ہے اور مطلوب کی بو لاتی ہے وَدُوْنَهٗ خَرْطُ الْقَتَادِ۔ اس کے سوا بے فائدہ رنج ہے۔

مکتوب نمبر ۲۶۴

میر سید باقر سہارنپوری کی طرف صادر فرمایا:۔

اس بیان میں کہ اپنے معاملہ کو حیرت و جہالت میں سے جاننا چاہیے۔ اور احوال و کشوف پر بھروسہ نہ کرنا چاہیے۔ اور اس کے ضمن میں اس واقع کا ذکر اور تعبیر بیان کی ہے۔ جو گرد و نواح کے مشائخ میں سے کسی شیخ نے ظاہر کیا تھا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

آپ کا صحیفہ شریفہ جو بڑی محبت اور کمال اشتیاق سے صادر فرمایا تھا، پہنچا۔ اور بڑی خوشی حاصل ہوئی۔ آپ اپنے کام کی طرف متوجہ رہیں۔ اور اسماء و صفات کے ملاحظہ کے بغیر ذکر اسم ذات تعالیٰ میں مشغول رہیں۔ یہاں تک کہ معاملہ جہالت تک پہنچ جائے اور کام حیرت تک انجام پائے کیونکہ اسماء و صفات کا ملاحظہ اکثر اوقات احوال کے ظاہر ہونے کا باعث اور مواجید کے صادر ہونے کا سبب ہو جاتا ہے اور آپ نے سنا ہوگا کہ احوال و مواجید میں خطا کا بہت احتمال ہے۔ اور اس مقام میں حق باطل کے ساتھ بہت ملا رہتا ہے۔

اور واضح ہو کہ انہی دنوں میں گرد و نواح کے مشائخ میں سے ایک شیخ نے اس فقیر کی طرف پیغام بھیجا اور اپنا احوال ظاہر کیا کہ فنا و محویت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ جس طرف نظر کرتا ہوں۔ کچھ نہیں دیکھتا ہوں اور زمین و آسمان کی طرف جب نگاہ کرتا ہوں۔ اور عرش و کرسی کی طرف جب دیکھتا ہوں تو ان کو بھی کچھ نہیں پاتا ہوں۔ اور اپنے آپ کو بھی جب ملاحظہ کرتا ہوں کچھ نہیں پاتا ہوں اور اگر کسی کے پاس جاتا ہوں تو اس کو بھی کچھ نہیں پاتا ہوں۔ اور خدائے تعالیٰ بے نہایت ہے اس کی نہایت کو کسی نے نہیں پایا ہے۔ اور مشائخ نے اسی کو کمال سمجھا ہے۔ اگر تو بھی اسی کو کمال جانتا ہے تو پھر میں طلب حق کے لیے تیرے پاس کس لیے آؤں۔ اور اگر کسی اور امر کو کمال جانتا ہے تو لکھ۔

فقیر نے اس کے جواب میں لکھا کہ یہ احوال قلب کے تلوینات میں سے ہیں۔ اور قلب اس راہ کا پہلا زینہ ہے۔ اور ان احوال کے صاحب نے ابھی مقام قلب سے صرف چوتھا حصہ ہی طے کیا ہے تین حصے اور قلب سے اُس کو طے کرنے چاہییں۔ بعد ازاں دوسرے زینہ پر جو روح سے مراد ہے جہاں تک خدائے تعالیٰ چاہے عروج کرنا چاہیئے۔

اس ماجرا سے کچھ مدت کے بعد فقیر کے دوستوں میں سے ایک دوست نے جو طریقہ اخذ کر کے اپنے وطن کو گیا ہوا تھا۔ جب واپس آ کر حال بیان کیا تو معلوم ہوا کہ اس کا حال اس شیخ کے حال کے موافق ہے جس کا حال دریافت کیا گیا تھا۔ بلکہ یہ دوست اس مقام میں اس شیخ سے قدم آگے رکھتا ہے۔ اور

جب اچھی طرح اس کے حال کا ملاحظہ کیا گیا تو ظاہر ہوا کہ اس کی یہ فنا و محویت عنصر ہوا میں ہے۔ جو ذرات سے ہر ذرہ کو محیط ہے۔ اور ہوا کے سوا کوئی اور امر مشہود نہیں ہے۔ اور اسی کو اس نے خدا سمجھ لیا ہے تَعَالَى اللّٰهُ سُبْحٰنَهٗ عَنْ ذٰلِكَ عُلُوًّا كَبِيْرًا۔ اللہ تعالیٰ اس بات سے بہت بلند ہے

دوسری دفعہ اس کو بلا کر پھر اس کے احوال کی تفتیش کی تو یقین ہو گیا کہ اس کی گرفتاری عنصر ہوا کے سوا کسی اور امر کے ساتھ نہیں ہے۔ اور اس کو بھی اس بات پر مطلع کیا۔ اور جب اس نے اپنے وجدان کی طرف رجوع کیا تو اس نے بھی معلوم کر لیا کہ ہوا کے سوا مجھے کچھ حاصل نہیں ہے۔ اس وقت اس نے ان احوال سے توبہ کی اور قدم آگے بڑھایا۔

جاننا چاہیئے کہ عالم خلق یعنی عالم عناصر اربعہ اور عالم ارواح کے درمیان قلب بمنزلہ برزخ کے ہے اور دونوں عالم کا رنگ رکھتا ہے۔ گویا قلب کا نصف حصہ عالم خلق سے ہے اور اس کا دوسرا نصف حصہ عالم ارواح سے ہے۔ اور جب اس کے عالم خلق والے نصف حصہ کو پھر نصف کریں تو معاملہ عنصر ہوا پر جا پڑے گا۔ پس قلب کا چوتھا حصہ مقام ہوا سے مراد ہے۔ جس کو قلب شامل ہے۔ پس یہ جو آخر ظاہر ہوا جواب اول کے موافق ہے۔ اور اس کی حقیقت کے کشف کا بیان ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ۔

اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہم کو اس کی ہدایت دی اگر وہ ہم کو ہدایت نہ دیتا تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے بیشک ہمارے رب کے رسول حق بات لائے ہیں۔

اس سے زیادہ لکھنا وقت کے مناسب نہ تھا۔

وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلٰى سَآئِرِ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰى عَلَيْهِ وَعَلٰٓى اٰلِهٖ مِنَ الصَّلَوَاتِ اَفْضَلُهَا وَمِنَ التَّسْلِيْمَاتِ اَكْمَلُهَا

اور سلام ہو آپ پر اور ان سب پر جنہوں نے ہدایت اختیار کی اور حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑا۔

مکتوب نمبر ۲۶۵

شیخ عبدالهادی بدایونی کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ عزلت اور گوشہ نشینی کے اختیار کرنے میں چاہیے کہ مسلمانوں کے حقوق ضائع نہ ہوں۔ اور حقوق اور اس کے مناسب بیان میں۔

حمد وصلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد واضح ہو کہ میرے سعادت مند بھائی کا مکتوب مرغوب پہنچا۔ بہت خوشی کا موجب ہوا۔

اللہ تعالیٰ کی حمد اور اُس کا احسان ہے کہ مفارقت اور جُدائی کے زمانہ دراز نے محبت و اخلاص اور دوستی و اختصاص میں کچھ تاثیر نہیں کی۔ باوجود اس کے اگر آپ تشریف لے آتے تو بہت ہی مناسب ہوتا۔

وَالْخَيْرُ فِيْمَا صَنَعَ اللّٰهُ تَعَالٰى — اور بہتری اسی میں ہے جو اللہ تعالیٰ کرے۔

آپ نے گوشہ نشینی کی خواہش ظاہر کی تھی۔ ہاں بے شک گوشہ نشینی صدیقین کی آرزو ہے۔ آپ کو مبارک ہو۔ آپ عزلت و گوشہ نشینی اختیار کریں۔ لیکن مسلمانوں کے حقوق کی رعایت ہاتھ سے نہ جانے دیں۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ خَمْسٌ رَدُّ السَّلَامِ وَعِيَادَةُ الْمَرِيْضِ وَاتِّبَاعُ الْجَنَائِزِ وَاِجَابَةُ الدَّعْوَةِ وَتَشْمِيْتُ الْعَاطِسِ۔[1]

مسلمان کے حق مسلمان پر پانچ ہیں، سلام کا جواب دینا، بیمار پرسی کرنا، جنازہ کے ساتھ چلنا، دعوت کا قبول کرنا اور چھینک کا جواب دینا۔

لیکن دعوت کے قبول کرنے میں چند شرائط ہیں۔

احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ اگر طعام مشتبہ ہو یا دعوت کا مکان اور وہاں کا فرش حلال نہ ہو۔ یا وہاں ریشمی فرش اور چاندی کے برتن ہوں۔ یا چھت یا دیوار پر حیوانوں کی تصویریں ہوں۔ یا باجے یا سماع کی کوئی چیز موجود ہو۔ یا کسی قسم کی لہو ولعب اور کھیل کود کا شغل ہو یا غیبت اور بہتان اور جھوٹ کی مجلس ہو تو ان سب صورتوں میں دعوت کا قبول کرنا منع ہے۔ بلکہ یہ سب امور اس کی حرمت اور کراہت کا موجب ہیں۔ اور ایسے ہی اگر دعوت کرنے والا ظالم یا فاسق یا مبتدع یا شریر یا تکلف کرنے والا یا فخر و مباہات کا طالب ہے تو اس صورت میں بھی یہی حکم ہے۔

اور شرعۃ الاسلام[2] میں ہے کہ ایسے طعام کی دعوت قبول نہ کریں جو ریا و اپنی شہرت کے لیے تیار کیا گیا ہو۔

اور محیط[3] میں ہے کہ جس بساط پر لہو و لعب یا سرود کا سامان ہو۔ یا لوگ غیبت کرتے اور شراب

---

[1] بخاری و مسلم شریف۔

[2] یہ کتاب امام محمد بن ابوبکر معروف بہ امام زادہ رحمۃ اللہ حنفی متوفی ۵۷۳ھ کی تصنیف ہے۔

[3] یہ کتاب امام رضی الدین محمد بن محمد سرخسی کی تصنیف ہے۔

پیتے ہوں تو وہاں بیٹھنا نہیں چاہیے۔ جیسے کہ مطالب المومنین میں ہے۔

اگر یہ سب موانع موجود نہ ہوں تو دعوت کے قبول کرنے سے چارہ نہیں ہے۔ لیکن اس زمانہ میں ان موانع کا مفقود ہونا دشوار ہے۔ اور نیز جان لیں کہ ع

عزلت از اغیار باید نہ زیار۔

عزلت اغیار سے چاہیے اپنوں سے نہیں۔

کیونکہ ہم رازوں کے ساتھ صحبت رکھنا اس طریقۂ علیہ کی سنّت مؤکدہ ہے۔

حضرت خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ ہمارا طریق صحبت ہے۔ کیونکہ خلوت میں شہرت ہے اور شہرت میں آفت۔ اور صحبت سے مراد موافقانِ طریقت کی صحبت ہے نہ کہ مخالفانِ طریقت کی کیونکہ ایک کا دوسرے میں فانی ہونا صحبت کی شرط ہے جو بغیر موافقت کے میسّر نہیں ہوتا۔ اور مریض کی عیادت سنّت ہے۔ اگر اس مریض کا کوئی شخص خبر گیر ہے اور اس کی بیمار پُرسی کرتا ہے۔ ورنہ اس بیمار کی بیمار پرسی واجب ہے۔ جیسے کہ حاشیہ مشکوٰۃ[1] میں کہا ہے۔ اور نماز جنازہ میں حاضر ہونے کے لیے کم از کم چند قدم جنازہ کے پیچھے چلنا چاہیے تاکہ میّت کا حق ادا ہو جائے۔ اور جمعہ و جماعت و نماز پنج گانہ اور نماز عیدین میں حاضر ہونا ضروریات اسلام سے ہے ان سے چارہ نہیں اور باقی اوقات کو تبتل و انقطاع میں بسر کریں۔ لیکن چاہیے کہ اوّل نیت کو درست کریں۔ اور گوشہ نشینی کو دنیا کی کسی غرض سے آلودہ نہ کریں اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ باطنی جمعیت کے حاصل ہونے اور لاطائل اور بے فائدہ اشغال سے منہ موڑنے کے سوا عزلت سے اور کچھ مقصود نہ ہو۔ اور نیت کے درست کرنے میں بڑی احتیاط کریں ایسا نہ ہو کہ اس کے ضمن میں کوئی نفسانی غرض پوشیدہ ہو۔ اور نیّت کے درست کرنے میں التجا و تضرع اور عجز و انکسار بہت کریں۔ تاکہ نیت کی حقیقت میسّر ہو جائے اور سات استخارے ادا کر کے درست نیّت کے ساتھ عزلت اختیار کریں۔ امید ہے کہ بڑے بڑے فائدے اس پر مترتب ہوں گے۔ باقی احوال کو ملاقات پر موقوف رکھا ہے۔ والسّلام

مکتوب نمبر ۲۶۶

اپنے پیرزادوں یعنی خواجہ عبداللہ اور خواجہ عبیداللہ کی خدمت میں صادر فرمایا:

---

[1] مرقاۃ حاشیہ مشکوٰۃ میں ہے بیمار کی بیمار پرسی سنت ہے جبکہ اس کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی ہو اور اگر نہ ہو تو پھر واجب ہے ۱۲

اہل سنت و جماعت (خدا ان کی کوشش قبول فرمائے) کی رائے کے موافق بعض ان عقاید کلامیہ کے بیان میں جو آپ کو از روئے الہام و فراست حاصل ہوئے تھے نہ از روئے تقلید و تخمین۔ ابتدائے احوال میں حضرت پیغمبر علیہ و علیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کو خواب میں دیکھا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ تو علم کلام کے مجتہدوں میں سے ہے اور اس واقع کو اپنے خواجہ بزرگوار کی خدمت میں عرض کیا تھا۔ اسی دن سے مسائل کلامیہ میں ہر مسئلہ میں آپ کی رائے علیحدہ اور حکم جُدا ہے۔ لیکن مسائل میں مشائخ ماتریدیہ سے موافقت رکھتے ہیں اور فلسفہ کے رد کرنے اور اہل فلسفہ کی مذمت اور بُرائی کے بیان کرنے اور ان ملحدوں اور زندیقوں کی تردید میں جو صوفیہ کی مراد کو نہ سمجھ کر گمراہ ہو گئے ہیں۔ اور بعض ان فقہی احکام کے بیان میں جو نماز سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور طریقہ نقشبندیہ کے کمالات اور اس میں سنّت کی متابعت کو لازم پکڑنے کے بیان میں۔ اور سماع و سرود سننے اور رقص یعنی ناچنے اور گانے والوں کی مجلس میں حاضر ہونے سے منع کرنے اور اس کے مناسب بیان میں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

رَبِّ يَسِّرْ وَلَا تُعَسِّرْ وَتَمِّمْ بِالْخَيْرِ — اے رب کام آسان کر، مشکل نہ کر اور خیریت سے مکمل فرما۔

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد اپنے بزرگ مخدوم زادوں کی جناب میں عرض کرتا ہے کہ یہ فقیر سر سے پاؤں تک آپ کے والد بزرگوار کے احسانات میں غرق ہے۔ فقیر نے اس طریق میں الف و بے کا سبق انہی سے لیا ہے۔ اور اس راہ کے حروف تہجی انہی سے سیکھے ہیں اور اندراج النہایت فی البدایت کی دولت ان کی صحبت کی برکت سے حاصل کی ہے۔ اور سفر در وطن کی سعادت کو ان کی خدمت کی طفیل پایا ہے۔ ان کی شریف توجہ نے اس ناقابل کو دو اڑھائی ماہ کے عرصہ میں نسبت نقشبندیہ تک پہنچا دیا اور ان بزرگواروں کا حضورِ خاص عطا فرمایا۔ اور وہ تجلّیات اور ظہورات اور انوار اور رنگ اور بے رنگیاں اور بے کیفیتیاں جو ان کی طفیل اس عرصہ میں ظاہر ہوئیں شرح و تفصیل سے باہر ہیں۔ اور ان کی بزرگ توجہ کی برکت سے معارف توحید اور اتحاد اور قرب و معیت اور احاطہ اور سریان میں شاید ہی کوئی دقیقہ رہ گیا ہوگا جو اس فقیر پر نہ کھلا ہو۔ اور اس کی حقیقت سے اطلاع نہ دی ہو۔ وحدت کا کثرت میں اور کثرت کا وحدت میں مشاہدہ کرنا ان معارف کے مقامات اور مبادی میں سے ہے

غرض جہاں نسبت نقشبندیہ اور ان بزرگواروں کا حضور خاص ہے وہاں ان معارف کا زبان پر لانا اور اس شہود و مشاہدہ کا نشان بتانا نادانی ہے۔

ان بزرگواروں کا کارخانہ بہت بلند ہے اور ہر زرّاق (مکّار) اور ہر رقّاص (ناچنے والے) کے ساتھ کوئی نسبت نہیں رکھتا۔ جب اس قسم کے بلند درجے والی دولت جناب کے حضور سے اس فقیر کو ملی ہو، تو پھر اس کے عوض اگر تمام عمر کے لیے اپنے سر کو جناب کی بلند درگاہ کے خادموں کے پامال کرتا ہے تو بھی جناب کا حق ادا نہ ہو سکے۔ یہ فقیر اپنی تقصیروں کو کیا عرض کرے اور اپنی شرمندگیوں کا کیا اظہار کرے اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے معارف آگاہ خواجہ حسام الدین احمد کو جزائے خیر دے جنہوں نے ہم کم ہمتوں کا بار شفقت اپنے ذمّے لے کر کمر ہمت کو بلند بارگاہ کی خدمت کے لیے باندھا ہے۔ اور ہم دُور پڑے ہوؤں کو اس سے فارغ کر دیا ہوا ہے۔

گر بر تنِ من شود زبان ہر موُئے
یک شکر تو از ہزار نتوانم کرد!

اگر میرے جسم کا ہر بال زبان بن جائے تب بھی ہزار شکر سے ایک بھی ادا نہیں کر سکتا۔

یہ فقیر تین مرتبہ حضرت ایشاں یعنی خواجہ بزرگوار کی قدم بوسی کی دولت سے مشرف ہوا۔ اخیر دفعہ حضور نے اس فقیر کو فرمایا کہ بدن کی کمال کمزوری مجھ پر غالب آگئی ہے اور زندگی کی امید کم ہے۔ بچوں کے احوال سے خبردار رہنا ہوگا۔ اور اسی وقت اپنے حضور میں آپ کو بلایا۔ اور آپ اس وقت دائیوں کی گود میں تھے یعنی دودھ پیتے بچے تھے۔ اور فقیر کو فرمایا کہ ان کی طرف توجہ کرو۔ فقیر نے حکم کے بموجب حضور کی خدمت میں آپ کی طرف توجہ کی حتیٰ کہ اس توجہ کا اثر بھی اُسی وقت ظاہر ہو گیا۔ اس کے بعد فرمایا کہ ان کی ماؤں کے لیے بھی غائبانہ توجہ کرو۔ حکم کے موافق غائبانہ توجہ کی گئی۔ امید ہے کہ حضور کی برکت سے اس توجہ سے کئی قسم کے فائدے اور نتیجے حاصل ہوں گے۔ آپ ہرگز تصوّر نہ کریں کہ حضور کے کسی واجب الامتثال امر اور حضور کی وصیّت لازمہ میں کسی قسم کی سُستی یا غفلت واقع ہوئی ہو۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ آپ کے اذن کا منتظر ہے۔

اب چند فقرے نصیحت کے طور پر لکھے جاتے ہیں، امید ہے کہ گوش ہوش سے سُنیں گے:

اَسۡعَدَکُمُ اللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ۔ خدائے تعالیٰ آپ کو سعادت مند کرے۔ عقلمندوں پر سب سے اوّل فرض ہے کہ اپنے عقائد کو علمائے اہل سنت وجماعت شکر اللہ تعالیٰ سعیھم (جو فرقہ ناجیہ ہیں) کے عقائد کے موافق درست کریں۔ بعض ان عقائد کا بیان کیا جاتا ہے۔ جن میں قدرے پوشیدگی ہے۔

عقیدۂ اوّل

جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ وتقدس خود موجود ہے۔ اور تمام اشیا اسی کی ایجاد سے موجود ہیں۔

اور حق تعالیٰ اپنی ذات وصفات اور افعال میں یگانہ ہے۔ اور فی الحقیقت کسی امر میں خواہ وجودی ہو یا غیر وجودی، کوئی بھی اُس کے ساتھ شریک نہیں ہے۔ مشارکت اسمی اور مناسبت لفظی بحث سے خارج ہے۔

عقیدہ دوم

اللہ تعالیٰ کے صفات اور افعال اس کی ذات کی طرح بیچوں اور بیچگون ہیں۔ اور ممکنات کے صفات وافعال کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں رکھتے۔ مثلاً صفت العلم حق تعالیٰ کی ایک صفت قدیم اور بسیط حقیقی ہے جس میں تکثر اور تعدد کو ہرگز دخل نہیں ہے۔ اگرچہ وہ تکثر اور تعدد تعلقات کے تعدد کے اعتبار سے ہو۔ کیونکہ وہاں صرف ایک ہی بسیط انکشاف ہے کہ جس سے ازل وابد کے معلومات منکشف ہوتے ہیں، اور تمام اشیاء کو ان کے متضادہ اور متناسبہ احوال کے ساتھ کلی اور جزئی طور پر ہر ایک کے مخصوصہ اوقات میں آنِ واحد بسیط جانتا ہے۔ یعنی اسی آن میں زید کو موجود بھی جانتا ہے اور معدوم بھی اور جنین بھی جانتا ہے اور بچہ بھی۔ اور جوان بھی جانتا ہے اور بوڑھا بھی۔ اور زندہ بھی جانتا ہے اور مردہ بھی۔ اور کھڑا ہوا جانتا ہے اور بیٹھا ہوا بھی۔ اور تکیہ لگانے والا جانتا ہے اور لیٹا ہوا بھی۔ اور ہنستا ہوا جانتا ہے اور روتا ہوا بھی۔ اور لذت پانے والا جانتا ہے اور رنج ودکھ پانے والا بھی۔ اور عزیز جانتا ہے اور ذلیل بھی۔ اور برزخ میں جانتا ہے اور حشر میں بھی۔ اور جنت میں جانتا ہے اور لذت ونعمت میں بھی۔ پس تعلق تعدد بھی اس موطن میں مفقود ہے۔ کیونکہ تعلقات کا تعدد وقتوں کا تعدد اور زمانوں کا تکثر چاہتا ہے۔ اور وہاں ازل سے ابد تک صرف ایک ہی آن واحد بسیط ہے۔ جس میں کسی قسم کا تعدد نہیں ہے کیونکہ حق تعالیٰ پر زمانہ اور تقدم وتاخر کے احکام جاری نہیں ہوتے۔

پس حق تعالیٰ کے علم میں اگر ہم معلومات کے ساتھ تعلق ثابت کریں تو ایک ہی تعلق ہوگا جو تمام مخلوقات کے ساتھ متعلق ہے۔ اور وہ تعلق بھی مجہول الکیفیت ہے۔ اور صفت العلم کی طرح بیچون وبیچگونہ ہے۔

ہم اس تصور کے استبعاد (یعنی قیاس اور فہم سے دُور اور بعید ہونے) کو ایک مثال بیان کرکے دور کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جائز ہے کہ ایک شخص ایک ہی وقت میں کلمہ کو اس کی مختلف قسموں اور متغائرہ احوال اور متضادہ اعتباروں کے ساتھ جان لے۔ یعنی ایک ہی وقت میں کلمہ کو اسم بھی اور فعل بھی اور حرف بھی اور ثلاثی بھی اور رباعی بھی اور معرب بھی اور مبنی بھی اور متمکن بھی اور غیر متمکن بھی اور منصرف بھی اور غیر منصرف بھی اور معرفہ بھی اور ماضی بھی اور مستقبل بھی اور امر بھی اور نہی بھی جان لے۔ بلکہ اگر وہ شخص یوں کہدے کہ میں کلمہ کے تمام اقسام اور اعتبارات کو کلمہ کے آئینہ میں ایک ہی وقت میں مفصل طور پر دیکھتا ہوں تو

بھی جائز ہے۔ جب ممکن کے علم بلکہ ممکن کی دید میں اضداد کا جمع ہونا متصور ہے تو پھر اس واجب الوجود وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی کے علم میں یہ بات کس طرح بعید معلوم ہوتی ہے۔

جاننا چاہیے کہ اس جگہ اگرچہ بظاہر جمع ضدّین ہے۔ مگر حقیقت میں ان کے درمیان ضدّیت مفقود ہے کیونکہ ہر چند زید کو آن واحد میں موجود اور معدوم جانتا ہے کہ اس کے وجود کا وقت مثلاً ہزار سال سے کے بعد ہے اور اس کے عدم سابق کا وقت اس سال معیّن سے پہلے ہے اور اس کے عدم لاحق کا وقت گیارہ سو سال کے بعد ہے۔ پس حقیقت میں ان دونوں کے درمیان زمانہ کے تغیر کے باعث کوئی ضدّیت نہیں ہے۔ اور باقی احوال کو بھی اسی قیاس پر سمجھنا چاہیئے۔ فافہم ؛

اس تحقیق سے واضح ہوگیا کہ حق تعالیٰ کا علم اگرچہ جزئیات کے ساتھ متعلق ہو۔ لیکن تغیّر کی آمیزش اس میں دخل نہیں پاتی۔ اور حدوث کا گمان اس صفت میں پیدا نہیں ہوتا۔ جیسے کہ فلاسفہ نے زعم کیا ہے۔ کیونکہ تغیر اس تقدیر پر متصور ہو سکتا ہے۔ جب کہ ایک کو دوسرے کے بعد جانا ہو۔ اور جب سب کو آن واحد میں جان لے۔ تو پھر تغیر وحدوث کی گنجائش نہیں ہے۔ پس کچھ حاجت نہیں ہے کہ ہم اس کے واسطے تعلقات متعددہ ثابت کریں تاکہ تغیر وحدوث ان تعلقات کی طرف راجع ہو نہ کہ صفت علم کی طرف جیسے کہ بعض متکلمین نے فلاسفہ کے شبہ کو دفع کرنے کے لیے کیا ہے۔ ہاں اگر معلومات کی جانب میں تعلقات کا تعدّد ثابت کریں تو ہو سکتا ہے۔

اور اسی طرح کلام بسیط ہے کہ ازل سے ابد تک اسی ایک کلام کے ساتھ گویا ہے۔ اگر امر ہے، تو وہیں سے پیدا ہے۔ اور اگر نہی ہے، تو وہ بھی وہیں سے ہے۔ اور اگر اعلام ہے، تو وہ بھی وہیں سے ماخوذ ہے۔ اور اگر استعلام ہے، تو وہ بھی وہیں سے ہے۔ اور اگر تمنّی یا ترجّی ہے، تو وہ بھی وہیں سے مستفاد ہے۔

تمام نازل شدہ کتب ہیں اور مُرسلہ صحیفے اس کلام بسیط کا ایک ورق ہیں۔ اگر توریت ہے تو وہیں سے لکھی گئی ہے۔ اور اگر انجیل ہے تو اس نے بھی وہیں سے لفظی صورت حاصل کی ہے۔ اور اگر زبور ہے تو وہیں سے مسطور ہے۔ اور اگر فرقان ہے تو وہ بھی وہیں سے نازل ہوا ہے۔ ع

والله کلام حق کہ علی الحق یکیست وبس

واللہ درحقیقت ایک ہی کلام ہے اور بس۔

ہاں نزول میں مختلف آثار آئے ہیں۔

اور اسی طرح ایک ہی فعل ہے۔ اور اسی ایک فعل کے ذریعے اوّلین وآخرین مصنوعات وجود میں

آ رہے ہیں۔ آیت کریمہ:

• وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ۔ آنکھ کے جھپکنے کی طرح ہمارا امر صرف ایک ہی ہے

میں اسی مضمون کی طرف اشارہ ہے۔ اگر احیا اور اماتت ہے تو اسی فعل سے وابستہ ہے۔ اور اگر انعام یا ایلام ہے تو اسی فعل سے متعلق ہے۔ اور ایسے ہی اگر ایجاد ہے یا اعدام تو وہ بھی اسی فعل سے پیدا ہے پس حق تعالیٰ کے فعل میں بھی تعدد تعلقات ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ ایک ہی تعلق سے تمام اولین و آخرین مخلوقات اپنے اپنے وجود کے مخصوصہ اوقات میں ظاہر ہو رہی ہیں۔ یہ تعلق بھی حق تعالیٰ کے فعل کی طرح بیچون و بیچگونہ ہے کیونکہ چون کو بیچون کی طرف کوئی راہ نہیں:

لَا يَحْمِلُ عَطَايَا الْمَلِكِ اِلَّا مَطَايَاهُ بادشاہ کے عطیوں کو اسی کے اونٹ اٹھا سکتے ہیں

اشعریؒ نے چونکہ حق تعالیٰ کے فعل کی حقیقت سے اطلاع نہ پائی۔ اس لیے تکوین کو حادث کہہ دیا۔ اور حق تعالیٰ کے افعال کو بھی حادث جان لیا۔ اور نہ جانا کہ یہ سب حق تعالیٰ کے ازلی فعل کے آثار ہیں نہ کہ حق تعالیٰ کے افعال۔

اور بعض صوفیہ نے جو تجلیٔ افعال ثابت کی ہے اور اس مقام میں ممکنات کے افعال کے آئینہ میں اس واحد جل شانہ کے فعل کے سوا اور کچھ نہیں دیکھا ہے۔ وہ بھی اسی قسم سے ہے۔ یعنی وہ تجلی درحقیقت حق تعالیٰ کے فعل کے آثار کی تجلی ہے نہ کہ حق تعالیٰ کے فعل کی تجلی کیونکہ حق تعالیٰ کے فعل کے لیے جو بیچون اور بیچگون اور قدیم اور اس کی ذات کے ساتھ قایم ہے اور جس کو تکوین کہتے ہیں۔ محدثات کے آئینوں میں کوئی گنجائش نہیں اور ممکنات کے مظہروں میں اس کا کوئی ظہور نہیں ؎

در تنگنائے صورت معنی چگونہ گنجد

در کلبۂ گدایاں سلطاں چہ کار دارد

صورت کے تنگ مقام میں معنی کیسے سما سکتا ہے۔ گداگروں کی کٹیا میں بادشاہوں کا کیا کام۔

افعال و صفات کی تجلی فقیر کے نزدیک ذات کی تجلی کے سوا متصور نہیں ہے۔ کیونکہ افعال و صفات حق تعالیٰ و تقدس کی ذات پاک سے الگ نہیں ہیں۔ تا کہ ان کی تجلی ذات کی تجلی کے سوا متصور ہو سکے۔ اور وہ چیز جو حق تعالیٰ کی ذات سے الگ ہے وہ حق تعالیٰ کی صفات اور افعال کے ظلال ہیں۔ جن کی تجلی کو افعال و صفات کے ظلال کی تجلی کہنا چاہیے نہ کہ افعال و صفات کی تجلی۔ لیکن ہر شخص کا فہم اس کمال

؎۱ سورہ قمر، پارہ ۲۷۔

؎۲ یعنی امام ابو الحسن رحمۃ اللہ علیہ جو علم کلام کے امام ہوئے ہیں۔

تک نہیں پہنچ سکتا:

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔ — یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے

وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔ — دیتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

عقیدہ تیسرا:

اب ہم اصلی بات کو بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی چیز میں حلول نہیں کرتا۔ اور نہ ہی کوئی چیز اُس میں حلول کرتی ہے۔ اور حق تعالیٰ تمام اشیا کو محیط ہے اور ان کے ساتھ قرب و معیت رکھتا ہے۔ اس احاطہ اور قرب اور معیت سے وہ مراد نہیں ہے جو ہمارے فہم قاصر میں آسکے۔ کیونکہ وہ حق تعالیٰ کی جناب پاک کے لائق نہیں۔ اور جو کچھ کشف و شہود سے معلوم کرتے ہیں۔ اس سے بھی منزّہ اور پاک ہے کیونکہ ممکن کو حق تعالیٰ کی ذات و صفات و افعال کی حقیقت سے سوائے نادانی اور حیرت کے کچھ حاصل نہیں ہے۔ غیب کے ساتھ ایمان لانا چاہیے۔ اور جو کچھ مکشوف و مشہود ہو اُس کو لا کی نفی کے نیچے لانا چاہیے ؎

عنقا شکار کس نشود دام باز چیں
کاینجا ہمیشہ باد بدست است دام را

عنقا کسی کے شکار میں نہیں آسکتا، للہذا جال سمیٹ لے۔ کیونکہ یہاں جال کے ہاتھ میں ہوا کے سوا کچھ نہیں آتا۔

حضرت ایشاں یعنی خواجہ صاحب بزرگوار کی مثنوی کا یہ بیت اس مقام کے مناسب ہے۔ ؎

ہنوز ایوانِ اِستغنا بلند است
مرا فکرِ رسیدن ناپسند است

ابھی بے نیازی کا محل بہت اُونچا ہے، اور مجھے وہاں پہنچنے کی فکر سے نفرت ہے۔

پس ہم ایمان لاتے ہیں کہ حق تعالیٰ اشیا کو محیط اور ان کے قریب اور ساتھ ہے۔ لیکن اس کے قرب اور احاطہ اور معیت کی حقیقت کو نہیں جانتے کہ کس طرح ہے۔ اس کو احاطہ و قرب علمی کہنا بھی متشابہ تاویلوں سے ہے۔ لیکن ہم ان کی تاویل کے قائل نہیں۔

عقیدہ چوتھا:

اور حق تعالیٰ کسی چیز سے متحد نہیں اور نہ ہی کوئی چیز اس سے متحد ہو سکتی ہے اور جو کچھ کہ صوفیہ کی بعض عبارات سے مفہوم ہوتا ہے۔ وہ ان کی مُراد کے برخلاف ہے کیونکہ ان کی مراد اس کلام سے جس سے اتحاد کا

وہم گزرتا ہے یعنی اِذَا تَمَّ الْفَقْرُ فَهُوَ اللّٰهُ سے یہ ہے کہ جب فقر تمام ہو جائے اور محض نیستی حاصل ہو جائے تو اس وقت اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ باقی نہیں رہتا۔ نہ کہ یہ خدائے تعالیٰ کے ساتھ متحد ہو جاتا ہے۔ کیوں کہ یہ کفر اور زندقہ ہے:

تَعَالَى اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ عَمَّا يَتَوَهَّمُ الظَّالِمُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا۔	اللہ تعالیٰ ظالموں کے وہم و گمان سے بہت برتر و بلند ہے۔

حضرت خواجہ قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ عبارت انا الحق کے معنی یہ نہیں ہیں کہ میں حق ہوں۔ بلکہ یہ ہیں کہ میں نہیں ہوں اور حق موجود ہے۔ اور تغیر و تبدل کو حق تعالیٰ کی ذات و صفات و افعال کی طرف راہ نہیں ہے:

فَسُبْحَانَ الَّذِيْ لَا يَتَغَيَّرُ بِذَاتِهٖ وَلَا بِصِفَاتِهٖ وَلَا فِيْ اَفْعَالِهٖ بِحُدُوْثِ الْاَكْوَانِ۔	پس پاک ہے وہ ذات جو اپنی ذات و صفات و افعال میں موجودات کے حدوث سے متغیر نہیں ہوتی۔

اور صوفیہ وجودیہ نے جو تنزلاتِ خمسہ ثابت کیے ہیں وہ مرتبہ وجوب میں تغیر و تبدل کی قسم سے نہیں ہیں۔ کیونکہ یہ کفر و گمراہی ہے بلکہ ان تنزلات کو حق تعالیٰ کے کمال کے مراتب ظہورات میں اعتبار کیا ہے۔ بغیر اس بات کے کہ حق تعالیٰ کی ذات و صفات و افعال میں تغیر و تبدل راہ پائے۔

عقیدہ پانچواں:

اور حق تعالیٰ اپنی ذات و صفات میں بھی غنی مطلق ہے۔ اور کسی امر میں کسی چیز کا محتاج نہیں ہے۔ اور جس طرح وجود میں محتاج نہیں ہے ظہور میں بھی محتاج نہیں ہے۔ اور بعض صوفیہ کی عبارت سے جو یہ مفہوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ اپنے اسمائی و صفاتی ظہور میں ہمارا محتاج ہے یہ بات اس فقیر پر بہت گراں ہے۔ بلکہ جانتا ہے کہ ان کی پیدائش سے مقصود ان کے اپنے کمالات کا حاصل ہونا ہے۔ نہ وہ کمال جو حق تعالیٰ کی پاک بارگاہ کی طرف عاید ہو سکے۔ آیۃ کریمہ:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ۔ اَيْ لِيَعْرِفُوْنِ۔[1]	میں نے جن و انسان کو عبادت و معرفت کے لیے پیدا کیا ہے۔

میں اسی مطلب کی تائید ہے۔

پس جن و انسان کی پیدائش سے مقصود یہ ہے کہ ان کو اپنی معرفت حاصل ہو جائے جو ان کا کمال ہے۔ نہ کوئی ایسا امر جو حق سبحانہٗ کی جناب کی طرف عاید ہو سکے۔ اور حدیث قدسی میں جو یہ واقع ہے

---

[1] سورہ ذاریات، پارہ ۲۷۔

خَلَقْتُ الْخَلْقَ لِاُعْرَفَ ۔ میں نے خلقت کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ پہچانا جاؤں۔

اس جگہ یہی اُن کی معرفت مُراد ہے نہ یہ کہ میں معرفت بنوں، اور ان کی معرفت کے ذریعے کمال حاصل کروں:

تَعَالَی اللّٰہُ عَنْ ذٰلِکَ عُلُوًّا کَبِیْرًا۔ اللہ تعالیٰ اس سے بہت ہی برتر ہے۔

عقیدہ چھٹا:

اور حق تعالیٰ نقصان کی تمام صفتوں اور حدوث کے نشانوں سے منزّہ اور مبرّا ہے نہ جسم و جسمانی ہے اور نہ مکانی اور زمانی۔ اور صفات کمال اس کے لیے ثابت ہیں۔ جن میں سے آٹھ صفات کمال وجود ذات تعالیٰ پر وجود زائد کے ساتھ موجود ہیں۔ اور وہ صفات یہ ہیں۔ حیات، علم، قدرت، ارادت، بصر، سمع کلام اور تکوین۔ اور یہ صفات خارج میں موجُود ہیں، اور یہ نہیں کہ وجود ذات پر علم میں وجُود زائد کے ساتھ موجُود ہیں۔ اور خارج میں نفس ذات تعالیٰ و تقدس ہے۔ جس طرح کہ بعض صوفیہ وجودیہ نے گمان کیا ہے اور اس طرح کہا ہے ؎

از رُوئے عقل ہمہ غیر اند صفات
با ذات تو از روئے تحقق ہمہ عین

از روئے عقل و علم کے سب صفات غیر ہیں اور از روئے تحقق سب ذات کی عین ہیں۔

کیونکہ اس میں درحقیقت صفات کی نفی ہے۔ کیونکہ صفات کی نفی کرنے والوں یعنی معتزلہ اور فلاسفہ نے بھی تغائر علمی اور اتحاد خارجی کہا ہے اور تغائر علمی سے انکار نہیں کیا ہے اور نہ ہی یہ کہا ہے کہ علم کا مفہوم عین ذات کا مفہوم ہے یا عین قدرت و ارادت کا مفہوم ہے۔ بلکہ عینیّت اور اتحاد باعتبار وجود خارجی کے کہا ہے۔ پس جب تک وجود خارجی کا تغائر اعتبار نہ کریں صفات کی نفی کرنے والوں سے نہیں نکل سکتے۔ کیونکہ تغائر اعتباری کچھ نفع نہیں دیتا، کَمَا عَرَفْتَ

عقیدہ ساتواں:

اور حق تعالیٰ قدیم اور ازلی ہے۔ اور اس کے سوا کسی کے لیے قدم اور ازلیت ثابت نہیں ہے تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے۔ اور جو کوئی حق تعالیٰ کے ماسوا قدیم اور ازلی ہونے کا قائل ہوا ہے، وہ کافر ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن سینا اور فارابی کی تکفیر اسی واسطے کی ہے کہ وہ عقول اور نفوس کے قدم کے قائل ہوئے ہیں اور صورت اور ہیولیٰ کے قدیم ہونے کا گمان کیا ہے۔ اور آسمانوں کو مع اُن اشیا کے

ا؎ حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اس حدیث کے معنی بالکل صحیح ہیں۔

جو ان میں ہیں قدیم سمجھا ہے۔

اور ہمارے حضرت خواجہ قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کاملین کے ارواح کے قدم کا قائل ہوا ہے۔ اس بات کو ظاہر کی طرف سے پھیر کر تاویل پر محمول کرنا چاہیے۔ تاکہ اہلِ ملّت کے اجماع کے مخالف نہ ہو۔

عقیدہ آٹھواں:

اور حق تعالیٰ قادر مختار ہے۔ اور ایجاب کی آمیزش اور اضطرار کے گمان سے منزّہ اور مبرّا ہے۔ فلاسفہ بے خرد نے کمال کو ایجاب میں جان کر حق تعالیٰ سے اختیار کی نفی کر کے ایجاب کو ثابت کیا ہے اور ان بے وقوفوں نے اس واجب الوجود کو معطّل و بے کار سمجھا ہے۔ اور سوائے ایک مصنوع کے کہ وہ بھی ایجاب سے ہے زمین و آسمان کے خالق سے صادر ہوا ہوا نہیں جانا ہے اور حوادث کے وجود کو عقل فعال کی طرف نسبت دی ہے۔ جس کا وجود ان کے وہم کے سوا کہیں ثابت نہیں ہے۔ اور ان کے گمان میں ان کو حق تعالیٰ کے ساتھ کچھ تعلق نہیں ہے۔ پس چاہیے کہ اضطراب و اضطرار کے وقت عقل فعال کی طرف التجا کرتے۔ اور حضرت حق سُبحانہٗ کی طرف رجوع نہ کرتے۔ کیونکہ حوادث کے وجود میں اس کا کچھ دخل نہیں جانتے، اور کہتے ہیں کہ صرف عقل فعال ہی حوادث کے ایجاد سے تعلق رکھتی ہے۔ بلکہ فعال کی طرف بھی ان کا رجوع نہیں۔ کیونکہ ان کی بلیات کے دفع کرنے میں اس کا بھی کچھ اختیار نہیں ہے یہ بدبخت اپنی نادانی اور بے وقوفی کے باعث فرقہ ضالہ یعنی گمراہ فرقوں کے پیش رو ہیں۔ حالانکہ کافر بھی ان بدبختوں کے برخلاف حق تعالیٰ کی طرف التجا کرتے اور بلیات کا دفع کرنا اسی سے طلب کرتے ہیں ان بدبختوں میں بہ نسبت اور تمام فرقوں کے دو چیزیں زیادہ ہیں۔ ایک یہ کہ احکام منزّلہ کا کفر اور انکار کرتے۔ اور انبیاء رسل کے ساتھ عداوت و دشمنی رکھتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ اپنے بیہودہ اور واہی مطالب اور مقاصد کے ثابت کرنے میں جس قدر اُن کو خبط لاحق ہوا ہے، اور کسی بے وقوف کو اس قدر لاحق نہیں ہوا۔ آسمان اور ستارے جو ہر وقت بے قرار اور سرگرداں ہیں۔ ان کا مدار کار ان کی اپنی حرکات اور اوضاع پر رکھا ہے۔ اور آسمانوں کے خالق اور ستاروں کے موجد اور محرک اور مدبّر کی طرف سے آنکھیں بند کی ہیں۔ اور دُور از معاملہ سمجھے ہیں۔ یہ لوگ بہت ہی بےخرد اور بے وقوف ہیں۔ اور ان میں سے زیادہ کمینہ اور بیوقوف اور احمق وہ شخص ہے جو ان کو دانا اور عقلمند جانتا ہے۔ ان کے مُتّسق اور منتظم یعنی مرتبہ علوم میں سے ایک علم ہندسہ ہے جو محض لایعنی اور بے ہودہ اور لاطائل ہے۔ بھلا مثلث کے تینوں زاویوں کا دونوں زاویہ قائمہ کے ساتھ برابر ہونا کس کام آئے گا اور شکل عروسی اور مامونی جو ان کے

نزدیک بڑی مشکل اور جانکاہ ہے۔ کس غرض کے لیے ہے۔

علم طب ونجوم اور علم تہذیب اخلاق جو ان کے تمام علوم میں سے بہتر علم ہے۔ گزشتہ انبیا علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی کتابوں سے چُرا کر اپنے باطل اور بیہودہ علوم کو رائج کیا ہے، جیسے کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ اَلْمُنْقِذُ عَنِ الضَّلَالِ میں اس امر کی تشریح اور تصریح کی ہے۔

اہل ملّت اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسّلام کے تابعدار اگر دلائل اور براہین میں غلطی کریں تو کچھ ڈر نہیں۔ کیونکہ ان کے کام کا مدار انبیائے علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تقلید پر ہے اور اپنے مطالب عالیہ کے ثبوت کے لیے دلائل اور براہین کو صرف تبرع کے طور پر لاتے ہیں۔ یہی تقلید اُن کے لیے کافی ہے برخلاف ان بدبختوں کے جو تقلید سے نکل کر صرف دلائل کے ساتھ اپنے مطالب کو ثابت کرنے کے پیچھے پڑے ہیں۔ ضَلُّوْا فَاَضَلُّوْا یہ لوگ خود بھی گمراہ ہوئے اور اوروں کو بھی گمراہ کیا۔

حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسّلام کی نبوت کی دعوت جب افلاطون کو جو ان بدبختوں کا رئیس ہے، پہنچی۔ تو اس نے جواب میں یوں کہا کہ:

نَحْنُ قَوْمٌ مُّهْتَدُوْنَ لَا حَاجَةَ بِنَا اِلٰی مَنْ يَّهْدِيْنَا — ہم ہدایت یافتہ لوگ ہیں ہم کو ایسے شخص کی حاجت نہیں ہے جو ہم کو ہدایت دیوے۔

اس بیوقوف کو چاہیے تھا کہ ایسے شخص کو جو مردوں کو زندہ کرتا، اور مادر زاد اندھوں، اور کوڑھی کو تندرست کرتا ہے۔ جو ان کی حکمت کے طور سے خارج ہے۔ پہلے دیکھتا اور اس کے حالات کو دریافت کرتا۔ اور پھر جواب دیتا۔ بن دیکھے اس کا جواب دینا اس کی کمال عداوت اور کمینہ پن ہے ؎

فلسفہ چوں اکثرش باشد سفہ پس کلّ آں
ہم سفہ باشد کہ حکم کُلّ حکم اکثر است

فلسفہ کا اکثر حصہ جب بے وقوفی اور سفاہت کی باتوں پر مشتمل ہے تو وہ سارا ہی اسی طرح ہے کیونکہ اکثر کا حکم کل کا حکم ہے۔

نَجَّانَا اللّٰهُ عَنْ مُّعْتَقِدَاتِهِمُ السَّوْءِ — اللہ تعالیٰ ہم کو ان کے بُرے عقائد سے بچائے۔

فرزندی محمد معصوم نے انہی دنوں میں جواہر، شرح مواقف کو تمام کیا ہے اثنائے سبق میں ان بیوقوفوں کی بڑی بڑی قباحتیں ظاہر ہوئیں اور بہت سے فائدے ان پر مترتب ہوئے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا — اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہم کو ہدایت دی اور

لِنَهۡتَدِيَ لَوۡلَآ أَنۡ هَدَىٰنَا ٱللَّهُ لَقَدۡ — اگر وہ ہمیں ہدایت نہ دیتا تو ہم ہرگز ہدایت نہ پاتے

جَآءَتۡ رُسُلُ رَبِّنَا بِٱلۡحَقِّ ۔ — بیشک ہمارے رب کے رسول حق لے کر آئے ہیں۔

اور شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کی بعض عبارتیں بھی ایجاب کی طرف ناظر ہیں۔ اور قدرت کے معنی میں فلسفہ کے ساتھ موافقت رکھتی ہیں۔ یعنی ترک کی صحت قادر سے تجویز نہیں کرتا۔ اور فعل کی جانب کو لازم جانتا ہے۔ عجب معاملہ ہے کہ شیخ محی الدین مقبولوں میں سے نظر آتا ہے۔ اور اس کے اکثر علوم جو آرائے اہل حق کے مخالف ہیں خطا اور ناصواب ظاہر ہوتے ہیں۔ شاید خطاءِ کشفی کے باعث اس کو معذور رکھا ہے۔ اور خطائے اجتہادی کی طرح ملامت کو اس سے ہٹا رکھا ہے۔

شیخ محی الدین کے حق میں فقیر کا اعتقاد خاص بھی یہی ہے کہ اس کو مقبولوں میں سے جانتا ہے اور اس کے مخالف علوم کو خطا اور مضر دیکھتا ہے۔

اس طائفہ میں سے بعض لوگ شیخ کو طعن و ملامت بھی کرتے ہیں اور اس کے علوم کو بھی خطا پر جانتے ہیں اور بعض لوگ شیخ کی تقلید اختیار کر کے اس کے تمام علوم کو بہتر اور صواب جانتے ہیں اور ان علوم کی حقیقت کو دلائل و شواہد کے ساتھ ثابت کرتے ہیں۔ اور شک نہیں کہ ان دونوں فریقوں نے افراط و تفریط کا رستہ اختیار کیا ہے۔ اور راہ اعتدال سے دور رہے ہیں۔ شیخ کو جو مقبول اولیا میں سے ہے خطائے کشفی کے باعث کس طرح رد کیا جائے۔ اور اس کے علوم کو جو صواب سے دور اور اہل حق کی آرائے کے مخالف ہیں تقلید سے کس طرح قبول کیے جائیں:

فَالۡحَقُّ هُوَ التَّوَسُّطُ الَّذِيۡ وَفَّقَنِيَ اللّٰهُ — پس حق یہی درمیانی راہ ہے جس کی توفیق اللہ تعالیٰ

سُبۡحَانَهٗ بِمَنِّهٖ وَكَرَمِهٖ ۔ — نے مجھے اپنے فضل و کرم سے بخشی ہے۔

ہاں مسئلہ وحدت وجود میں اسی گروہ میں سے ایک جم غفیر یعنی بہت سے لوگ شیخ کے ساتھ شریک ہیں۔ اگرچہ شیخ اس مسئلہ میں بھی طرز خاص رکھتا ہے۔ لیکن اصل بات میں سب کے سب باہم شریک ہیں۔ یہ مسئلہ بھی اگرچہ بظاہر اہل حق کے مخالف ہے۔ لیکن توجہ کے قابل اور جمع کے لائق ہے۔

اس فقیر نے اللہ تعالیٰ کی عنایت سے حضرت ایشاں (خواجہ باقی باللہ صاحب) قدس سرہٗ کی رباعیات کی شرح میں اس مسئلہ کو اہل حق کے معتقدات کے ساتھ جمع کیا ہے اور فریقین کی نزاع کو لفظ کی طرف راجع کیا ہے۔ اور دونوں طرف کے شکوک اور شبہات کو اس طرح حل کیا ہے کہ اُس میں کوئی شک و شبہ کا محل نہیں رہا:

كَمَا لَا يَخۡفٰى عَلَى النَّاظِرِ فِيۡهِ — جیسے کہ اس کے دیکھنے والے پر پوشیدہ نہیں ہے۔

عقیدہ نواں:

جاننا چاہیے کہ ممکنات کیا جواہر کیا اعراض اور کیا اجسام اور کیا عقول اور کیا نفوس اور کیا افلاک اور کیا عناصر سب کے سب اس قادر مختار کی ایجاد کی طرف منسوب ہیں جو ان کو عدم کی پوشیدگی سے وجود میں لایا ہے۔ اور جس طرح یہ سب چیزیں اپنے وجود میں حق تعالیٰ کی محتاج ہیں۔ اسی طرح بقا میں بھی اس کی محتاج ہیں۔ اور اس نے اسباب اور وسائل کے وجود کو اپنے فعل کا روپوش بنایا ہے۔ اور حکمت کو اپنی قدرت کا پردہ بنایا ہے۔ نہیں بلکہ اسباب کو اپنے فعل کے ثبوت کے لیے دلائل بنایا ہے۔ اور حکمت کو قدرت کے وجود کا وسیلہ فرمایا ہے۔ کیونکہ وہ دانا لوگ جن کی بصیرت کی آنکھ انبیائے علیہم الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کے سرمہ سے سرگیں اور روشن ہوئی ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ اسباب و وسائل جو اپنے وجود اور بقا میں حق تعالیٰ کے محتاج ہیں۔ اور اپنا ثبوت و قیام اسی سے اور اسی کے ساتھ رکھتے ہیں۔ حقیقت میں جماد محض ہیں۔ وہ کس طرح دوسرے میں جو وہ بھی انہی کی طرح جماد محض ہے تاثیر کر سکتے ہیں۔ اور اس میں اختراع و احداث کس طرح پیدا کر سکتے ہیں، ہرگز نہیں۔ بلکہ ان کے سوا اور قادر ہے جو ان کو ایجاد کرتا اور ہر ایک کے لائق اور مناسب کمالات ان کو عطا فرماتا ہے۔ اور جس طرح کہ عقل مند جماد محض سے فعل کو دیکھ کر اس کے فاعل اور محرک کی طرف سراغ لے جاتے ہیں۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں، کہ یہ فعل اس جماد کے حال کے مناسب نہیں ہے۔ بلکہ اس کے سوا کوئی اور فاعل ہے جو اس فعل کو اس میں ایجاد کرتا ہے۔ پس جماد کا فعل عقل مندوں کے نزدیک فاعل حقیقی کے فعل کا روپوش ثابت نہ ہوا۔ بلکہ اس کی جمادیت کی طرف نظر کرنے کے لحاظ سے اس کا وہ فعل فاعل حقیقی کے وجود پر دلیل ہے۔ پس یہاں بھی اسی طرح ہے۔ ہاں اس بیوقوف کے فعل میں جماد کا فعل فاعل حقیقی کے فعل کا روپوش ہے، جس نے اپنی کمال نادانی اور بیوقوفی کے باعث جماد محض کو اس فعل کے سبب صاحب قدرت سمجھا ہے اور فاعل حقیقی کی طرف سے کافر اور منکر ہوا ہے:

يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا۔ بہت کو اس سے گمراہ کرتا ہے اور بہت کو اس سے ہدایت دیتا ہے۔

یہ معرفت مشکوٰۃ نبوت سے مقتبس ہے۔ لیکن ہر ایک شخص کا فہم یہاں تک نہیں پہنچتا۔ اکثر لوگ کمال کو اسباب کے رفع کرنے میں جانتے ہیں اور اشیا کو ابتدا ہی سے اسباب کے ذریعہ کے بغیر حضرت حق سبحانہٗ کی طرف منسوب کرتے ہیں اور نہیں جانتے کہ اسباب کے رفع کرنے میں اس حکمت کا رفع ہوتا ہے جس کے ضمن میں بہت سی مصلحتیں مدنظر ہیں:

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا۔ اے رب ہمارے تو نے اس کو باطل پیدا نہیں کیا۔

انبیائے علیہم الصلوٰۃ والسلام اسباب کو مدنظر رکھتے ہیں اور باوجود اس رعایت کے اپنے امر اور کام حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں۔ جیسے کہ حضرت یعقوب علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے بدنظری کا لحاظ کر کے اپنے بیٹوں کو فرمایا:

يٰبَنِيَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ۔ اے میرے بیٹو ایک دروازہ سے داخل نہ ہونا، بلکہ مختلف دروازوں سے داخل ہونا۔

اور باوجود اس رعایت کے پھر اپنے امر کو حق جل سلطانہٗ کے سپرد کر کے فرمایا:

مَآ اُغْنِيْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ۔ میں تم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ بے پرواہ نہیں کرتا حکم صرف اللہ تعالیٰ ہی کا ہے۔ میں نے اسی پر توکل کیا اور توکل کرنے والے اسی پر توکل کرتے ہیں

اور حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے ان کی اس معرفت کو پسند فرمایا۔ اور اپنی طرف نسبت دے کر اس طرح فرمایا ہے:

وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ اور وہ بے شک بہت ہی صاحب علم تھا، اس لیے کہ ہم نے اس کو اپنے پاس سے علم سکھایا تھا لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

اور حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ بھی قرآن مجید میں ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اسباب کے توسط کی طرف اشارہ فرماتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ اے نبی تجھے اللہ اور تابعدار مومن کافی ہیں۔

باقی رہی اسباب کی تاثیر، ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض اوقات تاثیر کو ان میں پیدا نہ کرے اور کوئی اثر ان پر مترتب نہ ہو۔ جیسے کہ ہم روزمرہ اسباب میں اس امر کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ کبھی ان اسباب پر مسببات کے وجود مترتب ہوتے ہیں۔ اور کبھی کوئی اثر ان سے ظاہر نہیں ہوتا۔ اسباب کی تاثیر کا مطلق انکار کرنا مکابرہ اور ہٹ دھرمی ہے۔ تاثیر کو ماننا چاہیے اور اسی تاثیر کو اس سبب کے وجود کی طرح حضرت حق سبحانہٗ و

۵۱ سورۂ یوسف، پارہ ۱۳۔ ۵۲ سورۂ یوسف، پارہ ۱۳۔
۵۳ سورۂ یوسف، پارہ ۱۳۔

تعالیٰ کی ایجاد سے جاننا چاہیے۔ فقیر کی رائے اس مسئلہ میں یہی ہے۔ واللہ سبحانہٗ اعلم۔

اس بیان سے ظاہر ہوا کہ اسباب کا توسط اور وسیلہ توکل کے منافی نہیں ہے۔ جیسے کہ اکثر ناقصوں نے گمان کیا ہے۔ بلکہ اسباب کے توسط میں کمال توکل ہے۔

حضرت یعقوب علیٰ نبیّنا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسباب کو مدنظر رکھ کر اپنے کام کو حق سبحانہٗ و تعالیٰ کے سپرد کرنے کو توکل فرمایا ہے:

عَلَیۡہِ تَوَکَّلۡتُ وَعَلَیۡہِ فَلۡیَتَوَکَّلِ الۡمُتَوَکِّلُوۡنَ۔ — میں نے اسی پر توکّل کیا اور توکّل کرنے والے اسی پر توکّل کرتے ہیں۔

عقیدہ دسواں:

اور حق تعالیٰ خیر و شر کا ارادہ کرنے والا اور ان دونوں کا پیدا کرنے والا ہے۔ لیکن خیر سے راضی ہے اور شر سے راضی نہیں ہے۔ ارادہ اور رضا کے درمیان یہ ایک بڑا دقیق فرق ہے۔ جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے اہل سنّت وجماعت کو ہدایت فرمائی ہے۔ باقی تمام فرقے اس فرق کی طرف ہدایت نہ پانے کے باعث گمراہ ہوگئے۔

معتزلہ بندہ کو اپنے افعال کا خالق کہتے ہیں اور کفر و معاصی کی ایجاد کو اس کی طرف منسوب کرتے ہیں اور شیخ محی الدین اور اُن کے متبعین کے کلام سے مفہوم ہوتا ہے کہ جس طرح ایمان اور اعمالِ صالحہ اسم الہادی کے پسندیدہ ہیں۔ اسی طرح کفر و معاصی بھی اسم المضلّ کے پسندیدہ ہیں۔

یہ بات بھی اہل حق کے مخالف ہے اور ایجاب کی طرف میلان رکھتی ہے، جو رضا کا منشا ہے۔ جس طرح کہیں کہ اشراق واضاءت آفتاب کی پسندیدہ ہے۔ اور حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے بندوں کو قدرت و ارادہ دیا ہے کہ اپنے اختیار سے افعال کا کسب کرتے ہیں۔ افعال کا پیدا کرنا حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف منسوب ہے۔ اور ان افعال کا کسب بندوں کی جانب منسوب ہے۔ عادت اللہ اسی طرح جاری ہے کہ پہلے بندہ اپنے فعل کا قصد کرتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ اس فعل کو پیدا کر دیتا ہے۔ چونکہ بندہ کا فعل اپنے قصد و اختیار سے صادر ہوتا ہے۔ اس لیے مدح و ذم اور ثواب و عذاب بھی اسی کے متعلق ہوتا ہے۔ اور یہ جو بعض نے کہا ہے کہ بندے کا اختیار ضعیف ہے۔ تو بجا ہے۔ اور اگر اس لحاظ سے کہا ہے کہ فعل مامور کے ادا کرنے میں کافی نہیں ہے، تو صحیح نہیں ہے:

فَاِنَّ اللّٰہَ سُبۡحَانَہٗ لَا یُکَلِّفُ بِمَا لَیۡسَ فِیۡ وُسۡعِہٖ بَلۡ یُرِیۡدُ الۡیُسۡرَ — کیونکہ اللہ تعالیٰ ایسے فعل کے لیے تکلیف نہیں دیتا جو بندے کی طاقت سے باہر ہے بلکہ وہ تو آسانی

وَلَا يُرِيْدُ الْعُسْرَ ۔ ہی چاہتا ہے اور تنگی کا ارادہ نہیں کرتا ۔

غرض یہ کہ فعل موقت یعنی چندروزہ فعل پر ہمیشہ کی جزا کا مقرر کرنا حق تعالیٰ عزیز وحکیم کی تقدیر کے والا ہے جس نے کفر موقت کے لیے ہمیشہ کا عذاب برابر برابر جزا فرمائی ۔ اور دائمی لذت ونعمت کو ایمان قت پر وابستہ کیا ۔ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۔

حق تعالیٰ کی توفیق سے اس قدر تو ہم بھی جانتے ہیں کہ حق تعالیٰ کی بارگاہ کی نسبت (جو ظاہری اور باطنی متوں کا دینے والا اور زمین وآسمان کا پیدا کرنے والا ہے ۔ اور جس کی پاک بارگاہ کے لیے ہر قسم کی بزرگی ور کمال ثابت ہے) کفر اختیار کرنے کے لیے جزا بھی ایسی ہونی چاہیے جو تمام عذابوں سے بڑھ کر ہو ۔ اور رہ عذاب میں ہمیشہ رہنا ہے اور ایسے ہی اس منعم بزرگ پر غیب کے ساتھ ایمان لانے اور نفس وشیطان ی مزاحمت کے باوجود اس کو راست گو جاننے کے لیے جزا بھی ویسی ہونی چاہیے ۔ جو سب جزاؤں سے بتر اور اعلیٰ درجہ کی ہو ۔ اور وہ ناز ونعمت ولذت میں ہمیشہ رہنا ہے ۔

بعض مشائخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ بہشت میں داخل ہونا درحقیقت حق تعالیٰ کے فضل پر موقوف ہے اور ایمان کے ساتھ اس کو وابستہ کرنا اس لیے ہے کہ جو کچھ اعمال کی جزا ہوتی ہے وہ زیادہ لذیذ ہوتی ہے ۔

فقیر کے نزدیک بہشت میں داخل ہونا ایمان سے وابستہ ہے لیکن ایمان حق تعالیٰ کا فضل اور س کا عطیہ ہے ۔ اور دوزخ میں داخل ہونا کفر پر منحصر ہے ۔ اور کفر نفس امارہ کی خواہش سے پیدا ہوتا ہے :

مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ جو تجھے نیکی پہنچے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور
وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ جو تجھے برائی پہنچے تو وہ تیرے نفس سے ہے ۔

جاننا چاہیے کہ بہشت میں داخل ہونے کو ایمان کے ساتھ وابستہ کرنے میں درحقیقت ایمان کی تعظیم ہے ۔ بلکہ مومن بہ کی تعظیم ہے ۔ جس پر اتنا بڑا عظیم الشان اجر مرتب ہوا ہے ۔ اور ایسے ہی دوزخ میں داخل ہونے کو کفر کے ساتھ وابستہ کرتے ہیں ۔ کفر کی حقارت اور اس ذات بزرگ کی کہ جس کی نسبت یہ کفر وقوع میں آیا ہے، فضیلت ہے ۔ جس پر ایسا ہمیشہ کا عذاب مترتب ہوا ہے ۔ برخلاف اس بات کے جو بعض مشائخ نے کہی ہے، جو اس دقیقہ سے خالی ہے ۔ اور نیز ہمیشہ کے لیے دوزخ میں داخل ہونے کے لیے جو اس کا عدیل ہے کوئی مثال اس طرح پر جاری نہیں ہے ۔ کیونکہ دوزخ میں داخل ہونا درحقیقت

لہ سورہ نساء، پارہ ۵ ۔

کفر پر موقوف ہے۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہُ اَلْمُلْہِمُ ھٰذَا

عقیدہ گیارھواں:

اور آخرت میں مومن لوگ اللہ تعالیٰ کو بے جہت و بے کیف اور بے شبہ و بے مثال جنت میں دیکھیں گے۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس سے اہل سنت وجماعت کے سوا تمام اہل ملت و غیر اہل ملت فرقے منکر ہیں اور بے جہت اور بے کیف دیدار کو جائز نہیں سمجھتے۔ حتیٰ کہ شیخ محی الدین بن عربی بھی دیدار آخرت کو تجلّی صوری کی حالت میں بیان کرتا ہے۔ اور تجلّی صوری کے سوا تجویز نہیں کرتا۔

ایک دن حضرت ایشاں قدس سرہٗ اپنے شیخ سے نقل کرتے تھے کہ اگر معتزلہ دیدار کو تنزیہ کے مرتبہ میں مقید نہ کرتے اور تشبیہ کے بھی قائل ہوتے اور دیدار کو اس تجلی میں بھی جانتے تو ہرگز دیدار کا انکار نہ کرتے۔ اور محال نہ سمجھتے۔ یعنی ان کا انکار بے جہتی اور بے کیفی سے ہے جو مرتبہ تنزیہ کے ساتھ مخصوص ہے برخلاف اس تجلّی کے کہ اس میں جہت وکیف ملحوظ ہے۔

پوشیدہ نہ رہے کہ دیدار آخرت کو تجلّی صوری کی طرح بیان کرنا درحقیقت دیدار سے انکار کرنا ہے کیونکہ وہ تجلّی صوری اگرچہ دنیا کی صوری تجلیات سے جُدا ہے۔ تاہم حق تعالیٰ کا دیدار نہیں ہے ؎

یَرَاہُ الْمُؤْمِنُوْنَ بِغَیْرِ کَیْفٍ
وَاِدْرَاکٍ وَّضَرْبٍ مِّنْ مِّثَالٍ

مومن اسے بے کیف اور بلا ادراک اور بغیر کسی مثال کے دیکھیں گے۔

عقیدہ بارھواں:

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا مبعوث ہونا اہل جہان کے لیے سراسر رحمت ہے۔ اگر ان بزرگوں کا واسطہ اور ذریعہ نہ ہوتا۔ تو ہم گمراہوں کو اس واجب الوجود تعالیٰ وتقدس کی ذات وصفات کی معرفت کی طرف کون ہدایت فرماتا۔ اور ہمارے مولیٰ جل شانہ کی پسند اور ناپسند کی چیزوں میں کون تمیز کرتا ہماری ناقص عقلیں ان بزرگوں کے نور دعوت کی تائید کے بغیر معزول و بیکار ہیں۔ اور ہمارے ناتمام اور ادھورے فہم ان تقلید کے بغیر اس معاملہ میں بے بس و خوار ہیں۔ ہاں عقل بھی اگرچہ حجت ہے لیکن حجت ہونے میں ناتمام ہے اور مرتبہ بلوغ تک نہیں پہنچی ہے۔ حجت بالغہ انبیائے علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بعثت ہے۔ جس پر آخرت کا دائمی عذاب وثواب وابستہ ہے۔

سوال:

جب آخرت کا دائمی عذاب بعثت پر موقوف ہے تو پھر بعثت کو رحمت عالمیان کہنا کس وجہ سے ہے؟

جواب:

بعثت عین رحمت ہے جو واجب الوجود تعالیٰ و تقدس کی ذات وصفات کی معرفت کا سبب ہے جو دنیا و آخرت کی سعادت کو متضمن ہے۔ اور بعثت کی بدولت معلوم ہو گیا ہے کہ یہ چیز حق تعالیٰ کی پاک بارگاہ کے مناسب ہے اور یہ چیز نامناسب ہے۔ کیونکہ ہماری اندھی اور لنگڑی عقل جو حدوث اور امکان کے داغ سے داغ دار ہے۔ کیا جانتی ہے کہ اس حضرت وجوب کے لیے جس کے واسطے قدم لازم ہے اس کے اسماوصفات و افعال میں سے کون سے مناسب ہیں اور کون سے نامناسب۔ تاکہ ان کا اطلاق کیا جائے۔ اور ان سے اجتناب کیا جائے۔ بلکہ بسا اوقات اپنے نقص کی وجہ سے کمال کو نقصان اور نقصان کو کمال سمجھتی ہے۔ یہ تمیز فقیر کے نزدیک تمام ظاہری و باطنی نعمتوں سے بڑھ کر ہے۔ وہ شخص بڑا بدبخت ہے جو امور نامناسب کو حق تعالیٰ کی پاک بارگاہ کی طرف منسوب کرے۔ اور ناشائستہ اشیا کو حق سبحانہٗ کی طرف نسبت دے۔ بعثت ہی کی بدولت حق باطل سے جُدا ہوا ہے۔ اور بعثت ہی کی وجہ سے عبادت کی مستحق ذات اور غیر مستحق میں تمیز ہوئی ہے۔ وہ بعثت ہی ہے جس کے ذریعے حق تعالیٰ کے راستہ کی طرف دعوت کرتے ہیں اور بندوں کو مولیٰ جل سلطانہٗ کے قرب اور وصل کی سعادت تک پہنچاتے ہیں۔ اور بعثت کے ذریعے حق تعالیٰ کی مرضیات پر اطلاع حاصل ہوتی ہے، جیسے کہ گزر چکا، اور بعثت ہی کے طفیل حق تعالیٰ کے ملک میں تصرف کے جواز اور عدم جواز میں تمیز ہوتی ہے۔ بعثت کے اس طرح کے فائدے بکثرت ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ بعثت سراسر رحمت ہے۔ اور جو شخص اپنے نفس امارہ کی خواہش کے تابع ہو جائے اور شیطان لعین کے حکم سے بعثت کا انکار کر دے اور بعثت کے موافق عمل نہ کرے تو بعثت کا کیا گناہ ہے اور بعثت کیوں رحمت نہیں ہے۔

سوال:

عقل بذاتہٖ اگرچہ جل شانہٗ کے احکام میں ناقص و ناتمام ہے۔ لیکن یہ کیوں نہیں ہو سکتا کہ تصفیہ اور تزکیہ کے حاصل ہونے کے بعد عقل کو مرتبہ وجوب تعالیٰ و تقدس کے ساتھ بے تکیف مناسبت اور اتصال پیدا ہو جائے۔ جس کے سبب احکام کو وہاں سے اخذ کرلے اور اس کو اس بعثت کی جو فرشتہ کے واسطے سے ہے کوئی حاجت نہ رہے؟

جواب:

عقل اگرچہ یہ مناسبت اور اتصال پیدا کرلے لیکن یہ تعلق جو اس کا اس مادی صورت کے ساتھ ہے پوری طرح دور نہیں ہوتا اور اس کو پورا پورا تجرد حاصل نہیں ہوتا۔ پس واہمہ ہمیشہ اس کا دامن گیر رہتا

ہے۔ اور متخیلہ ہرگز اس کا خیال نہیں چھوڑتی۔ اور قوت غضبی اور شہوی ہمیشہ اس کی دوست رہتی ہیں اور حرص و شرکی رذیل صفتیں اس کی ہمنشیں ہوتی ہیں۔ اور سہو و نسیان جو نوع انسان کا لازمہ ہے۔ اس سے دُور نہیں ہوتے۔ اور خطا اور غلطی جو اس جہان کا خاصہ ہے، اس سے الگ نہیں ہوتے۔ لہٰذا عقل اعتماد کے لائق نہیں ہے۔ اور اس کے حاصل کیے ہوئے وہم کے غلبہ اور خیال کے تصرّف سے نہیں بچ سکتے۔ اور نقصان کی آمیزش اور خطا کے گمان سے محفوظ نہیں رہ سکتے۔ برخلاف فرشتہ کے کہ وہ ان اوصاف سے پاک اور ان رذائل سے مبرّا ہے۔ پس وہ بالضرور اعتماد کے لائق ہوگا۔ اور اس کے ماخوذہ احکام وہم و خیال کی آمیزش اور نسیان و خطا کے گمان سے محفوظ ہوں گے۔ اور بعض اوقات ان علوم میں جو تلقّی روحانی سے اخذ کیے ہوتے ہیں، محسوس ہوتا ہے کہ قوٰی و حواس کے ساتھ ان کی تبلیغ کی اثناء میں بعض مقدمات مسلمہ غیر صادقہ جو وہم و خیال وغیرہ کے ذریعے حاصل ہوئے ہوتے ہیں ان علوم میں اس طرح مل جاتے ہیں کہ اس وقت ہرگز تمیز نہیں کرسکتے۔ اور ثانی الحال میں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اس تمیز کا علم حاصل ہوتا ہے اور کبھی نہیں بھی ہوتا۔ پس وہ علوم ان مقدمات کے مل جانے کے باعث کذب کی ہیئت پیدا کرلیتے ہیں۔ اور پھر اعتماد کے قابل نہیں رہتے یا دوسرا اس کا یہ جواب ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ تصفیہ اور تزکیہ کا حاصل ہونا ان اعمال صالحہ کے بجالانے پر موقوف ہے جو حق تعالیٰ کو پسند ہیں۔ اور یہ امر بعثت پر موقوف ہے۔ جیسے کہ گزرچکا۔

پس ثابت ہُوا کہ بعثت کے بغیر تصفیہ اور تزکیہ کی حقیقت حاصل نہیں ہوسکتی اور وہ صفائی جو کافروں اور فاسقوں کو حاصل ہوتی ہے وہ نفس کی صفائی ہے نہ قلب کی صفائی اور صفائے نفس سے گمراہی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اور خسارہ کے سوا کچھ نہیں آتا۔ اور بعض امور غیبی کا کشف جو صفائی کے وقت کافروں اور فاسقوں کو حاصل ہوتا ہے۔ وہ استدراج ہے جس سے مقصود ان لوگوں کی خرابی اور خسارت ہے:

نَجَّانَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ عَنْ ھٰذِہِ الْبَلِیَّۃِ	اللہ تعالیٰ سید المرسلین صلی اللہ علیہ و آلہ
بِحُرْمَۃِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ عَلَیْہِ وَعَلَیْھِمُ	وسلم کی طفیل ہم کو اس بلا سے
الصَّلٰوۃُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ وَعَلٰٓی اٰلِہٖ	بچائے۔

اور اس تحقیق سے واضح ہُوا کہ تکلیف شرعی جو بعثت کی راہ سے ثابت ہوئی ہے وہ بھی رحمت ہے نہ کہ جس طرح تکلیف شرعی کے منکروں یعنی مُلحدوں اور زندیقوں نے گمان کیا ہے۔ اور تکلیف کو کلفت سے تصوّر کرکے غیر معقول اور ناپسند جانا ہے۔ اور جو کہتے ہیں کہ یہ کونسی مہربانی ہے کہ بندوں کو

سخت مشکل امور کی تکلیف دیں اور کہیں کہ اگر تم اس تکلیف کے بموجب عمل کرو گے تو بہشت میں جاؤ گے اور اگر اس کے برخلاف کرو گے تو دوزخ میں جاؤ گے ان کو ایسے امور کی کیوں تکلیف دیتے ہیں ان کو کیوں نہیں چھوڑ دیتے کہ کھائیں پئیں اور سو رہیں اور اپنے حال میں رہیں۔ یہ بدبخت اور بیوقوف نہیں جانتے کہ منعم کا شکر از روئے عقل کے واجب ہے۔ اور یہ تکلیفات شرعیہ اس شکر کے بجا لانے کا بیان ہے پس تکلیف عقل کی رُو سے واجب ہے، اور نیز جہان کا انتظام اس تکلیف پر منحصر ہے۔ اگر ہر ایک کو اپنے اپنے حال پر چھوڑ دیا جاتا تو اُن سے سوائے شرارت اور فساد کے کچھ ظاہر نہ ہوتا۔ ہر بوالہوس دوسرے کے جان و مال میں دست درازی کرتا اور خبث و فساد سے پیش آتا۔ اور خود بھی ضائع ہوتا اور دوسرے کو بھی ضائع کرتا۔ عَیَاذًا بِاللّٰہِ سُبْحَانَہٗ اگر شرعی موانع اور زواجر نہ ہوتے۔ تو معلوم نہیں کس قدر شرارت اور فساد ظاہر ہوتا:

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يَّا اُولِي الْاَلْبَابِ[1] اسے دانا ؤ قصاص میں تمہارے لیے زندگی ہے۔

ع کند زنگئے مست در کعبہ قے
اگر چوب حاکم نباشد ز پے!

زنگئی مست کعبہ میں قے کر دے۔ اگر حاکم کی لاٹھی سر پر نہ ہو۔

یا ہم یہ کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ خود مختار مالک ہے اور بندے اُس کے مملوک اور غلام ہیں۔ پس جو حکم و تصرف جو وہ ان میں فرماتا ہے عین خیر و صلاح ہے۔ اور ظلم و فساد کی آمیزش سے منزہ اور مبرا ہے:

لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ[2]۔ جو وہ کرتا ہے اس سے کوئی نہیں پوچھ سکتا۔

ع کرا زہرۂ آنکہ از بیم تو
کشاید زباں جز بہ تسلیم تو

کسے طاقت ہے کہ تیرے خوف کے باعث تسلیم حکم کے سوا لب کشائی کرے۔

اگر سب کو دوزخ میں بھیج دے اور ان کو ہمیشہ کا عذاب فرمائے۔ کوئی اعتراض کی جگہ نہیں۔ اور غیر کے ملک میں یہ تصرف نہیں ہے جو ستم کی صورت پیدا کرے۔ برخلاف ہمارے املاک کے جو در حقیقت اسی کے املاک ہیں۔ ان املاک میں ہمارے تمام تصرفات عین ستم ہیں کیونکہ صاحب شرع نے بعض مصلحتوں کے باعث ان املاک کو ہماری طرف منسوب کیا ہے اور در حقیقت اسی کے املاک ہیں۔ پس ہمارا تصرف ان املاک میں اسی قدر جائز ہے جس قدر کہ اس مالک مختار نے اسی تصرف کو جائز قرار دیا ہے۔ اور ہمارے

[1] پارہ سیقول، سورۂ بقرہ
[2] پارہ اقترب، سورۂ انبیاء

لیے مباح کیا ہے۔ اور جو کچھ ان بزرگوں یعنی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے حق جل وعلا کے بتلانے سے خبر دی ہے یا درحین احکام کا بیان فرمایا ہے سب سچ اور واقع کے مطابق ہیں۔ اور اگرچہ ان بزرگواروں کے اجتہادی احکام میں خطا کو جائز کہا گیا ہے۔ لیکن خطا کی تقریر کو ان کے حق میں جائز نہیں رکھا اور کہا ہے کہ ان کو خطا پر جلدی آگاہ کر دیا جاتا ہے۔ اور صواب و بہتری سے اس کا تدارک فرماتے ہیں :

فَلَا اِعْتِدَادَ بِذٰلِكَ الْخَطَآءِ لہٰذا یہ خطا کسی گنتی میں نہیں ہے۔

عقیدہ تیرھواں :

اور قبر کا عذاب کافروں کو اور بعض گنہگار مومنوں کے لیے حق ہے۔ مخبر صادق علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰت والتسلیمات نے اس کی نسبت خبر دی ہے۔

عقیدہ چودھواں :

اور قبر میں مومنوں اور کافروں سے منکر نکیر کا سوال بھی حق ہے۔ قبر دنیا اور آخرت کے درمیان ایک برزخ ہے۔ اس کا عذاب ایک وجہ سے عذاب دنیوی سے مناسبت رکھتا ہے اور انقطاع پذیر ہے اور دوسری وجہ سے عذاب آخرت کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے جو درحقیقت آخرت کے عذابوں سے ہے۔ آیت کریمہ :

اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۱ صبح و شام وہ آگ کے پیش کیے جاتے ہیں۔

عذاب قبر میں نازل ہوئی ہے۔ اور اسی طرح قبر کا آرام بھی دو پہلو رکھتا ہے۔ وہ شخص بہت ہی سعادت مند ہے جس کی لغزشوں اور قصوروں کو کمال کرم اور مہربانی سے بخش دیں اور اس کا مواخذہ نہ کریں۔ اور اگر مواخذہ کے مقام میں آئے بھی تو کمال مہربانی سے دنیا کے رنجوں اور مصیبتوں کو اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیں۔ اور جو کچھ بقیہ رہ جائے تو قبر کی تنگی اور ان تکلیفوں کو جو اس مقام میں مقرر کی ہوئی ہیں اُس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیں تاکہ پاک و پاکیزہ محشر میں اٹھے۔ اور جس شخص کے لیے ایسا نہ کریں اور اس کا مواخذہ آخرت پر موقوف رکھیں اُس کے حق میں بھی عدل ہے۔ لیکن گنہگاروں اور شرمساروں کے حال پر افسوس ہے ہاں جو کوئی اہل اسلام سے ہے۔ اس کا انجام رحمت سے ہے اور عذاب ابدی سے محفوظ ہے۔ یہ بھی بڑی اعلیٰ نعمت ہے۔

رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ بِحُرْمَةِ سَيِّدِ اے ہمارے رب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طفیل ہمارے نور کو

ا؎ سورہ مومن، پارہ فمن اظلم ۱۲

الْمُرْسَلِیْنَ عَلَیْہِ وَعَلَیْھِمُ الصَّلَوٰتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ ۔ کامل کر اور ہمارے گناہوں کو بخش تو ہر شے پر قادر ہے۔

عقیدہ پندرھواں:

روز قیامت حق ہے اور اس دن آسمان و زمین اور ستارے اور پہاڑ اور سمندر اور حیوان اور نباتات اور معادن سب کے سب معدوم اور ناچیز ہو جائیں گے۔ آسمان پھٹ جائیں گے اور ستارے پراگندہ ہو کر گر پڑیں گے۔ اور زمین و پہاڑ اڑ جائیں گے۔ یہ اعدام اور افنا نفخہ اولیٰ سے تعلق رکھتا ہے اور نفخہ ثانیہ میں قبروں سے اُٹھیں گے اور محشر میں جائیں گے۔

اہل فلسفہ آسمانوں اور زمینوں کے نیست و نابود ہونے کو نہیں مانتے۔ اور ان کا فانی اور فاسد ہونا جائز نہیں سمجھتے۔ اور اُن کو ازلی ابدی کہتے ہیں۔ اور باوجود اس امر کے ان میں سے متاخرین لوگ اپنی بیوقوفی کے باعث اپنے آپ کو اہل اسلام کے گروہ سے جانتے ہیں اور بعض اسلامی احکام کے بجالانے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ بڑے تعجب کی بات ہے کہ بعض اہل اسلام ان کی ان باتوں پر یقین کر لیتے ہیں اور بے تحاشا ان کو مسلمان جانتے ہیں۔ اور اس سے زیادہ تر تعجب کی بات یہ ہے کہ بعض مسلمان ان لوگوں میں بعض کے اسلام کو کامل جانتے ہیں۔ اور اگر کوئی ان کو طعن و تشنیع کرے تو بہت بُرا مناتے ہیں۔ حالانکہ یہ لوگ نصوص قطعیہ کے منکر ہیں۔ اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے اجماع کا انکار کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِذَا الشَّمْسُ کُوِّرَتْ ۝ وَاِذَا النُّجُوْمُ انْکَدَرَتْ ۝[1] جس وقت آفتاب (کے نور کی چادر کو) لپیٹ لیا جائے۔ اور جس وقت تارے جھڑ پڑیں۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ۝ وَاَذِنَتْ لِرَبِّھَا وَحُقَّتْ ۝[2] اور جب آسمان پھٹ جاوے اور سن لے حکم اپنے پروردگار کا اور اسی لائق ہے۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَفُتِحَتِ السَّمَآءُ فَکَانَتْ اَبْوَابًا ۔ ای شُقَّتْ اور آسمان پھٹ کر (ایسی ہیں) دروازے دروازے ہو جائیں گے۔

---

[1] سورہ تکویر، پارہ عم۔
[2] سورہ انشقاق، پارہ عم۔

اس قسم کی آیتیں قرآن مجید میں بکثرت موجود ہیں۔ اور نہیں جانتے کہ صرف کلمہ شہادت کا منہ سے بول لینا اسلام میں کافی نہیں ہے۔ بلکہ ان تمام چیزوں کی تصدیق ضروری ہے۔ جن کا بجالانا اور ان پر عمل درآمد کرنا دین کی ضروریات سے سمجھا گیا ہے۔ اور کفر و کافری سے تبرا یعنی بیزار ہونا بھی ضروری ہے۔ تاکہ اسلام ثابت ہو جائے۔ وَ دُوْنَهٗ خَرْطُ الْقَتَادِ۔ (ورنہ کچھ بھی نہیں ہے)۔

عقیدہ سولہواں:

اور حساب اور میزان اور پل صراط حق ہے کہ مخبر صادق علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی نسبت خبر دی ہے۔ اور نبوت کے حال سے بعض جاہلوں کے نزدیک ایسے امور کا بعید از عقل ہونا اعتبار سے ساقط ہے۔ کیونکہ نبوت کی حقیقت عقل کی حقیقت سے برتر ہے اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سچی خبروں کو نظر عقل کے ساتھ موافق کرنا درحقیقت طور نبوت سے انکار کرنا ہے۔ کیونکہ یہاں تو معاملہ تقلید پر ہے۔ نہیں جانتے کہ شان نبوت طور عقل کے مخالف ہے۔ بلکہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تقلید کے ایسے عالی مطالب کی طرف ہدایت نہیں پا سکتی۔ مخالفت اور چیز ہے اور وہاں تک نہ پہنچنا اور شے۔ کیونکہ مخالفت مطلب تک پہنچنے کے بعد متصور ہوتی ہے۔

عقیدہ سترھواں:

بہشت و دوزخ موجود ہیں۔ قیامت کے دن حساب لینے کے بعد ایک گروہ کو بہشت میں اور ایک دوزخ میں بھیج دیں گے۔ اور ان کا ثواب و عذاب ابدی ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا۔ جیسے کہ قطعی اور پختہ نصوص اس امر پر دلالت کرتی ہیں۔

صاحب نصوص کہتا ہے کہ سب کا انجام رحمت سے ہے:

اِنَّ رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ ۔ میری رحمت سب چیزوں کو گھیرے ہوئے ہے۔

اور کفار کے لیے دوزخ کا عذاب تین حقبہ[1] تک ثابت کرتا ہے۔ اور بعد ازاں کہتا ہے کہ آگ ان کے حق میں برد اور سلام یعنی ٹھنڈی اور سلامتی کا باعث بن جائے گی۔ جیسے کہ حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام پر ہو گئی تھی۔ اور حق تعالیٰ کی وعید میں خلاف جائز سمجھتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ کوئی اہل دل صوفی کفار کے ہمیشہ کے عذاب کی طرف نہیں گیا۔ اس مسئلہ میں بھی صواب سے دور جا پڑا ہے۔ اور اس نے نہیں جانا ہے کہ مومنوں اور کافروں کے حق میں رحمت کا وسیع ہونا صرف دنیا ہی میں مخصوص ہے اور آخرت میں کافروں کو رحمت کی بُو بھی نہ پہنچے گی، جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

---

[1] حقبہ اسی برس کے عرصے کو کہتے ہیں۔

إِنَّهُ لَا يَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُوْنَ ۔ میری رحمت سے کافروں کے سوا اور کوئی نااُمید نہ ہوگا۔[1]

اور رَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ کے بعد فرماتا ہے :

فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ۔ پھر میں اپنی رحمت کو ان لوگوں کیلئے لکھوں گا جو ڈرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں، اور ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں۔[2]

شیخ نے آیت کے اوّل حصہ کو پڑھا ہے اور آخر حصہ پر عمل نہیں کیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

إِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۔ اللہ کی رحمت نیکوکاروں کے قریب ہے۔

اور آیت کریمہ :

فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ بس ہرگز تو گمان نہ کر کہ اللہ اپنے رسولوں سے وعدہ خلافی کریگا۔[3]

خلف وعدہ کی خصوصیت پر دلالت نہیں کرتی ؛

ہو سکتا ہے کہ اس جگہ وعدہ خلافی کے نہ ہونے کا انحصار اس سبب سے ہو کہ وعدہ سے اس پر مراد رسولوں کی نصرت اور فتح اور کفار پران کا غلبہ ہے۔ اور یہ بات وعدہ و وعید کو متضمن ہے۔ یعنی رسولوں کے لیے وعدہ ہے اور کفار کے لیے وعید۔ تو گویا اس آیت میں خلف وعدہ کی بھی اور خلف وعید کی بھی نفی ہے۔ فَالْاٰيَةُ مُسْتَشْهَدَةٌ عَلَيْهِ لَا لَهٗ "تو آیت مذکورہ شیخ کے خلاف ہے اس کی موید نہیں" اور نیز وعید میں خلاف ہونا وعدہ کے خلاف کی طرح کذب کو مستلزم ہے۔ اور یہ بات حق تعالیٰ کی بلند بارگاہ کے مناسب نہیں ہے۔ یعنی حق تعالیٰ نے ازل میں جان لیا تھا کہ کفار کو ہمیشہ کا عذاب نہ دوں گا۔ اور پھر باوجود اس بات کے کسی مصلحت کے لیے اپنے علم کے خلاف کہہ دیا کہ ان کو ہمیشہ کا عذاب کردں۔ اس امر کا تجویز کرنا نہایت ہی بُرا ہے۔[4]

---

[1] سورۃ یوسف، پارہ ۱۳۔ [2] سورۃ اعراف، پارہ قال الملأ۔

[3] سورہ ابراہیم، پارہ وما ابرئ۔

[4] حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس مقام پر اس مسئلے کو بھی صاف کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ امکان کذب کے عیب سے بھی پاک اور منزہ ہے۔ چنانچہ اس بارے میں حضرت امام ربانی علیہ الرحمۃ کے اصل فارسی الفاظ یہ ہیں

پس گویا دریں کریمہ ہم خلف وعدہ منفی شد وہم خلف وعید۔	پس اس ایت میں گو یا خلاف وعدہ کی بھی نفی ہو گئی اور خلاف وعید کی بھی۔
والیضاً خلف در وعید در رنگ خلف در وعدہ	نیز خلف وعید بھی خلف وعدہ کی طرح مستلزم

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ

تیرا بڑی عزت والا رب اس بات سے برتر و پاک ہے جس کے ساتھ اس کو موصوف کرتے ہیں۔ اور مرسلین پر سلام ہو۔

اور کفار کے لیے دائمی عذاب نہ ہونے پر اہل دل کا اجماع صرف شیخ کا اپنا کشف ہے۔ اور کشف میں خطا کی مجال بہت ہے۔ اور چونکہ یہ کشف مسلمانوں کے اجماع کے مخالف ہے اس لیے اس کا کچھ اعتبار اور شمار نہیں ہے۔

عقیدہ اٹھارھواں:

فرشتے اللہ جل شانہ کے بندے ہیں جو گناہوں سے معصوم اور خطا و نسیان سے محفوظ ہیں:

لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝

جو امر ان کو اللہ تعالیٰ کرتا ہے اس میں اس کی نافرمانی نہیں کرتے۔ اور وہی کرتے ہیں جو اُن کو حکم ہوتا ہے۔

اور کھانے پینے اور زن و مرد ہونے سے پاک اور منزہ ہیں۔ اور قرآن مجید میں ان کے لیے مذکر ضمیروں کا استعمال اس اعتبار سے ہے کہ مردوں کا گروہ عورتوں کے گروہ سے افضل اور شریف مانا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ

حاشیہ صفحہ سابقہ:-

مستلزم کذب است و ناشایان آنحضرت جل سلطانہ — کذب واجب تعالیٰ ہے اور اس کی شان کے لائق نہیں۔

این معنی را تجویز نمودن شناعتِ تمام وارد۔ — واجب تعالیٰ کے لیے ایسے معنی کو جائز قرار دینا جس سے خلاف وعدہ یا وعید لازم آئے نہایت ہی برا ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ آیۃ فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗ کے تحت فرماتے ہیں:

خبر او تعالیٰ کلام ازلی اوست و کذب در کلام نقصانیست عظیم کہ ہرگز بصفات او راہ نیابد در حق او تعالیٰ کہ مبرا از جمیع عیوب و نقائص است خلاف خبر مطلقاً نقصان محض است۔ (تفسیر عزیزی زیر آیۃ مذکورہ)

اللہ تعالیٰ کی خبر اس کا کلام ازلی ہے، اور جھوٹا ہونا کلام میں نقصان عظیم ہے کہ ہرگز اس کی صفات تک راہ نہیں پاسکتا کیونکہ وہ تمام عیوب و نقائص سے منزہ اور خبر کا خلاف واقع ہونا خالص نقص و عیب ہے۔

علاوہ ازیں تمام خلف و سلف اہل سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ واجب تعالیٰ کذب کے امکان سے مبرا و منزہ ہے۔ کیونکہ جھوٹ عیب اور نقص ہے۔ اس مسئلہ کی مزید تفصیل کا مطالعہ اگر درکار ہو تو کتاب مستطاب سبحان السبوح مصنفہ اعلحضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھیے۔ (مترجم عفی عنہ)

(حاشیہ صفحہ ھٰذا) ؎۱ سورہ تحریم، پارہ قد سمع اللہ۔

حق تعالیٰ نے بھی اپنی ذات کے لیے مذکر ضمیروں کا استعمال فرمایا ہے اور حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے ان میں سے بعض کو رسالت کے لیے برگزیدہ کیا ہے۔ جس طرح کہ بعض انسانوں کو بھی اس دولت سے مشرف کیا ہے:

اَللّٰہُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ[1] — اللہ تعالیٰ فرشتوں اور انسانوں سے بعض کو رسول بنالیتا ہے۔

تمام اہل حق اس بات پر متفق ہیں کہ خاص انسان خاص فرشتوں سے افضل ہیں۔

امام غزالیؒ اور امام الحرمین اور صاحب فتوحات مکیہؒ اس بات کے قائل ہیں کہ خاص ملک خاص انسان سے افضل ہیں۔ اور جو کچھ اس فقیر پر ظاہر کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ فرشتہ نبی کی ولایت سے افضل ہے۔ لیکن نبوت اور رسالت کے درمیان نبی کے لیے ایک ایسا درجہ ہے جہاں تک فرشتہ نہیں پہنچا ہے۔ اور وہ درجہ عنصر خاک کی راہ سے ظاہر ہوا ہے۔ جو بشر کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور اس فقیر پر یہ بھی ظاہر کیا گیا ہے کہ کمالات ولایت کمالاتِ نبوت کے مقابلہ میں کسی گنتی میں نہیں ہیں۔ کاش کہ ان کے درمیان وہ نسبت ہی ہوتی، جو قطرہ کو دریائے محیط کے ساتھ ہے، مگر نہیں ہے۔ پس وہ فضیلت جو راہ نبوت سے حاصل ہو وہ اس فضیلت سے کئی گنا زیادہ ہوگی جو راہ ولایت سے حاصل ہو۔ لہٰذا افضلیّت مطلق انبیائے علیہم الصلوٰۃ والسلام کا حصّہ ہے اور فضل جزئی ملائکہ کرام کے لیے ہے۔ پس بہتر وہی ہے جو جمہور علما شکر اللہ تعالیٰ سعیہم نے کہا ہے۔

اس تحقیق سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ کوئی ولی کسی نبی کے درجہ تک نہیں پہنچتا۔ بلکہ اس ولی کا سر ہمیشہ اس نبی کے قدم کے نیچے ہوتا ہے۔

جاننا چاہیے کہ ان مسائل میں سے ہر ایک مسئلہ میں جن میں صوفیہ و علما کا باہم اختلاف ہے، جب اچھی طرح غور اور ملاحظہ کیا جاتا ہے۔ تو حق بجانب علما معلوم ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ علما کی نظر نے انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کے باعث نبوّت کے کمالات اور اس کے علوم میں نفوذ کیا ہے۔ اور صوفیہ کی نظر ولایت کے کمالات اور اس کے معارف تک ہی محدود ہے۔ پس وہ علم جو نبوت کی پیش گاہ سے حاصل کیا جاوے وہ بالضرور اُس علم سے جو مرتبہ ولایت سے اخذ کیا جائے۔ کئی درجے بہتر اور حق ہوگا۔

بعض معارف کی تحقیق اُس مکتوب میں جو اپنے فرزند ارشد کے نام طریقہ کے بیان میں لکھا ہے،

---

[1] آخر سورۃ حج، پارہ قد اقترب۔

درج ہو چکی ہے۔ اگر کچھ وقت اور پوشیدگی رہ جائے۔ تو اس مکتوب کی طرف رجوع کریں۔

عقیدہ اُنیسواں[19]:

ایمان ان تمام دینی امور کے ساتھ جو ضرورت اور تواتر کے طریق پر ہم تک پہنچے ہیں۔ تصدیق قلبی سے مراد ہے۔ اور اقرار زبانی بھی ایمان کا رکن کہا ہے جو سقوط کا احتمال رکھتا ہے۔ اور کفر اور کافری اور کفر کے خصائص اور لوازم مثلاً زنّار، باندھنی اور اس قسم کی اور رسوم سے جو اس میں پائی جاتی ہیں تبرّی کرنا اور بیزار ہونا اس تصدیق کی علامت میں سے ہے۔ اور اگر عیاذاً باللہ کوئی اس تصدیق کا بھی دعویٰ کرے۔ اور کفر سے بیزاری اور تبرّی بھی ظاہر نہ کرے۔ تو ظاہر ہے کہ ایسا شخص دو دینوں کی تصدیق کرنے والا ہے جو ارتداد کے نشان سے داغ دار ہے۔ اور حقیقت میں اس کا حکم منافق کا سا حکم ہے۔ لَآاِلٰی هٰٓؤُلَآءِ وَلَآاِلٰی هٰٓؤُلَآءِ (نہ اِدھر کا نہ اُدھر کا)۔

پس ایمان کی تحقیق میں کفر سے تبرّی کرنا ضروری ہے۔ ادنیٰ تبرّی یہ ہے کہ دل سے ہو، اور اعلیٰ یہ ہے کہ دل اور جسم دونوں سے ہو۔ اور تبرّی سے مراد یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے دشمنوں کے ساتھ دشمنی کی جائے وہ دشمنی خواہ دل سے ہو۔ جب کہ ان کے ضرر کا ڈر ہو۔ خواہ دل اور جسم سے ہو۔ جب کہ ان کے ضرر کا ڈر نہ ہو۔

آیت کریمہ:

يَآاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِيْنَ[51] وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ — اے نبی کفار اور منافقوں سے جہاد کر اور ان پر سختی کر۔

اسی مضمون کی تائید کرتی ہے۔ کیونکہ اللہ جل شانہٗ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت ان کے دشمنوں کی دشمنی کے بغیر ثابت نہیں ہوتی۔ اس جگہ یہ مصرعہ صادق آتا ہے ع

تولّی[52] بے تبرّیٰ نیست ممکن

شیعہ نے جو یہ قاعدہ اہل بیت کی محبت اور دوستی میں جاری کیا ہوا ہے۔ اور خلفائے ثلٰثہ کے تبرے کو اس محبت کی شرط قرار دیا ہے۔ نامناسب ہے۔ کیونکہ دوستوں کی محبت کے لیے شرط ہے کہ ان کے دشمنوں سے تبرّی کیا جائے نہ کہ مطلق طور پر دشمنوں کے سوا غیروں سے بھی۔ اور کوئی منصف عاقل اس بات کو جائز نہیں سمجھتا کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب اہل بیت کے دشمن ہوں۔ جب کہ ان بزرگواروں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت میں اپنے مالوں اور جانوں کو صرف کر دیا اور جاہ و ریاست کو برباد کر دیا ہے اور کس طرح اہل بیت کی دشمنی کو ان کی طرف منسوب کر سکتے ہیں۔ جب کہ نص قطعی کے ساتھ آنحضرت ﷺ

---

[51] سورۂ توبہ، سورۂ تحریم۔ [52] یعنی دوستی دشمنوں سے بیزاری کے بغیر ممکن نہیں۔

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قرابت والوں کی محبت ثابت ہے اور دعوت کی اجرت ان کی محبت مقرر کی ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى وَمَنْ يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا حُسْنًا۔[۱]	اے رسول ان سے کہہ دیں کہ میں تم سے اہل قرابت کی دوستی کے سوا اور کچھ اجر نہیں مانگتا۔ اور جو شخص ایک نیکی کمائیگا ہم اس کی نیکیوں میں اور نیکیاں زیادہ کریں گے۔

حضرت ابراہیم خلیل الرحمٰن علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو یہ بزرگی پائی اور شجرہ انبیاء بن گئے سبب حق تعالیٰ کے دشمنوں سے تبرّی کرنے کے باعث ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَآءُ مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ۔[۲]	تمہارے لیے ابراہیم اور اس کے اصحاب میں نہایت اعلیٰ درجہ کی بہتر پیروی تھی۔ جب کہ انہوں نے قوم کے لوگوں کو کہا کہ ہم تم سے اور ان سے جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو بیزار ہیں۔ اور ہم تم سے انکار کرتے ہیں اور جب تک تم ایک اللہ پر ایمان نہ لاؤ ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لیے عداوت اور دشمنی ظاہر ہو چکی ہے۔

اور حق جل وعلیٰ کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے فقیر کی نظر میں اس تبرّے (دشمنوں سے بیزاری) کے برابر کوئی عمل نہیں ہے۔ اس بیزاری کا ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ کو کفر اور کافری کے ساتھ عداوت ہے۔ اور آلہہ آفاقی مثل لات وعزّیٰ اور ان کے عبادت کرنے والے بالذات حق سلطانہٗ کے دشمن ہیں۔ اور دوزخ کا دائمی عذاب اس بُرے فعل کی جزا ہے۔ اور آلہہ انفسی یعنی ہوائے نفسانی اور تمام برے اعمال یہ نسبت نہیں رکھتے۔ کیونکہ غضب و عداوت ان کی نسبت ذاتی نہیں ہے۔ اگر غضب ہے تو صفات کی طرف منسوب ہے اور اگر عقاب وعتاب ہے تو افعال کی طرف راجع ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دوزخ کا دائمی عذاب ان بُرے فعلوں کی جزا نہیں بنا۔ بلکہ ان کی معرفت کو اپنی مشیّت اور ارادہ پر منحصر کیا ہے۔

جاننا چاہیے کہ جب کفر اور کافروں کے ساتھ ذاتی عداوت ثابت ہو چکی تو ناچار رحمت ورافت جو

[۱] سورہ شوریٰ، پارہ الیہ یرد۔
[۲] سورۃ ممتحنہ پارہ قد سمع اللہ۔

صفات جمال میں سے ہے آخرت میں کافروں کو نہ پہنچے گی۔ اور رحمت کی صفت عداوت ذاتی کو دور نہ کرے گی کیونکہ وہ چیز جو ذات کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔ اس چیز کی نسبت جو صفت سے تعلق رکھتی ہے زیادہ اقویٰ اور ارفع ہے۔ پس مقتضائے صفت مقتضائے ذات کو تبدیل نہیں کر سکتا۔ اور یہ جو حدیث قدسی میں آیا ہے کہ سَبَقَتْ رَحْمَتِیْ عَلٰی غَضَبِیْ[1] (میری رحمت غضب پر بڑھی ہوئی ہے) اس غضب سے مراد غضب صفاتی سمجھنا چاہیے جو گنہگاروں کے ساتھ مخصوص ہے نہ کہ غضب ذاتی جو مشرکوں کے ساتھ مخصوص ہے

سوال :

اگر کہیں کہ دنیا میں کافروں کو رحمت نصیب ہے۔ جیسے کہ تو نے اُوپر تحقیق کی ہے تو پھر دنیا میں رحمت کی صفت نے ذاتی عداوت کو کیسے دُور کر دیا ؟

جواب :

میں کہتا ہوں کہ دنیا میں کافروں کو رحمت کا حاصل ہونا ظاہر اور صورت کے اعتبار سے ہے اور درحقیقت ان کے حق میں استدراج اور مکر ہے۔

آیت کریمہ :

اَیَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّھُمْ بِہٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِیْنَ ۙ نُسَارِعُ لَھُمْ فِی الْخَیْرٰتِ ۭ بَلْ لَّا یَشْعُرُوْنَ ۝ (پ ۱۸۔ ع ۴)[2]	کیا یہ لوگ ایسا خیال کرتے ہیں کہ ہم جو مال و اولاد سے ان کی امداد کیے چلے جا رہے ہیں (اس کے یہ معنی ہیں کہ) اُن کو فائدہ پہنچانے میں ہم جلدی کر رہے ہیں (نہیں)، بلکہ یہ (لوگ اصل مطلب کو) سمجھتے نہیں۔

اور آیت کریمہ :

سَنَسْتَدْرِجُھُمْ مِّنْ حَیْثُ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝ وَاُمْلِیْ لَھُمْ ۭ اِنَّ کَیْدِیْ مَتِیْنٌ ۝ (پ ۹۔ ع ۱۳)[3]	ہم انہیں اس طرح پر کہ ان کو خبر بھی نہ ہو آہستہ آہستہ (جہنم کی طرف گھسیٹ کر) لے جائیں گے۔ اور ہم اُن کو (دنیا میں) مہلت دیتے ہیں ہمارا داؤ بیشک (پکا) داؤ ہے۔

انہی معنوں پر شاہد ہیں،

فائدہ جلیلہ :

دوزخ کا دائمی عذاب صرف کفر کی جزا ہے۔ پھر اگر پوچھیں کہ ایک شخص باوجود ایمان کے کفر کی رسمیں

---

[1] بخاری و مسلم بروایت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ [2] سورۂ مومنون، پارہ قد افلح۔

[3] سورۂ اعراف پارہ و قال الملاء

بجالاتا اور کفر کی رسموں کی تعظیم کرتا ہے۔ اور علما اس پر کفر کا حکم لگاتے اور اُس کو مُرتد سمجھتے ہیں۔ جیسے کہ ہندوستان کے اکثر مسلمان اس بلا میں مبتلا ہیں۔ پس چاہیئے کہ علما کے فتوے کے بموجب وہ شخص آخرت کے عذاب ابدی میں گرفتار رہو۔ حالانکہ اخبار صحیحہ میں آچکا ہے کہ جس شخص کے دل میں ذرہ ایمان بھی ہوگا۔ اس کو دوزخ سے باہر نکال لیں گے۔ اور دائمی عذاب میں نہ رہنے دیں گے۔ تیرے نزدیک اس مسئلہ کی کیا تحقیق ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اگر وہ شخص کافر محض ہے تو دائمی عذاب اُس کے نصیب ہے۔ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْہُ اور کفر کی رسموں کے بجالانے کے باوجود ذرّہ ایمان بھی رکھتا ہے تو دوزخ کے عذاب میں مبتلا ہوگا۔ لیکن اس ذرہ بھر ایمان کی برکت سے امید ہے کہ دائمی عذاب سے نجات مل جائے گی اور دائمی گرفتاری سے نجات پائے گا۔

فقیر ایک دفعہ ایک شخص کی بیمار پُرسی کے لیے گیا۔ جس کا معاملہ نزع کی حالت کے قریب پہنچا ہُوا تھا۔ جب یہ فقیر اس کے حال کی طرف متوجہ ہُوا، تو دیکھا کہ اُس کے دل پر بہت سی ظلمتیں چھائی ہوئی ہیں۔ ان ظلمتوں کو دُور کرنے کا ارادہ کیا اور چاہا کہ وہ ظلمتیں اس کے دل پر سے دُور ہو جائیں۔ لیکن اس کے دل نے قبول نہ کیا۔ بہت سی توجہ کے بعد معلوم ہُوا کہ وہ ظلمتیں صفات کفر سے پیدا ہوئی ہیں۔ جو اس میں پوشیدہ تھیں۔ اور وہ کدورتیں کفر اور اہل کفر کے ساتھ دوستی رکھنے کے باعث پیدا ہوئی ہیں۔ توجہ کے ساتھ یہ ظلمتیں دُور نہیں ہوسکتیں۔ بلکہ ان ظلمات سے اس کا پاک ہونا دوزخ کے عذاب پر موقوف ہے جو کفر کی جزا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہُوا کہ ذرہ بھر ایمان بھی رکھتا ہے جس کی برکت سے آخر کار اس کو دوزخ سے نکال لیں گے جب اس میں اس حال کا مشاہدہ کیا، تو دل میں گزرا کہ آیا اس شخص پر نماز جنازہ پڑھنی چاہیے یا نہ۔ توجہ کے بعد ظاہر ہُوا کہ نماز ادا کرنی چاہیے۔

پس وہ مسلمان جو باوجود ایمان کے کافروں کی رسمیں بجالاتے اور ان کی تعظیم کرتے ہیں ان پر نماز جنازہ پڑھنی چاہیئے۔ اور کفار کے ساتھ نہ ملانا چاہیے۔ جیسے کہ آج اسی پر عمل ہے۔ اور امیدوار ہونا چاہیے کہ آخر کار ایمان کی برکت سے عذاب سے نجات پا جائیں گے۔

پس معلوم ہُوا کہ اہل کفر کے لیے عفو اور مغفرت نہیں ہے:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ[۱] — اللہ تعالیٰ شرک کو نہیں بخشے گا۔

اور اگر کافر محض ہے تو عذاب ابدی اس کے کفر کی جزا ہے۔ اور اگر ذرہ بھر ایمان رکھتا ہے تو اس کی جزا دوزخ کا عذاب موقّت ہے۔ اور اُس کے تمام کبیرہ گناہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں چاہے تو اُن کو

---

[۱] سورۃ نساء، پارہ ۵۔

بخش دے اور چاہے تو اُن پر عذاب دے۔

فقیر کے نزدیک دوزخ کا عذاب خواہ موقت ہو خواہ دائمی ، کفر اور صفات کفر کے ساتھ مخصوص ہے چنانچہ اس کی تحقیق آگے آئے گی ، اور وہ اہل کبائر کہ جن کے گناہ توبہ یا شفاعت یا صرف عفو و احسان کے ساتھ مغفرت میں نہیں آئے یا جن کبیرہ گناہوں کا کفارہ دنیا کے رنج اور تکلیفوں اور موت کی سکرات اور سختیوں کے ساتھ نہیں ہُوا۔ امید ہے کہ ان کے عذاب میں بعض کو عذاب قبر کے ساتھ کفایت کریں گے۔ اور بعض کو قبر کی تکلیفوں کے علاوہ قیامت کی سختیوں اور ہول کے ساتھ کفایت کریں گے۔ اور ان کے گناہوں میں سے کوئی ایسا گناہ باقی نہ چھوڑیں گے جس کے لیے عذاب دوزخ کی ضرورت پڑے۔ آیت کریمہ :

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ (پ۔ ع ۱۵) — وہ لوگ جو ایمان لائے اور اپنے ایمان کو ظلم سے نہ ملایا ان کے لیے امن ہے۔

اسی مضمون کی مؤید ہے کیونکہ ظلم سے مراد شرک ہے :

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ اَعْلَمُ بِحَقَائِقِ الْاُمُوْرِ کُلِّهَا۔ — اور تمام امور کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

اگر کہیں کہ کفر کے سوا بعض اور برائیوں کی جزا بھی دوزخ کا عذاب ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِیْهَا۔ — جس نے کسی مومن کو عمداً قتل کیا اس کی جزا جہنم ہے اور وہ اس میں ہمیشہ رہے گا۔

اور اخبار میں بھی آیا ہے کہ جو شخص ایک نماز فریضہ کو عمداً قضا کرے گا۔ اس کو ایک حقبہ دوزخ میں عذاب دیں گے۔ پس دوزخ کا عذاب صرف کفار کے ساتھ مخصوص نہ رہا۔

میں کہتا ہوں کہ قتل کا یہ عذاب اس شخص کے لیے ہے جو قتل کو حلال جانے ، کیونکہ قتل کو حلال جاننے والا کافر ہے ، جیسے کہ مفسرین نے ذکر کیا ہے۔ اور کفر کے سوا اور بُرائیاں جن کے لیے دوزخ کا عذاب آیا ہے۔ وہ بھی صفات کفر کی آمیزش سے خالی نہ ہونگی۔ جیسے کہ اُس بُرائی کو خفیف سمجھنا اور اُس کے بجالانے کے وقت لاپروائی کرنا اور شریعت کے امر و نہی کو خوار سمجھنا وغیرہ وغیرہ۔

اور حدیث میں آیا ہے :

شَفَاعَتِیْ لِاَهْلِ الْکَبَآئِرِ مِنْ اُمَّتِیْ۔ — میری شفاعت میری امت کے کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لیے ہوگی۔

---

۱ سورہ انعام ، پارہ ۷۔ ۲ ترمذی و ابو داؤد و ابن ماجہ بروایت انس رضی اللہ عنہ۔

اور دوسری جگہ فرمایا ہے کہ :

أُمَّتِي أُمَّةٌ مَرْحُوْمَةٌ لَا عَذَابَ لَهَا فِي الْآخِرَةِ ۔ میری امت امت مرحومہ ہے۔ اس کو عذاب آخرت نہ ہوگا۔

اور آیت کریمہ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْا إِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُولٰئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ اسی مضمون کی مؤید ہے، جیسے کہ مذکور ہوا۔ اور مشرکوں کے اطفال اور شاہقان جبل اور پیغمبروں کے زمانۂ فترت کے مشرکوں کا حال اُس مکتوب میں جو فرزندی محمد سعید کے نام لکھا ہے مفصل ذکر ہو چکا ہے وہاں سے معلوم کر لیں۔

اور ایمان کے کم و زیادہ ہونے میں علما کا اختلاف ہے۔ امام اعظم کوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ :

اَلْإِيْمَانُ لَا يَزِيْدُ وَلَا يَنْقُصُ ۔ ایمان نہ زیادہ ہوتا ہے نہ کم۔

اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ :

يَزِيْدُ وَيَنْقُصُ ۔ ایمان زیادہ اور کم ہوتا ہے۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ ایمان قلبی تصدیق اور یقین سے مراد ہے جس میں زیادت اور نقصان کی گنجائش نہیں۔ اور وہ جو زیادت اور نقصان کو قبول کرے دائرہ ظن میں داخل ہے نہ یقین میں۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ اعمال صالحہ کا بجالانا اس یقین کو روشن کر دیتا ہے۔ اور بُرے اعمال کا بجالانا اس یقین کو مکدر و سیاہ کر دیتا ہے۔ پس زیادت اور نقصان اعمال کے اعتبار سے اس یقین کے روشن ہونے میں ثابت ہوئی نہ کہ نفس یقین میں۔ بعض نے اس یقین کو جب کہ منجلی اور روشن معلوم کیا تو اس یقین کی نسبت جو انجلا اور روشنی نہیں رکھتا زیادہ نہیں کہہ دیا۔ گویا بعض نے غیر منجلی یقین کو یقین نہ جانا۔ اور انہی بعض نے منجلی کو یقین جان کر ناقص کہہ دیا۔ اور بعض دوسروں نے جو زیادہ تیز نظر رکھتے تھے، جب دیکھا کہ یہ زیادت اور نقصان صفات یقین کی طرف راجع ہے نہ کہ نفس یقین کی طرف۔ تو اس سبب سے یقین کو غیر زائد و ناقص کہہ دیا جس طرح کہ دو آئینے جو باہم برابر ہوں، لیکن انجلا اور نورانیت میں تفاوت رکھتے ہوں تو ایک شخص اس آئینہ کو جو زیادہ روشن ہے اور نمائندگی زیادہ رکھتا ہے، کہہ دے کہ یہ آئینہ بہ نسبت اُس آئینے کے جس میں ویسی روشنی اور انجلا نہیں ہے، زیادہ ہے۔ اور دوسرا شخص کہہ دے کہ یہ دونوں آئینے برابر ہیں اور ان میں کسی قسم کی زیادت اور نقصان نہیں ہے۔ فرق صرف انجلا اور نمایندگی میں ہے جو ان دونوں

۱؎ خطیب اور ابن النجار بروایت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

آئینوں کی صفات ہیں۔ پس دوسرے شخص کی نظر صائب ہے اور حقیقت شے تک نافذ ہے۔ اور شخص اوّل کی نظر کوتاہ ہے۔ اور صفت سے بڑھ کر ذات تک نہیں پہنچتی ہے :

یَرْفَعِ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ۔ (پ ۲۸ ۔ ع ۲)

اللہ تعالیٰ ایمان داروں کو بلند کرتا ہے اور جن لوگوں کو علم دیا گیا ہے وہ لوگ صاحب درجات بلند ہیں۔

اس تحقیق سے کہ جس کے اظہار کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس فقیر کو توفیق بخشی۔ مخالفوں کے وہ سب اعتراض جو انہوں نے ایمان کے کم و بیش نہ ہونے پر کیے ہیں۔ زائل ہو گئے۔ اور عام مومنوں کا ایمان تمام وجوہ میں انبیائے علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ایمان کی طرح نہ ہوا۔ کیونکہ انبیائے علیہم الصلوٰۃ والسلام کا ایمان جو کامل طور پر منجلی اور نورانی ہے۔ عام مومنوں کے ایمان سے جو مومنوں کے درجوں کے اختلاف کے بموجب بہت سی ظلمتیں اور کدورتیں رکھتا ہے۔ اور اسی طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ایمان جو وزن میں اس اُمّت کے ایمان سے زیادہ ہے۔ انجلا اور نورانیت کے اعتبار سے سمجھنا چاہیے۔ اور زیادت کو صفات کاملہ کی طرف راجع کرنا چاہیے۔ کیا نہیں دیکھتے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نفس انسانیت میں عام لوگوں کے ساتھ برابر ہیں اور حقیقت اور ذات میں سب باہم متحد ہیں۔ تفاضل یعنی ایک کا دوسرے سے افضل ہونا صفات کاملہ کے اعتبار سے ہے۔ اور جس میں یہ صفات کامل نہیں ہیں، گویا وہ اس نوع سے خارج ہے اور اس نوع کے فضائل اور خواص سے محروم ہے۔ لیکن باوجود اس تفاوت کے نفس انسانیت میں زیادت اور نقصان کا کوئی دخل نہیں اور نہیں کہہ سکتے کہ وہ انسانیت زیادت و نقصان کے قابل ہے۔

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ الْمُلْہِمُ لِلصَّوَابِ

اور نیز کہتے ہیں کہ تصدیق ایمانی سے مراد بعض کے نزدیک تصدیق منطقی ہے، جو ظن اور یقین کو شامل ہے۔ اس تقدیر پر نفس ایمان میں زیادت اور نقصان کی گنجائش ہے۔ لیکن صحیح یہی ہے کہ اس جگہ تصدیق سے مراد دلی یقین اور اذعان ہے نہ کہ معنی عام جو ظن کو بھی شامل ہیں۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اَنَا مُؤْمِنٌ حَقًّا اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ: اَنَا مُؤْمِنٌ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ تَعَالٰی درحقیقت ان میں نزاع لفظی ہے۔ لیکن مذہب اوّل باعتبار ایمان حال کے ہے اور مذہب ثانی باعتبار ایمان انجام اور عاقبت ہے۔ لیکن صورت استثنا سے کنارہ کرنا بہتر اور مناسب ہے کَمَا لَا یَخْفٰی عَلَی الْمُنْصِفِ جیسے کہ منصف آدمی پر مخفی نہیں ہے۔

عقیدہ بیسواں: اور اولیاء اللہ کی کرامتیں حق ہیں۔ اور ان سے بکثرت خرق عادات کے واقع ہونے کے

باعث ان کی یہ بات عادت مستمرہ ہو گئی۔ اور کرامت کا منکر علم عادی اور ضروری کا منکر ہے۔ نبی کا معجزہ دعویٰ نبوت کے ساتھ ملا ہوا ہوتا ہے۔ اور کرامت اس بات سے خالی ہے۔ بلکہ اس نبی کی متابعت کے اقرار کرنے کے ساتھ مل ہوتی ہے:

فَلَا اِشْتِبَاہَ بَیْنَ الْمُعْجِزَۃِ وَالْکَرَامَۃِ کَمَا زَعَمَ الْمُنْکِرُوْنَ۔

پس معجزہ اور کرامت کے درمیان کوئی اشتباہ نہ رہا جیسے کہ منکروں نے گمان کیا ہے۔

عقیدہ اکیسواں:

اور فضیلت کی ترتیب خلفائے راشدین کے درمیان خلافت کی ترتیب کے موافق ہے۔ لیکن شیخین کی افضلیت صحابہ اور تابعین کے اجماع سے ثابت ہوئی ہے۔ چنانچہ بڑے بڑے آئمہ کی ایک جماعت نے جن میں سے ایک امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ہے۔ اس بات کو نقل کیا ہے:

قَالَ الشَّیْخُ الْاِمَامُ اَبُوالْحَسَنُ الْاَشْعَرِیُّ اِنَّ تَفْضِیْلَ اَبِیْ بَکْرٍ رض ثُمَّ عُمَرَ رض عَلٰی بَقِیَّۃِ الْاُمَّۃِ قَطْعِیٌّ

شیخ امام ابوالحسن اشعری فرماتے ہیں کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت باقی امت پر قطعی ہے۔

قَالَ الذَّھَبِیُّ قَدْ تَوَاتَرَ عَنْ عَلِیٍّ فِیْ خِلَافَتِہٖ وَکُرْسِیِّ مَمْلِکَتِہٖ وَبَیْنَ الْجَمِّ الْغَفِیْرِ مِنْ شِیْعَتِہٖ اِنَّ اَبَا بَکْرٍ رض وَعُمَرَ رض اَفْضَلُ الْاُمَّۃِ ثُمَّ قَالَ وَرَوَاہُ عَنْ عَلِیٍّ کَرَّمَ اللہُ تَعَالٰی وَجْھَہٗ نَیِّفٌ وَّثَمَانُوْنَ نَفْسًا وَعَدَّ مِنْھُمْ جَمَاعَۃً۔ ثُمَّ قَالَ فَقَبَّحَ اللہُ الرَّافِضَۃَ مَا اَجْھَلَھُمْ

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ان کی خلافت و مملکت کے زمانہ میں اور آپ کے تابعداروں میں سے ایک جم غفیر کے درمیان یہ بات بطریق تواتر ثابت ہو چکی ہے کہ حضرت ابو بکر رض اور حضرت عمر رض تمام امت میں سے افضل ہیں۔ پھر فرماتے ہیں کہ اس بات کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اسی سے کچھ زیادہ آدمیوں نے روایت کیا ہے اور ان میں سے ایک جماعت کا نام بھی لیا ہے۔ پھر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ رافضیوں کو بُرا کرے یہ کیسے جاہل ہیں۔

وَرَوَی الْبُخَارِیُّ عَنْہُ اَنَّہٗ قَالَ خَیْرُ النَّاسِ بَعْدَ النَّبِیِّ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ اَبُوْبَکْرٍ رض ثُمَّ عُمَرُ رض ثُمَّ رَجُلٌ اٰخَرُ فَقَالَ اِبْنُہٗ مُحَمَّدُ بْنُ الْحَنَفِیَّۃِ

اور بخاری نے اُن سے روایت کی فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بعد سب لوگوں میں سے بہتر حضرت ابو بکر رض ہیں پھر حضرت عمر رض پھر ایک اور شخص۔ پس اس کے بیٹے محمد بن حنفیہ نے کہا کہ پھر تو۔ پس فرمایا

ثُمَّ اَنْتَ فَقَالَ اِنَّمَا اَنَا رَجُلٌ مِّنَ الْمُسْلِمِیْنَ — میں تو ایک مسلمان شخص ہوں۔

وَصَحَّحَ الذَّهَبِیُّ وَغَیْرُهٗ عَنْ عَلِیٍّ رض — امام ذہبی نے حضرت علی رضہ سے صحیح کیا ہے

اِنَّهٗ قَالَ اَلَا وَاِنَّهٗ بَلَغَنِیْ اَنَّ رِجَالًا یُفَضِّلُوْنِیْ — آپ نے فرمایا کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ لوگ مجھے ان

عَلَیْهِمَا وَمَنْ وَّجَدْتُّهٗ یُفَضِّلُنِیْ عَلَیْهِمَا — دونوں پر فضیلت دیتے ہیں۔ اور جس کو میں پاؤں گا کہ

فَهُوَ مُفْتَرٍ عَلَیْهِ مَا عَلَی الْمُفْتَرِیْ — مجھے ان پر فضیلت دیتا ہے وہ مفتری ہے اور اسکی سزا بھی وہی ہوگی جو مفتری کی ہوتی ہے۔

وَاَخْرَجَ الدَّارَقُطْنِیُّ عَنْهُ لَا اَجِدُ — اور دارقطنی نے آپ سے روایت کی ہے کہ جس

اَحَدًا فَضَّلَنِیْ عَلٰی اَبِیْ بَکْرٍ وَّعُمَرَ رض — کو میں دیکھوں کہ مجھے حضرت ابوبکر رض اور حضرت عمر رض

اِلَّا جَلَدْتُّهٗ جَلْدَ الْمُفْتَرِیْ۔ — پر فضیلت دیتا ہے تو میں اُس کو اتنے کوڑے لگاؤں گا جو مفتری کی سزا ہے۔

اس قسم کی اور بہت سی مثالیں حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے اور ان کے سوا اور بہت سے صحابہ سے متواتر آئی ہیں، جن میں کسی کو انکار کی مجال نہیں ہے، حتّٰی کہ عبدالرزاق جو اکابر شیعہ میں سے ہے کہتا ہے کہ:

اُفَضِّلُ الشَّیْخَیْنِ بِتَفْضِیْلِ عَلِیٍّ رض — میں شیخین کو اس لیے فضیلت دیتا ہوں کہ حضرت علی

اِیَّاهُمَا عَلٰی نَفْسِهٖ وَاِلَّا لَمَا — کرم اللہ وجہہٗ نے خود اپنے اُوپر اُن کو فضیلت دی ہے

فَضَّلْتُهُمَا کَفٰی بِیْ وِزْرًا اَنْ اُحِبَّهٗ — ورنہ میں اُن کو کبھی فضیلت نہ دیتا مجھے یہی گناہ کافی ہے کہ

ثُمَّ اُخَالِفَهٗ — میں اس کو دوست رکھوں اور پھر اس کی مخالفت کرتا ہوں۔

کُلُّ ذٰلِكَ مُسْتَفَادٌ مِّنَ الصَّوَاعِقِ (یہ سب کچھ صواعق محرقہ سے لیا گیا ہے)۔

لیکن حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر۔ پس اکثر اہل سنت اس بات پر ہیں کہ شیخین رض کے بعد افضل حضرت عثمان رض ہیں۔ حضرت علی رض اور ائمہ اربعہ مجتہدین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کا بھی یہی مذہب ہے۔ اور وہ توقف جو حضرت عثمان رض کی فضیلت میں امام مالک رض سے نقل کیا ہے۔ اس کے بارہ میں قاضی عیاض نے کہا ہے کہ امام مالک رض نے توقف سے حضرت عثمان رض کی تفضیل کی طرف رجوع کیا ہے اور قرطبی نے کہا ہے کہ هُوَ الْاَصَحُّ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰی یہی درست ہے۔ اور ایسے ہی توقف جو بعض نے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت سے سمجھا ہے کہ:

مِنْ عَلَامَاتِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ تَفْضِیْلُ الشَّیْخَیْنِ وَمَحَبَّةُ الْخَتَنَیْنِ۔ — شیخین کی تفضیل اور ختنین کی محبت سنت وجماعت کی علامات میں سے ہے۔

اس فقیر کے نزدیک اس عبادت کے اختیار کرنے کا محل اور ہے۔ چونکہ حضرات ختنین رضی کی خلافت کے زمانہ میں فتنہ و فساد لوگوں میں بہت ظاہر ہو گیا تھا۔ اور اس سبب سے لوگوں کے دلوں میں بہت کدورت آگئی تھی۔ اس لیے امام رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کو مدنظر رکھ کر ان کے حق میں محبت کا لفظ اختیار کیا ہے اور ان کی دوستی کو سنت کی علامات سے فرمایا ہے۔ بغیر اس امر کے کہ کسی قسم کا توقف ملحوظ ہو۔ اور ہو بھی کیونکر جب کہ حنفیہ کی کتابیں اس مضمون سے بھری ہیں کہ ان کی افضلیت ان کی خلافت کی ترتیب پر ہے۔

الغرض شیخین رضی کی افضلیت یقینی ہے۔ اور حضرت عثمان رضی کی افضلیت اس سے کمتر ہے۔ لیکن احوط یہی ہے کہ حضرت عثمان رضی کی افضلیت کے منکر بلکہ شیخین رضی کی افضلیت کے منکر کو بھی کفر کا حکم نہ کریں اور مبتدع اور ضال جانیں۔ کیونکہ اس کی تکفیر میں علما کا اختلاف ہے۔ اور اس اجماع کے قطعی ہونے میں بہت قیل و قال ہے۔ ایسا منکر یزید بدبخت کا ساتھی اور بھائی ہے کہ اسی احتیاط کے باعث علما نے اس کے لعن کرنے میں توقف کیا ہے۔ وہ ایذا جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خلفائے راشدین کی جہت سے پہنچی ہے۔ وہ بعینہٖ اسی ایذا کی طرح ہے جو امامین رضی کی جہت سے پہنچی ہے۔ علیہ و علیہم الصلوات والتسلیمات۔

قَالَ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ اَللّٰہَ اَللّٰہَ فِیْ اَصْحَابِیْ لَا تَتَّخِذُوْھُمْ غَرَضًا مِّنْ بَعْدِیْ فَمَنْ اَحَبَّھُمْ فَبِحُبِّیْ اَحَبَّھُمْ وَمَنْ اَبْغَضَھُمْ فَبِبُغْضِیْ اَبْغَضَھُمْ وَمَنْ اٰذَاھُمْ فَقَدْ اٰذَانِیْ وَمَنْ اٰذَانِیْ فَقَدْ اٰذَی اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَیُوْشِکُ اَنْ یَّاْخُذَہٗ۔	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرے اصحاب کے بارہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ اور ان کو میرے بعد نشانہ نہ بناؤ۔ جس نے ان کو دوست رکھا اس نے گویا میری محبت کے باعث ان کو دوست رکھا۔ اور جس نے اُن سے بغض کیا اُس نے گویا میرے ہی بغض کے باعث اُن سے بغض رکھا۔ اور جس نے ان کو ایذا دی۔ اُس نے گویا مجھے ایذا دی۔ اور جس نے مجھ کو ایذا دی۔ اُس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا دی۔ اور جس نے اللہ اور رسول کو ایذا دی وہ اُس کو مواخذہ کرے گا۔[1]

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ۔	وہ لوگ جو اللہ اور اُس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔[2]

اور یہ جو کچھ مولانا سعد الدین نے شرح عقاید نسفی میں اس افضلیت کے حق میں انصاف سمجھا ہے۔ وہ

---

[1] ترمذی شریف۔

[2] سورۂ احزاب، پارہ ومن یقنت۔

انصاف سے دُور ہے۔ اور وہ تردید جو اس نے کی ہے وہ سراسر لاحاصل ہے۔ کیونکہ علما کے نزدیک یہ بات مقرر ہے کہ اس جگہ افضلیت سے وہ مراد ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک بکثرت ثواب کے اعتبار سے ہے نہ کہ وہ افضلیت جو فضائل اور مناقب کے بکثرت ظاہر ہونے کے اعتبار سے ہے۔ کیونکہ ایسی افضلیت عقلمندوں کے نزدیک کچھ اعتبار نہیں رکھتی۔ کیونکہ سلف صحابہ و تابعین نے جس قدر فضائل و مناقب حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی نسبت نقل کیے ہیں وہ اور کسی صحابی کی نسبت منقول نہیں ہیں حتٰی کہ امام احمد رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ:

مَا جَآءَ لِاَحَدٍ مِنَ الصَّحَابَۃِ مِنَ الْفَضَائِلِ مَا جَآءَ لِعَلِیٍّ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ — اور جو فضائل حضرت علی رضہ کے بارہ میں آئے ہیں وہ کسی اور صحابی کی نسبت نہیں آئے۔

اور باوجود اس امر کے امام مذکورؒ نے خلفائے ثلٰثہ کی افضلیت کا حکم کیا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ افضلیت کی وجہ ان فضائل و مناقب کے سوا کچھ اور ہے۔ اور اس افضلیت پر اطلاع پانا دولت وحی کی ان مشاہدہ کرنے والوں کو مُیسر ہے جنہوں نے صریح طور پر یا قرائن سے معلوم کی ہے۔ اور وہ صحابہ پیغمبر علیہ وعلیہم الصلوٰت والتسلیمات ہیں پس جو کچھ شارح عقائد نسفی نے کہا ہے اگر مراد افضلیت سے کثرت ثواب ہے تو پھر توقف کی جہت سیاقط ہے۔ کیونکہ توقف کی تبھی گنجائش ہوتی ہے۔ جب کہ اس افضلیت کو صاحب شریعت کی طرف سے صریح طور پر یا دلالت کے طور پر معلوم نہ کیا ہو۔ اور جب معلوم ہو چکی ہو تو پھر کیوں توقف کریں۔ اور اگر معلوم نہ کیا ہو تو پھر افضلیت کا حکم کیا کریں۔ اور جو شخص سب کو برابر جانے اور ایک کو دوسرے پر فضیلت دینا فضول سمجھے۔ وہ بوالفضول اور احمق ہے۔ وہ کیسا عجب بوالفضول ہے جو اہل حق کے اجماع کو فضول جانتا ہے۔ شاید فضل کا لفظ اس کو اس فضولی کی طرف لے گیا ہے اور یہ جو صاحب فتوحات مکیہ نے کہا ہے کہ ان کی خلافت کی ترتیب کا سبب ان کی عمروں کی مدت ہے۔ فضیلت میں مساوات پر دلالت نہیں کرتا۔ کیونکہ خلافت امر دیگر ہے۔ اور افضلیت کی بحث دیگر اور اگر مان بھی لیں تو یہ بات اور اس قسم کی اور باتیں اس کے شطحیات کی قسم سے ہیں، جو تمسک کے لائق نہیں ہیں۔ اس کے اکثر کشفیہ معارف جو اہل سنت کے علوم سے جدا واقع ہوئے ہیں، صواب اور بہتری سے دُور ہیں۔ ایسی باتوں کی وہی شخص متابعت کرتا ہے جس کا دل بیمار ہے یا مقلّد صرف ہے۔

اور جو کچھ صحابہ کے درمیان لڑائی جھگڑے واقع ہوئے ہیں ان کو نیک توجیہ پر محمول کرنا چاہیے۔ اور ہوا و تعصّب سے دُور سمجھنا چاہیے۔

تفتازانی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی محبت میں افراط کرنے کے باوجود فرمایا ہے:

وَمَا وَقَعَ مِنَ الْمُخَالَفَاتِ وَالْمُحَارَبَاتِ لَمْ يَكُنْ عَنْ نِزَاعٍ فِيْ خِلَافَةٍ بَلْ عَنْ خَطَاءٍ فِي الْاِجْتِهَادِ	اور جو لڑائی جھگڑے ان کے درمیان واقع ہوئے ہیں وہ خلافت کے بارہ میں نزاع کے باعث نہ تھے۔ بلکہ اجتہاد میں خطا کے سبب تھے۔

اور اس کے حاشیہ خیالی میں ہے:

فَاِنَّ مُعَاوِيَةَ وَاَحْزَابَهٗ بَغَوْا عَنْ طَاعَتِهٖ مَعَ اِعْتِرَافِهِمْ بِاَنَّهٗ اَفْضَلُ اَهْلِ زَمَانِهٖ اَلْاَحَقُّ بِالْاِمَامَةِ مِنْهُ بِشُبْهَةٍ هِيَ تَرْكُ الْقِصَاصِ عَنْ قَتَلَةِ عُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ۔	کہ معاویہ اور اس کے لشکر نے اس کی طاعت سے سرکشی کی، باوجودیکہ وہ مانتے تھے کہ وہ تمام اہل زمانہ سے افضل ہے۔ اور نیز وہ اس سے امامت کا زیادہ مستحق ہے از روئے شبہ کے اور وہ حضرت عثمان رض کے قاتلوں سے قصاص کا ترک کرنا ہے۔

اور حاشیہ قرۃ کمال قری میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ حضرت علی رض نے فرمایا ہے:

اِخْوَانُنَا بَغَوْا عَلَيْنَا وَلَيْسُوْا كَفَرَةً وَلَا فَسَقَةً لِمَا لَهُمْ مِنَ التَّاوِيْلِ۔	ہمارے بھائیوں نے ہم پر بغاوت کی حالاں کہ نہ ہی وہ کافر ہیں اور نہ ہی فاسق کیونکہ ان کے لیے تاویل ہے۔

اور شک نہیں کہ خطائے اجتہادی ملامت سے دور ہے اور طعن و تشنیع سے مرفوع ہے۔

حضرت خیر البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والتحیات کی صحبت کے حقوق کو مدنظر رکھ کر تمام اصحاب کرام کو نیکی سے یاد کرنا چاہیے۔ اور پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کی دوستی کے باعث ان کو دوست رکھنا چاہیے:

مَنْ اَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّيْ اَحَبَّهُمْ وَمَنْ اَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِيْ اَبْغَضَهُمْ۔	جس نے ان کو دوست رکھا اس نے میری محبت سے ان کو دوست رکھا اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے میرے بغض کے باعث ان سے بغض رکھا۔

یعنی وہ محبت جو میرے اصحاب کے متعلق ہے وہ وہی محبت ہے جو مجھ سے متعلق ہے۔ اور ایسے ہی وہ بغض جو ان سے متعلق ہے وہ وہی بغض ہے جو مجھ سے متعلق ہے۔ ہم کو حضرت امیر رض کے ساتھ لڑائی کرنے والوں سے کچھ آشنائی نہیں ہے۔ بلکہ مناسب ہے کہ ہم ان سے بیزار ہیں۔ لیکن چونکہ سب کے سب حضرت پیغمبر صلوات اللہ وسلامہ کے اصحاب کرام ہیں جن کی محبت کے لیے ہم مامور اور ان کے بغض و ایذا سے ممنوع ہیں اس لیے ہم حضرت پیغمبر علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کی دوستی کے باعث سب کو دوست رکھتے ہیں اور ان کے بغض و ایذا سے دور بھاگتے ہیں۔ کیونکہ ان کا بغض و ایذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بغض و ایذا

تک پہنچا دیتا ہے۔ لیکن مُحق کو مُحق اور مخطی کو مخطی کہتے ہیں۔ یعنی حضرت امیرؓ کو حق پر سمجھے اور ان کے مخالف خطا پر۔ اس سے زیادہ کہنا فضول ہے۔

اس مبحث کی تحقیق اُس مکتوب میں جو خواجہ محمد اشرف کی طرف لکھا ہے، مفصّل ذکر ہو چکی ہے۔ اگر کوئی بات مخفی رہ گئی ہو تو اس مکتوب کی طرف رجوع کریں۔

عقائد کے درست کرنے کے بعد احکام فقہ کا سیکھنا ضروری ہے۔ اور فرض و واجب وحلال و حرام وسنت ومندوب ومشتبہ ومکروہ کے جاننے سے چارہ نہیں ہے اور ایسے ہی اس علم کے موافق عمل کرنا بھی ضروری ہے۔ فقہ کی کتابوں کا مطالعہ ضروری سمجھیں اور اعمال صالحہ کے بجالانے میں بڑی کوشش مدّنظر رکھیں۔ نماز جو دین کا ستون ہے اس کے تھوڑے سے فضائل اور ارکان بیان کیے جاتے ہیں، غور سے سُنیں۔

اوّل وضو کے کامل اور پورے طور پر کرنے سے چارہ نہیں ہے۔ ہر عضو کو تین بار تمام وکمال طور پر دھونا چاہیئے تاکہ وضو بروجہ سنت ادا ہو۔ اور سر کا مسح بالاستیعاب (یعنی سارے سر کا مسح) کرنا چاہیئے۔ اور کانوں اور گردن کے مسح میں احتیاط کرنی چاہیے۔ اور بائیں ہاتھ کی خنصر یعنی چھنگلی سے پاؤں کی اُنگلیوں کے نیچے کی طرف سے خلال کرنا لکھا ہے اس کی رعایت رکھیں اور مستحب کے بجالانے کو تھوڑا نہ جانیں۔ مستحب اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ اور دوست ہے اگر تمام دنیا کے عوض اللہ تعالیٰ کا ایک پسندیدہ فعل معلوم ہو جائے، اور اس کے مطابق عمل میسّر ہو جائے تو بھی غنیمت ہے۔ اس کا بعینہٖ یہی حکم ہے کہ کوئی خزف ریزوں یعنی ٹھیکروں سے قیمتی موتی خرید لے۔ یا بے ہودہ اور بے فائدہ جماد یعنی پتھر سے روح کو حاصل کرے۔

کمال طہارت اور کامل وضو کے بعد نماز کا قصد کرنا چاہیے۔ جو مومن کا معراج ہے۔ اور کوشش کرنا چاہیے کہ فرض نماز جماعت کے بغیر ادا نہ ہونے پائے بلکہ امام کے ساتھ تکبیر اولیٰ ترک نہ کرنی چاہیے اور نماز کو مستحب وقت میں ادا کرنا چاہیے۔ اور قرأت میں قدر مسنون کو مدّنظر رکھنا چاہیے اور رکوع وسجود میں طمانینت ضروری ہے۔ کیونکہ بقول مختار یا فرض ہے یا واجب اور قومہ میں اس طرح سیدھا کھڑا ہونا چاہیے کہ تمام بدن کی ہڈیاں اپنی اپنی جگہ پر آجائیں۔ اور سیدھا کھڑا ہونے کے بعد طمانیت درکار ہے۔ کیونکہ فرض ہے یا واجب یا سنت علیٰ اختلاف الاقوال۔ ایسے ہی جلسہ میں جو دو سجدوں کے درمیان ہے۔ درست بیٹھنے کے بعد اطمینان ضروری ہے جیسے کہ قومہ میں۔ اور رکوع وسجود کی کمتر تسبیحیں تین بار ہیں اور زیادہ سے زیادہ سات بار یا گیارہ بار ہیں، علیٰ اختلاف الاقوال۔ اور امام کی تسبیح

مقتدیوں کے حال کے موافق ہے۔ شرم کی بات ہے کہ انسان اکیلا ہونے کی حالت میں باوجود طاقت کے اقل تسبیحات پر کفایت کرے۔ اگر زیادہ نہ ہو سکے تو پانچ یا سات بار تو کہے۔ اور سجدہ کرنے کے وقت اوّل وہ اعضا زمین پر رکھے جو زمین کے نزدیک ہیں۔ پس اوّل دونوں زانو زمین پر رکھے پھر دو ہاتھ پھر ناک پھر پیشانی اور زانو اور ہاتھ رکھنے کے وقت دائیں طرف سے شروع کرنا چاہیے۔ اور سر کے اٹھانے کے وقت اوّل ان اعضا کو اُٹھانا چاہیے جو آسمان سے نزدیک ہیں۔ پس پہلے پیشانی اُٹھانی چاہیے الخ اور قیام کے وقت اپنی نظر کو سجدہ کی جگہ پر اور رکوع کے وقت اپنے پاؤں پر، اور سجدہ کے وقت نوک بینی پر اور جلوس کے وقت اپنے دونوں ہاتھوں پر یا دونوں بغلوں کی طرف رکھنا چاہیے۔ جب نظر کو پراگندہ ہونے سے روک رکھیں اور مذکورہ بالا جگہوں پر لگائے رکھیں، تو سمجھ لینا چاہیے کہ نماز جمعیت کے ساتھ میسر ہو گئی۔ اور خشوع والی نماز حاصل ہو گئی جس طرح کہ نبی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام سے منقول ہے۔ اور ایسے ہی رکوع کے وقت دونوں ہاتھوں کی اُنگلیوں کا کھلا رکھنا اور سجُود کے وقت انگلیوں کا ملانا سنت ہے۔ اس کو بھی مدّنظر رکھنا چاہیے۔ انگلیوں کا کھلا رکھنا یا ملانا بے تقریب اور بے فائدہ نہیں ہے۔

صاحب شرع نے اس میں کئی قسم کے فائدے ملاحظہ کر کے اس پر عمل کیا ہے۔ ہمارے لیے صاحب شریعت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کے برابر کوئی فائدہ نہیں ہے۔ یہ سب احکام مفصّل اور واضح طور پر کتب فقہیہ میں مذکور ہیں۔ یہاں بیان کرنے سے مقصود یہ ہے کہ علم فقہ کے مطابق عمل بجا لانے پر ترغیب ہو۔

وَفَّقَنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَاِیَّاکُمْ عَلَی الْاَعْمَالِ	اللہ تعالیٰ حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ
الصَّالِحَۃِ الْمُوَافِقَۃِ لِلْعُلُوْمِ الشَّرْعِیَّۃِ	وآلہ وسلم کی طفیل ہم کو اور آپ کو دینی عقائد
بَعْدَ اَنْ وَفَّقَنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ بِتَصْحِیْحِ	کے درست ہونے کے بعد شرعی
الْعَقَائِدِ الدِّیْنِیَّۃِ بِحُرْمَۃِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ	علوم کے موافق اعمال صالحہ کے بجا
عَلَیْہِ وَعَلَیْھِمْ وَعَلٰی اٰلِ کُلٍّ مِّنَ الصَّلَوٰتِ	لانے کی بھی توفیق دیوے۔
اَفْضَلُھَا وَمِنَ التَّسْلِیْمَاتِ اَکْمَلُھَا۔	

اگر نماز کے فضائل اور اس کے مخصوصہ کمالات کے معلوم کرنے کا شوق ہو۔ تو تین مکتوبوں کو جو ایک دوسرے کے قریب و متصل ہیں مطالعہ کریں۔ پہلا مکتوب فرزندی محمد صادق کے نام پر۔ اور دوسرا میر محمد نعمان کے نام پر۔ اور تیسرا شیخت مآب میاں شیخ تاج کے نام لکھا ہے۔

ان اعتقادی اور عملی دو پروں کے حاصل ہونے کے بعد اگر اللہ جل سلطانہٗ کی توفیق رہنمائی کرے

تو صوفیہ کے طریقہ علیہ کا سلوک کرے۔ نہ اس غرض کے لیے کہ اس اعتقاد اور عمل سے بڑھ کر کچھ چیز حاصل ہو اور کوئی نئی بات ہاتھ آئے۔ بلکہ مقصود یہ ہے کہ معتقدات کی نسبت الیقین اور اطمینان حاصل کریں۔ جو ہرگز کسی مشکک سے زائل نہ ہو۔ اور کسی شبہہ کے وارد ہونے سے باطل نہ ہو۔ کیونکہ استدلال کے چوپاؤں ہوتے ہیں اور مستدل بے تمکین ہوتا ہے:

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ۔ خبردار اللہ کے ذکر ہی سے دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے

اور اعمال کی نسبت آسانی اور سہولت حاصل کریں۔ اور سرکشی کو جو نفس امارہ سے پیدا ہوتی ہے دور کریں۔ اور طریقہ صوفیہ کے سلوک سے یہ مقصود نہیں ہے کہ غیبی صورتوں اور شکلوں کا مشاہدہ کریں اور الوان و انوار کا معائنہ کریں۔ یہ بات خود لہو و لعب میں داخل ہے۔ کیا حسی صورتیں اور شکلیں کم ہیں کہ ان کو چھوڑ کر ریاضتوں اور مجاہدوں کے ساتھ غیبی صورتوں اور انوار کی تمنا کریں۔ یہ صورتیں اور وہ صورتیں اور یہ انوار اور وہ انوار سب حق جل و علیٰ کے مخلوق اور اس کے وجود پر دلالت کرنے والے نشانات ہیں۔

اور طرق صوفیہ میں سے طریقہ علیہ نقشبندیہ کا اختیار کرنا بہت مناسب اور بہتر ہے کیونکہ ان بزرگواروں نے سنت کی متابعت کو لازم پکڑا ہے اور بدعت سے اجتناب کیا ہے یہی وجہ ہے کہ اگر ان کو متابعت کی دولت حاصل ہو۔ اور احوال کچھ بھی نہ ہوں تو خوش ہیں۔ اور اگر احوال کے باوجود متابعت میں فتور جانیں تو احوال کو پسند نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ ان بزرگواروں نے سماع و رقص کو جائز نہیں سمجھا اور ان احوال کا جو ان پر مترتب ہوتے ہیں کچھ اعتبار نہیں کیا ہے بلکہ ذکر جہر کو بھی بدعت جان کر اس سے منع کیا ہے۔ اور وہ فائدے اور ثمرے جو اس پر مترتب ہوتے ہیں ان کی طرف التفات نہیں کی۔

ایک دن میں حضرت ایشاں رحمتہ اللہ علیہ کی ملازمت میں مجلس طعام میں حاضر تھا۔ شیخ کمال نے جو حضرت خواجہ قدس سرہٗ کے مخلص دوستوں میں تھا کھانا شروع کرتے وقت حضرت ایشاں کے حضور میں اسم اللہ کو بلند کہا، حضور کو بہت ناخوش معلوم ہوا۔ اور یہاں تک جھڑکا اور فرمایا کہ اس کو کہہ دو کہ ہماری مجلس طعام میں حاضر نہ ہوا کرے۔

اور میں نے حضرت ایشاں سے سُنا ہے کہ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ علمائے بخارا کو جمع کر کے حضرت امیر قدس سرہٗ کی خانقاہ میں لے گئے تھے تاکہ ان کو ذکر جہر سے منع کریں۔ علما نے حضرت امیر کی خدمت میں عرض کیا کہ ذکر جہر بدعت ہے نہ کیا کریں انہوں نے جواب میں فرمایا کہ نہ کریں گے۔

جب اس طریقہ کے بزرگوار ذکر جہر سے منع کرنے میں اس قدر مبالغہ کرتے ہیں تو پھر سماع اور رقص اور وجد کا ذکر کیا ہے اور احوال و مواجید جو غیر شرع اسباب پر مترتب ہوں فقیر کے نزدیک استدراج کی قسم

سے ہیں کیونکہ استدراج والوں کو بھی احوال و اذواق حاصل ہوتے ہیں۔ اور جہان کی صورتوں کے آئینوں میں کشف و توحید اور مکاشفہ و معائنہ ان کو ظاہر ہو جاتا ہے۔ اس امر میں حکمائے یونان اور ہند کے جوگی اور برہمن سب برابر ہیں۔ احوال کے سچا اور صادق ہونے کی علامت علوم شرعیہ کے ساتھ ان کا موافق ہونا اور محرمہ اور مشتبہ امور کے ارتکاب سے بچنا ہے۔

جاننا چاہیئے کہ سماع و رقص درحقیقت لہو و لعب میں داخل ہے۔ آیت کریمہ:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِیْ لَهْوَ	اور لوگوں میں (کوئی) ایسا بھی (نالائق) ہے جو
الْحَدِيْثِ۔ (سورۂ لقمٰن)	واہیات (خرافات) قصے کہانیاں مول لے لیتا ہے۔

سرود کے منع ہونے کے شان میں نازل ہوئی ہے۔

چنانچہ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ جو ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شاگرد ہے اور کبائر تابعین سے ہے کہتا ہے، لَهْوَ الْحَدِيْثِ سے مراد سرود ہے۔

فِی الْمَدَارِكِ: لَهْوُ الْحَدِيْثِ، اَلسَّمَرُ وَالْغِنَاءُ وَكَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَابْنُ مَسْعُوْدٍ يَحْلِفَانِ اَنَّهُ الْغِنَاءُ۔ تفسیر مدارک میں ہے کہ لَهْوَ الْحَدِيْثِ سے مراد سمر یعنی بے ہودہ قصے کہانیاں اور سرود ہے۔ اور حضرت ابن عباس اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم قسم کھاتے تھے کہ بے شک وہ غنا اور سرود ہے۔

حضرت مجاہد اللہ تعالیٰ کے قول لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ (زور میں حاضر نہیں ہوتے) کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

اَیْ لَا يَحْضُرُوْنَ الْغِنَاءَ۔	یعنی سرود و سماع میں حاضر نہیں ہوتے۔

اور امام الہدیٰ ابو منصور ماتریدی سے حکایت کی گئی ہے کہ:

مَنْ قَالَ لِمُقْرِئٍ زَمَانِنَا اَحْسَنْتَ	جس نے ہمارے زمانہ کے کسی قاری کو قرأت کے
عِنْدَ قِرْءَتِهٖ يَكْفُرُ وَبَانَتْ مِنْهُ	وقت کہا کہ تو نے بہت اچھا پڑھا کافر ہو جاتا ہے اور اُس
اِمْرَءَتُهٗ وَاَحْبَطَ اللّٰهُ تَعَالٰى كُلَّ	کی عورت اُس سے جدا ہو جاتی ہے۔ اور اس کی تمام نیکیاں
حَسَنَاتِهٖ	دور ہو جاتی ہیں۔

اور ابونصیر الدبوسی سے نقل کی گئی ہے اور انہوں نے قاضی ظہیر الدین خوارزمی سے نقل کی ہے کہ:

مَنْ سَمِعَ الْغِنَاءَ مِنَ الْمُغَنِّیْ	جس نے کسی گانے والے یا کسی اور سے سرود سنا
وَغَيْرِهٖ اَوْ يَرٰى فِعْلًا مِّنَ	یا فعل حرام کو دیکھا اور اس کو اچھا جانا از روئے اعتقاد

ل سورہ لقمان، پارہ ۲۱۔

اَلْحَرَامِ فَيُحْسِنُ ذٰلِكَ بِاِعْتِقَادٍ اَوْبِغَيْرِ	کے یا بغیر اعتقاد کے تو اُسی وقت مرتد ہو جاتا ہے
اِعْتِقَادٍ يَصِيْرُ مُرْتَدًّا فِي الْحَالِ بِنَآءً عَلٰى	کیونکہ اس نے شریعت کے حکم کو باطل کر دیا۔ اور جس نے
اَنَّهٗ اَبْطَلَ حُكْمَ الشَّرِيْعَةِ وَمَنْ اَبْطَلَ	شریعت کے حکم کو باطل کر دیا، وہ کسی مجتہد کے نزدیک
حُكْمَ الشَّرِيْعَةِ فَلَا يَكُوْنُ مُؤْمِنًا عِنْدَ	مومن نہیں رہتا اور نہ اللہ تعالیٰ اس کی طاعت کو
كُلِّ مُجْتَهِدٍ وَلَا يَقْبَلُ اللّٰهُ تَعَالٰى طَاعَتَهٗ	قبول کرتا ہے اور اس کی سب نیکیوں کو دُور
وَاَحْبَطَ اللّٰهُ تَعَالٰى كُلَّ حَسَنَاتِهٖ	کر دیتا ہے۔

اَعَاذَنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ مِنْ ذٰلِكَ۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اس سے بچائے۔

آیات و احادیث اور روایات فقہیہ غنا اور سرود کی حرمت میں اس قدر ہیں کہ ان کا شمار کرنا مشکل ہے۔ اگر کوئی شخص منسوخ حدیث یا روایت شاذہ کو سرود کے مباح ہونے میں پیش کرے تو اس کا ہرگز اعتبار نہ کرنا چاہیے۔ کیونکہ کسی فقیہ نے کسی زمانہ میں سرود کے مباح ہونے کا فتویٰ نہیں دیا ہے۔ اور نہ ہی رقص و پاکوبی کو جائز قرار دیا ہے۔

چنانچہ امام ہمام ضیاء الدین شامی کی ملتقط میں مذکور ہے:۔ اور صوفیہ کا عمل حل و حرمت میں سند نہیں ہے، صرف یہی کافی نہیں ہے کہ ہم ان کو معذور سمجھیں اور ان کو ملامت نہ کریں اور ان کا امر اللہ تعالیٰ کے سپرد کریں۔ یہاں تو امام ابو حنیفہؒ و امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا قول معتبر ہے نہ ابو بکر شبلی رحؒ اور ابی حسن نوری رحؒ کا عمل۔

اس زمانہ کے کچے اور خام صوفیوں نے اپنے پیروں کے عمل کو بہانہ کر کے سرود و رقص کو اپنا دین و ملت بنا لیا ہے۔ اور اسی کو طاعت و عبادت سمجھ لیا ہے:

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا ۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے لہو و لعب کو اپنا دین بنا لیا ہے

اور روایت سابقہ سے معلوم ہو چکا ہے کہ جو شخص فعل حرام کو مستحسن اور اچھا جانے وہ اسلام کے گروہ سے نکل جاتا ہے اور مرتد ہو جاتا ہے۔ تو پھر خیال کرنا چاہیے کہ سماع و رقص کی مجلس کی تعظیم کرنا بلکہ اس کو طاعت و عبادت سمجھنا کیسا بُرا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے کہ ہمارے پیر اس امر میں مبتلا نہ ہوئے۔ اور ہم تابعداروں کو اس قسم کے امور کی تقلید سے چھڑا دیا۔

سننے میں آتا ہے کہ مخدوم زادے سرود کی طرف رغبت کرتے ہیں۔ اور سرود و قصیدہ خوانی کی مجلس جمعہ کی راتوں میں منعقد کرتے ہیں۔ اور اکثر یار اس امر میں موافقت کرتے ہیں۔ بڑے تعجب کی بات ہے کہ دوسرے سلسلوں کے مرید تو اپنے پیروں کے عمل کا بہانہ بنا کر اس امر کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اور شرعی حرمت کو اپنے

پیروں کے عمل سے دفع کرتے ہیں۔ اگرچہ فی الحقیقت اس امر میں حق پر نہیں ہیں۔ بھلا اس سلسلہ کے یار اس ارتکاب میں کونسا عذر پیش کریں گے۔ ایک طرف حرمت شرعی اور دوسری طرف اپنے پیروں کی مخالفت نہ اہل شریعت اس فعل سے راضی ہیں۔ اور نہ ہی اہل طریقت۔ اور اگر حرمت شرعی بھی نہ ہوتی۔ تو پھر بھی طریقت میں صرف کسی نئے امر کا پیدا کرنا بُرا تھا۔ پھر ایسے امر کیوں کر بُرے نہ ہوں۔ جب کہ حرمت شرعی بھی اس کے ساتھ جمع ہو جائے۔ مجھے اُمید ہے کہ جناب مرزاجی اس امر سے راضی نہ ہوں گے۔ لیکن آپ کے آداب کو مدنظر رکھ کر صریح طور پر منع نہ کرتے ہوں گے۔ اور یاروں کو اس اجتماع سے نہ روکتے ہوں گے اس فقیر نے چونکہ اپنے آنے میں کچھ توقف دیکھا ہے اس لیے چند فقرے جمع کر کے لکھ کر بھیج دیے ہیں۔ اس سبق کو مرزاجی کی خدمت میں لے جائیں۔ اور اوّل سے آخر تک ان کے سامنے پڑھیں۔ والسلام۔

مکتوب نمبر ۲۶۷

مرزا حسام الدین احمد کی طرف صادر فرمایا :-

اس بیان میں کہ وہ اسرار و دقائق، جن کے ساتھ حضرت ایشاں یعنی حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ متمیز ہوئے ہیں۔ ان میں سے تھوڑا حصہ بھی ظہور میں نہیں لا سکتے۔ بلکہ رمز و اشارہ کے ساتھ بھی ان کی نسبت گفتگو نہیں کی جا سکتی۔ اور وہ اسرار چراغ نبوت سے مقتبس ہیں اور ملائکہ علیین بھی اس دولت میں شریک ہیں اور اس کے مناسب بیان میں۔

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد واضح ہو کہ آپ کا صحیفہ شریفہ جو از رُوئے کرم اس حقیر کے نام لکھا ہُوا تھا، اس کے مطالعہ سے مشرف ہُوا۔ جَزَاكُمُ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ خَيْرًا۔ (اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے)۔

(یہ فقیر) حق جل سلطانہٗ کے انعامات کیا کیا لکھے اور ان کا کیا شکر ادا کرے۔ وہ علوم و معارف جن کا فیضان ہوتا ہے۔ خداوند جل سلطانہٗ کی توفیق سے ان میں سے اکثر لکھے جاتے ہیں۔ اور ہر اہل و نا اہل یعنی کس و ناکس کے کانوں تک پہنچتے رہتے ہیں۔ لیکن وہ خاص اسرار و دقائق جن کے ساتھ یہ فقیر متمیز ہے ان کا تھوڑا سا حصہ بھی ظہور میں نہیں لا سکتا۔ بلکہ رمز و اشارہ کے ساتھ بھی اس مقولہ کی نسبت گفتگو نہیں کر سکتا۔ بلکہ اپنے فرزند عزیز کے ساتھ بھی جو فقیر کے معارف کا مجموعہ اور مقامات سلوک و جذبہ کا نسخہ ہے۔ ان اسرار و دقائق کی کوئی رمز بیان نہیں کرتا۔ اور ان کے پوشیدہ رکھنے میں بڑی کوشش

کرتا ہے۔ حالانکہ فقیر جانتا ہے کہ فرزند عزیز محرمان اسرار سے ہے۔ اور خطا و غلط سے محفوظ ہے۔ لیکن کیا کرے کہ معانی کی وقت اور بار کی زبان پکڑ لیتی ہے۔ اور اسرار کی لطافت لبوں کو بند کر دیتی ہے:

وَيَضِيْقُ صَدْرِيْ وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِيْ — میرا سینہ بند ہو جاتا ہے اور میری زبان نہیں چلتی

نقد وقت ہے۔ اور وہ اسرار اس قسم کے نہیں ہیں، کہ فقیر ان کو بیان نہیں کرتا۔ بلکہ وہ ایسے ہیں کہ بیان میں لائے ہی نہیں جا سکتے ہے۔

فریاد حافظ ایں ہمہ آخر بہرزہ نیست
ہم قصۂ غریب و حدیثِ عجیب ہست

حافظ کی یہ تمام فریاد بے فائدہ نہیں — دراصل قصہ بھی غریب اور حالت بھی عجیب ہے

یہ دولت جس کے چھپانے میں ہم کوشش کرتے ہیں، انبیائے علیہم الصلوات والتسلیمات کے چراغ نبوت سے مقتبس ہے۔ اور ملائکہ ملائے اعلیٰ علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات بھی اس دولت میں شریک ہیں۔ اور انبیائے علیہم الصلوات والتسلیمات کے تابعداروں میں سے جس کسی کو اس دولت سے مشرف فرمائیں وہ بھی اس دولت میں میرا شریک ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دو طرح کے علم سیکھے ہیں۔ ایک تو وہ علم ہے جس کو میں تمہارے سامنے منتشر اور بیان کرتا ہوں اور دوسرا وہ علم ہے کہ اگر میں اس کو تمہارے پاس ظاہر کروں تو میرا گلا کاٹ دو۔[۱]

اور یہ دوسرا علم، علم اسرار ہے کہ جس علم تک کسی کا فہم نہیں پہنچتا:

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔ — یہ اللہ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے

وَاللّٰهُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔ — اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

دوسرے امید ہے کہ وہ مکتوب جو حضرت خواجہ زادگان کی خدمت میں لکھا ہے آپ کی نظر شریف سے گزرا ہوگا۔

میرے مکرم مخدوم! کوئی نئی بات جو طریقت میں پیدا کریں فقیر کے نزدیک اس بدعت سے کم نہیں ہے جو دین میں پیدا کریں۔ طریقت کی برکتیں اسی وقت تک قائم ہوتی رہتی ہیں جب تک کہ طریقت میں کوئی نئی بات پیدا نہ ہو۔ اور جب کوئی نیا امر طریقت میں پیدا ہو جائے تو اسی وقت اس طریق کے فیوض و برکات کا راستہ بند ہو جاتا ہے۔ پس طریقت کی محافظت کرنا اور طریقت کی مخالفت سے بچنا

[۱] مشکوٰۃ شریف بحوالہ صحیح بخاری

نہایت ہی ضروری ہے۔ آپ کو لازم ہے کہ جہاں کہیں اپنی طریقت کی مخالفت کسی سے دیکھیں زجر و مبالغہ سے اس کو منع فرمائیں اور طریقت کی ترویج و تقویت میں کوشش کریں۔ والسلام والاکرام

مکتوب نمبر ۲۶۸

خانخاناں کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ انبیائے علیہم الصلوات والتسلیمات کی وراثت کا علم کونسا ہے، اور ان علما سے جو حدیث عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ میں واقع ہوئے ہیں کون سے ہیں۔ اور اس بیان میں کہ علم اسرار جو انبیا ئے علیہم الصلوات والتسلیمات کی وراثت سے باقی رہا ہے وہ علم توحید وجودی کے ان اسرار سے ماسوا ہے جن کے ساتھ اولیائے اُمت نے تکلم کیا ہے۔ اور احاطہ و سریان و قرب و معیت اور ان کے مناسب بیان میں:-

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔

ان حدود کے فقرا کے احوال و اوضاع شکر کے لائق ہیں:

وَالْمَسْئُوْلُ مِنَ اللّٰہِ سُبْحٰنَہٗ سَلَامَتُکُمْ وَعَافِیَتُکُمْ وَثَبَاتُکُمْ وَاسْتِقَامَتُکُمْ — اور آپ کو تندرستی اور عافیت اور ثابت قدمی اور استقامت اللہ تعالیٰ سے چاہتے ہیں۔

چونکہ علم وراثت کی بحث درمیان آگئی ہے اس لیے چند کلمے اس کی نسبت بمقتضائے وقت لکھے جاتے ہیں:

اخبار میں آیا ہے کہ اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِیَاءِ[1] (علما انبیا ئے علیہم الصلوٰۃ والسلام کے وارث ہیں) وہ علم جو انبیا ئے علیہم الصلوات والتسلیمات سے باقی رہا ہے، دو قسم کا ہے۔ ایک علم احکام، دوسرے علم اسرار۔ اور عالم وارث وہ شخص ہے جس کو ان دونوں علموں سے حصہ حاصل ہو۔ نہ کہ وہ شخص جس کو ایک ہی قسم کا علم نصیب ہو۔ اور دوسرا علم اس کے نصیب نہ ہو کہ یہ بات وراثت کے منافی ہے کیونکہ وارث کو مورث کے سب قسم کے ترکہ سے حصہ حاصل ہوتا ہے نہ کہ بعض کو چھوڑ کر بعض سے۔ اور وہ شخص جس کو بعض معین سے حصہ ملتا ہے۔ وہ غرما یعنی قرض خواہوں میں داخل ہے کہ جس کا حصہ اس کے حق کی جنس سے متعلق ہے اور ایسے ہی آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے:

---

[1] اس حدیث کو احمد، ترمذی، ابوداؤد اور ابن ماجہ و دارمی نے روایت کیا۔ مشکوٰۃ شریف۔

عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْل میری اُمت کے علما بنی اسرائیل کے نبیوں کی طرح ہیں۔

ان علما سے مراد علمائے وارث ہیں نہ کہ غرما کہ جنہوں نے بعض ترکہ سے حصہ لیا ہے۔ کیونکہ وارث کو قرب و جنسیت کے لحاظ سے مورث کی مانند کہہ سکتے ہیں۔ برخلاف غریم کے کہ اس علاقہ سے خالی ہے۔ پس جو شخص وارث نہ ہو وہ عالم بھی نہ ہو گا۔ مگر یہ کہ اس کے علم کو ایک نوع کے ساتھ مقید کریں۔ اور مثال کے طور پر یوں کہیں کہ علم احکام کا عالم ہے اور عالم مطلق وہ ہے جو وارث ہو۔ اور اس کو دونوں قسم کے علم سے پورا حصہ حاصل ہو۔ اکثر لوگوں کا یہ گمان ہے کہ علم اسرار علم توحید وجودی سے مراد ہے۔ اور کثرت میں وحدت اور وحدت میں کثرت کا مشاہدہ کرنا اور حق تعالیٰ کے احاطہ اور سریان وجود اور قرب و معیت سے کنایہ ہے، جس طرح پر کہ ارباب احوال کے نزدیک مکشوف و مشہود ہے۔ حَاشَا وَكَلَّا ثُمَّ حَاشَا وَكَلَّا۔ کہ اس قسم کے علوم و معارف علم اسرار سے ہوں۔ اور مرتبۂ نبوت کے لائق ہوں۔ کیونکہ ان معارف کی بنا سکر وقت اور غلبۂ حال پر ہے جو صحو کے منافی ہے۔ اور انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کا علم کیا علم احکام اور کیا علم اسرار سب صحو در صحو ہے کہ سکر کا ایک شمہ بھی اس کے ساتھ نہیں ملا ہے۔ بلکہ یہ معارف اس مقام ولایت کے مناسب ہیں جو سکر میں قدم راسخ رکھتا ہے۔ پس یہ علوم اسرار ولایت سے ہیں نہ کہ انبیا کی نبوت کے اسرار سے۔ اگرچہ نبی سے ولایت بھی ثابت ہے لیکن اس کے احکام مغلوب ہیں اور احکام نبوت کے مقابلہ میں مضمحل اور ناچیز ہیں[۲]

بتنے ہر جا شود مہر آشکارا

سہا را جز نہاں بودن چہ یارا

فقیر نے اپنی کتابوں اور رسالوں میں لکھا ہے اور تحقیق کی ہے کہ کمالاتِ نبوت دریائے محیط کا حکم رکھتے ہیں۔ اور کمالاتِ ولایت ان کے مقابلہ میں ایک قطرۂ ناچیز کا حکم۔ لیکن کیا کریں جن لوگوں کو کمالات نبوت تک رسائی نہیں ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ:

اَلْوِلَايَةُ اَفْضَلُ مِنَ النُّبُوَّةِ ولایت نبوت سے افضل ہے۔

اور ایک جماعت نے اُس کی توجیہ میں کہا ہے کہ نبی کی ولایت اس کی نبوت سے افضل ہے، ان دونوں گروہوں نے نبوت کی حقیقت کو نہ سمجھ کر غائب پر حکم کیا ہے۔ صحو پر سکر کو ترجیح دینے کا حکم بھی اسی حکم کے نزدیک ہے۔ اگر صحو کی حقیقت کو جانتے ہرگز سکر کو صحو کے ساتھ نسبت نہ دیتے۔ ع

---

[۱] اس حدیث کو شیخ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے فتوحات کے باب ۱۴۲ میں بیان کیا ہے لیکن محدثین نے اس حدیث میں قیل و قال کی ہے۔

[۲] ہاں جہاں جہاں سورج چمک رہا ہو وہاں سُہا ستارے کو چھپنے کے بغیر چارہ نہیں۔

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

جن لوگوں نے خواص کے صحو کو عوام کے صحو کی مانند سمجھ کر سکر کو اس پر ترجیح دی ہے۔ کاش کہ خواص کے سکر کو بھی عوام کے سکر کی طرح سمجھتے اور اس حکم پر جرأت نہ کرتے۔ کیونکہ علما کے نزدیک یہ بات ثابت و مقرر ہے کہ صحو، سکر سے بہتر ہے۔ اگر صحو و سکر مجازی ہے تو یہ حکم ثابت ہے۔ اور اگر حقیقی ہے تو پھر ولایت کو نبوت سے افضل کہنا۔ اور سکر کو صحو پر ترجیح دینے کا حکم ایسا ہے۔ جیسے کہ کوئی کفر کو اسلام پر ترجیح دے۔ اور جہل کو علم سے بہتر جانے۔ کیونکہ کفر و جہل مقام ولایت کے مناسب ہے اور اسلام و معرفت مرتبۂ نبوت کے مناسب۔ منصور کہتا ہے ۔ ؎[1]

كَفَرْتُ بِدِيْنِ اللّٰهِ وَالْكُفْرُ وَاجِبٌ
لَدَيَّ عِنْدَ الْمُسْلِمِيْنَ قَبِيْحٌ

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کفر سے استعاذہ اور پناہ مانگتے ہیں:

قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ۔[2] کہ ہر ایک اپنی وضع و طرز پر عمل کرتا ہے۔

جس طرح عالم مجاز میں اسلام کفر سے بہتر ہے۔ اسی طرح حقیقت میں بھی اسلام کو کفر سے بہتر جاننا چاہیے:
فَاِنَّ الْمَجَازَ قَنْطَرَةُ الْحَقِيْقَةِ۔ مجاز حقیقت کا پل ہے۔

اگر کہیں کہ مقام ولایت میں جس طرح کہ مرتبہ جمع میں کفر و سکر و جہل ثابت ہے۔ اسی طرح مرتبہ فرق بعد الجمع میں اسلام و صحو و معرفت بھی متحقق و ثابت ہے۔ تو کفر و سکر و جہل کو مقام ولایت کے مناسب کہنا کس معنیٰ کے ہے۔

میں کہتا ہوں کہ صحو وغیرہ کو مرتبہ فرق ثابت کرنا مرتبہ جمع کی نسبت سے ہے جو سراسر سکر و استتار ہے۔ ورنہ اس مرتبہ کا صحو بھی سکر کے ساتھ اور اس کا اسلام کفر کے ساتھ اور اس کی معرفت جہل کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔ اگر فقیر کتاب میں گنجائش جانتا تو مرتبہ فرق کے احوال و معارف کو مفصل طور پر ذکر کرتا۔ اور اس مرتبہ میں سکر وغیرہ کے ملنے کو بیان کرتا۔ دانا لوگ شاید اس معنے کو دانائی سے بھی معلوم کر لیں گے العجب کل العجب۔ نہایت ہی تعجب ہے کہ یہ لوگ کمالات نبوت سے کیسے بے خبر رہے ہیں۔

اس قدر تو سمجھنا چاہیئے کہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات نے جو اس قدر بڑائی اور بزرگی حاصل

---

[1] میں نے اللہ کے دین سے کفر کیا اور میرے نزدیک کفر ضروری ہے اور دوسرے مسلمانوں کے نزدیک کفر قبیح ہے یاد رہے کہ منصور حلاج کا یہ قول شطحیات اور کلمات سکریہ میں سے ہے اسکو دلیل نہیں بنا سکتے۔

[2] سورہ بنی اسرائیل، پارہ سبحان الذی۔

کی ہے تو وہ نبوت کی راہ سے حاصل کی ہے - نہ ولایت کی راہ سے - ولایت نبوت کے لیے خادم کی طرح ہے اگر ولایت کو نبوت پر کچھ زیادتی ہوتی تو ملائکہ ملائے اعلیٰ جن کی ولایت تمام ولایات سے اکمل ہے انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات سے افضل ہوتے - اور اس طائفہ میں سے ایک گروہ نے جب ولایت کو نبوت سے افضل جان کر ملائے اعلیٰ کی ولایت کو انبیائے کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کی ولایت سے اکمل خیال کیا، تو ناچار ملائے اعلیٰ کے ملائکہ کو انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات سے افضل قرار دے دیا اور جمہور اہل سنت سے دور جا پڑے - یہ سب کچھ ان سے نبوت کی حقیقت سے واقف نہ ہونے کے باعث ہوا -

اور چونکہ لوگوں کی نگاہ میں عہد نبوت کے دور ہو جانے کے باعث کمالات نبوت ولایت کے کمالات کے سامنے حقیر معلوم ہوتے ہیں - اس لیے (اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لیے) اس باب میں (فقیر نے) کلام کو طوالت دی ہے - اور حقیقت معاملہ کو تھوڑا سا ظاہر کر دیا ہے:

رَبَّنَا[1] اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِیْ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ -

میرے برادر ارشد میاں شیخ داؤد چونکہ آپ کی طرف آرہے تھے اس لیے اس دردسری کے باعث بن گئے والسلام -

اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت اور فضل و کرم سے حصہ چہارم دفتر اول کا ترجمہ اختتام پذیر ہوا - رب قدوس اسے سب اہل اسلام کے لیے ذریعہ ہدایت اور مترجم کے لیے ذخیرہ آخرت بنائے، آمین ثم آمین -

وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى حَبِيْبِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ -

خاکسار

محمد سعید احمد نقشبندی

غفر لہ

---

[1] اے ہمارے پروردگار ہمارے گناہ بخش اور اعمال و افعال میں ہماری زیادتیوں کو بخش دے - اور ہمارے قدم ثابت رکھ، اور قوم کفار کے خلاف ہماری مدد و نصرت فرما -

صُحُفًا مُّطَهَّرَةً فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ۝

لِلّٰہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر می خواست
آخر آمد ز پس پردۂ تقدیر پدید

یعنی

(اردو ترجمہ)

مکتوبات امام ربّانی

حضرت مجدّد الف ثانی الشیخ احمد سرہندی قدس سرّہٗ

دفتر اوّل ـــــ حصّہ پنجم

(تصحیح وحواشی وترجمہ)

مولانا محمد سعید احمد صاحب نقشبندی
خطیب وامام مسجد حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ لاہور

(ناشر)

مدینہ پبلشنگ کمپنی ۔ بندر روڈ ۔ کراچی

آفسٹ ایڈیشن ———— سنہ ۱۹۷۱ء

نام کتاب —— مکتوبات امام ربانی

مترجم —— محمد سعید احمد نقشبندی خطیب جامعہ حضرت داتا گنج بخش ۔ لاہور

طابع —— الیف آئی پرنٹرز کراچی

ناشر —— مدینہ پبلشنگ کمپنی، بندر روڈ ۔ کراچی

تعداد —— دو ہزار (۲۰۰۰)

قیمت ——

ملنے کا پتہ

مدینہ پبلشنگ کمپنی

بندر روڈ —— کراچی —— پاکستان

فہرست مضامین حصّہ پنجم اُردو ترجمہ دفتر اوّل مکتوبات شریف امامِ ربانیؒ

اللہ تعالیٰ کی توفیق سے حصہ پنجم دفتر اول کی اُردو فہرست مکمل ہوئی۔ وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ و نور عرشہ محمد وآلہ واصحابہ وسلم۔

مترجم محمد سعید احمد نقشبندی مجددی غفر لہٗ۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

اُردو ترجمہ مکتوبات دفتر اوّل حصّہ پنجم

مکتوب نمبر ۲۶۹

مرتضیٰ علی خاں کی طرف صادر فرمایا:-

دینی دشمنوں کی اہانت کرنے اور ان بیوقوفوں اور بدبختوں کے جھوٹے خداؤں کی توہین و تخریب پر ترغیب دینے اور اس عظیم مرتبہ کام کے لیے اپنی تمنا ظاہر کرنے اور اس کے مناسب بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ اللہ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام۔

ہر شخص کے دل میں کسی نہ کسی امر کی تمنا ضرور ہوا کرتی ہے۔ لیکن اس فقیر کی تمنا یہی ہے کہ خدائے تعالیٰ اور اس کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمنوں کے ساتھ سختی کی جائے۔ اور ان بدبختوں کی اہانت کی جائے۔ اور ان کے جھوٹے خداؤں کو ذلیل و خوار کیا جائے۔ یہ فقیر یقیناً جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس عمل سے زیادہ پسندیدہ اور محبوب اور کوئی عمل نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بار بار آپ کو اس عمل پسندیدہ کے لیے ترغیب دیتا ہے۔ اور اس کام کا بجالانا نہایت ضروری سمجھتا ہے۔ چونکہ آپ بذات خود وہاں تشریف لے گئے ہیں۔ اور اس گندے مقام اور وہاں کے رہنے والوں کی تحقیر و اہانت کے لیے مقرر ہوئے ہیں۔ اس لیے پہلے اس نعمت کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ کیونکہ بہت لوگ اس مقام اور وہاں کے رہنے والوں کی تعظیم و توقیر کے لیے وہاں جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے کہ اُس نے ہم کو اس بلا میں مبتلا نہ کیا۔ اس نعمت عظمٰی

کے شکر ادا کرنے کے بعد ان بدبختوں اور ان کے جھوٹے خداؤں کی تحقیر اور توہین میں بہت کوشش کرنی چاہیے۔ اور ظاہر و باطن میں جس قدر ہو سکے ان لوگوں کی بربادی میں کوشش کرنی چاہیے اور اس تراشیدہ و ناتراشیدہ بت کی ہر طرح اہانت کرنی چاہیے۔ امید ہے کہ بعض سستیاں جو آپ سے وقوع میں آئی ہیں۔ اس عمل سے ان کی تلافی اور کفارہ ہو جائے گا۔ بدن کی کمزوری اور سردی کی شدت مانع ہیں۔ ورنہ فقیر خود حاضر خدمت ہو کر اس امر کی ترغیب دیتا۔ اور اس تقریب سے اس پتھر پر تُف ڈالتا۔ اور اس کو اپنی سعادت کا سرمایہ جانتا۔ اس سے زیادہ کیا مبالغہ کیا جائے۔ والسلام

مکتوب نمبر ۲۷

شیخ نور محمد کی طرف صادر فرمایا:۔

اس بیان میں کہ بعض صحبتیں گوشہ نشینی سے افضل ہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔	اللہ تعالیٰ کی حمد اور اُس کے برگزیدہ بندوں پر سلام۔

شیخ نور محمد آپ نے دہم، دُور افتادوں کو اس طرح فراموش کیا ہے کہ سلام و پیام سے بھی یاد نہیں کرتے۔ آپ کی دلی خواہش گوشہ نشینی کی تھی، سو آپ کو مُیسّر ہو گئی۔ لیکن بعض ایسی صحبتیں ہیں، جو گوشہ نشینی اور تنہائی پر فضیلت رکھتی ہیں۔ حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کے حال پر قیاس کرنا چاہیے کہ چونکہ گوشہ نشینی اور تنہائی اختیار کر کے حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت میں حاضر نہ ہو سکے۔ اس لیے صحبت کے کمالات ان کے نصیب نہ ہوئے۔ اور تابعین میں سے ہو گئے۔ اور پہلے درجہ کی فضیلت اور خیریت سے نکل کر دوسرے درجہ میں جا پڑے۔

اللہ تعالیٰ کی عنایت سے ہر روزہ صحبت نئی طرز پر ہے:

مَنِ اسْتَوٰی یَوْمَاہُ فَھُوَ مَغْبُوْنٌ۔	جس کے دونوں دن برابر ہیں وہ نقصان میں ہے۔
وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَعَلٰی سَائِرِ مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَۃَ الْمُصْطَفٰی	اور سلام ہو آپ پر اور ان سب لوگوں پر جو ہدایت کے راستہ پر چلے اور حضرت محمد

عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّحِيَّاتُ — مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑا۔

مکتوب نمبر ۲۷۱

ایک واقع کے استفسار کے حل میں شیخ حسن برکی کی طرف صادر فرمایا ہے:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى۔ — اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام۔

میرے معزز بھائی شیخ حسن (خدائے تعالیٰ اُس کے حال کو اچھا کرے اور اُس کو کمال تک پہنچائے) کا مکتوب مرغوب پہنچا۔ وہ واقع جو آپ پر ظاہر ہوا تھا۔ اور آپ نے لکھا تھا اس کا حال واضح ہوا۔ آپ امیدوار رہیں۔ اور جو کچھ آپ کو امر کیا گیا ہے اس کے بجا لانے میں جان کے ساتھ کوشش کریں اور احکام شرعیہ کے بجا لانے سے سرِ مُو تجاوز نہ کریں۔ اور اہل سنت وجماعت کے عقائد حقہ کے ساتھ اپنے ظاہر و باطن کو آراستہ و پیراستہ رکھیں ع

کار ایں است غیر ایں ہمہ ہیچ

اصل کام یہی ہے باقی سب ہیچ ہے۔

اگر آپ کے والدین پسند کریں اور اخوند و اُستاد بھی راضی ہوں۔ تو ہندوستان کے سیر کو غنیمت جانیں۔ والسلام

مکتوب نمبر ۲۷۲

میر سید محب اللہ مانکپوری کی طرف صادر فرمایا:

ایمان بالغیب اور ایمان شہودی۔ اور توحید شہودی اور توحید وجودی کے بیان میں اور اس بیان میں کہ فنا کے حاصل ہونے میں جو درکار ہے وہ توحید شہودی ہے۔ توحید وجودی کچھ درکار نہیں۔ اور ان میں سے ہر ایک کے اقسام کے بیان میں اور اس بیان میں کہ ایمان غیب کو ایمان شہادت پر فضیلت ہے۔ اور اس بیان میں کہ اوّل اوّل جس شخص نے

توحید وجُودی کو ظاہر کیا ہے، فتوحات مکیہ والا ہے۔ اور گزشتہ مشائخ کی عبارتیں اگرچہ توحید واتحاد کی خبر دیتی ہیں۔ لیکن توحید شہودی پر محمُول ہیں۔ اور اس کے مناسب بیان میں

حمد وصلوٰۃ کے بعد سیادت پناہ برادر معزز میر محب اللہ کو واضح ہو کہ اُس واجب الوجود کی ذات پاک اور اس کی تمام صفات کے ساتھ غیب سے ایمان لانا انبیا علیہم الصلوٰۃ والسّلام اور اُن کے اصحاب رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور اُن اولیا کا جو کلّی طور پر مخلوق کی طرف رُخ کیے ہوئے ہیں اور ان کی نسبت صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی سی نسبت ہے۔ اگرچہ قلیل بلکہ اقل ہے اور علماء اور عامہ مومنین کا حصّہ ہے۔ اور ایمان شہودی عامہ صوفیہ کا حصّہ ہے۔ خواہ وہ ارباب عُزلت یعنی گوشہ نشین ہوں۔ خواہ ارباب عشرت یعنی لوگوں میں رہنے والے ہوں۔ کیونکہ ارباب عشرت اگرچہ مرجُوع ہیں۔ لیکن انہوں نے پورے طور پر رجُوع نہیں کیا ہے۔ ان کا باطن اسی فوق کی طرف نگران ہے۔ یعنی ظاہر میں خلق کے ساتھ ہیں اور باطن میں حق جل شانہٗ کے ساتھ۔ اسی لیے ایمان شہودی ہر وقت ان کے نصیب ہے۔ اور انبیائے علیہم الصلوٰۃ والسّلام چونکہ کلّی طور پر مرجوع ہیں اور ظاہر و باطن میں خلق کو حق تعالیٰ کی طرف دعوت کرنے میں متوجہ ہیں۔ اس لیے ایمان بالغیب ان کا حصّہ ہے۔ اور اس فقیر نے اپنے بعض رسالوں میں اس امر کی تحقیق کی ہے کہ باوجود رجوع کے فوق کا نگران رہنا نقصان اور انجام تک نہ پہنچنے کی علامت ہے۔ اور کلّی طور پر رجوع کرنا نہایت النہایت تک پہنچنے کی علامت ہے۔ صوفیہ نے کمال کو جمع بین التوجہین یعنی دونوں توجہوں کے جمع ہونے میں جانا ہے۔ اور تشبیہ اور تنزیہ کے جامع کو کاملین میں سے سمجھا ہے۔ ع

آں ایشانند دمن چنینم یارب[1]

انبیائے علیہم الصلوٰۃ والسلام جب مقام دعوت سے فارغ ہو جاتے ہیں۔ اور عالم بقا کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور رجوع کی مصلحت مکمل ہو جاتی ہے۔ تو بڑے شوق کے ساتھ اَلرَّفِیْقُ الْاَعْلٰی کی ندا لگا کر کلّی طور پر حق جل شانہٗ کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ اور مراتب قرب میں ناز وادا کی حالت میں آجاتے ہیں ؎

هَنِيْئًا لِاَرْبَابِ النَّعِيْمِ نَعِيْمُهَا[2]
وَلِلْعَاشِقِ الْمِسْكِيْنِ مَا يَتَجَرَّعُ

ف۱ یا اللہ وہ تو اُس طرح ہیں۔ اور میں اس طرح ہوں۔

ف۲ ارباب نعمت کو نعمتیں گوارا ہوں اور بے چارے عاشق مسکین کے لیے وہی جو وہ درد وغم کے گھونٹ پی رہا ہے

فقیر کے نزدیک کمال یہ ہے کہ عروج کے وقت کثرت بالکل نظر سے دور ہو جائے۔ حتیٰ کہ اسماء و صفات بھی ملحوظ نہ ہوں اور احدیت مجردہ کے سوا اور کچھ مشہود نہ ہو:

ثُمَّ عُومِلَ مَعَهٗ مَا عُومِلَ مَعَهٗ پھر اس کے ساتھ معاملہ کیا گیا جو کیا گیا۔

اور رجوع کے وقت نظر سب کی سب کثرت پر پڑے۔ اور عامہ مومنین کی طرح خلق کے سوا اور کوئی امر مشہود نہ ہو۔ اور طاعت کے ادا کرنے اور خلق کو حق تعالیٰ کی طرف دعوت کرنے کے سوا اُس کا کوئی کام نہ ہو۔ اور جب دعوت کے کام کو پورا کرے اور عالم فانی کو وداع کرے تو پورے طور پر جناب قدس کی طرف متوجہ ہو کر اپنا سامان غیب سے شہادت کی طرف لے جائے اور معاملہ گوش سے آغوش تک پہنچ جائے۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے

کوئی ناقص پُورے طور پر رجُوع کرنے کو نقص خیال نہ کرے۔ اور توجہ باطن کو جو حق سُبحانہٗ کی طرف ہوتی ہے ـــــــــ بہتر نہ جانے۔ کیونکہ صاحب رجوع اپنے اختیار کے ساتھ مقام رجوع میں نہیں آیا۔ بلکہ اُس نے حق تعالیٰ کی مراد کے موافق اعلیٰ سے اسفل کی طرف نزول کیا ہے۔ اور وصل سے ہجر کے ساتھ قرار پکڑا ہے پس صاحب رجوع حق تعالیٰ کی مراد پر قائم اور اپنی مراد سے خالی ہے۔ اور صاحب توجہ وصل و شہُود کے ساتھ محظوظ اور قرب و معیت کے ساتھ خوش ہے ؎

ہجرے[1] کہ بود مراد محبُوب ازوصل ہزار بار خوش تر

؎ لِاَنِّیْ فِی الْوِصَالِ عُبَیْدُ نَفْسِیْ ! وَفِی الْهِجْرَانِ مَوْلٰی لِلْمَوَالِیْ
وَشُغْلِیْ بِالْحَبِیْبِ بِكُلِّ حَالٍ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ شُغْلِیْ بِحَالِیْ

رجُوع کے فضائل و کمالات بے شمار ہیں۔ صاحب توجہ کو صاحب رجُوع کے ساتھ وہ نسبت ہے جو قطرہ کو دریائے محیط کے ساتھ ہے۔ یہ رجوع نبوت کے فضائل میں سے ہے اور وہ توجہ ولایت کے آثار سے۔ شَتَّانَ مَا بَیْنَهُمَا (ان دونوں میں بڑا فرق ہے)۔ لیکن ہر شخص کا فہم اس کمال

[1] وہ ہجر جو جسے محبوب چاہے، وصل سے ہزار بار بہتر ہے۔

[2] مَیں حالت وصال میں اپنے نفس کا غلام ہوتا ہوں، اور ہجر میں اپنے مولیٰ کا۔ اور ہر حال میں میرا اپنے حبیب کے ساتھ مشغول رہنا اپنے حال میں مشغول رہنے سے مجھے زیادہ پسند ہے۔

تک نہیں پہنچتا۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

تشبیہ اور تنزیہ کے جمع کرنے والوں میں سے بعض کہتے ہیں کہ تنزیہ کے ساتھ ایمان سب مومنوں کو حاصل ہے۔ عارف وہ ہے جو ایمان بہ تشبیہ کو بھی اس کے ساتھ جمع کرے۔ اور خلق کو خالق کا ظہور دیکھے۔ اور کثرت کو وحدت کا لباس جانے۔ اور صانع کا صنع میں مطالعہ کرے۔

غرض صرف تنزیہ کی طرف توجہ کا رہنا ان کے نزدیک نقص ہے۔ اور کثرت کے ملاحظہ کے بغیر وحدت کا مشاہدہ کرنا ان کے نزدیک سراسر عیب ہے۔ یہ لوگ احدیت صرف کی طرف متوجہ ہونے والوں کو ناقص خیال کرتے ہیں اور کثرت کے ملاحظہ کے بغیر وحدت کے ملاحظہ کرنے کو محدود و مقید خیال کرتے ہیں۔

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی دعوت تنزیہ صرف کی طرف ہے۔ اور تمام آسمانی کتابیں ایمان تنزیہی کو بیان کرتی ہیں۔

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام آفاقی و انفسی خداؤں کی نفی کرتے ہیں۔ اور ان کے باطل ہونے کی دعوت فرماتے ہیں۔ اور اس واجب الوجود کی وحدت کی طرف جو بیچون و بیچگون ہے رہنمائی کرتے ہیں۔ کبھی کسی نے نہیں سُنا کہ کسی پیغمبرؑ نے ایمان تشبیہی کی طرف دعوت کی ہو اور خلق کو خالق کا ظہور کہا ہو۔ تمام پیغمبر علیہم الصلوٰۃ والسلام واجب الوجود کی توحید کے کلمہ میں متفق ہیں۔ اور حق تعالیٰ کے سوا تمام خداؤں کی نفی کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا[1]

اے اللہ کے رسول اہل کتاب سے کہہ دو کہ آؤ ایک کلمہ کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ ہی کسی کو اس کے ساتھ شریک بنائیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے سوا ہم میں سے کوئی کسی کو اپنا رب نہ

[1] سورہ آل عمران، پارہ تلک الرسل۔

بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۔ (پ۳ ۔ ش۱۵) بنائیے۔ پس اگر وہ مانیں تو کہہ دو کہ تم گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں ۔

یہ لوگ بے شمار اسباب ثابت کرتے ہیں اور سب کو ربُّ الارباب کا ظہور خیال کرتے ہیں اور کتاب و سنت کو جو اپنے مطالب کے لیے بطریق شہادت پیش کرتے ہیں ۔ (کتاب)

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَ الْبَاطِنُ ۔[1] یعنی اوّل و آخر و ظاہر و باطن وہی ہے۔

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۔[2] نہیں مارا تو نے جب کہ مارا ۔ مگر اللہ تعالیٰ نے مارا ۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۔[3] (پ۲۶ ۔ ش۹) جو تجھ سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے ۔

(سنت)

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْاَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْءٌ وَاَنْتَ الْاٰخِرُ فَلَيْسَ بَعْدَكَ شَيْءٌ وَاَنْتَ الظَّاهِرُ فَلَيْسَ فَوْقَكَ شَيْءٌ وَاَنْتَ الْبَاطِنُ فَلَيْسَ دُوْنَكَ شَيْءٌ ۔[4] یا اللہ تو ہی اوّل ہے اور تیرے اوّل کوئی شے نہیں ہے ۔ اور تو ہی آخر ہے تیرے بعد کوئی شے نہیں ہے ۔ اور تو ہی ظاہر ہے، تیرے اوپر کوئی شے نہیں ہے ۔ اور تو ہی باطن ہے، تیرے سوا کوئی شے نہیں ہے ۔

اس میں کچھ شہادت نہیں ہے ۔ کیونکہ ان عبارتوں میں کامل طور پر وجود ماسوا کے کمال کی نفی کا حصر ہے نہ کہ اصل وجود کی نفی ، جیسے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے :

لَا صَلٰوةَ اِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ ۔[5] نماز نہیں ہوتی مگر فاتحہ کتاب کے ساتھ

اور فرمایا :۔

لَا اِيْمَانَ لِمَنْ لَا اَمَانَةَ لَهٗ ۔[6] جو امانت دار نہیں اس کا ایمان نہیں ۔

---

[1] سورہ حدید، پارہ قال فما خطبکم ۔
[2] سورۃ انفال، پارہ قال الملاء
[3] سورہ فتح ، پارہ حٰمٓ
[4] مسلم شریف و ابن ابی شیبہ و ابو یعلی وغیرہ ۔
[5] بخاری و مسلم شریف وغیرہما ۔
[6] بیہقی شریف ۔

کتاب وسنت میں اس قسم کی مثالیں بہت ہیں۔ یہ توجیہ نصوص کی تاویل نہیں ہے۔ جیساکہ ان لوگوں نے گمان کیا ہے۔ بلکہ کمال بلاغت پر نصوص کو حمل کیا گیا ہے۔ اور عرف میں جب کسی شخص کے امر رسالت کو ضروری اور مہتم بالشان ظاہر کرنا چاہتے ہیں۔ تو فرماتے ہیں کہ اس کا ہاتھ میرا ہاتھ ہے۔ اس سے مقصود حقیقت نہیں ہے بلکہ مجاز ہے جو حقیقت سے ابلغ ہے۔ اور جب فاعل سے جو کامل قدرت والے مالک کا غلام اور بندہ ہے۔ اس کے قدر داندازہ سے بڑھ کر کوئی فعل صادر ہو۔ اور اس فعل میں اس مالک قادر کی التفات و توجہ مدنظر ہو۔ تو اس وقت مالک کو لائق ہے کہ یہ کہہ دے کہ اس فعل کو میں نے ہی کیا ہے۔ یہ بات بھی نہ اتحاد فعل پر اور نہ اتحاد ذات پر دلالت کرتی ہے۔ حاشا وکلا کہ بندۂ غلام کا فعل عین مالک مقتدر کا فعل ہو۔ یا اُس کی ذات کا عین بن جائے ان لوگوں نے شاید انبیائے علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مذاق کو نہیں سمجھا۔ کیونکہ ان کی دعوت کا مدار ، اثنینیت یعنی دوئی اور غیر کے وجود اور غیریت پر ہے۔ ان کی عبارتوں کو توحید داتحاد پر حمل کرنا بے ہودہ تکلف ہے ۔ اگر حقیقت میں ایک ہی موجود ہوتا۔ اور اس کے سوا سب اس کے ظہورات ہوتے۔ اور اس کے ماسوائے کی عبادت اسی کی عبادت ہوتی، جیسے کہ ان لوگوں نے گمان کیا ہے۔ تو پھر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام مبالغہ اور تاکید کے ساتھ ان کی پرستش سے کیوں منع کرتے۔ اور ان کی پرستش پر دائمی عذاب کیوں مترتب کرتے۔ اور ان کے پجاریوں کو خدا کا دشمن کیوں کہتے۔ جب تک ان لوگوں کو ان کی غلطی پر اطلاع نہ بخشیں عینیت کی دید جو جہالت سے ان میں پیدا ہو گئی ہے، دُور نہیں ہوتی۔ اور نہ ہی ان کی عبادت کو حق تعالیٰ کے غیر کی عبادت جانتے ہیں۔

ان لوگوں میں سے بعض یہ کہتے ہیں کہ پیغمبروں نے عوام لوگوں کے قصور فہم کے باعث توحید وجُودی کے اسرار کو پوشیدہ رکھا ہے اور اپنی دعوت کی بنا غیر وغیریت پر رکھی ہے۔ اور وحدت کو چھپا کر کثرت پر دلالت کی ہے۔

یہ بات شیعہ کے تقیہ کی طرح سننے کے قابل نہیں ہے۔ کیونکہ انبیائے علیہم الصلوٰۃ والسلام جو کچھ کہ واقعی اور نفس الامری ہے اس کی تبلیغ کے زیادہ مستحق اور حق دار ہیں۔ جب نفس الامر میں ایک ہی موجود ہو اور اس کا غیر کچھ موجود نہ ہو۔ تو مناسب نہیں کہ اس کو چھپا کر نفس الامر کے خلاف ظاہر کریں۔ خاص کر وہ احکام جو واجب الوجود کی ذات وصفات وافعال کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے اظہار اور اعلان کے وہ زیادہ حق دار ہیں۔ کوتاہ نظر خواہ ان کو سمجھیں یا نہ سمجھیں۔ کیا نہیں

دیکھتے کہ قرآن کی آیات متشابہات یا احادیث متشابہات جن کے سمجھنے سے عوام کیا خواص بھی عاجز ہیں۔ ان کے اظہار کرنے سے منع نہیں ہوئے۔ اور نہ ہی عوام کی غلطی اور کوتاہ فہمی ان کے اظہار کی مانع ہوئی۔ یہ لوگ اس شخص کو جو دو وجود کا قائل ہے اور ماسوا کی عبادت سے اجتناب و پرہیز کرتا ہے، مشرک کہتے ہیں۔ اور اس شخص کو جو ایک وجود کا قائل ہے موحد کہتے ہیں اگرچہ ہزار بُت کی عبادت کرے اس خیال سے کہ یہ سب حق تعالیٰ کے ظہورات ہیں۔ اور ان کی عبادت حق تعالیٰ کی عبادت ہے۔ انصاف کرنا چاہیے کہ ان دونوں گروہوں میں سے مشرک کون ہے۔

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسّلام نے وحدت وجود کی طرف دعوت نہیں کی۔ اور نہ ہی دو وجود کہنے والے کو مشرک کہا ہے۔ بلکہ ان کی دعوت وحدت معبود کی طرف ہے۔ اور اُنہوں نے ماسوائے کی عبادت کو شرک کہا ہے۔

اگر صوفیہ وجودیہ ماسوا کو غیریت کے طریق پر نہ بھی جانیں، تو بھی شرک کو دفع نہیں کر سکتے کیونکہ ماسوا، کو ماسوا ہی جانیں یا نہ جانیں۔ ان میں سے بعض متاخرین، عالم کو، حق تعالیٰ کا عین نہیں جانتے۔ اور عینیت سے کنارہ کرتے ہیں۔ اور عینیت کے قائلوں کو طعن و تشنیع کرتے ہیں۔ اور شیخ محی الدین اور اس کے تبعین کے ساتھ انکار سے پیش آتے اور اُن کو بُرائی سے یاد کرتے ہیں۔ ساتھ ہی یہ لوگ عالم کو حق تعالیٰ کا غیر بھی نہیں جانتے۔ بلکہ نہ ہی حق تعالیٰ کا عین اور نہ ہی حق تعالیٰ کا غیر جانتے ہیں۔ یہ بات بھی ثواب سے دُور ہے:

اَلْاِثْنَانِ مُتَغَايِرَانِ۔ دو چیزیں ایک دوسرے کی غیر ہوتی ہیں

قضیہ مقررہ ہے۔ اثنینیت یعنی دوئی کا منکر درجہ عقل کا مخالف ہے۔ ہاں متکلمین نے صفات واجبی جل سلطانہ کے بارہ میں لَاھُوَ وَلَا غَیْرُھُوَ کہا ہے۔ اور غیر سے غیر اصطلاحی مراد لے کر اس امر کو مدّنظر رکھا ہے کہ دو متغائر چیزوں کا باہم جدا اور الگ ہونا جائز ہے۔ کیونکہ واجب تعالیٰ و تقدس کی صفات حضرت ذات سے الگ نہیں ہیں۔ اور نہ ہی حق تعالیٰ کی ذات و صفات قدیمہ کے درمیان انفکاک یعنی الگ ہونا جائز متصور ہو سکتا ہے۔ پس لَاھُوَ وَلَا غَیْرُھُوَ صفات قدیمہ میں صادق ہے۔ برخلاف عالم کے کہ یہ نسبت اس میں مقصود ہے:

كَانَ اللّٰهُ وَلَمْ يَكُنْ مَعَهٗ شَيْءٌ۔ اللہ تھا اور اُس کے ساتھ کوئی چیز موجود نہ تھی۔

پس عالم کی غیریت کی نفی کرنا لغت میں بھی اور اصطلاح میں بھی صدق سے دُور ہے۔ ان لوگوں

اپنے حقیقت حال تک نہ پہنچنے کے باعث عالم کو صفات قدیمہ کی طرح سمجھ کر اس کے مخصوص حکم کو اس جگہ اطلاق کیا ہے۔ یہ لوگ جب عینیت عالم کی نفی کے قائل ہوئے ہیں تو اُن پر لازم ہے کہ غیریت عالم کے قائل ہوں۔ اور توحید وجودی والوں کے زمرہ سے نکل آئیں۔ اور عالم کے متعددہ وجودوں کے قائل ہو جائیں۔ اور توحید وجودی میں عین کہنے سے چارہ نہیں ہے۔ جیسے کہ شیخ محی الدین اور اس کے تابعین نے کہا ہے۔ اور عین کہنا ان معنوں کے لحاظ سے نہیں ہے کہ عالم اپنے صانع کے ساتھ متحد ہے۔ حاشا وکلاّ بلکہ ان معنوں کے اعتبار سے ہے کہ عالم معدوم ہے اور حق تعالیٰ کا وجود واجب۔ جیسے کہ اس فقیر نے اپنے بعض رسالوں میں اس امر کی تحقیق کی ہے۔

سوال :

صوفیہ وجودیہ، دو وجُود کے کہنے والے کو جو مشرک کہتے ہیں وہ اس اعتبار سے کہتے ہیں کہ وہ دو بین ہیں اور دو بیں طریقت کا مشرک ہے؟

جواب :

دو بینی[1] جو طریقت کا شرک ہے، توحید شہُودی سے دفع ہو جاتا ہے۔ توحید وجودی اس مقام میں کچھ درکار نہیں ہے۔ کیونکہ سالک کا مشہُود و ملحوظ ایک ذات مقدس کے سوا اور کوئی امر نہیں ہے تاکہ فنا متحقق ہو۔ اور طریقت کا شرک دُور ہو جائے۔ دن میں جو آفتاب کو تنہا دیکھتے ہیں۔ اور ستاروں کو نہیں دیکھتے، دو بینی، کا دفعیہ حاصل ہے۔ اگرچہ ہزاروں ستارے دن میں موجود ہوں۔ مقصود یہ ہے کہ ایک آفتاب مشہود ہو۔ خواہ ستارے معدوم ہوں یا موجود بلکہ میں کہتا ہوں کہ کمال اس صورت میں ہے کہ اشیاء موجود ہوں اور سالک کمال فنا کے باعث جو اپنے مطلوب حقیقی سے رکھتا ہے کسی چیز کی طرف توجہ نہ کرے۔ بلکہ کسی چیز کا مشاہدہ نہ کرے اور کوئی چیز اُس کے دیدۂ بصیرت میں نہ آئے۔ اور اگر اشیاء موجود نہ ہوں۔ فنا کس سے متحقق ہو گی۔ اور فانی کس سے ہو گا اور کس کو فراموش کرے گا۔

سب سے اوّل جس شخص نے توحید وجودی کی تصریح کی ہے۔ وہ شیخ محی الدین ابن عربی ہے اس سے گزشتہ مشائخ کی عبارتیں اگرچہ توحید وجُودی کی خبر دیتی ہیں۔ لیکن توحید شہودی پر حمل کرنے کے قابل ہیں۔ کیونکہ حق جل شانہٗ کے غیر کو جب نہیں دیکھتے۔ تو بعض کہتے ہیں کہ:

لَيْسَ فِي جُبَّتِي سِوَى اللهِ ۔ میرے جبّہ میں سوائے اللہ کے اور کچھ نہیں

---

[1] دو دیکھنا ۱۲

اور بعض سُبْحَانِیْ مَا اَعْظَمَ شَانِیْ کی ندا پکار اُٹھتے ہیں۔ اور بعض :

لَیْسَ فِی الدَّارِ غَیْرُہٗ دَیَّارٌ۔ گھر میں اُس کے سوا کوئی رہنے والا نہیں ہے

کی آواز بلند کرتے ہیں۔ یہ سب پھول ایک ہی یک بینی، کی شاخ سے کھلے ہیں۔ ان عبارتوں میں کوئی بھی وحدت وجود پر دلالت نہیں کرتی۔ اور جس شخص نے اس مسئلہ کو ابواب اور فصول کی شکل میں لکھا ہے اور صرف ونحو کی طرح اس کو جمع کیا ہے۔ حتیٰ کہ اس نے کہا ہے کہ خاتم النبوت بعض علوم ومعارف کو خاتم الولایت سے اخذ کرتا ہے۔ اور خاتم الولایت محمدی اپنے آپ کو جانتا ہے اور شارحین نے اس کی توجیہہ میں کہا ہے کہ پادشاہ اپنے خزانچی سے اگر کوئی چیز لے تو اُس میں کیا نقصان ہے۔

غرض فنا وبقا اور ولایت کبریٰ کے کمالات حاصل کرنے کے لیے توحید وجودی کی کوئی ضرورت نہیں۔ توحید شہودی حاصل ہونی چاہیے۔ تاکہ فنا متحقق ہو جائے۔ اور ماسوے کا نسیان حاصل ہو جائے۔

ہو سکتا ہے کہ کوئی سالک ابتدا سے انتہا تک سیر کر جائے۔ اور توحید وجودی کے علوم و معارف سے کوئی بھی اس پر ظاہر نہ ہو۔ بلکہ نزدیک ہے کہ ان علوم سے انکار کر دے۔

فقیر کے نزدیک وہ راستہ جو ان معارف کے ظہور کے بغیر سلوک کے ساتھ میسّر ہو جائے وہ اس راستہ سے زیادہ قریب ہے۔ جو اس ظہور کو متضمن ہے۔ اور نیز اس راہ کے سالکوں میں سے اکثر مطلوب تک پہنچتے ہیں۔ اور اکثر راہ ہی میں رہ جاتے ہیں۔ اور دریا سے قطرہ کے ساتھ سیراب ہو جاتے ہیں۔ اور اتحاد کے وہم میں پڑ کر ظل میں گرفتار رہتے ہیں۔ اور وصل سے محروم رہتے ہیں۔ یہ امر تجربہ سے معلوم ہو چکا ہے۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہُ الْمُلْہِمُ لِلصَّوَابِ۔

اور نیز فقیر کو اگرچہ راہ ثانی سے سلوک میسّر ہوا ہے اور توحید وجودی کے علوم و معارف کے ظہورات سے کافی حصّہ حاصل ہوا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی عنایت شامل حال ہوئی اور رسیر محبوبی کے ساتھ راستہ کے جنگلوں اور میدانوں کو فضل وعنایت کی امداد سے طے کرا دیا اور کمال کرم کے ساتھ ظلال سے گزار کر اصل تک پہنچایا۔ اور جب معاملہ مسترشدوں یعنی مریدوں تک پہنچا، تو معلوم ہوا کہ اس کے علاوہ ایک اور راہ ہے جو وصول کے زیادہ قریب اور حصول میں زیادہ آسان ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدٰنَا لِھٰذَا وَمَا کُنَّا لِنَھْتَدِیَ لَوْلَا اَنْ ھَدٰنَا — اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہم کو اس کی ہدایت دی اگر وہ ہم کو ہدایت نہ دیتا تو ہم

اللہ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۔ کبھی ہدایت نہ پاتے، بے شک ہمارے رب کے رسول حق بات لائے۔

تنبیہ ۔ سابقہ تحقیق سے معلوم ہوا کہ اگرچہ موجودات متعدد ہوں اور حق تعالیٰ کا ماسوئی بھی موجود ہو تو پھر بھی ہو سکتا ہے کہ فنا و بقا متحقق ہو جائے نہ یہ کہ ماسوئے معدوم و ناچیز ہو جائے یہ بات باوجود ظہور کے اکثر خواص پر پوشیدہ رہی ہے ۔ پھر عوام کا کیا ذکر ہے ۔ ان لوگوں نے توحید شہودی کو عین وجودی خیال کر کے وحدت وجود کی معرفت کو راستہ کی شرط جانا ہے ۔ اور دو وجود کہنے والے کو ضالّ ومضِلّ (گمراہ و گمراہ کرنے والا) سمجھا ہے اور کثرت کے آئینوں میں وحدت کے مشاہدہ کو انجام کار تصور کیا ہے ۔ ان میں سے بعض نے یہاں تک تصریح کی ہے کہ ہمارے حضرت پیغمبر علیہ وعلیٰ جمیع اخوانہ من الصلوٰت افضلہا ومن التسلیمات اکملہا کمالاتِ نبوت حاصل ہونے کے بعد شہودِ وحدت در کثرت کے مقام میں رہے ہے ۔ اور آیت کریمہ اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ سے اس مقام کی طرف اشارہ کرتے ہیں ۔ اور اس کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں کہ تحقیق ہم نے تجھ کو کثرت میں وحدت کا مشاہدہ عطا کیا ۔

معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے کوثر کی واؤ کے درمیان آنے سے جو حروف کثر کے درمیان ہے یہ اشارات سمجھے ہیں ۔ حاشا وکلّا اس قسم کے معارف مقام نبوت کے لائق ہوں ۔ کیونکہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام خدائے بیچوں جل شانہٗ کی طرف دعوت کرتے رہے ہیں ۔ اور جو چیز چون کے آئینوں میں گنجائش نہیں رکھتی ۔ وہ بے چونی سے بے نصیب ہے ۔ اور بے چوتی اور بے چندی کے داغ سے داغدار ہے ۔ حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ ان کو انصاف کی توفیق دے ۔ شاید یہ لوگ انبیائے علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اپنے کمالات کے ترازو پر تولنا چاہتے ہیں اور ان کے کمالات کو اپنے کمالات کی طرح جانتے ہیں ۔ کَبُرَتْ کَلِمَۃً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۔ چھوٹا منہ بڑی بات ؂[۱]

چہ آں کرمی کہ در سنگی نہاں است

زمین و آسماں او ہماں است

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت میں کا یہ کمینہ اور عاجز اس قسم کی معرفت سے جو اول اوّل حاصل ہوئی تھی ندامت و استغفار کرتا ہے ۔ اور اس شہود کو نصاریٰ کے حلول کی طرح اس پاک جناب سے نفی کرتا ہے ۔

---

[۱] جس طرح وہ کیڑا جو پتھر میں چھپا ہوا ہے اس کا زمین و آسمان وہی ہے ۔

حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ جو کچھ دیکھا گیا اور سُنا گیا اور جانا گیا۔ سب اس کا غیر ہے۔ کلمہ لا کی حقیقت سے اس کی نفی کرنی چاہیے، پس کثرت میں وحدت کا مشاہدہ بھی نفی کے لائق ہے اور اس پاک بارگاہ سے منتفی اور بدُور ہے۔

حضرت خواجہ قدس سرہٗ کی اس کلام نے مجھ کو اس شہُود سے نکال دیا ہے۔ اور مشاہدہ اور معائنہ کی گرفتاری سے نجات بخشی ہے۔ اور میرے اسباب کو علم سے جہل کی طرف اور معرفت سے حیرت کی طرف لے گیا ہے۔

جَزَاہُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ عَنِّیْ خَیْرَ الْجَزَاءِ۔ اللہ تعالیٰ ان کو میری طرف سے جزائے خیر دے۔

میں صرف ایک ہی بات سے حضرت خواجہ قدس سرہٗ کا مرید اور حلقہ بگوش ہوں۔ اور واقعی اولیا میں سے شاید ہی کسی نے اس طرح کی عبارت بیان کی ہو۔ اور تمام مشاہدات و معائنات کی اس طرح پر نفی کی ہو۔

اس مقام میں آپ کے اس سخن کی حقیقت کو جہاں کہ آپ نے فرمایا ہے کہ خدائے تعالیٰ کی معرفت بہا والدین پر حرام ہے۔ اگر اس کی ابتدا بایزیدؒ کی انتہا نہ ہو، ڈھونڈنی چاہیے۔ کیونکہ بایزید رحمۃ اللہ علیہ باوجود اس بزرگی کے شہُود و مشاہدہ سے آگے نہیں نکلے۔ اور سُبْحَانِیْ مَا اَعْظَمُ شَانِیْ کے تنگ کوچہ سے قدم باہر نہیں رکھا۔ برخلاف ہمارے حضرت خواجہ قدس سرہٗ کے کہ جنہوں نے ایک ہی کلمہ لا سے اس کے تمام مشاہدات کی نفی فرمادی اور سب کو حق تعالیٰ کا غیر ثابت کر دیا حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ کی تنزیہ حضرت خواجہ قدس سرہٗ کے نزدیک تشبیہ ہے اور اس کا بیچون ان کے نزدیک چون اور کمال نقص ہے۔ ناچار اس کی انتہا جو تشبیہ سے آگے نہیں بڑھا۔ خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کی ابتدا ہوگی۔ کیونکہ بدایت تشبیہ سے ہے، اور نہایت تنزیہ کے ساتھ۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ آخر حال میں بایزید رحمۃ اللہ علیہ کو اس نقص پر اطلاع بخشی گئی کہ موت کے وقت اس طرح کہتے تھے:

مَا ذَکَرْتُکَ اِلَّا عَنْ غَفْلَۃٍ وَمَا خَدَمْتُکَ اِلَّا عَنْ فَتْرَۃٍ۔ میں نے تجھے یاد نہیں کیا مگر غفلت سے اور میں نے تیری خدمت نہیں کی، مگر سُستی سے۔

اس نے اپنے پہلے حضور کو غفلت جانا کیونکہ وہ حق تعالیٰ کا حضور نہ تھا۔ بلکہ ظلال میں سے

ایک ظل کا حضور اور اس کے ظہورات میں سے ایک ظہور تھا۔ پس ناچار حق تعالیٰ سے غافل رہے۔ اور حق تعالیٰ وراء الوراء ہے۔ ظلال و ظہورات سب کے سب مبادی اور مقدمات اور معارج اور معدات ہیں۔ اور یہ جو حضرت خواجہ قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ ہم نہایت کو بدایت میں درج کرتے ہیں۔ واقع کے موافق ہے۔ کیونکہ ابتدا ہی سے ان کی توجہ احدیت صرف کی طرف ہے۔ اور اسم و صفت سے ذات کے سوا کچھ نہیں چاہتے۔

اس طائفہ علیہ کے بتدیوں کو یہ دولت اپنے شیخ مقتدا سے جو اس کمال کے ساتھ مشرف ہوتا ہے، بطریق انعکاس حاصل ہو جاتی ہے۔ خواہ وہ اس کو جانیں یا نہ جانیں۔ پس ناچار کاملوں کی نہایت ان بزرگواروں کی بدایت میں مندرج تسلیم کرنی پڑے گی۔

حاصل کلام یہ کہ احدیت کی توجہ ان میں غالب آجائے۔ اور ظاہر کو بھی باطن کے ہم رنگ کر دے۔ تو سالک مشاہدات سفلی سے جو ممکنات کے آئینوں میں ظاہر ہوتے ہیں آزاد ہو جاتا ہے اور معارف تشبیہی سے خلاصی پا جاتا ہے۔ اور اگر یہ توجہ غالب نہ ہو سکے اور صرف باطن پر ہی لگی رہے۔ تو بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بظاہر کثرت میں وحدت کے مشاہدہ کی لذت پاتا ہے۔ اور توحید و اتحاد سے محظوظ ہوتا ہے۔ لیکن یہ شہود ان کے حق میں ظاہر پر ہی محدود رہتا ہے۔ باطن میں کچھ سرایت نہیں کرتا۔ ان کا باطن احدیت صرف کی طرف متوجہ رہتا ہے اور ان کا ظاہر کثرت میں وحدت کا مشاہدہ کرنے والا ہوتا ہے۔ اس وقت ممکن ہے کہ ظاہری نسبت کے غلبہ کے باعث باطنی توجہ معلوم نہ ہو۔ اور شہود ظاہر کے سوا اور کوئی امر مفہوم نہ ہو۔ جیسے کہ ابتدا میں ان سطور کے لکھنے والے کا حال تھا کہ ظاہری نسبت کے غلبہ کے باعث باطنی توجہ سے جو احدیت صرف کی طرف تھی، بالکل آگاہی نہ رکھتا تھا اور کلی طور پر اپنے آپ کو کثرت میں وحدت کی طرف متوجہ پاتا تھا۔ کچھ مدت کے بعد حضرت حق سبحانہٗ نے باطن کی توجہ پر اطلاع بخشی اور باطن کو ظاہر پر نصرت دی۔ اور معاملہ کو یہاں تک پہنچایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سُبْحَانَہٗ عَلٰی ذٰلِکَ — اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد ہے۔

وہ معارف توحیدی اور مشاہدات سفلی جو اس خاندان بزرگ کے بعض خلفا سے سرزد ہوئے ہیں، وہ بھی اسی قسم سے ہیں۔ نہ یہ کہ یہ لوگ ظاہر و باطن میں اسی شہود کی طرف متوجہ اور اسی معرفت کے گرفتار رہے ہیں۔ برخلاف دوسرے بزرگوں کے جو ظاہر و باطن میں اور اس شہود کو تشبیہ اور تنزیہ کا جامع جان کر اسی کو کمال سمجھتے ہیں۔ ان لوگوں کا باطن بھی اگرچہ تنزیہ صرف کے ساتھ ایمان

رکھتا ہے۔ لیکن گرفتاری اور ہے اور ایمان کچھ اور۔ اور حال اور ہے اور علم کچھ اور چیز۔ وہ لوگ جو تنزیہ صرف کے ساتھ ایمان نہیں رکھتے اور مشاہدہ سفلی کے سوا کسی اور امر کے معتقدات نہیں ہیں۔ وہ ملحدوں میں سے ہیں۔ جو اس بحث سے خارج ہیں۔

فقیر کے نزدیک ممکنات کے آئینوں میں حق تعالیٰ کا وہ شہود جس کو صوفیہ کی ایک جماعت کمال جانتی ہے۔ اور تشبیہ اور تنزیہ کے درمیان جمع خیال کرتی ہے، درحقیقت حق تعالیٰ کا شہود نہیں ہے۔ اس میں ان کا مشہود ان کا خیالی اور من گھڑت امر ہے۔ کیونکہ جو کچھ ممکن میں دیکھتے ہیں وہ واجب نہیں ہے۔ اور جو کچھ حادث میں پاتے ہیں وہ قدیم نہیں ہے۔ اور جو کچھ تشبیہ میں ظاہر ہوتا ہے وہ تنزیہ نہیں ہے۔ ہرگز ہرگز صوفیہ کی اس قسم کی ترہات یعنی بے ہودہ باتوں پر فریفتہ نہ ہونا چاہیے۔ اور حق تعالیٰ کے غیر کو خدا نہ جاننا چاہیے۔ مانا کہ یہ لوگ خطاکار مجتہد کی طرح معذور ہیں اور خطاکار مجتہد کی طرح مواخذہ سے بری ہیں۔ لیکن ان کے مقلدوں کے ساتھ معلوم نہیں کس طرح معاملہ کریں گے۔ کاش کہ مجتہد مخطی کے مقلدوں کی طرح ہی ہوتے۔ اور اگر ان کے ساتھ ایسا معاملہ نہ کیا تو پھر ان کا کام نہایت مشکل ہے۔ قیاس و اجتہاد اصول شرعی میں سے ایک اصل ہے جس کی تقلید کا ہم کو امر ہوا ہے۔ برخلاف کشف اور الہام کے کہ اس کی تقلید کا ہم کو حکم نہیں ہے اور الہام غیر پر حجت نہیں ہے۔ لیکن اجتہاد مقلد پر حجت ہے۔ پس علمائے مجتہدین کی تقلید کرنی چاہیے اور دین کے اصول کو ان کی آراء کے موافق تلاش چاہیے اور صوفیہ جو کچھ علمائے مجتہدین کی آراء کے برخلاف کہیں یا کریں اس کی تقلید نہیں کرنی چاہیے۔ اور حسن ظن کے ساتھ ان کے طعن سے لب بند رکھنے چاہییں۔ اور ان کی اس قسم کی باتوں کو شطحیات سے جاننا چاہیے۔ اور ظاہر کی طرف سے مصروف و پھرا ہوا خیال کرنا چاہیے۔

بڑے تعجب کی بات ہے کہ ان میں بعض صوفیہ عام لوگوں کو اپنے کشفیہ اور الہامیہ امور مثلاً وحدت وجود کے ساتھ ایمان لانے پر دلالت کرتے ہیں۔ اور ان کی تقلید کی ترغیب دیتے ہیں۔ اور ان کے عدم ایمان پر دھمکاتے ہیں۔ کاش کہ یہ لوگ ان امور کے عدم انکار پر دلالت کرتے اور ان کے منکر پر تہدید اور دھمکی فرماتے۔ کیونکہ ایمان اور چیز ہے اور عدم انکار اور چیز۔ ان امور کے ساتھ ایمان لانا لازم اور ضروری نہیں ہے۔ ہاں ان امور کے انکار سے بچنا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ ان امور کا انکار ان امور والوں کے انکار تک پہنچا دے۔ اور حق تعالیٰ کے اولیا کے ساتھ بغض و عداوت پیدا ہو جائے۔ علمائے اہل حق کے موافق کام کرنا چاہیے۔ اور صوفیہ کی کشفیہ باتوں

سے حسن ظن کے ساتھ سلوک کرنا چاہیے۔ اور لا و نعم پر جرأت نہ کرنی چاہیے:

هٰذَا هُوَ الْحَقُّ الْمُتَوَسِّطُ بَيْنَ الْاِفْرَاطِ وَالتَّفْرِيْطِ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْمُلْهِمُ لِلصَّوَابِ — یہی وہ حق ہے جو افراط و تفریط کے درمیان ہے، اور اللہ تعالیٰ بہتری کی طرف الہام کرنے والا ہے۔

عجب معاملہ ہے کہ ان لوگوں میں سے بہت سے مدعی اسی شہود و مشاہدہ پر بھی قناعت نہیں کرتے۔ بلکہ اس شہود کو تنزل خیال کر کے اس اثنا میں رویت بصری کے بھی قائل ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہم واجب الوجود جل سلطانہٗ کی ذات کو دیکھتے ہیں۔ اور نیز کہتے ہیں کہ وہ دولت جو ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو شب معراج میں حاصل ہوئی تھی۔ ہم کو ہر روز میسر ہے۔ اور وہ نور جو ان کے دیکھنے میں آتا ہے۔ اس کو صبح کی سفیدی سے تشبیہ دیتے ہیں۔ اور اس نور کو مرتبہ بے کیفی خیال کرتے ہیں۔ اور مناتب عروج کی نہایت اس نور کے ظہور تک تصور کرتے ہیں:

تَعَالٰى سُبْحَانَهُ عَمَّا يَقُوْلُ الظَّالِمُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا۔ — اللہ تعالیٰ اس بات سے جو ظالم کہتے ہیں بہت بلند ہے۔

اور نیز حضرت حق جل شانہٗ کے ساتھ مکالمہ و کلام ثابت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے ایسا فرمایا ہے۔ کبھی دشمنوں کے حق میں حضرت حق سبحانہٗ کی طرف سے کئی قسم کی باتیں نقل کرتے ہیں اور کبھی اپنے دوستوں کو بشارت دیتے ہیں۔ اور ان میں سے بعض اس طرح کہتے ہیں کہ رات کی تہائی یا چوتھائی حصّہ تک میں حق تعالیٰ کے ساتھ کلام کرتا رہا۔ اور ہر طرح کی باتیں پوچھتا رہا اور جواب لیتا رہا:

لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْا عُتُوًّا كَبِيْرًا۔ [۱] — ان لوگوں نے اپنے آپ میں تکبر کیا اور بڑی سرکشی کی۔

ان لوگوں کی باتوں سے یہ سمجھ آتا ہے کہ یہ لوگ اس نور مرئی کو عین حق تعالیٰ سمجھتے ہیں۔ اور اس نور کو حق تعالیٰ کی ذات تصور کرتے ہیں۔ نہ یہ کہ اس کے ظہورات میں سے کوئی ظہور یا اس کے ظلال میں سے کوئی ظل جانتے ہیں۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ اس نور کو حق تعالیٰ کی ذات کہنا محض افترا اور صرف الحاد اور خالص زندقہ ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا نہایت ہی حلم و تحمل ہے کہ اس قسم کے مفتریوں کے لیے طرح طرح کے عذابوں

---

[۱] سورۃ فرقان۔

میں جلدی نہیں کرتا۔ اور ان کی بیخ کنی نہیں فرماتا :

سُبْحَانَكَ عَلٰی حِلْمِكَ بَعْدَ عِلْمِكَ وَعَلٰی عَفْوِكَ بَعْدَ قُدْرَتِكَ	یا اللہ تو پاک ہے کہ ہماری برائیوں کو جان کر حلم فرماتا ہے۔ اور قدرت کے باوجود معاف کرتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم صرف رویت یعنی دیدار کی طلب ہی کے باعث ہلاک ہو گئی۔ اور حضرت موسیٰ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام نے طلب رویت کے بعد لن ترانی کا زخم کھایا اور بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ اور اس طلب سے تائب ہوئے اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو رب العالمین کے محبوب اور تمام اولین و آخرین موجودات میں سے بہترین ہیں۔ باوجود اس کے معراج بدنی کی دولت سے مشرف ہوئے۔ اور عرش و کرسی سے گزر کر مکان و زمان سے بھی اوپر چلے گئے۔ باوجود قرآنی اشارتوں کے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رویت میں علما کا اختلاف ہے اکثر علما حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عدم رویت کے قائل ہیں۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

وَالْاَصَحُّ اَنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا رَاٰی رَبَّهٗ سُبْحَانَهٗ لَيْلَةَ الْمِعْرَاجِ۔	یعنی صحیح یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معراج کی رات اپنے رب کو نہیں دیکھا ہے۔

یہ بے سروسامان اپنے خیال باطل میں ہر روز خدا کو دیکھتے ہیں۔ حالاں کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک دیدار میں بھی علما کی قیل وقال ہے :

فَضَحَهُمُ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ۔	اللہ تعالیٰ ان کو خوار کرے۔

اور نیز ان لوگوں کی باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کلام کو جس کو یہ لوگ سنتے ہیں۔ حق سبحانہٗ سے وہی نسبت ہے جو کلام کو اپنے متکلم کے ساتھ جانتے ہیں۔ یہ عین الحاد ہے حاشا وکلا کہ حضرت حق سبحانہٗ سے تکلم کے طریق پر کوئی ایسا کلام صادر ہو۔ جس میں ترتیب، تقدیم اور تاخیر ہو، جو حدوث کی علامات میں سے ہیں۔ شاید مشائخ کبار کی باتوں نے ان کو غلطی میں ڈال دیا ہے۔ کیونکہ مشائخ نے بھی حضرت حق جل سلطانہٗ کے ساتھ کلام و مکالمہ کیا ہے۔

لیکن جاننا چاہیے کہ مشائخ کبار اس کلام کو حضرت حق سبحانہٗ کے ساتھ ایسی نسبت نہیں دیتے جو کلام کو اپنے متکلم کے ساتھ دے سکیں۔ بلکہ وہی نسبت ثابت کرتے ہیں جو مخلوق کو اپنے خالق کے

ساتھ ہے۔ اور اس میں کوئی محظور[1] اور قباحت نہیں ہے۔

حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو شجرۂ مبارکہ سے حق تعالیٰ کا کلام سُنا۔ تو اس کلام کو حق تعالیٰ کے ساتھ وہی نسبت تھی جو مخلوق کو اپنے خالق کے ساتھ ہوتی ہے نہ کہ وہ نسبت جو کلام کو اپنے متکلم کے ساتھ ہوتی ہے۔ اور ایسے ہی وہ کلام جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت جبرئیل علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے سُنا اس کو بھی حق تعالیٰ کے ساتھ وہی نسبت تھی جو مخلوق کو اپنے خالق سے ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ وہ کلام بھی حق تعالیٰ کا کلام ہے اور اس کا منکر کافر و زندیق ہے گویا حق تعالیٰ کا کلام، کلام لفظی اور کلام نفسی کے درمیان مشترک ہے۔ جس کو حق تعالیٰ کسی امر کے ذریعے ایجاد فرماتا ہے۔ پس کلام لفظی بھی حق تعالیٰ کا کلام ہوگا۔ ناچار اس کا منکر بھی کافر ہوگا:

فَافْهَمْ فَاِنَّ هٰذَا التَّحْقِيْقَ يَنْفَعُكَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْمَوَاضِعِ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ الْمُوَفِّقُ۔

پس سمجھ کیونکہ یہ تحقیق بہت جگہ تجھے نفع دے گی۔ اور اللہ تعالیٰ توفیق دینے والا ہے۔

جاننا چاہیے کہ وہ وجود جو ممکنات کے لیے ہم ثابت کرتے ہیں تمام صفات کی طرح ایک ضعیف وجود ہے۔ ممکن کے علم کی واجب کے علم کے مقابلہ میں کیا مقدار ہے، اور قدرت قدیمہ کے مقابلہ میں قدرت حادثہ کیا اعتبار رکھتی ہے۔ ایسے ہی ممکن کا وجود واجب تعالیٰ کے وجود کے مقابلہ میں لا شے محض ہے۔ یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ دیکھنے والا ان دونوں وجودوں کے فرق کے باعث شک میں پڑ جائے کہ آیا وجود کا اطلاق ان دونوں فردوں پر حقیقت کے طور پر ہے یا ایک فرد پر بطریق حقیقت ہے اور دوسرے پر بطریق مجاز۔ کیا نہیں جانتے کہ صوفیہ میں سے بعض لوگوں نے شق ثانی پر یقین کیا ہے۔ اور ممکن کے وجود پر وجود کا اطلاق کرنا مجاز کے طور پر سمجھا ہے۔ اور ممکنات کے وجود کو ثابت نہیں کرتے۔ مگر عوام یا اخص خواص۔ اخص سے مراد انبیائے علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ان کی اُمتوں میں سے وہ لوگ ہیں جو ان کی ولایت اصلیہ سے مشرف ہوئے ہیں۔ اور دائرہ ظلال کو پورے طور پر طے کر چکے ہیں۔ عوام ظاہر بین ہیں۔ جو واجب تعالیٰ کے وجود اور ممکن کے وجود کو مطلق وجود کے اقسام سے جانتے ہیں۔ اور دونوں کو موجود تصوّر کرتے ہیں۔ اخص خواص تیز نظر والے ہیں۔ جو ہر دو وجود کو مطلق وجود کے افراد سے جانتے ہیں۔ اور افراد وجود کے مراتب کے

---

[1] رُکاوٹ، ۱۲۔

تفاوت کو وجود کے صفات اور اعتبارات کی طرف لوٹاتے ہیں۔ نہ کہ وجود کی حقیقت اور ذات کی طرف تاکہ ایک حقیقت ہو اور دوسرا مجاز۔ اور گروہ متوسطین جو عوام کے رتبہ سے قدم آگے رکھتے ہیں۔ اور اخص خواص کے کمالات سے کوتاہ دست ہیں، مشکل ہے کہ ممکنات کے وجود کے قائل ہوں۔ اور ممکن کے وجود پر بطریق حقیقت وجود کا اطلاق کریں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض کہتے ہیں کہ ممکن کو اس علاقہ سے موجود کہتے ہیں کہ وجود کے ساتھ اس کی نسبت ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے کہ پانی سورج کی دھوپ سے گرم ہے۔ نہ یہ کہ وجود اس کے ساتھ قائم ہے، تاکہ حقیقت کے طور پر موجود ہو۔ اس گروہ میں سے بعض لوگ ممکن کے وجود سے ساکت وخاموش ہیں اور نفی واثبات کے ساتھ اس کی تصریح نہیں کرتے۔ اور بعض ممکن سے وجود کی نفی کرتے ہیں۔ اور واجب تعالیٰ کے سوا اور کسی کو موجود نہیں جانتے۔ ان میں سے ایک گروہ ممکن کے وجود کو جیسے کہ وجود کا عین نہیں جانتے وجود کا غیر بھی جانتے۔ اور ان میں سے ایک گروہ نے اس طرح تصریح کی ہے کہ جس وجود کے ساتھ واجب تعالیٰ موجود ہے۔ اس وجود کے ساتھ ممکن بھی موجود ہے۔ اس عبارت سے بھی ممکن کے وجود کی نفی کرتے ہیں۔ غرض ممکن کا وجود ثابت کرنے کے لیے بڑی تیز نظر ہونی چاہیئے۔ تاکہ واجب تعالیٰ کے نور کی روشنی میں اس کو دیکھ سکیں۔ تیز نظر والے لوگ دن میں آفتاب کی روشنی کے باوجود ستاروں کو دیکھتے ہیں۔ اور جس کی نظر تیز نہیں ہوتی، وہ ستاروں کو نہیں دیکھ سکتے۔ تو ممکنات کا وجود دن میں ستاروں کے وجود کی طرح ہے کہ جو تیز نظر والا ہے وہ دیکھ سکتا ہے اور جس کی نظر کمزور ہے اس دید سے اسے کوئی حصہ نہیں ملتا۔

اگر کوئی پوچھے کہ عوام باوجود ضعف بصر اور کوری بصیرت کے کس طرح ممکنات کے وجود کو دیکھ سکتے ہیں۔ حالاں کہ واجب تعالیٰ کے وجود کے انوار کی چمک اس کے دیکھنے سے مانع ہے تو میں کہتا ہوں کہ عوام ارباب علم میں سے ہیں نہ کہ ارباب دید میں سے۔ ہماری گفتگو ارباب دید کی نسبت ہے نہ کہ ارباب علم کی نسبت۔ کیونکہ ارباب علم اس بحث سے خارج ہیں۔ گویا واجب تعالیٰ کے انوار کا ظہور ان کے حق میں مفقود ہے۔ پس وجود ممکنات کے دیکھنے سے مانع نہ ہو گا۔ یا ہم یہ کہتے ہیں کہ انوار کا ظہور وجود ممکنات کے دیکھنے سے مانع ہے نہ کہ وجود ممکنات کے علم سے مانع ہے۔ کیونکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اشیا کا علم سماع وتقلید سے بھی حاصل ہو جاتا ہے، اور نظر واستدلال سے بھی متصور ہو سکتا ہے۔ جیسے کہ روز روشن میں آفتاب کی روشنی

کے باوجود۔ستاروں کے وجود کا علم ضعیف نظر والوں کو بھی حاصل ہے۔اسی طرح عوام کو وجود ممکنات کا علم حاصل ہے، نہ کہ وجود ممکنات کا شہود۔کیونکہ شہود صفات بصیرت سے ہے۔اور ان کی بصیرت کی آنکھ اندھی۔مشہود ملک ہو یا ملکوت۔جبروت ہو یا لاہوت۔

اے عزیز! عوام جس طرح اس بحث میں خواص کے ساتھ شریک ہیں۔اور کئی باتوں میں بھی ان کے درمیان شرکت ثابت ہے۔یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام بہت سے احکام میں عوام کی طرح زندگی بسر کرتے تھے۔اور خلقت اور اہل وعیال کے ساتھ رہنے سہنے میں عوام کی طرح گزارہ کرتے تھے۔اپنے اہل وعیال کے ساتھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حسن معاشرت کے حالات مشہور ہیں۔

منقول ہے کہ ایک دن سید البشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امامین رضی اللہ عنہما کے بوسے لے رہے تھے اور کمال انبساط اور خوشی کے ساتھ ان سے سلوک کر رہے تھے۔حاضرین میں سے ایک شخص نے عرض کیا کہ میرے گیارہ لڑکے ہیں میں نے کبھی کسی کا بوسہ نہیں لیا۔حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے جو وہ اپنے مہربان بندوں کو عطا فرماتا ہے۔

چونکہ اخص خواص بعض اوصاف میں عوام کے ساتھ شریک ہیں۔خواہ وہ شرکت باعتبار صورت کے ہو۔اس لیے عوام اپنی نارسائی کے باعث ان کے کمالات سے تھوڑا حصہ پاتے ہیں۔اور ان کو اپنی ہی طرح خیال کرتے ہیں۔اور وہ شخص جو اوصاف وشمائل میں ان سے جدا ہو۔اس کو بہتر اور بزرگ جانتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ اولیا کے ان اوصاف واخلاق کو جو ان کے اوصاف واخلاق سے جدا ہیں۔اُن اخلاق واوصاف سے جو ان کے اوصاف واخلاق کی مانند ہیں بہتر جانتے ہیں۔اگرچہ وہ اخلاق انبیا میں موجود ہوں۔

مخدوم فرید[1] گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت حکایت منقول ہے کہ جب ان کا کوئی لڑکا

---

[1] آپ اعیانِ اولیاء اور ارکان اتقیا میں سے ہوئے ہیں ولادت باسعادت ۵۸۴ھ آپ قطب الموحدین قطب الزاہدین اور گنج شکر کے القابات سے مشہور ہوئے۔گنج شکر کے لقب سے شہرت پانے کی وجہ یہ ہے کہ آپ کے زمانے میں ایک سوداگر سواریوں پر شکر لاد کر ملتان سے دہلی کی طرف جا رہا تھا۔جب مقام اجودھن میں پہنچا تو شیخ فرید قدس سرہٗ نے اس سے دریافت کیا کہ اونٹوں پر کیا لاد کر لے جا رہے ہو۔اس نے کہا نمک۔آپ نے فرمایا ٹھیک ہے نمک ہی ہوگا۔جب منزل پر پہنچ کر بوریاں کھولیں تو سب نمک سے (باقی برصفحہ ۲۴۵)

فوت ہو جاتا اور اس کے مرنے کی خبر اُن کو پہنچتی تو ان کی طبیعت میں کچھ تغیر و تبدل نہ آتا۔ اور اس طرح فرما دیتے کہ سگ بچہ مر گیا ہے جاؤ اس کو باہر پھینک دو۔

اور جب حضور سید البشر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا بیٹا ابراہیم فوت ہوا تو حضور پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اس کے مرنے پر رو پڑے اور نہایت غمناک ہو کر فرمایا:

اِنَّا بِفِرَاقِكَ يَا اِبْرَاهِيمُ لَمَحْزُوْنُوْنَ — اے ابراہیم ہم تیری جدائی سے بہت غمزدہ ہیں

یعنی بڑے مبالغہ اور تاکید کے ساتھ اپنے غم کا اظہار فرمایا۔ پس حضرت گنج شکر بہتر ہے یا حضرت سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم۔ عوام کالانعام کے نزدیک معاملہ اول بہتر ہے۔ اور اس کو بے تعلق جانتے ہیں اور دوسرے کو عین تعلق اور گرفتاری سمجھتے ہیں:

اَعَاذَنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ عَنْ اِعْتِقَادِهِمُ السُّوْءِ۔ — اللہ تعالیٰ ہم کو ان کے بُرے عقیدے سے بچائے۔

چونکہ یہ ابتلا و آزمائش کا مقام ہے۔ عوام کو مشتبہ کرنا اور شبہ میں ڈالنا عین حکمت و مصلحت ہے۔

اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَهٗ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَهٗ بِحُرْمَةِ سَيِّدِ الْبَشَرِ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهِ الصَّلَوٰتُ اَفْضَلُهَا وَمِنَ التَّسْلِيْمَاتِ اَكْمَلُهَا۔ — اے اللہ حضرت سید البشر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی طفیل ہم کو حق دکھا۔ اور حق کی تابعداری ہمارے نصیب کر اور باطل کو باطل کر کے دکھا۔ اور اس سے ہم کو بچا۔

اب ہم اصلی بات کو بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کا ایمان اور ان کے اصحاب کا ایمان اور ان اولیا کا ایمان جو اصحاب سے ملحق ہیں دعوت کی طرف رجوع کرنے کے باعث غیب کے ساتھ بدل جاتا ہے۔ جس طرح کوئی شخص دن میں آفتاب دیکھے۔ اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۲۴) بھری ہوئی تھیں شکر کی جگہ نمک دیکھ کر سخت حیران ہوا۔ آخر سمجھ آئی کہ یہ خرابی میرے جھوٹ بولنے کی وجہ سے ہوئی وہاں سے واپس لوٹ کر حضرت شیخ فرید رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور معافی مانگی اور بڑی نیازمندی کا اظہار کیا آپ نے فرمایا اگر شکر تھی تو شکر ہی ہو گی۔ آپ کا وصال مبارک ۵ محرم ۶۶۸ھ ہفتہ کے روز ۹۵ برس کی عمر میں ہوا۔ پاکپٹن میں آپ کا مزار پُر انوار مرجع خلائق بنا ہوا ہے۔ اس وقت یعنی ۱۹۷۱ء میں مزار مبارک اور ملحقہ وقف جائداد کا انتظام و انصرام محکمہ اوقاف پنجاب کے زیر تحویل ہے۔ محکمہ اوقاف کے زیر تحویل آنے کے بعد زائرین کے لیے بہت سی سہولتیں مہیا کر دی گئی ہیں۔ جن کی یہاں بہت ضرورت تھی۔ اور رونق میں بھی بہت اضافہ ہو گیا ہے۔ از مترجم عفی عنہ ۱۲

آفتاب کے وجود کے ساتھ ایمان شہودی حاصل کرے۔ اور جب رات ہو جائے تو اس کا ایمان شہودی ایمان غیب کے ساتھ بدل جائے۔ اور علما کا ایمان اگرچہ غیب کے ساتھ ہے۔ لیکن ان کے غیب نے انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کے باعث حدس کا حکم پیدا کر لیا ہے۔ اور نظریت سے نکل چکا ہے۔

علما سے مراد اس جگہ علماے آخرت ہیں نہ کہ علمائے دنیا۔ کیونکہ علماے دنیا عام مومنین میں داخل ہیں۔ اور ایمان بالغیب جو عام مومنین کی طرف منسوب ہے اس کے اقسام میں سے بہترین قسم وہ ایمان ہے جو انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تقلید سے وابستہ ہے۔ اور قال اللہ اور قال الرسول سے تعلق رکھتا ہے۔

سوال :

علما نے فرمایا ہے کہ ایمان استدلالی ایمان تقلیدی سے بہتر ہے۔ حتیٰ کہ بہت سے علما نے استدلال کو ایمان کی شرائط میں سے بیان کیا ہے۔ اور ایمان تقلیدی کو معتبر نہیں جانتے۔ اور تو نے ایمان تقلیدی کو بہتر کہا ہے؟

جواب :

وہ ایمان جو انبیاے علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تقلید سے حاصل ہوتا ہے وہی ایمان استدلالی ہے۔ کیونکہ صاحب تقلید دلیل کے ساتھ جانتا ہے کہ انبیاے علیہم الصلوٰۃ والسلام تبلیغ رسالت میں صادق ہیں۔ کیونکہ وہ شخص جس کی اللہ تعالیٰ معجزات کے ساتھ تصدیق کرے بے شک سچا ہے پس انبیاے علیہم الصلوٰۃ والسلام جن کی تائید معجزات کے ساتھ ہوئی ہے، سب کے سب صادق اور راست ہیں۔ تقلید غیر معتبر یہ ہے کہ ایمان میں اپنے دادا کی تقلید کرے۔ اور انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کی صداقت اور ان کی تبلیغ کی حقیقت کو منظور نہ رکھے۔ یہ ایمان اکثر علما کے نزدیک معتبر نہیں ہے۔

باقی رہا وہ استدلال جو ارباب نظر (منطقی) اپنے مقدمات کے ساتھ حاصل کرتے ہیں۔ اور صغریٰ و کبریٰ کی ترتیب سے ایمان کا نتیجہ ظاہر کرتے ہیں۔ یہ استدلال ایک ایسا امر ہے جو امکان کے نزدیک اور وقوع سے دور ہے۔ اور مقام استدلال میں واجب تعالیٰ کے اثبات کیلیے ارباب نظر میں سے مولانا جلال الدین دوانی جیسا معلوم نہیں کہ اور بھی کوئی گزرا ہو۔ کیونکہ وہ محقق بھی ہے اور متاخر بھی۔ اس نے اس امر عالی کے ثابت کرنے میں بہت کوشش کی ہے۔ باوجود اس

امر کے اس کے استدلالی مقدمات میں سے کوئی ایسا مقدمہ نہیں ہے، جس میں اُس کے رسالوں کے محشی منع یا نقض کے ساتھ پیش نہ آئے ہوں۔ اور اچھے اچھے اعتراض نہ کیے ہوں۔ اس صاحب استدلال پر نہایت ہی افسوس ہے جو ایمان کو صرف استدلال ہی سے حاصل کرے اور انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تقلید اس کی دستگیری اور مدد نہ کرے۔

رَبَّنَا اٰمَنَّا بِمَا اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ۔ اے ہمارے رب ہم اُس چیز کے ساتھ ایمان لائے جو تو نے نازل فرمائی اور رسول کی تابعداری کی پس ہم کو حق کی شہادت دینے والوں میں سے لکھ دے۔

مکتوب نمبر ۲۷۳

مرزا حسام الدین احمد کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ سالک کو چاہیے کہ اپنے شیخ کے طریقہ کو لازم پکڑے۔ اور دوسرے مشائخ کے طریقہ کی طرف التفات اور توجہ نہ کرے۔ اور اگر اس کے برخلاف واقعات ظاہر ہوں تو ان کا کچھ اعتبار نہ کرے کیوں کہ شیطان بڑا بھاری دشمن ہے۔ اس کے مکر و فریب سے غافل نہ ہونا چاہیے۔ اور اس کے مناسب امور کے بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ هَدٰنَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِىَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ۔ اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہم کو ہدایت دی اور اگر وہ ہم کو ہدایت نہ دیتا تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے بے شک ہمارے رب کے رسول حق بات لائے ہیں

آپ کا بزرگ محبت نامہ جو از روئے کرم اس حقیر کے نام تحریر کیا تھا، پہنچا۔ بڑی خوشی حاصل ہوئی۔ جَزَاكُمُ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ خَيْرًا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔

آپ کو لکھا جا چکا تھا کہ سماع کے منع ہونے کا مبالغہ مولود کے منع ہونے کو بھی شامل ہے جو نعتیہ قصیدوں اور غیر نعتیہ شعروں کے پڑھنے سے مراد ہے۔ لیکن برادر عزیز میر محمد نعمان اور بعض اس جگہ کے یار جنہوں نے واقعہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا ہے کہ اس مجلس مولود خوانی سے بہت خوش ہیں۔ ان پر مولود نہ سننا اور ترک کرنا بہت مشکل ہے۔

میرے مخدوم! اگر واقعات کا کچھ اعتبار ہوتا۔ اور منامات اور خوابوں کا کچھ بھروسہ ہو۔ تو مریدوں کو پیروں کی حاجت نہ رہتی۔ اور طرق میں سے کسی ایک طریق کا لازم پکڑنا عبث معلوم ہوتا کیونکہ ہر ایک مرید اپنے واقعات کے موافق عمل کر لیتا۔ اور اپنی خوابوں کے مطابق زندگی بسر کر لیتا خواہ وہ واقعات و منامات پیر کے طریقہ کے موافق ہوتے یا نہ ہوتے۔ اور خواہ پیر کے پسند ہوتے یا نہ ہوتے۔ اس تقدیر پر سلسلہ پیری و مریدی درہم برہم ہو جاتا۔ اور ہر بوالہوس اپنی وضع پر مستقل و برقرار ہو جاتا۔ حالانکہ مُرید صادق، ہزارہا واقعات کو اپنے پیر کے باوجود نیم جو کے ساتھ نہیں خریدتا۔ اور طالب رشید حضور پیر کی بدولت منامات کو اضغاث احلام یعنی جھوٹی خوابیں جانتا ہے۔ اور کچھ التفات ان کی طرف نہیں کرتا۔ شیطان لعین بڑا بھاری دشمن ہے۔ جب منتہی اس کے مکر سے امن میں نہیں ہیں۔ اور اس کے مکر سے ترساں و لرزاں ہیں تو پھر متوسطوں اور مبتدیوں کا کیا ذکر ہے۔

حاصل کلام یہ کہ منتہی محفوظ ہیں اور شیطان کے غلبہ سے بچے ہوئے ہیں۔ برخلاف مبتدیوں اور متوسطوں کے۔ پس ان کے واقعات اعتماد کے لائق نہیں ہیں۔ اور نہ ہی دشمن کے مکر سے محفوظ ہیں۔

سوال ۔ وہ واقعہ جس میں حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھیں وہ صادق ہے اور شیطان کے مکر و فریب سے محفوظ ہے:

فَاِنَّ الشَّیْطَانَ لَا یَتَمَثَّلُ بِصُوْرَتِہٖ کَمَا وَرَدَ۔ کیونکہ شیطان حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صورت سے متمثل نہیں ہو سکتا۔ جیسے کہ احادیث میں وارد ہے[1]

پس یہ واقعات جن کا ہم ذکر کر رہے ہیں۔ صادق اور شیطان کے مکر و فریب سے محفوظ ہیں؟

جواب ۔ صاحب فتوحاتِ مکیہ نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس صورت خاصہ کے ساتھ جو مدینہ منورہ میں مدفون ہے۔ متمثل نہیں ہو سکتا۔ اس خاص صُورت کے سوا اور

---

[1] چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں من رانی فی المنام فقد رانی فان الشیطان لا یتمثل فی صورتی ۔ (بخاری و مسلم شریف) یعنی جس نے مجھے خواب میں دیکھا، تو بے شک اس نے مجھے ہی دیکھا۔ کیونکہ شیطان میری صورت میں متمثل نہیں ہو سکتا۔ یعنی شیطان کو یہ طاقت نہیں کہ خواب میں کسی کے پاس اگر یہ کہے کہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں اور حضور کی طرف اس جھوٹ کی نسبت کرے۔

جس صورت میں کہ حضورؐ کو دیکھیں متمثل ہو سکتا ہے۔ اور ان تمام صورتوں میں متمثل نہ ہونے کا حکم تجویز نہیں کرتا۔ اور کچھ شک نہیں کہ اس صورت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسّلام کی تشخیص خصوصاً منامات میں بہت مشکل ہے۔ پھر کس طرح اعتماد کے لائق ہو۔ اور اگر شیطان کے متمثل نہ ہونے کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صورت مخصوصہ کے ساتھ مخصوص کریں اور ہر صورت میں کہ دیکھیں عدم تمثل کو تجویز نہ کریں۔ جیسے کہ بہت سے علما اس طرف گئے ہیں۔ تو یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بلندی شان کے نامناسب ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اس صورت سے احکام کا اخذ کرنا اور مرضی کا معلوم کرنا مشکل ہے۔ کیوں کہ ہو سکتا ہے کہ دشمن لعین درمیان آگیا ہو۔ اور خلاف واقع کو واقع کی صورت میں ظاہر کیا ہو۔ اور دیکھنے والے کو شک و شبہ میں ڈال دیا ہو۔ اور اپنی عبارت و اشارت کو اس صُورت علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والسلام کی عبارت و اشارات کر دکھایا ہو۔

چنانچہ مروی ہے کہ ایک دن حضرت سیّد البشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجلس میں تشریف فرما تھے۔ اور قریش کے سردار اور کفار کے رئیس بھی اس مجلس میں موجود تھے۔ اور بہت سے اصحاب کرام بھی وہاں موجود تھے۔ حضرت سید البشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سُورہ نجم پڑھنی شروع کی جب ان کے باطل خداؤں کا ذکر آیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کا کلام سمجھا۔ اور اس میں کچھ تمیز نہ کر سکے۔ تو کافروں نے جو وہاں موجود تھے شور مچایا۔ اور کہنے لگے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ہمارے ساتھ صلح کر لی ہے۔ اور ہمارے بتوں کی تعریف کی ہے۔ حاضرین اہل اسلام بھی اس کلام سے متحیّر ہو گئے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شیطان لعین کے کلام سے اطلاع نہ ہوئی۔ فرمایا کہ یہ کیا واقعہ ہے۔ اصحاب کرامؓ نے عرض کی کہ اثنائے کلام میں اس قسم کے فقرے حضور علیہ السلام کی زبان سے نکلے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت متفکر اور غمناک ہوئے۔ اسی اثنا میں جبریل امین علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام حاضر ہوئے اور وحی لائے

لہ یہ واقعہ سیرت کی تمام کتابوں اور تفاسیر میں موجود ہے۔ علما نے اس کی توجیہہ میں بہت کچھ لکھا ہے لیکن ان اقوال میں سے زیادہ بہتر اور احسن وہ قول ہے جسے حضرت امام ربّانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس مقام میں لکھا ہے کہ شیطان لعین نے آپ جیسی آواز بنا کر اور ان کلام اپنی طرف سے چند کلمات کہہ دیئے نہ اس طرح کہ حضور کی زبان مبارک سے اس نے اپنے کلمات نکلوائے۔ کیونکہ شیطان لعین اس طرح کے القاء پر قادر نہیں۔

کہ وہ کلام القائے شیطانی تھا۔ اور کوئی نبی اور رسول ایسا نہیں گزرا ہے۔ جس کے کلام میں شیطان نے القا نہ کیا ہو۔ پس ازاں اللہ تعالیٰ نے اس کو رد کیا ہے۔ اور اپنے کلام کو محکم کیا ہے۔

پس جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں بیداری کے وقت صحابہ کی مجلس میں شیطان لعین نے اپنے کلام باطل کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام میں القا کر دیا۔ اور کسی نے تمیز نہ کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد خواب کی حالت میں جو حواس کے معطل و بے کار ہونے کا محل اور شک و شبہے کا مقام ہے باوجود دیکھنے والے کی تنہائی کے کہاں سے معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ واقع شیطان کے تصرف اور مکر و فریب سے محفوظ اور مامون ہے۔ یا میں کہتا ہوں کہ نعتیہ قصیدوں کے پڑھنے اور سننے والوں کے ذہن میں متمکن ہو چکا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس عمل سے راضی ہیں۔ جیسے کہ ممدوح اپنی مدح کرنے والوں سے راضی ہوتے ہیں۔ اور یہ معنی ان کی قوت متخیلہ میں منتقش ہو گئے ہوں۔ تو ہو سکتا ہے کہ واقع میں اُسی اپنی متخیلہ صورت کو دیکھا ہو۔ بغیر اس بات کے کہ وہ واقع حقیقی ہو یا تمثل شیطانی۔ اور نیز واقعات اور رویائے صادقہ کبھی ظاہر پر محمول ہوتے ہیں۔ اور ان کی حقیقت وہی ہے جو دیکھنے والے نے دیکھی ہے۔ مثلاً زید کی صورت کو خواب میں دیکھا ہے اور مراد اس سے عمرو رکھا ہے۔ اس مناسبت کے لحاظ سے جو زید و عمرو کے درمیان ہے۔

تو کس طرح معلوم ہو سکے کہ دوستوں کے یہ واقعات ظاہر پر محمول ہیں۔ اور ظاہر سے مصروف اور پھرے ہوئے نہیں ہیں۔ کیوں نہیں ہو سکتا کہ ان واقعات سے مراد ان کی تعبیریں ہوں۔ اور وہ واقعات دوسرے امور سے کنایہ ہوں۔ بغیر اس بات کے کہ شیطانی تمثل کی گنجائش ہو۔ غرض واقعات کا کچھ اعتبار نہ کرنا چاہیے۔ اشیا خارج میں بہت موجود ہیں۔ کوشش کرنی چاہیے کہ اشیا کو بیداری میں دیکھیں جو اعتبار کے لائق ہے۔ اور اس میں تعبیر کی بھی گنجائش نہیں۔ جو کچھ خواب و خیال میں دیکھا جائے خواب و خیال ہی ہے۔ وہاں کے دوست مدت سے اپنی ہی وضع و طرز پر زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اختیار کی باگ ان کے ہاتھ میں ہے۔ لیکن میر محمد نعمان کا کیا چارہ ہے کہ منع کے بعد ایک لحہ بھی توقف کرے۔ اور اگر بالفرض توقف کرے تو اس کو کون بخشے گا۔

اس منع کرنے میں فقیر کا مبالغہ اپنی طریقت کی مخالفت کے باعث ہے۔ طریقت کی مخالفت خواہ سماع و رقص سے ہو۔ خواہ مولودؐ اور شعر خوانی سے ہر طریق کے لیے ایک مطلب خاص تک

حاشیہ صفحہ ۵۱ پر دیکھیں

وصول ہوتا ہے۔ اور اس طریق میں خاص مطلب تک وصول کا حاصل ہونا اُن امور کے ترک کرنے کے سبب سے ہے۔ جس شخص کو یہ طلب ہو کہ اس طریق کے مطلب خاص تک پہنچ جائے اس کو چاہیے کہ اس طریق کی مخالفت سے بچے۔ اور دوسرے طریقوں کے مطالب کو منظور نظر نہ رکھے۔

حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ:

"میں نہ یہ کام کرتا ہوں اور نہ ہی انکار کرتا ہوں"

یعنی یہ کام ہمارے خاص طریق کے منافی ہے۔ اس لیے نہیں کرتا۔ اور چونکہ اس کام کو دوسرے مشائخ کرتے ہیں اس لیے انکار بھی نہیں کرتا:

لِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا۔ ہر ایک کے واسطے ایک نہ ایک جہت ہے جس کی طرف وہ اپنا منہ کرنے والا ہے۔

فیروز آباد جو ہم فقرا کا ماویٰ اور ہم پیروں اور معتقدوں کا جائے پناہ ہے۔ جب اس میں کوئی ایسا امر حادث ہو جائے جو اس طریقہ علیہ کے مخالف ہو۔ تو پھر ہم فقرا کیونکر مضطرب و بے قرار نہ ہوں حضرت مخدوم زادے اپنے والد بزرگوار کے طریق کو محفوظ رکھنے کے زیادہ مستحق اور حق دار ہیں۔

حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ کے فرزندوں نے اپنے والد بزرگوار کے تغیر کے بعد ان کے اصل طریق کی محافظت کی اور تغیر کرنے والوں کے ساتھ لڑائی جھگڑا کیا چنانچہ آپ کے مبارک کانوں میں بھی پہنچا ہوگا۔

نیز آپ نے ہمارے حضرت خواجہ قدس سرہٗ کے مشرب قوی العذب کی نسبت لکھا تھا ہاں اوّل اوّل بعض امور میں مذہب ملامتیہ کی رعایت کر کے مساہلہ اور سستی کیا کرتے تھے۔ اور ملامت کو ترجیح دے کر بعض اشیا میں ترک عزیمت کیا کرتے تھے۔ لیکن آخر میں ان امور سے پرہیز کی اور پھر ملامت و ملامتیہ کو کبھی یاد نہ کیا۔ آپ نظر انصاف سے کام لیں۔ اگر بالفرض حضرت ایشاں قدس سرہٗ اس وقت دنیا میں زندہ ہوتے اور یہ مجلس و اجتماع ان کی موجودگی میں منعقد ہونا۔ تو حضرت قدس سرہٗ اس امر سے راضی ہوتے اور اس اجتماع کو پسند کرتے یا نہ۔ فقیر کا یقین ہے کہ حضرت قدس سرہٗ ہرگز اس امر کو پسند نہ کرتے، بلکہ انکار کرتے۔ فقیر کا مقصد آپ کو جتلا دینا ہے

(حاشیہ صفحہ سابقہ) ۱؎ ایک دوسرے مقام پر حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نے تصریح فرمائی ہے کہ مولود خوانی اس صورت میں منع ہے جب کہ اس میں کوئی خلاف شرع چیز پائی جائے۔ فافہم ولا تکن من الممترین۔

آپ قبول کریں یا نہ کریں کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ اور نہ آپ سے کوئی مشاجرہ اور لڑائی جھگڑے کی گنجائش ہے۔ اگر مخدوم زادے اور وہاں کے یار اپنی اسی وضع پر استقامت رکھیں اور اپنی حالت کو نہ بدلیں۔ تو ہم فقیروں کو ان کی صحبت سے سوائے مایوسی کے اور کچھ چارہ نہیں ہے اس سے زیادہ کیا تکلیف دی جائے۔ وَالسَّلَامُ اَوَّلاً وَّ اٰخِرًا۔

مکتوب نمبر ۲۷۴

شیخ یوسف برکی کی طرف صادر فرمایا:

بلند ہمت بننے کی ترغیب اور شہودات سفلی کی طرف جو کثرت کے آئینوں سے تعلق رکھتے ہیں، التفات نہ کرنے اور اس کے مناسب امور کے بیان میں:

حمد وصلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد واضح ہو کر آپ کے تینوں خط جو آپ نے ارسال کیے تھے، پہنچے۔ اور احوال وکرامات کے واقعات جو ان میں درج تھے، سب واضح ہوئے۔ وہ حال جو (شہود وحدت درکثرت) کے حال کے بعد لکھا ہے اور اس عبارت میں ادا کیا ہے کہ دیگر انتہا یہ ہے کہ اوّل حال کی طرح شہود اور گم ہونا کم کرتا ہے یعنی میں بندہ ہوں اور مخلوق ہوں اور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہوں۔ یہ حال اصل ہے اور مذکورہ احوال سے بڑھ کر ہے لیکن انتہا اور چیز ہے اور نہایت اس سے کئی منزلیں دُور ہے ؎

ہنوز ایوان استغنا بلند است
مرا فکر رسیدن ناپسند است[۱]

کلمہ طیبہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللہ کے تکرار سے جو فقیر نے اس سے پہلے مکتوب میں آپ کی طرف لکھا تھا یہی مقصود تھا کہ اُس شہود کی نفی ہو جائے جو کثرت کے ساتھ تعلق رکھتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے کہ اس کلمہ کی برکت سے یہ شہود آپ سے زائل ہو گیا۔ آپ ہمت کو بلند رکھیں۔ اور اس راہ کی جوز ومویز پر کفایت نہ کریں:

اِنَّ اللہَ سُبْحَانَهٗ یُحِبُّ مَعَالِیَ الْهِمَمِ اللہ تعالیٰ بلند ہمت کو دوست رکھتا ہے۔

اور توحید کے تنگ کوچہ سے نکل کر شاہراہ پر آجائیں اگر آپ پہلے احوال کا تذکرہ نہ کریں اور کثرت

---

[۱] ابھی بے نیازی کا محل بہت بلندی پر ہے۔ اور مجھے وہاں پہنچنا ناپسند بھی ہے۔

آمیز شہود کی لذتوں کو یاد نہ کریں اور عمر بھر کی استقامت کے ساتھ اس راہ میں کوشش فرماویں۔ تو کس قدر بڑی نعمت ہے۔ کیونکہ بہت سے پوستیوں کو ہم نے دیکھا ہے کہ انہوں نے اپنے فعل کی برائی پر اطلاع پاکر پوست پینا چھوڑ دیا۔ اتفاقاً پھر مدت کے بعد جب کبھی پوست پینے کا حال اور اس کی لذت یاد آئی پھر اپنی پہلی حالت کی طرف لوٹ آئے۔

میرے مخدوم! وہ شہود جو کثرت کے آئینوں سے تعلق رکھتا ہے لذت بخش ہے اور شہود تنزیہی جو جہالت و نادانی کی طرف میلان رکھتا ہے، اس التذاذ یعنی لذت بخشی سے بعید ہے۔ شیخ مقتدا کی مدد کے بغیر اس راہ پر چلنا مشکل ہے۔

برادر عزیز مولانا احمد برکی جس کو عام لوگ علما ظاہر سے جانتے ہیں۔ اور وہ بھی اپنے احوال اور اپنے دوستوں کے احوال کی خبر نہیں رکھتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا باطن شہود تنزیہی کی طرف متوجہ ہے جو جہل و نادانی کا مقام ہے۔ اور اس کا ایمان علما کی طرح ایمان بغیب ہے اس کے باطن نے بلند فطرتی کے باعث کثرت آمیز شہود کی طرف التفات نہیں کی۔ اور بظاہر ترہات صوفیہ کے ساتھ فریفتہ اور مغرور نہیں ہوا۔ اس کا وجود مبارک ان اطراف میں غنیمت ہے۔ یہ حالت جس کی آپ نے خبر دی ہے۔ مولانا مذکور مدت سے اس حالت کے ساتھ متحقق ہیں۔ لیکن اس کا علم کوئی نہیں جانتا۔ فقیر کے نزدیک اس جگہ کا مدار مولانا کے وجود پر ہے۔ بڑے تعجب کی بات ہے کہ ان اطراف کے صاحبانِ کشف پر کس طرح مخفی رہا ہے۔ حالانکہ فقیر کے نزدیک مولانا کا وجود آفتاب کی طرح ظاہر و باہر ہے۔ زیادہ کیا تکلیف دی جائے۔ فقط دُعا و فاتحہ کی التماس ہے۔ والسّلام

مکتوب نمبر ۲۷۵

ملا احمد برکی کی طرف صادر فرمایا:

ایک استفسار کے جواب میں جو اپنی قبولیت کے بارہ میں کیا تھا۔ اور اپنے دوستوں میں سے ایک دوست کے احوال میں۔ اور علوم شرعیہ کی تعلیم اور احکام فقہیہ کے پھیلانے پر ترغیب دینے اور اس کے مناسب امور کے بیان میں۔

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد (یہ فقیر) عرض کرتا ہے کہ آپ کے دونوں مبارک

نوازش نامے جو شیخ حسن وغیرہ کے ہمراہ ارسال کیے تھے، پہنچے۔ بہت خوشی حاصل ہوئی۔ ایک خط میں خواجہ اویس رحمۃ اللہ علیہ کے حالات لکھے تھے۔ اور دوسرے خط میں اپنی قبولیت کی نسبت استفسار فرمایا تھا۔ اسی اثنا میں آپ کے حال پر توجہ کی۔ دیکھا کہ اس گردونواح کے لوگ آپ کی طرف دوڑتے آتے ہیں۔ اور آپ کی طرف التجا کرتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ آپ کو اس زمین کا مدار بنایا گیا ہے۔ اور ان حدود و اطراف کے لوگوں کو آپ کے ساتھ وابستہ کیا ہے:

لِلّٰہِ سُبْحَانَہُ الْحَمْدُ وَالْمِنَّۃُ عَلٰی ذٰلِکَ	اس امر پر اللہ تعالیٰ کی حمد اور احسان ہے

اس معاملہ کے ظہور کو واقعات سے نہ خیال کریں۔ کیونکہ واقعات میں شک و شبہ کا گمان ہوتا ہے بلکہ مشاہدات اور محسوسات سے جانیں۔

اس دولت کے حاصل کرنے کے لیے آپ کے لیے عمدہ ذریعہ یہ ہے کہ آپ اُس محبت و اخلاص کے ساتھ جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے دوستوں کے بارے میں محض اپنی عنایت سے عطا فرمائی ہے۔ ایسے مقامات میں جہاں کفر متمکن ہو اور بدعتیں جاری ہوں، علوم شرعیہ کی تعلیم دیں اور احکام فقہیہ کو پھیلائیں:

عَلَیْکُمْ بِتَعْلِیْمِ الْعُلُوْمِ الدِّیْنِیَّۃِ	آپ کو لازم ہے کہ علوم دینی کی تعلیم دیں اور
وَنَشْرِ الْاَحْکَامِ الْفِقْہِیَّۃِ مَا اسْتَطَعْتُمْ	جہاں تک ہو سکے احکام فقہیہ کو پھیلائیں کیونکہ
فَاِنَّہُمَا مِلَاکُ الْاَمْرِ وَمَنَاطُ الْاِرْتِقَاءِ	یہی دونوں اصل مقصود ہیں اور انہی پر ترقی
وَمَدَارُ النَّجَاۃِ۔	اور نجات کا مدار ہے۔

اپنی کمرِ ہمت کو مضبوط باندھ کر علما کے گروہ میں داخل رہیں۔ اور امر معروف اور نہی منکر کر کے خلق کو حق تعالیٰ کے راستہ کی طرف راہنمائی کریں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ	یہ قرآن وعظ و نصیحت ہے جو شخص چاہے
اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّهٖ سَبِیْلًا۔	اللہ کی طرف راستہ حاصل کرلے۔

ذکر قلبی بھی کہ جس کے ساتھ آپ مجاز ہیں، احکام شرعیہ کے بجالانے میں مدد دینے والا اور نفس امارہ کی سرکشی کو دُور کرنے والا ہے۔ اس طریق کو بھی جاری رکھیں۔ اور اپنے دوستوں کے احوال سے اطلاع نہ پانے پر آزردہ نہ ہوں۔ اور اس امر کو اپنی بے حاصلی کی دلیل نہ جانیں۔ ان طریقت کے احوال آپ کے کمالات کی آئینہ داری میں کافی ہیں۔ یہ بھی آپ ہی کے احوال ہیں جو بطریق انعکاس ان میں ظاہر ہو رہے ہیں۔ شیخ حسن آپ کے ارکان دولت میں سے ہے۔ اور آپ کے معاملہ کا

ممد و معاون ہے۔ اور اگر بالفرض آپ کو ماوراء النہر یا ہندوستان کی سیر کی خواہش پیدا ہو جائے۔ تو وہاں آپ کا قائم مقام شیخ حسن ہے۔ اس کے حق میں اپنی التفات و توجہ کو بخوبی مدّنظر رکھیں۔ اور بہت کوشش فرمائیں۔ تاکہ ضروری علوم دینی کی تحصیل سے جلدی فارغ ہو جائے۔ ہندوستان کی یہ سیر آپ کے حق میں بھی غنیمت ہے اور اُس کے حق میں بھی:

رَزَقَنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَاِیَّاکُمُ الْاِسْتِقَامَۃَ عَلٰی مِلَّۃِ الْاِسْلَامِ عَلٰی صَاحِبِھَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ وَالتَّحِیَّۃُ۔	اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو ملّت اسلام پر استقامت عطا فرمائے۔

آپ نے لکھا تھا کہ اس دوست کے لیے چھ مہینے ہوئے ہیں کہ ترقی واقع ہوئی ہے جو کچھ اُس کو غیبت اور بے شعوری کی حالت اور ارواح طیبات سے حاصل ہوتا تھا۔ اب وہ حالتِ بیداری میں دیکھتا ہے۔

میرے مخدوم! یہ دید ترقی پر کچھ دلالت نہیں کرتی، خواہ شعور میں دیکھیں یا بے شعوری میں کیونکہ قدم اوّل اس راہ میں یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے غیر کو کچھ نہ دیکھیں اور اندیشہ میں ماسوائے اللہ کا خیال نہ رہے۔ نہ اس معنی سے کہ اشیا کو حق تعالیٰ کا غیر نہ دیکھے اور ماسوئی کے عنوان پر نہ جانے۔ کیونکہ یہ بات بجائے خود کثرت بینی ہے۔ بلکہ حق تعالیٰ کے بغیر کو ہرگز نہ دیکھے اور نہ جانے اس حالت کو فنا سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور اس راہ کی منازل میں سے یہ پہلی منزل ہے وَبِدُوْنِہٖ خَرْطُ الْقَتَادِ۔ (ورنہ بے فائدہ تکلیف ہے)۔

وہ مکتوب جو ان دنوں میں لکھے گئے ہیں۔ بہت نادر الوجود ہیں۔ اور بہت عجیب و غریب فوائد اُن میں درج ہیں۔ ان کی نقل شیخ حسن لے گئے ہیں۔ ان کو اچھی طرح ملاحظہ فرمائیں۔

آپ سے اپنی والدہ مرحومہ کی مغفرت کے لیے دُعا کی التماس کی تھی، وہ التماس آپ کی قبول ہو گئی ہے۔ ان اطراف کے باقی احوال کو شیخ حسن مفصل طور پر بیان کریں گے۔

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَۃَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ مِنَ الصَّلَوَاتِ اَفْضَلُھَا وَمِنَ التَّحِیَّاتِ اَکْمَلُھَا۔	اور سلام ہو اُس شخص پر جو ہدایت کی راہ پر چلا اور حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑا۔

فقیر اور فقیر زادے سلامتِ خاتمہ کے لیے دُعا کی التماس کرتے ہیں۔ والسّلام

مکتوب نمبر ۲۷۶

شیخ بدیع الدین کی طرف صادر فرمایا:

قرآن مجید کی آیات محکمات اور متشابہات کے بیان اور علمائے راسخین اور ان کے کمالات اور اس کے بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ	سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام
وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ عَلَیْهِمْ	جہانوں کا پالنے والا ہے۔ اور حضرت سید المرسلین
وَعَلٰی آلِهٖ وَاَصْحَابِهِ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاهِرِیْنَ	اور ان کی تمام آل و اصحاب پر جو طیب و طاہر و
اَجْمَعِیْنَ جَعَلَنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَاِیَّاکُمْ	پاک و صاف ہیں صلوٰۃ و سلام ہو۔ اللہ تعالیٰ
مِنَ الرَّاسِخِیْنَ فِی الْعِلْمِ۔	ہم کو اور آپ کو راسخین فی العلم میں سے بنائے۔

اے برادر! حق تعالیٰ نے اپنی کتاب مجید کی آیات کو دو قسم پر فرمایا ہے۔ ایک محکمات دوسری متشابہات۔

قسم اوّل علم شرائع اور احکام کا منشا اور مبدء ہے۔ اور قسم ثانی حقائق اور اسرار کے علم کا مخزن ہے۔ اور (اللہ کے لیے) وجہ (چہرہ) اور قدم اور ساق (پنڈلی) اور اصابع (انگلیاں) اور انامل (پورے) جو قرآن و حدیث میں آئے ہیں۔ سب متشابہات میں سے ہیں۔ اور ایسے حروف بھی مقطعات جو قرآنی سورتوں کے اوّل میں واقع ہوئے ہیں، سب متشابہات میں سے ہیں جن کی تاویل پر علمائے راسخین کے سوا اور کسی کو اطلاع نہیں دی گئی۔ یہ خیال نہ کریں کہ تاویل مراد قدرت سے ہے جس کی تعبیر یدؔ سے کی ہے یا مراد ذات سے ہے جس کو وجہ سے تعبیر کیا ہے۔ بلکہ ان کی تاویل ان پوشیدہ اسرار سے ہے جو اخص و خواص پر ظاہر کیے گئے ہیں۔

یہ فقیر قرآن مجید کے حروف مقطعات کی نسبت کیا لکھے۔ کیونکہ ان حروف میں سے ہر ایک حرف عاشق و معشوق کے پوشیدہ اسرار کا ایک بحر مواج ہے۔ اور محب و محبوب کے دقیق اور باریک امور کی ایک پوشیدہ رمز ہے۔ اور محکمات اگرچہ کتاب کی امہات یعنی اصل ہیں لیکن ان کے نتائج اور ثمرات جو متشابہات ہیں کتاب کے اصل مقاصد میں سے ہیں امہات نتائج کے حاصل ہونے کے لیے وسائل سے زیادہ نہیں۔ پس کتاب کا لُب یعنی مغز متشابہات ہیں۔ اور محکمات اُس

کا قشر یعنی پوست۔ وہ متشابہات ہی ہیں جو رمز و اشارہ کے ساتھ اصل بیان ظاہر کرتی ہیں۔ اور اس مرتبہ کی حقیقت معاملہ کا نشان بتلاتی ہیں، برخلاف محکمات کے۔ متشابہات گویا حقائق ہیں۔ اور محکمات متشابہات کی نسبت ان حقائق کی صورتیں ہیں۔ عالم راسخ وہ شخص ہے۔ جو لب یعنی مغز کو قشر یعنی پوست کے ساتھ جمع کر سکے اور حقیقت کو صورت کے ساتھ ملا سکے۔

علمائے قشریہ قشر کے ساتھ خوش ہیں اور صرف محکمات پر ہی کفایت کیے ہوئے ہیں اور علمائے راسخین محکمات کے علم کو حاصل کر کے متشابہات کی تاویل سے بھی حظ وافر حاصل کر لیتے ہیں۔ اور صورت و حقیقت کو جو محکم و متشابہ ہیں، جمع کر لیتے ہیں۔ لیکن وہ شخص جو محکمات کے علم اور ان کے موافق علم کے بغیر متشابہات کی تاویل ڈھونڈے اور صورت کو چھوڑ کر حقیقت کی طرف دوڑے، جاہل ہے جس کو اپنی جہالت کی بھی خبر نہیں ہے۔ اور گمراہ ہے اور اس کو اپنی بھی خبر نہیں۔ وہ نہیں جانتا کہ یہ جہان صورت اور حقیقت سے مرکب ہے۔ اور جب تک یہ جہان قائم ہے۔ کوئی حقیقت صورت سے الگ نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ — اپنے رب کی عبادت کر حتیٰ کہ تجھے یقین

اَیِ الْمَوْتُ كَمَا قَالَ الْمُفَسِّرُوْنَ — یعنی موت آجائے جیسے کہ مفسرین نے کہا ہے۔ (سورہ حجر۔ پارہ ۱۴)

اللہ تعالیٰ نے عبادت کو موت کے زمانہ تک منتہی کیا جو اس جہان کا منتہا ہے:

اِنَّ مَنْ مَّاتَ فَقَدْ قَامَ قِيَامَتُهٗ[1] — جو شخص مر گیا اس کی قیامت آگئی۔

اور جہانِ آخرت میں جو حقائق کا ظہور ہے وہاں حقائق سے صورتوں کا الگ ہونا حاصل ہے۔ پس ہر جہان کا حکم علیحدہ ہے۔ ایک کو دوسرے کے ساتھ سوائے اُس جاہل یا زندیق کے جس کا مقصود شرائع کا باطل کرنا ہے، خلط ملط نہیں کرتا۔ کیونکہ شریعت کا جو حکم مبتدی پر ہے وہی حکم منتہی پر ہے عام مومنین اور اخص خواص عارف اس امر میں مساوی اور برابر ہیں۔ اکثر کچے متصوفہ اور بے سروسامان ملحد اس امر کے درپے ہیں۔ کہ اپنی گردنوں کو شریعت کی اطاعت سے نکال لیں۔ اور احکام شرعیہ کو عوام کے ساتھ ہی مخصوص رکھیں۔ یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ خواص صرف معرفت ہی کے ساتھ مکلف ہیں۔ جیسے کہ اپنی جہالت کے باعث امیروں اور بادشاہوں کو عدل و انصاف کے سوا اور کسی چیز کے ساتھ مکلف نہیں جانتے۔ اور کہتے ہیں کہ شریعت کے احکام بجالانے سے مقصود یہ ہے کہ معرفت حاصل ہو جائے۔ اور جب معرفت حاصل ہو جاتی تو پھر شرعی تکلیفات

---

[1] دیلمی بروایت حضرت انس رضی اللہ عنہ۔

ساقط ہو جاتی ہیں - اور اس آیت کو بطریق شہادت پیش کرتے ہیں :

وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ۔ اپنے رب کی عبادت کر حتیٰ کہ تجھے یقین حاصل ہو جائے ۔

اور یقین کے معنے اللہ کرتے ہیں - جیسے کہ سہل تستری[1] نے کہا ہے - یعنی عبادت کی انتہا خدا کی معرفت حاصل ہونے تک ہی ہے - بظاہر جس شخص نے یقین کے معنی اللہ سبحانہ کے کیے ہیں - اُس سے اس کی مراد یہ ہوگی کہ عبادت کی تکلیف کی انتہا حق تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو جانے تک ہے نہ کہ نفس عبادت کی انتہا - کیونکہ یہ امر الحاد و زندقہ تک پہنچانے والا ہے - اور یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ عارفوں کی عبادت ریائی ہے - یعنی عارف اس واسطے عبادت کرتے ہیں کہ ان کے مقتدی اور متبعین ان کی اقتدا کریں - نہ یہ کہ عارف عبادت کے محتاج ہیں - اور اس قول کی تائید میں مشائخ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا ہے کہ جب تک پیر منافق اور مرائی یعنی ریاکار نہ ہو - مرید اس سے نفع نہیں حاصل کر سکتے -

خَذَلَهُمُ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ مَآ اَجْهَلَهُمْ ۔ اللہ تعالیٰ ان کو خوار کرے یہ لوگ کیسے جاہل ہیں -

عارفوں کو عبادت کی اس قدر حاجت ہے کہ اس کا دسواں حصہ بھی مبتدیوں کو حاصل نہیں ہے کیونکہ ان کے عروج عبادات پر ہی وابستہ ہیں - اور ان کی ترقیاں شرائع اور احکام کے بجا لانے پر منحصر ہیں عبادات کے ثمرے اور فائدے جن کی امید عوام کو کل قیامت کے دن ہے، عارفوں کو وہ ثمرات آج ہی حاصل ہیں - پس یہ عبادت کے زیادہ مستحق ہیں - اور ان کو شریعت کی بہت زیادہ حاجت ہے -

جاننا چاہیے کہ شریعت صورت اور حقیقت کے مجموعہ سے مراد ہے - صورت ظاہر شریعت ہے اور حقیقت باطن شریعت - پس قشر و لب یعنی پوست و مغز، دونوں شریعت کے اجزا ہیں - اور محکم و متشابہ دونوں اس کے افراد -

علمائے ظاہر نے اس کے قشر (چھلکے) پر کفایت کی ہے اور علمائے راسخین نے اس کے

---

[1] یعنی سہل بن عبداللہ تستری - آپ کی کنیت ابو محمد ہے - اس گروہ علماء کے اکابر اور انوار معرفت کے علماء میں سے ہوئے ہیں - حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد اور حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی کے ہمعصر ہوئے ہیں ۲۸۳ھ ہجری ماہ محرم الحرام میں آپ کا وصال ہوا - آپ سے پوچھا گیا کہ بدبختی کی نشانی کیا ہے؟ آپ نے فرمایا علم ہو اور اس پر عمل نہ ہو - اور عمل ہو اور اس میں اخلاص نہ ہو ماخوذ از نفحات (۸ د ۸) الانس -

قشر کو لب کے ساتھ جمع کیا ہوا ہے اور مجموعہ صورت و حقیقت سے حظ وافر حاصل کیا ہے۔ پس شریعت کو اس شخص کی طرح جو صورت و حقیقت سے مرکب ہے تصور کرنا چاہیے۔ ایک جماعت نے اس کی صورت کے ساتھ تعلق پیدا کر لیا اور اس کی حقیقت سے انکار کیا۔ اور ہدایہ[1] و بزدوی[2] کے سوا اپنا پیرو مقتدی کسی کو نہ جانا۔ یہ لوگ علمائے قشر ہیں۔ اور دوسری جماعت کے لوگ اس کی حقیقت کے گرفتار ہو گئے۔ لیکن اس حقیقت کو شریعت کی حقیقت نہ جانا۔ بلکہ شریعت کو صورت پر محدود رکھا اور قشر خیال کیا۔ اور اس کے سوا لُب کو تصور کیا۔ اور باوجود اس کے احکام شریعت کے بجا لانے سے سرمو نہ ہٹے اور صورت کو ہاتھ سے نہ دیا۔ اور احکام شریعت میں سے کسی ایک حکم کے ترک کرنے والے کو بطّال اور ضالّ یعنی جھوٹا اور گمراہ سمجھا۔ یہ لوگ خدا تعالیٰ کے اولیا ہیں جنہوں نے حق تعالیٰ کی محبت میں اس کے ماسویٰ سے قطع تعلق کیا ہے۔

ایک اور گروہ کے لوگ ہیں جو شریعت کو صورت اور حقیقت سے مرکب جانتے ہیں۔ اور قشر و لُب کے مجموعہ پر یقین رکھتے ہیں۔ ان کے نزدیک شریعت کی صورت کا حاصل ہونا اس کی حقیقت کے حاصل ہونے کے بغیر اعتبار سے ساقط ہے۔ اور اس کی حقیقت کا حاصل ہونا صورت کی اثبات کے بغیر ناتمام و ناقص ہے۔ بلکہ صورت کے حاصل ہونے کو جو حقیقت کے ثبوت کے بغیر ہو اس کو بھی اسلام ہی سے جانتے ہیں اور نجات بخش تصور کرتے ہیں۔ جیسے علمائے ظاہر اور عام مومنین کا حال ہے۔ اور صورت کے بغیر حقیقت کا حاصل ہونا محال تصور کرتے ہیں اور اس کے قائل کو زندیق اور گمراہ کہتے ہیں۔

غرض تمام ظاہری و باطنی کمالات ان بزرگواروں کے نزدیک کمالاتِ شرعیہ میں منحصر ہیں۔ اور علوم و معارف الٰہیہ ان عقاید کلامیہ سے وابستہ ہیں جو اہل سنت و جماعت کے لیے ثابت ہو چکے ہیں۔ ہزار ہا شہود اور مشاہدات کو حق تعالیٰ کی بے چونی اور بے چگونگی کے ایک مسئلہ کے (جو مسائل کلامیہ میں سے ہے) برابر نہیں جانتے۔ اور ان احوال و مواجید اور تجلیات و ظہورات کو جو احکام شرعیہ کے کسی حکم کے خلاف ظاہر ہوں جو کے برابر نہیں خریدتے اور ایسے ظہور کو استدراج خیال کرتے ہیں:

---

[1] ہدایہ فقہ حنفی کی مشہور و مستند کتاب ہے شیخ الاسلام برہان الدین علی بن ابی بکر مرغیناتی المتوفی ۵۹۳ھ کی تصنیف ہے [2] علم اصول فقہ میں فخر الاسلام علی بن محمد بزدوی حنفی المتوفی ۴۸۲ھ کی تصنیف ہے۔ کشف الظنون۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی ہے۔ پس تو بھی ان کی ہدایت پر چل۔

یہ لوگ علماے راسخین ہیں جن کو حقیقت معاملہ پر اطلاع دی گئی ہے اور آداب شریعت کو مدنظر رکھنے کی برکت سے ان کو شریعت کی حقیقت تک پہنچا دیا گیا ہے۔ برخلاف فرقہ ثانیہ کے کہ اگرچہ وہ بھی حقیقت کی طرف متوجہ اور اس کے ساتھ گرفتار ہیں۔ اور حتی المقدور شریعت کے بجالانے میں سرِمُو تجاوز نہیں کرتے۔ لیکن چونکہ انہوں نے حقیقت کو شریعت کے ماسوا جانا ہے اور شریعت کو اس حقیقت کا پوست تصور کیا ہے۔ اس لیے اس حقیقت کے ظلال میں سے کسی ظل میں رہ گئے ہیں اور اس حقیقت کے اصل معاملہ تک پہنچنے کی راہ نہیں پائی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی ولایت ظلی ہے اور ان کا قرب صفاتی۔ برخلاف علماے راسخین کی ولایت کے کہ اصلی ہے اور انہوں نے اصل تک پہنچنے کا راستہ پا لیا ہے۔ اور ظلال کے تمام حجابات اور پردوں سے گزر گئے ہیں۔ پس ان کی ولایت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ولایت ہے اور ان اولیاء کی ولایت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ولایت کا ظل ہے۔

ابتدا میں فقیر یہ سمجھتا تھا کہ علماے راسخین کو متشابہات کے ساتھ ایمان لانے کے سوا اور کچھ حاصل نہیں ہے۔ اور ان تاویلوں کو جو علماے صوفیہ نے بیان کی ہیں متشابہات کی شان کے لائق نہ سمجھتا تھا۔ اور ان تاویلوں کو ان اسرار سے جو چھپانے کے قابل ہوں، تصور نہ کرتا تھا۔ جیسے کہ عین القضاۃ نے بعض متشابہات کی تاویل میں کہا ہے۔

مثلاً الف، لام، میم سے اَلَمْ مراد لی ہے جس کے معنی درد کے ہیں جو عشق و محبت کو لازم ہے وغیرہ وغیرہ۔

آخر کار جب حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے متشابہات کی تاویلات کا تھوڑا سا حال اس فقیر پر ظاہر کیا۔ اور اس مسکین کی استعداد کی زمین میں اس دریائے محیط سے ایک چھوٹی سی نہر چلا دی تو معلوم ہوا کہ علماے راسخین کو بھی متشابہات کی تاویلات کا بہت سا حصہ

۱؎ سورہ انعام پارہ ۷۔

۲؎ یعنی عین القضاۃ ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ۔ آپ کی کنیت اور نام ابوالفضائل عبداللہ بن محمد المیانجی ہے عین القضاۃ لقب ہے۔ آپ شیخ محمد بن حمویہ اور احمد غزالی قدس سرہما کے صحبت یافتہ تھے۔ صوری اور معنوی کمالات و فضائل کے جامع تھے۔

حاصل ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ۔	اللہ تعالیٰ ہی کے لیے حمد ہے جس نے ہم کو اس کی ہدایت دی۔ اور اگر وہ ہدایت نہ دیتا تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے۔ بے شک ہمارے رب کے رسول حق بات لائے ہیں۔

واقعات مذکورہ کی تعبیر جو آپ نے طلب فرمائی تھی اس کو حضور اور ملاقات پر منحصر رکھا گیا ہے اسی واسطے ان کی نسبت کچھ نہیں لکھا۔ کیا کیا جائے۔ قلم اور ہی معارف کی طرف جاری ہو گیا اور یہی معاملہ پیش آگیا۔ امید ہے کہ معاف فرمائیں گے۔

وَالسَّلَامُ عَلَیْكُمْ وَعَلٰی سَائِرِ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاِخْوَانِهٖ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ الْعُلٰی۔	اور سلام ہو آپ پر اور ان لوگوں پر جو ہدایت کی راہ پر چلے۔ اور حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑا۔

مکتوب نمبر ۲۷۷

علم الیقین اور عین الیقین اور حق الیقین کے بیان میں ملا عبد الحی کی طرف صادر فرمایا۔

اور یہ علوم ان علوم سابقہ میں سے ہیں جو آپ نے توسط حال میں تحریر کیے تھے۔ اس معرفت میں نہایت شہود شہود انفسی ہے۔ اور وہ معارف جو اخیر میں لکھے ہیں ان میں انفسی کو شہود آفاقی کی طرح لا حاصل سمجھ کر انفسی و آفاقی شہود کے ماسوی اور شہود کو ثابت کیا ہے۔ بلکہ نفس شہود کو وصول کا دروازہ جان کر اس کے علاوہ اور علوم و معارف لکھے ہیں۔ جیسے کہ آپ کی کتابوں اور رسالوں سے یہ بات ظاہر ہے۔

بداں اَرْشَدَكَ اللّٰهُ تَعَالٰی! (خدا تجھے ہدایت دے) جان لے کہ حق تعالیٰ سبحانہٗ کی ذات میں علم الیقین ان آیات و نشانات کے شہود سے مراد ہے جو حق تعالیٰ کی قدرت پر دلالت کرتے ہیں اور ان آیات کے شہود کو سیر آفاقی کہتے ہیں۔ لیکن ذاتی شہود اور حضور سیر انفسی کے سوائے متصور نہیں۔ اور

وہ سالک کے اپنے نفس میں ہوتا ہے ؎

ذرہ گر بس نیک، ور بس بد بود[1]

گرچہ عمرے تگ زند در خود بود

اور جو کچھ اپنے باہر میں مشاہدہ کرتا ہے سب حق تعالیٰ کی ذات پر دلائل و آثار کے مشاہدہ کی قسم سے ہے نہ کہ حق تعالیٰ کی ذات کا مشاہدہ۔

قطب المحققین سید العارفین ناصر الدین خواجہ عبید اللہ قدس سرہ الاقدس نے فرمایا ہے کہ سیر دو قسم پر ہے۔ ایک سیر مستطیل۔ دوسری سیر مستدیر۔

سیر مستطیل بُعد در بُعد ہے اور سیر مستدیر قرب در قرب

سیر مستطیل یہ ہے کہ اپنا مقصود اپنے دائرہ کے باہر تلاش کیا جائے۔ اور سیر مستدیر یہ ہے کہ اپنے دل کے گرد پھریں اور اپنا مقصود اپنے ہی میں تلاش کریں۔

پس وہ تجلیات جو حسی یا مثالی صورتوں میں اور انوار کے پردہ میں ہوں، خواہ کوئی صورت ہو اور خواہ کوئی نور ظاہر ہو۔ وہ نور خواہ رنگین ہو یا بیرنگ۔ اور متناہی ہو یا غیر متناہی، اور کائنات کو محیط ہو یا نہ ہو، سب علم الیقین میں داخل ہیں۔

حضرت مخدومی مولوی عبد الرحمن جامی قدس سرہ السامی لمعات میں اس طرح فرماتے ہیں ؎

اے دوست ترا بہر مکاں می جستم[2]

ہر دم خبرت زاین و آں می جستم

اس مضمون میں بھی مشاہدہ آفاقی کی طرف اشارہ ہے جو علم الیقین کے لیے مفید ہے۔ اور یہ شہود چونکہ مقصود کی خبر نہیں دیتا، اور سوائے نشان و استدلال کے اس کا کچھ حضور نہیں بخشتا، اس لیے دھوئیں اور گرمی کے مشاہدہ کی طرح ہے جو آگ کی ذات پہ دلالت کرتا ہے۔ پس یہ شہود علم کے دائرہ سے نہیں نکل سکتا۔ اور نہ ہی عین الیقین کے لیے کچھ مفید ہو سکتا ہے۔ اور نہ ہی سالک کا وجود اس سے فانی ہو سکتا ہے۔

عین الیقین حق تعالیٰ کے شہود سے مراد ہے، بعد اس کے کہ علم الیقین سے معلوم کر چکیں۔ اور یہ شہود سالک کے فنا کو مستلزم ہے۔ اور اس شہود کے غلبہ میں اس کا تعین بالکل گم ہو جاتا ہے۔

---

[1] ذرہ اگر کتنا ہی اچھا یا برا ہو، اگرچہ ساری عمر تگ و دو کرتا رہے، اپنے دائرے ہی میں رہے گا۔

[2] اے دوست، میں نے تجھے ہر مکان میں تلاش کیا اور ہر این و آں سے تیرے حالات کی جستجو کی۔

اور اس کے دیدۂ شہود میں اس کا کوئی اثر باقی نہیں رہتا۔ اور اس شہود میں فانی و مستہلک یعنی مستغرق ہو جاتا ہے۔ یہ شہود اس طائفہ علیہ قدس سرہم کے نزدیک ادراک سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور معرفت بھی اس کو کہتے ہیں۔ اس ادراک میں خواص و عوام شریک ہیں۔ لیکن فرق یہ ہے کہ خواص کو خلق کا شہود حق تعالیٰ کے شہود سے مانع نہیں ہوتا۔ بلکہ ان کے دیدۂ شہود میں حق جل شانہٗ کے سوا اور کچھ مشہود نہیں ہوتا۔ اور عوام کو یہ شہود مانع ہے۔ یہی باعث ہے کہ اس شہود سے غافل اور اس ادراک سے بے خبر رہتے ہیں۔ اور یہ عین الیقین علم الیقین کا حجاب ہے۔ جیسے کہ علم الیقین عین الیقین کا حجاب ہے۔ اس شہود کی تحقیق کے وقت سراسر حیرت و نادانی ہے۔ علم کی اس میں ہرگز گنجائش نہیں ہے۔

بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ علم الیقین عین الیقین کا حجاب ہے اور عین الیقین علم الیقین کا حجاب۔

اور نیز بعض نے فرمایا ہے کہ اس شخص کی علامت جس نے اللہ تعالیٰ کو جیسے کہ اس کے پہچاننے کا حق ہے پہچان لیا، یہ ہے کہ اُس کے سر پر واقف ہو جاتا ہے۔ لیکن اس کا اس کو علم نہیں ہو سکتا۔ ایسا شخص اس معرفت میں کامل ہے، جس کے سوا اور کوئی معرفت نہیں ہے۔

اور نیز بعض نے فرمایا ہے کہ سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا عارف وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ حیران و پریشان ہے۔

حق الیقین حق تعالیٰ کے شہود سے مراد ہے، بعد اس کے کہ تعین دور ہو جائے اور تعین فانی اور نابود ہو جائے۔ لیکن یہ شہود حق تعالیٰ سے حق تعالیٰ کی طرف ہے۔ کیونکہ:

لَا یَحْمِلُ الْعَطَایَا الْمَلِکِ اِلَّا مَطَایَاہُ	بادشاہ کے عطیوں کو اسی کے اونٹ اُٹھا سکتے ہیں۔

اور یہ شہود (مقام) بقا باللہ میں جو بِیْ یَسْمَعُ اور بِیْ یُبْصِرُ کا مقام ہے حاصل ہوتا ہے۔

اور کبھی سالک کو فنائے مطلق کے ساتھ متحقق ہونے کے بعد جو ذات و صفات کی فنا ہے حق تعالیٰ محض اپنی عنایت سے اپنے نزدیک سے ایک وجود عطا کرتا ہے۔ اور سُکر حال اور بیخودی سے صحو اور افاقت یعنی ہوشیاری میں لے آتا ہے۔ اور اس وجود کو وجود موہوب حقانی یعنی خدا کا دیا ہوا وجود کہتے ہیں۔ اس مقام میں علم و عین ایک دوسرے کا حجاب نہیں ہوتے۔ عین میں علم کا شہود اور علم میں عین کا مشاہدہ ہوتا ہے جس کو عارف اس مقام میں عین حق پاتا ہے۔ نہ یہ کہ تعین کونی کے ساتھ کیونکہ اس کے دیدۂ شہود میں اس کا کوئی اثر نہیں رہتا۔ اور ان تجلیات صوریہ سے کہ جن میں اپنے تعینات اور

صورتوں کو حق تعالیٰ معلوم کرتے ہیں۔ مراد وہ تعینات کونیہ ہیں جن کی طرف فنا نے راہ نہیں پایا۔ فَاَیْنَ اَحَدُھُمَا عَنِ الْاٰخَرِ (ان دونوں کے درمیان بہت فرق ہے) مَا لِلتُّرَابِ وَرَبِّ الْاَرْبَابِ۔ ع

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

اگرچہ ظاہر عبارت سے عوام کے نزدیک تجلی صوری (کہ جس میں اپنے آپ کو حق پاتے ہیں) اور حق الیقین کے درمیان (جہاں کہ اپنے سر کو حق پاتے ہیں)، کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا۔ لیکن تجلی صوری میں انا صورت پر پڑتا ہے اور حق الیقین میں حقیقت پر۔ اور نیز تجلی صوری میں حق کو اپنے آپ سے دیکھتے ہیں۔ اور اس مقام میں حق کو حق سے دیکھتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ حق کو اپنے آپ سے نہیں دیکھ سکتے۔ یہ حق الیقین ہی کا مرتبہ ہے جہاں کہ شہود کی حقیقت متحقق ہے۔ اور بعض مشائخ زمانہ نے جب اس فرق پر اطلاع نہ پائی اور تعین کونی کے سوا اس تعین کو نہ جانا، تو انہوں نے ان بزرگواروں پر جنہوں نے حق الیقین کی اس طرح پر تفسیر و تشریح کی ہے۔ جیسے کہ مقرر و ثابت ہو چکی ہے، زبان طعن دراز کی۔ بدیں خیال کہ یہ تعین تجلی صوری میں جو سلوک کا اول قدم ہے، حاصل ہو جاتا ہے۔ اور اس تعین کی انہوں نے حق الیقین کے ساتھ جو سلوک میں نہایت قدم ہے، تفسیر و تشریح کی ہے۔ یہ ان کا خیال کس طرح ٹھیک ہو سکتا ہے جب کہ یہ امر ثابت ہے کہ وہ حق الیقین جو ان کو نہایت میں حاصل ہوتا ہے وہ ہم کو تجلی صوری میں حاصل ہو جاتا ہے۔ جو ہمارا اول قدم ہے۔

وَاللّٰهُ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ۔ — اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے سیدھے راستہ کی ہدایت دیتا ہے۔

مکتوب نمبر ۲۷۸

ملا عبدالکریم سنامی کی طرف صادر فرمایا۔

اس بیان میں کہ عقاید کے درست کرنے اور شریعت غرا کے موافق عمل کرنے کے بعد ہر شخص کو لازم ہے کہ اپنے دل کو ماسوائے حق سے سلامت رکھے جس کو نسیان ماسوا کہتے ہیں۔ اور طریقہ علیہ نقشبندیہ کی مدح اور مرتی یعنی مُردوں کی امداد و اعانت پر ترغیب دینے اور اس کے مناسب امور کے بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ — اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کے برگزیدہ بندوں پر

اصطفیٰ۔

سلام ہو۔

برادر عزیز کا مکتوب مرغوب پہنچا۔ بہت خوشی حاصل ہوئی۔ وہ نصیحتیں جو آگے دوستوں کو کی گئی ہیں اور اب بھی کرنے کے لائق ہیں یہ ہیں کہ پہلے اہل سنت وجماعت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کی کلامیہ (عقائد کی) کتابوں کے موافق اپنے عقائد کو درست کریں۔ پھر احکام فقہیہ یعنی فرض و واجب و سنت و مستحب و حلال وحرام و مکروہ و مشتبہ علمی اور عملی طور پر بجالائیں۔ اس کے بعد لازم ہے کہ ماسوائے حق کی گرفتاری سے اپنے دل کو سلامت رکھیں۔ اور دل کی سلامتی اس وقت حاصل ہوتی ہے جبکہ دل میں ماسوائے حق کا گزر نہ رہے۔ یعنی اگر بالفرض ہزار سال تک زندگی وفا کرے تو بھی حق تعالیٰ کے سوا اور کچھ دل میں نہ گزرے۔ نہ اس معنی سے کہ اشیاء دل میں گزریں اور ان کو غیر حق نہ جانیں۔ کیونکہ یہ بات ابتدا میں توحید کے مراقبہ کرنے والوں کو بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ بلکہ اس معنیٰ سے کہ اشیاء ہرگز دل میں نہ آنے پائیں۔ اور اشیاء کا دل پر گزر نہ ہونا اس بات پر مبنی ہے کہ دل ماسوائے حق کو اس طرح بھول جائے کہ اگر تکلف کے ساتھ بھی اشیاء اسے یاد دلائیں تو یاد نہ آئیں۔ اس دولت کو فنائے قلب سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور اس راہ میں یہ پہلا قدم ہے۔ اور باقی جتنے ولایت کے کمالات ہیں سب اسی دولت کی فرع ہیں ؎

ہیچکس[1] را تا نگردد او فنا نیست راہ در بارگاہ کبریا

اور اس دولت عظمیٰ تک پہنچنے کے لیے سب سے زیادہ قریب راستہ طریقہ علیہ نقشبندیہ قدس سرہم کا طریق ہے۔ کیونکہ ان بزرگواروں نے اپنی سیر کی ابتدا عالم امر سے کی ہے۔ اور قلب کے قلب کے پھیرنے والے یعنی خدا کی طرف راستہ لے گئے ہیں۔ انہوں نے دوسروں کی ریاضتوں اور مجاہدوں کے بجائے سنت کو لازم پکڑا ہے اور بدعت سے کنارہ کشی اختیار کی ہے۔

حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ ہمارا طریقہ سب طریقوں سے زیادہ قریب ہے۔ لیکن سنت کو لازم پکڑنا بہت مشکل کام ہے:

فَطُوْبٰی لِمَنْ تَوَسَّلَ بِهِمْ وَاقْتَدٰی بِهُدٰهُمْ۔

تو مبارک ہیں وہ لوگ جنہوں نے ان کے ساتھ وسیلہ پکڑا اور ان کی ہدایت کا راستہ اختیار کیا۔

مولانا جامی قدس سرہٗ نے فرمایا ہے ؎

[1] کوئی شخص بھی جب تک فنا کا مقام حاصل نہ کرے بارگاہ کبریا تک راہ نہیں پا سکتا۔

نقشبندیہ[1] عجب قافلہ سالار انند | کہ برند از رہِ پنہاں بحرم قافلہ را
از دلِ سالک رہ جاذبہ صحبت شاں | می برد وسوسہ خلوت و فکر چلہ را
قاصرے گر کند ایں طائفہ را طعن و قصور | حاش للہ کہ برارم بزباں ایں گلہ را
ہمہ شیرانِ جہاں بستۂ ایں سلسلہ اند | روبہ از حیلہ چساں بگسلد ایں سلسلہ را

دوسرے یہ کہ قاضی محمد شریف کا محبت سے بھرا ہوا نوازشنامہ پہنچا۔ چونکہ فقرا کی محبت سے پر تھا کمال خوشی کا باعث ہوا۔ فقیر کی دعا و سلام اس کو پہنچا دیں۔

تیسرے واضح ہو کہ شیخ حبیب اللہ کا مکتوب مرغوب پہنچا۔ اس نے اپنے والد مرحوم کے فوت ہو جانے کی نسبت لکھا تھا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ فقیر کی طرف سے دعا پہنچا کر ماتم پرسی بجالائیں، اور کہیں کہ دعا و فاتحہ و استغفار سے اپنے والد مرحوم کی امداد و اعانت کریں:

فَاِنَّ[2] الْمَیِّتَ کَالْغَرِیْقِ یَنْتَظِرُ دَعْوَۃً | مردہ ڈوبنے والے کی طرح ہوتا ہے جو دعا کا منتظر
تَلْحِقُہٗ مِنْ وَّلَدٍ اَوْ اَبٍ اَوْ اُمٍّ اَوْ | رہتا ہے جو اس کو بیٹے یا باپ یا ماں یا بھائی یا
اَخٍ اَوْ صَدِیْقٍ۔ | دوست کی طرف سے پہنچتی ہے۔

چوتھے واضح ہو کہ شیخ احمد ان بزرگواروں کا طریقہ اخذ کر کے بہت متاثر ہوا ہے۔ حق تعالیٰ اس کو استقامت عطا فرمائے۔ مشارٌ الیہ چونکہ از سر نو اسلام لایا ہے یعنی نو مسلم ہے، اس لیے اس کو عقائد کلامیہ جو فارسی کتابوں میں مذکور ہیں سکھائیں اور احکام فقہیہ کی بھی تعلیم دیں۔ تاکہ فرض و واجب و سنت و مستحب و حلال و حرام و مکروہ و مشتبہ کو پہچان لے۔ اور اس کے موافق اپنی زندگی بسر کرے۔ اور کتاب گلستاں و بوستاں کا پڑھنا پڑھانا بیکاری میں داخل ہے۔ والسلام

---

[1] نقشبندی بزرگ عجیب قافلہ سالار ہیں، جو چپکے سے قافلہ کو حرم تک پہنچا دیتے ہیں۔
سالک کے دل سے ان کی صحبت کی کشش وسوسہ خلوت اور فکر چلہ کشی سے بے نیاز کر دیتی ہے۔
اگر کوئی کوتاہ فہم ان کو ناقص جانے یا ان پر زبانِ طعن دراز کرے تو اس کی مرضی، میں تو خدا کی پناہ کہ ایسا گلہ شکوہ زبان پر لاؤں
جہان کے تمام شیر اسی سلسلہ سے بندھے ہوئے ہیں۔ لومڑی اپنے رکیک حیلوں سے اس سلسلہ کو درہم برہم نہیں کر سکتی۔

[2] بیہقی شریف۔

مکتوب نمبر ۲۷۹

ملا حسن کشمیری کی طرف صادر فرمایا۔

اس کی اس نعمت کے شکر ادا کرنے کے بیان میں کہ اس نے آپ کو طریقہ علیہ نقشبندیہ کی طرف رہنمائی کی تھی۔ اور اس کے ضمن میں اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کا اظہار کیا ہے جو اس کے وسیلہ سے حاصل ہوئی تھیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى — اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

آپ کا مبارک صحیفہ جو از روئے کرم و التفات اس فقیر کے نام لکھا تھا، جناب مولانا مہدی علی نے پہنچایا، بڑی خوشی کا باعث ہوا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے۔

آپ نے دریافت فرمایا تھا کہ شیخ محی الدین ابن عربی کی یہ عبارت:

سَبَبُ تَرْتِيْبِ خِلَافَتِهِمْ مُدَّةُ أَعْمَارِهِمْ۔ — ان کی خلافت کی ترتیب کا سبب ان کی عمروں کی مدت ہے۔

شیخ موصوف کی کونسی تصنیف شدہ کتاب میں واقع ہے؟

میرے مخدوم! مدت ہوئی ہے کہ فقیر نے اس عبارت کو فتوحات مکیہ میں دیکھا تھا۔ لیکن اب وہ مقام ہر چند تلاش کیا، نہ ملا۔ اگر دوسری بار نظر سے گزرا تو عرض کر دیا جائے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

دوسرے یہ کہ فقیر آپ کی نعمت کا شکر ادا کرنے اور آپ کے اس احسان کا بدلہ دینے میں قصور اور عاجزی کا اقرار کرتا ہے۔ یہ سب کاروبار اسی نعمت پر مبنی ہے اور یہ سب دید و داد اسی احسان سے وابستہ ہے۔ آپ کے حسن توسط اور وسیلہ سے فقیر کو وہ کچھ دیا گیا ہے جو کسی نے دیکھا ہی نہیں۔ اور آپ کے توسل کی یُمن و برکت سے وہ کچھ بخشا گیا ہے کہ کسی نے اس کا مزہ چکھا ہی نہیں۔ خاص خاص عطیے اس قدر عطا فرمائے ہیں کہ اکثر لوگوں کو ان عطیوں کا علم بھی نہیں۔ احوال و مقامات اور اذواق و مواجید اور علوم و معارف اور تجلیات و ظہورات سب کو عروج کے زینے بنا کر قرب کے درجوں اور وصول کی منزلوں تک پہنچا دیا۔

قرب و وصول کا لفظ بعدان عبارت کی تنگی کے باعث اختیار کیا ہے۔ ورنہ وہاں نہ قرب ہے نہ وصول، نہ عبارت ہے نہ اشارت۔ نہ شہود ہے نہ حلول، نہ اتحاد ہے نہ کیف، نہ این نہ آں، نہ زمان

نہ مکان، نہ احاطہ نہ سریان، نہ علم نہ معرفت، نہ جہل نہ حیرت ؎

چہ گویم با تو از مرغے نشانہ! | کہ با عنقا بود ہم آشیانہ
زعنقا ہست نامے پیش مردم | زمرغ من بود آں نام ہم گم

چونکہ اللہ تعالیٰ کے ان احسانوں کے اظہار میں جن کا ظہور عالم اسباب میں آپ کی اسی نعمت سے ہوا ہے۔ آپ کی نعمت کا شکر بھی شامل تھا۔ اس لیے چند فقروں میں درج کر کے تحریر کیا گیا تاکہ آپ کی نعمت کا تھوڑا سا شکر ادا ہو جائے۔

وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلٰى سَائِرِ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ

سلام ہو آپ پر اور ان تمام لوگوں پر جو ہدایت کی راہ پر چلے۔ اور حضرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑا۔

مکتوب نمبر ۲۸۰

حافظ محمود کی طرف صادر فرمایا۔

اس بیان میں کہ اس گروہ کی محبت سعادت کا سرمایہ ہے۔ اور جس کسی کو اس نعمت سے مشرف فرمائیں اور استقامت دیں اس کو سب کچھ دے دیتے ہیں۔

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد واضح ہو کہ آپ کا مکتوب شریف جو جناب مولانا مہدی علی کے ہمراہ ارسال کیا تھا پہنچا اور بڑی خوشی کا موجب ہوا۔ اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے کہ فقراء کی محبت جو دنیا و آخرت کی سعادت کا سرمایہ ہے، آپ کو کامل طور پر حاصل ہے اور مفارقت کی دراز مدت نے اس میں کچھ تاثیر نہیں کی۔

دو چیزوں کی محافظت ضروری ہے۔ ایک صاحب شریعت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت، دوسرے شیخ مقتدا کی محبت و اخلاص۔ ان دو چیزوں کے ساتھ اور جو کچھ دے دیں، سب نعمت ہی نعمت ہے۔ اور اگر کچھ بھی نہ دیں لیکن یہ دو چیزیں راسخ اور مضبوط ہوں تو پھر کچھ غم نہیں، آخر ایک دن دے دیں گے۔ اور اگر نعوذ باللہ ان دو چیزوں میں سے کسی ایک میں خلل پڑ جائے۔ اور احوال و اذواق

ل میں تجھے اس پرندے کا نشان کیا بتاؤں جو عنقا کا ہم آشیانہ ہو۔ عنقا کا نام تو لوگ جانتے ہیں میرے پرندے کا کسی کو نام بھی معلوم نہیں۔

بھی بدستور اپنے حال پر رہیں تو ان کو استدراج جاننا چاہیے اور اپنی خرابی اور بربادی خیال کرنا چاہیے۔ استقامت کا طریق یہی ہے۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ الْمُوَفِّقُ (اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے) والسلام۔

مکتوب نمبر ۲۸۱

سیادت مآب میر نعمان کی طرف صادر فرمایا۔

سلسلہ علیہ نقشبندیہ کی نسبت حاصل کرنے کی نعمت کے شکر میں۔ اور اس بیان میں کہ اس طریق میں تبعیت اور وراثت کے طور پر کمالات نبوت کی طرف راستہ کھول دیتے ہیں۔ اور جو شخص اس طریق میں اپنے واقعات اور منامات یعنی خوابوں پر بھروسہ کرے اور نئے نئے امور پیدا کرے اور آداب طریقت کی رعایت نہ کرے، وہ زیاں کار اور ناامید رہتا ہے۔ اور اس کے مناسب امور کے بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

اس اعلیٰ نعمت کا شکر کس زبان سے ادا کیا جائے کہ حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے ہم فقراء کو اہل سنت وجماعت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کی آراء کے موافق اپنے عقائد کو درست کرنے کے بعد طریقہ علیہ نقشبندیہ کے سلوک سے مشرف فرمایا اور اس بزرگ خاندان کے نسبت یافتہ مریدوں میں شامل کیا۔

فقیر کے نزدیک اس طریق میں ایک قدم آگے بڑھانا دوسرے طریقوں میں سات قدم آگے بڑھنے سے بہتر ہے۔ وہ راستہ جو تبعیت اور وراثت کے طور پر کمالات نبوت کی طرف کھولا جاتا ہے وہ اسی طریقہ علیہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ دوسرے طریقوں کی انتہا صرف کمالات ولایت کے انتہا تک ہے۔ وہاں سے آگے کمالات نبوت کی طرف کوئی راستہ نہیں کھلا یہی وجہ ہے کہ اس فقیر نے اپنی کتابوں اور رسالوں میں لکھا ہے کہ ان بزرگواروں کا طریق اصحاب کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا طریق ہے جس طرح اصحاب کرام نے وراثت کے طور پر کمالات نبوت سے حظ وافر حاصل کیے اس طریق کے منتہی بھی تبعیت کے طور پر ان کمالات سے کامل حصہ پا لیتے ہیں۔ وہ مبتدی اور متوسط جنہوں نے اس طریق کو لازم پکڑا ہے اور اس طریق کے منتسبوں کے ساتھ کامل محبت رکھتے ہیں، وہ بھی امیدوار ہیں :

اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ [1] آدمی اسی کے ساتھ ہے جس سے اس کو محبت ہے

دور افتادوں اور مہجوروں کے لیے بڑی بھاری بشارت ہے۔ اس طریق میں مایوس اور خسارہ والا وہ شخص ہے جو اس طریق میں داخل ہو کر اس طریق کے آداب کو مدنظر نہ رکھے اور نئے نئے امور اس طریق میں داخل ہو کر اس طریق کے آداب کو مدنظر نہ رکھے اور نئے نئے امور اس طریق میں پیدا کرے۔ اور طریقت کے برخلاف اپنے واقعات اور خوابوں پر اعتماد کرے۔ اس صورت میں طریق کا کیا گناہ ہے۔ وہ اپنے واقعات ومنامات کی راہ پر چلتا ہے۔ یعنی اپنے اختیار سے کعبہ کی طرف سے منہ پھیر کر ترکستان کی طرف جا رہا ہے ؎

ترسم نہ رسی بکعبہ اے اعرابی

ایں رہ کہ تو میروی بترکستان ست [2]

یہ اچھا نہیں ہے کہ اس طریق کے ارباب طریقت کی جمعیت اور طالبوں کی سرگرمی کے باوجود آپ کو اس جگہ سے بیجا کروں۔ اس سے پہلے بھی اگر ان حدود کی سیر کے لیے اشارہ ہوا تھا تو شرائط پر مشروط تھا اور اب بھی انہی شرائط پر مشروط ہے۔ ہاں مکرر استخاروں اور انشراح قلب کے بعد اگر کسی اور شخص کو اپنے قائم مقام بٹھا کر تاکہ وضع سابق میں کوئی فتور نہ پڑ جائے۔ بے شبہ وبے تردد اگر اس طرف آجائیں تو ہو سکتا ہے۔ ان شرائط کے سوا وہاں کے معاملہ کو درہم برہم نہ کریں اور طالبوں کی جمعیت میں فتور نہ ڈالیں اس سے زیادہ مبالغہ کیا کیا جائے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر ۲۸۲

حضرت الیاس [3] وحضرت خضر علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملاقات اور ان کے کچھ حالات کے بیان میں میاں بدیع الدین کی طرف صادر فرمایا۔

---

[1] بخاری ومسلم شریف بروایت سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

[2] اے اعرابی! مجھے ڈر ہے کہ تو کعبے نہیں پہنچ سکے گا کیونکہ جو راہ تو نے اختیار کی ہے وہ کعبے نہیں بلکہ ترکستان کو جاتی ہے۔

[3] تفسیر معالم التنزیل میں بروایت ابن مسعود رضی اللہ عنہ مذکور ہے کہ الیاس حضرت ادریس علیہ السلام ہی کا دوسرا نام ہے مگر دوسرے مفسرین کہتے ہیں آپ انبیائے بنی اسرائیل میں سے ہوئے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ الیسع کے چچازاد بھائی ہیں۔ محمد بن اسحاق کا قول ہے کہ آپ حضرت ہارون بن عمران (باقی برصفحہ)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ اللہ تعالیٰ کے لیے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

مدت سے یارانِ طریقت حضرت خضر علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حالات کی نسبت دریافت کیا کرتے تھے۔ چونکہ فقیر کو ان کے بارے میں پوری پوری اطلاع نہ تھی اس لیے جواب میں توقف کیا کرتا تھا۔ آج صبح کے حلقہ میں دیکھا کہ حضرت الیاس و حضرت خضر علیٰ نبینا و علیہما الصلوٰۃ والسلام روحانیوں کی صورت میں حاضر ہوئے۔ اور تلقی روحانی یعنی روحانی ملاقات سے حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم عالم ارواح میں سے ہیں۔ حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے ہماری ارواح کو ایسی قدرت کاملہ عطا فرمائی ہے کہ اجسام کی صورت میں متمثل ہو کر وہ کام جو جسموں سے وقوع میں آئیں یعنی جسمانی حرکات و سکنات اور جسدی طاعات و عبادات ہماری ارواح سے صادر ہوتی ہیں۔

اس اثنا میں پوچھا کہ آپ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے موافق نماز ادا کرتے ہیں؟ فرمایا کہ ہم شرائع کے ساتھ مکلف نہیں ہیں، لیکن چونکہ قطب مدار کے کام ہمارے سپرد ہیں اور قطب مدار امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر ہے اس لیے ہم بھی اس کے پیچھے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے موافق نماز ادا کرتے ہیں۔

اس وقت یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کی طاعت پر کوئی جزا مترتب نہیں ہے۔ صرف طاعت کے ادا کرنے میں اہل طاعت کے ساتھ موافقت کرتے ہیں اور عبادت کی صورت کو مد نظر رکھتے ہیں۔

اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ولایت کے کمالات فقہ شافعی کے ساتھ موافقت رکھتے ہیں اور کمالاتِ نبوت کی مناسبت فقہ حنفی کے ساتھ ہے۔ اگر بالفرض اس امت میں کوئی پیغمبر مبعوث ہوتا تو فقہ حنفی کے موافق عمل کرتا۔

اس وقت حضرت خواجہ محمد پارسا[1] قدس سرہٗ کے اس سخن کی حقیقت بھی معلوم ہو گئی جو انہوں نے

(بقیہ حاشیہ صفحہ) برادر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اولاد سے ہیں اور حضرت حزقیل نبی کے بعد مبعوث ہوئے اور بنی اسرائیل کے داعی حق بن کر تشریف لائے۔ پھر آپ نے حضرت الیسع کو اپنا خلیفہ بنایا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو آسمانوں پر زندہ اٹھالیا۔ اب آپ کھانے پینے سے بے نیاز ہیں اور ملاء اعلیٰ میں تشریف فرما ہیں۔

[1] خواجہ محمد پارسا قدس سرہ حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کے دوسرے خلیفہ تھے۔ اسلامی علوم کے ماہر کامل اور ورع و تقویٰ سے آراستہ تھے۔ پارسا آپ کا لقب ہے جو حضرت خواجہ نے آپ کو عطا فرمایا۔ نام مبارک محمد بن محمود الحافظ البخاری۔

فصول ستہ میں نقل کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام نزول کے بعد امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب کے موافق عمل کریں گے۔

اس وقت دل میں گزرا کہ ان دونوں بزرگواروں سے کچھ سوال کرے۔ انہوں نے فرمایا کہ جس شخص کے حال پر اللہ تعالیٰ کی عنایت شامل ہو وہاں ہمارا کیا دخل ہے۔ گویا انہوں نے اپنے آپ کو درمیان سے نکال لیا۔ اور حضرت الیاس علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس گفتگو میں کوئی بات نہ فرمائی۔ والسلام۔

مکتوب نمبر ۲۸۳

صوفی قربان کی طرف صادر فرمایا۔

اس بیان میں کہ شب معراج میں حضرت رسالت خاتمیت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کی رویت دنیا میں واقع نہیں ہوئی بلکہ آخرت میں واقع ہوئی ہے۔

آپ نے دریافت کیا تھا کہ اہل سنت وجماعت کا اجماع اس بات پر ہے کہ رویت دنیا میں واقع نہیں ہے۔ اور اکثر علمائے اہل سنت وجماعت نے شب معراج میں حضرت رسالت خاتمیت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کی رویت سے منع فرمایا ہے۔

قَالَ حُجَّةُ الْاِسْلَامِ وَالْاَصَحُّ اَنَّهٗ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ مَا رَاٰى رَبَّهٗ لَيْلَةَ الْمِعْرَاجِ	حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ صحیح یہی ہے کہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے معراج کی رات اپنے رب کو نہیں دیکھا ہے۔

اور تو نے اپنے رسالوں میں شب معراج کو آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رویت کے دنیا میں واقع ہونے کا اقرار کیا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

اس کے جواب میں کہتا ہوں کہ شب معراج میں آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رویت دنیا میں واقع نہیں ہوئی ہے بلکہ آخرت میں واقع ہوئی ہے۔ اس لیے کہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام اس رات چونکہ دائرہ مکان وزمان اور تنگی امکان سے باہر نکل گئے تھے۔ اس لیے ازل وابد کو آن واحد میں معلوم کر لیا۔ اور بدایت ونہایت کو ایک ہی نقطہ میں متحد دیکھا۔ اور ان اہل بہشت کو جو کئی ہزار سال کے بعد بہشت میں جائیں گے، بہشت میں دیکھ لیا۔ عبدالرحمٰن بن عوف کو جو فقرائے صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے

پانچ سو سال کے بعد بہشت میں جائیں گے دیکھا کہ اس مدت کے گزرنے سے پہلے ہی آ گئے۔ اور آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس توقف کی وجہ پوچھی۔ پس وہ رویت جو اس مقام میں واقع ہوئی وہ رویت آخرت ہے اور اس اجماع کے منافی نہیں ہے جو رویت کے عدم وقوع پر ہوا ہے۔ اور اس کو رویت دنیوی کہنا تجویز پر محمول ہے اور ظاہر پر مبنی ہے۔

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ اَعْلَمُ بِحَقَائِقِ الْاُمُوْرِ — اللہ تعالیٰ تمام امور کی حقیقتوں کو جاننے والا ہے

بِكُلِّهَا

مکتوب نمبر ۲۸۴

ملا عبد القادر انبالی کی طرف صادر فرمایا۔

اس بیان میں کہ احوال و مواجید عالم امر کا حصہ ہیں اور ان احوال کا علم عالم خلق سے تعلق رکھتا ہے

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کا معرفت سے متعلق یہ بیان پہلے اوقات سے تعلق رکھتا ہے۔ معاملے کی اصل حقیقت وہی ہے جو آپ نے اُس مکتوب میں بیان فرمائی ہے جو آپ نے طریقت کے بیان میں اپنے بڑے صاحبزادے (حضرت خواجہ محمد صادق رحمۃ اللہ علیہ) کی طرف تحریر کیا ہے۔

جاننا چاہیے کہ انسان کا ظاہر عالم خلق سے مرکب ہے اور باطن عالم امر سے۔ اسی طرح حیرت، جہالت، عجز اور ناامیدی جو انتہا میں جا کر نصیب ہوتی ہے عالم امر سے ہے۔ جو باطن سے انسان ہے۔ ظاہر کو مطابق

وَلِلْاَرْضِ مِنْ كَاْسِ الْكِرَامِ نَصِيْبٌ — زمین کو بھی سخی لوگوں کے پیالہ سے حصہ ملتا ہے۔

واردات کی قوت اور زیادتی کے وقت حصہ ملتا ہے۔ اگرچہ اس کے لیے ثبات اور قرار نہیں ہوتا لیکن کچھ رنگ ضرور چڑھ جاتا ہے۔ انسان کے ظاہر سے جو چیز بالذات تعلق رکھتی ہے وہ ان احوال کا علم ہے۔ کیونکہ باطن کو تو ان احوال کا حصول ہوتا ہے نہ ان کا علم۔ احوال اگر ظاہر نہ ہوتے تو دانش اور تمیز کا راستہ نہ کھلتا۔ صور مثالیہ اور معارج و مقامات کا ظہور ظاہر کے ادراک کے لیے ہے پس باطن تو حال سے آراستہ ہوتا ہے اور ظاہر حال کے علم سے موصوف ہوتا ہے۔

اس بیان سے معلوم ہوا کہ وہ اولیاء اللہ جو صاحب علم ہیں، اور وہ جو علم سے حصہ نہیں رکھتے، دونوں میں احوال کے نفس حصول میں کوئی فرق نہیں۔ اگر فرق ہے تو صرف یہ ہے کہ ایک گروہ ان احوال

کا علم بھی رکھتا ہے اور دوسرا احوال کے علم سے موصوف نہیں۔

مثلاً ایک شخص جس پر بھوک کی حالت طاری ہو اور بھوک نے اسے بے قرار اور بے آرام کر رکھا ہو؛ اس کے ساتھ ساتھ وہ یہ بھی جانتا ہو کہ اس حالت کو بھوک سے تعبیر کرتے ہیں۔ اسی طرح ایک دوسرا شخص ہو جس پر بھوک کی ایسی ہی حالت طاری ہو لیکن وہ یہ نہ جانتا ہو کہ اس حالت کو بھوک سے تعبیر کرتے ہیں۔ تو یہ دونوں شخص اس حالت کے نفسِ حصول میں برابر ہیں۔ فرق صرف جاننے اور نہ جاننے کا ہے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ جو جماعت علم نہیں رکھتی ہے دو قسم ہے۔ ایک تو وہ لوگ ہیں جو احوال کے نفس حصول کو بھی بالکل نہیں جانتے اور نہ احوال کے اختلافات اور تغیر و تبدل کو جانتے ہیں۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جو تلونیات (تغیر) احوال سے خبر رکھتے ہیں لیکن احوال کی تعیین و تشخیص نہیں کر سکتے۔ یہ دوسری جماعت اگرچہ احوال کی تشخیص و تعیین نہیں کر سکتی لیکن ان کا شمار احوال والوں میں ہے اور پیر بننے کے لائق ہیں۔ تشخیص احوال ہر شیخ کا کام نہیں بلکہ تشخیص کی یہ دولت زمانہ دراز کے بعد ظاہر ہوتی ہے، اور کسی ایک کو اس دولت سے نوازتے ہیں اور دوسروں کو اس کے علم کے حوالے[1] کرتے ہیں اور اس کا طفیلی بنا دیتے ہیں۔ انبیاء اولوا العزم صلوات اللہ تعالیٰ و تسلیماتہ، علیہم مدتہائے دراز کے بعد مبعوث ہوتے تھے۔ اور ان میں سے ہر ایک الگ الگ احکام کے ساتھ مخصوص ہوتا تھا۔ اور دوسرے انبیاء کرام علیہم الصلوات والتحیات ان کے تابع ہونے کی حیثیت سے تشریف لاتے تھے اور انہی احکام پر اکتفا کرتے تھے[2]

خاص کند بندۂ مصلحتِ عام را

مکتوب نمبر ۲۸۵

میر سید محب اللہ مانکپوری کی طرف صادر فرمایا۔

سماع، وجد، رقص اور بعض ان معارف کے بیان میں جو روح سے تعلق رکھتے ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ — اللہ تعالیٰ ہی کے لیے حمد ہے۔ اور اس کے برگزیدہ

[2] اللہ تعالیٰ عام لوگوں کی مصلحت اور بہتری کے لیے کسی ایک بندے کو خاص کر لیتا ہے۔

الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ بندوں پر سلام

اے برادر! تو اس بات کو جان! اَرْشَدَكَ اللّٰهُ تَعَالٰى طَرِيْقَ السَّدَادِ وَ اَلْهَمَكَ صِرَاطَ الرَّشَادِ[1] کہ سماع اور وجد اُس جماعت کے لیے نفع مند ہے جو احوال کے تغیر سے متصف اور اوقات کے تبدل کے ساتھ واغدار ہے جو ایک وقت میں حاضر اور دوسرے وقت میں غائب ہوتی ہے۔ نیز جو ایک وقت میں اپنے مقصود کو پانے والے اور دوسرے وقت میں اسے گم کرنے والے ہیں۔ یہ لوگ اربابِ قلوب ہیں جو تجلیات صفاتیہ کے مقام میں ایک صفت سے دوسری صفت کی طرف اور ایک اسم سے دوسرے اسم کی طرف منتقل ہوتے اور بدلتے رہتے ہیں۔ احوال کا تغیر و تبدل ان کا نقد وقت ہے اور امیدوں کی پراگندگی ان کے مقام کا حاصل اور خلاصہ ہے۔ دائمی حال کا نصیب ہونا ان کے لیے محال ہے اور وقت کا ایک ہی کیفیت پر قائم رہنا ان کے حق میں ممتنع ہے۔ ایک وقت حالتِ قبض میں ہوتے ہیں اور دوسرے وقت بسط میں۔ یہ لوگ ابن الوقت ہیں اور اس کے مغلوب ہیں۔ ان کو کبھی تو عروج نصیب ہوتا ہے اور کبھی نیچے اُتر آتے ہیں۔

(اس کے برعکس) تجلیات ذاتیہ والے جو مقام قلب سے مکمل طور پر باہر آ چکے ہیں۔ اور مقلب قلب (اللہ تعالیٰ) سے پیوستہ ہو چکے ہیں اور کلیتہً احوال کی غلامی سے نکل کر احوال میں تبدیلی پیدا کرنے والے (رب تعالیٰ) کے ساتھ آزادی حاصل کر چکے ہیں، سماع اور وجد کے محتاج نہیں۔ کیونکہ ان کا وقت اور حال دائمی ہے۔ بلکہ ان کے لیے کچھ وقت اور حال نہیں۔ تو یہ لوگ ابوالوقت اور اصحاب تمکین ہیں۔ اور یہی واصل ہیں جو رجوع سے قطعاً محفوظ ہیں۔ اور نہ ان سے ان کا مقصود گم ہو سکتا ہے۔ اور جب عدم یافت ان کے لیے متصور نہیں تو یافت اور وجد بھی ان کے لیے نہیں۔

ہاں، منتہی لوگوں کی ایک قسم ایسی ہے کہ استمرار وقت کے باوجود سماع ان کے لیے نافع ہے اس کا مفصل بیان اس مکتوب کے آخر پر ان شاء اللہ تعالیٰ آئے گا۔

کوئی اگر یہ سوال کرے کہ حضرت رسالت خاتمیت علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والتحیۃ نے فرمایا ہے:

لِیْ مَعَ اللّٰهِ وَقْتٌ لَا يَسَعُنِيْ فِيْهِ مَلَكٌ مُقَرَّبٌ وَّلَا نَبِيٌّ مُّرْسَلٌ[2] — میرا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسا وقت ہوتا ہے جس میں کسی مقرب فرشتہ اور نبی مرسل کی گنجائش نہیں۔

---

[1] اللہ تعالیٰ تجھے سیدھا اور نیکی کا راستہ دکھائے۔

[2] یہ حدیث مبارک رسالہ قشیریہ میں بھی موجود ہے۔

اس حدیث سے مفہوم ہوتا ہے کہ وقت دائمی نہیں ہوتا۔ تو میں اس کا جواب یہ دیتا ہوں کہ اس حدیث کے صحیح ہونے کی صورت میں بعض مشائخ نے یہ معنی بیان کیے ہیں:

اَیْ لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ مُسْتَمِرٌّ — یعنی مجھے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہمیشہ ایسا وقت نصیب رہتا ہے۔

اگر حدیث کا مطلب یہ ہو تو پھر کچھ اشکال ہی نہیں۔

دوسرا جواب ہم یہ دیتے ہیں کہ اس وقت مستمر میں کسی وقت کوئی خاص کیفیت میسر آتی ہو اور وقت سے وہ نادر وقت مراد ہو۔ اس صورت میں بھی اشکال رفع ہو جاتا ہے۔

اگر یہ سوال کریں ممکن ہے کہ اس کیفیت کے حاصل کرنے میں سُریلی آواز سننے کا بھی دخل ہو۔ لہٰذا منتہی بھی اس کیفیت کے حصول کے لیے سماع کا محتاج ہے۔ تو اس کا جواب یہ دیتا ہوں کہ اس کیفیت کا حصول غالباً ادائے نماز کے وقت ہوتا تھا۔ اور بیرون نماز بھی کسی وقت اس کیفیت کا حصول ہوتا ہو تو وہ بھی نماز کے نتائج و ثمرات سے ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ حدیث: قُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ[1] (یعنی میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے) میں اسی کیفیت نادرہ کی طرف اشارہ ہو۔ ایک دوسری حدیث میں اس طرح وارد ہے:

اَقْرَبُ مَا یَکُوْنُ الْعَبْدُ مِنَ الرَّبِّ فِی الصَّلٰوۃِ۔[2] — بندہ کو اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ قرب نماز میں حاصل ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ — سجدہ کر اور (اپنے رب کے) قریب ہو جا

اور اس میں کچھ شک نہیں کہ وہ تمام اوقات جن میں قرب الٰہی جل شانہٗ زیادہ ہوگا غیر حق کی گنجائش کی نفی بھی زیادہ ہوگی۔ پس اس حدیث اور مذکورہ آیہ کریمہ سے یہ بھی مفہوم ہوتا ہے کہ وہ وقت نماز ہی ہے۔ استمرار وقت اور دوام وصل کی دلیل مشائخ کرام کا اتفاق و اجماع ہے۔ چنانچہ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "جو شخص بھی واپس لوٹا وہ راستے ہی سے واپس لوٹا۔ اور جس کو وصل نصیب ہو گیا وہ واپس لوٹنے سے محفوظ و مامون ہے"۔

اور "یاد داشت" جو جناب قدس خداوندی جل سلطانہ میں دوام حضور سے عبارت ہے۔ طریقہ حضرات

---

[1] دارقطنی۔

[2] مسلم، ابوداؤد اور نسائی شریف بروایت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

خواجگان (نقشبندیہ) قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم میں ایک مقرر اور طے شدہ امر ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ دوام وقت کا انکار عدم وصول کی علامت ہے۔ مشائخ کرام کی ایک چھوٹی سی جماعت جیسے حضرت ابن عطا اور ان کی طرح کے لوگ جو واصل کے لیے صفات بشریت کی طرف رجوع جائز فرماتے ہیں۔ اور ان کی اس بات سے عدمِ دوامِ وقت مفہوم ہوتا ہے' جواز رجوع میں اختلاف کرتے ہیں وقوع میں وہ بھی اختلاف نہیں کرتے۔ کیونکہ واصل کے لیے رجوع کا وقوع ہرگز نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ اربابِ طریقت پر مخفی نہیں۔ پس عدم رجوع پر مشائخ کرام کا اجماع و اتفاق ثابت ہو گیا۔ اور یہ بھی ثابت ہو گیا کہ بعض کا اختلاف صرف جواز رجوع میں ہے نہ اس کے وقوع میں ——— اس مضمون کو ذہن میں رکھو۔

اربابِ طریقت کے منتہی لوگوں کا ایک گروہ ایسا ہے جنہیں درجاتِ کمال اور مشاہدہ جمال لایزال کے وصول کے بعد زور کی سردی لاحق ہوتی ہے اور مکمل تسلی حاصل ہو جاتی ہے۔ جو انہیں منازل وصول تک عروج سے روک لیتی ہے۔ کیونکہ انہوں نے ابھی منازل وصول اور طے کرنے ہوتے ہیں۔ اور ان کے مدارج قرب ابھی تک حد نہایت تک نہیں پہنچے ہوتے۔ اس کے باوجود عروج کی طرف رغبت رکھتے ہیں اور مطلوب کے کمال قرب کی آرزو رکھتے ہیں۔ اس صورت میں ان کے لیے سماع مفید اور حرارت بخش ہوتا ہے۔ تو ایسے حضرات کو ہر وقت سماع کی مدد سے منازل قرب تک عروج میسر آتا ہے۔ تسکین حاصل ہونے کے بعد ان منازل سے نیچے آتے ہیں۔ لیکن ان مقاماتِ عروج کا رنگ ساتھ لاتے ہیں اور اس رنگ سے رنگین ہوتے ہیں۔ تاہم ان کی یہ یافت عدم یافت کے بعد نہیں ہوتی۔ کیونکہ عدم یافت ان کے حق میں مفقود ہے۔ بلکہ دوام وصل کے ہوتے ہوئے یہ وجد اور یافت منازل قرب تک ترقی کے لیے ہوتی ہے۔ منتہی اور واصل لوگوں کا سماع اسی جنس سے ہے۔ ان لوگوں کو سماع کی ضرورت اس لیے لاحق ہوتی ہے کہ فنا اور بقا کے بعد اگرچہ انہیں جذبہ عطا کر دیا جاتا ہے۔ لیکن ان کی طبیعت کا شدید طور پر سرد ہو جانا جذبے پر غالب آ جاتا ہے اور منازل عروج تک ترقیات کے لیے تنہا جذبہ کفایت نہیں کرتا تو سماع کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔

مشائخ کرام قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کا ایک اور گروہ ہے جن کے نفوس درجہ ولایت تک وصول کے بعد مقام بندگی میں اتر آتے ہیں۔ ان کی ارواح نفس کی مزاحمت کے بغیر اپنے مقام اصلی میں جناب قدس کی طرف متوجہ رہتی ہیں۔ انہیں ہر وقت نفس مطمئنہ کے مقام میں جو مقام بندگی میں قرار پذیر اور راسخ ہو چکا ہوتا ہے روح کو مدد پہنچتی رہتی ہے۔ روح کو اس امداد کے ذریعے اپنے مطلوب کے ساتھ

مناسبت خاصہ پیدا ہو جاتی ہے۔ لہٰذا ان بزرگوں کو عبادات میں آرام نصیب ہوتا ہے اور حقوق بندگی اور طاعات کے ادا کرنے میں تسکین حاصل ہوتی ہے۔ ان کی طبیعت میں عروج کی طرف رغبت کم ہوتی ہے۔ اور ان کے باطن میں بلندی کی طرف چڑھنے کا شوق بھی قلیل ہوتا ہے۔ ابھی ان کی پیشانی متابعت شریعت سے روشن ہوتی ہے۔ اور اتباع سنت کے سرمہ سے ان کا دیدۂ بصیرت سرمگیں ہوتا ہے۔ اس لیے یہ حضرات تیز نظر ہوتے ہیں، اور دور سے وہ چیز دیکھ لیتے ہیں جسے نزدیک والے دیکھنے سے عاجز ہوتے ہیں۔ یہ لوگ اگرچہ عروج کم رکھتے ہیں لیکن نورانی ضرور ہوتے ہیں۔ اور اپنے مقام بندگی میں ہوتے ہوئے نور اصل سے منور رہتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے اس مذکورہ مقام میں ہوتے ہوئے عظیم شان رکھتے ہیں، اور اونچی قدر کے مالک ہوتے ہیں۔ ان لوگوں کو سماع اور وجد کی کوئی حاجت نہیں۔ عبادات ہی ان کے لیے سماع کا کام کرتی ہیں اور اصل کی نورانیت عروج سے کفایت کر جاتی ہے۔

اہل سماع اور وجد کے مقلدین کی جماعت جو ان بزرگوں کی عظمت شان سے ناواقف ہے، اپنے آپ کو زمرہ عشاق میں تصور کرتی ہے۔ اور ان بزرگوں کو خشک زاہد۔ گویا یہ جامد مقلدین عشق و محبت کو رقص و وجد میں منحصر جانتے ہیں۔ (حالانکہ حقیقتِ حال اس کے خلاف ہے)۔

منتہی اربابِ طریقت کا ایک اور گروہ ہے جس کو سیر الی اللہ اور بقا باللہ کے راستے طے کرنے کے بعد جذبہ قوی عنایت فرمایا جاتا ہے، اور کارکنانِ قضا و قدر انجذاب کی کنڈی سے قرب و وصال تک کشاں کشاں لے جاتے ہیں۔ اس گروہ میں سردی سرایت اور تاثیر نہیں کر سکتی۔ اور ان کے لیے تسلی ناروا ہے۔ یہ حضرات اپنے عروج میں نادر امور اختیار کرنے کے محتاج نہیں۔ سماع اور رقص کا ان کی خلوت کے تنگ کوچہ میں گزر نہیں ہو سکتا۔ اور وجد و تواجد کو ان سے کچھ سروکار نہیں۔ یہ حضرات ممکن الوصول مرتبہ نہایۃ النہایت تک اس عروج انجذابی کے ذریعے پہنچتے ہیں اور حضور سرور کائنات علیہ و علیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات والتحیات کی متابعت کے وسیلہ سے اس مقام سے جو حضور سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ کے ساتھ مخصوص ہے کچھ حصہ پا لیتے ہیں۔ وصول کی یہ قسم طائفہ افراد کے ساتھ مخصوص ہے۔ اقطاب بھی اس مقام سے حصہ نہیں پا سکتے۔

اگر محض فضل ایزدی جل سلطانہٗ سے اس نہایۃ النہایت تک پہنچنے والے گروہ کو دعوت کے لیے عالم کی طرف واپس لائیں اور طالبانِ حق کی تربیت ان کے حوالہ کریں تو ان کا نفس مقام بندگی میں نیچے اتر آتا ہے اور اس کی روح نفس کی آمیزش کے بغیر جناب مقدس حق تعالیٰ کی طرف متوجہ رہتی ہے۔ یہی گروہ ہے جو کمالات فردیت کا جامع اور تکمیلات قطبیت پر حاوی ہے۔ یہاں قطب سے میری مراد قطب ارشاد، قطب اوتاد

نہیں۔ مقامات ظلی کے علوم اور مدارج اصلی کے معارف اس کو میسر ہیں۔ بلکہ جہاں وہ ہے وہاں نہ ظل ہے اور نہ اصل۔ ظل اور اصل سے اسے آگے گزار کرے گئے ہیں۔ اس طرح کے کامل و مکمل نہایت قلیل الوجود ہیں۔ اگر مدتہائے دراز اور طویل زمانوں کے بعد بھی ایسے شخص کا ظہور ہو تو بہت غنیمت ہے۔ ایک جہاں اس کے فیض سے منور ہوگا۔ اس کی نظر امراض قلبیہ کو شفا بخشتی ہے اور اس کی توجہ اخلاق ردیہ اور ناپسندیدہ کو دفع کرتی ہے۔ یہی وہ ہستی ہے جو مدارج عروج کو مکمل کر کے نیچے مقام بندگی میں اُتر آئی ہے۔ اور عبادات کے ساتھ اس نے اور آرام پکڑا ہے۔

مقام عبدیت ہے کہ مقاماتِ ولایت میں اس سے اوپر کوئی مقام نہیں اس گروہ میں سے بعض کو منتخب کر کے اس مقام سے مشرف کرتے ہیں۔ اور مرتبہ محبوبیت کے لائق بھی یہی لوگ ہیں۔ تمام کمالات کا جامع تو مرتبہ ولایت ہے اور تمام مقامات پر حاوی درجہ دعوت ہے۔ جو مرتبہ ولایت خاصہ اور نبوت سے بہرہ ور ہے۔ خلاصہ یہ کہ اس پر یہ مصرع صادق آتا ہے [۱]

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

اس بات کو ذہن نشین کر لو۔

معلوم ہونا چاہیے کہ مبتدی کے لیے سماع اور وجد مضر ہے اور عروج کے منافی ہے، اگرچہ شرائط سماع کے مطابق ہو۔ سماع کی شرائط کا کچھ بیان اس مکتوب کے آخر میں ان شاء اللہ تعالیٰ تحریر کیا جائیگا۔ مبتدی کا وجد بیماری کا شکار ہے اور اس کا حال وبال ہے۔ اس کی حرکت طبعی ہوتی ہے اور خواہش نفسانی سے مخلوط ہوتی ہے۔ اور مبتدی سے میری مراد وہ شخص ہے جو ارباب قلوب میں سے نہ ہو۔ اور ارباب قلوب منتہی اور مبتدی لوگوں کے درمیانی مقام میں ہیں۔ اور منتہی وہ ہے جو فانی فی اللہ اور باقی باللہ ہو۔ یہی واصل کامل ہوتا ہے۔ اور انتہا کے بہت سے درجات ہیں جو ایک دوسرے کے اوپر ہیں۔ اور وصول کے اس قدر مراتب ہیں جو ابد الآباد تک طے نہیں ہو سکتے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ سماع صرف متوسط اور منتہی حضرات کے ایک طبقے کے لیے نفع مند ہے۔ جیسا کہ اوپر مذکور رہا۔

لیکن جاننا چاہیے کہ تمام ارباب قلوب (متوسط) حضرات کے لیے سماع مفید نہیں۔ بلکہ ان میں سے بھی صرف ان لوگوں کے لیے نفع مند ہے جو دولت جذبہ سے مشرف نہیں اور ریاضات اور مجاہدات شاقہ کے ذریعہ قطع مسافت کرنا چاہتے ہیں۔ سماع اور وجد اس صورت میں ان لوگوں کے لیے ممد و معاون ہے اور اگر ارباب قلوب صاحب جذبہ ہوں تو ان کا سلوک کے راستوں کو طے کرنا جذبہ کی مدد سے ہوتا ہے۔

---

[۱] جو کمالات سارے حسین الگ الگ رکھتے ہیں تو اکیلا ان سب کا جامع ہے۔

سماع کی انہیں ضرورت نہیں ہوتی۔

اور یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ جن کے لیے سماع نفع مند ہے وہ بھی شرائط کے ساتھ مشروط ہے۔ مطلقاً نفع مند نہیں۔ شرائط کے بغیر سماع نقصان دہ چیز ہے۔

ان شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ اپنے کامل ہونے کا عقیدہ نہ رکھے۔ اور اگر وہ اپنے کامل ہونے کا اعتقاد رکھتا ہو تو ترقی سے رکا رہے گا۔ ہاں اس شخص کو بھی سماع کچھ نہ کچھ فائدہ دیتا ہے۔ لیکن تسکین اور اطمینان کے بعد اس مقام سے پھر پیچھے آجاتا ہے۔ اور سماع کی دوسری شرائط مستقیم الاحوال اکابر کی کتابوں مثلاً عوارف المعارف[1] وغیرہ میں وضاحت کے ساتھ مذکور ہیں۔

ان شرائط میں سے اکثر آج کل کے سماع سننے والوں میں مفقود ہیں۔ بلکہ اس قسم کا سماع اور رقص جو اس وقت عام ہے اور اس قسم کا اجتماع جو آج کل مروج ہے کوئی شک نہیں کہ یہ سراسر مضر اور تربیت باطنی کے بالکل منافی ہے۔ ایسے سماع سے عروج کا خیال کرنا بالکل بے معنی ہے۔ اور اس صورت میں روحانی ترقی متصور نہیں ہو سکتی۔ اس مقام میں سماع سے امداد و اعانت معدوم ہے۔ بلکہ اس کی جگہ ضرر اور منافات موجود ہے۔

تنبیہ:

سماع اور رقص اگرچہ بعض منتہی اربابِ طریقت کو بھی درکار ہوتا ہے، لیکن ان حضرات کو ابھی مراتب عروج در پیش ہوتے ہیں۔ اس لیے یہ اس لحاظ سے متوسط لوگوں میں شمار ہوتے ہیں۔ اور جب تک ممکن الحصول مراتب عروج مکمل طور پر طے نہ کر لیں، انتہا کی حقیقت ان سے مفقود ہوتی ہے۔ نہایت کہنا سیر الی اللہ کی نہایت کے اعتبار سے ہے۔ اور اس سیر کی نہایت اس اسم تک ہے جو اس سالک کا مظہر ہے۔ اس کے بعد اس اسم اور اس کے متعلقات میں سیر ہوتی ہے اور جب اسم اور اس کے تمام متعلقات جو اربابِ طریقت پر منکشف ہوتے ہیں سے گزر کر مسمّیٰ حقیقی تک پہنچتا ہے۔ اور وہاں فنا اور بقا سے موصوف ہوتا ہے۔

[1] عوارف میں ہے کہ شیخ ابو عبدالرحمٰن سلمی فرماتے ہیں میں نے اپنے دادا سے سنا کہ فرماتے تھے کہ محفل سماع میں شریک ہونے والے کو چاہیے دل زندہ اور نفس مردہ کے ساتھ محفل میں شریک ہو۔ اور جس کا دل مردہ اور نفس زندہ ہو اس کے لیے سماع حلال نہیں۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم میں فرمایا ہے کہ آداب سماع میں یہ بات بھی داخل ہے کہ سماع میں شریک ہونے والا وقت، جگہ اور شریک محفل ہونے والوں کی رعایت کرے۔

[2] یہ کتاب شیخ الشیوخ شہاب الدین ابو حفص عمر بن محمد بن عبداللہ سہروردی المتوفیٰ ۶۳۲ھ کی تصنیف منیف ہے اور ۶۳ ابواب پر مشتمل ہے۔ علامہ میر سید شریف جرجانی المتوفیٰ ۸۱۶ھ نے اس پر تعلیقات لکھی ہیں ۱۲ کشف الظنون۔

تو اس وقت منتہی حقیقی بنتا ہے۔ اور فی الحقیقت سیر الی اللہ کی نہایت اسی صورت میں متحقق ہوتی ہے۔ نہایت اول کو جو اسم کی نہایت تک ہے اسے بھی نہایت سیر الی اللہ اعتبار کر لیتے ہیں۔ اور اس فنا اور بقا کے لحاظ سے جو اس مرتبہ میں حاصل ہوتی ہے' اسم ولایت کا اطلاق کر دیتے ہیں۔ اور یہ جو صوفیہ نے کہا ہے کہ سیر الی اللہ کی کوئی نہایت نہیں تو یہ سیر بقا میں ہے اور منازل عروج طے کرنے کے بعد ہے۔ اور سیر فی اللہ کی بے نہایتی کا یہ معنی ہے کہ اس اسم میں سیر واقع ہوتی ہے۔ اور اس اسم میں مندرج تمام شیونات سے تفصیل کے ساتھ موصوف ہوتا ہے' تو اس سیر کی نہایت تک بالکل نہیں پہنچ سکتا۔ کیونکہ ہر اسم بے انتہاء شیونات پر مشتمل ہوتا ہے۔ لیکن وقت عروج میں (کارکنان قضاو قدر) اگر چاہتے ہیں تو اس کو آگے گزار کر لے جانا چاہیں تو ممکن ہے کہ ایک ہی قدم میں اس اسم کو طے کرلے اور نہایۃ النہایت تک پہنچ جائے۔ اور اگر وہیں فنا ہو جائے تو زہے سعادت اور بزرگی۔ اور اگر مخلوق کی تربیت کے لیے اسے واپس لائیں تو زہے فضیلت۔ یہ گمان نہ کرنا کہ اس اسم تک پہنچنا آسان کام ہے۔ جان کو ہلاک کرنا پڑتا ہے تب جاکر اس دولت سے مشرف کرتے ہیں ــــ دیکھیے' ارباب طریقت کے گروہ سے کس صاحب نصیب کو اس اعلیٰ درجہ کی نعمت سے سرفراز کرتے ہیں۔

اے نارسیدہ سالک! جسے تو تنزیہ اور تقدیس خیال کرتا ہے وہ مقام روح سے بھی بہت نیچے ہوتے ہیں۔ وہ تنزیہ جو تیرے خیال میں فوق العرش معلوم ہوتی ہے وہ بھی دائرہ تشبیہ میں داخل ہے۔ اور وہ منزہ مکشوف عالم ارواح میں سے ہے۔ کیونکہ عرش تمام جہات کو محیط اور عالم اجسام کی منتہا ہے۔ عالم ارواح عالم جہات و اجسام سے ماوراء ہے۔ کیونکہ روح لامکانی شے ہے۔ مکان میں نہیں سما سکتی۔ اور روح کو عرش سے اوپر ثابت کرنا تجھے اس وہم میں نہ ڈال دے کہ روح تجھ سے دور ہے اور تیرے اور روح کے درمیان مسافت دراز واقع ہے۔ حقیقت حال اس طرح نہیں بلکہ روح کے لامکانی ہونے کے باوجود اسے تمام جگہوں سے نسبت برابر ہے۔ ماوراء عرش کہنے کے دوسرے معنی ہیں۔ جب تک تو وہاں نہ پہنچے اس معنی کا ادراک نہیں کر سکتا۔

صوفیہ کا ایک گروہ جو تنزیہ روحی تک پہنچا ہے اور اسے فوق العرش پایا ہے اسی تنزیہ کو تنزیہ الہی تصور کر لیا ہے۔ اور اس مقام کے علوم و معارف کو علوم دقیقہ قرار دیا ہے۔ اور استواء کے راز کو حواسی مقام حل کیا ہے۔ حالانکہ حق یہ ہے کہ یہ تو روح کا نور ہے۔ اس فقیر کو بھی اس مقام کے حصول کے وقت اس قسم کا اشتباہ پیدا ہوا تھا۔ لیکن جب عنایت خداوندی جل سلطانہ' نے اس گرداب سے آگے گزارا تو جان لیا کہ وہ نور روح کا نور ہے' نہ کہ نور الٰہی جل سلطانہ'۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدٰنَا لِھٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَھْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ ھَدٰنَا اللّٰہُ

تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے ہم کو اس راہ کی ہدایت نصیب فرمائی۔ اور اگر وہ ہدایت نہ دیتا تو ہم ہدایت نہ پا سکتے۔

اور رُوح چونکہ لامکانی شے ہے اور بے چونی و بے چگونی کی صورت پر پیدا ہوئی ہے' اس لیے اس طرح کے اشتباہ کا محل بن جاتی ہے۔

وَاللّٰہُ یُحِقُّ الْحَقَّ وَھُوَ یَھْدِی السَّبِیْلَ

اللہ تعالیٰ ہی احقاق حق فرماتا ہے اور سیدھے راستے کی ہدایت دیتا ہے۔

اور صوفیائے کرام کا وہ گروہ جو اس نور کو فوق العرش سے لے کر نیچے اترتا ہے اور اس سے بقا پیدا کرتا ہے' اپنے آپ کو تشبیہ اور تنزیہ کا جامع تصور کرتا ہے۔ اور اگر اس نور کو اپنے سے جدا پاتا ہے تو اسے مقام "فرق بعد الجمع" گمان کرتا ہے۔ اس طرح کے مغالطے صوفیہ کو بہت لاحق ہوتے ہیں۔ وہی سبحانہٗ تعالیٰ غلطیوں کے مقامات خبط کے مواقع سے بچانے والا ہے۔

جاننا چاہیے کہ روح اگرچہ عالم کی نسبت بے چون ہے' لیکن حق جل وعلا کی نسبت سے دائرہ چوں میں داخل ہے۔ تو یہ روح گویا عالم چوں اور جناب قدس خداوندی جو حقیقی بے چون ہے کے درمیان برزخ ہے تو روح دونوں طرف کا رنگ رکھتی ہے' اور دونوں اعتبار اس میں صحیح ہیں۔ برعکس بے چون حقیقی کے کہ اس تک چون کی بو بھی نہیں پہنچ سکتی۔ پس جب تک روح کے تمام مقامات سے عروج واقع نہ ہوں تب تک اس اسم تک نہیں پہنچ سکتا۔ لہٰذا پہلے تمام طبقات سماوات یہاں تک کہ عرش سے بھی گزرنا چاہیے۔ اور مکمل طور پر لوازم امکان سے باہر آنا چاہیے۔ اس کے بعد عالم ارواح کے مراتب لامکانیت بھی طے کرے' تب جا کر سالک اس اسم تک پہنچتا ہے ؎

خواجہ پندارد کہ مرد واصل است — حاصل خواجہ بجز پندار نیست[1]

تو وہ سبحانہٗ وتعالیٰ وراء الوراء ہے۔ اس عالم خلق سے اوپر عالم امر ہے۔ اور عالم سے اوپر اسماء اور شیونات کے مراتب ہیں ظلالاً و اصالۃً' اجمالاً اور تفصیلاً۔ اور ان مراتب ظلی و اصلی' کونی و الٰہی اور اجمالی و تفصیلی سے اوپر مطلوب حقیقی کو تلاش کرنا چاہیے ـــــ دیکھیے کس خوش نصیب کو اس جستجو سے نوازتے ہیں اور کس صاحب دولت کو اس سعادت سے مشرف فرماتے ہیں۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ

[1] حضرت صاحب کا گمان ہے کہ مطلوب سے واصل ہو چکے ہیں۔ حالانکہ انھیں صرف یہ بے بنیاد گمان ہی حاصل ہے۔ حقیقۃً کچھ بھی انہیں حاصل نہیں۔

العظیمہ۔ ہمت بلند رکھنی چاہیے اور جو کچھ راہ میں ہاتھ آجائے اسی پر قناعت نہیں کرنی چاہیے۔ اور وراء الوراء میں اپنا مطلوب تلاش کرنا چاہیے ؎

کیف[1] الوصول الی سعاد ودونھا

قلل الجبال ودونھن خیوف

تنبیہ آخر:

دوام وصل اور استمرار وقت اس شخص کے لیے تسلیم کیا جا سکتا ہے جو فنائے مطلق کے بعد بقا باللہ کے ساتھ موصوف اور اس کا علم حصولی علم حضوری سے تبدیل ہو چکا ہو۔ ہم اس بحث کو زیادہ واضح اور روشن طریقہ سے بیان کرتے ہیں:

جان لے کہ عالم کو جو علم اپنی ذات کے سوا حاصل ہوتا ہے وہ عالم کے ذہن میں حصولِ صورت کے طریقہ سے ہوتا ہے اسے علم حصولی کہتے ہیں۔ اور جو علم حصول صورت کا محتاج نہیں ہوتا اور وہ عالم کی اپنی ذات کا علم ہے، یہ علم حضوری ہے۔ کیونکہ اس میں ذات بنفسہا عالم کے سامنے حاضر ہوتی ہے۔ اور علم حصولی میں جب تک معلوم کی صورت ذہن میں موجود رہتی ہے اس وقت تک عالم معلوم کی طرف متوجہ رہتا ہے۔ اور جب وہ صورت ذہن سے زائل ہو گئی تو ذہن کی وہ توجہ بھی زائل ہو جاتی ہے۔ پس علم حصولی میں دوام توجہ محال عادی ہے۔ بخلاف علم حضوری کے کہ اس میں معلوم سے غفلت غیر مقصود ہے۔ کیونکہ اس کے تحقق کا منشا عالم کی ذات کا حضور ہے۔ اور جب یہ حضور دائمی ہے تو ذات کا علم بھی دائمی ہوگا۔ اپنی ذات سے توجہ کا زوال ممکن نہیں۔ اور بقا باللہ کے مقام میں علم حضوری ہوتا ہے جس کا زوال نہیں ہو سکتا۔

یہ گمان نہ کرنا کہ بقا باللہ اس امر سے عبارت ہے کہ تو اپنے آپ کو حق تعالیٰ کا عین پائے۔ جیسا کہ اس گروہ کے بعض لوگوں نے حق الیقین کی یہی تعبیر کی ہے۔ بات اس طرح نہیں۔ بقا باللہ جو فنائے مطلق کے بعد میسر آتی ہے اس قسم کے علوم سے مناسبت نہیں رکھتی۔ یہ مذکورہ حق الیقین جو بعض نے کہا ہے اس بقا کے مناسب ہے جو جذبہ میں حاصل ہوتا ہے۔ وہ بقا جو ہمارا مقصود ہے، اور ہے ع

ذوق[2] ایں مے نشناسی بخدا تا نچشی

---

[1] سعاد (معشوقہ) تک وصول کس طرح ممکن ہے جبکہ میرے اور اس کے درمیان پہاڑوں کی بلند چوٹیاں اور نشیب و فراز حائل ہیں۔

[2] بخدا اس شراب کو چکھنے سے پہلے تم نہیں پہچان سکتے۔

پس استمرار توجہ اور دوام حضور بقا باللہ کی صورت میں موجود ہوتی ہے۔ بقا باللہ کے ساتھ موصوف ہونے سے قبل دوام ممکن نہیں۔ اگرچہ بہت سے حضرات کو اس مقام میں پہنچنے سے پہلے اس معنی کا وہم ہوتا ہے۔ خاصکر طریقہ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم ہیں۔ اور حق بات وہی ہے جس کی میں نے تحقیق کی ہے' اور درست وہی چیز ہے جس کا مجھے الہام ہوا ہے۔

والیہ تعالیٰ اعلم بالصواب' واللہ تعالیٰ المرجع والمآب۔ والحمد للہ رب العالمین اولاً و آخراً والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہٖ دائماً سرمداً۔

مکتوب نمبر ۲۸۶

امان اللہ فقیہ کی طرف صادر فرمایا:

اعتقاد صحیح کے بیان میں جو آرائے صائبہ اہل سنت وجماعت کے موافق کتاب و سنت سے ماخوذ ہے۔ اور اس جماعت کا رد جس نے اہل سنت وجماعت کے معتقدات کے خلاف سمجھا ہے یا اہلِ حق کے خلاف کشف سے معلوم کیا ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

جان لے ارشدک اللہ تعالیٰ والھمک سواء الصراط [1] کہ سالک کے طریق کی جملہ ضروریات میں ایک اعتقاد صحیح ہے جسے علمائے اہل سنت وجماعت نے کتاب و سنت اور آثار سلف سے استنباط کیا ہے اور کتاب و سنت کو ان معانی پر محمول کرنا جنہیں جمہور علماء اہل حق یعنی اہل سنت وجماعت نے کتاب و سنت سے سمجھا ہے' بھی ضروری ہے۔ اور اگر بالفرض ان معانی مفہومہ کے خلاف کشف والہام سے کوئی چیز ظاہر ہو تو اس کا اعتبار کرنا چاہیے اور ان سے پناہ پکڑنی چاہیے۔

مثلاً آیات واحادیث جن کے ظاہر سے توحید وجودی مفہوم ہوتی ہے۔ اسی طرح احاطہ وسریان اور قرب ومعیت ذاتی معلوم ہوتی ہے۔ جب علمائے حق نے ان آیات واحادیث سے یہ معنی نہیں سمجھے تو اگر دوران راہ سالک پر یہ معانی منکشف ہوں' یا ایک ذات کے سوا کسی کو موجود نہ پائے' یا اسے محیط بالذات اور اس کا قرب ذاتی جانے تو اس وقت اگرچہ غلبہ حال اور سکر وقت کی وجہ سے معذور ہے لیکن چاہیے کہ ہمیشہ حق سبحانہ وتعالیٰ سے التجا اور تضرع کرے کہ اسے اس گرداب سے باہر نکال کر ان امور کا اس پر

[1] اللہ تعالیٰ تجھے سیدھی راہ پر چلنے کی ہدایت اور اس کا الہام فرمائے۔

انکشاف کرے جو آرائے صائبہ علماء اہل حق کے مطابق ہیں۔ اور ایک بال برابر بھی ان کے معتقدات حقہ کے خلاف ظاہر نہ کرے۔ خلاصہ یہ ہے کہ معانی مفہومہ علماء اہل حق کو کشف کی صداقت کا نشان قرار دے اور اپنے الہام کی کسوٹی ان کے سوا کسی شے کو قرار نہ دے۔ کیونکہ وہ معانی جو ان علمائے حق کے معانی مفہومہ کے خلاف ہوں درجہ اعتبار سے ساقط ہیں۔ کیونکہ ہر بدعتی اور گمراہ اپنے معتقدات کا معتمد کتاب و سنت ہی کو جانتا ہے اور اپنے ردی افہام کی وجہ سے کتاب و سنت سے معانی غیر مطابقہ سمجھ لیتا ہے:

يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا — اللہ اس کے ساتھ بہت کو گمراہ کرتا ہے اور بہت لوگوں کو ہدایت دیتا ہے۔

اور یہ جو میں نے کہا ہے کہ علمائے اہل حق کے سمجھے ہوئے معانی ہی لائق اعتبار ہیں اور اس کے خلاف معتبر نہیں، اس بنا پر ہے کہ انہوں نے یہ معانی صحابہ اور سلف صالحین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے آثار اور تتبع سے اخذ کیے ہیں اور ان کی ہدایت کے ستاروں کے انوار سے حاصل کیے ہیں۔ اس لیے نجات ابدی انہی کے ساتھ مخصوص ہو گئی اور فلاح سرمدی ان کا حصہ قرار پائی:

أُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ۚ أَلَآ إِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ[1] — یہی لوگ اللہ کا گروہ ہیں سن لو کہ اللہ کا گروہ ہی فلاح پانے والا ہے۔

اور اگر بعض علماء درستی اعتقاد کے باوجود اعمال میں سستی اور کوتاہیوں کے مرتکب ہیں ان کو دیکھ کر مطلق علماء کا انکار کرنا اور سب کو مطعون کرنا محض بے انصافی اور بے بنیاد مکابرہ ہے۔ بلکہ اکثر ضروریات دین کا انکار ہے۔ کیونکہ ان ضروریات کے ناقل یہی علماء کرام ہیں اور کھرے کھوٹے کی پرکھ کرنے والے یہی حضرات ہیں۔ اگر ان کا نور ہدایت نہ ہوتا تو ہم ہدایت نہ پاتے۔ اور اگر وہ درست کو خطا سے الگ نہ کرتے تو ہم گمراہ ہو جاتے۔ یہ علماء ہی ہیں جنہوں نے دین قویم کا کلمہ بلند کرنے میں اپنی ساری قوت صرف کر دی۔ اور بے شمار لوگوں کو صراط مستقیم پر چلایا۔ تو جس نے ان کی پیروی کی، نجات اور فلاح پا گیا۔ اور جو ان کا مخالف ہوا وہ خود بھی گمراہ اور دوسروں کو بھی گمراہ کرنے کا باعث بنا۔

جاننا چاہیے کہ آخر کار صوفیہ کرام کے معتقدات بھی تمام منازل سلوک طے کرنے اور درجات ولایت کی نہایت کے بعد انہیں علماء اہل حق کے معتقدات ہیں۔ غایۃ ما فی الباب اتنی بات ہے کہ علماء کے لیے ان معتقدات کا حصول نقل یا استدلال سے ہے اور صوفیہ کے لیے کشف یا الہام کے ذریعہ۔ اگرچہ بعض صوفیہ کو راہ سلوک کے درمیان سکر وقت اور غلبۂ حال کے باعث ان معتقدات کے خلاف کچھ امور ظاہر ہوتے ہیں

[1] پارہ ۲۸، سورہ مجادلہ۔

لیکن اگر انہیں ان مقامات سے گزار کر نہایت کار تک نہ پہنچادیں تو پھر وہ مخالف باتیں بے مقدار ذرات کی طرح اڑ جاتی ہیں۔ اور اگر انہیں نہایت کار تک نہ پہنچائیں تو وہ اسی مخالفت پر قائم رہتے ہیں لیکن امید ہے کہ انہیں اس پر گرفت نہیں کریں گے۔ ایسے صوفیہ کا حکم مجتہد مخطی کا حکم ہے۔ مجتہد نے استنباط میں خطا کی اور ان سے کشف میں خطا واقع ہوگئی۔

اس گروہ کے بعض لوگوں کی مخالف باتوں میں سے ایک تو وحدت وجود کا حکم اور احاطہ اور قرب اور معیت ذاتی کا قول ہے، جیسا کہ پہلے گزرا۔

دوسری مخالف بات یہ ہے کہ وہ خارج میں ذات واجب عز سلطانہٗ سے زائد وجود کے ساتھ صفات سبعہ یا ثمانیہ کا انکار کرتے ہیں۔ حالانکہ علمائے اہل سنت وجماعت صفات کو موجود جانتے اور خارج میں ذات تعالیٰ کے وجود سے ان کا زائد وجود تسلیم کرتے ہیں۔ ان صوفیہ میں یہ انکار اس بنا پر پیدا ہوا کہ اس وقت ان کو صفات کے آئینہ میں ذات تعالیٰ وتقدس کا شہود ہوتا ہے۔ اور یہ بات سب کے علم میں ہے کہ آئینہ دیکھنے والے کی نظر سے پوشیدہ ہوتا ہے۔ پس اس پوشیدگی کی وجہ سے خارج میں صفات کے وجود کو معدوم خیال کرتے ہیں اور یہ گمان کرتے ہیں کہ اگر صفات موجود ہوتیں تو مشہود بھی ہوتیں۔ لہٰذا جب ان کا شہود نہیں تو ان کا وجود بھی نہیں۔ اور اپنے اس فیصلے کے تحت علماء پر وجود صفات تسلیم کرنے کی وجہ سے اعتراض کرتے ہیں بلکہ کفر اور بت پرستی کا حکم لگاتے ہیں۔ اَعاذَنا اللہ سُبحانہ عن الجرأۃ فی الطعن۔[1]

اور اگر ان صوفیہ کو اس مقام سے ترقی واقع ہوتی اور ان کا شہود اس پردہ سے باہر آجاتا اور صفات کے آئینہ ہونے کی کیفیت زائل ہو جاتی تو صفات کو ذات سے جدا دیکھتے اور صفات کا انکار نہ کرتے۔ اور ان کا کام اکابر علماء پر طعن و اعتراض تک نہ پہنچتا۔

ان صوفیہ کی علماء اہل حق کے خلاف تیسری بات یہ ہے کہ بعض امور پر ایسا حکم لگاتے ہیں جو ایجاب واجب تعالیٰ وتقدس کو مستلزم ہے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ پر لفظ ایجاب کا اطلاق نہیں کرتے اور ارادے کا اثبات کرتے ہیں لیکن فی الحقیقت ارادے کی نفی کرتے ہیں۔ اور اس حکم میں تمام اہل شرائع کی مخالفت کرتے ہیں۔

صوفیہ کی مخالف باتوں میں سے چوتھی بات یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ حق سبحانہٗ قادر ہے۔ قدرت بمعنی ان شاء فعل وان لم یشاء لم یفعل کے ساتھ۔ یعنی اگر چاہے تو کرے اور اگر نہ چاہے تو نہ کرے۔

---

[1] اللہ سبحانہٗ ہمیں اعتراض کی جرأت سے بچائے۔

پہلے قضیہ شرطیہ کو واجب الصدق جانتے ہیں اور دوسرے کو ممتنع الصدق۔ اور اسی قول سے ایجاب لازم آتا ہے۔ بلکہ یہ قدرت کے اس معنی کا انکار ہے جو اہل ملل کے نزدیک متعین ہے۔ کیونکہ اہل ملل کے نزدیک قدرت بمعنی صحت فعل و ترک ہے۔ اور ان صوفیہ کے قول سے وجوب فعل اور امتناع ترک لازم آتا ہے۔ پس اس معنی کی اہل ملل کے بیان کردہ معنی سے کیا نسبت۔ اس مسئلہ میں ان بعض صوفیہ کا مذہب بعینہ حکماء کا مذہب ہے۔ اور قضیۂ اولیٰ کو واجب الصدق اور دوسرے کو ممتنع الصدق تسلیم کرتے ہوئے ارادے کا اثبات کرنا اور اس اثبات کے واسطے اپنے آپ کو حکما سے جدا کرنا کچھ سود مند نہیں۔ کیونکہ ارادہ دو متساوی چیزوں میں سے ایک کی تخصیص کا نام ہے۔ اور جب تساوی نہیں تو ارادہ بھی منتفی ہے۔ اور یہاں وجوب اور امتناع کے درمیان تساوی معدوم ہے۔ فافہم۔

ان بعض صوفیہ کی مخالف باتوں میں سے پانچویں بات یہ ہے کہ یہ حضرات مسئلہ قضاء و قدر کی ایسے طریقہ پر تحقیق کرتے ہیں جس کے ظاہر سے ایجاب لازم آتا ہے۔ اور اس مبحث میں ان کی عبارتوں سے ایک عبارت یہ ہے:

الحاکم محکوم والمحکوم حاکم یعنی حاکم محکوم ہے اور محکوم حاکم ہے۔

حق تعالیٰ پر کسی شئے کو واجب ماننے سے قطع نظر حق سبحانہ کو کسی کا محکوم کہنا اور اس پر کوئی حاکم مسلط کرنا بہت بری بات ہے:

اِنَّھُمْ لَیَقُوْلُوْنَ مُنْکَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا۔ بیشک یہ لوگ ایک بُری اور جھوٹ بات کہتے ہیں۔

ان صوفیہ کی اس طرح کی مخالف باتیں اور بھی بہت ہیں۔ جیسے رویتِ حق تعالیٰ کو ممکن نہ جاننا مگر صرف تجلی صوری کی صورت میں۔ اور یہ قول حق تعالیٰ کے انکار رویت کو مستلزم ہے۔ اور وہ رویت جیسے تجلی صوری کی شکل میں انہوں نے جائز مانا ہے، حق تعالیٰ سبحانہ کی رویت نہیں بلکہ وہ شبہ اور مثال کی ایک قسم ہے ؎

یراہ المؤمنون بغیر کیف وادراک وضرب من مثال[1]

اور بعض صوفیہ کا یہ قول بھی اہل اسلام کے مخالف ہے کہ کاملین کی ارواح قدیم اور ازلی ہیں۔ ان کا یہ قول سراسر اہل اسلام کے خلاف ہے۔ کیونکہ اہل اسلام کے نزدیک عالم اپنے تمام اجزاء کے ساتھ حادث ہے۔ اور کاملین کی ارواح بھی عالم میں سے ہیں۔ کیونکہ عالم جمیع ماسوی اللہ کا نام ہے۔ فافہم

[1] مومن خدا تعالیٰ کو بے کیف اور بلا ادراک اور بغیر مثال کے دیکھیں گے۔

پس سالک کو چاہیے کہ حقیقت کار تک پہنچنے سے قبل کشف والہام کی مخالفت کے باوجود علماء اہل حق کی تقلید کو لازم جانے اور علماء کو محق اور اپنے آپ کو مخطی تصور کرے کیونکہ علماء تقلید انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات سے استناد پکڑتے ہیں جو وحی قطعی سے مؤید ہیں اور خطا اور غلط سے معصوم ہیں۔ اور سالک کا کشف الہام وحی سے ثابت شدہ احکام سے مخالفت کی صورت میں خطا اور غلط ہے۔ تو اپنے قول کو علماء کے قول پر مقدم رکھنا حقیقت میں نازل شدہ احکام قطعیہ پر مقدم رکھنے کے مترادف ہے۔ اور یہ عین ضلالت اور محض خسارہ ہے۔

نیز جس طرح کتاب وسنت کے مطابق اعتقاد رکھنا ضروری ہے اسی طرح کتاب وسنت پر اس طریقہ کے مطابق جو ائمہ مجتہدین نے ان سے استنباط فرمایا ہے اور ان سے حلال وحرام فرض وواجب اور سنت ومستحب اور مکروہ ومشتبہ احکام پر عمل کرنا اور ان کا علم حاصل کرنا بھی ضروری ہے۔ اور مقلد کو اس امر کی اجازت نہیں[1] کہ مجتہد کی رائے کے خلاف از خود ہی کتاب وسنت سے احکام اخذ کرتا پھرے۔ اور ان پر عمل کرے۔ ہر عمل میں اپنے مجتہد مذہب میں جس کا تابع ہے قول مختار کو اختیار کرے اور رخصت سے بچتے ہوئے عزیمت پر عمل کرے۔ اور حتی الامکان اقوال مجتہدین کے جمع کرنے میں پوری کوشش کرے تاکہ متفق علیہ قول پر عمل واقع ہو۔ مثلاً امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ وضو میں نیت کرنا فرض قرار دیتے ہیں۔ تو چاہیے کہ بے نیت وضو نہ کرے۔ اسی طرح امام شافعی وضو میں ترتیب اور پے در پے دھونے کو لازم جانتے ہیں، تو ترتیب اور پے در پے کا خیال رکھے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اعضا دھوتے وقت ان کو ملنا فرض جانتے ہیں، تو چاہیے کہ یہ بھی اعضاء کو مل کر دھوئے۔ اسی طرح یہ ائمہ عورت کو چھونے اور ذکر کو ہاتھ لگانے کو وضو ٹوٹنے کا سبب قرار دیتے ہیں، تو چاہیے کہ عورت کو چھونے اور ذکر کو ہاتھ لگانے کی صورت میں نیا وضو کرے۔ علیٰ ہٰذا القیاس۔

یہ دو اعتقادی اور عملی پر حاصل ہونے کے بعد قرب ایزدی جل شانہٗ کے مدارج عروج کی طرف

---

[1] اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ السامی مسئلہ تقلید میں متصلب اور پختہ تھے۔ بعض غیر مقلد حضرات کا یہ کہنا کہ "وہ فرعی مسائل میں بڑی آزادی سے امام شافعی کے ساتھ بعض اہم مسائل مختلف فیہ پر اتفاق فرماتے اور اس کے باوجود وہ حنفی کہلانے میں مسرت محسوس کرتے یہ اس علمی جہاد کا اثر تھا جو حضرت مجدد نے فقہی جمود کے خلاف فرمایا۔" حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کے بیان کردہ مسلک وعقیدہ کے خلاف ہے۔ حضرت امام ربانی علیہ الرحمۃ نے دوسرے کئی مقامات پر اپنے امام کی تقلید پر زور دیا ہے۔ اس سلسلے میں مکتوب نمبر ۳۱۲ دفتر اوّل کا مطالعہ کرنا چاہیے جس میں آپ نے رفع سبابہ کا مسئلہ بیان فرمایا ہے۔

متوجہ ہو اور تاریک اور نورانی راستوں اور منزلوں کے طے کرنے کا طالب بنے۔ لیکن سالک کے ذہن میں یہ بات موجود رہنی چاہیے کہ منازل و مدارج عروج کا طے کرنا کامل مکمل، راہ دان، راہ بین اور راہ نما شیخ مقتدا کی توجہ اور تصرف سے وابستہ ہے۔ جس کی نظر امراض قلبیہ سے شفا بخشتی ہے اور توجہ اور اخلاق ردیہ ناپسندیدہ کو دفع کرتی ہے۔ لہٰذا سالک کو چاہیے کہ پہلے شیخ کامل تلاش کرے۔ اگر محض فضل ایزدی جل شانہٗ سے اسے شیخ کامل بتا دیں تو ایسے شیخ کی معرفت و پہچان کو نعمت عظمیٰ تصور کرتے ہوئے خود کو اس کے آستانے کا ملازم بنا دے اور مکمل طور پر اس کے تصرفات کا مطیع کر دے۔ شیخ الاسلام ہروی فرماتے ہیں:

"یا الٰہی! تو نے اپنے دوستوں کو کیا کر دیا ہے کہ جس نے انہیں شناخت کر لیا، تجھے پا لیا اور جب تک تجھے نہ پایا ان کی شناخت نہ کر سکا۔"

اپنے اختیار کو بالکلیہ شیخ کے اختیار میں گم کر دے اور اپنے آپ کو تمام مرادوں سے خالی کر کے اپنی کمر ہمت اس کی خدمت کے لیے باندھے۔ اور جس کام کے متعلق شیخ اسے حکم دے، اپنے لیے سرمایہ سعادت جانتے ہوئے بجا آوری میں پوری کوشش کرے۔ شیخ مقتدا اگر ذکر کو اس کی استعداد کے مناسب پائیگا تو اسے ذکر کی تلقین کرے گا اور توجہ اور مراقبہ مناسب ہوگا تو اس کا اشارہ کرے گا۔ اور اگر صرف صحبت کو ہی کافی جانے گا تو صحبت اختیار کرنے کا حکم دے گا۔ مختصر یہ کہ صحبت شیخ کی موجودگی میں راہ سلوک کی شرائط میں سے کسی شرط کے تحت ذکر کی حاجت نہیں۔ بلکہ جو کچھ طالب صادق کے حال کے مناسب جانے گا اس کا حکم دے گا۔ اور اگر راہ کی شرائط میں سے کسی امر میں اس سے کوتاہی واقع ہوگی تو شیخ کی صحبت اس کی تلافی کرے گی اور اس کی توجہ اس کے نقصان کو پورا کر دے گی۔

اور اگر اس طرح کے شیخ مقتدا کی صحبت کے شرف سے مشرف نہ ہوا تو اگر یہ سالک مرادوں میں سے ہوگا اسے اپنی طرف کھینچ لیں گے اور محض عنایت بے غایت سے اس کے کام کو پورا کر دیں گے۔ اور جو شرط یا ادب درکار ہوگا اسے بتا دیں گے۔ اور منازل سلوک طے کرنے میں بعض اکابر کی روحانیات کو اس کی راہ کے وسائل و ذرائع بنا دیں گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عادت کے مطابق راہ سلوک طے کرنے میں بعض اکابر کی روحانیات کو اس کی راہ کے وسائل و ذرائع بنا دیں گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عادت کے مطابق راہ سلوک طے کرنے میں مشائخ کی روحانیات کا واسطہ درکار ہوتا ہے۔

اور سالک اگر مریدوں میں سے ہو تو شیخ مقتدا کے وسیلہ کے بغیر اس کا چلنا خطرے سے خالی نہیں۔ شیخ کامل سے ملاقات اور اس کی صحبت نصیب ہونے تک چاہیے کہ طالب صادق حق سبحانہٗ کی بارگاہ

میں التجا وزاری کرتا رہے کہ اللہ اسے شیخ مقتدا سے ملا دے۔ نیز یہ بھی ضروری ہے کہ راستے کی شرائط کو لازم جانے۔ شرائط مشائخ طریقت کی کتابوں میں بہ تفصیل مذکور ہیں' وہاں سے ملاحظہ کرکے ان کی رعایت کرے۔

راہ طریقت کی شرائط میں سے بڑی شرط نفس کی مخالفت ہے۔ اور یہ مخالفت مقام ورع و تقویٰ کی رعایت کرنے پر موقوف ہے۔ اور یہ مقام ورع و تقویٰ حرام کاموں سے بچنے سے عبارت ہے۔ اور حرام اشیاء سے بچنے کی اس وقت تک کوئی صورت نہیں جب تک سالک فضول مباحات سے اجتناب نہ کرے۔ کیونکہ مباحات کے ارتکاب میں نفس کی لگام ڈھیلی رکھنا مشتبہ امور تک پہنچا دیتا ہے اور مشتبہ حرام کے نزدیک ہے۔ اور اس طرح حرام میں مبتلا ہو جانے کا احتمال بڑا قوی ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

مَنْ حَامَ حَوْلَ الْحِمٰى يُوْشِكُ اَنْ يَّقَعَ فِيْهِ[1] — جو شخص چراگاہ کے اردگرد پھرتا ہے قریب ہے کہ اس کے اندر داخل ہو جائے۔

پس محرمات سے اجتناب فضول مباحات سے اجتناب پر موقوف ہے۔ لہٰذا ورع اور تقویٰ کے حصول کے لیے فضول مباحات سے اجتناب کی رعایت کرنا بھی ضروری ہے۔

ترقی اور عروج ورع اور تقویٰ سے وابستہ ہے۔ اس کا بیان اس طرح ہے کہ اعمال کے دو جزو ہیں: اوّل امر کو بجالانا اور دوم نواہی سے بچنا۔ اوامر کے بجالانے میں فرشتے بھی انسان کے ساتھ شریک ہیں اور صرف اوامر کے بجالانے سے ترقی واقع ہوتی تو فرشتے بھی ضرور ترقی کرتے۔ اور نواہی سے بچنا فرشتوں میں نہیں کیونکہ وہ فطرتاً گناہوں سے معصوم ہیں' مخالفت کی مجال نہیں رکھتے' تاکہ انہیں روکنے کی ضرورت پیش آئے۔ تو اس سے لازم آیا کہ ترقی اس جزو دوم سے وابستہ ہے۔ اور یہ اجتناب سراسر مخالفت نفس کا نام ہے۔ کیونکہ شریعت خواہشاتِ نفسانی کو دور کرنے اور تاریک اور غلط رسوم کو دفع کرنے کے لیے وارد و نازل ہوئی ہے۔ اس لیے کہ نفس کی طبیعت کا تقاضا یا حرام کا ارتکاب ہوتا ہے یا فضول کا اختیار کرنا جو انجام کار حرام تک پہنچا دیتا ہے۔ پس حرام اور فضول سے بچنا عین مخالفتِ نفس ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اوامر کی بجا آوری میں بھی نفس کی مخالفت ہے۔ کیونکہ نفس نہیں چاہتا کہ عبادات میں مشغول ہو۔ لہٰذا اوامر کا بجالانا بھی ترقی کو مستلزم ہے۔ اور ملائکہ میں چونکہ بجا آوری میں بھی مخالفت مفقود ہے' اس لیے وہ ترقی کا باعث نہیں۔ لہٰذا یہ قیاس مع الفارق ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ادائے عبادات میں نفس کی عدم رضا اس وجہ سے ہے کہ وہ فراغت کا طالب ہے۔ نہیں چاہتا کہ اپنے آپ کو کسی چیز سے

[1] بخاری و مسلم شریف بروایت نعمان بن بشیر والحدیث طویل وہٰذا قطعۃ منہ

مقید کرے اور یہ فراغت اور بے قید رہنا حرام یا کم از کم فضول میں داخل ہے۔ پس اوامر کے بجالانے میں بھی نفس کی مخالفت اس حرام یا فضول سے اجتناب کی بنا پر ہے۔ نہ صرف ادائے اوامر کی بنا پر جو فرشتوں کو بھی حاصل ہے۔ لہٰذا قیاس بالکل درست ہے۔ اس لیے ہر وہ طریقہ جس میں نفس کی مخالفت زیادہ ہے' حق جل وعلا تک پہنچانے میں سب طریقوں سے زیادہ قریب ہوگا۔ اور اس میں کچھ شک نہیں کہ مخالفتِ نفس کی رعایت میں طریقہ علیہ نقشبندیہ سب سے بڑھا ہوا ہے۔ کیونکہ ان بزرگوں نے عزیمت پر عمل اختیار کیا ہے' اور رخصت سے اجتناب کرتے ہیں۔ اور سب جانتے ہیں کہ عزیمت میں دونوں جزؤں (حرام اور فضول سے اجتناب) کی رعایت ملحوظ رکھی گئی ہے۔ بخلاف رخصت کے کہ اس میں صرف حرام سے اجتناب ہے۔

اگر کہا جائے' ہو سکتا ہے کہ دوسرے طریقوں نے بھی عزیمت کو اختیار کیا ہو۔ تو میں کہتا ہوں کہ اکثر طریقوں میں سماع اور رقص کا جواز تسلیم کیا گیا ہے۔ جس کی نوبت حیلہ ہائے بسیار کے بعد صرف رخصت تک پہنچتی ہے۔ اس میں عزیمت کی کیا گنجائش ہو سکتی ہے؟ اسی طرح ذکر جہر کہ اس کا جواز بھی رخصت کی حد تک ہی متصور ہو سکتا ہے۔ نیز دوسرے سلاسل کے مشائخ نے بعض حقانی نیتوں کے تحت نئے نئے امور جاری کیے ہیں جن کی نہایت درستی صرف رخصت تک ہے۔ بخلاف اس سلسلہ علیہ کے اکابر کے کہ یہ ایک بال برابر بھی سنت کی مخالفت جائز نہیں رکھتے۔ اور اپنی طرف سے نئی چیزیں لانا اور پیدا کرنا روا نہیں رکھتے۔

پس نفس کی مخالفت اس طریقہ میں بروجہ اتم ہے۔ لہٰذا یہی طریقہ سب طریقوں سے اقرب ہے۔ اس لیے طالب کے لیے یہ طریقہ اختیار کرنا اولیٰ اور انسب ہے۔ کیونکہ یہ نہایت ہی قریب ترین راہ ہے اور ان بزرگوں کا مطلب و مقصود بھی کمال باتمن پر واقع ہے۔ ان نقشبندی بزرگوں کے متاخرین خلفا کی ایک جماعت نے ان بزرگوں کے طور و انداز چھوڑ کر بعض نئی باتیں اس طریقہ میں نکال لی ہیں اور سماع اور رقص اور ذکر جہر اختیار کر لیا ہے۔ اس کا منشا ان بزرگ خانوادہ کے اکابر کی نیتوں کی حقیقت تک نہ پہنچنا ہے۔ ان متاخرین کا خیال ہے کہ محدثات اور مبتدعات سے اس طریقہ کی تکمیل و تتمیم کر رہے ہیں۔ نہیں کہ اس طرح یہ اس طریقہ کی تخریب اور اسے ضائع کرنے میں کوشاں ہیں۔ وَاللّٰہُ یُحِقُّ الْحَقَّ وَھُوَ یَھْدِی السَّبِیْلَ۔

مکتوب نمبر ۲۸۷

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کے برادر حقیقی خانِ آگاہ میاں غلام محمد کی طرف صادر فرمایا۔ جذبہ اور سلوک اور ان معارف کے بیان میں جو ان دو مقاموں کے مناسب ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدَانَا لِھٰذَا وَمَا کُنَّا لِنَھْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ ھَدٰنَا اللّٰہُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ وَخَتَمَھُمْ بِاَفْضَلِھِمْ وَاَکْمَلِھِمْ مُحَمَّدِنِ الَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ صَلَوَاتُ اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ وَبَرَکَاتُہٗ وَتَحِیَّاتُہٗ عَلَیْہِ وَعَلٰٓی اٰلِہٖ وَعَلَیْھِمْ وَعَلٰی مَنْ تَابَعَھُمْ اَجْمَعِیْنَ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ اٰمِیْن۔

تمام تعریفیں اللہ کے لیے جس نے ہمیں اس کی ہدایت دی اور ہم ہدایت یافتہ نہ ہو سکتے اگر وہ ہم کو ہدایت نہ دیتا۔ بیشک اس کے رسول حق لے کر تشریف لائے اور نبیوں کے سلسلے کو ان کے افضل واکمل نبی حضرت محمد پر جو سچا دین لے کر تشریف لائے، ختم فرمایا صلوات اللہ سبحانہ وبرکاتہ وتحیاتہ علیہ وعلیٰ آلہ وعلیہم وعلیٰ من تابعہم اجمعین الیٰ یوم الدین آمین۔

جب یہ بات دیکھنے میں آئی ہے کہ طالبانِ طریقت کمی ہمت اور پستی فطرت اور شیخ کامل مکمل کی صحبت نصیب نہ ہونے کے باعث راہِ طویل اور مطلب بلند کو چھوڑتے راستے اور پست مقصد میں پڑ کر نیچے لے آئے ہیں۔ اور راستے ہیں جو بھی حقیر اور معمولی چیز انہیں میسر آئی اسی پر کفایت کر لی اور اسی کو اپنا مقصد گمان کر لیا۔ اور اپنے آپ کو اتنا کچھ حاصل ہونے پر کامل و منتہی خیال کرتے ہوئے منتہی حضرات اور واصلانِ درگاہ کو ان حالات کے بیان فرمانے پر جو انہیں انجام کار اور نہایت پر جاکر میسر آتے ہیں اس پست فطرت جماعت نے قوتِ متخیلہ کے غلبہ کے باعث ان احوال کاملہ کو اپنے احوال ناقصہ سے مطابق کیا ہے۔ یہ تو وہ قصہ ہوا۔ ع

بخواب اندر مگر موشے شتر شد[1]

ان کم ہمت لوگوں نے نہایت گہرے سمندر سے ایک قطرے بلکہ صورت قطرہ اور دریائے عمان سے ایک چھینٹے بلکہ صورت چھینٹے پر قناعت کر لی ہے۔ چون کو بے چون تصور کرتے ہوئے بے چون کو چھوڑ کر

[1] خواب میں چوہا اُونٹ بنا ہوا نظر آیا۔

بے چون کے ساتھ آرام پذیر ہو گئے ہیں۔ مثل کو بے مثل خیال کرتے ہوئے بے مثل ذات کو بھلا کر مثل پر فریفتہ ہو چکے ہیں۔ ان کے برعکس اس جماعت (عوام مسلمین) کے حالات جو تقلید سے بے چون ذات پر ایمان لائے ہیں اور بے مثل ذات کے گرویدہ ہو چکے ہیں، ان ناتمام سلوک والوں اور سراب کے ساتھ آرام پکڑنے والے تصنعنہ لیوں کے حالات سے کئی مرتبے بہتر ہیں۔ محق اور مبطل اور مصیب کے درمیان بہت فرق ہے۔ ان مطلب نارسیدہ طالبوں پر افسوس جو محدث کو قدیم اور چون کو بے چون خیال کرتے ہیں، اگر ان کے کشف غیر صحیح پر انہیں معذور قرار نہ دیا گیا اور اس خطا اور غلطی پر ان کا مواخذہ کیا گیا ——
—— اے اللہ ہمارا مواخذہ نہ کر اگر ہم بھول جائیں یا خطا کر بیٹھیں۔

نارسیدہ طالب کی مثال اس شخص کی سی ہے جو کعبہ جانے کا طالب ہوا اور شوق سے اس تک پہنچنے کی طرف متوجہ ہوا۔ اتفاق سے راستہ میں اسے خانہ کعبہ کی مثل ایک مکان نظر آیا۔ اگرچہ وہ مشابہت صرف صورت میں ہے۔ اس شخص نے خیال کیا کہ یہی مکان کعبہ ہے اور وہاں معتکف ہو گیا۔

اس کے برعکس دوسرا شخص جس نے واصلان کعبہ سے کعبے کے خواص معلوم کر کے اس کی تصدیق کی ہو تو اس شخص نے اگرچہ طلب کا کوئی قدم بھی کعبے کی طرف نہیں اُٹھایا، لیکن اس نے غیر کعبہ کو کعبہ نہیں سمجھا، اور اپنی تصدیق میں سچا ہے، اس کا حال خطا میں مبتلا ہو جانے والے مذکورہ طالب سے بہتر ہے۔

ہاں اس طالب کا حال جو ابھی مطلب تک نہیں پہنچا، لیکن غیر مطلب کو مطلب بھی نہیں جانتا، مقلد محق سے جس نے مطلب کے راستے کی طرف قدم نہیں اٹھایا، بہتر ہے۔ کیونکہ اس نے مطلوب کی درست تصدیق کے ساتھ ساتھ راہِ مطلوب کی مسافت کا کچھ حصہ بھی طے کر لیا ہے۔ لہٰذا فضیلت اس کے لیے ثابت ہے۔

اور ان میں سے بھی ایک گروہ نے خیالی کمال اور وہمی وصال کی بنا پر اپنے آپ کو شیخی کے مسند اور خلقت کی پیشوائی کی طرف کھینچ لائے ہیں اور اپنے نقصان کے سبب بہت سے کمالات کی استعداد رکھنے والے ذی استعداد لوگوں کی استعداد کو ضائع کر چکے ہیں۔ اور اپنی صحبت کی ٹھنڈک کی شومی کے باعث طالبوں کی طلب کی حرارت کو زائل کر چکے ہیں۔ ضلوا فاضلوا ضاعوا فاضاعوا۔ خود بھی گمراہ تھے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا اور خود بھی ضائع ہوئے اور دوسروں کو بھی ضائع کیا۔

کمال کا یہ تخیل اور وصال کا یہ وہم سلوک نامکمل کردہ مجذوبوں میں بذریعہ جذب نہ پہنچنے والے سالکوں کی نسبت زیادہ ہوتا ہے۔ اس لیے مبتدی اور منتہی صورتِ جذب میں شریک ہیں اور بظاہر عشق و محبت میں مساوی ہیں، اگرچہ فی الحقیقت ایک دوسرے سے کچھ مناسبت نہیں رکھتے۔ اور ہر ایک

کے حالات ایک دوسرے سے جدا ہیں۔ ع

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

ابتدا میں جو کچھ بھی ہے علت اور نقص سے خالی نہیں اور عرض پر محمول ہے۔ اور انتہا میں چونکہ حق کے ساتھ ہوتا ہے اس لیے سب کچھ حق کے لیے ہوتا ہے۔ اس بات کی تفصیل ان شاء اللہ تعالےٰ عنقریب ذکر کی جائے گی۔ یہ صوری مشابہت اور بظاہری مناسبت اس تخیل کا باعث ہے۔

اور جب کہ طریقہ علیہ نقشبندیہ میں جذبہ سلوک پر مقدم ہے، اس طریق کے مجذوبوں کو جو دولت سلوک سے مشرف نہیں ہوتے ہیں۔ اس قسم کا تخیل اور اس طرح کا وہم بہت زیادہ لاحق ہوتا ہے۔ اور ان میں سے ایک جماعت کو کہ مقام جذبہ میں منقلب احوال حاصل ہوتے ہیں اور ایک حال سے دوسرے حال کی طرف جاتے ہیں۔ وہ اس انتقال احوال کو منازل سلوک کا قطع کرنا اور سیر الی اللہ کے راستے کو طے کرنا گمان کرتے ہیں۔ اور ان گردشوں کی بنا پر اپنے آپ کو مجذوب سالک تصور کرتے ہیں۔ اس بنا پر دل سست میں یہ بات قرار پذیر ہوئی کہ حقیقت جذبہ و سلوک اور ان دونوں مقاموں کے درمیان فرق کے بیان میں چند فقرے لکھے جائیں۔ نیز وہ خاصیتیں بھی لکھی جائیں جو ایک کو دوسرے سے ممتاز کرتی ہیں۔ اور جذب مبتدی اور جذب منتہی کے درمیان فرق اور مقام تکمیل و ارشاد کی حقیقت اور دوسرے علوم جو اس مقام کے مناسب ہیں، احاطہ تحریر میں لائے جائیں۔

لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۔ تاکہ اللہ تعالیٰ حق کو ثابت کرے اور باطل کو مٹا دے۔ اگرچہ مجرم لوگوں کو ناپسند ہی ہو۔

تو میں حق تعالیٰ سبحانہ، کی حسن توفیق سے اس کا بیان شروع کرتا ہوں۔ اور اللہ سبحانہ ہی صحیح راہ کی ہدایت کرتا ہے، اور وہی اچھا کارساز اور اچھا وکیل ہے۔

یہ مکتوب دو مقاصد اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔ مقصد اول ان معارف کے بیان میں جو مقام جذبہ سے تعلق رکھتے ہیں، اور مقصد ثانی معارف سلوک سے متعلق ہے۔ اور خاتمہ ان متفرق علوم معارف میں ہے جن کا جاننا طالبوں کے لیے کثیر المنفعت ہے۔

مقصد اول:

جاننا چاہیے کہ سلوک نامکمل کردہ مجذوب اگرچہ جذب قوی رکھتے ہیں۔ اور جس راہ سے بھی ان کو کھینچا جائے، ارباب قلوب کے گروہ میں داخل ہیں۔ سلوک اور تزکیہ نفس کے بغیر مقام قلب سے آگے نہیں گزر سکتے۔ اور نہ مقلب قلب ذات (حق تعالیٰ) تک پہنچ سکتے ہیں۔ ان کا انجذاب انجذاب قلبی

ہے۔ان کی محبت عرضی ہے ذاتی نہیں۔نیز ان کی محبت عرض پر مبنی ہے اصلی نہیں۔کیونکہ اس مقام میں نفس روح سے اور ظلمت نور سے ملی ہوئی ہے۔مکمل طور پر مقام قلب سے نکلنا اور مقلب قلب ذات سے ملنا اور مطلوب کے ساتھ انجذاب روحی پیدا کرنا اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک مطلوب کی طرف توجہ کے لیے روح نفس سے آزاد نہ ہو۔اور نفس کا رُوح سے جدا ہونا اور مقام بندگی میں نیچے آنا اس علیحدگی کے بغیر متصور نہیں جب تک یہ دونوں حقیقت میں اکٹھے ہیں حقیقت جامعہ قلبیہ اپنی جگہ مضبوط اور قائم ہے۔اور خالص روحی انجذاب ممکن نہیں۔اور روح کا نفس سے علیحدہ ہونا منازلِ سلوک قطع کرنے، سیر الی اللہ کے راستے طے کرنے اور سیر فی اللہ سے موصوف ہونے کے بعد ہوتا ہے۔بلکہ مقام "الفرق بعد الجمع" جو سیر عن اللہ یا بعد سے تعلق رکھتا ہے، کے حصول کے بعد ہی اس کی صورت بنتی ہے ؎

ہر گدائے مرد میداں کے شود[1] پشۂ آخر سلیماں کے شود

تو اس سے منتہی کے جذب اور مبتدی کے جذب کے درمیان فرق واضح ہو گیا۔

ان اربابِ قلوب مجذوبوں کا شہود پردۂ کثرت میں ہے۔وہ اس معنی کو جانیں یا نہ جانیں، اور ان کا شہود اس عالم کثرت میں نہیں۔مگر صرف عالم ارواح جو لطافت، احاطہ اور سریان میں اپنے موجد سے صورتاً مشابہت رکھتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰى صُوْرَتِهٖ۔ اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا

اور اس مناسبت کے سبب رُوح کے شہود کو حق تعالیٰ و تقدس کا شہود سمجھ لیتے ہیں۔اور احاطہ و سریان اور قرب و معیت بھی اسی قیاس پر ہے۔اس لیے کہ سالک کی نگاہ صرف مقام فوق تک عبور کر سکتی ہے مقام فوقِ فوق تک نہیں جا سکتی۔اور ان کا مقام فوق مقام روح ہے پس ان کی نظر مقام روح سے زیادہ بلند نہیں جا سکتی۔اور ان کا شہود روح کے سوا کوئی اور نہیں ہوتا۔روح سے اوپر نظر کا جانا اس پر موقوف ہے کہ سالک مقام روح میں پہنچ جائے۔محبت اور انجذاب بھی شہود کی طرح ہیں۔حق سبحانہٗ کا شہود بلکہ جنابِ قدسِ خداوندی کی محبت اور اس کی طرف انجذاب فنا کے حاصل ہونے سے وابستہ ہے جسے سیر الی اللہ کی نہایت سے تعبیر کرتے ہیں ؎

ہیچکس را تا نہ گردد او فنا[2] نیست راہ در بارگاہِ کبریا

[1] ہر گدا اگر مرد میدان نہیں بن سکتا۔مچھر آخر سلیمان کا ہم پایہ کیسے ہو سکتا ہے؟

[2] کوئی شخص بھی جب تک فنا کا مقام نہ پائے بارگاہِ کبریا تک راستہ نہیں پا سکتا۔

اس مقام میں شہود کا اطلاق میدانِ عبارت کی تنگی کے باعث ہے۔ ورنہ ان بزرگوں کا کارخانہ متعارف شہود سے وراء الورا رہے اور جس طرح ان کا مقصد بے چون و بے چگون ہے ان کا اتصال بھی حق سبحانہ کے ساتھ بے چون و بے چگون ہے۔ چون کے لیے بے چون ذات کی طرف کوئی راستہ نہیں۔ لَا یَحْمِلُ عَطَایَا الْمَلِكِ اِلَّا مَطَایَاهُ[1]

اتصالے[2] بے تکیف و بے قیاس! ہست رب الناس را با جان ناس

احاطہ، سریان اور اس ذات سبحانہ کا قرب و معیت محققین ارباب سلوک کے نزدیک جو نہایت کار تک پہنچ چکے ہیں، علمی ہے۔ جیسا کہ علمائے اہل حق شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کا مسلک ہے۔ قرب ذاتی اور اس طرح کی دوسری باتیں ان کے نزدیک بے حاصلی اور دوری میں داخل ہیں۔ خدا تعالیٰ کے لیے قرب ذاتی کے قائل نہیں ہیں۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں:

"جو یہ کہے کہ میں خدا کے نزدیک ہوں وہ دور ہے۔ اور جو اپنے آپ کو دور سمجھے وہ نزدیک ہے"۔ تصوّف یہ ہے۔

وہ علم جو توحید وجودی سے تعلق رکھتا ہے اس کا منشا انجذاب اور محبت قلبی ہے۔ ارباب قلوب جنہوں نے جذبہ پیدا نہ کیا ہو اور سلوک کے راستے سے منازل طے کر رہے ہوں، یہ علم ان سے مناسبت نہیں رکھتا۔ اسی طرح جو مجذوب سلوک کے ذریعے قلب سے کلیتہً مقلب قلب (حق تعالیٰ) کی طرف متوجہ ہیں وہ بھی ان علوم سے برأت کا اظہار اور استغفار کرتے ہیں۔

بعض مجذوب ایسے بھی ہوتے ہیں جو اگرچہ سلوک کے راستے سے آتے ہیں اور منازل طے کرتے ہیں۔ لیکن ان کی نظر مقام مالوف سے قطع نہیں ہوتی، اور رُخ اوپر کی طرف نہیں کرتے۔ اس قسم کے علوم ان کا دامن نہیں چھوڑتے، اور اس گرداب سے باہر نہیں آتے۔ اس لیے مدارج قرب میں عروج اور معارج قدس تک چڑھنے سے قاصر اور لنگڑے ہیں۔

رَبَّنَآ[3] اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا وَّ اجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا۔	اے اللہ! ہمیں ایسی بستی سے نکال جس کے رہنے والے ظالم ہیں اور ہمارے لیے اپنے پاس سے کوئی ولی مقرر کر اور اپنے پاس سے ہمارے لیے کوئی

---

[1] بادشاہ کی عطاؤں کو اسی کی سواریاں اُٹھا سکتی ہیں۔

[2] لوگوں کے رب کا لوگوں کے ساتھ اتصال بے کیف ہے اور قیاس میں نہیں آسکتا۔

[3] سورۂ نساء، پارہ والمحصنات۔

مددگار کھڑا کرے۔

نہایت مطلب تک پہنچنے کی علامت یہ ہے کہ اس طرح کے علوم سے سالک بیزاری کا اظہار کرے کیونکہ جس قدر تنزیہہ کے ساتھ زیادہ مناسبت پیدا ہوگی عالم کو صانع کے ساتھ زیادہ بے مناسب پائے گا۔ اس وقت عالم کو صانع کا عین جاننا یا صانع کو عالم کا محیط بالذات گمان کرنا کچھ معنی نہیں رکھتا۔[۵]

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

معرفت: حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس نے فرمایا ہے کہ ہم نہایت کو بدایت میں درج کرتے ہیں۔ اس عبارت کے معنی یہ ہیں کہ جو انجذاب و محبت منتہی حضرات کو انتہا میں جا کر میسر آتی ہے، اس طریقہ میں وہ انجذاب و محبت ابتدا میں درج ہے۔ اس لیے کہ منتہی کا انجذاب انجذاب روحی ہے اور مبتدی کا جذب جذب قلبی۔ اور قلب چونکہ روح اور نفس کے درمیان برزخ ہے۔ اس لیے جذب قلبی کے ضمن میں جذب روحی بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ اور تمام جذبات میں اس معنی کے حاصل ہونے کے باوجود اندراج کی یہ تخصیص اس طریقہ کے ساتھ اس بنا پر ہے کہ اس خانوادہ کے اکابر نے اس معنی کے حصول کے لیے ایک طریقہ وضع کیا ہے، اور اس مطلب تک پہنچنے کے لیے ایک راستہ متعین کیا ہے اور دوسروں کو یہ معنی اتفاق سے نصیب ہو جاتا ہے۔ اسے حاصل کرنے کے لیے ان کے پاس کوئی ضابطہ اور قاعدہ کلیہ نہیں ہے۔ نیز ان بزرگوں کی جذبہ کے مقام میں خاص شان ہے جو دوسروں کو میسر نہیں۔ اور اگر ہے بھی تو بہت کم۔ اسی بنا پر اس سلسلہ کے بعض کو اس مقام میں منازل سلوک طے کرنے کے بغیر ہی ارباب سلوک کی فنا و بقا کے مشابہ ایک فنا و بقا حاصل ہوتی ہے۔ اور مقامِ تکمیل سے جو مقام سیر عن اللہ باللہ کے مشابہ ہوتا ہے کچھ حصہ میسر آتا ہے جس کے ساتھ وہ مستعدوں کی تربیت کرتے ہیں ——— اس بحث کی پوری تحقیق ان شاء اللہ تعالیٰ عنقریب سپرد قلم کی جائے گی۔

یہاں ایک نکتہ ہے جس کا بیان یوں ہے کہ روح کے لیے بدن کے ساتھ متعلق ہونے سے پہلے اپنے مقصود کی طرف توجہ حاصل تھی۔ جب بدن سے متعلق ہوئی تو وہ توجہ زائل ہو گئی۔ اس بلند سلسلہ کے اکابر نے اس توجہ سابق کے ظہور کے لیے طریقہ وضع فرمایا۔ لیکن جب کہ رُوح بدن سے متعلق ہو تو توجہ قلبی موجود رہتی ہے، جو نفس اور روح دونوں کی توجہ کی جامع ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ توجہ روحی توجہ قلبی میں مندرج ہے۔ لیکن وہ روحی توجہ جو منتہی حضرات کو نصیب ہوتی ہے، روح کو فنا اور خفائی وجود کے ساتھ بقا حاصل کرنے کے بعد ہوتی ہے۔ اور اس بقا کو بقا باللہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور جو روحی توجہ قلبی کے ضمن میں ہوتی ہے۔ بلکہ روح کی جو توجہ بدن کے ساتھ متعلق ہونے سے پہلے

تھی، وہ توجہ ہے جو ہستی روح کے ہوتے ہوئے ہے جس کی طرف ابھی فنا کو راستہ نہیں ملا۔ اور رُوح کی ہستی کے ہوتے ہوئے اور اس کی اس توجہ میں جو فنا ہونے کے بعد ہے، بہت فرق ہے۔ پس توجہ قلبی میں درج شدہ توجہ روحی کو نہایت کہنا اس اعتبار سے ہے کہ رُوح ہی کی توجہ ہے جو نہایت میں جا کر باقی رہتی ہے تو نہایت کے بدایت میں درج ہونے سے مراد یہ ہے کہ صورتِ نہایت بدایت میں درج ہے، نہ کہ نہایت کی حقیقت۔ کیونکہ اس کا بدایت میں اندراج محال ہے۔ ممکن ہے صورت کا لفظ اس طریقہ کے طالبین کی ترغیب کے لیے ظاہر نہ کرتے ہوں۔ اور اصل بات وہی ہے جس کی میں نے بعون اللہ تعالیٰ تحقیق کی ہے۔

اور سابقین جن کا انجذاب بلا عمل اور بلا کسب ہے۔ بلکہ وہ توجہ اور حضور سے آئے ہیں، ان کا انجذاب بھی قلبی ہے۔ اور روح کی توجہ سابق کا اثر ہے، جو بدن سے متعلق ہونے کے باوجود بالکل زائل نہیں ہوا۔ توجہ سابق کے ظہور کے لیے کسب و عمل کی ضرورت اس جماعت کے لیے ہے جو بدن سے متعلق ہونے کی وجہ سے توجہ سابق کو بالکل فراموش کر چکے ہیں۔ کسب توجہ سابق پر گویا تنبیہ ہے اور اس گم شدہ دولت کی یاد دہانی ہے۔ لیکن توجہ سابق کو بھلا دینے والے مذکورہ سابقین سے زیادہ لطیف الاستعداد ہیں۔ اس لیے کہ توجہ سابق کا بالکلیہ نسیانِ بدن کی طرف بالفعل کلی توجہ اور اس میں گم ہونے کی خبر دیتا ہے۔ اور توجہ کا عدم نسیان اس طرح نہیں۔ غایۃ ما فی الباب یہ ہے کہ سابقین میں وہ توجہ عموم و سریان کو کلیتہً ان میں پیدا کر دیتی ہے اور ان کا بدن بھی رُوح کا حکم اختیار کر لیتا ہے۔ جیسا کہ محبوب و مراد لوگوں کی شان ہے۔ لیکن محبوبوں کی سرایت اور سابقین کی سرایت میں ایسا فرق ہے جیسا حقیقت شئے اور صورت شئے میں ہوتا ہے۔ جیسا کہ اس کے جاننے والوں پر ظاہر ہے۔ ہاں محبانِ واصل اور مریدانِ کامل کے لیے بھی اس قسم کے شمول (ایک قسم کی کیفیت) کا تحقق ہوتا ہے، لیکن بجلی کی طرح لمحہ بھر کے لیے۔ دائمی نہیں۔ دائمی شمول محبوبوں کا خاصہ ہے۔

معرفت:

ارباب قلوب مجذوب جب مقام قلب میں قرار اور پختگی حاصل کرتے ہیں اور معرفت و صحو جو اس مقام کے مناسب ہے انہیں میسر آتی ہے تو ان سے بھی طالبوں کو فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ اور طالبوں کی جماعت کو ان کی صحبت سے انجذاب اور محبت قلبی حاصل ہوتی ہے۔ اگرچہ ان سے کمال تک نہیں پہنچ سکتے۔ کیونکہ وہ ابھی خود حدِ کمال کو نہیں پہنچے ہوتے۔ دوسرے کے لیے حصول کمال کا ذریعہ کیسے بن سکتے ہیں ؟ مشہور ہے کہ ناقص سے کامل چیز ظہور میں نہیں آسکتی۔ ان مجذوبوں سے جو فائدہ بھی پہنچتا ہے،

ارباب سلوک کے افادہ سے زیادہ ہوتا ہے۔ اگرچہ ارباب سلوک نہایت سلوک کو پہنچ چکے ہوں اور منتہی حضرات کا جذب اپنے اندر پیدا کر لیں لیکن انہیں مقام قلب میں براستہ سیر عن اللہ باللہ نیچے نہیں لایا گیا۔ کیونکہ عالم کی طرف غیر مرجوع منتہی تکمیل وافادہ کا مرتبہ نہیں رکھتا۔ اس کی عالم سے کچھ مناسبت اور توجہ باقی نہیں رہی تاکہ اس سے فائدہ پہنچ سکے۔

اور شیخ مقتدا کو جو برزخ کہتے ہیں اس لحاظ سے کہتے ہیں کہ وہ مقام برزخیت کے مقام میں جو مقام قلب ہے نیچے آچکا ہوتا ہے۔ اور روح ونفس دو جہت سے اس نے حصہ وافر لیا ہوتا ہے روح کی جہت سے فوق سے استفادہ کرتا ہے اور نفس کی جہت سے اپنے ماتحت کو فائدہ پہنچاتا ہے کیونکہ اس کے لیے حق سبحانہٗ اور خلق دونوں کی طرف توجہ جمع ہو چکی ہوتی ہے۔ ان دونوں میں سے کوئی توجہ دوسری کے لیے حجاب اور پردہ نہیں۔ لہٰذا یک وقت افادہ اور استفادہ اس کے لیے حاصل ہے۔ بعض مشائخ اس برزخیت کو برزخیت بین الخلق والحق کہتے ہیں۔ اور شیخ صاحب برزخ کو جامع بین التشبیہ والتنزیہ قرار دیتے ہیں۔

پوشیدہ نہ رہے کہ اس طرح کی برزخیت جس کی بنا سکر پر ہے شیخی کے مقام کے لائق نہیں۔ جس کا مبنیٰ صحو پر ہے۔ اس لیے کہ ان کا نفس اس مقام میں انوار روح کے غلبات میں مندرج ہے۔ اور یہی اندراج سکر کا منشا ہے۔ اور قلب کی برزخیت کے مقام میں نفس اور روح ایک دوسرے سے جدا ہیں۔ اس لیے لامحالہ یہاں سکر کی گنجائش نہیں بلکہ یہاں صحو ہی صحو ہے جو مقام دعوت کے لائق ہے اسے ذہن میں رکھو۔

شیخ کامل کو مقام قلب میں جب نیچے لاتے ہیں تو وہ برزخیت کی وجہ سے عالم کے ساتھ مناسبت پیدا کر لیتا ہے اور کمالات کی استعداد رکھنے والوں کے لیے حصول کمالات کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ اور مقام قلب میں قرار پذیر مجذوب بھی عالم سے مناسبت رکھتا ہے اور اپنی توجہ ان سے روک کر نہیں رکھتا۔ اور انجذاب اور محبت سے بھی اگرچہ قلبی ہی ہے حصہ رکھتا ہے۔ اس لیے فائدہ پہنچانے کا راستہ اس پر بھی کھلا ہے۔

بلکہ میں کہتا ہوں کہ مجذوب متمکن (مقام قلب میں قرار پذیر) سے فائدہ پہنچنے کی مقدار خلق کی طرف لوٹائے گئے منتہی کے افادہ کی مقدار سے زیادہ ہوتی ہے۔ لیکن منتہی کی کیفیت افادہ مجذوب کی کیفیت افادہ سے زیادہ ہے۔ اس لیے کہ خلق کی طرف لوٹائے گئے منتہی کو بھی اگرچہ جہاں سے مناسبت پیدا ہو چکی ہے۔ تاہم یہ مناسبت صرف صورت میں ہے۔ ورنہ یہ منتہی حقیقت میں عالم سے جدا ہے اور

اصل کے رنگ سے رنگین اور اس کے ساتھ بقا حاصل کر چکا ہے۔ اور اس مجذوب کو عالم کے ساتھ حقیقۃً مناسبت ہے، اور اس کا شمار عالم کے افراد میں ہے۔ اور اسی بقا کے ساتھ باقی ہے جس کے ساتھ عالم باقی ہے۔ اس لیے لامحالہ طالبین مناسبت حقیقی کی وجہ سے مجذوب سے زیادہ فائدہ حاصل کرتے ہیں اور مخلوق کی طرف برائے دعوت لوٹائے گئے منتہی سے کم۔

لیکن کمالاتِ ولایت کے مراتب کا افادہ منتہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ پس ضروری بات ہے کہ فائدہ پہنچانے میں منتہی کا پہلو راجح ہے۔ نیز منتہی کے لیے فی الحقیقت ہمت اور توجہ نہیں ہے۔ اور مجذوب صاحبِ ہمت اور صاحبِ توجہ ہے۔ ہمت اور توجہ سے طالب کا کام آگے لے جاتا ہے، اگرچہ کمال تک نہیں پہنچا سکتا۔ نیز طالبوں کو مجذوبوں سے نہایت توجہ جو حاصل ہوتی ہے وہی روح کی پہلی توجہ ہے جس کو وہ فراموش کر چکے تھے۔ اور مجذوبوں کی صحبت میں پھر انہیں یاد آئی اور توجہ قلبی کے اندراج کی صورت میں حاصل ہوئی۔ بخلاف اس توجہ کے جو منتہی حضرات کی صحبت میں پیدا ہوتی ہے۔ یہ نئی توجہ ہے جو پہلے بالکل موجود نہ تھی۔ اور یہ فنائے روح بلکہ اس کے وجود حقانی کے ساتھ بقا پر موقوف تھی۔ تو ضروری طور پر توجہ اول بہت ہی سہل الحصول ہے۔ اور دوسری توجہ کا حصول دشوار ہے۔ آسان چیز زیادہ پائی جاتی ہے اور مشکل شئے کم۔ یہیں سے یہ بات بھی کہی گئی ہے کہ جہت جذبہ کے حاصل کرنے میں شیخ مقتدا واسطہ نہیں۔ کیونکہ یہ نسبت طالب کو اول سے ہی حاصل ہو چکی ہوتی ہے۔ نسیان کے باعث طالب کو صرف تنبیہ اور تعلیم کی حاجت تھی۔ لہٰذا اس شیخ کو شیخ تعلیم کہتے ہیں، نہ کہ شیخ تربیت۔

اور جہت سلوک میں منازل سلوک طے کرنے کے لیے شیخ مقتدا کی حاجت اور اس کی تربیت ضروری ہے۔ شیخ مقتدا کو نہیں چاہیے کہ اس قسم کے مجذوب متمکن کو افادہ عام کی اجازت دے اور تکمیل اور پیری کے مقام پر بٹھائے۔ کیونکہ بعض طالب ایسے ہوتے ہیں جن کی استعداد بلند ہوتی ہے اور کمال و تکمیل کی قابلیت اپنے اندر بدرجہ اتم رکھتے ہیں۔ اگر یہ اس مجذوب کی صحبت میں آپڑے تو احتمال ہے کہ وہ استعداد ضائع ہو جائے اور وہ قابلیت برطرف ہو جائے۔ مثلاً وہ زمین جو زراعت گندم کی پوری قابلیت رکھتی ہو، اگر اعلیٰ بیج اس میں بوئیں گے تو بیج کی استعداد کے اندازہ کے مطابق اچھا پھل دیگی اور اگر اس زمین میں ردی گندم یا چنا بیج دیں گے تو اچھا پھل کیا زمین کی قابلیت ہی سلب ہو کر رہ جائیگی۔

فرضاً اگر شیخ مقتدا اسے اجازت دینے میں مصلحت دیکھے اور فائدہ پہنچانے کا معنی اس میں پائے تو چاہیے کہ اس کے افادے کو بعض قیود کے ساتھ مقید کرے۔ مثلاً یہ کہ اس کے طریقِ افادہ میں

طالب کی مناسبت ظاہر ہو۔ اور یہ کہ اس کی صحبت میں طالب کی استعداد ضائع نہ ہوتے پائے۔ اور یہ کہ وہ مجذوب اس سرداری اور اقتدار میں نفس کی سرکشی کا شکار نہ ہو کیونکہ تزکیہ نفس نہ ہونے کے باعث ابھی اس سے خواہش نفسانی زائل نہیں ہوئی۔ اور جب اس مجذوب متمکن کو یہ معلوم ہو جائے کہ طالب اس سے پہنچنے والے فائدہ کی انتہا کو پہنچ چکا ہے۔ لیکن طالب کی استعداد میں ابھی ترقی کی قابلیت موجود ہے۔ تو اس پر اس معنی کو ظاہر کر دے اور اسے اپنے پاس سے جانے کی اجازت دیدے تاکہ وہ اپنا کام کسی دوسرے شیخ سے جا کر مکمل کرے۔ اور اپنے منتہی ہونے کا دعویٰ نہ کریں۔ اور اس حیلہ سے طالبوں کی راہ زنی کے مرتکب نہ ہوں۔ اسی طرح کی اور شرائط جو اس کے وقت اور حال کے مناسب جانے انہیں بیان کرے۔ اور یہ وصیت مکمل کر کے اسے رخصت دے۔

لیکن دعوت وارشاد کی خاطر مخلوق کی طرف لوٹایا گیا منتہی صاحب معرفت افادہ اور تکمیل میں ان قیود کا محتاج نہیں۔ کیونکہ اس میں جامعیت کی وجہ سے تمام طرق و استعدادات کے ساتھ مناسبت ہے۔ ہر شخص استعداد اور مناسبت کے اندازہ کے مطابق اس سے حصہ پائے گا۔ اگرچہ شیوخ اور مقتدا ارباب معرفت کی صحبت میں قوت اور ضعف کی مناسبت جلد یا بدیر فیضیاب ہونے میں فرق ہے۔ تاہم اصل افادہ میں تمام مساوی الاقدام ہیں۔

شیخ مقتدا کے لیے افادہ طالب کے وقت جناب حق سبحانہٗ میں التجاء اور اس اشتہار کے ضمن میں اللہ تعالیٰ کی پوشیدہ گرفت کے خوف سے اس کی مضبوط رسی کو تھامے رکھے۔ اور یہ التجا نہ صرف اس کام میں بلکہ تمام کاموں اور تمام اوقات میں حق سبحانہٗ نے اس کو عطا فرما دی ہے ہر وقت اور ہر فعل میں اس سے جدا نہیں ہو سکتی۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔

مقصد ثانی:

اُن امور کے بیان میں جو سلوک سے تعلق رکھتے ہیں۔

جاننا چاہیے کہ طالب جب سلوک کے راستہ سے فوق کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اگر اس اسم تک جو اس کا رب ہے پہنچ جائے اور اس میں فانی اور ہلاک ہو جائے تو فنا کا اطلاق اس پہ درست ہو جاتا ہے۔ اور اس اسم کے ساتھ بقا کے بعد بقا کا اطلاق بھی اس کے لیے مسلم ہو جاتا ہے۔ اور فنا اور بقا کے ساتھ ولایت کے مرتبہ اول کے ساتھ مشرف ہو جاتا ہے۔ لیکن بیان تفصیل ہے جس کے لیے بات پھیلا کر نا ضروری ہے۔

تمہید:

ذات تعالیٰ و تقدس سے جو فیض پہنچتا ہے اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم تو وہ ہے جس کا بندے کی

ایجاد، ابقا، تخلیق، ترزیق اور اسے زندگی دینے اور مارنے وغیرہ سے تعلق ہے۔ اور دوسری قسم ایمان، معرفت اور مراتب ولایت و نبوت کے کمالات سے تعلق رکھتی ہے۔ فیض کی قسم اول صرف واسطہ صفات سے ہے، اور بس۔ اور فیض کی دوسری قسم بعض کو صفات کے واسطہ سے اور بعض کو شیونات کے ذریعہ سے پہنچتی ہے۔ اور صفات اور شیونات کے درمیان فرق بہت باریک ہے، جو محمدی المشرب اولیاء میں سے بھی بہت کم پر ہی ظاہر ہوتا ہے۔ اور یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ کسی نے اس کے متعلق گفتگو کی ہو۔ خلاصہ فرق یہ ہے کہ صفات تو ذات تعالیٰ و تقدس پر زائد وجود کے ساتھ خارج میں موجود ہیں۔ اور شیونات ذات عز سلطانہ میں صرف درجہ اعتبار میں ہیں۔

یہ بحث ایک مثال سے واضح اور روشن ہو جاتی ہے۔ پانی بالطبع اوپر سے نیچے کو آتا ہے۔ یہ طبعی فعل اس میں حیات، علم، قدرت اور ارادہ پیدا کرتا ہے۔ کیونکہ ارباب علم اپنے ثقل کے واسطہ سے اپنے علم کے تقاضا کے مطابق اوپر سے نیچے کو آتے ہیں اور فوق کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ اور علم حیات کے تابع ہے، اور ارادہ علم کے تابع ہے۔ اور ارادہ سے قدرت بھی ثابت ہو گئی۔ کیونکہ ارادہ احد المقدورین کی تخصیص کا نام ہے۔ یہ اعتبارات پانی کی ذات میں بمنزلہ شیونات ہیں۔ اگر پانی کی ذات میں ان اعتبارات کے ساتھ پانی کی ذات پر صفات زائدہ بھی ثابت تسلیم کی جائیں تو وہ زائد وجود کے ساتھ بمنزلہ صفات ہیں۔ پانی کو پہلے اعتبارات کی وجہ سے حی، عالم، قادر اور مرید نہیں کہہ سکتے۔ ان ناموں کے لیے صفات زائدہ کا وجود درکار ہے۔ پس بعض مشائخ کی عبارت میں جو پانی کے لیے مذکورہ ناموں کے اثبات کے لیے واقع ہوا ہے۔ اس کا مبنیٰ شیون اور صفات میں عدم فرق ہے، اسی طرح وجود صفات کی نفی کا حکم بھی عدم فرق پر محمول ہے۔

شیون اور صفات میں دوسرا فرق یہ ہے کہ شیون صاحب شیون کے روبرو ہیں اور صفات کا مقام اس طرح نہیں۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور وہ اولیاء رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جو آپ کے قدم پر ہیں۔ ان کے لیے فیض ثانی کا وصول شیونات کے واسطہ سے ہے۔ اور باقی انبیاء اور اولیاء صلوات اللہ تعالیٰ وبرکاتہ علیٰ نبینا وعلیہم وعلیٰ جمیع اتباعہم کی وہ جماعت جو ان کے قدم پر ہے ان کے لیے اس فیض بلکہ فیض اول کا پہنچنا صفات کے واسطہ سے ہے۔ پس ہم کہتے ہیں جو اسم آنسرور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا رب اور دوسرے فیض کے پہنچنے کا ذریعہ ہے۔ وہ شان العلم کا ظل ہے۔ اور یہ شان تمام اجمالی اور تفصیلی شیونات کی جامع ہے۔ اور وہ ظل شان علم کیسے ذات تعالیٰ و تقدس کی قابلیت بلکہ تمام اجمالی اور تفصیلی شیونات کی قابلیت کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے۔

جاننا چاہیے کہ یہ قابلیت اگرچہ ذات عزّ سلطانہٗ اور شان العلم کے درمیان برزخ ہے۔ لیکن چونکہ اس کی ایک جہت بے رنگ ہے۔ اور وہ ذات تعالیٰ وتقدس کی جہت ہے۔ لہٰذا برزخ میں بھی اس کا رنگ پیدا نہیں ہوتا پس وہ برزخ دوسری جہت کے رنگ سے جو کہ شان العلم ہے، رنگین ہے۔ اس لیے ناچار اسے اس ظل شان کا ظل کہا ہے۔ نیز ظل شے دوسرے مرتبہ میں ظہور شئے سے عبارت ہے۔ اگرچہ شبہ اور مثال کی صورت ہی میں ہو۔ اور چونکہ برزخ کا حصول طرفین کے حصول کے بعد ہے۔ تو لامحالہ یہ برزخ مکاشفہ کے وقت اس شان کے تحت منکشف ہوتا ہے۔ تو اول سے آخر تک اس ظہور کے اعتبار سے ظلیّت کا اطلاق مناسب واقع ہوا۔

اور اولیاء اللہ کا ایک گروہ جو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہم وسلم، بارک کے قدم مبارک پر ہے۔ وہ اسماء جو ان کے رب ہیں فیض ثانی کے وصول میں، اس قابلیت کے ظلال ہیں۔ اور اس ظل مجمل کے لیے تفاصیل کی طرح ہیں۔ اور باقی انبیاء صلوات اللہ تعالیٰ وتسلیماتہٗ علیٰ نبینا وعلیہم کے رب اور بعض کے لیے فیض اول اور ثانی کے وصول کا واسطہ قابلیات کا ذات عزّ سلطانہٗ کے ساتھ اتصاف ہے صفات موجودہ زائدہ کے ساتھ۔ اور وہ گروہ جو ان کے قدموں پر ہے فیض اول وثانی کے پہنچنے میں ان کے رب صفات ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے فیض اول کے وصول کا واسطہ اور ذریعہ تمام صفات کے ساتھ ذات تعالیٰ وتقدس کی قابلیت اتصاف ہے۔ گویا وہ تمام قابلیتیں جو باقی انبیاء صلوات اللہ تعالیٰ وبرکاتہٗ علیٰ نبینا وعلیہم کے لیے فیوض کے وسائل کی قابلیات ہیں اس قابلیت جامع کے ظلال ہیں۔ اور اس جامع مجمل کے لیے بمنزلہ تفاصیل ہیں۔ اور وہ گروہ جو آں سرور علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والتحیۃ کے قدم مبارک پر ہے، ان کے لیے بھی فیض اول کے وصول کے وسائط ایک جدا چیز یعنی صفات ہیں۔ پس محمدی سالک کے لیے فیض اول کے وصول کے ذرائع اور وسائل فیض ثانی کے وصول کے وسائط سے جدا ہیں۔ بخلاف دوسروں کے کہ ان کے لیے ایک ہی چیز ہے۔ یعنی صفات۔

جن بعض مشائخ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم نے آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رب کو قابلیت اتصاف میں منحصر قرار دیا ہے ان کے اس قول کا منشا شیون اور صفات کے درمیان عدم فرق بلکہ مقام شیون سے عدم علم ہے۔

وَاللّٰہُ یُحِقُّ الْحَقَّ وَھُوَ یَھْدِی السَّبِیْل

تو یہ بات ثابت ہو گئی کہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کا رب رب الارباب ہے۔

مقام شیون میں بھی اور خانہ صفات میں بھی۔ اور وہی دونوں قسم کے فیض کے وصول کا واسطہ اور ذریعہ ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولایت کے مراتب کمالات کے فیض کا وصول ذات ہے بے واسطۂ امر زائد۔ کیونکہ شیون عین ذات ہیں۔ ان میں زیادتی کا اعتبار منتزعاتِ عقل میں سے ہے۔ لہٰذا تجلی ذاتی آپ کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور آپ کے کامل پیروکار چونکہ آپ کے راستے سے فیض لیتے ہیں' اس لیے انہیں بھی اس مقام سے حصہ ملتا ہے۔ اور دوسروں کے لیے چونکہ صفات کے وسائط درمیان میں ہیں' اور صفات وجود زائد کے ساتھ موجود ہیں' اس لیے ایک مضبوط مانع درمیان میں واقع ہوگیا اور تجلی ذاتی ان کے حصے آگئی۔

جاننا چاہیے کہ قابلیت انصاف اگرچہ ایک اعتبار ہے' تاہم اس کا کوئی وجود زائد نہیں۔ کیونکہ صفات موجود ہیں ان کی قابلیات موجود نہیں۔ لیکن چونکہ قابلیاتِ ذات و صفات بلکہ شیون و صفات کے درمیان برزخ ہیں' اور برزخ اپنی دونوں طرفوں کا رنگ رکھتا ہے۔ اس بنا پر قابلیات نے بھی صفات کا رنگ پکڑ کر حائل اور مانع ہونے کی حیثیت اختیار کر لی ہے[1]

فراق دوست اگر اندک است اندک نیست

درونِ دیدہ اگر نیم موست بسیار است

اس سے واضح ہوا کہ ذاتِ تعالیٰ و تقدس کا بے پردہ ظہور تجلی شہودی کے منافی نہیں۔ لیکن تجلی وجودی کے منافی ہے۔ لہٰذا آنسرور علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کے لیے مختلف کمالاتِ ولایت کے وصول فیض کی جانب میں کوئی حائل اور حجاب واقع نہ ہوا۔ اور فیض وجودی کے وصول کی جانب میں حائل درمیان میں آیا جسے قابلیت انصاف سے تعبیر کرتے ہیں۔ جیسا کہ پہلے اس کا بیان گزرا۔

سوال:

یہ نہ کہا جائے کہ جب شیون اور ان کی قابلیات اعتباراتِ عقل میں سے ہیں تو ان کے لیے وجود عقلی ثابت ہوا۔ اور اس سے حجاب علمی لازم آتا ہے۔

غایۃ مافی الباب اتنی بات ہے کہ صفات کے حجابات خارجی ہیں اور شیون کے علمی۔ اس لیے کہ میں اس کا جواب یہ دوں گا کہ موجود ذہنی ، موجود خارجی کے درمیان پردہ نہیں بن سکتا۔ بلکہ موجود خارجی کے لیے پردہ صرف موجود خارجی ہی بن سکتا ہے۔ اور اگر تسلیم بھی کر لیا جائے تو بعض معارف کے حصول سے حجاب علمی کا درمیان سے ارتفاع ممکن ہے۔ بخلاف حجاب خارجی کے کہ اس کا

---

[1] دوست کا فراق اگر تھوڑا بھی ہو تو تھوڑا نہیں۔ آنکھ میں آدھا بال بھی پڑا ہو تو بہت ہے۔

زوال ممکن نہیں۔

جب یہ مقدمات معلوم ہو گئے تو جان لو کہ سالک اگر محمدی ہے تو اس کی سیر کی منتہا جس کو سیر الی اللہ کہتے ہیں شان کی ظل تک ہے جو اس کا اسم ہے۔ اور اس اسم میں فنا کے بعد فنا فی اللہ سے مشرف ہوتا ہے۔ اور اگر اس اسم کے ساتھ بقا حاصل ہو گئی تو بقا باللہ بھی اسے میسر آ گئی اور اس فنا و بقا کے ساتھ ولایت خاصہ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ میں داخل ہو جاتا ہے۔ اور اگر محمدی المشرب نہ ہو تو صفت کی قابلیت بانفس صفت تک جو اس کا رب ہے پہنچتا ہے۔ اور اگر اس اسم میں فانی ہو گیا تو اس پر فانی فی اللہ کا اطلاق نہیں کر سکتے۔ اسی طرح اس اسم میں بقا کی صورت میں وہ باقی باللہ بھی نہیں ہے۔ کیونکہ اسم اللہ اس مرتبہ سے عبارت ہے جو تمام شیون وصفات کا جامع ہے اور جب شیون ذات پر محض درجہ اعتبار میں زائد ہیں اس لیے وہ درحقیقت عین ذات ہیں اور ایک دوسرے کا بھی عین ہیں۔ لہٰذا ایک اعتبار میں فنا ہونا سب اعتبارات میں فنا ہونا بلکہ ذات تعالیٰ وتقدس میں فنا ہونا ہے۔ اسی طرح ایک اعتبار کے ساتھ بقا تمام اعتبارات کے ساتھ بقا ہے۔ پس فانی فی اللہ اور باقی باللہ اس صورت میں کنا درست ہو جاتا ہے۔ بخلاف جانب صفات کے کہ وہ ذات پر زائد وجود کے ساتھ موجود ہیں۔ ان کی مغائرت ذات عز سلطانہ اور ایک دوسرے کے ساتھ ایک امر واقعی ہے اعتباری نہیں۔ لہٰذا ایک صفت میں فنا ہونا تمام میں فنا ہونے کو مستلزم نہیں یہی حال بقا کی جانب میں ہے۔ تو اس فانی کو کسی طور بھی فانی فی اللہ اور باقی کو باقی باللہ نہیں کہہ سکتے۔ بلکہ مطلق فانی اور باقی کہہ سکتے ہیں۔ یا کسی صفت کے ساتھ مقید کر کے کہہ سکتے ہیں۔ یعنی صفت علم میں فانی یا صفت علم کے ساتھ باقی۔ اس سے صاف ظاہر ہوا کہ محمدیوں کی فنا سب سے اتم اور ان کی بقا سب سے اکمل ہے۔

نیز عروج محمدی چونکہ جانب شیون میں ہے۔ اور شیون کو عالم کے ساتھ کچھ بھی مناسبت نہیں کیونکہ صفات کا ظل ہے نہ کہ شیون کا پس سالک کی ایک شان میں فنا اس کی فنائے مطلق کو مستلزم ہے۔ ایسے طور پر کہ سالک کے وجود کی بقا اور اس کا کچھ اثر باقی نہیں رہتا۔ اسی طرح بقا کی صورت میں پورے طور پر اس شان کے ساتھ باقی ہو جاتا ہے۔ بخلاف صفت میں فانی کے کہ اس میں پورے طور پر اپنے سے باہر نہیں آتا اور اس کا اثر زائل نہیں ہوتا۔ کیونکہ سالک کا وجود اسی صفت کا اثر اور اس کا ظل ہے۔ پس اصل کا ظہور ظل کے وجود کو بالکل محو کرنے والا نہیں ہوتا۔ اور بقا فنا کے اندازہ کے مطابق ہوتی ہے۔ پس محمدی المشرب صفات بشریت کی طرف رجوع سے مامون اور رد کے خوف سے محفوظ ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ کلیۃً اپنے سے باہر آ چکا ہوتا ہے۔ اور ذات سبحانہٗ کے

ساتھ بقا حاصل کر چکا ہوتا ہے۔ اس مقام میں رجوع محال اور ممنوع ہے۔ بخلاف فنائے صفاتی کی صورت میں کہ یہاں سالک کے وجود کا اثر باقی رہنے کے واسطہ سے رجوع اور عَود ممکن ہے مشائخ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے درمیان واصل کے رجوع اور عدم رجوع میں جو اختلاف ہے ہو سکتا ہے کہ اسی جگہ سے شروع ہوا ہو۔ حق بات یہ ہے کہ سالک اگر محمدی المشرب ہے تو رجوع سے محفوظ ہے ورنہ خطرہ میں ہے۔

اور اسی طرح ہے وہ اختلاف جو مشائخؒ کے درمیان سالک کی فنا کے بعد وجود سالک کے اثر کے زوال میں واقع ہوا ہے۔ بعض مشائخ ذات اور صفت کے زوال کے قائل ہیں اور بعض دوسرں نے زوال کو جائز نہیں رکھا۔ اس باب میں بھی حق بات مفصل گفتگو کی متقاضی ہے۔ اگر سالک محمدی المشرب ہے تو عین اور اثر دونوں کو گم کر دیتا ہے۔ اور غیر محمدی المشرب کا اثر زائل نہیں ہوتا کیونکہ صفت جو اس کی اصل ہے، باقی ہے۔ اس لیے اس کے ظل کا بالکلیہ زائل ہو جانا ممکن نہیں۔

یہاں ایک دقیق بات ہے۔ جاننا چاہیے کہ ذات اور صفت کے زوال سے مراد زوال شہودی ہے، نہ کہ زوال وجودی۔ کیونکہ زوال وجودی کا قول الحاد اور زندقہ (بے دینی) کو مستلزم ہے۔ اور اس گروہ میں سے ایک جماعت نے زوال، وجودی تصور کیا ہے۔ یہ لوگ ممکن کے اثر کے زوال سے دور بھاگے ہیں اور انہوں نے اس کو الحاد اور بے دینی خیال کیا ہے۔ لیکن حق بات وہی ہے جس کو اللہ سبحانہٗ کے بتانے سے میں نے تحقیق کی ہے

تعجب ہے کہ یہ لوگ زوال وجودی کے قائل ہونے کے ساتھ ساتھ زوال عین کے بھی قائل ہوئے ہیں۔ کیونکہ عین وجود کے زوال کا حکم زوال اثر کے حکم کی طرح الحاد اور زندقہ کو مستلزم ہے۔ الغرض عین اور اثر میں زوال وجودی محال ہے۔ اور زوال شہودی دونوں میں ممکن بلکہ واقع ہے۔ لیکن یہ زوال محمدی المشرب سالک کے ساتھ مخصوص ہے۔ تو محمدی المشرب سالک قلب سے پورے طور پر باہر نکل آتے ہیں اور مقلب قلب (حق تعالیٰ) سے وابستہ ہو جاتے ہیں۔ یہ حضرات حالات کے ادل بدل اور غیر حق کی غلامی سے بالکلیہ آزاد ہوتے ہیں۔ اور دوسروں کو چونکہ آثار کا وجود دامنگیر اور احوال میں ردو بدل ان کا نقد وقت ہوتا ہے۔ اس لیے مقام قلب سے نجات نہیں پا سکتے۔ کیونکہ آثار کا وجود اور احوال میں ردو بدل حقیقت جامعہ قلبیہ کی تنویر کی شاخوں میں سے ہے۔ لہٰذا دوسروں کا شہود ہمیشہ پردہ میں رہتا ہے۔ کیونکہ جس قدر سالک کے وجود کا حصہ باقی رہتا ہے۔ اسی قدر

مطلوب بھی پردہ میں رہتا ہے۔ اور جبکہ اثر باقی ہے تو پردہ یہی اثر ہے۔

معرفت:

اگر سالک غیر متعارف راستہ سے مراتب فوق کے اسم ہیں سے کسی مرتبہ میں پہنچے جو اس کا رب ہے اور بغیر اس کے کہ اس اسم میں پہنچے بلکہ کسی نیچے کے مرتبہ میں ہی فانی اور ہلاک ہو جائے تو اس صورت میں بھی فنا فی اللہ کہنا درست ہے۔ اور یہی اس مرتبہ کے ساتھ بقا کا حال ہے۔ پس اس اسم کے ساتھ فنا فی اللہ کی تخصیص اس وجہ سے ہے کہ تمام فناؤں کے مراتب میں سے یہ پہلا مرتبہ ہے۔

معرفت:

سلوک چند قسم ہے۔ بعض کا سلوک تو بے تقدم جذبہ ہے۔ اور بعض دوسروں کے لیے جذبہ سلوک پر مقدم ہے۔ اور ایک جماعت کو منازلِ سلوک طے کرنے کے دوران جذبہ حاصل ہوتا ہے۔ اور ایک جماعت کو منازلِ سلوک کا طے کرنا تو میسر آتا ہے لیکن جذبہ کی حد تک نہیں پہنچ سکتے۔ جذبے کا سلوک پر مقدم ہونا محبوبوں کا حصہ ہے۔ اور باقی اقسام محب لوگوں سے تعلق رکھتی ہیں۔ محبوں کا سلوک ترتیب و تفصیل کے ساتھ مقامات عشرہ مشہورہ کے طے کرنے سے عبارت ہے۔ اور محبوبوں کے سلوک میں مقامات عشرہ کا خلاصہ میسر آتا ہے۔ وہ ترتیب و تفصیل سے کوئی سروکار نہیں رکھتے۔ وحدت وجود کا علم اور اس کے مانند احاطہ۔ سریان اور معیتِ ذاتیہ جذبہ مقدم یا متوسط سے وابستہ ہیں۔ سلوک خالص اور منتہی حضرات کے جذبہ کو اس طرح کے علوم سے کچھ مناسبت نہیں جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ اور منتہی حضرات کا حق الیقین بھی توحید وجودی کے ساتھ مناسبت رکھنے والے علوم سے مناسبت نہیں رکھتا۔ ہر وہ مقام جہاں توحید وجودی والوں کے مناسب مقام حق الیقین کا بیان کیا گیا ہے۔ وہ مبتدی یا متوسط مجذوبوں کا حق الیقین ہے، نہ کہ منتہی حضرات کا حق الیقین۔

معرفت:

بعض مشائخ نے فرمایا ہے کہ جب طالب کا کام جذبہ تک پہنچ جاتا ہے تو پھر جذبہ ہی اس کا رہبر بن جاتا ہے۔ یعنی کسی اور رہبر کے واسطے کی ضرورت نہیں رہتی بلکہ وہی جذبہ اس کے لیے کافی ہوتا ہے۔ اگر اس جذبہ سے مشائخ نے جذبہ سیر فی اللہ مراد لیا ہے تو البتہ یہ کافی ہے۔ لیکن رہبر کا لفظ اس ارادہ کے منافی ہے کیونکہ سیر فی اللہ کے بعد کوئی مسافت نہیں جس کے طے کرنے کے لیے رہبر کی ضرورت پیش آئے۔ اسی طرح جذبہ مقدم بھی مراد نہیں جیسا کہ عبارت سے متبادر مفہوم ہوتا ہے۔ تو لازماً انہوں نے جذبہ متوسط ہی مراد لیا ہے۔ لیکن اس کا مطلوب تک وصول کے لیے کافی

ہونا علم میں نہیں آتا۔ کیونکہ بہت سے متوسط حضرات اس جذبہ کے حصول کے وقت اوپر کی طرف عروج سے رہ گئے ہیں۔ اور جذبہ کو انہوں نے جذبہ نہایت گمان کر لیا ہے۔ اگر یہ جذبہ کافی ہوتا تو انہیں راہ میں نہ چھوڑتا۔ ہاں جذبہ متقدم چونکہ محبوبوں سے تعلق رکھتا ہے۔ اگر کافی ہو جائے تو گنجائش رکھتا ہے۔ محبوبوں کو قلاب (حلقہ) عنایت کے ساتھ کھینچ کرلے جائیں گے۔ راستہ کے درمیان ہی نہیں چھوڑ دیں گے۔ لیکن یہ کفایت تمام متقدم جذبات کے حق میں بھی ممنوع ہے۔ ہاں وہ جذبہ جو انجام کار سلوک تک لے جاتا ہے، وہ کافی ہے۔ اور اگر سلوک تک نہ پہنچائے تو اس طرح کا صاحب جذبہ بے نصیب مجذوب ہے۔ محبوبوں میں سے نہیں ہے۔

خاتمہ:

مشائخ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم میں سے ایک گروہ نے کہا ہے کہ تجلی ذاتی شعور سے غافل اور ظاہری حواس کو معطل کر دیتی ہے۔ ان مشائخ میں سے بعض نے اپنے حال سے یوں خبر دی ہے کہ اس تجلی ذاتی کے ظہور کے وقت ایک مدت تک وہ بے حس و حرکت پڑے رہے ہیں۔ اور لوگ انہیں مردہ خیال کرتے تھے۔ اور بعض دوسروں نے تجلی ذات میں کلام کرنے سے روکا ہے، وغیر ذالک۔

اس بات کی حقیقت یہ ہے کہ ذات کی یہ تجلی اسماء میں سے ایک اسم کے پردہ میں ہوئی ہے۔ اور بقائے پردہ صاحب تجلی کے وجود کے اثر کے باقی رہنے کے باعث ہے۔ اور وہ بے شعوری اس باقی ماندہ اثر کی وجہ سے ہے۔ اگر پورے طور پر فنا ہو جاتا اور بقا باللہ سے مشرف ہو جاتا تو وہ تجلی اسے ہرگز بے شعور نہ کرتی ؎

يحرق بالنار من يمس بها

ومن هو النار كيف يحترق

پہلا شخص تو آگ کو چھونے والا ہے۔ اُسے تو یہ جلا دیتی اور لاشے کر دیتی ہے۔ اور دوسرا عین آگ ہے۔ تو آگ آگ کو کیسے جلائے۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ جو تجلی کسی پردے میں ہوتی ہے وہ ذات کی تجلی نہیں بلکہ تجلی صفات میں داخل ہے۔ تجلی ذات جو آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے بے پردہ تجلی ہے۔ اور پردے کی علامت بے شعوری ہے۔ اور بے شعوری دوری کے باعث ہے۔ اور بے پردگی کی دلیل شعور ہے۔ اور شعور کمال حضور میں ہے۔ ایک بزرگ علیہ الرحمۃ نے اس تجلی بالاصالۃ والاستقلال والے صاحب حال کے متعلق یوں خبر دی ہے۔ جب کہ اس نے کہا ؎

۱؎ آگ اسے جلا دیتی ہے جو اسے چھوئے لیکن جو خود ہی آگ ہو وہ کیسے جلے؟

موسیٰؑ ز ہوش رفت بیک پرتوِ جمال
تو عین ذات می نگری در تبسمی![1]

اور یہی تجلی ذاتی جو بے پردہ ہے محبوبوں کو دائماً حاصل ہے اور محبوں کو صرف ایک لحظہ کے لیے کیونکہ محبوبوں کے اجسام نے ان کے ارواح کا رنگ اختیار کر لیا ہے۔ اُس نسبت نے ان میں بالکلیہ سرایت کر لی ہے۔ اور محبوں میں یہ نسبت بر سبیلِ ندرت ہے۔ اور وہ جو حدیث نبوی علیہ من الصلوات انمہا ومن التحیات اکملہا میں واقع ہوا ہے:

لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ۔ مجھے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک خاص وقت نصیب ہوتا ہے۔

اس میں وقت سے مراد یہ تجلی برقی نہیں کیونکہ یہ تجلی آنسرور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے جو تمام محبوبوں کے بادشاہ ہیں، دائمی ہے۔ بلکہ اس وقت سے اس تجلی ذاتی دائمی میں ایک خاص نوع مراد ہے جو بر سبیل قلت آپ کو میسر آتی تھی۔ جیسا کہ اربابِ طریقت پر مخفی نہیں۔

معرفت:

مشائخ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم حدیث:

لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ لَا یَسَعُنِیْ فِیْہِ مَلَکٌ مُقَرَّبٌ وَّلَا نَبِیٌّ مُّرْسَلٌ۔[2] مجھے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک خاص وقت میسر آتا ہے جس میں کسی فرشتہ مقرب اور نبی مرسل کی گنجائش نہیں۔

میں دو گروہ ہیں۔ ایک جماعت نے وقت سے وقت دائمی مراد لیا ہے۔ اور دوسری جماعت نے ایک خاص اور نادر وقت مراد لیا ہے۔ لیکن حق بات یہ ہے کہ استمرار اور دوام وقت کے باوجود آپ کو ایک خاص اور نادر وقت بھی میسر آتا تھا۔ جیسا کہ ابھی گزشتہ بیان میں اس کی طرف اشارہ گزرا ہے۔ اور اس حقیر کے نزدیک اس نادر وقت کا میسر آنا نماز میں ہوتا تھا۔ اور شاید آنسرور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حدیث

قُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ۔[3] میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔

میں اسی طرف اشارہ فرمایا ہو۔

نیز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

---

[1] حضرت موسیٰ تو ایک ہی پرتو جمال سے ہوش کھو بیٹھے۔ لیکن آپ عین ذات کو تبسم کرتے ہوئے دیکھتے ہیں۔

[2] یہ حدیث باختلاف سیر رسالہ قشیریہ میں مذکور ہے۔ علاوہ ازیں شمائل ترمذی کی ایک روایت سے بھی اس مضمون کی تائید ہوتی ہے۔ اور صحیح مسلم میں وارد ہے: انی لست کھیئتکم انی ابیت یطعمنی ربی ویسقینی۔

[3] نسائی شریف ومستدرک حاکم۔

اقرب ما یکون العبد من الرب[1]	بندہ اپنے رب کے سب سے زیادہ قریب نماز میں
فی الصلوٰۃ۔	ہوتا ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:

وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ[2]	سجدہ کر اور نزدیک ہو۔

پس ہر اس وقت میں کہ قرب الٰہی زیادہ حاصل ہوتا ہے اس میں غیر کی گنجائش کی نفی بھی زیادہ ہوتی ہے۔

اور وہ جو بعض مشائخ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم نے فرمایا ہے اور اپنی قوت حال اور استمرار وقت سے یوں خبر دی ہے کہ میرا حال نماز میں بھی غیر نماز کے حال کی طرح ہوتا ہے۔ تو احادیث مذکورہ بلکہ نص مذکور مساوات اور استمرار کی نفی کرتی ہیں۔

جاننا چاہیے کہ استمرار وقت تو متحقق ہے۔ گفتگو اس میں ہے کہ استمرار وقت کے باوجود حالت نادرہ بھی واقع ہوتی ہے یا نہیں۔ ایک جماعت کو جسے اس نادر وقت پر اطلاع نہیں دی گئی اس کی نفی کے قائل ہیں۔ اور دوسری جماعت کو جسے اس مقام سے حصہ دیا گیا ہے' اس نادر وقت کے معترف ہوئے ہیں۔ اور حق بات یہ ہے کہ جسے بطفیل آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ نماز میں جمعیت عطا کی گئی ہے اور اس دولت قرب سے حصہ دیا گیا ہے' بہت قلیل ہیں۔ اللہ سبحانہٗ اپنے کمال کرم سے بحرمت حضرت محمد علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ اس مقام سے ہمیں بھی حصہ عطا کرے۔

معرفت:

صفات والے منتہی حضرات علوم و معارف میں مجذوبوں کے زیادہ نزدیک ہیں اور دولت شہود میں بھی دونوں ایک رنگ ہیں۔ کیونکہ دونوں ارباب قلوب سے ہیں۔ غایۃ ما فی الباب اتنی بات ہے کہ ارباب صفات تفاصیل سے بھی مطلع ہیں۔ اور مجذوب تفاصیل صفات سے مطلع نہیں۔

نیز ارباب صفات سلوک اور فوق کی طرف عروج کی وجہ سے عروج نا کردہ مجذوبوں سے زیادہ قرب رکھتے ہیں۔ لیکن اصل کی محبت ان (مجذوبوں) کے دامنگیر رہے۔ اگرچہ پردے درمیان میں حائل ہیں۔ کیا عجب ہے اگر مطابق اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ' انسان اپنے محبوب کے ساتھ شمار ہوتا ہے۔ مجذوبوں میں بھی قرب اور معیت اصل کا اعتبار کریں۔ پس مجذوب محبت میں محمدیوں کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں۔ کیونکہ

---

[1] مسلم شریف بروایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ مشکوٰۃ شریف۔

[2] پارہ ۳۰ واں۔ سورۂ علق۔

حب ذاتی اگرچہ حجابات کے ساتھ ہے مجذوبوں میں بھی پائی جاتی ہے۔

معرفت:

اس گروہ صوفیا کے بعض حضرات کی عبارات میں واقع ہے کہ اقطاب کے لیے تجلی صفات ہے اور افراد کے لیے تجلی ذات۔ یہ بات محل غور ہے۔ کیونکہ قطب محمدی المشرب ہوتا ہے۔ اور محمدیوں کے لیے تجلی ذات ہے۔ ہاں اتنی بات ہے کہ اس تجلی میں بہت سا تفاوت ہوتا ہے۔ وہ قرب جو افراد کو حاصل ہے اقطاب کو حاصل نہیں۔ لیکن دونوں کو تجلی ذات سے حصہ ضرور ملا ہوا ہے۔ ہاں اگر ہم یہ کہیں کہ قطب سے مراد قطب ابدال ہے جو حضرت اسرافیل کے قدم پر ہوتا ہے، نہ کہ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قدم مبارک پر۔

معرفت:

إِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ آدَمَ عَلٰى صُوْرَتِهٖ — اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا۔

اللہ تعالیٰ بے مثل اور بے کیف ہے۔ اس نے آدم کی روح کو جو آدم کا خلاصہ ہے، بے مثل و بے کیف پیدا فرمایا۔ تو جس طرح حق سبحانہٗ و تعالیٰ لامکانی ہے، روح بھی لامکانی ہے۔ روح کو بدن کے ساتھ وہی نسبت ہے جو حق تعالیٰ و تقدس کو عالم کے ساتھ ہے۔ کہ نہ عالم میں داخل ہے نہ خارج۔ نہ متصل ہے نہ منفصل۔ قیومیت یعنی تدبیر و تصرف کے سوا اور کوئی نسبت مفہوم نہیں ہوتی۔ بدن کے ہر ذرے کا منتظم روح ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ تمام عالم کا قیوم و مدبر ہے۔ بدن کے لیے اللہ تعالیٰ کی قیومیت و تدبیر روح کی قیومیت کے واسطہ سے ہے۔ حق تعالیٰ کی طرف سے جو فیض بھی وارد ہوتا ہے، اس فیض کا محل ورود اولاً اور ابتداءً روح ہے۔ پھر روح کے واسطہ سے وہ فیض بدن کو پہنچتا ہے۔ اور جبکہ روح بے چونی اور بے چگونی (بے مثل و بے کیف) کی حالت پر پیدا کیا گیا ہے تو لامحالہ بے چوں و بے چگون حقیقی (اللہ تعالیٰ) کی اس میں گنجائش ہے۔

لا یسعنی ارضی ولا سمائی ولکن یسعنی قلب عبدی المؤمن[1] — میری گنجائش نہ تو میری زمین رکھتی ہے اور نہ میرا آسمان۔ ہاں میری گنجائش میرے بندہ مومن کا قلب رکھتا ہے۔

---

[1] اس حدیث کو امام غزالی نے احیاء العلوم میں ذکر کیا ہے۔ اور محدث دیلمی نے اسے مسند الفردوس میں بروایت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ذکر کیا ہے۔ حافظ سیوطی نے الدرر المنتشرہ میں اس حدیث کی تخریج کی ہے۔

کیونکہ ارض و سما اس وسعت و فراخی کے باوجود چونکہ دائرہ مکان میں داخل ہیں۔ اور چون و چگون کے داغ سے داغدار ہیں۔ اس لیے لامکانی ذات جو کمیت اور مقدار سے مقدس اور پاک ہے کی گنجائش نہیں رکھتے۔ لامکانی شئے مکان میں سمانے کی گنجائش نہیں رکھتی۔ اور بے چون چون میں آرام پذیر نہیں ہو سکتی۔ تو لامحالہ عبد مومن کے قلب میں جو لامکانی اور کمیت و مقدار سے پاک ہے میں اس کا سمانا ثابت ہو گیا۔ عبد مومن کے قلب کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ غیر مومن کامل کا قلب لامکان کی بلندی سے نیچے آ چکا ہے اور مقدار و کیف کا گرفتار ہو چکا ہے اور اس کا حکم اختیار کر چکا ہے۔ پس اس نزول اور گرفتاری کی بنا پر چونکہ دائرہ مکانی میں داخل ہو چکا ہے، اور کیف و مثل کی حالت پیدا کر چکا ہے، اس لیے اس قابلیت کو ضائع کر چکا ہے

اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ۔ یہ لوگ چار پایوں کی طرح ہیں، بلکہ ان سے بھی گئے گزرے

اور مشائخ میں سے جس نے بھی اپنے قلب کی وسعت سے خبر دی ہے تو اس کی مراد یہی قلب کی لامکانیت ہے۔ اس لیے مکانی شئے اگرچہ کتنی بھی وسیع ہو بہر حال تنگ ہی ہے۔ عرش عظمت و فراخی کے باوجود چونکہ مکانی ہے، لامحالہ لامکانی (روح) کے سامنے رائی کے دانہ کی حیثیت رکھتا ہے، بلکہ اس سے بھی کمتر۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ یہ قلب چونکہ انوارِ قدم کی تجلی کا محل بن چکا ہے، بلکہ قدیم ذات کے ساتھ بقا حاصل کر چکا ہے اس لیے عرش و ما فیہا اگر اس میں آ پڑیں تو بالکل محو و لاشئے ہو جائیں، اور ان کا کچھ اثر و نشان باقی نہ رہے۔ جیسا کہ سیّد الطائفہ حضرت جنید بغدادی قدس سرّہ نے اس مقام پر فرمایا ہے کہ محدث (فانی) کو جب قدیم کے ساتھ ملایا جائے تو فانی اور محدث کا کچھ اثر باقی نہیں رہتا۔

یہ ایک یکتا لباس ہے جو صرف روح کے قد پر ہی سیا گیا ہے۔ ملائکہ بھی یہ خصوصیت نہیں رکھتے۔ کیونکہ یہ بھی دائرۂ مکان میں داخل ہیں اور چون کے ساتھ متصف ہیں۔ اسی بنا پر انسان رحمان جل سلطانہ، کا خلیفہ قرار پایا۔ ہاں ہاں! شئے کی صورت ہی شئے کا خلیفہ بن سکتی ہے۔ جب شئے کی صورت پر پیدا نہ کیا گیا ہو تو اس کی خلافت کے لائق نہیں ہو سکتا۔ اور جب تک خلافت کے لائق نہ ہو امانت کے بوجھ کو نہیں اٹھا سکتا۔ بادشاہ کی عطاؤں کو اسی کی سواریاں اٹھا سکتی ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے[1]:

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ	بے شک ہم نے آسمانوں، زمینوں اور پہاڑوں پر
وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا	امانت پیش کی تو انہوں نے اسے اٹھانے سے
وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ،	انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے۔ اور انسان نے اس
اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۔	امانت کو اٹھا لیا۔ بے شک وہ بڑا ہی ظالم اور جاہل ہے۔

[1] پارہ ۲۲ - سورۂ احزاب

یعنی انسان اپنی ذات پر بہت ہی ظلم کرنے والا ہے کہ اپنے وجود اور توابع وجود کا کچھ اثر اور حکم باقی نہیں رہنے دیتا۔ اور کثیر الجہل ہے کہ اسے اپنے مقصود سے متعلق کچھ ادراک نہیں اور نہ ہی علم رکھتا ہے جس کی اپنے مطلوب کی طرف نسبت ہو۔ بلکہ اس مقام میں ادراک سے عاجز رہنا ہی ادراک ہے۔ اور جہالت کا اعتراف معرفت ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ کی معرفت زیادہ ہوگی وہ سب سے زیادہ حیرت میں ہوگا۔

تنبیہ:

اگر بعض عبارات میں ایسا لفظ واقع ہو جائے جس سے ذات واجب تعالیٰ کے لیے ظرفیت یا مظروفیت کا وہم پڑتا ہو تو اسے بمیدان عبارت کی تنگی پر محمول کرنا چاہیے۔ اور کلام کی مراد کو علمائے اہل سنت کی آراء کے مطابق کرنا چاہیے۔

معرفت:

عالم چاہے صغیر (انسان) ہو چاہے کبیر (مجموعہ کائنات) سب اسماء اور صفات الٰہیہ تعالیٰ شانہٗ کے مظاہر اور اس ذات سبحانہٗ کے شیون و کمالات ذاتیہ کے آئینے ہیں۔ اور وہ ذات سبحانہٗ و تعالیٰ ایک پوشیدہ خزانہ اور مخفی راز تھی۔ اس نے چاہا کہ خفا سے ظہور میں آئے اور اپنے آپ کو اجمال سے تفصیل کی طرف لائے جہان کو پیدا فرمایا تاکہ اپنے اصل پر دلالت کرے اور اپنی حقیقت کے لیے علامت اور نشانی بنے پس عالم کو اپنے صانع اور خالق کے ساتھ اس کے سوا اور کچھ نسبت نہیں کہ عالم مخلوق ہے اور اس ذات تعالیٰ و تقدس کے کمالاتِ پوشیدہ پر دلیل ہے۔ اس نسبت کے ماسوا جو حکم بھی لگایا جائے جیسے اتحاد، عینیت، احاطہ اور معیت، سب سکر وقت اور غلبۂ حال کے باعث ہے۔

مستقیم الاحوال اکابر جنہیں صحو اور ہوش کے پیالہ سے حصہ ملا ہے اس طرح کے علوم سے بیزار اور استغفار کرتے ہیں۔ اگرچہ ان مستقیم الاحوال بزرگوں کو راہِ سلوک کے درمیان یہ علوم حاصل ہوتے ہیں۔ لیکن بالآخر انہیں ان علوم سے برار کر آگے لے جاتے ہیں اور علوم شریعت کے مطابق ان پر علوم لدنی وارد فرماتے ہیں۔

اس بحث کی تحقیق کے لیے ہم ایک مثال بیان کرتے ہیں۔ زیرک اور صاحب کمالات عالم جب چاہتا ہے کہ اپنے ذہن میں پوشیدہ کمالات کو میدان ظہور اور اپنے مخفی فنون کو سامنے لائے تو وہ حروف و اصوات کو ایجاد کرتا ہے۔ ان دلالت کرنے والے حروف و اصوات کو خزانہ ذہن میں موجود معانی بلکہ اس عالم موجد کے ساتھ اس کے سوا کچھ نسبت نہیں کہ وہ عالم ان کا موجد ہے۔ اور یہ حروف و اصوات کو اس ایجاد کرنے والے عالم کا عین یا اُن معانی کا عین کہنا بالکل بے معنی ہے۔ اسی طرح احاطے اور معیت کا حکم

بھی اس واقعہ میں غیر موجود ہے۔ معانی اپنی اسی سادگی اور تنہائی کی حالت میں ہیں۔ ہاں جبکہ معانی اور صاحب معانی اور حروف واصوات کے درمیان دالیت اور مدلولیت کی نسبت متحقق اور موجود ہے۔ اس بنا پر بعض معانی زائدہ غیر مطابق واقع تخیل میں آجاتے ہیں۔ فی الحقیقت وہ عالم اور اس کے ذہن میں موجود معانی اس نسبت زائدہ سے منزہ اور مُبرا ہیں۔ اور یہ حروف واصوات خارج میں موجود ہیں اور حروف و اصوات محض اوہام وخیالات ہیں۔ پس عالم جو ماسوا اللہ سے عبارت ہے، خارج میں وجود ظلی اور کون تبعی کے ساتھ موجود ہے۔ نہ یہ کہ عالم اوہام وخیالات ہے۔

یہ مذہب بعینہٖ سوفسطائی کا مذہب ہے جو عالم کو اوہام وخیالات تصور کرتا ہے۔ عالم کی حقیقت کو ثابت ماننا عالم کو اوہام وخیالات سے نہیں نکال سکتا۔ کیونکہ اس صورت میں تو حقیقت موجود ہوگی نہ کہ عالم کیونکہ عالم اس کی حقیقت مفروضہ سے الگ ایک شے ہے۔

تنبیہ:

جہان کا واجب تعالیٰ کے اسماء اور صفات کا مظہر اور آئینہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ صُوَر اسماء اور صفات کا آئینہ ہیں۔ نہ کہ بے واسطہ صور عین صفات اور اسماء کا آئینہ اور مظہر ہیں۔ کیونکہ اس کا اسم بھی مسمّٰی کی طرح کسی آئینے کا محاط نہیں ہو سکتا۔ اور صفت بھی بے مثل موصوف کی مانند کسی مظہر کی قید میں نہیں آسکتی ہے

در تنگنائے صورت معنی چگونہ گنجد[1]
در کلبۂ گدایاں سلطاں چہ کار دارد

معرفت:

اگرچہ آں سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کامل متبعین کے لیے آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیہ کی اتباع کی برکت سے تجلی ذات سے جو بالاصالۃ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خاصہ ہے، حصہ ملتا ہے۔ اور باقی تمام انبیاء علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات والتحیات والتسلیمات کے لیے تجلیات صفات ہیں اور تجلی ذات تجلی صفات سے اشرف اور اعلیٰ ہے۔ لیکن انبیاء کرام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات والتحیات کے لیے تجلیات صفات میں وہ قرب حاصل ہے جو اس امت کے کامل متبعین کے لیے بطریق تبعیت تجلی ذات حاصل ہونے کے باوجود حاصل نہیں۔

مثلاً ایک شخص جمال آفتاب کی محبت میں مدارج عروج کو طے کر کے آفتاب تک پہنچے اور اس کے اور

[1] صورت کے تنگ مقام میں معنی نہیں سما سکتا۔ گداؤں کی کٹیا میں سلطان کا کیا کام۔

آفتاب کے درمیان سوائے ایک باریک پردہ کے کچھ حائل نہ رہے۔ اور ایک دوسرا شخص ذات آفتاب کی محبت کے باوجود ان مراتب تک عروج سے عاجز ہو اگرچہ اس کے اور آفتاب کے درمیان باریک سا پردہ بھی حائل نہ ہو تاہم اس امر میں کچھ شک نہیں کہ شخص اول آفتاب کے زیادہ نزدیک ہے اور اس کے کمالاتِ دقیقہ کو زیادہ جاننے والا ہے۔

پس اس امت کے اولیاء کرام ہیں باوجود اس امت کے خیر الامم ہونے کے اپنے پیغمبر کے افضل ہونے کے باوجود کسی نبی کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ اگرچہ اس ولی کو اپنے پیغمبر کی متابعت کے واسطہ سے مقام ما بہ الافضلیت سے حصہ ملا ہوا ہے۔ فضیلت کلی صرف انبیاء کرام کو حاصل ہے۔ اولیاء کرام طفیلی ہیں۔
اب ہمیں اپنے اس مکتوب کو ان ہی الفاظ پر ختم کرنا چاہیے ہم اس پر اور تمام نعمتوں پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی حمد وثنا کرتے ہیں۔

والصلوٰة والسلام علیٰ افضل انبیائه وعلیٰ جمیع الانبیاء والمرسلین والملٰئکة المقربین وعلی الصدیقین والشهداء والصالحین۔

مکتوب نمبر ۲۸۸

سید انبیاء سارنگپوری کی طرف صادر فرمایا:

نماز نوافل جیسے نماز عاشورا، شب قدر اور شب برات وغیرہ باجماعت ادا کرنے سے روکنے اور منع کرنے کے بیان میں اور اس کے مناسب امور کے بیان میں۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

تمام تعریفیں اس رب العالمین کے لیے جس نے ہمیں سید المرسلین کی متابعت سے مشرف فرمایا اور جس نے ہم کو دین میں بدعات سے بچایا۔ اور صلوٰۃ وسلام نازل ہو اس ہستی پر جس نے ضلالت وگمراہی کی بنیادوں کا قلع وقمع فرمایا اور ہدایت کے جھنڈوں کو بلند فرمایا۔ اور آپ کی نیکوکار آل اور پسندیدہ اصحاب پر بھی رحمت وسلامتی کا نزول ہو۔

جاننا چاہیے کہ اس زمانہ کے اکثر عوام وخواص ادائے نوافل کا اہتمام بڑا ملحوظ خاطر رکھتے ہیں۔ اور فرائض کی ادائیگی میں سستیوں کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اور فرائض میں سنن ومستحبات کی بہت کم رعایت کرتے ہیں۔ نوافل کو عزیز جانتے ہیں اور فرائض کو ذلیل وخوار۔ بہت کم ہی ایسا ہوتا ہے کہ فرائض کو اوقات مستحبہ

یں ادا کریں۔ مسنون جماعت کے بڑھانے بلکہ نفس جماعت میں کچھ اہتمام نہیں کرتے اور سستی اور تساہل کے ساتھ فرائض کے ادا کرنے کو غنیمت شمار کرتے ہیں۔ اور عاشورا کے روز سے ماہ رجب کی ستائیسویں رات اور ماہِ مذکور کی اول شب جمعہ میں جس کا نام انہوں نے لیلۃ الرغائب رکھا ہوا ہے، کمال اہتمام کی رعایت کرتے اور کثیر جماعت کے ساتھ نوافل کو با جماعت ادا کرتے ہیں۔ اور اس عمل کو نیک اور مستحسن خیال کرتے ہیں۔ اور نہیں جانتے کہ یہ شیطانی آرائشوں میں سے ہے، جو برائیوں کو حسنات کی شکل میں دکھاتا ہے۔

(۱) شیخ الاسلام مولانا عصام الدین ہروی حاشیہ شرح وقایہ میں فرماتے ہیں کہ "نوافل جماعت کے ساتھ ادا کرنا اور فرضوں کی جماعت ترک کرنا ابلیس لعین کے پھیلائے ہوئے جالوں میں سے ہے۔"

(۲) جاننا چاہیے کہ نوافل کو پوری دل جمعی اور جماعت کے ساتھ ادا کرنا بدعات مذمومہ مکروہہ میں سے ہے۔ ایسی بدعتوں کے متعلق حضرت رسالت خاتمیت علیہ من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا نے فرمایا ہے:

مَنْ اَحْدَثَ فِیْ دِیْنِنَا هٰذَا فَهُوَ رَدٌّ۔[1] — جس شخص نے ہمارے اس دین میں کوئی نئی بات نکالی تو وہ بات مردود ہے۔

(۳) جاننا چاہیے کہ نوافل با جماعت ادا کرنا بعض فقہی روایات میں مطلقاً مکروہ ہے۔ اور بعض دوسری فقہی روایات میں یہ کراہت تداعی اور اجتماع کے ساتھ مشروط کی گئی ہے۔ پس اگر تداعی کے بغیر ایک دو آدمی مسجد کے کونہ میں نوافل با جماعت ادا کریں تو یہ بلا کراہت جائز ہے۔ اور اگر نفلوں کی جماعت میں تین افراد جمع ہو جائیں تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے۔ اور اگر چار افراد شریک ہو جائیں تو بعض روایات کے مطابق باتفاق فقہاء کرام مکروہ ہے۔ اور بعض دوسری روایات میں ہے کہ چار افراد کامل کر نوافل با جماعت ادا کرنا زیادہ صحیح یہ ہے کہ مکروہ ہے۔ فتاوٰی سراجیہ[2] میں ہے:

کرہ التطوع بالجماعۃ بخلاف التراویح وصلوٰۃ الکسوف — نفل نماز با جماعت ادا کرنا مکروہ ہے بخلاف نماز تراویح اور سورج گرہن کی نماز کے اُن کا اسے با جماعت

---

[1] بخاری ومسلم شریف بروایت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا باختلاف یسیر۔

[2] یہ فتاوٰی سراج الدین اوشی بن عثمان بن محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تصنیف ہے۔ مصنف نے اس فتاوٰی میں وہ نوادر مسائل بیان کیے ہیں جو اکثر کتب میں نہیں ملتے۔ یہ فتاوٰی بزرگ موصوف نے مقام اوش محرم ۹۶۵ھ میں مکمل فرمایا۔

ادا کرنا مکروہ نہیں)

(۵) فتاویٰ غیاثیہ میں شیخ الاسلام سرخسی[1] رحمۃ اللہ سبحانہٗ علیہ فرماتے ہیں:

التطوع بجماعة خارج رمضان انما يكره اذا كان على سبيل التداعي اما اذا اقتدى واحد او اثنان لا يكره وفي الثلاث اختلاف وفي الاربع يكره بلا خلاف	غیر رمضان میں نوافل با جماعت ادا کرنا مکروہ ہے جب تداعی کے طور پر ہو لیکن اگر ایک مقتدی یا دو ہوں تو مکروہ نہیں۔ اور تین میں اختلاف ہے اور چار مقتدیوں کی صورت میں بلا اختلاف مکروہ ہے۔

(۶) فقہ کی مشہور کتاب خلاصہ میں مذکور ہے:

التطوع بالجماعة اذا كان على سبيل التداعي يكره اما اذا صلوا بجماعة بغير اذان واقامة في ناحية المسجد لا يكره۔	نفلوں کی جماعت جبکہ تداعی کے طور پر ہو تو مکروہ ہے لیکن اگر بغیر اذان و اقامت مسجد کے ایک کونے میں با جماعت نفل پڑھ لیں تو مکروہ نہیں۔

(۷) شمس الائمہ الحلوانی[2] فرماتے ہیں:

اذا كان سوا الامام ثلاثة لا يكره بالاتفاق وفي الاربع اختلاف ـــــ والاصح انه مكروه	جب امام کے سوا تین افراد ہوں تو نوافل کی جماعت بالاتفاق مکروہ نہیں۔ اور چار میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ اور صحیح تر یہی ہے کہ مکروہ ہے۔

---

[1] یعنی محمد بن احمد بن سہل ابو بکر شمس الائمہ السرخسی۔ آپ امام، علامہ، دین کی حجت، متکلم، مناظر، علم اصول کے ماہر اور مسائل میں مجتہد تھے۔ عرصہ دراز تک شمس الائمہ الحلوانی کی خدمت میں رہے۔ ۴۹۰ھ یا ۵۰۰ھ میں وصال فرمایا۔ آپ نے اوزجند کی جیل میں پندرہ جلدوں میں مبسوط تصنیف فرمائی۔ آپ نے بادشاہ وقت خاقان کو نیکی کی تلقین کی جس کی پاداش میں آپ کو جیل میں قید کر دیا گیا۔ سرخس بلاد خراسان میں مشہور اور قدیم شہر ہے۔

[2] یعنی عبدالعزیز بن احمد بن نصر بن صالح البخاری الحنفی الحلوانی المتوفی چار سو اڑتالیس یا انچاس ہجری۔ آپ کے والد ماجد احمد بن نصر رحمۃ اللہ علیہ حلوے کی تجارت کرتے تھے۔ آپ فقراء کو بلا قیمت حلوا دیتے اور فرماتے میرے بچے کے لیے دعا کرو۔ آپ کی سخاوت حسن اعتقاد اور بارگاہ ایزدی میں عجز و زاری کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کے صاحبزادے حضرت شمس الائمہ کو بہت اونچا مقام عطا فرمایا۔ اور اگر حلوانی شہر کی طرف نسبت ہو تو پھر یہ لفظ حلوائی کی بجائے حلوانی ہوگا۔

کشف الظنون

(۸) فتاوٰی شافیہ میں ہے:

ولا یصلی التطوع بالجماعۃ الا فی شہر رمضان وذٰلک انما یکرہ اذا کان علیٰ سبیل التداعی یعنی باذان واقامۃ اما لو اقتدی واحد او اثنان لا علیٰ سبیل التداعی فلا یکرہ واذا اقتدی ثلاثۃ اختلف المشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ و ان اقتدی اربعۃ کُرِہ اتفاقًا۔	کوئی شخص بھی نوافل جماعت کے ساتھ ادا نہ کرے سوائے رمضان شریف کے مہینہ کے۔ اور نوافل با جماعت ادا کرنا مکروہ ہے جبکہ اذان اور اقامت کے ساتھ ان کی جماعت کرائی جائے۔ اور اگر ایک آدمی یا دو آدمی اذان اور اقامت کے بغیر اقتدا کریں تو مکروہ نہیں۔ اور جب تین مقتدی ہوں تو اس میں مشائخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کا اختلاف ہے۔ اور اگر مقتدی چار ہو جائیں تو بالاتفاق مکروہ ہے۔

اور اس طرح کی روایات بہت ہیں اور فقہی کتابیں ایسی روایات سے پر ہیں۔ اور اگر کوئی ایسی روایت ملے جس میں تعداد کا ذکر نہ ہو اور مطلقاً جواز ظاہر کرے تو اس بارے میں مقید روایات پر محمول کرنا چاہیے۔ اور مطلق سے مقید مراد لینا چاہیے اور جواز کو دو یا تین افراد میں ہی منحصر جاننا چاہیے۔ اس لیے کہ علمائے حنفیہ اگرچہ اصول میں مطلق کو اپنے اطلاق پر ہی رکھنے کے قائل ہیں اور مقید پر عمل نہیں کرتے لیکن روایات میں انہوں نے مطلق کو مقید پر حمل کرنا جائز بلکہ لازم قرار دیا ہے۔ اور اگر بطریق فرض محال حمل نہ کریں اور مطلق ہی رہنے دیں تو ایسی صورت میں یہ مطلق اس مقید کے قابل اور منافی ہو جائے گا، اگر قوت میں برابر ہو۔ اور قوت میں مساوات ممنوع ہے۔ کیونکہ کراہت کی روایات کثرت کے باوجود مختار اور مفتیٰ بہا ہیں بخلاف اباحت کی روایات کے۔ اور اگر دونوں کی مساوات تسلیم کر لی جائے تو ہم کہیں گے کہ کراہت اور اباحت کی دلیلوں کے تعارض کی صورت میں جانب کراہت کو ترجیح حاصل ہے۔ کیونکہ اسی میں احتیاط کی رعایت ہے۔ جیسا کہ اصول فقہ والوں کے ہاں یہ امر طے شدہ ہے۔

پس وہ لوگ جو عاشورہ کے دن اور شب برات اور ستائیسویں رجب کی رات میں نماز باجماعت ادا کرتے ہیں، کم و بیش دو دو سو اور تین تین سو افراد مسجد میں جمع ہوتے ہیں۔ اور اس نماز اور اجتماع اور جماعت کو نیک خیال کرتے ہیں، باتفاق فقہا مکروہ امر کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اور مکروہ چیز کو اچھا جاننا بُرے گناہوں میں سے ہے۔ کیونکہ حرام کو مباح جاننا کفر تک کھینچ کر لے جاتا ہے۔ اور مکروہ چیز کو اچھا گمان کرنا اس سے صرف ایک مرتبہ کم ہے ——— اس فعل کی بُرائی کو اچھی طرح ذہن میں رکھنا چاہیے۔

نوافل کی جماعت جائز کہنے والوں کی دلیل عدم تداعی ہے۔ ہاں بعض روایات کے مطابق عدم تداعی کراہت کو دور کر دیتی ہے۔ لیکن وہ بھی ایک یا دو مقتدیوں کے ساتھ ہے۔ اور اس میں بھی یہ شرط ہے کہ مسجد کے کسی کونے میں ہو۔ اور اس شرط کے نہ ہونے کی صورت میں جواز کی کوئی صورت نہیں۔

علاوہ ازیں تداعی کا معنی یہ ہے کہ نفل نماز کی ادائیگی کے لیے ایک دوسرے کو بلانا اور آگاہ کرنا۔ اور یہ معنی اس طرح کی جماعتوں میں پایا جاتا ہے۔ کیونکہ قبیلوں کے قبیلے عاشورہ کے دن ایک دوسرے کو بتاتے پھرتے ہیں اور کہتے پھرتے ہیں کہ فلاں شیخ یا فلاں عالم کی مسجد میں چلنا چاہیے اور نفل نماز باجماعت ادا کرنی چاہیے۔ ان لوگوں نے اس فعل کو عادت بنا رکھا ہے۔ اس طرح بتاتے پھرنا اذان اور اقامت سے بھی بڑھ کر ہے۔ پس اس صورت میں تداعی بھی ثابت ہے۔ اور اگر ہم تداعی کو اذان اور اقامت کے ساتھ ہی مخصوص رکھیں جیسا کہ بعض روایات میں واقع ہوا ہے۔ اور حقیقۃً اذان اور اقامت ہی مراد لیں تو پھر اس کا جواب وہ ہے جو اوپر گزرا۔ کہ ایسی نماز مذکورہ شرط کے ساتھ ایک یا دو مقتدیوں کے ساتھ خاص ہے۔

جاننا چاہیے کہ نوافل کے ادا کرنے کی بنیاد اخفا اور پوشیدگی پر ہے۔ کیونکہ نفل عبادت ریا اور نمائش کا مقام ہے اور جماعت اخفا اور پوشیدگی کے منافی ہے۔ اور ادائے فرائض میں اظہار اور اعلان مطلوب ہیں۔ کیونکہ فرائض ریا اور نمائش کے شبہ سے مبرا ہے۔ پس انہیں باجماعت ہی ادا کرنا مناسب ہے۔

علاوہ ازیں ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ کثرت اجتماع فتنے کے پیدا ہونے کا مقام ہے۔ اسی لیے نماز جمعہ کی ادائیگی کے لیے بادشاہ وقت یا اس کے نائب کی موجودگی کو شرط قرار دیا گیا ہے تاکہ فتنہ کے پیدا ہونے سے امن رہے۔ اور ان مکروہ جماعتوں میں اس فتنے کو بیدار کرنے کا قوی احتمال ہے۔ لہٰذا اس طرح کا اجتماع شرعاً جائز نہیں بلکہ ممنوع ہے۔ اور حدیث نبوی علیہ من الصلوات افضلہا و من التسلیمات اکملہا میں وارد ہے۔

اَلْفِتْنَةُ نَائِمَةٌ لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ اَيْقَظَهَا[1] فتنہ سویا ہوتا ہے۔ اس شخص پر اللہ کی لعنت پڑتی ہے جو اسے جگائے۔

پس اسلام کے والیوں اور ملت کے قاضیوں اور لوگوں کا محاسبہ کرنے والوں پر لازم ہے کہ اس طرح

[1] علامہ محمد مراد مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو امام رافعی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔

کے اجتماع سے لوگوں کو روکیں اور اس بارے میں لوگوں کو سخت ڈانٹ ڈپٹ کرتے رہیں تاکہ اس بدعت کی بیخ کنی ہو سکے جو فتنے میں مبتلا کرنے والی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی حق کو ثابت کرتا ہے اور وہی سیدھے راستے کی ہدایت دیتا ہے۔

مکتوب نمبر ۲۸۹

مولانا بدرالدین کی طرف صادر فرمایا:

قضاو قدر کے اسرار اور اس کے مناسب امور کے بیان میں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے قضاو قدر کے راز کو اپنے خاص بندوں پر منکشف کر دیا اور سیدھے راستے سے بھٹک جانے کے امکان کی بنا پر عوام سے اس راز کو پوشیدہ رکھا۔ اور صلوٰۃ و سلام نازل ہو اس ذات پر جس نے اس بارے میں حجت اور دلیل کو مکمل کر دیا، اور تباہ ہونے والے نافرمان لوگوں کے حیلوں بہانوں کو کاٹ کر رکھ دیا۔ اور آپ کے نیکوکار اور متقی اہل بیت اور صحابہ پر بھی جو تقدیر پر ایمان لائے اور قضا پر راضی ہوئے۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد چونکہ مسئلہ قضاو قدر کی تحقیق میں لوگ حیرت میں اور گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور ناظرین میں سے اکثر لوگوں پر باطل وہم اور بے فائدہ خیالات غالب آ چکے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض بندے سے جو کچھ اس کے اختیار سے صادر ہوتا ہے اس میں جبر کے قائل ہوئے ہیں۔ اور بعض نے بندے سے جو کچھ صادر ہوتا ہے اس کی خدائے واحد کی طرف نسبت کی نفی کی ہے۔ اور ایک گروہ نے قضاو قدر کے عقیدے میں میانہ روی اختیار کی ہے، اور یہی صراط مستقیم اور مضبوط راستہ ہے۔ اور بے شک میانہ روی کے اس عقیدے کی توفیق فرقہ ناجیہ یعنی اہل سنت والجماعت رضی اللہ تعالیٰ عنہم وعن اسلافہم واخلافہم کو نصیب ہوئی ہے تو ان اہل سنت والجماعت نے اس بارے میں زیادتی اور کمی کو ترک کیا اور وسط اور درمیانی راستے کو اختیار کیا۔

حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے حضرت امام جعفر بن محمد باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے دریافت فرمایا اور عرض کیا اے رسول اللہ کے بیٹے! کیا اللہ تعالیٰ نے اختیار بندوں کے سپرد کر دیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس سے عظیم اور برتر ہے کہ ربوبیت کو بندوں کے حوالے

کر دے۔ پھر امام ابو حنیفہ نے عرض کی "کیا اللہ تعالیٰ نے بندوں کو مجبور پیدا کیا ہے ؟ تو امام جعفر صادق نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس بات سے بہت عدل والا ہے کہ وہ بندوں کو پہلے تو مجبور پیدا کرے اور پھر انہیں عذاب میں ڈالے۔ پھر امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ اس معاملے کی پھر اصل حقیقت کیا ہے ؟ تو امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ معاملہ اختیار اور جبر کے درمیان ہے۔ کہ نہ تو انسان بالکلیہ مجبور ہے اور نہ بالکلیہ مختار ہے ، اور نہ اللہ کی طرف سے انسان پر کوئی جبر ہے۔ اور نہ کوئی بات خواہ مخواہ انسان پر مسلط کی گئی ہے"۔

شاید اسی وجہ سے اہل سنت نے فرمایا ہے کہ بندوں کے افعال اختیاریہ خلق اور ایجاد کے لحاظ سے اللہ کی قدرت کے تحت ہیں، اور دوسرے اعتبار سے یعنی کسب اور اکتساب کے تعلق کے اعتبار سے بندوں کی قدرت کے تحت ہیں۔ پس بندے کی حرکت کو حق تعالیٰ کی قدرت کی طرف نسبت کے اعتبار سے خلق اور ایجاد کہتے ہیں اور بندے کی قدرت کے ساتھ ربط اور تعلق کے اعتبار سے کسب و اکتساب کہتے ہیں۔

لیکن اہل سنت میں سے امام ابوالحسن اشعری اس طرف گئے ہیں کہ بندوں کے اختیار کو ان کے افعال میں کچھ دخل نہیں۔ ہاں، اتنی بات ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنی عادت کے مطابق ان کے اختیار کے پیچھے ان کے فعل کو ایجاد فرما دیتا ہے۔ اس لیے کہ امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک فانی اور حادث قدرت کی کچھ تاثیر نہیں۔ اور یہ مذہب جبر کی طرف مائل ہے۔ اسی لیے اسے جبر متوسط کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے۔

اور استاذ ابو اسحاق اسفرائنی نے فرمایا ہے کہ اصل فعل اور حصول فعل میں بندے کی قدرت کو دخل ہے۔ اور بندے کا فعل دو قدرتوں سے وجود میں آتا ہے (ایک اللہ کی قدرت اور دوسری بندے کی قدرت)۔ اور اس بزرگ نے دو مختلف جہتوں سے ایک اثر پر دو موثروں کے اجتماع کو جائز قرار دیا ہے۔

اور قاضی ابو بکر الباقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس بات کے قائل ہیں کہ بندے کی قدرت وصف فعل میں بایں طور تاثیر کرتی ہے کہ فعل کو طاعت یا معصیت کے ساتھ موصوف کر دیا جاتا ہے۔

اور اس عبد ضعیف کے نزدیک مختار یہ ہے کہ اصل فعل اور وصف فعل میں بیک وقت بندے کی قدرت کی تاثیر کا دخل ہے۔ اس لیے کہ اصل میں تاثیر کے بغیر وصف میں تاثیر کا کوئی معنیٰ نہیں۔ اس لیے کہ وصف کا اثر اصل پر متفرع ہوتا ہے۔ لیکن وہ اصل فعل کی تاثیر پر ایک زائد تاثیر کا محتاج ہے۔

کیونکہ وصف کا وجود اصل کے وجود پر زائد ہوتا ہے اور بندے کی تاثیر کے قائل ہونے میں کوئی خرابی نہیں۔ اگرچہ یہ بات اشعری کو ناگوار گزرے۔ اس لیے کہ قدرت میں تاثیر بھی اللہ سبحانہ کی ایجاد سے ہوتی ہے جس طرح نفس قدرت اللہ تعالیٰ کی ایجاد سے ہے۔ اور تاثیر قدرت کا قائل ہونا ہی درستی کے زیادہ قریب ہے

اور اشعری کا مذہب فی الحقیقت دائرہ جبر میں داخل ہے۔ کیونکہ اس کے نزدیک بندے کو کوئی اختیار حاصل نہیں اور نہ ہی اس کے نزدیک بندے کی فانی قدرت کو تاثیر حاصل ہے۔ مگر اتنی بات ہے کہ جبریہ کے نزدیک فعل اختیاری کی نسبت فاعل کی طرف حقیقتاً نہیں بلکہ مجازاً ہوتی ہے۔ اور اشعری کے نزدیک فاعل کی طرف حقیقتاً نسبت ہوتی ہے۔ اگرچہ بندے کے لیے حقیقتاً کچھ اختیار ثابت نہیں اس لیے کہ فعل بندے کی قدرت کی طرف حقیقتاً منسوب ہوتا ہے، چاہے یہ قدرت تھوڑی بہت ہی مؤثر ہو۔ جیسا کہ اشعری کے علاوہ دوسرے اہل سنت کا مذہب ہے۔ یا مدار محض ہو، جیسا کہ اشعری کا مذہب ہے۔ اور اس فرق کے ساتھ اہل حق کا مذہب اہل باطل کے مذہب سے ممتاز ہو جاتا ہے۔ اور فعل کو فاعل سے حقیقتاً نفی اور مجازی طور پر اس کا بندے کے لیے ثبوت جیسا کہ فرقہ جبریہ کا مذہب ہے، کفر محض اور بدیہی امر کا انکار ہے۔

صاحب تمہید[1] نے فرمایا ہے جبریہ میں سے کچھ لوگ وہ ہیں جو اس بات کے قائل ہیں کہ فعل کا صدور بندے سے صرف ظاہراً اور مجازاً ہوتا ہے۔ حقیقتاً اسے کوئی استطاعت اور قدرت حاصل نہیں۔ بلکہ بندہ درخت کی مانند ہے کہ جب اسے ہوا حرکت دیتی ہے تو وہ حرکت میں آتا ہے، بعینہ درخت کی طرح بندہ بھی مجبور محض ہے۔ یہ قول کفر ہے، اور جو اس طرح کا اعتقاد رکھے کافر ہے۔

اور صاحب تمہید نے فرقہ جبریہ کا مذہب بیان کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا ہے کہ ان کا یہ قول کہ حقیقۃ بندوں کے اپنے افعال کا وجود ہی نہیں ہے، نہ خیر میں اور نہ شر میں۔ اور جو کچھ بندہ کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے فی الحقیقت اس کا فاعل اللہ ہے۔ اور یہ کفر ہے۔

سوال:

اگر تم کہو کہ جب بندے کی قدرت کے لیے افعال میں کچھ تاثیر نہیں اور اسے حقیقۃً کچھ اختیار بھی نہیں۔ تو پھر امام اشعری کے نزدیک بندے کی طرف حقیقۃً افعال کی نسبت کے کیا معنی ہیں؟

---

[1] یعنی ابو المعین میمون بن محمد النسفی الحنفی۔ المتوفی ۵۰۸ھ۔ کشف الظنون

جواب :

میں کہتا ہوں کہ اگرچہ بندے کی قدرت کو افعال کے صدور میں کچھ تاثیر نہیں تاہم اتنی بات ضرور ہے کہ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے بندے کی قدرت کو وجود افعال کا مدار ضرور قرار دیا ہے۔ اور وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ اپنی عادت جاریہ کے مطابق بندوں کے افعال کی طرف اپنی قدرت اور اختیار صرف کرنے کے متصل بعد افعال کو پیدا کرتا ہے۔ اور قدرتِ بندہ وجود افعال کے لیے علتِ عادیہ بن جاتی ہے۔ تو اس طرح عادتاً صدور افعال میں قدرت کے لیے دخل ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ عادتہً افعال قدرت کے بغیر وجود میں نہیں آ سکتے۔ اگرچہ قدرت کے لیے افعال میں کچھ تاثیر ثابت نہیں۔ تو علت عادیہ کے اعتبار سے حقیقۃً افعال عباد کی نسبت ان کی طرف ہوتی ہے۔ مذہب اشعری کی تصحیح میں یہ انتہائی کوشش ہے۔ لیکن اب بھی اس کلام میں غور و تامل کی گنجائش ہے۔

جاننا چاہیے کہ اہل سنت تقدیر پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور اس امر کے قائل ہیں کہ خیر و شر، کڑوی اور میٹھی (خوشگوار اور ناخوشگوار) تقدیر اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے۔ کیونکہ قدر و تقدیر کے معنی احداث اور ایجاد کے ہیں۔ اور یہ بات سب کو معلوم ہے کہ محدث اور موجد صرف اللہ سبحانہٗ ہی کی ذات مقدس ہے۔ اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ وہی ہر شے کا خالق ہے، تو اسی کی عبادت کرو۔

اور معتزلہ اور قدریہ قضا و قدر کے منکر ہیں، اور ان کا گمان ہے کہ افعال عباد صرف بندوں کی قدرت سے وجود میں آتے ہیں۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ بندوں کے لیے شر اور برائی کا فیصلہ کرتا، اور پھر ان کو اس پر عذاب دیتا تو یہ اس ذات سبحانہٗ کی طرف سے ظلم اور جور قرار پاتا۔ لیکن یہ شبہ ان لوگوں کی جہالت کے باعث ہے۔ کیونکہ قضائے الٰہی بندے کی قدرت اور اختیار کو سلب نہیں کرتی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قضا اس طرح کی ہے کہ بندہ اپنے اختیار سے یہ کام کرے گا یا چھوڑے گا۔ غایۃ ما فی الباب یہ ہے کہ قضا اختیار کو واجب اور لازم کرتی ہے اور یہ چیز اختیار کو ثابت کرتی ہے۔ اختیار کے منافی نہیں۔

نیز ان لوگوں کا یہ قول افعال باری تعالیٰ سے بھی مردود قرار پاتا ہے۔ کیونکہ قضا کے اعتبار سے اللہ سبحانہٗ کا فعل یا تو واجب ہے یا ممتنع۔ اس لیے کہ قضا کا تعلق اگر وجود سے ہوگا تو واجب ہے۔ یا عدم سے تعلق ہوگا تو وہ ممتنع ہوگا۔ تو اگر وجوب فعل بالاختیار اختیار کے منافی ہو تو باری تعالیٰ مختار نہ رہے گا۔ اور یہ کفر ہے۔

اور یہ بات کسی سے مخفی نہیں کہ بندے کے ایجاد فعل میں بندے کی قدرت کے کمزور ہونے کے

باوجود اسے مستقل تسلیم کرنا نہایت رکیک بات ہے اور نہایت بے وقوفی اس کا منشا ہے۔ اسی لیے ماوراء النہر کے مشائخ شکر اللہ تعالیٰ سعیہم نے اس مسئلہ میں معتزلہ اور قدریہ کو گمراہ کہنے میں مبالغہ کیا ہے چنانچہ مشائخ ماوراء النہر نے یہاں تک کہا ہے کہ مجوسیوں کا حال ان سے بہتر ہے۔ کہ انہوں نے تو ایک ہی شریک ثابت کیا ہے، اور ان معتزلہ نے لاتعداد شریک ثابت کیے ہیں۔

اور جبریہ فرقے کا گمان یہ ہے کہ بندے کا فعل ہے ہی نہیں۔ بلکہ بندے کی حرکات جمادات کی حرکات کی طرح ہیں۔ ان لوگوں کے نزدیک بندوں کو نہ تو قدرت ہے، نہ ارادہ اور نہ اختیار۔ اور ان کا گمان ہے کہ بندے کو نہ تو نیکی پہ ثواب ملتا ہے اور نہ برائی پر عذاب۔ اور کفار اور نافرمان لوگ معذور ہیں۔ ان سے کوئی پوچھ نہ ہوگی۔ کیونکہ سارے افعال اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں، اور بندہ اس بارے میں مجبور ہے۔ جبریہ کا یہ عقیدہ کفر ہے۔

اور یہ یعنی مرجیئہ کہتے ہیں کہ معصیت کوئی ضرر اور نقصان نہیں دیتی۔ اور نافرمان کو سزا نہیں ہوگی۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مروی ہے، آپ نے فرمایا:

لُعِنَتِ الْمُرْجِئَةُ عَلٰی لِسَانِ سَبْعِیْنَ نَبِیًّا۔[1] — مرجیئہ فرقہ پر ستر نبیوں نے لعنت کی ہے۔

اور ان لوگوں کا مذہب بالبداہتہ باطل ہے۔ اس لیے کہ اپنے اختیار سے حرکت دینے اور مرضِ رعشہ سے حرکت پیدا ہونے میں واضح فرق ہے۔ اور ہم یقین سے جانتے ہیں کہ پہلی حرکت بندے کے اختیار سے ہے اور دوسری غیر اختیاری ہے۔ اور نصوصِ قطعیہ بھی اس مذہب کی نفی کرتی ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد:

جَزَآءً بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔ — یہ جزا ہے ان اعمال کی جو وہ کرتے تھے

اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول:

فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ۔ — تو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر اختیار کرے۔

---

[1] اس حدیث کو امام مناوی نے کنوز الحقائق میں اور سیوطی نے بحوالہ حاکم تاریخ میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے۔ اور اسی مضمون کی ایک حدیث بروایت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما امام ترمذی نے ترمذی شریف میں ذکر کی ہے۔

وغیر ذالک۔

جاننا چاہیے کہ بہت سے لوگ اپنی کمزور ہمتوں اور ناقص نیتوں کے باعث مختلف حیلے بہانے اور عذر تلاش کرتے ہیں۔ اور اپنے آپ سے سوال آخرت کو دفع کرتے ہیں۔ تو یہ لوگ اشعری کے مذہب بلکہ جبریہ کے مذہب کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ پھر یہ لوگ کبھی تو یہ کہتے ہیں کہ بندے کو حقیقۃً کچھ اختیار نہیں۔ اور فعل کی اس کی طرف نسبت مجازاً ہے۔ اور کبھی جبر کو مستلزم ضعیف اختیار کے قائل ہوتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ اس مقام میں بعض صوفیہ کے کلام کو سنتے ہیں کہ فاعل صرف ایک ہے۔ اور بندے کے افعال میں اس کی قدرت کا کچھ دخل نہیں۔ اور بندے کی حرکات جمادات کی حرکات کی مانند ہیں۔ بلکہ بندے کی ذات اور صفت کا وجود سراب کی طرح ہے جسے پیاسا آدمی پانی گمان کرتا ہے۔ یہاں تک کہ جب اس کے پاس آتا ہے تو کوئی شے نہیں پاتا۔ اور اللہ کی ذات کو اپنے پاس پاتا ہے۔ اور اسی طرح کی اور باتیں جب سنتے ہیں تو اقوال وافعال میں مداہنتوں اور سستیوں پر جرأت میں وہ اور آگے بڑھ جاتے ہیں۔

تو ہم اس مقام کی تحقیق میں کہتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ ہی حقیقت مقصد کو بہتر جانتا ہے کہ اگر بندے کے لیے حقیقتاً اختیار ثابت نہ ہوتا جیسا کہ اشعری کا مذہب ہے، تو اللہ تعالیٰ بندوں کی طرف ظلم کی نسبت نہ کرتا۔ کیونکہ انہیں تو کوئی اختیار ہی نہیں اور نہ ان کی قدرت کے لیے کچھ تاثیر ہے۔ بلکہ وہ قدرت تو اس کے نزدیک مدار محض ہے۔ حالانکہ اللہ سبحانہٗ نے اپنی کتاب مجید میں بہت مقامات پر ظلم کی نسبت بندوں کی طرف کی ہے۔[1] تاثیر کے بغیر قدرت کا محض مدار ہونا اگرچہ فی الجملہ ہی ہو، بندوں سے صدور ظلم کو ثابت نہیں کرتا۔ ہاں اللہ تعالیٰ کا بندوں کو تکلیف یا عذاب دینا بغیر اس کے لیے اختیار ثابت ہو ہرگز ظلم نہیں۔ اس لیے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ مالک علی الاطلاق ہے، اپنے سارے ملک میں جیسے چاہے تصرف کرے۔ لیکن بندوں کی طرف ظلم کی نسبت کرنا ضرور ان کے اختیار کو ثابت کرتا ہے۔ اور اس نسبت میں مجاز کا احتمال متبادر کے خلاف ہے۔ بلاضرورت اس کا مرتکب نہیں ہونا چاہیے۔ لیکن ضعف اختیار کا قول تو وہ اس امر سے خالی نہیں کہ یا تو اللہ تعالیٰ کے اختیار کے مقابلے ضعف نسبت مراد ہے۔ اگر یہی مراد ہے تو ہم اسے تسلیم کرتے ہیں اور اس میں کوئی جھگڑا نہیں۔ اسی طرح ضعف بمعنی صدور افعال میں عدم استقلال بھی مسلم ہے۔ لیکن ضعف کا یہ معنیٰ مسلم نہیں کہ صدور افعال میں بندے کے اختیار کا کچھ دخل نہیں۔ اور یہ اول مسئلہ ہے جس میں نزاع ہے۔ اور منع کی سند تفصیل کے ساتھ اس سے قبل

---

[1] اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۔ فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا ۔ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ۔ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ ۔ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۔

مذکور ہو چکی ہے۔

یہ بات بھی علم میں ہونی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو ان کی طاقت اور استطاعت کے مطابق مکلّف بنایا ہے۔ اور ان کے ضعفِ خلقت کے باعث تکلیف میں ان کے لیے آسانی رکھی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا:

يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا۔ [1]

اللہ تعالیٰ بندوں کے لیے تخفیف اور آسانی کا ارادہ فرماتا ہے اور انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کے لیے آسانی کیوں نہ ہو، حالانکہ وہ ذات سبحانہٗ حکیم رؤف اور رحیم ذات ہے۔ اس کی حکمت، نرمی اور رحمت کے یہ لائق نہیں کہ بندے کو اس امر کی تکلیف دے جو اس کی استطاعت سے باہر ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے کسی انسان کو بہت بڑی چٹان اُٹھانے کی تکلیف نہیں دی جس کے اٹھانے پر بندہ قادر نہیں۔ بلکہ ایسے امور کی تکلیف دی ہے جو بندے کے لیے بہت آسان ہیں، جیسے نمازیں، جو قیام، رکوع، سجود اور آسان قراءت پر مشتمل ہیں۔ اور یہ سب نہایت ہی آسان کام ہیں۔ اسی طرح روزوں میں بھی بہت سہولت ہے۔ اور زکوٰۃ کی بھی یہی نوعیت ہے۔ چنانچہ چالیسواں حصہ زکوٰۃ مقرر کی گئی ہے، سارا یا نصف مال دینا لازم نہیں کیا گیا، تاکہ بندوں کو گراں اور بھاری محسوس نہ ہو۔

اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی کمال کرم نوازی ہے کہ ہر ماموربہ کا اس کے ادا نہ ہونے کی صورت میں بدل اور عوض مقرر کر دیا۔ چنانچہ وضو کے بدلے تیمم جائز قرار دے دیا گیا۔ اسی طرح یہ حکم بھی دیا کہ جو کھڑے ہو کر نماز ادا کرنے پر قادر نہ ہو بیٹھ کر نماز پڑھ لے۔ اور جو بیٹھنے پر بھی قادر نہ ہو لیٹ کر نماز ادا کر لے، اور جو رکوع سجود پر قدرت نہ رکھتا ہو اشارہ سے نماز ادا کر لے۔ وغیر ذالک۔ جیسا کہ نظر انصاف و اعتبار سے احکام شرعیہ کو دیکھنے والے پر پوشیدہ نہیں۔

تو ایسا شخص دیکھے گا کہ تمام تکلیفات شرعیہ میں نہایت آسانی اور سہولت ہے۔ اور اوراق کے صفحات میں اللہ تعالیٰ کی کمال نرمی کا مطالعہ کرے گا۔ تکلیفاتِ شرعیہ کے آسان ہونے کی گواہی اس سے ملتی ہے کہ عوام زیادہ تکلیفاتِ شرعیہ کی آرزو کرتے ہیں۔ چنانچہ بعض یہ آرزو رکھتے ہیں کہ فرض روزے ایک ماہ سے زیادہ ہونے چاہییں۔ اور بعض فرض نمازوں میں زیادہ ہونے کے آرزومند ہیں۔ علیٰ ھذا القیاس۔ اور اس تمنا کی وجہ صرف یہی ہے کہ احکام شرعیہ میں نہایت آسانی کو ملحوظ رکھا ہے۔

---

[1] پارہ والمحصنات۔ سورۃ نساء

بعض حضرات کو احکام شرعیہ کی ادائیگی میں آسانی کا محسوس نہ ہونا ان کی نفسانی تاریکیوں اور طبعی میل کچیل کی وجہ سے ہے۔ نیز نفس امارہ کی خواہش کی وجہ سے جو خدا تعالیٰ سبحانہٗ کی عداوت میں ہر وقت کھڑا رہتا ہے۔ اللہ سبحانہٗ فرماتا ہے:

كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ إِلَيْهِ۔ مشرکین کے لیے وہ بات سخت ناگوار ہے جس کی طرف آپ ان کو بلاتے ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَإِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِيْنَ۔ اور بیشک نماز عجز اختیار کرنے والوں کے سوا باقی سب پر بھاری ہے۔

تو جس طرح ظاہری مرض کام کاج کرنے میں مشکل پیدا کرتی ہے، بالکل اسی طرح باطنی مرض بھی مشکلات پیدا کرتا ہے اور شرع شریف نفس امارہ اور اس کی برائیوں کے نشانات کو مٹانے کے لیے وارد ہوئی ہے۔ تو خواہش نفس اور متابعت شریعت ایک دوسرے کے مقابل ہیں۔ لہٰذا احکام شرعیہ کے بجالانے میں مشکل اور تنگی محسوس کرنا خواہش نفس کے موجود ہونے کی دلیل ہے۔ تو جس قدر شرع پر عمل مشکل محسوس ہوگا اتنی ہی مقدار میں خواہش بھی موجود ہوگی۔ تو جس وقت خواہش نفس بالکلیہ مٹ جائے گی اشکال اور تنگی بھی بالکل ختم ہو جائے گی۔

لیکن بعض صوفیہ کا نفی اختیار یا ضعف اختیار میں گذشتہ کلام کا یہ جواب ہے کہ ان کا کلام اگر احکام شرعیہ کے مطابق نہ ہو تو اس کا کچھ اعتبار نہیں۔ اس لیے وہ دلیل یا تقلید کی صلاحیت کیسے رکھتا ہے۔ دلیل اور تقلید کے لائق تو علمائے اہل سنت کے اقوال ہیں۔ تو صوفیہ کا جو کلام علمائے اہل سنت کے اقوال کے موافق ہوگا وہ مقبول ہوگا، اور غیر موافق غیر مقبول ہوگا۔

علاوہ ازیں ہم کہتے ہیں کہ مستقیم الاحوال صوفیہ نے شریعت سے بالکل تجاوز نہیں کیا۔ نہ احوال میں نہ اعمال میں اور نہ اقوال میں اور نہ ہی علوم و معارف میں۔ اور وہ جانتے ہیں کہ شریعت سے تھوڑی سی مخالفت کا باقی رہنا بھی حال میں سقم اور خلل کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اگر حال سچا ہوتا تو شریعت حقہ کے بالکل خلاف نہ ہوتا۔

مختصر یہ کہ شریعت کے خلاف ہونا بے دینی اور الحاد کی دلیل ہے۔ غایۃ ما فی الباب یہ ہے کہ کسی صوفی سے اگر ایسا کلام صادر ہوا جو شریعت کے مخالف ہو جو غلبہ حال اور سکر وقت میں کشف کے باعث ہو تو اس کو معذور قرار دیا جائے گا۔ اور اس کا یہ کشف غیر صحیح ہوگا۔ اور تقلید و پیروی کے لائق

نہ ہوگا۔ بلکہ مناسب ہے کہ اس کے کلام کو ظاہری معنی سے پھیرا جائے۔ اس لیے کہ اہل سکر کے کلام کو بہتر معنی پر محمول کیا جاتا ہے اور ظاہری معنی مراد نہیں لیے جاتے۔

یہ ہے جو مجھے اللہ سبحانہٗ کی مدد اور اس کی حسن توفیق سے اس مقام میں میسر آیا ہے۔ والحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔

مکتوب نمبر ۲۹۰

ملا ہاشم کی طرف صادر فرمایا:

اس طریقہ کے بیان میں جس کے ساتھ حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کو اوائل حال ہی میں مخصوص فرما دیا تھا۔ اور اس پر چلنے کی طالبانِ حق کو توفیق عطا فرمائی۔ اور بلند مرتبہ طریقہ نقشبندیہ کے بیان میں اور نہایت کے بدایت میں درج ہونے کے بیان میں جو اس طریقہ کے لوازم میں سے ہے۔ اور اس حضور کے بیان میں جو اس طریقہ کے اکابر کے نزدیک معتبر ہے اور جسے نسبت نقشبندیہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور بعض ان احوال اذواق اور علوم و معارف کا بیان جو طریقہ نقشبندیہ وغیرہ میں حاصل ہوئے اور ان بزرگوں کے جذبات اور اس کے مناسب امور کے بیان میں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهِ الطَّيِّبِيْنَ الطَّاهِرِيْنَ۔

جاننا چاہیے کہ وہ طریقہ جو نزدیک تر، جلد پہنچانے والا، کتاب و سنت کے زیادہ موافق، زیادہ مضبوط زیادہ محفوظ، زیادہ پختہ، زیادہ سچا، زیادہ رہنمائی فرمانے والا، بہت اونچا، بہت بزرگ، بہت بلند مرتبہ اور بہت کامل ہے۔ وہ صرف بلند طریقہ نقشبندیہ ہے، قدس اللہ ارواح اھالیھا واسرار موالیھا۔ اس طرح

اس طریقے کی یہ تمام بزرگی اور اس سلسلے کے بزرگوں کی یہ بلند شان روشن سنت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی سنت کی متابعت کی پابندی اور ناپسندیدہ بدعت سے اجتناب کی وجہ سے ہے۔ یہ نقشبندی بزرگ ہی ہیں جو صحابہ کرام علیہم الرضوان من الملک المنان کی طرح ان کے کام کی نہایت ان کی ابتدائی شان میں ہی درج ہو چکی ہے، اور ان کے حضور اور آگاہی نے دوام پیدا کیا ہوا ہے۔ اور

درجہ کمال تک پہنچنے کے بعد ان کی آگاہی دوسروں سے فوقیت لے گئی ہے۔

اے برادر! اللہ تعالیٰ تجھے سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، اس درویش کو جب اس راستے کی آرزو اور ہوس پیدا ہوئی تو خداوند جل وعلا کی مہربانی اس کام کی ہادی بنی، اور اسے ولایت پناہ، حقیقت آگاہ، نہایت کو بدائت میں درج کرنے والے طریقے کے ہادی اور درجاتِ ولایت تک پہنچانے والے راستے کے راہنما پسندیدہ دین کی تائید فرمانے والے ہمارے مولیٰ اور امام الشیخ محمد الباقی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ کی خدمت میں لے گئی۔ جو اکابر حضرات نقشبندیہ کے خانوادہ کے اکابر خلفاء میں سے ہیں۔ اور آپ نے اس درویش کو اسم ذات جل سلطانہٗ کا ذکر تعلیم فرمایا۔ اور اپنے معروف طریقے کے مطابق توجہ فرمائی۔ یہاں تک کہ مجھ میں مکمل لذت پیدا ہو گئی اور کامل شوق سے رونا نصیب ہوا۔ اور ایک روز کے بعد بے خودی کی کیفیت جو ان اکابر کے نزدیک معتبر ہے اور غَیبت کے نام سے موسوم ہے، میسر آگئی۔

اور اس بے خودی میں مَیں نے ایک دریائے محیط دیکھا اور سارے جہان کی شکلوں اور صورتوں کو میں نے اس دریا میں سائے کی طرح پایا۔ اور یہ بے خودی رفتہ رفتہ مجھ پر غالب آگئی اور کافی وقت تک رہی کسی دن تو ایک پہر تک رہتی تھی اور کسی دن دو پہر تک۔ اور بعض اوقات اسی کیفیت میں رات پڑ جاتی۔ اور میں نے اپنے اس حال کو جب اپنے پیرو مرشد حضرت خواجہ کی خدمت میں عرض کیا تو آپ نے فرمایا کہ تمہیں فنا کی ایک قسم حاصل ہو چکی ہے، اور مجھے ذکر کرنے سے منع فرما دیا۔ اور اس آگاہی کی نگہداشت کا حکم دیا۔

دو روز کے بعد مجھے ان بزرگوں کی معروف اور مصطلح حاصل ہوئی۔ جب میں نے یہ کیفیت بھی آپ کی خدمت میں عرض کی تو آپ نے فرمایا کیا تو سارے جہان کو ایک اور متصل واحد دیکھتا اور پاتا ہے؟ میں نے عرض کی ہاں۔ تو آپ نے فرمایا کہ صحن فنا میں وہ فنا معتبر ہے جو اس بے شعوری اتصال کی دید کے ساتھ حاصل ہو۔ اسی رات بے شعوری کی صفت کے ساتھ وہ فنا بھی حاصل ہو گئی۔ آپ کی خدمت میں اس کے متعلق بھی عرض کیا اور فنا کے بعد جو حالت حاصل ہوئی وہ بھی عرض کی اور کہا کہ میں اپنے علم کو حق سبحانہٗ کی نسبت علم حضوری پاتا ہوں اور وہ اوصاف جو مجھ سے منسوب تھیں حق سبحانہٗ کے ساتھ منسوب پاتا ہوں۔ اس کے بعد ایک نور ظاہر ہوا جس نے تمام اشیاء کو گھیرا ہوا تھا۔ میں نے اسے حق جانا جل وعلا۔ اور اس نور کا رنگ سیاہ تھا۔ میں نے اس کے متعلق عرض کیا تو آپ نے فرمایا کہ حق جل وعلا تمہارے مشاہدہ میں آچکا ہے لیکن نور کے پردہ میں ہے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ یہ کشادگی اور انبساط جو

اس نور میں ظاہر ہوا ذات حق تعالیٰ جلّ شانہٗ کے متعدد اشیاء کے ساتھ جو بلندی اور پستی میں واقع ہیں تعلق کی وجہ سے پھیلا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ تمہیں اس انبساط اور فراخی کی نفی کرنی چاہیے۔

اس کے بعد اس سیاہ نور نے جو پھیلا ہوا تھا سکڑنا اور تنگ ہونا شروع کیا۔ یہاں تک کہ صرف ایک نقطہ رہ گیا۔ آپ نے فرمایا اس نقطے کی بھی نفی کرنی چاہیے اور حیرت کے مقام میں آنا چاہیے۔ میں نے اسی طرح کیا تو وہ موہوم نقطہ بھی درمیان سے زائل ہوگیا اور معاملہ حیرت کے مقام تک جا پہنچا جہاں حق سبحانہٗ کا شہود خود بخود ہوتا ہے۔ نور کے پردے کا واسطہ درمیان میں نہیں رہتا۔

جب میں نے یہ کیفیت بھی عرض خدمت کی تو آپ نے فرمایا یہی حضور نقشبندی بزرگوں کا حضور ہے اور نسبت نقشبندیہ اسی حضور سے عبارت ہے۔ اور اس حضور کو حضور سے غیبت بھی کہتے ہیں۔ اور نہایت کے بدائت میں درج ہونے کی صورت اس مقام میں ہوتی ہے۔ اور طالب حق کے لیے اس نسبت کا حضور اس طریقہ میں دوسرے سلسلے میں طالب کے پیر سے اذکار و اوراد شروع کرنے کی مانند ہے۔ تاکہ طالب اس پر عمل کرے اور اپنے مقصود کا سراغ لگائے۔ ع

قیاس کن زگلستانِ من بہار مرا[1]

اور اس درویش کو یہ نادر الوجود نسبت تعلیم ذکر کے ابتدائے وقت سے دو ماہ اور چند روز کے بعد حاصل ہوگئی۔

اس نسبت کے ساتھ موصوف ہونے کے بعد دوسری فنا جسے فنائے حقیقی کہتے ہیں حاصل ہوگئی۔ اور دل کو اس قدر فراخی اور کشادگی حاصل ہوئی کہ عرش سے لے کر مرکز زمین تک جہان میں جو کچھ ہے اس کشادگی کے سامنے ایک رائی کی مقدار بھی حاصل نہیں تھی۔ اس کے بعد میں نے اپنے آپ کو اور عالم کے ہر فرد بلکہ ہر ذرے کو حق جلّ و علا دیکھا۔ اس کے بعد عالم کے ہر ذرے کو الگ الگ میں نے اپنا عین دیکھا اور اپنے آپ کو ان تمام چیزوں کا عین پایا۔ یہاں تک کہ میں نے تمام عالم کو ایک ذرے میں گم پایا۔ اس کے بعد اپنے آپ کو بلکہ ہر ذرے کو اس قدر فراخ اور وسیع دیکھا کہ تمام عالم کو بلکہ اس عالم کے کئی گنا جہانوں کی اس میں گنجائش ہے۔ بلکہ اپنے آپ کو اور ہر ذرے کو ایک فراخ نور پایا۔ جو ہر ذرے میں سرایت کیے ہوئے ہے اور جہان کی شکلوں اور صورتوں کو اس نور میں مٹ جانے والا اور فنا ہو جانے والا پایا۔ اس کے بعد میں نے اپنے آپ کو بلکہ ہر ذرے کو سارے جہان کو قائم رکھنے والا پایا۔ اپنے پیر کی خدمت میں جب میں نے یہ کیفیت بھی عرض کی تو آپ نے فرمایا کہ توحید میں حق الیقین کا

---

[1] میرے باغ سے میری بہار کا اندازہ لگا لو۔

مرتبہ یہی ہے، اور جمع الجمع اسی مقام سے عبارت ہے۔

اس کے بعد عالم کی شکلوں اور صورتوں کو جیسا کہ پہلے حق پاتا تھا اس وقت درجہ وہم میں دیکھا اور ہر ذرے کو کہ میں حق محسوس کرتا تھا، بلا فرق اور بلا تمیز اسی ذرے کو درجہ وہم میں پایا۔ اس سے سخت حیرت لاحق ہوئی۔ اس دوران میں فصوص الحکم کی عبارت جو میں نے والد بزرگوار علیہ الرحمۃ سے سنی تھی یاد آئی کہ صاحب فصوص نے فرمایا ہے:

اگر تو چاہے تو کہہ سکتا ہے کہ جہان حق سبحانہٗ ہے۔ اور اگر چاہے تو یوں بھی کہہ سکتا ہے کہ جہان مخلوق ہے۔ اور اگر چاہے تو اس طرح کہہ سکتا ہے کہ وہ ایک جہت سے حق ہے اور ایک جہت سے مخلوق ہے۔ اور اگر چاہے تو حیرت کا اظہار کر سکتا ہے۔ کیونکہ دونوں میں کوئی تمیز نہیں ہو سکی۔

یہ عبارت کسی قدر اس بے قراری کے لیے تسکین کا باعث بن گئی۔ بعد ازاں اپنے پیر بزرگوار کی خدمت میں جا کر عرض حال کی تو آپ نے فرمایا ابھی تک تیرا حضور صاف نہیں ہوا، اپنے کام میں مشغول رہ، تاکہ موجود کی موہوم سے تمیز ظاہر ہو جائے۔ اور میں نے فصوص کی عبارت کو جو عدم تمیز کو ظاہر کرتی تھی آپ کے سامنے پڑھی تو پیر بزرگوار نے فرمایا کہ شیخ محی الدین عربی نے اس عبارت میں کامل کا حال بیان نہیں فرمایا۔ عدم تمیز بھی بعض اشخاص کی نسبت ثابت ہے۔

حسب الامر میں اپنے کام میں مشغول ہو گیا۔ حضرت حق سُبحانہ وتعالیٰ نے پیر بزرگوار کی محض توجہ شریف سے دو روز کے بعد موجود اور موہوم کے درمیان فرق ظاہر فرما دیا۔ یہاں تک کہ میں نے موجود حقیقی کو موہوم متخیل سے ممتاز پایا۔ اور صفات اور افعال و آثار جو موہوم سے صادر ہوتے دکھائی دیتے تھے، حق سبحانہٗ سے صادر ہوتے دیکھا۔ اور ان صفات و افعال کو بھی موہوم محض پایا۔ اور خارج میں ایک ذات کے سوا کسی شئے کو موجود نہ دیکھا۔ جب یہ حالت بھی خدمت اشرف میں عرض کی تو فرمایا کہ فرق بعد الجمع کا مرتبہ یہی ہے۔ اور کوشش کی انتہا اسی مقام تک ہے۔ اس سے زیادہ جو کچھ کسی کی طبیعت اور استعداد میں رکھ دیا گیا ہے، ظاہر ہوتا ہے۔ اور اس مرتبے کو مشائخ طریقت نے مقام تکمیل کے نام سے موسوم کیا ہے۔

جاننا چاہیے کہ اس درویش کو مرتبہ اولیٰ میں جب سکر سے صحو کی طرف لایا گیا، اور فنا سے بقا کے ساتھ مشرف کیا گیا۔ تو جب اپنے وجود کے ذرات میں سے ہر ذرے کے اندر نظر ڈالتا تھا، سوائے حق کے کچھ نہیں پاتا تھا اور ہر ذرے کو حق تعالیٰ کے شہود کا آئینہ پاتا تھا۔ اس مقام سے مجھے پھر

حیرت کی طرف لے گئے۔ جب مجھے اپنے آپ میں لایا گیا تو حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ کو اپنے وجود کے ذرات میں سے ہر ذرے کے ساتھ پایا۔ اور پہلا مقام اس دوسرے مقام کی نسبت بہت نیچے نظر آیا۔ پھر حیرت کی طرف لے گئے۔ اور جب مجھے ہوش میں لایا گیا تو اس مرتبہ میں حق سبحانہٗ کو میں نے نہ تو عالم کے ساتھ متصل پایا اور نہ منفصل۔ اور نہ عالم میں داخل اور نہ اس سے خارج۔ معیت اور احاطہ و سریان جیسے کہ پہلے پاتا تھا بالکل زائل ہو گئے۔ اس کے باوجود اسی کیفیت کے ساتھ مشاہدہ کرایا گیا۔ بلکہ گویا کہ محسوس کرا دیا گیا۔ اور جہان بھی اس وقت مشہود تھا۔ لیکن حق سبحانہٗ کے ساتھ اس نسبت مذکورہ سے کچھ نہیں رکھتا تھا۔

مجھے پھر حیرت کی طرف لے گئے۔ جب ہوش کی طرف لائے تو معلوم ہوا کہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ کو عالم کے ساتھ ایک نسبت ہے۔ جو اس نسبت مذکورہ کے علاوہ ہے۔ اور وہ نسبت مجہول الکیفیت ہے۔ وہ بلند ذات میرے مشاہدے میں آئی لیکن مجہول الکیفیت نسبت کے ساتھ۔ پھر حیرت کی طرف لے گئے اور اس مرتبہ میں قبض کی ایک قسم لاحق ہوئی۔ جب پھر مجھے اپنے آپ میں لائے تو وہ بلند ذات اس مجہول الکیفیت نسبت کے بغیر مشہود ہوئی۔ ایسے طور پر کہ عالم کے ساتھ اسے کوئی نسبت نہ تھی۔ نہ معلوم الکیفیت اور نہ مجہول الکیفیت۔ اور اس وقت عالم اسی خصوصیت کے ساتھ مشہود تھا۔ اور اس وقت مجھے ایک خاص علم عنایت ہوا۔ کہ اس علم کے سبب مخلوق اور حق تعالیٰ کے درمیان دونوں شہود حاصل ہونے کے باوجود کوئی مناسبت نہ رہی۔ اور اس وقت میں مجھے معلوم کرایا گیا کہ یہ مشہود اس صفت اور اس تنزیہہ کے ساتھ ذات حق سبحانہٗ نہیں ہے۔ وہ اس سے بلند ہے۔ بلکہ یہ مشہود اللہ تعالیٰ کے تعلق تکوین کی مثالی صورت ہے جو کوئی تعلقات سے وراء ہے۔ چاہے وہ تعلق معلوم الکیفیت ہو یا مجہول الکیفیت۔ اللہ تعالیٰ اس سے بہت ہی دور ہے ؎

كَيْفَ الوصول اِلىٰ سَعَادَ وَدُونَها
قُلَلُ الجبَالِ وَدُونَهن حُيُوفُ

اے عزیز! اگر قلم کو تفصیلِ احوال اور شرح معارف میں جاری کروں تو معاملہ دراز اور بات لمبی ہو جائے گی۔ خاص کر توحید وجودی کے معارف اور اشیاء کی ظلیت کے علوم اگر بیان میں لائے جائیں تو وہ جماعت جس نے اپنی ساری عمر توحید وجودی حاصل کرنے میں گزاری ہے یوں معلوم کریں

ؔ سعاد (معشوقہ) کا وصال کیسے ممکن ہے جبکہ اس کے اور میرے درمیان پہاڑوں کی بلند چوٹیاں اور نشیب و فراز حائل ہیں۔

کہ انہوں نے تو بے نہایت دریا سے ایک قطرہ بھی حاصل نہیں کیا۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ یہی جماعت اس درویش کو توحید وجودی والوں میں سے شمار نہیں کرتی، بلکہ توحید وجودی کے منکر علماء میں شمار کرتی ہے اور اپنی کوتاہ نظری سے ان لوگوں نے گمان کر رکھا ہے کہ توحید وجودی کے معارف پر ہی اڑے رہنا کمال ہے۔ اور اس مقام سے ترقی کرنا نقص میں داخل ہے ؎

بے خردے چند ز خود بے خبر[1] عیب پسندند بزعمِ ہنر

اس جماعت کی اس مسئلے میں دلیل پہلے مشائخ کے وہ اقوال ہیں جو توحید وجودی کے بارے میں واقع ہوئے ہیں۔ حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ اس جماعت کو انصاف کی توفیق عطا کرے، انہوں نے کیسے جان لیا کہ ان مشائخ کو اس مقام سے ترقی واقع نہیں ہوئی، اور وہ اسی مقام میں رُکے رہے ہیں۔ گفتگو معارف توحید وجودی کے نفس حصول میں نہیں ہے۔ کیونکہ وہ تو بالیقین واقع ہے۔ بلکہ گفتگو اس مقام سے آگے ترقی کرنے میں ہے۔ اگر صاحب ترقی کو توحید وجودی کا منکر قرار دیں۔ اور یہ اصطلاح قائم کریں تو اس میں کیا جھگڑا ہے۔

ہم پھر اصل بات کی طرف آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب تھوڑی چیز زیادہ پر دلالت کرتی ہے اور قطرہ بڑے سمندر کی طرف اشارہ کرتا ہے، تو میں نے اس مسئلے کے بیان میں تھوڑے کلام اور قطرے پر ہی کفایت کی ہے۔

اے برادر! جب حضرت خواجہ نے اس فقیر کو کامل مکمل جانا تو تعلیم طریقہ کی اجازت عطا فرمائی اور طالبوں کی ایک جماعت میرے حوالے کی۔ اس وقت مجھے اپنے کمال و تکمیل میں تردد اور شک تھا آپ نے فرمایا کہ شک کی کوئی جگہ نہیں۔ کیونکہ مشائخ عظام نے ان ہی مقامات کو مقام کمال و تکمیل فرمایا۔ اگر اس مقام میں بھی تردد اور شک پیدا ہو تو مشائخ کرام کے کامل ہونے میں شک لازم آئے گا۔ حسب الامر میں نے طریقت کی تعلیم دینا شروع کر دی۔ اور طالبوں کے کام میں توجہات دینا شروع کیں چنانچہ ان طالبوں میں بڑے بڑے اثر محسوس ہوئے۔ حتیٰ کہ ان کا سالہا سال کا کام چند گھڑیوں میں ہو گیا۔ کچھ وقت میں اسی کام میں سرگرم رہا۔ آخر الامر پھر مجھے اپنے نقص کا علم ہوا اور مجھ پر ظاہر کیا گیا کہ تجلی ذاتی برقی جسے اکابر مشائخ نے نہایت کہا ہے، اس راہ میں کچھ بھی ظاہر نہیں ہوئی۔ اور سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ بھی معلوم نہ ہوئی کہ کیا ہے۔ ان کمالات کی طرح چیزیں حاصل کرنے سے چارہ نہ تھا۔ اس وقت اپنے نقص کا علم پختہ ہو گیا۔ اور وہ طالب جو میرے گرد جمع ہو چکے تھے میں نے ان سب کو اکٹھا کیا اور اپنی کمی

[1] چند بے عقل اپنے آپ سے بے خبر عیب کو ہنر خیال کرتے ہوئے پسندیدہ نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

ان کے سامنے بیان کی اور ان سے اپنے پاس سے چلے جانے کی درخواست کی۔ لیکن یہ طالبانِ حق میری اس بات کو تواضع اور کسرِ نفسی پر محمول کرتے ہوئے جو اعتقاد میرے متعلق رکھتے تھے اس سے نہ پھرے۔ اس کے کچھ عرصہ بعد حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے بصدقہ اپنے حبیب پاک علیہ و علیٰ آلہ الصلوات و التسلیمات وہ احوال بھی عطا فرما دیے جن کی انتظار تھی۔

فصل :

جاننا چاہیے، کہ حضرات خواجگان قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے طریقے کا حاصل اور خلاصہ اہل سنت و جماعت کا اعتقاد، روشن سنت مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ کی اتباع، اور بدعت اور نفسانی خواہشات سے پرہیز اور حتی الامکان احکام شرعیہ میں عزیمت پر عمل اور رخصت پر عمل کرنے سے پرہیز اور جہت جذبہ میں اوّلاً فنا اور اضمحلال ہے۔ اور اس فنا کو عدم سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور وہ بقا جو اس جہت میں اس فنا کے ثبوت کے بعد پیدا ہوتی ہے۔ اسے وجود عدم سے تعبیر کرتے ہیں۔ یعنی وہ وجود اور بقا جو عدم یعنی فنا پر مرتب ہوتا ہے، اور یہ فنا اور اضمحلال حس سے غائب ہونے کا اتفاق ہوتا ہے، اور بعض کو نہیں ہوتا۔ اس بقا والے کے لیے ممکن ہے، کہ صفات بشریہ کی طرف رجوع کرے۔ اور اخلاق نفسانیہ کی طرف لوٹ آئے۔ بخلاف اس بقا کے جو فنا پر مرتب ہوتی ہے، کہ اس سے لوٹنا جائز نہیں ہے۔

ممکن ہے کہ حضرت خواجہ بزرگ (بہاؤالدین نقشبند) قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے اسی معنی کی بنا پر فرمایا ہے۔ کہ وجود عدم وجود بشریت کی طرف لوٹ آتا ہے۔ لیکن وجود فنا وجود بشریت کی طرف ہرگز لوٹ کر نہیں آسکتا۔ کیونکہ وجود عدم کے ساتھ باقی ہونے والا ابھی راستے میں ہے۔ اور راستے میں لوٹ آنا ممکن ہے۔ اور وجود فنا والا واصل اور منتہی ہو چکا ہے۔ واصل کے لیے رجوع نہیں ہوتا۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ جو بھی واپس لوٹا وہ راستے میں ہی تھا تب ہی واپس لوٹا۔ اور جو اپنے مقصود تک پہنچ گیا وہ نہیں لوٹتا۔

جاننا چاہیے کہ وجود عدم والا اگرچہ راستے میں ہے۔ لیکن نہایت کے بدایت میں درج ہونے کے مطابق نہایتِ معاملہ سے بھی آگاہ ہے۔ جو کچھ منتہی کو آخر میں جاکر میسر آتا ہے۔ اس کا خلاصہ اس کو اجمالی طور پر ابھی سے حاصل ہے۔ اور چونکہ یہ نسبت منتہی میں شمول پیدا کر چکی ہے۔ اور اس کا عام اثر اس کی روحانیت اور جسم میں حاصل ہو چکا ہے۔ اور وجود عدم میں اگرچہ کچھ ہی اور بطور اجمال ہی سہی خلاصہ قلب میں بند ہے۔

اس وجہ سے منتہی صاحب تفصیل ہے۔ اور اس کا صفات جسمانیہ کی طرف لوٹ کر آنا ممتنع ہے کیونکہ اس نسبت کے مراتب جسمانیہ میں سرایت کرنے سے اسے اس کی صفات سے باہر نکال دیا ہے، اور فانی کر دیا ہے۔ اور یہ فنا خالص عطائے الٰہی ہے۔ اور خالص عطائے الٰہی سے لوٹنا اس کی جناب قدس تعالیٰ و تقدس کے لائق نہیں۔ بخلاف وجود عدم والے کے۔ کہ یہ سرایت اس کے حق میں مفقود ہے۔ غایۃ ما فی الباب، جبکہ یہ مراتب قلب کے تابع ہیں۔ تو وہ نسبت بھی بطریق تبعیت ان میں سرایت کر چکی ہے۔ اور تیزی سے روک چکا اور مغلوب کر چکی ہے لیکن فنا اور زوال تک نہیں پہنچا سکی۔ اس بنا پر اس سے رجوع ممکن ہے۔ کیونکہ مغلوب چیز بعض دفعہ بعض عوارض کے پیش آنے اور بعض موانع کے لاحق ہونے کی وجہ سے غالب آجاتی ہے۔ اور جو چیز بالکل زایل ہو چکی ہو۔ وہ واپس نہیں لوٹ سکتی۔ جیسا کہ پہلے گزرا۔

جاننا چاہیے کہ اس بلند سلسلہ کے بعض مشائخ قدس اللہ تعالیٰ ارواحہم نے مذکورہ فنا اور اضمحلال اور اس پر مرتب ہونے والی بقا پر فنا اور بقا کا اطلاق کیا ہے۔ اور تجلی ذاتی اور شہود ذاتی کا بھی اس مرتبہ میں اثبات فرمایا ہے۔ اور اس بقا والے کو واصل کہا۔ اور "یادداشت" کو بھی جو جناب قدس حق سبحانہٗ کی جناب میں دوام آگاہی سے عبارت ہے۔ اس جگہ میں حاصل جانا ہے۔ اور یہ سب کچھ نہایت کے بدایت میں درج ہونے کے اعتبار سے ہے۔ ورنہ فنا اور بقا منتہی کے سوا کسی اور کے لیے نہیں ہے۔ اور منتہی شخص ہی درحقیقت واصل ہے اور تجلی ذاتی اسی کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور اللہ کے ساتھ دوام حضور بھی منتہی واصل کو ہی نصیب ہے۔ کیونکہ اس کے لیے بالکل رجوع نہیں۔ لیکن پہلا اطلاق بھی مذکورہ اعتبار سے صحیح ہے۔ اور ایک عمدہ وجہ پر مبنی ہے۔ اسی قسم میں سے ہے۔ وہ فنا و بقا اور تجلی ذاتی اور شہود ذاتی اور وصل اور یادداشت جو حضرت خواجہ احرار قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کی کتاب فقرات میں واقع ہے ایک بزرگ فرماتے ہیں۔ کہ اس کتاب کا مبنیٰ جو کہ خطوط رسائل کی شکل میں ہے خواجہ احرار کے بعض مخلصین کی عقل و دانش اور معرفت کے مطابق ہے۔ "لوگوں سے ان کے اندازہ عقل کے مطابق گفتگو کرو" کی اس میں خاص رعایت کی گئی۔ نیز اسی قسم میں سے ہے۔

رسالۂ سلسلۃ الاحرار جو کہ حضرت خواجہ احرار کے کلام کے طریقہ پر واقع ہوا ہے۔ اور باشرح رباعیات ہیں۔ جو ہمارے حضرت خواجہ پسندیدہ دین کی تائید فرمانے والے ہمارے شیخ و مولا محمد الباقی سلمہ اللہ تعالیٰ نے لکھی ہیں۔

اوراس بقا بلکہ ہر بقا جو جہت جذبہ میں پیدا ہوتی ہے، کا رُخ توحید وجودی کی طرف ہے اسی لیے بعض مشائخ نے حق الیقین کو اسی طرح بیان فرمایا ہے۔ جن کا حال توحید وجودی ہوتا ہے۔ اور بعض لوگوں کو اس طرح کے بیان نے اشتباہ میں ڈال دیا کہ ان کا حق الیقین تجلی صوری سے عبادت ہے۔ اور اس طرح انہوں نے عیب گیری اور طعن و تشنیع شروع کر دی، اور حق بات یہ ہے کہ اُن کا یہ حق الیقین جہت جذبہ میں پیدا ہوا۔ اور یہ معرفت اس مقام کے مناسب ہے۔ تجلی صوری ایک دوسری چیز ہے۔ جیسا کہ ارباب طریقت پر مخفی نہیں ہے، اور کثرت میں وحدت کا شہود ایسے طریقہ پر کہ آئینہ بالکل پوشیدہ ہو جائے۔ اور اس ذات باقی کے سوا کوئی چیز مشہود نہ رہے۔ اس مقام کو "یادداشت" کے مناسب جانتے ہوئے یادداشت کا اطلاق اس مرتبہ پر کر دیا۔ اور اس کو تجلی ذاتی اور شہود ذاتی بھی کہتے ہیں۔ اور اس مقام کو مقام احسان کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اور اس گم ہونے کو وصل سے تعبیر کرتے ہیں۔ ع

تو در وگم شو وصال ایں است وبس[1]

اور یہ اصطلاح حضرت ناصر الدین خواجہ عبید اللہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس سلسلہ کے مشائخ متقدمین میں سے کسی نے یہ اصطلاح بیان نہیں فرمائی۔ ع

ہر چہ[2] خوباں کنند خوب آید،

آپ کے کلمات قدسی نشان سے یہ ہے کہ ہماری زبان دل کا شیشہ ہے اور دل روح کا آئینہ ہے۔ اور روح حقیقتِ انسانی کا آئینہ ہے، اور حقیقتِ انسانی حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا آئینہ ہے۔ غیبی حقائق، غیبی ذات سے بڑی دور دراز مسافتیں طے کر کے زبان پر آتے ہیں۔ اور زبان سے صورت لفظی اختیار کر کے حقائق کی استعداد رکھنے والوں کے کانوں تک پہنچتے ہیں۔

خواجہ احرار نے یہ بھی فرمایا ہے، کہ بعض اکابر نے جن کی خدمت میں مَیں رہا، مجھے دو چیزیں عطا فرمائیں۔ ایک یہ کہ میں جو کچھ لکھوں، وہ نیا ہو۔ پُرانا نہ ہو۔ دوم یہ کہ میں جو کچھ کہوں، حق تعالیٰ کے نزدیک مقبول ہو، مردود نہ ہو۔ اور ان کلمات قدسیہ سے آپ کی بزرگی اور آپ کے معارف کی بلندیٔ مرتبہ سمجھ میں آتی ہے۔ اور واضح ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ احرار ان باتوں کے کرنے میں درمیان میں نہیں ہیں۔ بلکہ صرف آئینہ ہیں۔ اور اللہ سبحانہٗ اس کی حقیقت حال کو بہتر جانتا ہے۔ اور جو

---

[1] تو اس میں گم ہو جا۔ بس یہی وصال ہے۔

[2] جو کچھ اچھے لوگ کرتے ہیں۔ وہ اچھا ہوتا ہے۔

کچھ اللہ کے نزدیک اس بزرگ کا بلند درجہ اور مرتبہ کمال ہے۔ اس کو بھی وہی جانتا ہے۔ آپ مثنوی شریف کے ان اشعار کو اپنے حال کے مناسب پڑھا کرتے تھے۔ مثنوی

ہر کسے[۱] از ظن خود شد یار من
از درون من نہ جست اسرار من
سر من از نالۂ من دور نیست
لیک گوش و چشم را ایں نور نیست

یہ حقیر ان کے معارف اور حقیقت علوم کا تھوڑا سا ذکر اپنے فہم قاصر کے مطابق اس مکتوب کے آخر میں لکھے گا۔ اور ہر طرح کا اختیار صرف اللہ سبحانہٗ کو ہے۔

اور اگر حق سبحانہٗ اپنی کمالِ مہربانی سے ان بزرگوں میں سے بعض کو جذبہ کے حصول اور اس جمعیت کے مکمل کرنے کے بعد دولت سلوک سے مشرف فرماتا ہے۔ تو جذبے کی مدد سے مسافت بعیدہ کو جس کا اندازہ پچاس ہزار سالہ راستہ لگایا گیا ہے۔ اور آیۂ کریمہ:

تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ۔[۲]

چڑھتے ہیں فرشتے اور روح اس کی طرف ایسے دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے۔

میں اسی اندازے کی طرف اشارہ ہے۔ یہ پچاس ہزار سال کی مسافت تھوڑی مدت میں طے ہو سکتی ہے اور بندہ فنا فی اللہ اور بقا باللہ کی حقیقت تک پہنچ سکتا ہے۔ سلوک کی انتہا سیر الی اللہ کی نہایت تک ہے۔ جسے فنائے مطلق سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس کے بعد پھر جذبے کا مقام ہے۔ جسے سیر فی اللہ اور بقا باللہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ سیر الی اللہ اس سیر سے عبارت ہے۔ جو اس اسم تک ہوتی ہے۔ جس کا سالک مظہر ہوتا ہے۔ اور سیر فی اللہ اس اسم میں سیر کا نام ہے۔ کیونکہ ہر اسم لاتعداد اسماء کا جامع ہے۔

لہٰذا اس میں سیر بھی بے نہایت ہوگی۔ اور اس درویش کو اس مقام میں خاص معرفت حاصل

---

[۱] ہر شخص اپنے گمان کے مطابق میرا دوست بنا۔ لیکن میرے باطنی اسرار کو نہ پا سکا۔ میرا راز میرے نالے سے دُور نہیں ہے۔ بلکہ نزدیک ہے۔ لیکن ظاہری کان اور آنکھ کو اس کا نور نہیں ہے کہ ظاہری کان اُسے سُن سکے یا ظاہری آنکھ اُسے دیکھ سکے۔

[۲] سورہ معارج، پارہ تبارک الذی ۱۲

ہے۔ عنقریب ہی ان شاء اللہ اس کا ذکر ہوگا۔ اور یہ اسم مراتب عروج میں عین ثابتہ کے اوپر ہے اس لیے کہ سالک کی عین ثابتہ اسی اسم کا سایہ اور اس کی صورتِ علمیہ ہے۔ اور وہ جماعت جو فضل ایزدی جل شانہٗ کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس اسم سے بھی عروج فرماجاتی ہے۔ اور بے نہایت ترقیات جہاں تک اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔ حاصل کرتی ہے۔ شعر

وَمِنْ بَعْدِ هٰذَا مَا يَدِقُّ صِفَاتُهٗ
وَمَا كَتْمُهٗ اَحْظٰى لَدَيْهِ وَاَجْمَلُ

اگرچہ دوسرے سلسلوں کے واصل حضرات جہت ثانی میں ان مشائخ نقشبندیہ کے ساتھ شریک ہیں۔ اور فنا فی اللہ و بقا باللہ کے ساتھ موصوف ہیں لیکن وہ مسافت جسے دوسرے سلسلوں کے ارباب سلوک ریاضات اور مجاہدات کے ساتھ طے کرتے ہیں۔ اور زمانہ ہائے دراز کے بعد اس کام کی نہایت تک پہنچتے ہیں۔ اس بزرگ سلسلہ نقشبندیہ کے اکابر دولتِ شہود کی لذت اور مقصود کے ذوقِ یافت سے اس مسافت کو تھوڑے سے وقت میں طے کر لیتے ہیں۔ اور کعبہ مطلوب تک پہنچ جاتے ہیں۔ اور مقصود تک پہنچنے کے بعد انہیں بے نہایت ترقیات نصیب ہوتی ہیں۔ کہ دوسرے سلسلوں کے انتہا کو پہنچ جانے والے ارباب سلوک کو اس ترقی اور قرب سے بہت کم حصہ ملتا ہے۔ کیونکہ جذبے کا سلوک پر مقدم ہونا ایک طرح کا معنیٰ محبوبیت چاہتا ہے۔ جب تک کوئی شخص مراد نہ ہو، اُسے جذب عطا نہیں کرتے۔ اور جب اپنی طرف کھینچتے ہیں، تو بہت نزدیک جا پڑتا ہے۔ اور بہت زیادہ قرب پیدا کر لیتا ہے۔ چاہے ہوئے (مطلوب و مراد) اور خود چاہنے والے (طالب و مرید) میں بہت فرق ہے:

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔ — یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ اور اللہ عظیم فضل والا ہے۔

مثنوی:[۲]

عشق معشوقان نہان است و ستیر — عشق عاشق باد و صد طبل و نفیر
لیک عشق عاشقان تن زہ کند! — عشق معشوقان خوش و فربہ کند

---

[۱] اس کے بعد وہ چیز ہے جس کا بیان نہایت دقیق ہے، اور ایسی چیز ہے کہ جس کا چھپانا اس کے نزدیک محفوظ تر اور لذیز تر ہے۔

[۲] معشوقوں کا عشق مخفی اور پوشیدہ ہوتا ہے، عاشق کا عشق دو سو ڈھول یعنی شہرت (باقی بر صفحہ ۱۲۹)

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ دوسرے سلسلوں کے مراد ارباب طریقت بھی اس ترقی اور قرب میں شریک ہیں۔ کیونکہ جذبہ ان کے سلوک پر بھی مقدم ہے۔ تو اس طریقہ نقشبندیہ کی دوسرے طریقوں پر فضیلت اور زیادتی کس طرح ہوگی۔ اور اس سلسلے کو دوسرے سلسلوں سے قریب ترین راستہ کیوں کہا گیا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ دوسرے طریقے اس معنیٰ کے حصول کے لیے وضع نہیں کیے گئے۔ بلکہ ان میں سے بعض کو برسبیل اتفاق یہ دولت ہاتھ آجاتی ہے۔ اور یہ طریقہ وضع ہی اس دولت کے حصول کے لیے کیا گیا ہے۔ اور "یاد داشت" جو اس بلند سلسلہ کے اکابر کی عبادت میں واقع ہے۔ ان دونوں جہت وجذبہ وسلوک کے پائے جانے کے بعد سامنے آتی ہے۔ اور اسے نہایت کہنا شہود و آگاہی کے مراتب کے نہایت کے اعتبار سے ہے۔ ورنہ مطلق نہایت بعکت اھتبادر سے ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے۔ کہ شہود یا تو صورت کے آئینہ یا معنی کے آئینہ میں ہوگا۔ یا صورت و معنیٰ سے باہر ہوگا۔ اس بے پرواہ شہود کو برقی کہتے ہیں۔ یعنی اس شہود کا حصول بجلی کی مانند ہوتا ہے۔ پھر پردے میں روپوش ہو جاتا ہے۔ یہی شہود اگر محض فضل ایزدی جل سلطانہ سے دوام پذیر ہو جائے۔ اور مکمل طور پر پردوں کی تنگی سے باہر آجائے تو اُسے "یاد داشت" سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور یہی حضور بے غیبت ہے۔ اس لیے کہ جب بھی شہود پردے میں ہوگا غیبت موجود ہوگی۔ جب تک بے پردگی پیدا نہ ہو۔ یاد داشت کا نام اس پر اطلاق نہیں کر سکتے۔

یہاں ایک دقیق بات ہے۔ جاننا چاہیے کہ ہر واصل کے باطن کے لیے رجوع نہیں ہوتا۔ اور اس کی آگاہی دائمی ہوتی ہے۔ لیکن اس نسبت کا اس کے بدن میں سرایت کرنا بجلی کی طرح ہوتا ہے۔ بخلاف محبوبوں کے کہ جذبہ ان کے سلوک پر مقدم ہوتا ہے۔ اور یہ سرایت کرنا ان میں دائمی ہوتا ہے۔ اور ان کا بدن باطن کا حکم اختیار کر چکا ہوتا ہے۔ اور باطن کا کام کرتا ہے۔ جیسا کہ اس کی طرف اشارہ گزر چکا ہے۔ ان کے جسم نرم ہو چکے ہوتے ہیں۔ جس طرح ان کی روحیں نرم ہو چکی ہوتی ہیں۔ یہاں تک کہ ان کے ظاہر ان کے باطن کی طرح ہو چکے ہوتے ہیں۔ اور ان کے باطن ان کے ظاہر کی طرح۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۸) اور اعلان سے ہوتا ہے۔ لیکن عشق عاشقوں کے جسم کو تو لاغر اور کمزور کرتا ہے اور معشوقوں کو وہی عشق خوش اور فربہ کرتا ہے۔

پس لازمی طور پر غیبت کے لیے اُن کی آگاہی میں گنجائش نہیں ہوتی۔ لہٰذا یہ نسبت تمام نسبتوں سے فوقیت رکھتی ہے۔ اور اسی معنی کی وجہ سے ان حضرات نقشبندیہ کی کتابوں اور رسالوں میں یہ عبارت شائع اور عام ہے۔ کیونکہ نسبت آگاہی سے عبارت ہے۔ اور آگاہی کے مراتب کی نہایت یہ ہے۔ کہ بے پردہ میسر آئے اور ہمیشہ رہے۔ اور اس طریقہ کے مشائخ جو اس نسبت کو اپنے ساتھ مخصوص جانتے ہیں۔ اس دولت کے حصول کے لیے اس طریقے کی وضع کے اعتبار سے ہے۔ جیسا کہ اوپر گزرا۔ ورنہ دوسرے سلسلوں کے اکابر کو بھی اگر میسر آجائے تو ممکن بلکہ حاصل ہے اکابر اہل اللہ کے پیشوا۔ شیخ ابو سعید ابوالخیر قدس اللہ سرہٗ اس آگاہی کی طرف اشارہ فرماتے ہیں اور اپنے اُستاد سے اس کی تحقیق فرماتے ہیں۔ جبکہ ان سے پوچھتے ہیں کہ کیا یہ بات دائمی ہوتی ہے۔ اُستاد جواب میں فرماتے ہیں، نہیں؟ شیخ مذکور پھر اس سوال کا تکرار فرماتے ہیں اور وہی جواب پاتے ہیں۔ تیسری مرتبہ پھر وہی سوال کرتے ہیں۔ تو ان کے اُستاد جواب میں فرماتے ہیں کہ اگر یہ آگاہی دائمی ہو۔ تو بہت کم لوگوں کو حاصل ہوتی ہے۔ یہ بات سن کر شیخ ابو سعید رقص میں آگئے۔ اور فرمایا۔ کہ یہ انہیں نوادرات میں سے ہے۔

اور وہ جو میں نے کہا ہے، کہ مطلق نہایت وراء الوراء ہے۔ اس کا بیان یہ ہے۔ کہ اس آگاہی کے پائے جانے کے بعد اگر عروج واقع ہو تو حیرت کے بھنور میں پڑ جاتا ہے۔ اور اس آگاہی کو باقی مراتب عروج کی طرح اپنے پیچھے چھوڑ جاتا ہے۔ یہ وہی حیرت ہے، جس کا نام حیرت کبریٰ ہے۔ جو اکابر الاکابر کے ساتھ مخصوص ہے، جیسا کہ قوم کی کتابوں میں واقع ہو چکا ہے۔ ایک بزرگ اس مقام میں فرماتے ہیں[۱]

حُسن تو مرا کرد چناں زیر و زبر!
کز خال و خط زلف توام نیست خبر

ایک دوسرے بزرگ فرماتے ہیں[۲]:-

۱- عشق بالائے کفر و دیں دیدم — برتر از شک و از یقیں دیدم
۲- کفر و دین و یقین و شک ہر چار — ہمہ با عقل ہم نشیں دیدم

---

[۱] تیرے حسن نے مجھے اس طرح زیر و زبر کر دیا ہے۔ کہ تیرے خال اور خط اور زلف کی مجھے کوئی خبر نہیں رہی۔

[۲] ترجمہ اشعار:- ۱:- میں نے عشق کو کفر اور دین سے بلند و بالا دیکھا۔ اور شک و یقین سے اسے برتر فرمایا۔
۲- میں نے کفر و دین اور شک اور یقین ان چاروں کو عقل کا ہم نشین دیکھا۔

۳۔ چوں گزشتم ز عقل صد عالم ... چوں بگویم کہ کفر و دیں دیدم

۴۔ ہر چہ ہستند راہ تو اند ... سد اسکندری ہمیں دیدم

ایک اور بزرگ فرماتا ہے: ~~ه~~

لاؤ ہوزاں سرائے زور بہی[۱]

بازگشتند جیب و کیسہ تہی

اس حیرت کے حاصل ہونے کے بعد مقام معرفت ہے۔ دیکھیں کہ اس دولت سے مشرف فرماتے ہیں۔ اور کفر حقیقی کے بعد ایمان حقیقی کے حصول کے ساتھ، جو مقام حیرت ہے نوازتے ہیں۔

اس بارے میں محققین کا نہایت مطلوب ایمان اور مقام دعوت اور حضرت صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیہ ہے کہ:

أَدْعُوْ إِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ أَنَا وَ مَنِ اتَّبَعَنِيْ۔[۲] ... میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں میں اور میرے پیروکار کامل بصیرت پر ہیں۔

اسی مقام میں ہے۔

اور وہ سرور دین و دنیا علیہ الصلوٰۃ والسلام اس ایمان کو طلب کرتے ہوئے یوں فرماتے ہیں:

اَللّٰهُمَّ اَعْطِنِيْ اِيْمَانًا صَادِقًا وَيَقِيْنًا لَيْسَ بَعْدَهٗ كُفْرٌ۔ ... اے اللہ مجھے ایمان صادق عطا فرمایا اور ایسا یقین دے جس کے بعد کفر نہ ہو۔

اور آپ کفر حقیقی سے جو مقام حیرت سے ہے، پناہ پکڑتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں:

اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْفَقْرِ وَ الْكُفْرِ۔[۳] ... اے اللہ میں فقر اور کفر سے تیرے پاس پناہ لیتا ہوں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۰) ۳۔ جبکہ میں سو جہاں سے معروف رہنے والے عقل سے آگے گزر چکا ہوں تو میں کیسے کہوں کہ میں نے کفر اور دین کو دیکھا ہے (بلکہ مرتبہ عقل سے گزرنے کے بعد نہ کفر دکھائی دیتا ہے اور نہ دین و ایمان)۔

۴۔ یہ جو کچھ بھی ہے تیرے راستے کی رکاوٹیں ہیں۔ میں تو سد (دیوار) سکندری اسے ہی دیکھتا ہوں۔

(حاشیہ صفحہ ہذا) [۱] لا اور ہو (نفی و اثبات) ... اس مبارک سرا سے واپس لوٹ آئے اور ان کا گریبان اور کیسہ خالی تھا۔

[۲] پارہ ۱۳۔ سورۃ یوسف۔ [۳] ترمذی، طبرانی، بیہقی اور محمد بن نصر مروزی نے (باقی برصفحہ ۱۴۲)

یہ مرتبہ مراتب حق الیقین کی نہایت ہے۔ اس جگہ علم اور عین ایک دوسرے کا حجاب نہیں ہوتے
شعر:

هنيئاً لارباب النعيم نعيمها
وللعاشق المسكين ما يتجرع

اس تحقیق کو ذہن نشین کر لو۔

جان لو اللہ تم کو سیدھی راہ دکھائے۔ کہ ان بزرگوں کا جذبہ دو قسم کا ہے۔ قسم اوّل جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے پہنچی ہے۔ اور اس اعتبار سے ان مشائخ نقشبندیہ کا طریقہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب ہے۔ اور اس کا حصول طریقہ خاص سے توجہ پر موقوف ہے۔ اور یہ جذبہ تمام موجودات کا قیوم ہے۔ اور فنا و اضمحلال اس میں نصیب ہوتا ہے۔

دوسری نوع وہ ہے کہ اس طریقہ میں اس کے ظہور کا مبداء حضرت خواجہ نقشبند ہیں۔ اور وہ معیت ذاتیہ کے راستے سے ابھرتا ہے۔ اور وہ جذبہ حضرت خواجہ سے ان کے خلیفہ اوّل خواجہ علاؤ الدین[۲] کو پہنچا۔

اور چونکہ آپ اپنے وقت کے قطب ارشاد تھے۔ اس لیے آپ نے بھی اس قسم کے جذبہ کے حصول کے لیے ایک طریقہ وضع فرمایا۔ اور وہ طریقہ آپ کے خانوادہ کے خلفاء میں طریقہ علائیہ سے مشہور ہے۔ ان کی عبارت میں واقع ہے کہ تمام طریقوں سے اقرب طریقہ، طریقہ علائیہ ہے اگرچہ اس جذبے کا اصل آغاز حضرت خواجہ نقشبند سے ہے۔ لیکن اس جذبہ کے حصول کے لیے طریقے کا وضع کرنا حضرت خواجہ علاؤ الدین قدس اللہ تعالیٰ اسرارہما کے ساتھ مخصوص ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۱) اسے روایت کیا۔ ۴ بیہقی و حاکم بروایت انس رضی اللہ عنہ۔

(حاشیہ صفحہ ہذا) ۱ ارباب نعمت کو نعمتیں گوارا ہوں اور عاشق مسکین کے لیے وہی ہے جو وہ غم کو گھونٹ گھونٹ کر کے پی رہا ہے۔

۲ آپ کا نام مبارک محمد بن محمد بخاری ہے۔ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ نے اپنے ایام زندگی میں ہی بہت سے طالبان حق کی تربیت ان کے سپرد کر دی تھی۔ اور فرماتے تھے کہ علاء الدین نے ہمارا کافی بوجھ ہلکا کر دیا ہے۔ سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ بارہا فرمایا کرتے تھے کہ جب تک میں حضرت خواجہ علاؤ الدین رحمۃ اللہ کی خدمت میں نہ پہنچا تھا خدا کی شناخت نہ ہوتی تھی۔ اللہ ہم سب کو حضرت خواجہ عطار کے صدقے اپنی معرفت سے نوازے۔ از مترجم عفی عنہ۔

بلاشبہ یہ طریقہ کثیر البرکتہ ہے۔ اس طریقے کا تھوڑا حصہ بھی دوسروں کے بہت سے طریقوں سے زیادہ نافع ہے۔

اس وقت تک مشائخ خانوادہ علائیہ اور احراریہ اس دولت عظمیٰ سے بہرہ ور ہیں اور طالبوں کی اس راستے سے تربیت کر رہے ہیں۔ حضرت خواجہ عبیداللہ احرار کو یہ دولت عظمیٰ، مولانا یعقوب[۱] چرخی علیہما الرضوان سے جو حضرت خواجہ علاؤ الدین کے خلفاء میں سے ہیں، پہنچی ہے۔

جذبہ کی نوع اوّل جو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے۔ اس کے حصول کے لیے ایک علیحدہ طریقہ مقرر ہے۔ اور وہ وقوف[۲] عددی کا راستہ ہے۔ اور وہ سلوک جو اس جذبہ کے حصول کے لیے ہوتا ہے۔ وہ بھی دو قسم ہے۔ بلکہ کئی قسم ہے۔ ایک قسم تو وہ ہے۔ کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس طریقہ سے مقصود تک پہنچے۔ اور حضرت رسالت خاتمیت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ بھی جذبہ کے اس خانہ سے اسی طریقہ سے پہنچے ہیں۔ اور حضرت صدیق

---

[۱] حضرت مولانا یعقوب چرخی رحمۃ اللہ علیہ غزنی کے ایک گاؤں چرخ میں رہتے تھے۔ آپ حضرت خواجہ بزرگ خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کے مریدین میں سے تھے۔ اور آپ کی وفات کے بعد خواجہ علاؤ الدین قدس سرہٗ کی خدمت میں رہے۔ خواجہ ناصر الدین عبیداللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ میں ہرات میں تھا، کہ مجھے مولانا یعقوب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں حاضر ہونے کا شوق پیدا ہوا۔ چنانچہ ولایت صغان کی طرف روانہ ہوا۔ اور سخت محنت و مشقت کے بعد وہاں پہنچا۔ مولانا یعقوب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک طالب ایک عزیز (بزرگ) کی صحبت میں آ رہا ہے۔ جب خواجہ عبیداللہ تشریف لائے تو آپ نے ان کے لیے چراغ روشن کیا۔ اور اپنے فیض سے مستفیض فرمایا۔

[۲] وقوف عددی یہ ہے، کہ عدد وتر کی صورت میں نفی و اثبات کا ذکر کیا جائے۔ اس طرح کا ذکر بھی سلسلہ نقشبندیہ میں مشہور و معروف ہے۔ اور ذکر کرنے والے کو اس کی عجیب خاصیت اور ایک نئے قسم کا اثر محسوس ہوتا ہے۔ وقوف عددی کی صورت یہ ہے۔ کہ پہلے نفی و اثبات کو یعنی لا الٰہ الا اللہ کو ایک سانس میں ایک بار کہے پھر ایک سانس میں تین بار کہے، پھر ایک سانس میں پانچ بار۔ یہاں تک کہ ایک سانس میں اکیس بار کہے۔ بعض بزرگ فرماتے ہیں کہ، یہاں تک پہنچے کہ ایک سانس میں ایک سو اکیس بار کہے۔ اس وقت دل کی کھڑکی کھل جاتی ہے۔ اور دل نور کے مشاہدہ سے منور ہو جاتا ہے۔

(ملخص از القول الجمیل و ضیاء القلوب)

اور رشحات میں وارد ہے۔ کہ وقوف عددی ذکر میں عدد کی رعایت سے عبارت ہے۔ حضرت خواجہ بزرگ نے فرمایا ہے، کہ ذکر قلبی میں عدد کی رعایت دل کو مختلف خیالات سے محفوظ رکھنے کے لیے ہے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کمال اخلاص کی جہت سے جو آپ نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام سے رکھتے تھے اور آپ میں فانی تھے ۔ تمام صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ وتقدس علیہم اجمعین کے درمیان اس راستے کی خصوصیت کے ساتھ مخصوص ہوئے ہیں ۔ اور یہی نسبت جذبہ وسلوک حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک اسی خصوصیت کے ساتھ پہنچی ۔ اور جب کہ امام جعفر صادق کی والدہ ماجدہ حضرت صدیق اکبر کی اولاد کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تھیں ۔ اس بنا پر امام جعفر نے ان دونوں جہتوں کے اعتبار سے فرمایا کہ مجھے ابوبکر نے دو بار جنا ہے ۔ اور جب کہ حضرت امام جعفر نے اپنے آبائے کرام سے بھی ایک الگ نسبت حاصل کی ۔ تو آپ ان دونوں طریقوں کے جامع ہوئے ۔ اور اس جذبے کو آپ نے ان کے سلوک کے ساتھ جمع فرمادیا ۔ اور اس سلوک کے ذریعے مقصود تک پہنچے ۔ اور ان دونوں سلوک کے درمیان فرق یہ ہے ۔ کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سلوک سیر آفاقی سے طے ہوتا ہے ۔ اور حضرت صدیق کا سلوک سیر آفاقی سے کوئی خاص تعلق نہیں رکھتا ۔ یوں دکھائی دیتا ہے ۔ کہ حضرت صدیق اکبر نے جذبہ کے مکان میں سوراخ کیا ۔ اور مطلوب تک پہنچے ۔ حضرت علی کے سلوک میں معارف حاصل ہوتے ہیں ۔ اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سلوک میں محبت کا غلبہ ہوتا ہے ۔ اسی بنا پر لازماً حضرت علی علم کے شہر کے دروازے قرار پائے[1] ۔ اور حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ دوستی اور خلت کی قابلیت پیدا کی ۔ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ[2] والسلام نے فرمایا :

لَوْ کُنْتُ مُتَّخِذًا اَحَدًا خَلِیْلًا — اگر میں نے کسی کو اپنا خالص دوست بنانا ہوتا

لَا تَّخَذْتُ اَبَا بَکْرٍ خَلِیْلًا — تو ابوبکر صدیق کو بناتا ۔

اور حضرت امام جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جہت جذبہ کی جامعیت کے اعتبار سے جس کا مبنیٰ محبت ہے ۔ اور سلوک آفاقی کی جہت سے جو علوم و معارف کا منشا ہے ۔ محبت اور معرفت سے وافر حصہ حاصل کیا ۔ اس کے بعد امام موصوف نے اس نسبت مرکبہ کو بطور امانت سلطان العارفین حضرت بایزید بسطامی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ کے سپرد[3] کیا ۔

---

[1] اس قول میں اس بات کی طرف اشارہ ہے جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اَنَا دارُ الحکمتِ و علیٌّ بابُھا" یعنی میں حکمت کا گھر ہوں، اور علی اس کے دروازے ۔

[2] بخاری شریف بروایت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اس حدیث کو بعض دوسرے محدثین نے بھی روایت کیا ہے

[3] نقل صحیح سے یہ بات ثابت ہے ۔ کہ شیخ بایزید بسطامی حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ (باقی برصفحہ ۱۴۵)

گویا آپ نے امانت کا یہ بوجھ اپنی پشت پر اٹھائے رکھا۔ یہاں تک کہ یہ امانت بتدریج امانت کے اہل تک پہنچائی۔ اور ان کی توجہ کا رُخ اس امانت کے اُٹھانے سے پہلے دوسری جانب تھا۔ اس نسبت کے ساتھ مناسبت نہیں رکھتے تھے۔ اور اس امانت کے اٹھانے میں بھی بہت سی حکمتیں ہیں۔ اگرچہ اس نسبت کے اُٹھانے والوں نے اس نسبت سے بہت کم حصہ پایا ہے۔ لیکن اس نسبت کو ان بزرگوں کے انوار سے وافر حصہ ملا ہے۔ مثلاً سُکر کی ایک قسم جو اس نسبت میں مل ہوئی ہے۔ سلطان العارفین بایزید رحمۃ اللہ علیہ کے انوار کے نشانات میں سے ہے۔ یہ سکر مبتدیوں کو حس سے غائب کر دیتا ہے۔ اور ہوش کو لے جاتا ہے۔ اس کے بعد آہستہ آہستہ یہ سکر پوشیدہ ہو جاتا ہے اور صحو کے غلبہ کے اعتبار سے وہ نسبت مراتب صحو میں مل جاتی ہے۔ ظاہر میں صحو ہوتا ہے۔ اور باطن میں سکر۔ یہ بیت ان کے حال کے بیان کے مناسب ہے۔ ۔؎

از دروں شو آشنا و از بروں بیگانہ وش[1]
ایں چنیں زیبا روش کم مے بود اندر جہاں

علیٰ ھٰذا القیاس اس نسبت نے ہر بزرگ سے نور حاصل کر کے اس کے اہل تک پہنچایا[2]۔ اور وہ عارف ربانی حضرت خواجہ عبد الخالق غجدوانی[3] ہیں۔ جو حضرات خواجگان کے سلسلہ کے سر حلقہ ہیں۔

(حاشیہ بقیہ صفحہ ۱۴۴) کے وصال شریف کے بعد پیدا ہوئے۔ لہٰذا حضرت شیخ کی یہ تربیت روحانیت اور باطن کے طور پر تھی۔

(حاشیہ صفحہ ھٰذا) ۱؎ اندر سے آشنا ہو۔ اور باہر سے بے گانوں کی طرح۔ اس طرح کی بہتر روش جہاں میں بہت کم ہی کسی کو نصیب ہوتی ہے۔

۲؎ اور وہ اس طرح کہ یہ نسبت سلطان العارفین سے شیخ ابو الحسن خرقانی تک پہنچی۔ ان سے شیخ ابو علی فارمدی تک اور ان سے بطور امانت حضرت خواجہ یوسف ہمدانی کو ملی۔ اس کے بعد یہ نسبت خواجہ عبد الخالق غجدوانی کو حاصل ہوئی جو سلسلہ خواجگان کے سردار ہیں۔ قُدِّسَ سِرُّہم

۳؎ آپ حضرت خواجہ یوسف ہمدانی کے خلفا میں سے ہیں۔ آپ کی جائے ولادت اور مزار شریف غجدوان شریف ہے۔ حضرت خواجہ نے ذکر خفی کی تلقین حضرت خواجہ خضر سے حاصل کی، اور یہ ذکر کرنے پر مامور ہوئے۔ خواجہ یوسف ہمدانی نے اس میں کوئی تبدیلی نہ کی۔ اور فرمایا۔ جیسا آپ کو حکم ہوا ہے۔ ویسا ہی کرتے رہیں۔ اس بلند گروہ کی آٹھ اصطلاحیں حضرت خواجہ عبد الخالق کے کلمات قدسیہ سے ہیں:۔ یعنی (۱) ہوش در دم (۲) نظر بر قدم (۳) سفر در وطن (باقی بر صفحہ ۱۴۶)

قدس اللہ تعالیٰ و تبارک اسرارھم۔ اور اُس وقت میں اس بلند نسبت نے پھر تازگی پائی اور میدان ظہور میں آئی۔ ان کے بعد اس سلسلے میں سلوک آفاقی کا پہلو پھر پوشیدہ ہوگیا۔ اور جذبے کے حصول کے بعد مشائخ کرام دوسرے راستوں پر چل پڑے۔ اور عروج حاصل کیا۔ یہاں تک کہ حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس عالم ظہور میں جلوہ گر ہوئے۔ تو وہ نسبت اس جذبے اور سلوک آفاقی کے ساتھ پھر ظاہر ہوئی۔ اور ان دونوں جہتوں کی وجہ سے آپ معرفت اور محبت کے کمال کے جامع ہو گئے۔ اس جامعیت کے باوجود جذبے کی ایک دوسری قسم جو معیّت کی راہ سے سامنے آتی ہے وہ بھی آپ کو عطا فرمائی گئی۔ جیساکہ پہلے ذکر ہوا۔ اور آپ کے قائم مقام یعنی حضرت خواجہ علاؤالدین رحمۃ اللہ علیہ کو بھی آپ کے کمالات سے وافر حصّہ ملا۔ اور جذبہ و سلوک آفاقی دونوں دولتوں سے مشرف ہوئے۔ اور مقام قطب ارشاد تک پہنچے۔

اور اسی طرح حضرت خواجہ محمد پارسا[1] نے بھی ان کے کمالات سے مکمل حصہ پایا۔ اور حضرت خواجہ نقشبند نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں حضرت خواجہ محمد پارسا کے حق میں فرمایا۔ کہ جسے مجھے دیکھنے کی رغبت ہو وہ محمد پارسا کو دیکھ لے۔

اور نیز حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ سے منقول ہے۔ کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ بہاالدین یعنی خود میرے وجود سے محمد پارسا کا ظہور مقصود ہے۔ اور حضرت خواجہ پارسا کو ان کمالات کے باوجود فردیت کی نسبت مولانا عارف[2] دیک کرانی نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں عطا فرمائی۔ اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۵) (۴) خلوت در انجمن (۵) یاد کرد (۶) بازگشت (۷) نگاہ داشت (۸) یادداشت۔ آپ مندرجہ ذیل باتوں کی وصیت فرمایا کرتے تھے۔ مخلوق سے اس طرح دور بھاگو جس طرح شیر سے دور بھاگتے ہو۔ بے ریش لڑکوں۔ عورتوں۔ بدعتی لوگوں۔ اور دولت مندوں اور عام لوگوں کی مجلس اختیار نہ کرو۔ (رشحات)

(حاشیہ صفحہ ھٰذا) [1] یعنی محمد بن محمود حافظ بخاری، حضرت خواجہ بزرگ نے فرمایا کہ وہ حق اور وہ امانت جو اس ضعیف کو پہنچا ہے۔ اور جو کچھ میں نے اس راستے میں حاصل کیا ہے، سب کچھ تمہیں سپرد کردیا۔ اسے مخلوق خدا تک پہنچانا۔ آپ کا وصال شریف ۸۶۵ھ ہجری میں ہوا۔ اور آپ کا مزار پُرانوار بلخ شریف میں مرجع خلائق ہے۔

[2] مولانا عارف دیک کرانی حضرت خواجہ امیر کلال رحمۃ اللہ علیہ کے چار خلفا میں سے دوسرے خلیفہ ہیں آپ کی ولادت اور مزار شریف دیک کراں بستی میں ہے۔ جو ہزارہ کے قصبات میں سے دریائے کوہک کے کنارے پر واقع ہے اور وہاں سے بخارا شریف کا شہر نو فرسنگ ہے۔ حضرت خواجہ امیر کلال فرمایا کرتے تھے کہ میرے ساتھیوں خواجہ بہاؤالدین نقشبند اور مولانا عارف کی طرح دوسرا کوئی نہیں حضرت خواجہ نقشبند مولانا عارف قدس سرہما کے ساتھ (باقی بر صفحہ ۱۴۸)

نسبت کا بھی غلبہ آپ کے لیے پیر بننے اور طالبوں کی تکمیل کرنے سے رکاوٹ بن گیا۔ ورنہ آپ کمال اور تکمیل میں نہایت بلند درجہ رکھتے تھے۔

حضرت خواجہ نقشبند خواجہ پارسا کی شان میں فرمایا کرتے تھے۔ کہ اگر محمد پارسا پیری شروع کر دے تو سارا عالم ان سے روشن ہو جائے۔ مولانا عارف نے فردیت کی یہ نسبت مولانا بہاالدین قشلاقی سے جو آپ کے دادا تھے۔ حاصل کی تھی۔

جاننا چاہیے کہ فردیت کی نسبت کا رخ مکمل طور پر حق سبحانہٗ کی طرف ہوتا ہے۔ اور پیر بننے اور مخلوق کو کمال تک پہنچانے اور لوگوں کو دعوت دینے سے کوئی سروکار نہیں رکھتی۔ اور اگر وہ نسبت قطب ارشاد کی نسبت کے ساتھ جو مخلوق کی دعوت اور تکمیل کا مقام ہے جمع ہو جائے۔ تو پھر دیکھنا چاہیے کہ اگر فردیت کی نسبت غالب ہے۔ تو ارشاد اور تکمیل کا پلہ اس صورت میں کمزور ہوگا۔ ورنہ ان دو نسبتوں والا حد اعتدال میں ہوگا۔ اس کا ظاہر مکمل طور پر مخلوق کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور باطن بالکلیہ حق تعالیٰ و تقدس کے ساتھ۔ مخلوق کو خالق کی طرف دعوت دینے کے مقام میں بلند ترین درجہ ان دو نسبتوں والے کے لیے ہے۔ اگرچہ قطبیّتِ ارشاد کی نسبت اکیلی ہی دعوت کے لیے کافی ہے۔ لیکن ان بزرگوں کے لیے اس مقام میں ایک دوسرا ہی مرتبہ ہے۔ ان بزرگوں کی نگاہ دلی امراض کو شفا بخشتی ہے۔ اور ان کی صحبت غیر پسندیدہ عادات و اخلاق کو بالکل دور کر دیتی ہے۔

سید الطائفہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اس دولت عظمیٰ سے سعادت مند اور اس مرتبہ سے مشرف ہو چکے تھے۔ حضرت جنید کو نسبت قطبیّت شیخ سری[1] سقطی سے حاصل ہوئی تھی۔ اور فردیّت کی نسبت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۶) سات برس رہے۔ اور مولانا عارف ان کے ساتھ نہایت اکرام اور تعظیم سے پیش آتے تھے۔ مولانا عارف کے کلمات قدسیہ میں سے ہے۔ کہ جو شخص اپنی تدبیر میں گرفتار رہتا ہے۔ اس کے لیے دوزخ تیار ہے۔ اور جو شخص خدائے تعالیٰ کی تقدیر کے مطالعہ میں رہتا ہے اس کے لیے بہشت ہے۔ (نفحات)

(حاشیہ صفحہ ھٰذا) [1] آپ کی کنیت ابوالحسن ہے۔ آپ جنید اور تمام بغداد کے بزرگوں کے استاد ہیں۔ اور معروف کرخی کے شاگرد ہیں۔ آپ نے تیس رمضان ۲۵۳ھ ہجری منگل کی صبح اس دنیائے فانی سے رحلت فرمائی۔ حضرت جنید فرماتے ہیں، میں نے سری جتنا کسی کو عبادت کرتے نہیں دیکھا۔ آپ نے ستر سال کی عمر پائی لیکن فوت کے وقت کے سوا کسی نے بھی آپ کو لیٹے ہوئے اور آرام کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ حضرت سری یہ شعر پڑھا کرتے تھے: لا فی النہار ولا فی اللیل لی فرح لا ابالی اطال لیل ام قصرا ——— یعنی مجھے دن اور رات کے آنے سے کوئی خوشی نہیں ہوتی۔ اور مجھے اس بات کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی کہ رات بھی ہو یا چھوٹی (نفحات)

شیخ محمد قصاب[۵۱] آملی سے۔

آپ کی قدسی نشان باتوں میں سے ایک بات یہ ہے کہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ میں سرّی کا مرید ہوں۔ میں تو محمد قصاب کا مرید ہوں۔ نسبت فردیت کو غالب کر کے آپ نے نسبت قطبیت کو فراموش کر دیا اور اسے نسبت فردیت کے پہلو میں معدوم جانا ہے۔

حضرت خواجہ نقشبند کے خلفاء کے بعد اس بزرگ خاندان کے چراغ حضرت خواجہ احرار تھے۔ آپ خواجگان کے جذبہ کو مکمل طور پر طے کرنے کے بعد سیر آفاقی کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔ اور نام میں آئے یعنی شہرت حاصل کیے بغیر سیر کو اسم تک پہنچایا تھا۔ اور اس میں استہلاک اور فنا پیدا کی۔ اور پھر جذبہ کے گھر میں آئے۔ اور اسی جہت میں آپ نے خاص استہلاک اور اضمحلال پیدا کیا۔ اور اسی جہت میں بقا بھی پائی مختصر یہ کہ آپ اس جہت میں شان عظیم رکھتے تھے۔ اور وہ علوم و معارف جو فنا و بقا میں میسر آتے ہیں۔ آپ کو اسی مقام میسر آ گئے۔ اگرچہ دو جہتوں کے تغائر کے واسطے سے علوم میں فرق موجود ہے۔ ان میں سے ایک فرق توحید وجودی کا اثبات اور اس کا عدم ہے۔ اور اسی طرح ان امور کا اثبات ہے۔ جو توحید وجودی کے مناسب ہیں۔ جیسے احاطہ اور سریان اور معیت ذاتی اور کثرت کے بالکلیہ پوشیدہ ہونے کے باوجود وحدت کا کثرت میں شہود اس طرح کے سالک پر کلمہ اَنا بالکل لوٹ کر نہ آئے۔ اور اسی طرح کے اور دوسرے امور ہیں۔ بخلاف ان علوم کے جو اس بقا پر مرتب ہوتے ہیں۔ جو فنائے مطلق کے بعد ہے۔ کیونکہ وہ علوم ایسے نہیں ہیں۔ بلکہ ان کے علوم شریعت حقہ کے علوم کے مطابق ہیں۔ اور یہ علوم حیلوں بہانوں اور تکلفات اور سوالات و جوابات کے محتاج نہیں ہیں۔

مختصر یہ کہ جو بقا جہت جذبہ میں ہے، چاہے کسی قسم کا جذبہ ہو سکر سے باہر نہیں لا سکتی۔ اور صحو میں داخل نہیں کر سکتی۔ للذا کلمۂ اَنا کے باقی رہنے کے باوجود باقی پر رجوع نہیں کر سکتی اور اس کی طرف اشارہ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جذبہ میں محبت کا غلبہ ہے۔ اور غلبۂ محبت کے لیے سکر لازم ہے پس کسی طرح بھی سکر اس سے جدا نہیں ہو سکتا۔ اس لیے لازمی طور پر اس کے علوم سکر آمیز ہوتے ہیں۔ جیسے وحدت الوجود کا قابل ہونا۔ کیونکہ وحدت وجود کا مبنیٰ سکر اور غلبہ محبت ہے اس طور پر کہ اس کی نظر میں محبوب کے سوا کچھ باقی نہیں رہتا۔ تو وہ ماسوا کی نفی کا حکم لگاتا ہے۔ اور

---

۵۱ آپ دامغان کے رہنے والے تھے۔ اور شیخ ابوالعباس کے شاگرد تھے۔ شیخ ابوالعباس نے آپ کو لوگوں کی مجلس میں بیٹھنے سے منع کیا ہوا تھا۔ کیونکہ آپ کی گفتگو بہت بلند ہوتی تھی۔ سارا دامغان گویا جسم تھا اور آپ اس کی روح تھے۔

اگر ایسا شخص صحو کی طرف آتا تو محبوب کا شہود اس کے لیے ماسواء کے شہود کے مانع نہ ہوتا۔ اور وحدت وجود کا حکم نہ لگاتا۔ اور وہ بقا جو فناء مطلق اور نہایت سلوک کے بعد ہوتی ہے۔ صحو کا منشا اور معرفت کا مبداء ہوتی ہے۔ سُکر کا اس جگہ کچھ دخل نہیں۔ علوم و معارف میں سے حالت فنا میں سالک سے جو کچھ گم ہُوا تھا وہی سب کچھ رجوع کر آتا ہے۔ لیکن اصل کے رنگ سے رنگین ہوتا ہے اور بقاء باللہ سے یہی مراد ہے۔ اس لیے لازمًا ان کے علوم میں سُکر کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ پس ان کے علوم انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات والتحیات والبرکات الی یوم الدین کے علوم کے مطابق ہوتے ہیں۔

اور نیز ایک بزرگ سے میں نے سُنا ہے کہ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی والدہ ماجدہ کے آباءِ کرام سے بھی جو عجیب احوال کے مالک اور جذبہ قوی رکھتے تھے، نسبت حاصل کی تھی اور بارہ اقطاب کے مقام سے بھی کہ دین کی تائید و تقویت ان سے وابستہ ہے۔ اور جو محبت میں بھی عظیم شان رکھتے ہیں، وافر حصہ رکھتے تھے۔ حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ کو تائید شریعت اور نصرت دین میں جو خاص مقام حاصل تھا، وہ اسی نسبت کی وجہ سے تھا اور آپ کے احوال گرامی کا کچھ تھوڑا سا ذکر (اسی مکتوب میں) پہلے ہو چکا ہے۔

اس کے بعد ان بزرگوں کے طریقے کا احیاء اور عزیزوں کے آداب کی اشاعت علی الخصوص ممالک ہندوستان میں جہاں کے رہنے والے ان کے کمالات سے بہرہ ور ہیں، ارشاد پناہی معارف آگاہی پسندیدہ دین کی تائید کرنے والے ہمارے شیخ و مولا محمد الباقی سلمہ اللہ تعالیٰ کے ظہور سے ہوئی۔

اس فقیر نے چاہا کہ آپ کے کمالات کا تھوڑا سا حصہ اس مکتوب میں درج کرے۔ لیکن جب اس بارے میں آپ کی رضا مفہوم نہ ہوئی تو اس باب میں جرأت کرنے سے سُستی کی۔

مکتوب نمبر ۲۹۱

مولانا عبد الحی کی طرف صادر فرمایا:

توحید وجودی و شہودی اور اس سے متعلقہ معارف کے بیان میں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للہ رب العالمین۔ والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین۔

اے عزیز اللہ تعالیٰ تجھے رشد و ہدایت عطا کرے اس بات کو جان کہ ایک گروہ کے لیے توحید وجودی کا منشا مراقبات توحید کی کثرت مشق اور ممارست اور کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ کا سمجھنا اور ورد کرنا ہے توحید کی اس قسم کا ظہور قوت خیالی کے غلبہ کے باعث حیلہ اور غور اور تخیل کی وجہ سے ہے کہ اس کے معنیٰ توحید کثرت مزاولت کی وجہ سے متخیلہ میں نقش ہو جاتا ہے اور چونکہ یہ توحید ایجاد موجد سے وجود میں آئی ہے اس بناء پر وہ علت سے خالی نہیں۔ اس توحید والا ارباب احوال میں سے نہیں ہے۔ کیونکہ اربابِ احوال ارباب قلوب ہوتے ہیں حالانکہ وہ اس وقت میں مقام قلب سے کچھ خبر نہیں رکھتا۔ یہ توحید حالی نہیں محض علمی ہے لیکن علم کے بھی اوپر نیچے بہت درجے ہیں۔

اور ایک دوسرے گروہ کی توحید وجودی کا منشا انجذاب اور محبّت قلبی ہے جو ابتدا اذکار اللہ کے ساتھ جو معنیٰ توحید کے تخیل سے خالی ہوتے ہیں مشغول رہتے ہیں اور جدوجہد یا حرف عنایت ازلی سے مقام قلب میں پہنچے اور جذب پیدا کیا اس مقام میں اگر ان پر توحید وجودی کا جمال ظاہر ہوتا ہے تو اس کا سبب محبوب کی محبّت کا غلبہ ہوگا جس نے ماسوائے محبوب کے ان کی نظر سے پوشیدہ کر دیا اور چھپا لیا۔ اور جبکہ ماسوائے محبوب کو نہیں دیکھتے اور نہیں پاتے۔ تو لازماً محبوب کے سوا کسی کو موجود نہیں جانتے توحید کی یہ قسم قبیلہ احوال سے ہے اور علت تخیل اور وہم کی ملاوٹ سے پاک اور مبرّا ہے۔ اور اگر ارباب قلوب کی اس جماعت کو اس مقام سے عالم کی طرف واپس بھیج دیں۔ تو اپنے محبوب کو عالم کے ذرّات میں سے ہر ذرّے کے اندر مشاہدہ کرتے ہیں۔ اور موجودات کو محبوب کے حسن و جمال کے آئینے اور جلوہ گاہیں جانتے ہیں یہ جماعت اگر محض فضل خداوندی جلّ شانہ سے مقام قلب سے باہر نکل کر جناب قدس کی طرف جو دلوں کو پھیرنے والی ہے متوجہ ہو جائیں تو یہ توحیدی معرفت جو مقام قلب میں پیدا ہوتی تھی۔ زوال پذیر ہو جاتی ہے۔ اگرچہ یہ لوگ عروج کی سیڑھیوں سے چڑھتے جاتے ہیں۔ تاہم اپنے آپ کو اس معرفت کے ساتھ بہت بے مناسب پاتے ہیں۔ ان میں سے ایک جماعت تو اس معرفت والوں پر انکار اور اعتراض کی حد تک پہنچ جاتی ہے۔ جیسے رکن الدین[1] ابو المکارم شیخ علاء الدولہ سمنانی اور بعض دوسروں کے لئے اس معرفت کے

---

[1] آپ اصل میں شاہان سمنان میں سے تھے پندرہ سال کی عمر میں سلطان وقت کی خدمت میں آگر مشغول خدمت ہوئے کسی جنگ کے دوران آپ میں جذبہ پیدا ہوا تو بغداد میں شیخ نور الدین کی خدمت میں حاضر ہوئے کچھ مدت کے بعد دعوت ارشاد کی اجازت حاصل کی اور خانقاہ کاکیہ میں پندرہ سال کے اندر ایکسو چالیس چلے گئے اور دوسرے (باقی بر صفحہ ۵۱۰)

زائل ہونے کے بعد اس کی نفی و اثبات سے کوئی کام نہیں رہتا۔

ان سطور کا لکھنے والا اس معرفت والوں کے انکار سے اجتناب کرتا ہے۔ اور ان پر اعتراض کرنے سے اپنے آپ کو دور رکھتا ہے۔ انکار اور اعتراض کی اس وقت گنجائش ہوتی ہے جبکہ اس حال والوں کے لیے اس حال کے ظہور میں قصد اور اختیار کا دخل ہو۔ ان کے ارادے کے بغیر ہی ان میں یہ معنیٰ ظاہر ہو جاتا ہے۔ وہ حال کے مغلوب ہوتے ہیں۔ لہٰذا معذور قرار پاتے ہیں۔ اور مجبور و معذور پر کوئی رَد اور اعتراض نہیں ہو سکتا۔ لیکن یہ فقیر انکار سے اجتناب کے باوجود اس قدر جانتا ہے۔ کہ اس معرفت سے اوپر بھی ایک دوسری معرفت ہے۔ اور اس حال کے اوپر بھی ایک دوسرا حال ہے۔ اس مقام میں رک جانے والے بہت سے کمالات سے روک دیے جاتے ہیں اور بے شمار مقامات سے محروم رہتے ہیں۔ اس کم مایہ حقیر کو بغیر اس کے کہ مراقبات اور اذکار کے ضمن میں معنیٰ توحید کے ساتھ مشغول ہو بلکہ محنت اور کوشش کے بغیر محض فضل ایزدی سے افاضت پناہ۔ حقائق و معارف آگاہ پسندیدہ دین کی تائید فرمانے والے ہمارے شیخ و مولا محمد الباقی قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس کی ہدایت سے لبریز صحبت میں ذکر سکھنے اور آپ کی توجہ اور عنایت کے بعد مقام قلب میں لے آئے۔ اور معرفت کا دروازہ کھول دیا۔ اور اس مقام کے بے شمار علوم و معارف عطا فرمائے۔ اور ان معارف کی باریکیوں کو منکشف کیا گیا۔ اور ایک مدت تک مجھے اسی مقام میں رکھا گیا۔ آخر کار کمال بندہ نوازی سے مجھے مقامِ قلب سے نکالا گیا۔ اس دوران توحید وجودی کی معرفت زوال پذیر ہونا شروع ہوئی۔ اور رفتہ رفتہ کمل طور پر معدوم ہو گئی۔

اپنے حالات کے اظہار سے مقصود یہ ہے کہ پتہ چل جائے، کہ اس مضمون کو میں نے کشف اور ذوق کے تحت تحریر کیا ہے۔ ظن اور تقلید سے نہیں لکھا۔ جاننا چاہیے کہ معارف توحیدی جو بعض اولیاء اللہ سے ظاہر ہوئے ہیں۔ ابتدائے حال اور مقام قلب میں صادر ہوئے ہیں۔ لہٰذا اس راہ سے ان بزرگوں کو کوئی نقص لاحق نہیں ہوتا۔

اس حقیر نے بھی اس وقت معارف توحیدی میں کئی رسالے تحریر فرمائے۔ اور جب ان تحریرات کو بعض دوستوں نے ادھر اُدھر منتشر کر دیا۔ تو انہیں جمع کرنا مشکل جانتے ہوئے ان رسائل کو

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۰) اوقات میں ایک سو تیس[۱۳۰] چلے کیے۔ ستر سال کی عمر میں بائیس رجب ۳۰؁ ہجری میں سب جمعہ کو وصال فرمایا۔

اپنے حال پر چھوڑ دیا۔ نقص اس وقت لازم ہوتا ہے۔ جب کہ اس مقام سے آگے نہ بڑھ جائیں۔

ارباب توحید کا ایک گروہ وہ ہے جس نے اپنے مشہود میں پورے طور پر نیستی اور محو ہونا پیدا کیا ہے۔ اور ان کی ہمت یہ ہے کہ مشہود میں ہمیشہ نیست اور معدوم رہیں اور ان کے لازم وجود کا کچھ اثر ظاہر نہ ہو۔ یہ لوگ کلمہ اَنَا کے لوٹنے کو اپنے لیے کفر جانتے ہیں۔ اور ان کے نزدیک نہایت کار فنا اور نیستی ہے۔ عالم میں شہود حق کو بھی گرفتاری خیال کرتے ہیں۔ ان میں سے بعض فرماتے ہیں۔ میں ایسا عدم چاہتا ہوں جس کا پھر کبھی وجود نہ ہو۔ یہ لوگ محبت کے مقتول ہیں۔ اور حدیث قدسی مَنْ قَتَلْتُهٗ فَاَنَا دِيَتُهٗ۔ جس کو میں قتل کرتا ہوں، تو اس کا خون بہا میں خود ہوتا ہوں۔

انہیں لوگوں کی شان میں واقع ہے۔ یہ لوگ ہمیشہ وجود کے بوجھ تلے دبے رہتے ہیں۔ اور ایک لمحہ کے لیے بھی آسائش نہیں پاتے کیونکہ آسائش غفلت کی حالت میں ہوتی ہے۔ ہمیشہ کی نیستی کی صورت میں غفلت کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

شیخ الاسلام ہروی[1] فرماتے ہیں۔ جو شخص مجھے ایک گھڑی کے لیے حق سبحانہٗ سے غافل کرے امید ہے کہ اس کے گناہوں کو بخش دیں گے۔

اور وجود بشریت کے لیے غفلت درکار ہے۔ حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنے کمال کرم سے ان میں سے ہر ایک کو ان امور کی استعداد کے اندازہ کے مطابق جو غفلت پیدا کرنے والے ہیں۔ ان کے ظاہر کو ان امور کے ساتھ مشغول کر دیا ہے۔ اس بنا پر کسی قدر ان کا بارِ وجود ان سے ہلکا ہو جاتا ہے ایک جماعت کے دل میں سماع اور رقص کی الفت ڈال دی گئی ہے۔ اور ایک گروہ کے لیے تصنیف کتب اور علوم و معارف تحریر کرنا شعار بنا دیا گیا ہے۔ اور ایک گروہ مباح امور کے ساتھ مشغول

---

[1] یعنی حضرت ابو اسماعیل خواجہ عبداللہ بن ابی منصور محمد الانصاری۔ آپ حضرت ابو ایوب صحابی رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ہیں۔ شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ مجھے شعرائے عرب کے تین ہزار عربی اشعار یاد ہیں۔ اور میں نے تین صد افراد سے حدیث لکھی ہے جو سب کے سب سنی العقیدہ تھے۔ ان میں سے کوئی بھی بدعتی اور خود رائے نہیں تھا۔ اور مجھے تین ہزار احادیث ایک ایک ہزار اسناد کے ساتھ یاد ہیں۔ اور آپ نے فرمایا کہ مجھے ایسی قوت حافظہ عطا کی گئی ہے۔ کہ جو کچھ میرے قلم کے نیچے سے گزرتا ہے یاد ہو جاتا ہے۔ اور آپ نے فرمایا تصوف میں میرے پیر و مرشد شیخ ابو الحسن خرقانی ہیں اگر میں خرقانی کی زیارت سے مشرف نہ ہوتا۔ تو حقیقت کو نہ پا سکتا۔ (نفحات ملخصاً)

کیا گیا ہے۔

عبداللہ اصطخری کتوں والوں کے ساتھ صحرا میں جا رہا تھا۔ کسی شخص نے کسی بزرگ سے اس کا راز دریافت کیا۔ اس بزرگ نے فرمایا تاکہ ایک سانس کے لیے ہی وجود کے بوجھ سے نجات حاصل کرے اور بعض کو توحید وجودی کے علوم اور شہود وحدت در کثرت کے ساتھ آرام عطا فرمایا۔ تاکہ اس بوجھ سے ایک گھڑی کے لیے ہی آرام پائیں۔ اسی قبیلہ سے ہے وہ توحید جو بعض اکابر مشائخ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم سے ظاہر ہوئی ہے۔ ان بزرگوں کی نسبت تنزیہ صرف کی طرف کھینچ کر لے جاتی ہے۔ عالم اور شہود در عالم سے کوئی سروکار نہیں رکھتی۔ وہ معارف جو ارشاد پناہ معارف دستگاہ ناصر الدین خواجہ عبید اللہ نے توحید وجودی اور شہود وحدت در کثرت کے مناسب تحریر فرمائے ہیں، توحید کی اسی قسم اخیر سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کی کتاب فقرات جو بعض علوم توحید وغیرہ پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کے علوم کا منشا اور ان معارف سے مقصود اس عالم کے ساتھ انس والفت پیدا کرتا ہے۔ اور اسی طرح ہیں ہمارے خواجہ (محمد الباقی قدس سرہ) کے وہ معارف جو آپ نے کتاب فقرات کے موافق بعض رسائل میں تحریر فرمائے ہیں۔ ان علوم توحید کا منشا نہ جذبہ ہے اور نہ غلبہ محبت اور ان کے مشہود کو عالم کے ساتھ کوئی نسبت نہیں۔ جو کچھ انہیں عالم میں دکھاتے ہیں وہ ان کے مشہود حقیقی کا شبہ اور مثال ہے۔

مثلاً ایک شخص جمال آفتاب کے عشق میں گرفتار ہو اور کمال محبت سے اپنے آپ کو آفتاب میں گم کر لیا ہو۔ اور اپنا کوئی نام ونشان نہ رہنے دیا ہو۔ ایسے شخص کے لیے اگر چاہیں کہ اُسے اپنی طرف واپس لائیں اور اس میں آفتاب کے ماسوا کی اُنست والفت پیدا کریں تاکہ ایک گھڑی کے لیے ہی انوار آفتاب کے غلبہ سے اپنا ایک سانس ہی درست کرے، اور آرام پائے تو اسی آفتاب کو عالم کے آئینوں میں اس پر ظاہر کرتے ہیں۔ اور اس طرح اس عالم کے ساتھ اس کی اُنست اور التفات پیدا کرتے ہیں اور اسے بتاتے ہیں کہ سارا عالم عین آفتاب ہے اور آفتاب کے سوا کوئی چیز بھی موجود نہیں۔ اور کبھی ذرات عالم کے آئینوں میں اسے جمال آفتاب دکھاتے ہیں۔

یہاں کوئی شخص یہ سوال نہ کرے کہ جب نفس الامر میں عالم آفتاب کا عین نہیں ہے تو پھر عالم کو آفتاب ظاہر کرنا خلاف واقع ہوگا۔ اس لیے کہ اس کے جواب میں ہم یہ کہتے ہیں کہ افراد عالم بعض امور میں آپس میں مشترک ہیں۔ اور بعض امور میں غیر مشترک۔ حق سبحانہٗ وتعالیٰ اپنی کمال قدرت سے بعض ان امور کو جو امتیاز اور عدم اشتراک کا باعث ہیں، بعض حکمتوں اور مصلحتوں کے تحت ان کی نظر سے پوشیدہ کر دیتا

ہے۔ اور فقط اجزائے مشترکہ کا ہی مشاہدہ کراتا ہے۔ اس طرح ایک دوسرے کے آپس میں متحد ہونیکا حکم ثابت ہو جاتا ہے۔ تو اسیطرح وہ شخص آفتاب کو بھی اس علاقہ سے عالم کا عین پاتا ہے۔ اسی طرح حق سبحانہٗ کی اگرچہ فی الحقیقت عالم کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں، لیکن اسمی مشابہت اس اتحاد کو درست کر دیتی ہے۔

مثلاً حق سبحانہٗ وتعالیٰ موجود ہے اور عالم بھی موجود ہے اگرچہ فی الحقیقت ان دونوں وجودوں کے درمیان کچھ مناسبت نہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ عالم، سمیع، بصیر، حیّ اور قادر اور مرید ہے اور عالم کے بعض افراد بھی ان صفات کے ساتھ موصوف ہیں۔ اگرچہ واجب تعالیٰ کی صفات اور ممکن کی صفات ایک دوسرے سے جُدا ہیں۔ لیکن چونکہ وجود امکانی کی خصوصیت اور صفات محدثات کے نقائص کو ان کی نگاہ سے (بعض حکمتوں کے تحت) پوشیدہ کر دیتے ہیں۔ لہٰذا واجب اور ممکن کے درمیان اگر اتحاد کا حکم کریں تو گنجائش ہے۔

اور توحید کی یہ قسم اخیر اقسام توحید میں سب سے اعلیٰ قسم ہے۔ بلکہ فی الحقیقت اس معرفت والے حال کے مغلوب نہیں ہیں۔ اور اس کا سُکر اس معرفت کا باعث نہیں ہوا۔ بلکہ ان پر اس حال کا ورود کسی مصلحت کے لیے کیا گیا ہے۔ اور یہ بات ملحوظ ومطلوب ہے کہ اس معرفت کے وسیلہ سے انہیں سکر سے صحو کی طرف لائیں اور تسلّی دیں۔ چنانچہ ایک جماعت کو سماع اور رقص اور ایک جماعت کو مباح امور کے ساتھ مشغول کر کے تسلّی دیتے ہیں۔

جاننا چاہیے کہ ان مذکورہ گروہوں میں سے بعض کو ان امور کے ساتھ مشغول کرتے ہیں جو ان کے مشہود کے مغائر ہوتے ہیں، اور وہ اس طرح تسلّی پاتے ہیں۔ بخلاف ان بزرگوں کے کہ جو چیز ان کے مشہود کے مغائر ہوتی ہے یہ اس کی طرف التفات نہیں کرتے اور اس کے تابع نہیں ہوتے۔ اس لیے ناچار عالم کو ان کے مشہود کا عین ظاہر کرتے ہیں۔ یا عالم کے آئینہ میں اس کو جلوہ گر کرتے ہیں۔ تاکہ ایک گھڑی کے لیے اس بوجھ سے آرام پائیں۔

اس آخری قسم توحید کا منشا اس حقیر کو کشف و ذوق کے طریقہ سے معلوم نہ تھا۔ صرف پہلی دو وجہوں کو جانتا تھا۔ اس تیسری قسم کا صرف ظن وگمان تھا۔ اسی لیے اس حقیر نے خطوط اور رسالوں میں ان دو بلکہ صرف دوسری وجہ کو لکھا ہے۔ اور توحید وجودی کو اس میں منحصر کیا ہے۔ لیکن ارشاد پناہی قبلہ گاہی (حضرت خواجہ محمد الباقی قدس سرہٗ) کی رحلت کے بعد آپ کے مزار شریف کی تقریب زیارت کے لیے آفات سے محفوظ شہر دہلی میں آنے کا اتفاق ہوا عید کے دن مزار شریف کی زیارت کے لیے گیا ہوا تھا[1]

مزار مبارک کی طرف توجہ کے دوران آپ کی روحانیت کی پوری توجہ اس فقیر کی جانب مبذول ہوئی۔ اور کمال غریب نوازی سے اپنی نسبت خاصہ، جو حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ کی طرف منسوب تھی، عطا فرمائی۔ فقیر نے جب اس نسبت کو اپنے اندر پایا، تو بالبداہت ان علوم و معارف کی حقیقت کو بطریق ذوق پالیا۔ اور معلوم ہُوا کہ ان میں توحید وجودی کا منشاء انجذاب قلبی اور غلبہ محبت نہیں ہے۔ بلکہ اس معرفت سے مقصود اس غلبے کا ہلکا کرنا ہے۔ ایک مدت تک اس معنے کا اظہار مناسب نہیں جانتا تھا۔ لیکن جب بعض رسائل میں صرف پہلی دو وجہوں کا ذکر ہوا۔ تو کم فہم لوگ اس سے وہم میں پڑ گئے، کہ اس بیان سے ان دو بزرگوں (خواجہ احرار اور خواجہ محمد الباقی قدس سرہما) کی تنقیص لازم آتی ہے۔ کہ ان کا طریقہ ارباب توحید کا طریقہ ہے، تو لوگوں نے اس ذریعہ سے اس فقیر کے حق میں فتنہ انگیزی کی زبان دراز کی۔ یہاں تک کہ اس حقیر کے بعض کم عقیدت مریدوں کے احوال میں سُستی کا باعث بن گئی۔ تو ضرورتاً توحید کی اس قسم کے اظہار میں مصلحت دیکھی اور دلیل کے طور پر اس واقعے (یعنی زیارت قبر پیر و مرشد) کو بطور دلیل ذکر کرنا بھی مناسب جانتے ہوئے تحریر میں لایا۔

ہمارے حضرت خواجہ کے مخلص درویشوں میں سے ایک نے یہ بات نقل کی۔ کہ حضرت خواجہ فرمایا کرتے تھے، کہ لوگ یہ خیال کرتے ہیں۔ کہ ہم ارباب توحید کی کتابوں کے مطالعہ سے نسبت حاصل کرتے ہیں ——— حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ مطالعہ کتب سے صرف یہ مقصود ہے کہ ایک گھڑی کے لیے ہی اپنے آپ کو غافل کریں۔ یہ کلام پہلے کلام کی تائید کرتا ہے۔

فضیلت پناہ شیخ عبد الحق نے جو ہمارے حضرت خواجہ کے مخلصین میں سے ہیں۔ نقل کیا کہ ہمارے حضرت خواجہ نے ایام رحلت سے تھوڑے دن پہلے فرمایا تھا کہ ہمیں یقین سے معلوم ہو چکا ہے کہ توحید (وجودی) تنگ کوچہ ہے۔ شاہراہ دوسری ہے۔ اگرچہ ہم اس سے پہلے بھی جانتے تھے۔ لیکن اس قسم کا یقین ابھی ظہور پذیر ہُوا ہے۔ اس بات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آخر کار آپ کا مشرب بھی توحید وجودی سے مناسبت نہیں رکھتا تھا۔ ابتدائے حال میں اگر اس قسم کی توحید ظاہر ہوئی ہو۔ تو کوئی باک نہیں۔ بہت سے مشائخ کے لیے ابتدا میں اس قسم کی توحید ظاہر ہوئی ہے۔ لیکن آخر کار اس سے باہر نکل آئے ہیں۔

(حاشیہ صفحہ ۱۵۴) لہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بزرگان دین کے نزدیک مزارات اولیاء اللہ پر حصول فیض کے لیے جانا اور مزارات کی طرف سفر کرنا جائز ہے۔ بعض بے ادب لوگ زیارت قبور اور اولیائے کرام کے فیض کے منکر ہیں۔ صحیح عقیدہ یہی ہے جس کی طرف حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نے اشارہ فرمایا ہے۔ اور جس پر آپ خود عامل تھے۔ اللہ تعالیٰ صحیح اعتقاد پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے (از مترجم)

اور بھی جذبہ نقشبندیہ کے مقام میں پہنچنے کے بعد حضرت خواجہ نقشبندیہ کا طریقہ اور حضرت خواجہ احرار کا طریقہ ایک دوسرے سے جُدا ہو جاتا ہے۔ اور علوم و معارف بھی ایک دوسرے سے جُدا ہو جاتے ہیں۔ بعد ازاں حضرت خواجہ احرار کی توجہ کا غلبہ اپنے مادری آباؤ اجداد کی نسبت باطنی کے اعتبار سے ہے۔ جو پشت ہا پشت سے بزرگ چلے آئے ہیں۔ اور یہ فنا اور نیستی جس کا اوپر ذکر ہوا۔ ان بزرگوں کی نسبت کے لوازم سے ہے۔ اس حقیر نے ہم عصر لوگوں کی مصلحت کی وجہ سے طالبوں کی تربیت کے لیے حضرت خواجہ نقشبند کا طریقہ اختیار کیا۔ اور آپ کے طریقہ کے علوم و معارف کو جو ظاہر شریعت کے علوم سے بہت زیادہ مناسبت رکھتے ہیں۔ اس خراب زمانے میں جب کہ ارکان شریعت میں پوری سُستی پیدا ہو چکی ہے۔ مناسب دیکھتے ہوئے طالبوں کو فائدہ پہنچانے کی غرض سے اسی طریقے کا تعین کیا ہے۔ اگر حق سُبحانہٗ طریقہ احراریہ کو اس حقیر کے توسط سے رواج دینا چاہتا تو سارے جہاں کو ان انوار سے منور کر دیتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں، بزرگوں کے انوار کامل طور پر اس فقیر کو عطا فرمائے ہیں۔ اور دونوں اکابر کے تکمیل کے طریقوں کو ظاہر کر دیا ہے۔

ان الفضل بید اللہ یؤتیہ من یشآء۔ واللہ ذوالفضل العظیم — یعنی بے شک فضل و کمال اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ اور اللہ عظیم فضل والا

ے

پادشاہے[۱] ست کہ عنایت خویشن — ہر دو عالم بہ یک گدا بخشد
اگر پادشاہ[۲] بدر پیر زن ! — بیاید تو اے خواجہ سُبلت مکن

اور مطابق حکم:

وَاَمَّا بِنِعْمَتِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ۔ — لیکن اپنے رب کی نعمت کا اظہار کر۔

بعض مخفی اسرار کو یہ فقیر جائے ظہور میں لایا۔ حق سبحانہٗ و تعالیٰ طالبان حق کو ان سے بہرہ ور فرمائے۔ اگرچہ یہ فقیر جانتا ہے کہ منکروں کے انکار میں یہی اضافہ ہوگا۔ لیکن مقصود طالبوں کو فائدہ پہنچانا ہے منکر لوگ بحث سے خارج اور مطمح نظر سے باہر ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس سے بہت لوگوں کو گمراہ کرتا ہے۔ اور بہت کو ہدایت ہے۔ ارباب بصیرت پر مخفی نہیں ہے۔ کہ مصلحت کے تحت ایک طریقے کو اختیار کرنے سے دوسرے طریقے پر اس کی افضلیت لازم نہیں آتی۔ اور دوسرے طریقے میں کوئی نقص پیدا نہیں ہوتا۔

۵[۱] خدائے تعالیٰ ایسا بادشاہ ہے کہ اپنی مہربانی سے دونوں جہان ایک گدا کو بخش دیتا ہے۔

۵[۲] اگر بادشاہ ازراہ عنایت بڑھیا کے دروازے پر آجائے۔ تو اے خواجہ تو حسد سے اپنی ڈاڑھی نہ نوچ ۱۲ منہ۔

در دروازۂ شہر را[1] تو ان بست
نتوان دہن مخالفان بست

اور تمام تعریفیں اولاً و آخراً اللہ صاحب انعام و احسان کے لیے ہیں۔ اور صلوٰۃ وسلام و تحیہ اس کے رسول پر اور اس کی پسندیدہ آل پر اور نیک و کار اصحاب پر ہمیشہ نازل ہوتے رہیں۔

مکتوب نمبر ۲۹۲

شیخ عبدالحمید بنگالی کی طرف صادر فرمایا۔

مریدوں کے ضروری آداب اور بعض کے شبہات دور کرنے اور اس کے مناسب امور کے بیان میں :-

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ اَدَّبَنَا بِالْاٰدَابِ النَّبَوِيَّةِ وَهَدَانَا بِالْاَخْلَاقِ الْمُصْطَفَوِيَّةِ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الصَّلَوٰتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ اَتَمُّهَا وَاَكْمَلُهَا

تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں آداب نبوی سکھائے۔ اور ہمیں اخلاق مصطفویہ کی ہدایت دی۔ علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات

اے عزیز جان لے کہ اس راہ فقر پر چلنے والے دو حال سے خالی نہیں یا مرید ہیں یا مراد۔ اگر مراد ہوں، تو انہیں مبارک ہو۔ کیونکہ انہیں انجذاب اور محبت کے راستے سے کشاں کشاں لے جائیں گے۔ اور مطلب اعلیٰ تک پہنچا دیں گے۔ اور ہر ادب جو درکار ہو بلواسطہ یا بلا واسطہ انہیں سکھا دیں گے۔ اور اگر ان سے کوئی لغزش واقع ہو گی تو اس پر انہیں جلدی آگاہ فرما دیں گے۔ اور اگر ان پر گرفت نہیں کریں گے۔ اور اگر انہیں ظاہری پیر کی ضرورت ہو گی۔ تو ان کی کوشش کے بغیر اس دولت تک پہنچا دیں گے۔

مختصر یہ کہ عنایت ازلی جل شانہٗ ان بزرگوں کے حال کی کفیل ہے۔ بالواسطہ یا بلا واسطہ ان کے کام کے لیے اللہ تعالیٰ کافی ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اپنی بارگاہ میں جسے چاہتا ہے برگزیدہ بنا لیتا ہے۔

اور اگر مرید ہوں گے تو ان کا کام کامل اور کامل کرنے والے پیر کے واسطہ کے بغیر دشوار ہے۔ بلکہ ایسا پیر چاہیے جو جذبہ اور سلوک کی دولت سے مشرف اور فنا و بقا کی سعادت سے بھی سعادتمند

[1] شہر کا دروازہ تو بند ہو سکتا ہے۔ لیکن مخالفوں کا منہ بند نہیں ہو سکتا۔

ہو چکا ہو۔ اور سیر الی اللہ، سیر فی اللہ، سیر عن اللہ باللہ اور سیر فی الاشیا باللہ کو مکمل طور پر طے کر چکا ہو۔ اور اگر اس کا جذبہ اس کے سلوک پر مقدم ہو اور مرادوں کی تربیت کا پروردہ ہو۔ تو نہایت ہی اکسیر ہے۔ اس کا کلام دوا ہے اور اس کی نظر شفا۔ مردہ دلوں کی زندگی اس کی توجہ شریف سے وابستہ ہے اور پژمردہ جانوں کی تازگی اس کے التفات لطیف کے ساتھ مربوط ہے۔ اور اگر اس طرح کا صاحب دولت پیر میسر نہ آئے۔ تو سالک مجذوب ہی غنیمت ہے۔ اور ناقصوں کی تربیت اس سے بھی ہو جائے گی۔ اور اس کے واسطے سے فنا اور بقا کی دولت تک پہنچ جائیں گے۔

آسماں[۱] نسبت بعرش آمد فرود
ورنہ بس عالی ست پیش خاک تود

اور اگر عنایت خداوندی جل سلطانہٗ سے کسی طالب کو اس طرح کے کامل اور کامل کرنے والے پیر تک پہنچا دیں تو چاہیے کہ اس کے وجود شریف کو غنیمت جانے۔ اور اپنے آپ کو مکمل طور پر اس کے سپرد کر دے۔ اور اپنی نیک بختی کو اس کی رضامندی کے کاموں میں جانے۔ اور اپنی بدبختی کو اس کی ناراضگی میں خیال کرے۔ مختصر یہ کہ اپنی ہر خواہش کو اس کی رضا کے تابع کر دے۔

حدیث نبوی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات اتمہا واکملہا میں وارد ہے۔

لَنْ یُّؤْمِنَ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یَکُوْنَ[۲]	تم میں سے اس وقت تک کوئی شخص مومن نہیں
هَوَاهُ تَبَعًا لِّمَا جِئْتُ بِهٖ	ہو سکتا، جب تک اپنی خواہش نفس کو اس چیز کے تابع نہ کر دے۔ جسے میں لے کر آیا ہوں۔

یہ بات بھی مرید کے ذہن میں رہنی چاہیے کہ آداب صحبت اور شرائط کا لحاظ بھی اس راہ کی ضروریات سے ہے۔ تاکہ فائدہ پہچانے اور فائدہ حاصل کرنے کا راستہ کھلے۔ اس کے بغیر صحبت کا کوئی نتیجہ نہیں اور نہ مجلس کا کوئی فائدہ ہے۔ بعض آداب اور ضروری شرائط بیان کی جاتی ہیں گوش ہوش سے سنیں۔

اے عزیز! تو جان کہ طالب کو چاہیے کہ اپنے دل کے چہرے کو تمام اطراف سے موڑ کر اپنے پیر کی طرف متوجہ کرے۔ اور پیر کی موجودگی میں اس کی اجازت کے بغیر نوافل اور اذکار میں مشغول نہ ہو اور اس کے غیر کی طرف التفات نہ کرے۔ اور اپنے آپ کو کلیتہً اس کی طرف متوجہ کر کے بیٹھے۔ یہاں تک کہ اس کے حکم کے بغیر ذکر میں بھی مشغول نہ ہو۔ اور فرض وسنت نماز کے علاوہ کوئی نماز اس کی مجلس میں

۱۔ آسمان عرش کی نسبت تو نیچے ہے، لیکن تودہ خاک سے اونچا بہت ہے۔

۲۔ مشکوٰۃ شریف۔

ادا نہ کرے۔

موجودہ بادشاہ کے متعلق منقول ہے۔ کہ اس کا وزیر اس کے سامنے کھڑا تھا۔ اتفاقاً اس دوران میں وزیر کی توجہ اپنے کپڑوں کی طرف ہو گئی۔ اور اس نے اپنے کپڑے کے کسی بند کو اپنے ہاتھ سے درست کیا۔ اس دوران بادشاہ کی نظر اس پر پڑی دیکھا۔ کہ وزیر اس کی طرف متوجہ نہیں۔ تو ڈانٹ کر کہا کہ میں اس بات کو برداشت نہیں کر سکتا کہ تو میرا وزیر ہو کر میرے سامنے اپنے کپڑے کے بند کی طرف توجہ کرے۔

غور کرنا چاہیے کہ جب کمینی دنیا کے وسائل کے لیے باریک آداب درکار ہیں۔ تو جو چیزیں (مرشد وغیرہ) خدا تک پہنچنے کا وسیلہ ہیں۔ ان کے آداب کی رعایت تو بہت کامل طریقہ پر کرنی لازم ہو گی۔ اور جہاں تک ممکن ہو ایسی جگہ نہ کھڑا ہو کہ اس کا سایہ پیر کے کپڑوں پر یا پیر کے سائے پر پڑتا ہو۔ اور پیر کی جائے نماز پر پاؤں نہ رکھے۔ اور اس کے وضو خانہ میں وضو نہ کرے۔ اور اس کے خاص برتنوں کو اپنے استعمال میں نہ لائے۔ اور اس کے سامنے پانی نہ پیئے اور نہ کھانا کھائے اور نہ کسی سے بات کرے۔ بلکہ کسی کی طرف بھی متوجہ نہ ہو۔ اور پیر کی عدم موجودگی میں اس طرف پاؤں نہ کرے۔ جس طرف پیر ہو۔ اور نہ اس طرف تھوکے۔ اور جو کچھ پیر سے صادر ہو اسے درست جانے۔ اگرچہ بظاہر درست نظر نہ آئے۔ کیونکہ پیر جو کچھ کرتا ہے الہام اور اذن سے کرتا ہے لہٰذا ایسی صورت میں اعتراض کی گنجائش نہیں ہے۔

اور اگر اس کی بعض الہامی صورتوں میں خطا بھی واقع ہو جائے تو خطا الہامی خطا اجتہادی کی طرح ہے کہ اس پر ملامت یا اعتراض جائز نہیں۔ نیز چونکہ اس مرید کو اپنے پیر کے ساتھ محبت پیدا ہو چکی ہے۔ اس لیے محبوب سے جو کچھ صادر ہو محب کو اچھا ہی نظر آتا ہے۔ لہٰذا اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں۔ اور تمام کلی و جزئی امور میں اپنے پیر کی اقتداء کرے کیا کھانے میں کیا پینے میں اور کیا سونے اور ہر نیک کام میں نماز کو اپنے پیر کی طرح ادا کرنا چاہیے۔ اور فقہ کو اس کے عمل سے اخذ کرنا چاہیے۔ ؎[1]

آں را کہ در سرائے نگاریست فارغ است

از باغ و بوستان و تماشائے لالہ زار

اور پیر کی حرکات و سکنات میں اعتراض کو قطعاً گنجائش نہ دے چاہے رائی کے برابر اعتراض ہو۔ کیونکہ اعتراض کا نتیجہ محرومی کے سوا کچھ نہیں۔ اور تمام مخلوق میں سب سے زیادہ بے سعادت وہ شخص ہے جو اس گروہ اولیاء اللہ میں عیب نکالے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس بلائے عظیم سے نجات دے۔

اور اپنے پیر سے خوارق و کرامات کا مطالبہ نہ کرے۔ اگرچہ یہ طلب دل میں وسوسے اور خطرے کی

[1] جس کے گھر میں معشوق ہو وہ باغ و بوستان کی سیر اور لالہ زار کے تماشے سے فارغ ہے۔

شکل میں ہو۔ تم نے کبھی سنا ہے کہ کسی مومن نے اپنے نبی سے معجزہ طلب کیا ہو۔ معجزے طلب کرنیوالے کفار اور منکر لوگ ہیں ؎

معجزات از بہر قہر دشمن است
بوئے جنسیت پئے دل بردن است
موجب ایمان نباشد معجزات
بوئے جنسیت کند جذب صفات

اگر دل میں کسی کا شبہ بھی آجائے تو بلا توقف پیر کی خدمت میں عرض کرے۔ اگر حل نہ ہو تو اپنی کوتاہی تصور کرے۔ پیر پر کوئی عیب نہ لگائے۔ اور جو بھی واقعہ ظاہر ہو پیر سے پوشیدہ نہ رکھے۔ اور واقعات کی تعبیر اس سے دریافت کرے۔ اور جو تعبیر خود طالب پر منکشف ہو وہ بھی عرض کرے۔ اور درستی اور خطا کو اس سے تلاش کرے۔ اور اپنے کشفوں پر ہرگز اعتماد نہ کرے، کیونکہ اس دنیا میں حق باطل کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ اور درستی خطا کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔ اور بے ضرورت اور بلا اجازت اس سے الگ نہ ہو۔ کیونکہ اپنے لیے پیر کے غیر کو اختیار کرنا عقیدت کے منافی ہے۔ اور اپنی آواز کو اس کی آواز سے بلند نہ کرے۔ اور اونچی آواز سے اس کے ساتھ گفتگو بھی نہ کرے کہ بے ادبی ہے۔ اور ظاہر و باطن میں فتوح اور کشائش حاصل ہو تو اپنے پیر کے توسط سے جانے اور واقعہ میں دیکھے کہ دوسرے مشائخ سے فیض پہنچا ہے اسے بھی اپنے پیر کی طرف سے جانے۔ اور یہ اعتقاد رکھے کہ جب پیر کمالات و فیوض کا جامع ہے تو پیر کا خاص فیض مرید کی خاص استعداد کے مناسب شیوخ میں سے ایک شیخ کے مناسب کہ افاضہ کی صورت اس سے ظاہر ہوئی ہے، مرید تک پہنچا ہے۔ اور پیر کے لطائف میں سے ایک لطیفہ جو اس فیض سے مناسبت رکھتا ہے۔ اس شیخ کی صورت میں ظاہر ہوا ہے۔ مرید کی آزمائش کے طور پر وہ لطیفہ دوسرا شیخ خیال کر لیا گیا ہے۔ اور فیض کو اس کی طرف سے جانتا ہے یہ عظیم مغالطہ ہے۔ حق سبحانہٗ لغزش قدم سے بچائے۔ اور پیر کے ساتھ حسن اعتقاد اور اس کی محبت پر قائم رکھے۔ بحرمۃ سید البشر علیہ و علیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات۔ مختصر یہ کہ "طریقت سب ادب ہے"۔ مثل مشہور ہے۔ کوئی بے ادب خدا تک نہیں پہنچ سکتا۔ اور اگر مرید بعض آداب کی رعایت میں

۱؎ معجزات دشمن کو مغلوب کرنے کے لیے ہیں، اور دل تابع کرنے کے لیے جنسیت کی بو ہے۔ معجزات ایمان کا باعث نہیں۔ بلکہ جنسیت کی بو صفات کو جذب کرتی ہے۔

۲؎ یہی وجہ ہے کہ جو فرقے صحابہ کرام، اہل بیت عظام اور انبیاء و اولیاء کے بے ادب اور (باقی بر صفحہ ۱۶۱)

اپنے آپ کو کوتاہ جانے اور ان کی مناسب ادائیگی تک نہ پہنچ سکے۔ اور کوشش وسعی کے باوجود عہدہ برآ نہ ہوسکے تو اس کیلئے معافی ہے۔ لیکن اپنی اس کوتاہی کا اعتراف ضروری ہے۔ اور اگر عیاذ باللہ سبحانہٗ آداب کی رعایت نہ کرے۔ اور اپنی کوتاہی کا اعتراف بھی نہ کرے تو ایسا مرید ان بزرگوں کی برکات سے محروم رہتا ہے۔

ہر کہ[1] را روے بہ بہبود نہ بود
دیدنِ روے نبی سود نہ بود

ہاں وہ مرید جو اپنے پیر کی توجہ کی برکت سے فنا و بقا کے مرتبہ تک پہنچ جاتا ہے۔ اور الہام اور فراست کا راستہ اس پر ظاہر ہو جاتا ہے۔ اور پیر بھی اسے مسلم رکھے اور اس کے کمال کی گواہی دے۔ تو اس مرید کے لیے گنجائش ہے کہ بعض الہامی امور میں اپنے پیر سے خلاف کرے۔ اور مقتضائے الہام پر عمل کرے۔ اگرچہ اس کے پیر کے نزدیک اس کے خلاف ہی بات ثابت ہو چکی ہو۔ کیونکہ ایسا مرید اس وقت حلقہ تقلید سے باہر نکل چکا ہے۔ اب اس کے لیے تقلید کرنا خطا ہے۔ تم نہیں دیکھتے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ کرام علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات نے امور اجتہادیہ اور احکام غیر منزلہ میں آنحضرت علیہ السلام سے اختلاف کیا ہے[2]۔ اور بعض اوقات میں صواب جانب

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۰) گستاخ ہیں۔ آج تک ان میں کوئی ولی پیدا نہیں ہوا۔ اور نہ قیامت تک ہوگا۔ عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ مثنوی شریف میں فرماتے ہیں ؎

از خدا خواہیم توفیق ادب !	بے ادب محروم گشت از فضل رب
بے ادب تنہا نہ خود را داشت بد !	بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد
ہر کہ گستاخی کند اندر طریق	گردد اندر وادیٔ حسرت غریق
ہر چہ آمد بر تو از ظلمات و غم	آن ز بیباکی و گستاخیست ہم

ترجمہ اشعار: ا- ہم خدا تعالیٰ سے ادب کی توفیق مانگتے ہیں کیونکہ بے ادب انسان اللہ کے فضل سے محروم رہتا ہے۔

(۲) بے ادب انسان صرف اپنے آپ کو ہی بُرائی میں مبتلا نہیں کرتا بلکہ سارے جہان میں بے ادبی کے فتنے کی آگ بھڑکا دیتا ہے۔

(۳) جو شخص طریقت میں گستاخی کا مرتکب ہوتا ہے، وادیٔ حسرت میں ڈوب کر رہ جاتا ہے۔

(۴) تم پر جو تاریکیاں اور غم چھائے رہتے ہیں۔ اس کی وجہ تمہاری بے باکی اور گستاخی ہے۔

(حاشیہ صفحہ ہذا) [1] جسے اپنی بھلائی کا خود خیال نہ ہو۔ وہ اگر نبی کے چہرے کو بھی دیکھ لے تو بے سود ہے (باقی بر صفحہ ۱۶۲)

اصحاب میں ظاہر ہُوا ہے۔ جیسا کہ اربابِ علم پر مخفی نہیں۔

پس ثابت ہو گیا کہ مرتبہ کمال تک پہنچنے کے بعد مرید کا اپنے پیر سے اختلاف کرنا جائز ہے اور بے ادبی سے مبرّا اور پاک ہے۔ بلکہ یہاں اپنے اجتہاد کے مطابق عمل کرنا ہی ادب ہے ورنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام جو پورے آداب سیکھ چکے تھے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تقلید کے سوا کچھ نہ کرتے۔

ابو یوسف کے لیے مرتبہ اجتہاد پر پہنچنے کے بعد ابو حنیفہ رضی اللہ عنہما کی تقلید کرنا خطا ہے۔ درستی اپنی رائے کی متابعت میں ہے۔ نہ ابو حنیفہ کی رائے کی متابعت میں۔ امام ابو یوسف کے متعلق یہ قول مشہور ہے کہ میں امام ابو حنیفہ کے ساتھ مسئلہ خلقِ قرآن میں چھ مہینے جھگڑتا رہا۔ تم نے یہ ضرور سنا ہوگا کہ فن کی تکمیل بہت سے افکار کے ملنے سے ہوتی ہے۔ اگر فن اور علم ایک ہی فکر میں بند رہتا تو اس میں زیادتی اور اضافہ نہ ہوتا۔ علم نحو جو سیبویہ کے زمانہ میں تھا، آج نحویوں کے اختلاف آراء اور بہت سی انظار کے ملنے سے سوگنا زیادہ اور کامل ہو چکا ہے۔ لیکن چونکہ اس علم کی بنا امام سیبویہ نے رکھی ہے۔ لہٰذا بزرگی اور فضیلت اسی کے لیے مسلم ہے۔ فضیلت متقدمین کے لیے ہی ہے۔ اور کمال متاخرین کے لیے:

مثل امتی کمثل المطر لا یدری اولهم خیر ام اٰخرهم

میری امت کی مثال بارش کی سی ہے۔ یہ پتہ نہیں چلتا کہ اس کا پہلا حصہ بہتر ہے یا آخری حصہ

حدیث نبوی ہے۔ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسّلام۔

تتمّہ

بعض مریدین کے رفع شبہ کے بیان میں

اے عزیز جان لے کہ صوفیائے کرام نے کہا ہے:

اَلشَّیْخُ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ۔ یعنی شیخ زندہ بھی کر سکتا ہے اور مار بھی سکتا ہے

زندہ کرنا اور مارنا پیری کے مقام کے لوازمات میں سے۔ لیکن اس احیاء سے روحی احیاء مراد ہے

(حاشیہ صفحہ ۱۶۱) ۲ جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بہت سے واقعات اس پر دلالت کرتے ہیں خاص کر جنگ بدر کا واقعہ۔ لیکن حضور کے ساتھ صحابہ کرام کا اس طرح کا اختلاف محض صورتاً تھا ورنہ صحابہ کرام سے جو کچھ صادر ہوتا تھا وہ حضور ہی کا فیض اور آپ ہی کی توجہ اور برکت کا نتیجہ تھا۔ (از مترجم عفی عنہ)

نہ جسمی۔ اسی طرح اماتت سے بھی روح کا مارنا ہے، نہ جسم کا۔ اور حیاۃ اور موت سے مراد، فنا اور بقا ہے۔ جو مقام ولایت اور کمال تک پہنچاتا ہے۔ اور شیخ مقتدا باذن اللہ سبحانہٗ ان دونوں کا کفیل اور ضامن ہے۔ پس شیخ میں اس کے زندہ کرنے اور مارنے کی قوت کا ہونا ضروری ہے اور یحی وَیُمیت کے معنی ہیں، یُبقی ویُفنی۔ یعنی بقا عطا کرتا ہے اور فانی کرتا ہے۔ جسم کو زندہ کرنے اور مارنے کا منصب ومرتبہ شیخی سے کچھ سروکار نہیں۔ شیخ مقتدا کہربا کی طرح ہے۔ جس کسی کو اس سے مناسبت ہوگی وہ حسن وخاشاک کی طرح اس کے پیچھے دوڑتا آئے گا۔ اور اپنا حصہ اس سے پالے گا۔ خوارق اور کرامات مریدوں کو کھینچنے کے لیے نہیں ہیں۔ مرید معنوی مناسبت سے کھنچ کر آتے ہیں۔ اور جو شخص ان بزرگوں سے مناسبت نہیں رکھتا، وہ ان کے کمالات کی دولت سے محروم ہے۔ اگرچہ ہزار معجزے، خوارق اور کرامات دیکھے۔ ابوجہل اور ابولہب کو اس معنی کی دلیل بنانا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے کفار کے بارے میں فرمایا:

وَاِنْ یَّرَوْا کُلَّ اٰیَۃٍ لَّا یُؤْمِنُوْا بِہَا حَتّٰۤی اِذَا جَآءُوْکَ یُجَادِلُوْنَکَ یَقُوْلُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْۤا اِنْ ہٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ۔

اور اگر یہ لوگ سب نشانیاں بھی دیکھ لیں تو پھر بھی ایمان نہ لائیں گے۔ یہاں تک کہ جب یہ لوگ آپ کے پاس آئیں گے تو آپ سے جھگڑیں گے۔ منکر یوں کہیں گے۔ کہ یہ قرآن تو پہلے لوگوں کے بے اصل قصے کہانیاں ہیں۔

والسّلام۔

مکتوب نمبر ۲۹۳

شیخ محمد چتری کی طرف صادر فرمایا۔

ان کے سوالات کے جواب میں جو انہوں نے پوچھے تھے۔ لِی مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ۔ حدیث نبوی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام آیا ہے۔ اور ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے بھی ایسا ہی کہا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے۔ اور انہوں نے پوچھا تھا قَدَمِیْ ھٰذِہٖ عَلٰی رَقَبَۃِ کُلِّ وَلِیِّ اللّٰہِ۔ حضرت شیخ عبدالقادر نے فرمایا ہے۔ اور بعض دوسروں نے بھی ایسا ہی کہا ہے۔ اس معاملے کی حقیقت کیا ہے۔ اور انہوں نے پوچھا تھا۔ کہ جن اولیا کی گردن پر آپ کا قدم ہے، ان سے مراد وہی اولیا ہیں۔ جو ان کے زمانے میں موجود تھے۔ یا مطلقاً اولیا

مراد ہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی آپ نے جو صحیفہ شریفہ ارسال فرمایا تھا۔ اس کے موصول ہونے سے یہ فقیر خوش اور مسرور ہوا۔ یہ کتنی بڑی نعمت ہے۔ کہ حق تعالیٰ جَلّ و علیٰ کے دوست دور افتادہ لوگوں کو یاد فرمائیں۔

آپ کے مکتوب میں درج تھا۔ کہ حضرت رسالت پناہ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات نے فرمایا ہے:-

لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ۔ یعنی مجھے اللہ کے ساتھ ایک خاص وقت میسر آتا ہے

اور حضرت ابوذر غفاری نے بھی ایسا ہی فرمایا۔ اور یہ کہ حضرت میراں محی الدین نے فرمایا ہے کہ میرے پاؤں تمام اولیاء کی گردنوں پر ہیں اور کسی دوسرے نے بھی ایسا ہی کیا ہے۔ ان دو لفظوں پر شور و غوغا ہو جاتا ہے۔ مہربانی کر کے لکھا جائے کہ ان دو باتوں کے کیا معنی ہیں اور ان دونوں میں کیا فرق ہے پوری توجہ سے واضح طور پر لکھ کر جو اس غریب کی سمجھ کے قریب ہو۔ ارسال فرمائیں۔

میرے مخدوم اس فقیر نے اپنے رسائل میں لکھا ہے۔ کہ آنسرور علیہ الصلوٰۃ والسلام کیلئے دوام وقت کے باوجود ایک نادر وقت بھی میسر آتا تھا۔ اور وہ وقت ادائے نماز کے دوران میسر آتا تھا:-

اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ۔ یعنی نماز مومنوں کی معراج ہے۔

آپ نے سُنا ہو گا اور:

اَرِحْنِیْ یَا بِلَالُ۔ یعنی اے بلال مجھے راحت پہنچا۔

اس مطلب کے ثابت کرنے میں معتبر گواہ ہے۔ اور ابوذر غفاری بھی وراثت اور تبعیت کی بنا پر اس دولت سے مشرف ہوئے تھے۔ کیونکہ آنسرور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کامل تابعداروں کے لیے آپ کے تمام کمالات سے وراثت اور تبعیت کے طور پر وافر اور پورا حصہ ملتا ہے۔

اور وہ جو حضرت شیخ عبد القادر قدس سرہٗ نے فرمایا کہ میرا یہ قدم ہر ولی کی گردن پر ہے[1]۔ صاحب عوارف نے جو شیخ ابو النجیب سہروردی قدس سرہٗ کے مرید اور تربیت یافتہ ہیں اور

---

[1] اور یہ کلمہ فرمانے کے وقت قریب قریب پچاس مشائخ مجلس میں موجود تھے۔ اور بعض مشائخ نے فرمایا ہے کہ اس وقت خداوند تعالیٰ نے حضور غوث پاک کے دل مبارک پر تجلی فرمائی۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرشتوں کے ایک گروہ کے ساتھ متقدمین اور متاخرین اولیائے کرام کی موجودگی میں آپ کو انعام کے طور پر لباس پہنایا۔

یہ شیخ ابو النجیب حضرت شیخ عبدالقادر قدس سرہٗ کے دوستوں اور رازداروں میں سے ہوئے ہیں۔ اس کلمے کو ان کلمات میں شامل کیا ہے، جو خودبینی کو ظاہر کرتے ہیں۔ اور جو مشائخ کرام سے ابتدائے احوال میں سُکر کے باقی ماندہ اثرات کی وجہ سے صادر ہوئے۔ اور نفحات میں شیخ حماد دباس[۱] سے منقول ہے۔ جو حضرت شیخ کے شیوخ میں سے ہوئے ہیں۔ کہ انہوں نے بطور فراست فرمایا کہ اس عجمی کا قدم وہ مبارک قدم ہے۔ کہ اس کے وقت کے اولیا کی گردن پر ہوگا۔ اور اس کو خدا کی طرف سے حکم ہوگا۔ کہ یوں کہے، میرا یہ قدم ہر ولی کی گردن پر ہے۔ اور یہ شخص یہ کلمات ضرور کہے گا۔ اور سب اولیا اپنی گردن جھکادیں گے۔

بہر صورت حضرت شیخ اس کلام میں حق بجانب ہیں۔ یہ کلام خواہ سُکر کے باقی ماندہ اثرات کی وجہ سے آپ سے صادر ہوا ہو۔ یا اس کلام کے اظہار کا آپ کو خدا کی طرف سے حکم ہُوا ہو۔ بہر صورت اُس وقت کے تمام اولیا آپ کے قدموں کے نیچے تھے۔ لیکن معلوم ہونا چاہیے کہ یہ حکم اس وقت کے اولیا کے ساتھ مخصوص ہے۔ آپ سے پہلے یا آپ کے بعد کے اولیاء اس حکم سے خارج ہیں جب کہ شیخ حماد کے کلام سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ کا قدم ان کے وقت میں تمام اولیاء کی گردن پر ہوگا۔

نیز ایک غوث نے جو بغداد میں تھے۔ اور حضرت شیخ عبدالقادر اور ابن سقا عبداللہ ان کی زیارت کے لیے گئے تھے۔ بطریق فراست حضرت شیخ کے حق میں فرمایا۔ کہ میں تجھے بغداد میں منبر پر بیٹھا ہُوا دیکھتا ہوں۔ اور تو اپنی زبان سے یہ کہہ رہا ہے۔ کہ میرا یہ قدم ہر ولی کی گردن پر ہے۔ اور میں دیکھتا ہوں کہ تیرے وقت کے سب اولیا نے اپنی گردنیں تیرے احترام اور اعزاز میں جھکادی ہیں۔

اس بزرگ کے کلام سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ حکم اس وقت کے اولیا کے ساتھ خاص ہے۔ اس وقت بھی حق سبحانہٗ وتعالیٰ کسی کو چشم بینا عطا فرمائے تو وہ دیکھ سکتا ہے۔ کہ جس طرح اس غوث نے دیکھا کہ اس وقت کے اولیاء کرام کی گردنیں آپ کے قدم مبارک کے نیچے ہیں۔ اور یہ حکم اُس

[۱] شیخ حماد قدس سرہٗ حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے پیرانِ طریقت میں سے ہوئے ہیں آپ بظاہر کچھ پڑھے ہوئے نہیں تھے۔ لیکن آپ نے معارف اور اسرار کے دروازے کھول دیے۔ شیخ عبدالقادر جیلانی جوانی کے ایام میں آپ کی صحبت میں رہے۔ ایک دن آپ نہایت ادب سے آپ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ جب آپ اُٹھ کر باہر چلے گئے۔ تو شیخ حماد نے فرمایا، ایک وقت آئے گا۔ کہ اس عجمی شخص کے قدم اولیا کی گردنوں پر ہوں گے، شیخ حماد نے ۵۲۵ھ ہجری میں ماہ رمضان شریف میں وصال فرمایا۔

وقت کے اولیاء کرام کے علاوہ کسی اور طرف تجاوز نہیں کرتا۔ اسی طرح غوث پاک قدس سرہٗ سے پہلے اولیاء کرام کو بھی یہ حکم شامل نہیں۔ کیونکہ آپ سے پہلے اولیاء اللہ میں صحابہ کرام بھی داخل ہیں جو حضرت شیخ قدس سرہٗ سے یقیناً افضل ہیں۔ اور آپ کے بعد اولیاء میں بھی یہ حکم کیسے جاری ہو سکتا ہے۔ کیونکہ آپ کے بعد اولیاء میں حضرت امام مہدی بھی ہیں۔ جن کے تشریف لانے کی آنسرور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بشارت دی ہے۔ اور امت کو آپ کے وجود کی بشارت سے نوازا ہے۔ اور انہیں خلیفۃ اللہ فرمایا ہے۔ اسی طرح حضرت عیسےٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھی کہ حضرت عیسٰی اولوالعزم سابقین انبیاء میں سے ہیں۔ اور اس شریعت کی متابعت کے واسطہ سے اصحاب خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ملحق ہیں۔ اس امت کے متاخرین کی بزرگی کے باعث ہی شاید آنسرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ " نہیں معلوم کہ اس امت کے پہلے بہتر ہیں یا پچھلے"۔ (رواہ الترمذی)

مختصر یہ کہ حضرت شیخ عبدالقادر رضی اللہ عنہ کی ولایت میں شان عظیم ہے۔ اور بلند ترین درجہ حاصل ہے۔ ولایت محمدیہ خاصہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ کو لطیفہ کے راستے سے نقطۂ آخر تک پہنچایا ہے۔ اور اس دائرہ کے سر حلقہ ہوئے ہیں۔ یہاں سے کوئی یہ وہم نہ کرے کہ جب شیخ قدس سرہٗ ولایت محمدیہ خاصہ کے سر حلقہ ہیں تو سب اولیاء اللہ سے افضل ہوں گے۔ کیونکہ ولایت محمدی علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰت والتسلیمات تمام ولایتوں سے اوپر ہے۔ اس لیے کہ ہم کہیں گے حضرت شیخ قدس سرہٗ اُس ولایت محمدی کے سر حلقہ ہیں جو لطیفہ کے راستہ سے حاصل ہے، جیسا کہ پہلے گزرا نہ کہ مطلق ولایت کے سر حلقہ ہیں۔ تاکہ افضلیت لازم آئے۔ یا ہم یوں کہتے ہیں کہ مطلق ولایت محمدیہ کا سر حلقہ ہونا افضلیت کو مستلزم نہیں۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ کوئی دوسرا بطریق تبعیت ووراثت کمالات نبوت میں پیش قدم ہو۔ اور ان کمالات کی وجہ سے افضلیت اسے حاصل ہو۔

حضرت شیخ عبدالقادر قدس سرہٗ کے مریدین کی ایک جماعت شیخ قدس سرہٗ کے حق میں بہت غلو کرتی ہے اور محبت میں حد سے بڑھ جاتی ہے جس طرح حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہٗ کے محب (شیعہ) حد سے بڑھ گئے ہیں۔ اس جماعت کی گفتگو کے اشارات سے ایسا مفہوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ شیخ قدس سرہٗ کو تمام پہلے اور ان کے بعد آنے والے سب اولیاء سے افضل قرار دیتے ہیں۔ اور انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات کے سوا کوئی دوسرا معلوم نہیں جس کو حضرت شیخ سے افضل تسلیم کرتے ہوں۔ یہ محبت میں افراط کی وجہ سے ہے۔

اگر سوال کریں کہ جس قدر خوارق وکرامات حضرت شیخ قدس سرہٗ سے وجود میں آئے ہیں۔ اور کسی ولی سے ظاہر نہیں ہوئے۔ لہٰذا سب سے شیخ قدس سرہٗ ہی افضل ہونے چاہییں، تو میں کہوں گا کہ ظہور خوارق کی کثرت افضلیت پر دلالت نہیں کرتی۔ ایسا ممکن ہے کہ کسی ولی سے ایک امر خوارق بھی ظاہر نہ ہو۔ لیکن وہ اس ولی سے افضل ہو جس سے کئی خوارق وکرامات کا ظہور ہوا ہو۔

شیخ الشیوخ (شہاب الدین سہروردی) نے مشائخ کی کرامات وخوارق کے بعد فرمایا ہے۔ کہ:

"یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی عطائیں ہیں۔ کبھی اولیاء اللہ میں سے ایک گروہ کو ان خوارق کا مکاشفہ کرایا جاتا ہے اور اسے عطا کی جاتی ہیں۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان سب لوگوں سے اوپر وہ شخص ہوتا ہے جس سے ان میں سے کوئی بات بھی ظاہر نہیں ہوئی ہوتی۔ کیونکہ یہ سب چیزیں تقویت یقین کے لیے ہیں اور جسے ویسے ہی یقین عطا کر دیا گیا ہو اُسے اُن میں سے کسی شے کی ضرورت نہیں۔ تو یہ کرامات ، جو ہم نے ذکر کی ہیں، دل میں ذکر الٰہی کے رسوخ اور ذکر ذات کے وجود سے کم درجہ ہیں۔"

کثرت ظہور خوارق کو افضلیت کی دلیل بنانا بالکل ایسے ہے جس طرح کوئی شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کثرت فضائل ومناقب کو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ پر افضلیت کی دلیل بنائے۔ کیونکہ جس قدر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فضائل ومناقب ظہور پذیر ہوئے ہیں حضرت صدیق اکبر سے نہیں ہوئے۔

اے برادر عزیز! اچھی طرح سُن۔ خوارق عادات دو قسم ہیں:

نوع اوّل علوم ومعارف خداوند تعالیٰ جل سلطانہٗ ہیں۔ کہ ذات صفات اور افعال واجب تعالیٰ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور نظر عقل کے دائرہ سے وراء ہیں۔ اور متعارف اور معتاد کے خلاف ہیں۔ جن کے ساتھ اُس نے اپنے خاص بندوں کو ہی ممتاز فرمایا ہے۔

اور دوسری قسم مخلوقات کی صورتوں کا کشف اور عالم سے تعلق رکھنے والے امور غیبیہ کی خبریں دینا ہے۔

نوع اوّل اہل حق اور ارباب معرفت کے ساتھ خاص ہے۔ اور نوع ثانی سچے اور جھوٹے دونوں طرح کے لوگوں کو شامل ہے۔ اس لیے کہ اہل استدراج[1] کو بھی نوع ثانی حاصل ہے۔

نوع اوّل خدا جل وعلا کے ہاں بزرگی اور اعتبار رکھتی ہے۔ کہ اُسے اس نے اپنے اولیاء کے ساتھ مخصوص کیا ہے۔ اور دشمنوں کو اس میں شریک نہیں کیا۔ اور نوع ثانی عام مخلوقات کے نزدیک معتبر ہے

---

[1] یعنی وہ خوارق عادت امور جو کافر یا فاسق یا مبتدع سے اس کی غرض کے موافق صادر ہوں۔

اور ان کی نظروں میں معزز اور محترم ہے۔ یہ چیز اگرچہ اہل استدراج سے ظہور پذیر ہو۔ نزدیک ہے کہ عوام نادانی کے باعث ان کی پرستش شروع کر دیں۔ اور رطب و یابس میں کہ وہ انہیں اس کے متعلق کہیں ان کے تابع اور فرماں بردار بن جائیں۔ بلکہ یہ محجوب لوگ یعنی عوام نوع اوّل کو خوارق میں سے نہیں جانتے اور کرامات میں سے شمار نہیں کرتے۔ کیونکہ ان کے نزدیک خوارق قسم ثانی میں منحصر ہیں۔ اور ان محجوبوں کے خیال میں کرامات مخلوقات کی صورتوں کے کشف اور ان کے غیبی چیزوں کی خبریں دینے کے ساتھ مخصوص ہے کتنے بے عقل ہیں۔ وہ علم جو حاضر و غائب مخلوقات کے حالات سے تعلق رکھتا ہے۔ اس میں کیا شرافت و کرامت ہے۔ بلکہ یہ علم تو اس لائق ہے کہ جہل سے تبدیل ہو جائے۔ تاکہ مخلوقات اور ان کے حالات سے نسیان حاصل ہو۔ واجب تعالیٰ و تقدس کی معرفت ہی شرافت اور کرامت اور اعزاز و احترام کے لائق ہے ؎

پری نہفتہ رُخ و دیو در کرشمہ و ناز[1]
بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

اور ہمارے مذکورہ بیان کے قریب ہے وہ جو شیخ الاسلام ہروی اور امام انصاری نے منازل السائرین اور اس کے شارح نے کہا ہے کہ وہ میرے نزدیک تجربے سے ثابت ہوا ہے یہ ہے۔ کہ اہل معرفت کی فراست اس امر میں ہے۔ کہ وہ اس شخص کی تمیز کر سکتے ہیں جو اللہ جل و علیٰ کے لایق ہے۔ اور ان کی جو لائق نہیں۔ اور ان اہل استعداد کو پہچانتے ہیں جو اللہ سبحانہٗ کے ساتھ مشغول ہیں۔ اور مقام جمع تک پہنچ چکے ہیں۔ یہ اہل معرفت کی فراست ہے۔ لیکن ان اہل ریاضت کی جو بھوک اور خلوت اور تصفیہ باطن سے ریاضت حاصل کرتے ہیں۔ اور جانب حق تعالیٰ تک نہیں پہنچ سکتے یہ ہے کہ صورتیں ان کے سامنے آتی ہیں۔ اور غیب کی وہ خبریں دیتے ہیں۔ جو مخلوق سے مختص ہیں۔ تو یہ لوگ صرف مخلوقات کی ہی خبریں دے سکتے ہیں۔ کیونکہ حق سبحانہٗ سے یہ لوگ حجاب میں ہیں۔ باقی رہے اہل معرفت تو چونکہ ان کی مشغولیت معارف حق تعالیٰ سے ان چیزوں کے ساتھ ہوتی ہے جو ان پر وارد ہوتی ہیں۔ اس لیے یہ اللہ ہی کی خبریں دیتے ہیں۔ اور جب کہ اکثر جہان والے اللہ سبحانہٗ سے اعراض کیے ہوئے ہیں۔ اور دنیا سے مشغول ہوتے ہیں۔ اس لیے ان کے دل صورتوں کے اہل کشف اور مخلوقات کے حالات کو غیبی خبریں دینے والوں کی طرف مائل رہتے ہیں۔ تو یہ لوگ ان کی تعظیم کرتے ہیں۔ اور یہ اعتقاد

---

[1] پری تو منہ چھپائے ہوئے ہے، اور شیطان کرشمہ اور ناز میں ہے۔ عقل حیرت سے جل گئی کہ یہ کیا عجیب معاملہ ہے۔

رکھتے ہیں۔ کہ یہ لوگ اہل اللہ اور اس کے خاص بندے ہیں۔ اور اہل حقیقت کے کشف سے اعراض کرتے ہیں۔ اور جو کچھ وہ اللہ سبحانہ کے متعلق انہیں بتاتے ہیں۔ اس میں انہیں متہم جانتے نہیں۔ اور یہ اہل دنیا یوں کہتے ہیں۔ کہ اگر یہ لوگ اہل حق ہوتے جس طرح کہ ان کا گمان ہے۔ تو ہمیں ہمارے حالات اور مخلوقات کے حالات سے خبر دیتے۔ اور جب کہ یہ لوگ مخلوقات کے حالات کے کشف پر قادر نہیں ہیں۔ تو اس سے اعلیٰ امور کے کشف پر کیسے قادر ہو سکتے ہیں اور اس فاسد قیاس کے ذریعے ان کی تکذیب کرتے ہیں۔ لیکن یہ لوگ صحیح خبروں سے اندھے ہیں اور نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ نے ان حضرات اہل معرفت کو ملاحظہ خلق سے حفاظت میں رکھا ہے اور اپنا خاص بنایا ہے۔ اور اپنے ماسوا سے ان کی حمایت اور آپ کے بارے میں غیرت کی وجہ سے دور کر رکھا ہے۔ اور اگر یہ لوگ ان میں سے ہوتے جو خلق کے حالات میں مصروف رہتے ہیں۔ تو حق سبحانہ کے لائق نہ ہوتے۔ اور ہم نے اہل حق کو دیکھا ہے کہ اگر صورتوں کے کشف کی طرف تھوڑا سا التفات بھی کرتے ہیں تو اور کچھ پا لیتے ہیں کہ دوسرے اس فراست کے ساتھ جسے اہل معرفت ثابت کرتے ہیں نہیں پا سکتے اور یہ وہ فراست ہے جو حق سبحانہٗ اور ان چیزوں سے جو اس کے قریب ہیں تعلق رکھتی ہے۔ لیکن ان اہل صفا کی فراست جو خارج ہیں اور مخلوق سے متعلق ہیں۔ تو وہ نہ تو جناب حق سبحانہ سے تعلق رکھتی ہے اور نہ حق سبحانہ سے قرب رکھنے والی چیزوں سے اور اس فراست میں مسلمان نصاریٰ۔ یہود اور دوسرے گروہ بھی شریک ہیں۔ کیونکہ اس فراست میں اللہ کے نزدیک کوئی بزرگی نہیں تاکہ اس کے ساتھ اپنے خاص بندوں کو مخصوص فرمائے۔

مکتوب نمبر ۲۹۴

ظاہری و باطنی علوم و معارف اور اسرار کے جامع مجدالدین مخدوم زادہ حضرت خواجہ محمد معصوم سلمہ اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا:

ان معارف کے بیان میں جو واجب تعالیٰ و تقدس کی صفات ثمانیہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے تعینات کے مبادی اور دوسری مخلوق کے تعینات کے مبادی کی تحقیق میں اور جزئیات کے اپنے کُلی کے ساتھ لاحق ہونا۔ اور ایک کُلی کے جزئیات کے اس سے منتقل ہو کر دوسری کلی کے ساتھ ملنے کے عدم جواز کے بیان میں۔ اور انبیاء و اولیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے

شہود اور تجلی کے فرق میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے توسط کے باوجود ان کے کامل پیروکاروں کے لیے وصل عریاں کے حصول کے بیان میں۔ اور مشائخ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی عبارت میں واقع الفاظ محو و اضمحلال کی تحقیق اور اس کے مناسب امور کے بیان میں:۔

واجب تعالیٰ و تقدس کی صفات ثمانیہ، حقیقیہ کے ان میں سے پہلی صفت الحیات ہے۔ اور آخری صفت تکوین۔ تین قسم ہیں:

ایک قسم وہ ہے جس کا تعلق عالم کے ساتھ زیادہ ہے۔ اور مخلوق کی طرف نسبت بیشتر ہے جیسے التکوین، یہیں سے اہل سنت وجماعت کے ایک گروہ نے اس کے وجود کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ تکوین صفات اضافیہ میں سے ہے۔ لیکن حق بات یہ ہے کہ وہ صفات حقیقیہ میں سے ہے۔ جن پر اضافت غالب ہے۔

اور دوسری قسم وہ ہے، جس میں اضافت تو ہے۔ لیکن پہلی قسم سے کم ہے۔ جیسے علم، قدرت، ارادہ سمع، بصر اور کلام۔

اور تیسری قسم ان سب میں سے اعلیٰ ہے۔ جسے عالم کے ساتھ کوئی تعلق نہیں اور اضافت کی بو بھی نہیں رکھتی۔ یہ صفت تمام صفات کی اُم اور اصل ہے۔ اور سب سے ثابت ہے۔ اور اس صفت کے سب سے زیادہ قریب صفت العلم ہے۔ جو خاتم الرسل علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات اتمہا واکملہا کا مبدا تعین ہے۔ اور دوسری صفات دوسری مخلوقات کے تعینات کے مبادی ہیں۔ اور جب کہ ہر صفت متعدد تعلقات کے اعتبار سے متعدد جزیات رکھتی ہے۔ جیسے صفت تکوین کہ اس کے لیے متعدد تعلقات کے لحاظ سے تخلیق، ترزیق۔ احیا اور اماتت کی جزیات موجود ہیں۔ یہ جزیات اپنے کلیات کی طرح مخلوقات کے تعینات کے مبادی ہیں اور ہر وہ شخص جس کے تعین کا مبداء کلّی ہے اور دوسرے تعیّنات جن کے مبادی اس کلّی کے جزیات ہیں۔ اس شخص کے تابع ہوں گے۔ اور اس کے قدم کے نیچے زندگی بسر کریں گے اسی جگہ سے یہ بات کہتے ہیں کہ فلاں محمد کے زیر قدم ہے۔ اور فلاں عیسےٰ کے زیر قدم اور فلاں موسےٰ کے زیر قدم علیہم الصلوٰۃ والتحیات والتسلیمات اتمہا واکملہا۔ اور جب کہ ان جزیات کے لیے بطور سلوک ترقی واقع ہوتی ہے۔ اس لیے یہ اپنے کلیات کے ساتھ مل جائیں گی۔ اور جزیات کا شہود کلیات کا شہود قرار پائے گا۔ فرق بالذات اور بالتبع کا رہ جائے گا۔ اور واسطے اور عدم واسطے کا امتیاز ہوگا کیونکہ تابع جو کچھ پاتا ہے اور جو کچھ دیکھتا ہے۔ اصل کے توسط کے بغیر ناممکن ہے ہاں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ تابع اپنے قصور کی وجہ سے اصل کو نہیں جانتا۔ لیکن فی الحقیقت تابع اور اس کے شہود کے درمیان اصل

اس طریقے سے حایل ہوتا ہے۔ جو شہود کے مانع نہیں ہوتا۔ بلکہ صاف عینک کی طرح شہود کا باعث ہوتا ہے۔ اور جائز نہیں ہے کہ ایک کلی کی جزیات ترقی کریں۔ اور اپنی کلی سے نکل کر دوسری کلی کے نیچے آئیں۔ اور ان کا شہود وہ دوسری کلی بن جائے۔ مثلاً جو جماعت حضرت موسیٰ کے زیر قدم ہے۔ انتقال کر کے حضرت عیسٰے کے زیر قدم آجائے، یہ نہیں ہوسکتا۔ ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ محمد کے زیر قدم آجائیں بلکہ ہمیشہ آپ کے زیر قدم ہی ہیں۔ علیہ وعلیہم وعلے الصلوٰۃ والسلام۔ کیونکہ محمد علیہ السلام کا رب، رب الارباب ہے۔ اور ان تمام کلیات کا اصل ہے۔

پس ان جزیات کی طرف نسبت اصل الاصل ہوگی اور یہ ترقی گویا اصل الاصل کے ساتھ ہے، نہ کہ اصل کے ساتھ۔ جو ان کی اصل کے مخالف ہے۔ ان کی کلیات اور جزیات میں اس قدر فرق رہ جائے گا کہ جزی کے لیے دو حائل درمیان میں ہوں گے ایک اپنا اصل۔ جو اس کی کلی ہے۔ اور دوسرا حائل اصل الاصل ہے۔ اور کلی اس کے لیے اصل الاصل کا حجاب ہے اور بس۔ یہاں سے معلوم ہوگیا۔ کہ حضرت محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شہود تعینات کے پردے کے بغیر ہے۔ اور دوسروں کا شہود تعینات کے پردے میں ہے۔ کم از کم تعین محمدی کا پردہ تو بیچ میں حائل ہے۔ یہیں سے وہ بات ہے جو کہی گئی ہے، کہ تجلی ذات حضرت محمد الرسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کا خاصہ ہے۔ اور دوسروں کی تجلی پردہ صفات میں ہے۔ کم از کم رب الارباب کے پردہ میں جو رب محمد ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم کہ صفت الحیات کے سوا تمام اسماء اور صفات سے اوپر ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس بیان سے لازم آتا ہے کہ تمام باقی انبیاء کرام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات کا شہود مبدأ تعین محمدی کے پردہ میں ہے۔ اور آپ کی امت کے وہ اولیا کرام جو بلاواسطہ آپ کے زیر قدم ہیں (علیہ الصلوٰۃ والسلام) ان کا شہود بھی دوسرے انبیاء کی طرح پردۂ رب الارباب میں ہوگا۔ پس انبیاء کرام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات اور آپ کی امت کے اولیاء کرام کے درمیان کیا ہوگا۔ تو میں اس کے جواب میں کہتا ہوں کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لیے اس پردہ حقیقت محمدی میں شہود کے علاوہ ایک دوسرا شہود بھی حاصل ہے۔ جو ان کے تعینات کے مبادی کی راہ سے انہیں میسر ہے۔ اور بالذات اپنی مخصوص عینکیں اپنی بصیرت کی آنکھوں پر رکھ کر غیب الغیب کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

جاننا چاہیے کہ یہ دو شہود اس معنی میں نہیں ہیں کہ دونوں بہ یک وقت متحقق ہوتے ہیں۔ بلکہ بایں معنی ہیں کہ اگر ترقی کر کے اصل الاصل تک پہنچے تو اس کا شہود پردۂ حقیقت محمدی میں ہے۔ جس طرح حضرت

عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام جو آسمان سے نزول کے بعد اس دولت سے مشرف ہوں گے۔ اور یہ ترقی نہایت مشکل ہے۔ بلکہ محال کے قریب ہے۔ اس کے حصول کے لیے فضل ایزدی جل سلطانہٗ درکار ہے۔ اور اس عالم اسباب میں محمدی المشرب پیر کی شفقت و مہربانی کی ضرورت ہے۔ اور اگر کسی نے اپنی اصل سے ترقی نہ کی اور اپنی حقیقت سے حقیقۃ الحقائق تک نہ پہنچا تو اس کا شہود اس کی اپنی حقیقت مخصوصہ کے پردہ میں ہے۔

اے بیٹے جان اور آگاہ رہ کہ جس طرح حقیقۃ الحقائق کی جانب سے حضرت ذات تعالیٰ وتقدس کی طرف ایک راستہ ہے۔ کہ منازل کثیرہ طے کرنے کے بعد اس تک وصول میسر آتا ہے۔ اسی طرح تمام حقائق کلیات کے راستہ سے بھی حضرت ذات تعالیٰ وتقدس ایک راستہ ہے، جس تک مراحل کثیرہ طے کرنے سے وصول نصیب ہوتا ہے۔ غایۃ مافی الباب یہ ہے کہ حقیقۃ الحقائق کے راستے وصل عریاں میسّر آتا ہے۔ لیکن دوسرے طریقوں سے بھی اگرچہ وصل ذات نصیب ہوتا ہے تاہم بلند حقیقۃ الحقائق کے منتہائے اصول سے ایک باریک ترین پردہ جو حقیقت محمدی کا ہے۔ درمیان میں حائل ہے۔ اگر مضبوط حجاب اور قوی رکاوٹ والا پردہ نہیں ہے۔ بلکہ صرف اسی قدر مانع اور حجاب ہے کہ تجلّی ذات کے اطلاق کو روکتا ہے۔ ورنہ باقی انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کیلئے بالاصالتہ ذات تعالیٰ سے حصّہ حاصل ہے۔ اور ان بزرگوں کے کامل پیروکاروں کے لیے بھی ان کی پیروی میں علیہم وعلیٰ امہم الصلوات والتحیات حصّہ حاصل ہے۔

سوال:

جبکہ صفت الحیاۃ، صفت العلم سے اوپر ہے۔ پس حقیقۃ الحقائق کی راہ سے بھی صفت الحیوٰۃ کا تعین حائل بن گیا۔ پس وصل عریاں کس طرح ہوگا اور اس کو تجلی ذات کیوں کہتے ہیں؟

جواب:

یہ تعین لاتعین کی طرح ہے۔ کیونکہ مراتب فوقی میں مٹ جاتا، اور معدوم ولاشے ہو جاتا ہے۔ اور مرتبہ حضرت ذات تعالیٰ میں اس کا کچھ بھی اعتبار نہیں رہتا۔ اگرچہ دوسری صفات کے لیے بھی مرتبہ حضرت ذات تعالیٰ میں کچھ اعتبار نہیں۔ لیکن وہ مرتبہ ذات میں ایسے طور پر نہیں پہنچتیں کہ راستے اور معدوم ہو جائیں۔ بخلاف صفت الحیوٰۃ کے کہ وہ وہاں پہنچتی ہے اور لاشے ہو جاتی ہے۔ اسی لیے حقیقت محمدی کا تعین اور دوسری مخلوقات کے تعیّنات دائمی ہیں۔ اور ان کا زوال مراتب ذات کے کسی مرتبہ میں بھی محال ہے۔ ہاں ایک چیز تک پہنچنا اور شے ہے اور شے میں فانی اور نیست ہو جانا امر دیگر ہے

بعض مشائخ قدس اللہ تعالیٰ ارواحہم کی عبارت میں جو لفظ محو و اضمحلال واقع ہوا ہے۔ اس سے مراد محو نظری ہے نہ محو عینی یعنی سالک کا تعین اس کی نظر سے زائل ہو جاتا ہے۔ نہ یہ کہ نفس الامر اور واقع میں محو ہو جاتا ہے۔ کیونکہ یہ تو الحاد اور بے دینی کی بات ہے۔

ناقصوں کی ایک جماعت محو و اضمحلال کا وہم پیدا کرنے والے الفاظ سے محو عینی خیال کیا ہے اور اس طرح بے دینی تک پہنچے ہیں۔ اور عذاب و ثواب اخروی کے منکر ہوئے ہیں۔ اور انہوں نے خیال کر لیا ہے کہ جس طرح وحدت سے کثرت میں آئے ہیں دوبارہ اسی طور پر کثرت سے وحدت تک چلے جائیں گے۔ اور یہ کثرت اس وحدت میں فانی اور نیست ہو جائے گی۔ اور ان بے دینوں میں سے ایک جماعت اسی محو اور مٹ جانے کو قیامت کبریٰ خیال کیا ہے۔ اور حشر و نشر، حساب صراط اور میزان کے منکر ہوئے ہیں۔ خود بھی گمراہ ہوئے اور بہت سے لوگوں کو بھی گمراہ کیا۔

اس فقیر نے اس جماعت کے ایک شخص کو دیکھا ہے جو اپنے مطلب پر حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی قدس اللہ سرہٗ درج ذیل شعر کو بطور دلیل پیش کرتا تھا۔ ؎

جامی معاد و مبدأ ما وحدت است و بس ما در میانہ کثرت موہوم والسلام

یہ لوگ نہیں جانتے کہ مولانا کی اس بیت سے مراد وحدت کی طرف رجوع نظر اور شہود کے اعتبار سے ہے۔ ایک ذات کے سوا کوئی دوسری چیز ان کا مشہود نہیں ہوتی۔ اور ہر طرح کی کثرت پورے طور پر ان کی نظر سے پوشیدہ ہو جاتی ہے۔ اس سے عینی اور وجودی رجوع ہرگز مراد نہیں۔ شاید یہ ناقص اندھے لوگ کہتے ہیں نہیں جانتے کہ کسی بھی کامل سے عجز، نقص اور احتیاج زائل نہیں ہوا۔ پس وحدت کی طرف رجوع وجودی کے کیا معنی ہیں۔ اور اگر ان لوگوں نے وحدت کی طرف رجوع موت کے بعد خیال کیا ہے۔ تو کافر زندیق ہیں کہ عذاب اُخروی سے انکار کرتے اور دعوت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات انتہا و اکملہا کا ابطال کرتے ہیں۔

سوال :

تو نے اپنے بعض رسائل میں لکھا ہے۔ کہ لطیفہ اخفیٰ کا فنا ولایت محمدی کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس کلام کا کیا معنی ہے؟

جواب :

گزشتہ تحقیق سے معلوم ہو گیا کہ وصل عریان ولایت محمدی کے ساتھ خاص ہے۔ اور دوسروں کے

لے اے جامی ہمارا معاد و مبدأ صرف وحدت ہے۔ اور ہم اس موہوم کثرت میں ہیں والسلام

لیے بھی اگرچہ حجابات اُٹھ جاتے ہیں۔ لیکن حقیقت محمدی کے باریک بال کی مانند درمیان میں حائل رہنے سے چارہ نہیں جیسا کہ پہلے گزرا ہے۔ پس لطیفہ اخفی جو مراتب انسانی کی نہایت ہے، کا بلندی کے اندازہ کے مطابق حائل رہنا باقی رہتا ہے۔ للہٰذا اس باقی ماندہ حائل و پردہ کے اعتبار سے فنائے مطلق کا اطلاق درست نہ ہوگا۔ محمدی المشرب کے علاوہ کون ہے جسے اس باقی ماندہ پردے کا وجود دکھائی دے اور ہزاروں محمدی المشرب حضرات میں سے ایک کے لیے ہی اگر تیزی نظر پیدا ہو جائے تو غنیمت ہے۔

مختلف طبقات کے مشائخ میں سے اکثر نے صرف روح اور سر تک گفتگو کی ہے۔ ایسے کم ہیں جنہوں نے خفی کے راز کے متعلق لب کشائی کی ہو۔ تو لطیفہ اخفی کے بارے میں کون کچھ کہہ سکتا ہے۔ اور جو لطیفہ اخفی کے دریا میں غوطہ لگا چکا ہو، اور اس کے ذرات میں سے ہر ذرّے تک پہنچ کر اطلاع پا چکا ہو۔ کبریت احمر کی مانند ہے۔ یعنی نہایت نایاب ہے۔ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ اور اللہ فضل عظیم والا ہے۔

سوال:

تیرا اعتقاد تو یہ ہے کہ جو کچھ نبی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسّلام کے لیے کمالات میں سے حاصل ہے اس کے کامل پیروکاروں کے لیے بھی پیروی کی بنا پر ان کمالات سے حصّہ حاصل ہے تو اس سے لازم آتا ہے کہ وصل عریان سے بھی حصّہ حاصل ہو۔ حالانکہ وہی نبی درمیان میں حائل ہے۔

جواب:

وصل عریان میں نبی کا حائل ہونا کچھ نقصان نہیں دیتا۔ کیونکہ یہ وصل تابع ہو کر ہے۔ نہ کہ بالاصالتہ ہے اسی بنا پر نبی کا حائل ہونا تابع ہونے کے مفہوم کی مزید تاکید کرتا ہے۔ نہ کہ واسطے کا درمیان سے زائل ہو جانا۔ کیونکہ وہ مقام اصالت کے مناسب ہے۔ پس درمیان میں نبی کا واسطہ بھی ہوتا ہے۔ اور اس کے تابع ہونے کی وجہ سے وصل عریان بھی میسر آتا ہے۔ اسے خوب سمجھو۔

سوال:

کیا فرق ہے کہ نبی علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے کامل پیروکاروں کے لیے تو وصل عریان اور تجلی ذات کا اطلاق کرتے ہیں۔ اور دوسرے انبیاء صلوات اللہ وتسلیماتہٗ علیٰ نبینا وعلیہم کے لیے اس اطلاق کو جائز نہیں رکھتے۔ حالاں کہ ہمارے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دونوں گروہوں کے لیے درمیان میں حائل ہونا ثابت اور موجود ہے۔

جواب: ۔ اس اطلاق کا کامل پیروکاروں کے حق میں جائز ہونا تابع ہونے کے اعتبار سے ہے

کیونکہ نبی کا واسطہ اس اطلاق کے منافی نہیں۔ جیسا کہ گزر چکا ہے۔ اور دوسرے انبیاء علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے حق میں اگر یہ اطلاق جائز ہو تو باعتبار اصالت کے ہوگا۔ کیونکہ یہ بزرگ بلا واسطہ منازل طے کر کے حضرت ذات تعالیٰ و تقدس تک پہنچے ہیں۔ اور شک نہیں کہ اصالت کی صورت میں واسطہ کا موجود ہونا اس اطلاق کے منافی ہوگا۔ لہٰذا فرق واضح ہو گیا۔

جاننا چاہیے کہ پہلے انبیاء کرام اور اس امت کے کامل پیروکاروں علیٰ نبینا وعلیہم وعلیٰ اسمہم الصلوٰۃ والسلام والتحیہ کے درمیان اصالت اور تبعیت کا فرق انبیاء کرام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات کی افضلیت کا موجب ہے۔ کیونکہ اصل مقصود ہوتا ہے۔ اور تابع طفیلی۔ اگرچہ پیروکاروں پر وصل عریان اور تجلی ذات کا اطلاق صحیح ہے۔ اور متبوع حضرات میں یہ اطلاق درست نہیں لیکن طفیلی کی کیا حیثیت کہ مقصودی کے ساتھ مساوات اور برابری دکھائے۔ طفیلی کو مساوات کیسے میسر آسکتی ہے۔ کیونکہ قرب حق کی دولت اصل کے لیے اتم اور اکمل طریقہ پر ہے۔ اور تابع میں اسم اور رسم کے طور پر۔ لیکن اسقدر ہے کہ یہ مناسبت تشبیہ کو صحیح کر دیتی ہے۔ اور تابع کو متبوع کی مانند کر دیتی ہے۔ اسی لیے خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات نے اپنی امت کے علماء کو بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح قرار دیا۔ پس اس بیان سے لازم آیا کہ اس اُمت کے اولیاء کے لیے تجلّی ذات کا حصول انبیاء پر جو تجلی ذات نہیں رکھتے، فضیلت کا وہم پیدا نہیں ہوتا۔ اس کو سمجھو کہ قدموں کے پھسلنے کا مقام ہے۔ اور انصاف سے کام لو۔ کیونکہ اللہ سبحانہٗ نے ان علوم کے ساتھ بصدقہ اپنے حبیب پاک حضرت محمد علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام اسی بندے کو مخصوص فرمایا ہے۔

سوال :

یہ بات طے شدہ ہے کہ آفرینش کائنات سے مقصود حضرت خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی ذات مقدسہ ہے۔ دوسرے سب نفس وجود اور حصول کمالات میں آپ کے طفیل ہیں اور آپ کی پیروی کی وجہ سے درجات علیا تک پہنچتے ہیں۔ اسی بناء پر قیامت کے دن حضرت آدم اور تمام دوسرے علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰت والتسلیمات کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور تو نے کہا ہے کہ دولت وصول دوسرے انبیاء کو علیٰ نبینا علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیمات بطریق اصالت ہے نہ بطریق تبعیت۔ اس کی کیا وجہ ہے۔

جواب :

جس طرح حضرت محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے حضرت ذات تعالیٰ و تقدس کی طرف

اپنی حقیقت سے ایک راہ ہے اسی طرح دوسرے انبیاء کرام علیٰ نبینا و علیہم الصلوات والتسلیمات کے لیے بھی حضرت ذات تعالیٰ شانہٗ کی طرف اپنی حقیقتوں سے راہیں ہیں۔ اس وصول میں تابع ہونے کا معنی ملحوظ نہیں ہے۔ بخلاف امتیوں کے کہ انبیاء کی پیروی کے ذریعہ اپنی حقائق کی راہ سے جو ان میں ہر ایک کی استعداد کے مناسب ہے، مطلب تک پہنچتے ہیں۔ اُمتیوں کے حق میں اصالت مفقود ہے۔ غایۃ فی بانی الباب جبکہ دوسروں کا وصل اگرچہ باصالت ہو وصل عریانی نہیں ہے۔ کیونکہ حقیقت خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات ایک باریک بال کی مانند درمیان میں حائل اور مطلوب ہیں۔ اس لیے بہرصورت پہلا جو پہنچتا ہے۔ وہ اس حقیقت سے متصل ہوتا ہے۔ اس کے بعد آپ کے توسط سے دوسروں کو پہنچتا ہے۔ اور تبعیت کے معنی ہی توسط کا حصول ہے۔ لہٰذا وہ اصالت اس تبعیت کے ساتھ کچھ مخالفت نہیں رکھتی۔ اچھی طرح جاننا چاہیے کہ وہ تبعیت جو امتیوں کے متعلق کہی گئی ہے اس تبعیت کا غیر ہے جو اصالت کے منافی ہے۔ جس طرح پہلے کئی بار مذکور ہوا ہے۔ لہٰذا دونوں کے درمیان فرق ہو گیا۔

اگر یہ سوال کریں کہ مراتب عروج میں صفۃ الحیٰوۃ سے بھی کاملین کو حصہ ملتا ہے یا نہیں؛ تو میں کہتا ہوں کہ ضرور حصہ ملتا ہے۔

اگر یہ کہیں کہ پہلے ذکر ہوا ہے۔ نہایت پر پہنچ کر یہ صفت حضرت ذات تعالیٰ و تقدس کے لیے لاشے اور نابود ہو جاتی ہے۔ اور کاملین کو مقام محو اور لاشے سے کیا حصہ ملتا ہے۔ حالاں کہ تو نے کہا ہے کہ حقائق کے تعینات کے لیے عینی نابود ہونا نہیں ہے۔ اگر ہے تو صرف نظری ہے کیونکہ اضمحلال ذ نابود ہونا عینی کا قول الحاد اور بے دینی تک لے جاتا ہے۔

جواب:

اضمحلال عینی کی کیا ضرورت ہے۔ اضمحلال نظری ہی کافی ہے۔ اگر اس اضمحلال نیست ہو جانے میں مختلف مراتب ہیں۔ اسے سمجھ لو۔ اور اللہ سبحانہٗ ہی حقیقت حال کو بہتر جانتا ہے۔ اور ان پر سلامتی کا نزول ہوتا ہے، جو ہدایت کے پیرو کار اور متابعت مصطفےٰ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات اتمہا و اکملہا کی پابندی کرتے ہیں۔

مکتوب نمبر ۲۹۵

حاجی یوسف کشمیری کی طرف صادر فرمایا:

نظر بر قدم ، ہوش در دم ، سفر در وطن اور خلوت در انجمن کے بیان میں جو اس بلند طریقہ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرار مشائخہا کے قواعد مقررہ سے ہے۔

جاننا چاہیے کہ طریقہ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرار مشائخہا کے اصول مقررہ میں سے ایک نظر بر قدم ہے۔ نظر بر قدم سے یہ مراد نہیں کہ نظر قدم سے تجاوز نہ کرے۔ اور قدم سے آگے اوپر نہ اٹھے۔ کیونکہ یہ چیز خلاف واقع ہے۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ نظر ہمیشہ سے اوپر رہے۔ اور قدم اس کے پیچھے آئے کیونکہ بلند زینوں کے اوپر چڑھتے وقت پہلے نظر ان بلند زینوں پر پڑھتی ہے پھر قدم نظر کے مقام تک پہنچتا ہے۔ پھر اس سے اوپر کے زینہ پر پڑتا ہے۔ اور قدم نظر کی پیروی میں بلندی کی طرف چڑھتا ہے۔ اس کے بعد پھر نظر اس مقام سے اوپر کو ترقی کرتی ہے۔ علیٰ ھٰذا القیاس۔

اور اگر اس سے مراد یہ ہو کہ نظر کو چاہیے کہ اس مقام سے ترقی نہ کرے۔ جہاں کے لیے گنجائش نہیں تو یہ بھی غیر واقع ہے۔ کیونکہ قدم پورا اٹھانے کے بعد اگر نظر تنہا نہ رہے تو بہت سے مراتب کمال فوت ہو جائیں گے۔ اس کی تفصیل یوں ہے کہ :

قدم کی نہایت سالک کی استعداد کے نہایت مراتب تک ہوتی ہے۔ بلکہ اُس نبی کی نہایت استعداد تک جس کے قدم پر وہ سالک ہے۔ لیکن پہلا قدم باصالت ہوتا ہے اور دوسرا قدم اس نبی کی پیروی میں۔ لیکن ان دو استعداد کے مراتب سے اوپر اس کا قدم نہیں جا سکتا۔ لیکن نظر جا سکتی ہے۔ اور یہ نظر جب تیزی پیدا کرتی ہے تو اس کا منتہیٰ اس نبی کی نظر کے مراتب کی نہایت ہوتی ہے۔ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات جس کے قدم پر وہ سالک ہے۔ کیونکہ کامل پیروکاروں کے لیے اس نبی کے تمام کمالات سے حصہ ملتا ہے۔ لیکن مراتب استعداد کی نہایت تک جو سالک کی اصالت و تبعیت ہے، قدم اور نظر آپس میں موافقت رکھتے ہیں۔ اس کے بعد قدم کوتاہ ہو جاتا ہے۔ اور اکیلی نظر ہی اوپر کو چڑھتی جاتی ہے۔ اور اس نبی نظر کے مراتب نہایت تک ترقی کرتی ہے۔ تو معلوم ہو گیا کہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی نظر بھی اُن کے اقدام سے اوپر صعود فرماتی ہے۔ اور ان بزرگوں کے کامل پیروکاروں کو ان کی نظروں کے مقامات سے حصہ حاصل ہے۔ جس طرح ان کے قدموں کے مقامات سے انہیں حصہ ملتا ہے۔ اور خاتم الانبیاء علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے قدم مبارک کے اوپر مقام رویت ہے۔ جس کا دوسروں کے لیے آخرت میں وعدہ ہے۔ جو کچھ دوسروں کے لیے اُدھار ہے آپ کے لیے نقد ہے۔ آپ کے کامل پیروکاروں کے لیے بھی اس مقام سے حصہ حاصل ہے۔ اگرچہ رویت نہیں ہے ؎

فریادِ حافظ ایں ہمہ آخر بہرزہ نیست
ہم قصۂ غریب و حدیث عجیب ہست

ہم پھر اصل بات کی طرف آتے ہیں اور کہتے ہیں اگر مراد یہ ہے کہ قدم کو چاہیے کہ نظر سے پیچھے نہ رہے
اس طرح کہ کسی بھی طور پر کسی بھی وقت میں نظر کے مقام تک نہ پہنچے تو یہ ٹھیک ہے۔کیونکہ یہ معنی ترقی کے
مانع ہے۔ اسی طرح اگر قدم اور نظر سے ظاہری قدم و نظر مراد ہوں تو اس کی بھی گنجائش ہے۔کیونکہ راستے میں
چلتے وقت نظر پراگندگی پیدا کرتی ہے۔اور رنگ برنگ محسوسات کے دیکھنے سے انتشار پیدا ہوتا
ہے۔اور اگر نظر کو قدم پر ہی روک کر رکھا جائے تو یہ بات دل جمعی کے پیدا ہونے کے بہت قریب
ہے۔اور یہ مراد اس دوسرے کلمہ کے معنی کے مناسب ہے۔جو اس کے ساتھ مذکور ہے۔اور وہ یہ
کلمہ ہے۔ہوش در دم[1]۔ غایۃ مافی الباب یہ ہے۔کہ پہلا کلمہ اس پراگندگی کو دور کرنے کے لیے ہے۔
جو انسان سے باہر کی چیزوں سے پیدا ہوتی ہے۔اور کلمہ ثانی اندرونی پراگندگی کو دور کرتا ہے۔اور تیسرا
کلمہ جو ان دو کلموں کے ساتھ ہے سفر در وطن ہے۔اور یہ انفس میں سیر سے عبارت ہے۔جو نہایت
کے بدایت میں اندراج کے حصول کا منشاء ہے جو اس بلند طریقہ کے ساتھ مخصوص ہے۔

اگرچہ انفس میں سیر تمام طریقوں میں ہے۔لیکن سیر آفاقی کے حاصل ہونے کے بعد ہے۔اور اس
طریقہ میں آغاز ہی اس سیر سے ہوتا ہے۔اور سیر آفاقی اس سیر کے ضمن میں درج ہے۔اور اس اعتبار
سے اگر اس بلند طریقہ میں بدایت کے نہایت میں درج ہونے کے متعلق کہیں تو بھی گنجائش ہے۔

اور چوتھا کلمہ جو ان تین کلمات کے ساتھ ہے۔کلمۂ خلوت در انجمن[2] ہے۔جب سفر در وطن میسر ہوتا
ہے۔تو لوگوں میں ہوتے ہوئے بھی خلوت خانہ وطن میں سفر جاری رہتا ہے۔اور آفاق کی پراگندگی انفس کے
حجرے کی طرف راہ نہیں پا سکتی۔یہ بھی اس صورت میں ہوگا کہ انفس کے حجرے کے دروازے اور سوراخ
بند کردیے ہوں۔پس چاہیے کہ انجمن میں متکلم اور مخاطب کی پراگندگی نہ ہو۔اور کسی کی طرف متوجہ نہ ہو۔اور
یہ تمام حیلے اور تکلفات ابتدائے سیر اور اس کے درمیان میں اختیار کرنے پڑتے ہیں۔سیر کی انتہا میں ان

(حاشیہ صفحہ ، ا[1] حافظ کی یہ سب فریاد بے ہودہ نہیں ہے۔بلکہ قصہ بھی غریب اور بات بھی عجیب ہے۔

(حاشیہ صفحہ ھذا) [1] ہوش در دم یہ ہے۔کہ سالک جو سانس بھی لے چاہیے کہ حضور و آگاہی کے ساتھ ہو
اور اس میں غفلت نہ ہو اور ایک سانس سے دوسرے سانس کی طرف منتقل ہونا بھی غفلت سے نہ ہو۔بلکہ حضور کے ساتھ ہو
یہیں سے بزرگ فرماتے ہیں۔جو شخص سانس کی حفاظت نہ کرے۔اس کا سانس ضائع اور بے مقصد ہے۔

[2] یعنی ظاہراً مخلوق کے ساتھ ہو، اور باطناً حق سبحانہ کے ساتھ۔بیت از درون شو آشنا و از برون بیگانہ وش
ایں چنیں زیبا روش کم می بود اندر جہاں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔
یعنی ایسے مرد ہیں جنہیں تجارت اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے غافل نہیں کر سکتی۔

چیزوں میں سے کسی کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ ایسا شخص عین پراگندگی میں صاحب جمعیت ہوتا ہے۔ اور عین غفلت میں اسے حضور دل کی سعادت نصیب ہوتی ہے۔ یہاں سے کوئی یہ گمان نہ کرے۔ کہ پراگندگی اور عدم پراگندگی منتہی کے حق میں دونوں ہر لحاظ سے برابر ہیں۔ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ مراد یہ ہے۔ کہ تفرقہ اور عدم تفرقہ اس کی باطنی جمعیت میں برابر ہیں۔ اس کے باوجود اگر ظاہر کو باطن سے جمع کرے اور ظاہر سے بھی پراگندگی کو دور کرے تو زیادہ بہتر اور زیادہ مناسب ہوگا۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنے نبی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کو فرمایا:[۱]

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا۔ — اور اپنے رب کے نام کا ذکر کرو۔ اور سب سے کٹ کر اسی کے مکمل طور پر ہو جاؤ۔

جاننا چاہیے کہ بعض اوقات ظاہری پراگندگی سے انسان بچ نہیں سکتا۔ کیونکہ مخلوق کے حقوق بھی ادا کرنے پڑتے ہیں۔ پس ظاہری پراگندگی بھی بعض اوقات اچھی ہوتی ہے۔ لیکن باطنی پراگندگی کسی وقت بھی بہتر نہیں۔ کیونکہ باطن خالص حق سبحانہٗ کے لیے ہے۔ پس بندوں کے تین حصے حق جل شانہٗ کے لیے مسلّم ہیں۔ باطن مکمل طور پر اور ظاہر سے نصف اللہ کے لیے ہے، اور ظاہر کا دوسرا نصف مخلوق کے حقوق کی ادائیگی کے لیے ہے۔ اور ان حقوق کے ادا کرنے میں، چونکہ حق سبحانہٗ کے احکام کی فرمانبرداری ہے۔ لہٰذا یہ دوسرا نصف بھی خدائے تعالیٰ وتقدس کے حق کی طرف لوٹ جاتا ہے۔ اسی کی طرف سب کام لوٹتے ہیں۔ پس اسی کی عبادت کرو۔ والسّلام

مکتوب نمبر ۲۹۶

حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید سلمہ اللہ تعالیٰ والبقاہ کی طرف صادر فرمایا:

واجب تعالیٰ جلّ وعلیٰ کی صفات کے بسیط ہونے اور اشیاء کے ساتھ ان کے تعدد تعلق کی نفی کے بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَاٰلِهِ الطَّاهِرِيْنَ

اے عزیز جان (اللہ تجھے سعادتمند کرے) کہ واجب تعالیٰ جل سلطانہٗ کی صفات اس کی بلند ذات کی طرح بے مثل اور بے کیف ہیں۔ اور حقیقی بساطت پر ہیں۔ مثلاً ایک ہی انکشاف بسیط ہے۔ کہ تمام ازل و ابد کی معلومات اس ایک انکشاف سے منکشف ہیں۔ اور ایک ہی بسیط قدرت کاملہ ہے۔ کہ اوّلین

[۱] پارہ ۲۹، سورۃ مزمل شریف۔

اور آخرین کے مقدورات اس کے وسیلے سے وجود میں آتے ہیں۔ اور ایک ہی بسیط کلام ہے۔ جس کے ساتھ ازل سے ابد تک کلام فرما رہا ہے۔ اسی طرح باقی صفاتِ حقیقہ بھی ہیں۔ اور وہ تعدد جو معلومات اور مقدورات کے ساتھ تعلق کے اعتبار سے پیدا ہوتا ہے، وہ بھی اس مرتبہ میں مفقود ہے۔ تمام اشیاء حق سبحانہٗ کے علم میں ہیں۔ اور اس کی قدرت کے ماتحت ہیں۔ لیکن صفت علم اور صفت قدرت کو ان اشیاء کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ یہ معرفت عقل کی سمجھ سے بالاتر ہے۔ فلاسفہ ہرگز اس معنی کو جائز نہیں رکھتے اور محال جانتے ہیں۔ کہ اشیاء حق تعالیٰ جل شانہٗ کے علم میں ہیں اور اس کا علم ان سے تعلق نہیں رکھتا۔ اور اسی طرح اشیا خدائے تعالیٰ کی قدرت کے تحت ہیں۔ لیکن قدرت کا ان سے تعلق نہیں دیکھتے کہ اس مرتبہ میں ازل و ابد آن حاضر کی طرح موجود نہیں۔ بلکہ وہ بھی اس سے زیادہ گنجائش نہیں رکھتے کہ انہیں شے کے زیادہ قریب اور زیادہ موافق کے سوا اور الفاظ سے تعبیر کیا جا سکے اور ازل و ابد کی موجودات اس آن حاضر میں موجود ہیں۔ اور اس آن حاضر میں زید کو معدوم بھی جانتا ہے اور موجود بھی۔ اور پیٹ میں بھی جانتا ہے۔ اور بچپن کی حالت میں بھی اور جوان بھی جانتا ہے اور بوڑھا بھی اور زندہ بھی جانتا ہے اور مردہ بھی اور برزخ میں بھی جانتا ہے۔ اور حشر و حساب میں بھی۔ اور معلوم ہے کہ اس آن کو آن موجودات سے کچھ تعلق نہیں۔ کیونکہ اگر تعلق پیدا کرے گا، تو آن کی وجہ سے پیدا ہوگا اور اس آن کا نام زمانہ پڑھے گا۔ اور ماضی و استقبال ہو جائے گا۔ پس یہ موجودات اس آن میں ثابت بھی ہیں۔ اور غیر ثابت بھی ہیں۔ تو اگر ایک ایسا بسیط حقیقی انکشاف ثابت کیا جائے۔ جسے معلومات میں سے کسی ایک سے بھی تعلق نہ ہو، اور تمام معلومات اس ایک انکشاف سے معلوم ہو جائیں۔ تو کون سے تعجب کی بات ہے کیونکہ اس مقام میں ضدین کا جمع ہونا محال نہیں بلکہ ممکن ہے۔ کیونکہ ضدین کے جمع ہونے کے لیے زمانے اور جہت کا اتحاد شرط ہے۔ اور یہاں زمانے کی گنجائش نہیں۔ کیونکہ اللہ سبحانہٗ پر زمانے کا گزر[۱] نہیں ہو سکتا۔ اور جہت کا اتحاد بھی مفقود ہے۔ کیونکہ فرق اجمال اور تفصیل کا ہے جس طرح کلمہ کے مرتبہ میں کوئی شخص کہے کہ کلمہ اسم بھی ہے، اور فعل و حرف بھی۔ حالاں کہ یہ تینوں ایک دوسرے کے مخالف ہیں۔ تمام کو اس مرتبہ میں آن واحد کے اندر میں متحد دیکھتا ہوں۔ اور میں منصرف کو عین غیر منصرف پاتا ہوں۔ اور مبنی کو عین معرب جانتا ہوں۔ اور وہ شخص یہ بھی کہے کہ اس جامعیت کے باوجود اس کلمے کا ان اقسام میں سے کسی کے ساتھ تعلق نہیں۔ اور وہ ان سے بے نیاز ہے اور عقلمندوں میں سے کوئی شخص بھی اس کا انکار نہیں کرتا۔ اور اسے بعید نہیں جانتا۔ جس مسئلہ میں ہم گفتگو کر رہے ہیں۔

۱ے کیونکہ ختم ہو جانا اور باقی نہ رہنا زمانے کے مقومات سے ہے۔ اور خدائے تعالیٰ اس سے پاک ہے۔

(اور اللہ ہی بلند صفت کا مالک ہے) کیوں بعید جانیں اور اس میں توقف کریں۔ اگر کوئی یہ سوال کرے کہ اس طرح کی بات کسی نے نہیں کی۔ تو ہم کہیں گے۔ کہ اگر کسی نے نہیں کہی۔ تو کیا ہوا۔ جب کہ یہ بات دوسروں کے قول کے مخالف نہیں اور مرتبہ وجود کے بھی غیر مناسب نہیں ہے

خربوزہ بخور ترا بفالیز چہ کار[1]

اس معرفت کی توضیح کے لیے مخلوقات میں سے وہ مثال دی جاسکتی ہے۔ جو بیان کرنے والوں نے بیان کی ہے۔ کہ علت کا علم معلول کے علم کو مستلزم ہے۔ اور اس صورت میں بالذات قوت مدرکہ علت کیطرف متوجہ ہے اور علت کے ساتھ تعلق پیدا کیا ہے۔ معلول کا علم علت کے علم کے تابع ہو کر ہے۔ بغیر اس کے کہ معلول کے ساتھ کوئی دوسرا تعلق پیدا کیا جائے لیکن فلاسفہ اس صورت میں بھی علم کے تعلق کے بغیر مرتبہ ثانی میں معلول کو معلومیت جائز نہیں رکھتے۔ اگرچہ وہ تعلق بالذات نہ ہو۔ لیکن اس مثال سے کوئی اور زیادہ قریب مثال معلوم نہیں۔ جو بیان کی جائے۔ مثال سے مقصود مطلوب کی وضاحت ہوتی ہے۔ نہ کہ مطلوب کا اثبات اور اللہ تعالیٰ ہی تمام امور کی حقیقتوں کو جانتا ہے اور صلوٰۃ وسلام نازل ہو۔ اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔ اور مصطفٰے علیہ وعلیٰ آلہ من الصلوات والتحیات المبارکات اتمہا واکملہا کی متابعت کی پابندی کرے۔

مکتوب نمبر ۲۹۷

مولانا بدرالدین سرہندی کی طرف صادر فرمایا:

حق سبحانہ کے احاطہ وسریان کی تحقیق اور امثلہ کے ساتھ ان کی وضاحت اور مراتب وجوبی وامکانی کے حفظ رعایت کے بیان میں۔

اے عزیز جان کہ حق سبحانہ کا اشیاء کا احاطہ اور اس کا ان میں ہونا اس طرح ہے جیسے مجمل مفصل کا احاطہ کرے اور اس میں سرایت کرے۔ جیسے کلمہ جو اپنی تمام اقسام یعنی اسم، فعل اور حرف اور اسی طرح اقسام کی اقسام، جیسے ماضی، مضارع، اور امر ونہی، مصدر، اسم فاعل اسم مفعول، مستثنیٰ متصل، اور منقطع حال، تمیز، ثلاثی، رباعی، خماسی اور حروف جارہ اور ناصبہ اور افعال سے مخصوص حروف اور اسماء کیساتھ مختص حروف اور دونوں پر داخل ہونے والے اور ان کے علاوہ ان اقسام سے حاصل ہونے والی

[1] تم خربوزے کھاؤ، فالیز سے تمہیں کیا کام۔

غیر متناہی تقسیمات میں موجود ہے۔ یہ سب اقسام غیر کلمہ نہیں ہیں۔ بلکہ یہ سب اعتبارات ہیں جو کلمہ میں درج ہیں ان اقسام کی تفصیل اور ان کی کلمہ سے تمیز اور بعض اقسام کی بعض سے تمیز میں صرف ایک اعتبار عقلی کا ہی اضافہ ہوا ہے۔ اور خارج میں تو کلمہ ہی موجود ہے۔ اسی لیے حمل درست ہے۔ لیکن مراتب میں سے ہر مرتبہ میں کلمہ کا ایک الگ نام ہے، جو اسی مرتبہ کے ساتھ خاص ہے۔ اور کچھ احکام ہیں جو اسی مرتبہ کے ساتھ مختص ہیں۔ مثلاً اقتران زمانہ کے ساتھ معنی مستقل پر دلالت کرنے والا کلمہ فعل کہلاتا ہے۔ اور اقتران کے بغیر اسم۔ اور معنی مستقل پر نہ دلالت کرنے والا کلمہ حرف کہلاتا ہے۔ اسی طرح زمانہ ماضی سے اقتران رکھنے والا کلمہ فعل ماضی ہے۔ اور جس میں زمانہ حال یا استقبال پایا جائے مضارع کہلاتا ہے۔ اور جس کلمہ میں مشہور نو علتوں میں سے دو علتیں پائی جاتی ہیں وہ غیر منصرف ہے، ورنہ منصرف۔ اور وہ حروف جو جر کا عمل دیتے ہیں جارہ کہلاتے ہیں۔ اور جو نصب کا عمل کرتے ہیں ناصبہ کے نام سے موسوم ہیں۔ تو ایک مرتبہ کے اسم کا اطلاق دوسرے مرتبہ کے اسم پر فعل ماضی کا اطلاق مضارع پر کر دیا جائے، اور منصرف کا غیر منصرف پر۔ اور جارہ کا ناصبہ پر، حالانکہ یہ سب مراتب کلمہ کے ہی ہیں۔ لیکن ان میں سے ایک کا اجراء دوسرے پر سراسر غلطی اور ضلالت ہے۔ اور سیدھی راہ سے دور ہونے کی بات ہے۔ تو ہم کہتے ہیں اور اللہ سبحانہٗ ہی بہتر جانتا ہے کہ وجود سبحانہٗ کے مراتب تنزل میں سے ہر مرتبہ کا ایک خاص اسم ہے۔ اور کچھ مخصوص احکام ہیں۔ جو صرف اسی مرتبہ کے ساتھ خاص ہیں۔

پس وجود ذاتی اور استغناء ذاتی مرتبہ جمع اور الوہیت کے ساتھ خاص ہیں۔ اور امکان ذاتی اور افتقار ذاتی مرتبہ کون اور فرق کے ساتھ خاص ہیں۔ اور مرتبہ اولی مرتبہ ربوبیت اور خالقیت ہے اور دوسرا مرتبہ مرتبہ عبودیت اور مخلوقیت ہے تو اگر ایک مرتبے کے اسماء کا اطلاق دوسرے مرتبہ پر کیا جائے، اور ایک مرتبہ کے ساتھ مخصوص احکام کا اجراء دوسرے مرتبہ پر کر دیا جائے تو یہ خالص بے دینی اور محض کفر ہوگا۔ اور تعجب تو بعض ملاحدہ اور زندیق لوگوں پر ہے کہ وہ کس طرح مراتب کو آپس میں خلط ملط کر دیتے ہیں۔ اور ایک مرتبہ کے احکام دوسرے مرتبہ پر کر دیتے ہیں تو ممکن کو واجب کی صفات سے موصوف کر دیتے ہیں اور واجب کو ممکن کی صفات سے موصوف کر دیتے ہیں۔ حالانکہ وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ ممکن کی صفات میں آپس میں تمایز ہے۔ باوجودیکہ ممکن ایک ہی مرتبہ ہے۔ اور وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ ان کے احکام میں بھی اختلاف ہے۔ اور وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ مختلف صفات کا تمایز زائل نہیں ہو سکتا۔ اور نہ احکام میں اختلاف ختم ہو سکتا ہے۔ حالاں کہ یہ سب مرتبہ کونیہ میں متحد ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ بالبداہت جانتے ہیں کہ حرارت اور روشنی دنیا آگ کی صفات مختصہ میں سے ہیں۔ اور ان میں سے کوئی صفت بھی پانی میں نہیں پائی جاتی اور نہ پانی کو ان سے

موصوف کر سکتے ہیں۔ اسی طرح صفت برودت یعنی جو پانی کے ساتھ خاص ہے۔ آگ میں نہیں پائی جا سکتی اور اسی طرح یہ لوگ بالبداہت اپنی بیویوں اور ماؤں میں بھی امتیاز کے قائل ہیں۔ اور ان دونوں کے احکام کے الگ الگ ہونے کا حکم کرتے ہیں۔ اور اللہ سبحانہٗ ہی سیدھے راستے کی ہدایت کرتا ہے۔ اور ہر متبع ہدایت پر سلامتی کا نزول ہو۔

مکتوب نمبر ۲۹۸

میر سیّد محب اللہ مانک پوری کی طرف صادر فرمایا۔

لطیف عبارت اور مخفی اشارہ کے طور پر نہایت کار تک پہنچنے کے بیان میں۔ اور اس باریک کلام کے راز پر آپ کے دوستوں میں سے مخدوم زادہ کلاں علیہ الرحمت والرضوان کے سوا کوئی اور مطلع نہیں ہُوا۔

اے عزیز جان لے! اللہ تجھے نیک کرے کہ۔ یہ فقیر مدت دراز سے ظلال (سایوں) میں سیر کرتا تھا۔ اور ظل تک پہنچنے کو عین حصول پاتا تھا۔ حالاں کہ اصل تک وصول میسر ہو چکا ہے۔ ظل کے سوا اور حصول نہیں رکھتا جس طرح شیشہ جو کسی شخص کے ہاتھ میں موجود ہو۔ اس شیشے کے لیے اس شخص کے ظل کے سوا کوئی حصہ نہیں۔ خوب سمجھ لو کہ ہمارا کلام اشارے کے طور پر ہوتا ہے۔ جان لیں کہ بیان طریق کے مناسب عبارت جو رمز و اشارہ کے طور پر تحریر ہوئی تھی۔ اس مقام کے مناسب جانتے ہوئے اس مکتوب میں درج کر دی ہے۔ سمجھ لیں۔

ذکر قلبی پر جو پیر راہ دان سے حاصل کیا ہو ہمیشگی کرنا حضرت رحمان کے فضل سے نصیب ہوتا ہے اور وصل عریاں بھی اس کی مہربانی سے۔ باقی سب گمان و خیال ہے۔ اور سلامتی کا نزول ہو اس شخص پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔ اور مصطفےٰ علیہ وعلیٰ آلہ من الصلوٰۃ انمہا ومن التحیات اکملہا کی متابعت کا پابند ہو۔

مکتوب نمبر ۲۹۹

شیخ فرید رانھوئی کی طرف صادر فرمایا:۔

مصیبت کی حالت میں استقامت دکھانے اور صبر و رضا کی تلقین کرنے اور طاعون کی موت کی فضیلت میں۔ اور اس امر کے بیان میں کہ طاعون کی جگہ سے بھاگنا گناہ کبیرہ ہے۔ اور کفار سے قتال کے دن صف

جہاد سے بھاگنے کے مانند ہے۔

بعد الحمد والصلوٰۃ وتبلیغ الدعوات۔ عرض خدمت ہے کہ مکتوب شریف پہنچا۔ آپ نے اس میں مختلف مصائب کا ذکر کیا ہے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔ صبر وتحمل سے کام لینا اور قضا پر راضی رہنا چاہیے

من از نو روئے نہ پیچم گرم بیازاری ؎[۱]

کہ خوش بود ز عزیزاں تحمل و خواری!

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

مَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْ عَنْ كَثِيْرٍ [۲]	تمہیں جو بھی مصیبت پہنچتی ہے وہ تمہارے اعمال کا نتیجہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بہت سی بداعمالیوں کو معاف کر دیتا ہے۔

نیز اللہ جل حمدہٗ فرماتا ہے :-

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ [۳]	خشکی اور تری میں فساد ظاہر ہو گیا۔ لوگوں کے اعمال بد کی وجہ سے۔

ہماری شومی اعمال کی وجہ سے اوّل تو چوہے ہلاک ہوئے، جو ہمارے ساتھ زیادہ اختلاط رکھتے ہیں اس کے بعد عورتیں مردوں کی نسبت زیادہ ہلاک ہوئیں کہ نسل کا مدار اور نوع انسان کے وجود کا بقاء ان کے وجود پر ہے اور جو شخص اس وبا میں موت سے بھاگا اور سلامت رہا اس کی زندگی پر خاک پڑے۔ اور جو نہ بھاگا تو اسے مبارک ہو۔ اور شہادت کی بشارت ہے۔

اور شیخ الاسلام ابن حجر علیہ الرحمۃ نے کتاب "بذل الماعون فی فضل الطاعون" میں یہ بات پورے یقین سے کہی ہے کہ طاعون سے مرنے والے سے قبر میں سوال نہ ہو گا۔ کیونکہ معرکہ جہاد میں شہید ہونے کی طرح ہے اور یہ کہ طاعون میں اخلاص سے صبر کرنے والے کو، جو یہ یقین رکھتا ہو کہ مجھے وہی چیز پہنچے گی جو میری تقدیر میں لکھی جا چکی ہے، جب طاعون کے ایام میں طاعون کے بغیر موت واقع ہوتی ہے، تو وہ بھی فتنہ عذاب قبر میں مبتلا نہ ہو گا۔ کیونکہ ایسا شخص جہاد میں پہرہ دینے والے کی طرح ہے۔

اسی طرح شیخ اجل امام سیوطی نے کتاب "شرح الصدور بشرح احوال الموتیٰ والقبور" میں ذکر کیا ہے، اور

---

[۱] اگر تو مجھے آزار اور تکلیف بھی دے میں تجھ سے منہ نہیں پھیروں گا۔ کیونکہ دوستوں کے ہاتھ سے تکلیف برداشت کرنا اور ان سے خواری اُٹھانا اچھی بات ہے۔

[۲] پارہ ۲۵، سورۃ شوریٰ۔ [۳] پارہ ۲۱ سورۃ روم

فرمایا ہے۔ کہ یہ بہت ہی ٹھیک اور درست بات ہے۔ اور اسی طرح جو شخص طاعون میں نہ تو بھاگا اور نہ مرا تو وہ نمازیوں اور مجاہدوں میں ہے اور صابر اور مصیبت برداشت کرنے والے گروہ میں ہو جاتا ہے۔ ہر شخص کی موت کا وقت مقرر ہے جس میں تقدیم و تاخیر کی گنجائش نہیں۔ اور بھاگنے والوں میں اکثر جو بچ جاتے ہیں تو اُس کی وجہ یہ ہے کہ ابھی ان کی موت کا وقت نہیں آیا تھا۔ نہ یہ کہ اُن کے بھاگنے نے ان کو موت سے بچالیا۔ اور اکثر صبر کرنے والے جو طاعون کے مرض کا شکار ہو جاتے ہیں، اپنی موت مقررہ سے مرتے ہیں۔ لہٰذا نہ تو فرار نجات دیتا ہے۔ اور نہ وہاں مقیم رہنا ہلاک کرتا ہے۔ مرض طاعون۔ سے فرار صف جہاد سے بھاگنے کی طرح ہے، اور گناہ کبیرہ ہے۔ یہ خدا تعالیٰ جل سلطانہٗ کے امتحان میں سے ہے کہ بھاگنے والے سلامت رہتے ہیں اور صبر کرنے والے ہلاک ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس سے بہتوں کو گمراہ کرتا ہے، اور بہت کو ہدایت دیتا ہے۔

آپ کے صبر و تحمل اور آپ کی مسلمانوں کی امداد و اعانت کے متعلق یہ فقیر سن چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ بچوں کی تربیت اور ان کی اذیت اٹھانے سے دل تنگ نہ ہوں۔ اس پر اجر عظیم کے مرتب ہونے کی اُمید ہے۔ اس سے زیادہ کیا لکھے۔ والسلام

مکتوب نمبر ۳۰

جامع علوم عقلی و نقلی مجد الدین مخدوم زادہ حضرت خواجہ محمد معصوم سلمہ اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا۔

باریک اسرار اور نادر معارف کے بیان میں، رمز و اشارہ کی زبان سے۔ اور مقام "قاب قوسین" بھی اس مکتوب میں اشارے کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی انسان کامل جب اسماء و صفات کے مراتب کی سیر تفصیلی طے کر کے پوری جامعیت پیدا کرتا ہے۔ اور اللہ جل سلطانہٗ کے اسماء و صفات کے کمالات کا آئینہ بن جاتا ہے اور اس کا عدم ذاتی جو اس کے کمالات کا آئینہ ہے پورے طور پر پوشیدہ ہو جاتا ہے۔ اور ان کمالات کے سوا اس میں کوئی چیز ظاہر نہیں ہوتی، تو اس وقت خاص بقا کے ساتھ جو ان کمالات پر موقوف ہے، مکمل فنا کے حصول کے بعد جو اس کے عدم کے پوشیدہ ہونے کے ساتھ وابستہ ہے، مشرف ہوتا ہے۔ تو ولایت کا اسم اس پر صادق آتا ہے۔ اس کے بعد اگر عنایت ازلی جل سلطانہٗ اس کے شامل ہو، تو

ہوسکتا ہے کہ دوبارہ یہ کمالات جن کے ساتھ اس عارف کو بقا حاصل ہوئی ہے۔ حضرت ذات تعالیٰ وتقدس کے آئینے میں منعکس ہوں، اور ظاہر ہوں۔ اس وقت قَابَ قَوسَین کا راز ظاہر ہو جاتا ہے۔

جاننا چاہیے کہ اس مقام میں حضرت ذات تعالیٰ وتقدس کے آئینے میں کسی شے کا ظہور اس آئینہ میں شے کے لیے نسبت بے کیف کے حصول سے کنایہ ہے۔ نہ یہ کہ وہاں آئینے کی حقیقت موجود ہے، اور شے کا حصول اس میں ہے۔ اور اللہ کے لیے ہے بلند صفت اور جب وہ کمالات جن سے عارف نے بقا حاصل کی ہوتی ہے۔ جناب قدس کے آئینے میں حقیقت اور اصالت کے طریقہ پر منعکس ہوتے ہیں۔ اور ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ اور وہاں اس کے لیے مجہول الکیفیت نسبت بھی حاصل ہوتی ہے، تو ضروری طور پر لفظ اَنَا جو عارف سے تعلق رکھتا تھا۔ وہاں اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ اور اپنے آپ کے لیے ان کمالات ظاہرہ کا عین پاتا ہے۔ مقام قاب قوسین میں اَنَا کے عروج کی نہایت اسی مقام تک ہے۔

اے فرزند سن۔ کہ صورت کا آئینہ جس میں حسن وجمال منعکس ہوتا ہے۔ اگر فرضاً حیات وعلم کا آئینہ بن جائے۔ تو اس حسن وجمال کے ظہور سے بھی لذت گیر ہوگا۔ اور کافی حصہ حاصل کرے گا حقیقت کے آئینے میں لذت اور رنج اگرچہ مفقود ہے کیونکہ یہ امکان کی صفات میں سے ہیں۔ لیکن وہ چیز جو اس بلند مرتبہ کے لائق ہے۔ نقص وحدوث کے نشانات سے مبرا ہوکر موجود اور ثابت ہے ؎

فریاد حافظ ایں ہمہ آخر بہرزہ نیست
ہم قصہ غریب وحدیث عجیب ہست[1]

یہ کمالات ظاہرہ جو اس مرتبہ نسبت مجہول الکیفیت میں ظہور پذیر ہوتے ہیں ان کا حکم عالم امر وسر کے ساتھ عالم خلق انسانی کی نسبت کی طرح ہے۔ جس نے اپنے آپ کو پہچانا۔ اس نے اپنے رب کو پہچانا۔ اس مقام میں پالو اور جب ان کمالات ظاہرہ نے، جو حضرت تعالیٰ تقدس کی تفصیل ہیں۔ حضرت اجمال کے ساتھ مجہول الکیفیت نسبت پیدا کرلی۔ اور بے کیف پیوستگی حاصل ہوگئی۔ اور حضرت اجمال کے لیے آئینہ بن گئے۔ تو لازماً حضرت اجمال میں صرف اعتبار اور وہم کے درجہ میں تفصیل بھی ظاہر ہوگئی۔ جو عارف کے عروج اَنَا کا سبب بنی۔ یہ کمال مقام "اَوْ اَدْنیٰ" سے وابستہ ہے ؎

قلم ایں جا رسید وسر بشکست[2]

یہ ہے نہایت النہایت اور غایت الغایت کا بیان۔ جس کا سمجھنا خواص کے لیے بھی کئی منزل دور

---

[1] حافظ کی یہ سب فریاد اور زاری بے ہودہ نہیں ہے۔ بلکہ قصہ بھی غریب اور بات بھی عجیب ہے۔
[2] قلم یہاں تک پہنچا اور سر ٹوٹ گیا۔

ہے۔ عوام بے چاروں کا کیا ذکر۔ اخصّ خواص میں سے بھی بہت کم ایسے لوگ ہیں جنہیں اس دولت و معرفت کی طرف راستہ ملا ہے ؎

اگر پادشاہ بر درِ پیرزن
بیاید تو اے خواجہ سبلت مکن ![1]

یہ نہایت ظہورات اور تجلیات کے اعتبار سے ہے۔ جس کے بعد کسی قسم کی تجلی اور ظہور متصور نہیں ہو سکتا ؎

ومن بعد هذا ما يدق صفاته[2]
وما كتمه احظى لديه واجمل

اور سلامتی کا نزول ہو ہر متبع ہدایت پر اور ہر ایسے شخص پر جو مصطفٰے کی متابعت کا پابند ہو۔ عليه وعلى آله وعلى جميع الانبياء والمرسلين وعلى آله وآل كلٍ وعلى الملٰئكة المقربين الصلوات والتسليمات والتحيات والبركات اتمها واكملها واولاها واعلاها وادومها وابقاها واتمها واشملها۔

مکتوب نمبر ۱۳۱

مولانا امان اللہ کی طرف صادر فرمایا:

قربِ نبوت و قربِ ولایت اور ان راہوں کے بیان میں جو قربِ نبوت تک پہنچا دیتی ہیں۔ اور اس کے مناسب امور کے بیان میں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بعد الحمد والصلوٰۃ۔ میرے فرزند مولانا امان اللہ کو معلوم ہونا چاہیے کہ نبوت قربِ الٰہی جل شانہٗ سے عبارت ہے جس میں ظلیت کا شائبہ تک نہیں۔ اس کے عروج کا رُخ حق جل و علا کی طرف ہوتا ہے اور اس کے نزول کا رُخ مخلوق کی طرف۔ یہ قرب بالاصالۃ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کا حصہ ہے اور یہ رتبہ ومنصب ان بزرگوں علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور اس رتبہ و منصب کو ختم کرنے والے حضرت سید البشر ہیں علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ حضرت عیسٰی علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ نزول کے بعد حضرت خاتم الرسل علیہما الصلوٰۃ والسلام کی شریعت کی متابعت کریں گے۔ نہایۃ ما فی الباب یہ ہے کہ پیرکاروں

---

[1] اگر بادشاہ بڑھیا کے دروازے پر آئے، تو اے خواجہ تو اپنی ڈاڑھی نہ اکھیڑ۔ یعنی رنج نہ کر۔

[2] اس کے بعد وہ چیز ہے جس کا بیان بہت دقیق ہے۔ اور جس کا چھپانا اس کے نزدیک زیادہ لذیذ اور بہتر ہے۔

کو بھی حصہ حاصل ہے۔ اور اس مقام کے علوم و معارف اور کمالات سے بطریق وراثت پیروکاروں کو بھی حصہ ملتا ہے۔ ع

خاص کند بندۂ مصلحتِ عام را [۱]

تو خاتم المرسلین علیہ وآلہ وعلی جمیع الانبیاء والرسل الصلوات والتسلیمات کی بعثت کے بعد بطریق وراثت وتبعیت آپ کے پیروکاروں کو کمالات نبوت کا حصول آپ کی خاتمیت کے منافی نہیں علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام لہٰذا شک کرنے والوں میں سے نہ ہو۔

اے عزیز جان لے! (اللہ تعالیٰ تجھے سعادت مند کرے) کہ کمالات نبوت تک پہنچانے والے دو راستے ہیں۔ ایک راستہ تو مقام ولایت کے کمالات مفصل طور پر طے کرنے سے وابستہ ہے۔ اور تجلیات ظلیہ اور معارف سکریہ، جو مرتبہ ولایت کے مناسب ہیں، کے حصول پر موقوف ہے۔ ان کمالات کے طے کرنے اور ان تجلیات کے حصول کے بعد کمالات نبوت میں قدم رکھا جا سکتا ہے۔ اس مقام میں اصل تک وصول ہوتا ہے۔ اور ظلیت کی طرف التفات و توجہ گناہ ہے۔

اور دوسرا راستہ وہ ہے جس میں ان کمالات ولایت کے حصول کے بغیر ہی کمالات نبوت تک وصول میسر آ جاتا ہے۔ اور یہ دوسرا راستہ کشادہ اور فراخ ہے۔ اور وصول کے زیادہ نزدیک ہے۔

اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ان کے صحابہ کرام علیہم وعلیٰ اصحابہم الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ میں سے انبیاء کی وراثت اور تبعیت کے طور پر جو کمالات نبوت تک پہنچا ہے اسی راستے سے پہنچا ہے، الا ما شاء اللہ پہلا راستہ دور و دراز اور معسر الحصول اور مشکل الوصول ہے۔ اولیاء کی ایک جماعت مقام ولایت میں شرفِ نزول سے مشرف ہوئی ہے۔ انہوں نے ان کمالات کو جو مقام نزول سے تعلق رکھتے ہیں کمالات نبوت خیال کر لیا ہے اور مخلوق کی طرف رُخ کرنے کو جو مقام دعوت کے خصائص سے ہے، مقام نبوت گمان کر لیا ہے بلکہ یہ نزول اس کے عروج کی دونوں ولایتوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ مقام ولایت سے اوپر ایک عروج و نزول ہے جو نبوت سے تعلق رکھتا ہے۔ اور مخلوق کی یہ توجہ اس توجہ بخلق کا غیر ہے جو نبوت کے مناسب ہے۔ اور یہ دعوت اس دعوت کا غیر ہے، جس کو کمالات نبوت سے شمار کیا گیا ہے۔

یہ گمان کرنے والے کیا کریں۔ کیونکہ انہوں نے دائرہ ولایت سے قدم باہر ہی نہیں رکھا۔ اور کمالات نبوت کی حقیقت کو نہیں پا سکے۔ نصف ولایت کو جو اس کی جانب عروج ہے پوری ولایت گمان کر لیا ہے۔ اور اس کے دوسرے نصف کو جو جانب نزول ہے، مقام نبوت تصور کر لیا ہے۔

[۱] اللہ تعالیٰ مصلحت عام کی خاطر کسی بندے کو خاص کر لیتا ہے۔

چو آں کرمے کہ در سنگے نہان است
زمین و آسمان او ہمان است!!

ممکن ہے کہ کوئی شخص پہلے راستے سے بھی وصول حاصل کرے۔ اور کمالات مفصلہ ولایت و نبوت دونوں کو جمع کرے۔ اور ان دونوں مقام کے کمالات کے درمیان جیسا کہ چاہیے فرق و تمیز حاصل کرے۔ اور ہر ایک کے عروج و نزول کو جدا کرے۔ اور حکم لگائے کہ نبی کی نبوت اس کی ولایت سے بہتر ہے۔

جاننا چاہیے کہ دوسرے راستے سے وصول کے بعد اگرچہ مقام ولایت کے کمالات مفصلہ حاصل نہیں ہوتے تاہم خلاصہ اور نچوڑ ولایت بطریقہ احسن میسر آجاتا ہے۔ یوں کہنا درست ہے کہ اہل ولایت کمالاتِ ولایت سے پوست اور چھلکا حاصل کرتے ہیں۔ اور یہ واصل اس کا مغز حاصل کرتا ہے۔ ہاں بعض علوم سکریہ اور ظہورات ظلیہ سے جو ارباب ولایت کو حاصل ہوتے ہیں وہ واصل ان سے کم حصّہ حاصل کرتا ہے یہ معنی فضیلت کا سبب نہیں بلکہ اس واصل کو ان علوم و ظہورات سے شرم و عار آتی ہے۔ بلکہ وہ تو ان کو گناہ اور سوءِ ادب جانتا ہے۔ ہاں اصل تک پہنچنے والا واصل اصل کے ظلال سے دور بھاگتا اور استغفار کرتا ہے۔ ظل کے ساتھ گرفتاری اس ظل کے اصل تک نہ پہنچنے کے وقت تک ہے۔ اصل تک وصول کے بعد ظلّ بے فائدہ ہوتا ہے۔ اور ظلّ کی طرف توجہ بے ادبی ہے۔

اے بیٹے! کمالات نبوت کا حصول محض بخشش اور اس کی نوازش و مہربانی پر موقوف ہے۔ کسب و کوشش کو اس دولت عظمیٰ کے حصول میں کچھ دخل نہیں۔

کون سا عمل اور کسب ہے جس کا نتیجہ یہ دولت عظمیٰ ہو۔ اور کونسی ریاضت و مجاہدہ ایسا ہے جو اس اعلیٰ ترین نعمت کا پھل دے۔ بخلاف کمالات ولایت کے، کہ ان کے مبادی اور مقدمات کسبی ہیں۔ اور ان کا حصول ریاضت و مجاہدہ سے وابستہ ہے۔ اگرچہ یہ بھی روا ہے کہ کسی کو کسب و عمل کی محنت کے بغیر ہی اس دولت سے واصل کردیں۔ اور فنا و بقا کہ ولایت انہی سے عبارت ہے، کبھی وہبی ہیں کہ کسب مقدمات کے بعد فضل و کرم سے جسے چاہتے ہیں، اس دولت فنا و بقا سے مشرف فرماتے ہیں۔

اور آں سرور علیہ و علیٰ جمیع الانبیاء والمرسلین و علی الملائکۃ المقربین و علی اہل طاعتہ اجمعین الصلوات والتسلیمات کے بعثت سے قبل کے ریاضات و مجاہدات اس دولت کے حصول کے لیے نہ تھے۔ بلکہ ان سے دوسرے منافع اور فوائد منظور نظر تھے۔ جیسے حساب کی کمی۔ بشری لغزشوں کی تلافی، درجات کی بلندی۔ اور فرشتہ مرسل کی صحبت کی رعایت جو کھانے پینے سے پاک ہے۔ اور کثرت سے ظہور خوارق جو مقام نبوت کے

۵ے جس طرح وہ کیڑا جو پتھر میں چھپا ہوا ہے اس کا زمین و آسمان وہی پتھر ہے۔

مناسب ہیں۔ اور اسی طرح کے اور اغراض و مصالح۔

جاننا چاہیے کہ اس عطا کا حصول انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے لیے بلاواسطہ ہے۔ اور انبیا کرام کے صحابہ علیہم الصلوات والتسلیمات کے حق میں جو تبعیت و وراثت سے اس دولت سے مشرف ہوئے ہیں، بواسطہ انبیاء ہے علیہم الصلوات والتسلیمات ہے۔ انبیاء کرام اور ان کے صحابہ علیہم الصلوات والتسلیمات کے بعد کم ہی کوئی ایسا ہے جو اس دولت سے مشرف ہُوا ہو۔ اگرچہ روا ہے کہ کسی اور کو بھی تبعیت و وراثت کے طور پر اس دولت تک پہنچا دیں ؎

فیض روح القدس ار باز مدد فرماید
دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا می کرد

میرا گمان ہے کہ اس دولت نے کبار تابعین میں بھی پرتو ڈالا تھا۔ اور اکابر تبع تابعین پر بھی یہ دولت سایہ فگن ہوئی تھی۔ اس کے بعد یہ دولت روپوشں ہو گئی۔ یہاں تک کہ آنسرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کی بعثت کے بعد دوسرا ہزار آپہنچا۔ اس وقت بھی وہ دولت تبعیت و وراثت کے طور پر منصہ شہود پر جلوہ گر ہوئی ہے۔ اور آخر زمانہ کو اوّل زمانے کے مشابہ کر دیا ہے ؎

اگر پادشاہ بر در پیر زن
بیاید تو اے خواجہ سبلت مکن

والسّلام علیٰ من اتبع الھدیٰ والتزم متابعۃ المصطفیٰ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات اتمھا واکملھا۔

مکتوب نمبر ۳۰۲

جامع علوم ظاہری و اسرار و معارف باطنی یعنی مخدوم زادہ مجدالدین حضرت خواجہ محمد معصوم سلمہ اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا۔

تین ولایتوں یعنی ولایت اولیاء، ولایت انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات، اور ولایت مَلاءِ اعلیٰ علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے درمیان فرق کے بیان میں۔ اور اس بیان میں کہ نبوت ولایت سے افضل ہے۔ اور

۱؎ روح القدس کا فیض اگر دوبارہ مدد کرے تو دوسرے بھی وہ کام کر سکتے ہیں جو حضرت مسیح کرتے تھے۔

۲؎ اگر بادشاہ از راہ عنایت بڑھیا کے دروازے پر تشریف لے آئے تو اے صاحب تو حسد سے اپنی ڈاڑھی نہ اکھیڑ۔

بعض خاص معارف کے بیان میں ۔جو نبوت سے تعلق رکھتے ہیں ۔ اور اس کے مناسب امور کے بیان میں ۔

اے عزیز جان لے (اللہ تعالیٰ تجھے رشد و ہدایت عطا کرے) کہ ولایت اس قرب الٰہی جل سلطانہٗ سے عبارت ہے ۔جس میں ظلیت کا شائبہ تک نہیں ۔ اور پردوں کے حائل ہوئے بغیر اس کے حصول کی صورت نہیں بنتی ۔ اور اگر ولایت اولیاء ہے تو البتہ داغ ظلیت سے داغ دار ہے ۔ اور انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی ولایت اگرچہ ظلیت سے آ چکی ہے ۔ تاہم اسماء و صفات کے حجابات کے حائل ہونے کے بغیر متحقق نہیں ہوتی ۔ اور ملأ اعلیٰ (ملائکہ کرام) علیٰ نبینا و علیہم الصلوات والتسلیمات کی ولایت اگر اسماء و صفات کے حجابات سے بلند جا چکی ہے ۔ لیکن شیون و اعتبارات ذاتیہ کے حجابات اس میں بھی موجود ہیں صرف نبوت و رسالت ہی ایک ایسی چیز ہے جس کی طرف ظلیت کو راستہ نہیں ملتا ۔ اور صفات و اعتبارات کے حجابات کو راستے میں ہی چھوڑ دیا ہے ۔ لہٰذا لازمی طور پر نبوت ولایت سے افضل ہے ۔ اور نبوت کا قرب ذاتی اور اصلی ہے ۔ اور جو شخص ان دونوں کی حقیقت پر مطلع نہیں ہو سکا ۔ اس نے برعکس کا حکم لگایا ہے ۔ اور الٹ بات کا یقین کیا ہے ۔ یعنی ولایت کو نبوت سے افضل کیا ہے ۔ پس وصول تو مرتبہ نبوت میں ہوتا ہے ۔ اور حصول مرتبہ ولایت میں ۔ کیونکہ حصول ملاحظہ ظلیت کے بغیر متصور نہیں ہو سکتا ۔ بخلاف وصول کے ۔ نیز کمال حصول میں دوئی زائل ہو جاتی ہے اور کمال وصول میں دوئی باقی رہتی ہے پس دوئی کا زائل ہو جانا مقام ولایت کے مناسب ہے ۔ اور دوئی کا باقی رہنا مقام نبوت کے مناسب ہے اور جب کہ دوئی کا زائل ہونا مقام ولایت کے مناسب ہے ۔ ہر وقت سُکر کا طاری رہنا بھی مقام ولایت کے مناسب ہے ۔ اور مرتبہ نبوّت میں چوں کہ (دوئی کا باقی رہنا) ہے ۔ اس لیے صحو و ہشیاری بھی اس مرتبہ کے خواص میں سے ہے ۔ نیز تجلیات کا حصول خواہ صور و اشکال کے لباس میں ہو خواہ الوان و انوار کے پردہ میں ۔ سب مقامات ولایت اور اس کے مقدمات و مبادی میں سے ہے ۔ بخلاف مرتبہ نبوت کے کہ وہاں اصل تک وصول ہوتا ہے ۔ اور ان تجلیات و ظہورات کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی جو اس اصل کا ظل ہیں اسی طرح نبوت کے مبادی و مقدمات کے طے کرنے میں ان تجلیات کی کچھ حاجت نہیں ۔ مگر اس صورت میں جب کہ راہ ولایت سے عروج واقع ہو ۔ اس وقت ان تجلیات کا حصول بواسطہ ولایت ہے نہ کہ نبوت تک پہنچنے کے راستے کی مسافت طے کرنے کی وجہ سے ۔ مختصر یہ کہ تجلیات و ظہورات ظلال کی خبر دیتے ہیں ۔ اور جو شخص گرفتاری ظلال سے گزر چکا ہے وہ تجلیات سے بھی چھوٹ چکا ہے مَا زَاغَ الْبَصَرُ کا راز یہاں تلاش کرنا چاہیے ۔

اے فرزند عشق کی شورش و داویلا محبت کا زور و دبدبہ ۔ شوق انگیز نعرے ، اور درد آمیز چیخ و پکار

وجد و تواجد، اور رقص و رقاص سب مقامات ظلال اور ظہورات و تجلیات ظلیہ کے وقت میں ہیں۔ اصل تک پہنچ جانے کے بعد ان امور کا حصول متصور نہیں ہے اس جگہ میں محبت بمعنی ارادہ طاعت ہے۔ جیسا کہ علماء کرام نے فرمایا ہے۔ نہ کوئی زائد معنی جو ذوق و شوق کا منشا ہو۔ جیسا کہ بعض صوفیہ نے گمان کیا ہے اے فرزند عزیز سن! جب کہ مقام ولایت میں ودٹی کا زائل ہونا مطلوب ہے۔ اس لیے ناچار اولیاء کرام زوال ارادہ میں کوشش کرتے ہیں۔

شیخ بسطامؒ فرماتے ہیں میرا ارادہ ہے کہ میرا کوئی ارادہ نہ ہو۔ اور مرتبہ نبوت میں چونکہ رفع اثنینیت درکار نہیں ہے۔ اس لیے نفس ارادہ کا زوال مطلوب نہیں۔ کیسے مطلوب ہو سکتا ہے۔ جبکہ ارادہ فی حد ذاتہٖ ایک کامل صفت ہے۔ نقص نے اگر اس کی طرف راہ پایا ہے۔ تو وہ متعلق کی خبث کے باعث ہے۔ تو چاہیے کہ اس کا متعلق بُرا اور ناپسندیدہ امر نہ ہو۔ بلکہ اس کی تمام مرادیں حق جل و علا کی پسندیدہ چیزیں ہوں۔

اسی طرح مقام ولایت میں تمام بشری صفات کی نفی کی کوشش کرتے ہیں۔ اور مرتبہ نبوت میں ان صفات کی برائی کے متعلقات کی نفی مطلوب ہوتی ہے۔ نہ ان صفات کی نفی جو فی حد ذاتہا کامل ہیں مثلاً صفت علم اپنی ذات کی حد میں صفات کاملہ میں سے ہے۔ اگر نقص نے اس کی طرف راہ پایا ہے تو اپنے بُرے متعلق کے راستہ سے پایا ہے۔ لہٰذا اس بُرے متعلق کی نفی ضروری ہے نہ کہ اصل اس صفت کی نفی۔ علیٰ ھٰذا القیاس۔ تو وہ شخص جو ولایت کے راستے سے مقام ولایت میں آیا ہے۔ اس کے لیے دوران راہ میں اصل صفات کی نفی سے چارہ نہیں۔ اور رواسطہ ولایت کے بغیر اس مقام تک پہنچا ہے۔ اسے اصل صفات کی نفی سے کچھ کام نہیں ان صفات کی برائی کے متعلقات کی نفی کرنی چاہیے۔

جاننا چاہیے کہ اس ولایت سے مراد جس کا ابھی ذکر ہوا ہے۔ ظلی ولایت ہے۔ جسے ولایت صغریٰ اور ولایت اولیاء سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ انبیاء کی ولایت جو ظل سے گزر چکی ہے۔ امر دیگر ہے۔ اس مقام میں صفات بشریت کی بُرائی کے متعلقات کی نفی مطلوب ہے نہ اصل ان صفات کی نفی۔ اور جب سوء صفات کے متعلقات کی نفی حاصل ہو گئی۔ ولایت انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات کی حاصل ہو گئی۔ اس کے بعد جو عروج واقع ہو گا وہ کمالات نبوت سے متعلق ہو گا۔

اس بیان سے واضح ہو گیا کہ نبوت کے لیے اصل ولایت کا ہونا ضروری ہے۔ اس لیے کہ ولایت اس کے مبادی اور مقدمات میں سے ہے۔ ہاں کمالات نبوت تک پہنچنے میں ولایت ظلی کی کوئی ضرورت نہیں۔ بعض کے لیے تو اتفاق ہو جاتا ہے۔ لیکن بعض دوسروں کا اس طرف بالکل گزر نہیں ہوتا۔

خوب سمجھ لو۔ اور اس بات میں شک نہیں کہ ان صفات کی بُرائی کے متعلقات کی نفی کی نسبت اصل صفات کی نفی دشوار ہے۔ پس کمالاتِ ولایت کی نسبت کمالاتِ نبوت کا حصول آسان تر اور نزدیک تر ہے۔ اور آسانی اور قرب کی یہی نسبت ہے جو اصل سے دور پڑے ہوئے امور کی بجائے ہر اس امر میں موجود ہے جو اصل تک پہنچ چکا ہے۔

تم نہیں دیکھتے کہ اصل کیمیا آسان عمل سے میسر آجاتا ہے اور قریب ترین راستوں سے حاصل ہو جاتا ہے اور جو شخص اصل سے دور پڑا ہوا ہے محنت و مشقت میں پڑا رہتا ہے وہ اپنی ساری عمر کے حاصل کرنے میں فنا کر دیتا ہے۔ مگر اس کے باوجود محروم رہتا ہے۔ اور محنت شاقہ اور مدت مدید کے بعد جو کچھ حاصل کرتا ہے۔ وہ اصل سے صرف مشابہت رکھتا ہے۔ اور بسا اوقات ایسا ہو جاتا ہے کہ عارضی شباہت اس سے زائل ہو جاتی ہے اور اپنے اصل کی طرف لوٹ آتا ہے۔ اور مکاری اور حیلہ سازی تک نوبت پہنچ جاتی ہے بخلاف اس شخص کے جو اصل سے واصل ہو چکا ہے کہ سہولت اور نزدیکی راہ کے ساتھ ساتھ مکاری اور حیلہ سازی سے امن میں ہے۔

اس راہِ سلوک پر چلنے والی ایک جماعت جو ریاضاتِ شاقہ اور مجاہداتِ شدیدہ کے ذریعہ ظلال میں سے ایک ظل تک پہنچتی ہے، اس نے یہ گمان کر لیا ہے کہ مطلب تک پہنچنا ریاضاتِ شاقہ اور مجاہداتِ شدیدہ پر موقوف ہے۔ نہیں جانتے کہ دوسرا راستہ اس سے زیادہ قریب اور نہایۃ النہایہ تک پہنچانے والا ہے اور وہ برگزیدگی کا راستہ ہے۔ جو صرف فضل و کرم سے وابستہ ہے۔ اور جو راستہ انہوں نے اختیار کیا ہے، انابت کا راستہ ہے۔ جو مجاہدات سے وابستہ ہے۔ مجاہدات کے راستہ سے مطلوب تک پہنچنے والے بہت ہی تھوڑے ہیں۔ مگر اجتبا اور برگزیدگی کے راستہ سے مطلوب تک پہنچنے والے بہت زیادہ ہیں۔ تمام انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات اجتبا کے راستہ سے گئے ہیں۔ اور انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے اصحاب بھی ان کی وراثت و تبعیت کی وجہ سے اجتبا کے راستہ سے واصل ہوئے ہیں ارباب اجتبا کی ریاضتیں نعمت وصول کے ادائے شکر کی خاطر ہیں۔

حضور علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے پہلے اور پچھلے ذنوب بخشے ہوئے ہونے کے باوجود اپنی ریاضاتِ شدیدہ کے متعلق سوال کرنے والے کے جواب میں فرمایا:[۱]

اَفَلَا اَکُوْنَ عَبْدًا شَکُوْرًا

کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ ہوں۔

ل شمائل ترمذی بروایت مغیرہ و ابو ھریرہ رضی اللہ عنہما۔ قصیدہ بردہ شریف میں ہے کہ:

(۱) ظلمت سنۃ من احیا الظلام الی ان اشتکت قدماہ الضر من ورم (باقی بر صفحہ ۱۹۴)

اور اہل انابت کے مجاہدات حصول وصول کے لیے ہیں۔ دونوں میں بہت فرق ہے۔ اجتبا کا راستہ لے جانے کا راستہ ہے۔ اور راہ انابت خود چلنے کا راستہ ہے۔ لے جانے اور خود جانے میں عظیم فرق ہے۔ لے جانے والے جلدی لے جاتے ہیں، اور بہت دور لے جاتے ہیں۔ اور خود جانے والے دیر سے چلتے ہیں، اور راستے میں ہی رہ جاتے ہیں۔ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ نے فرمایا ہے "ما فضلیا نیم"۔ یعنی ہم اللہ کے فضل والے لوگ ہیں۔ ھاں ھاں اگر فضل نہ ہو تو دوسروں کی نہایت ان کی ابتداء میں کیسے درج ہو۔ یہ اللہ کا فضل ہے، اجسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ اور اللہ فضل عظیم والا ہے۔

ہم پھر اصل بات کی طرف آتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ اس فقیر نے ان عرضداشتوں میں اپنے پیر بزرگوار کی طرف لکھی ہیں، تحریر کیا ہے کہ تمام مرادیں ختم ہو چکی ہیں۔ لیکن نفس ارادہ اب تک اپنی جگہ قائم ہے۔ ایک مدت کے بعد لکھا کہ وہ ارادہ بھی مرادوں کی طرح زائل اور مرتفع ہو گیا ہے۔ اور جب حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے (اس فقیر کو) انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی وراثت سے مشرف فرمایا، تو معلوم ہوا کہ مقصود اس ارادے کی بُرائی کے متعلق کا دور ہونا ہے۔ نہ عین اس ارادے کا رفع ہونا۔ یہ ضروری نہیں کہ متعلق سوء کے رفع کے بعد اصل کا رفع اتم اور اکمل طریقہ پر حاصل ہو جائے بلکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ محض فضل ایزدی سے وہ کچھ میسّر آ جائے جس کا سوواں حصہ بھی تحمّل اور تکلّف سے حاصل نہ ہو۔

اے برادر! مقام ولایت میں دنیا و آخرت سے ہاتھ دھونے پڑتے ہیں۔ اور آخرت کے ساتھ گرفتاری کو دنیا کے ساتھ گرفتاری کی طرح تصور کرنا چاہیے۔ اور در آخرت کو بھی در دنیا کی طرح اچھا خیال نہیں کرنا چاہیے۔

امام داؤد طائی[۱] قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔ اگر تم سلامتی چاہتے ہو تو دنیا سے الگ ہو جاؤ۔ اور اگر بزرگی کے طالب ہو تو آخرت سے ناامید ہو جاؤ۔

اسی گروہ کا ایک دوسرا بزرگ فرماتا ہے، آیۂ کریمہ:۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۲) اسد من سغب احشاءہ وطوی۔ تحت الحجارۃ کشحا مترف الادم

(حاشیہ صفحہ ھٰذا[۱]) یعنی حضرت ابو سلیمان داؤد نصر بن الطائی آپ طبقہ اولیٰ میں سے ہیں اور اہل تصوف کے مشائخ و سادات میں اونچے درجے کے بزرگ ہیں۔ آپ اپنے وقت میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد اور فضیل بن عیاض، اور ابراہیم بن ادھم کے ہم عصر تھے۔ حبیب راعی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے۔ تمام علوم میں حصّہ وافر رکھتے تھے اور فقہ میں فقیہ الفقہاء تھے۔ آپ نے گوشہ نشینی اختیار کی اور امامت سے اعراض فرمایا۔ اور زہد و ورع کا راستہ اختیار کیا۔ آپ کے بے شمار فضائل و مناقب ہیں۔ (نفحات شریف)

مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ — تم میں سے کچھ دنیا چاہتے اور کچھ آخرت چاہتے ہیں

میں اللہ تعالیٰ نے دونوں گروہوں کی شکایت کی ہے۔

مختصر یہ کہ فنا جو حق جل وعلا کے سوا ہر شے کو فراموش کر دینے سے عبارت ہے، دنیا و آخرت کو شامل ہے۔ اور فنا و بقا دونوں ولایت کے اجزاء ہیں۔ پس ولایت میں نسیان آخرت سے چارہ نہیں۔ اور کمالات نبوت کے مرتبہ میں آخرت کے ساتھ گرفتاری اچھی بات ہے۔ اور آخرت کا درد پسندیدہ اور مقبول امر ہے۔ بلکہ اس مقام میں درد، درد آخرت ہے۔ اور گرفتاری گرفتاری آخرت ہے، آیۃ کریمہ:۔

يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا — وہ اپنے رب کو خوف اور امید کی حالت میں پکارتے ہیں

اور آیت کریمہ:۔

وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ۔ — اور وہ اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور اس کے عذاب سے سہمے رہتے ہیں۔

اور آیت کریمہ:۔

اَلَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ۔ — وہ لوگ جو اپنے رب سے بے دیکھے ڈرتے ہیں، اور انہیں قیامت کا ڈر بھی لگا رہتا ہے۔

اس مقام والوں کا نقد وقت ہے۔ ان کا گریہ و نالہ احوال آخرت یاد کرنے سے ہے۔ اور ان کا درد و اندوہ قیامت کے ہولناک مناظر کو ذہن میں رکھنے کے باعث ہے۔ وہ ہمیشہ فتنہ قبر سے پناہ پکڑتے ہیں۔ اور عذاب دوزخ سے بھی پناہ تلاش کرتے ہیں اور گریہ و زاری میں مصروف رہتے ہیں۔ ان کے نزدیک حق جل وعلا کا درد درد آخرت ہے۔ اور ان کا شوق و محبت آخرت کا شوق و محبت ہے۔ کیونکہ اگر ملاقات ہے تو اس کا وعدہ بھی آخرت میں ہے۔ اور اگر رضا و خوشنودی ہے تو اس کا کمال بھی آخرت پر موقوف ہے۔ حق جل وعلا دنیا کو دشمن رکھتا ہے۔ اور آخرت اس کی پسندیدہ ہے۔ مبغوضہ (دنیا) مرضیہ (آخرت) کے ساتھ کسی بات میں برابر نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ مبغوضہ (ناپسندیدہ چیز) یعنی دنیا اس لائق ہے کہ اس سے منہ پھیر لیا جائے۔ اور پسندیدہ چیز (آخرت) توجہ کے لائق ہے۔ مرضیہ (پسندیدہ یعنی آخرت) سے اعراض کرنا۔ عین سکر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے جس کی طرف بلایا ہے اور جو اُسے پسندیدہ ہے اس کے خلاف ہے۔ آیت کریمہ:

وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ — اللہ تعالیٰ دار السلام (جنت) کی طرف بلاتا ہے۔

له سورۃ [illegible] (۲۱)
ےله سورۃ [illegible] ۱۳ ۔ سورۃ [illegible]
سه سورۃ [illegible]

اس معنی کی گواہ ہے۔ خدائے تعالیٰ سبحانہ بڑے مبالغے اور تاکید کے ساتھ آخرت کی ترغیب دیتا ہے۔ آخرت سے اعراض کرنا فی الحقیقت حق جل وعلا کے ساتھ مقابلہ ہے۔ اور اس کی پسندیدہ چیز دور کرنے کے مترادف ہے۔

امام داؤد طائی قدس سرہٗ جب کہ ولایت میں قدم راسخ رکھتے ہیں۔ اس بنا پر ترکِ آخرت کو کرامت فرما دیا۔ مگر یہ نہ جان سکے کہ اصحابِ کرام علیہم الرضوان سب کے سب دردِ آخرت میں مبتلا تھے۔ اور عذابِ آخرت سے ترساں اور لرزاں رہتے تھے۔

ایک روز سیدنا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اونٹ پر سوار ہو کر گلی سے گزر رہے تھے۔ کہ قاری نے یہ آیت کریمہ تلاوت کی:۔

اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ۔ مَالَهٗ مِنْ دَافِعٍ — بے شک تیرے رب کا عذاب واقع ہو کر رہے گا اسے کوئی ٹال نہیں سکتا۔

تو آپ اس آیت کے سنتے ہی بے ہوش ہو گئے، اور اونٹ سے بے خود ہو کر زمین پر گر پڑے۔ وہاں سے اُٹھا کر آپ کو گھر لایا گیا۔ اور ایک مدت تک اس درد کی وجہ سے بیمار رہے۔ اور لوگ آپ کی بیمار پرسی کے لیے آتے تھے۔ ہاں مقامِ فنا میں حالات کے درمیان دنیا و آخرت سے فراموشی میسر آتی ہے۔ اور آخرت کی گرفتاری کو بندہ دنیا کی گرفتاری کی طرح خیال کرتا ہے۔ لیکن جب شرفِ بقا سے مشرف ہوتا ہے۔ اور اپنے کام کو انجام تک پہنچاتا ہے۔ اور نبوت کے کمالات اس پر توڑالتے ہیں۔ تو پھر اس کا سارا درد و غم آخرت کے لیے ہوتا ہے۔ اور دوزخ سے پناہ پکڑتا ہے۔ اور جنت کی آرزو کرتا ہے۔ جنت کے درختوں، نہروں اور وہاں کے حور و غلمان کو دنیوی اشیاء سے کچھ نسبت نہیں۔ بلکہ دنیا کی اشیاء آخرت کی اشیاء کی ضد ہیں۔ جس طرح غضب و رضا ایک دوسرے کے ضد ہیں۔ درخت اور نہریں اور جو کچھ جنت میں ہے، اعمالِ صالحہ کا ثمرہ اور نتیجہ ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے جنت میں درخت نہیں ہیں۔ اس میں درخت لگاؤ۔ لوگوں نے عرض کیا وہاں کس طرح درخت لگائیں۔ آپ نے فرمایا، تسبیح، تحمید، تمجید اور تہلیل کے ساتھ۔ یعنی کلمہ سبحان اللہ کہو۔ تاکہ اس کے عوض تمہارے لیے جنت میں ایک پودا لگا دیا جائے۔ تو بہشت کے درخت تسبیح کا نتیجہ ہیں۔ تنزیہِ الٰہی کے کمالات جس طرح اس کلمہ میں حروف و اصوات کے لباس میں لپیٹ دیے گئے ہیں۔ بہشت میں ان کمالات کو بہشتی درخت کے لباس میں چھپایا گیا ہے۔ علیٰ ھٰذا القیاس، جو کچھ بہشت میں ہے نیک عمل کا نتیجہ ہے۔ اور وجوبی کمالات میں سے جو کچھ قولی اور عملی نیکی کے لباس میں چھپایا گیا ہے۔ بہشت میں

وہی کمالات لذتوں اور نعمتوں کے پردہ میں ظاہر ہوں گے۔ اس لیے لازماً وہاں کا تلذذ اور نعمتیں پسندیدہ اور مقبول ہیں۔ اور لقاء و وصول کا وسیلہ ہیں۔

رابعہ بصریہ بےچاری اگر اس راز سے آگاہ ہو جاتی تو بہشت کو جلا دینے کی فکر میں نہ پڑتی اور اسے غیر حق تعالیٰ کے ساتھ گرفتاری قرار نہ دیتی۔ بخلاف دنیوی تلذذ اور نعمتوں کے کہ ان کا منشاء خبث و شرارت ہے۔ اور ان کا نتیجہ آخرت میں محرومی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے بچائے۔ یہ دنیوی تلذذ اگر شرعاً مباح ہو تو آخرت میں اس کا محاسبہ درپیش ہے۔ اگر اس کی رحمت دستگیری نہ فرمائے، تو افسوس صد افسوس اور اگر شرعاً مباح نہ ہو وعید اور ڈانٹ کا مستحق ہوگا۔

"اے ہمارے پروردگار، ہم نے اپنے آپ پر ظلم کیا۔ اور اگر تو ہماری مغفرت نہ فرمائے گا۔ اور ہم پر رحم نہ کرے گا تو ضرور ہم لوگ خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔"

تو اس دنیوی تلذذ کی آخرت کی لذتوں کے ساتھ کیا نسبت ہے۔ دنیوی نعمتوں سے لذت گیر ہونا تو زہر قاتل ہے۔ اور آخرت کی نعمتوں سے لطف اندوز ہونا نہایت نفع مند تریاق ہے، تو آخرت کا درد یا عوام مومنین کا حصہ ہے۔ یا خاص الخاص لوگوں کا۔ خواص اس درد سے پرہیز کرتے ہیں۔ اور اس کے خلاف میں عزت گمان کرتے ہیں۔ مصرع

آں ایشانند و من چنینم یا رب[1]

مکتوب نمبر ۳۰۳

کلمات اذان کے معانی کے بیان میں حاجی یوسف مؤذن کے نام صادر فرمایا:۔

بعد الحمد والصلوۃ، جاننا چاہیے کہ اذان میں سات کلمے ہیں:۔

(۱) اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ یعنی اللہ تعالیٰ اس سے بلند تر ہے کہ اسے کسی عبادت کرنے والے کی عبادت کی حاجت ہو۔ یہ کلمہ اس عظیم الشان معنی کی تاکید کے لیے چار دفعہ تکرار کے ساتھ آیا ہے۔

(۲) اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اپنی صفت کبریائی اور لوگوں کی عبادت سے بے نیاز ہونے کے باوجود عبادت کا مستحق صرف وہی ہے۔

(۳) اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام

[1] یارب وہ یعنی خواص تو وہ ہیں اور میں اس طرح ہوں۔

اللہ سبحانہٗ کے رسول اور اس کی جانب سے طریق عبادت کے مبلغ اور بتانے والے ہیں۔ تو اس واجب تعالیٰ کی ذات کے لائق صرف وہی عبادت ہو گی، جو آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی جہت تبلیغ و رسالت سے ماخوذ ہو۔

(۴) حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ۔

(۵) حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ۔ یہ دو کلمے نمازی کو فلاح اور نجات سے ہمکنار کرنے والی نماز کی طرف بلانے کے لیے ہیں۔

(۶) اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ یعنی اللہ تعالیٰ اس سے برتر ہے کہ کسی کی عبادت اس کی جناب قدس کے لائق ہو۔

(۷) لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ یعنی لامحالہ صرف اللہ تعالیٰ کی مستحق عبادت ہے۔ اگرچہ کسی سے ایسی عبادت نہیں ہو سکتی جو اس کی جناب قدس کے لائق ہو۔

شان نماز کی بزرگی ان کلمات سے معلوم کرنی چاہیے جو نماز سے آگاہ کرنے کے لیے معین کیے ہیں ؎

سالے کہ نکوست از بہارش پیداست[۱]

اللھم اجعلنی من المصلین المفلحین بحرمۃ سید المرسلین علیہ وعلیھم الصلوات والتسلیمات اتمھا واکملھا۔

مکتوب نمبر ۳۰۴

مولانا عبدالحی[۲] کی طرف صادر فرمایا:

ان اعمال صالحہ کے بیان میں جن سے اللہ تعالیٰ نے اکثر آیات قرآنی میں وعدہ دخول جنت وابستہ کیا ہے اور ادائے شکر اور نماز کے بعض اسرار و معانی کے بیان میں۔

بعد الحمد والصلوٰۃ، اے عزیز اللہ تعالیٰ تجھے سعادت مند کرے۔ جان کہ یہ فقیر ایک مدت تک اس تردد

۱؎ سال کی اچھائی، بہار کی اچھائی کی وجہ سے ہے۔

۲؎ حضرت مولانا موصوف بلاد اصفہان کے علاقہ شادمان کے باشندے تھے۔ مسکین الطبع اور خاموش مزاج انسان تھے۔ آپ سالہا سال تک آستانہ عالیہ مجددیہ میں رہے۔ یہاں تک کہ آپ نے بہت سے خوارق دیکھے۔ اور اسرار و رموز کی بہت سی باتیں سنیں۔ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نے آپ کو تعلیم طریقت کی اجازت دے کر رشد و ہدایت کی خاطر شہر پٹنہ میں بھیجا۔ وہاں آپ نے فرائض تبلیغ باحسن وجوہ انجام دیے۔ (زبدۃ المقامات)

میں رہا کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اکثر آیات قرآنی میں جن اعمال صالحہ کے ساتھ وعدہ دخول جنت مربوط فرمایا ہے۔ وہ تمام اعمال صالحہ ہیں یا بعض۔ اگر تمام مراد ہیں تو بہت دشوار ہے۔ کیونکہ کم ہی کسی کو تمام اعمال صالحہ کے بجالانے کی توفیق ملتی ہے۔ اور اگر بعض اعمال صالحہ مراد ہیں تو وہ غیر معین اور مجہول ہیں۔ آخر کار محض فضل خداوندی جل سلطانہٗ سے دل میں یہ بات آئی کہ شاید ان اعمال صالحہ سے مراد اسلام کے ارکان خمسہ ہیں جن پر اسلام کی بنیاد ہے۔ امید ہے کہ اگر یہ پانچ ارکان پورے طور پر ادا ہو جائیں، نجات وفلاح حاصل ہو جائے گی۔ کیونکہ یہ پانچ ارکان اعمال صالحہ بھی ہیں۔ اور سیئات ومنکرات سے باز بھی رکھتے ہیں۔

آیت کریمہ:۔

اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ۔ [51]	بے شک نماز بے حیائی اور بُرے کاموں سے روکتی ہے۔

اس معنی کی گواہ ہے۔ اور جب ان پانچ بنائے اسلام کے ادا کرنے کی توفیق میسر آ گئی۔ تو امید ہے کہ اس کی نعمتوں کا شکر ادا ہو گیا۔ اور جب شکر ادا ہو گیا، تو عذاب سے نجات حاصل ہو گئی۔

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ۔ [52]	اللہ تعالیٰ تمہیں کیوں عذاب دے گا اگر تم شکر گزار بنو، اور ایمان لاؤ۔

اس لیے ان پانچ ارکان کی بجا آوری میں جان ودل سے کوشش کرنی چاہیے۔ خاص کر نماز قائم کرنے میں۔ کیونکہ یہ دین کا ستون ہے۔ حتی القدور اس کے کسی مستحب کے چھوڑنے پر بھی راضی نہ ہوں۔ اگر نماز مکمل کر لی تو اسلام کا رکن عظیم ہاتھ میں آ گیا۔ اور نجات کے لیے مضبوط رسی ہاتھ آ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی توفیق عطا فرمانے والا ہے۔

اے عزیز جان لے کہ نماز میں تکبیر اُولیٰ خدا تعالیٰ وتقدس کی عابدوں کی عبادت اور نمازیوں کی نماز سے بے نیازی اور شان کبریائی کی طرف اشارہ ہے۔ اور وہ تکبیریں جو ارکان نماز کے بعد ہیں۔ وہ جناب قدس خداوندی کی عبادت کے لیے ہر رکن کے ادا کرنے کی عدم لیاقت کے رموز واشارات ہیں۔ رکوع کی تسبیح میں جب کہ تکبیر کے معنی ملحوظ تھے اس لیے رکوع کے آخر میں تکبیر کہنے کا حکم نہ فرمایا۔ بخلاف دو سجدوں کے کہ ان کی تسبیحات کے باوجود ان کے اوّل وآخر میں تکبیر کہنے کا فرمایا۔ تاکہ کوئی شخص اس وہم میں نہ پڑے۔ کہ سجدے میں جو نہایت پستی اور بہت عاجزی کرنے سے عبارت ہے۔ اور نہایت تذلل اور انکسار ہے حق عبادت ادا ہو جاتا ہے۔ اور اس وہم کے دور کرنے کے لیے سجدے کی تسبیح میں لفظ اعلیٰ بھی اختیار

[51] سورۃ عنکبوت، پارہ ۲۱۔ [52] سورۃ النساء، پارہ ۵

فرمایا گیا۔ اور تکرار تکبیر بھی مسنون قرار پایا۔ اور چونکہ نماز مومن کی معراج ہے۔ اس لیے نماز کے آخر میں ان کلمات کے پڑھنے کا حکم فرمایا۔ جن کلمات سے حضور نبی اکرم علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام شب معراج مشرف ہوئے تھے۔ لہٰذا نمازی کو چاہیے، کہ نماز کو اپنا معراج بنائے۔ اور نہایت قرب نماز میں تلاش کرے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

اَقْرَبُ مَا یَکُوْنُ الْعَبْدُ مِنَ الرَّبِّ فِی الصَّلٰوۃِ ۔ بندے کو اپنے پروردگار کا بہت زیادہ قرب نماز میں نصیب ہوتا ہے۔

اور نمازی چونکہ رب تعالیٰ عزّ وجل شانہٗ سے راز و نیاز میں مصروف ہوتا ہے۔ اور اس بلند ذات کی عظمت و جلال کے مشاہدے میں ہوتا ہے۔ اس لیے ادائے نماز کا وقت وہ مقام ہے۔ کہ اس میں خوف اور ہیبت پیدا ہو۔ اسی لیے نمازی کی تسکین کے لیے نماز کا اختتام دونوں طرف سلام سے فرمایا۔

اور وہ جو حدیث نبوی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام میں آیا ہے کہ نمازی فرض نماز کے بعد سو[1] دفعہ سبحانہ اللہ، اور الحمد للہ اور اللہ اکبر اور کلمہ لا الٰہ الا اللہ پڑھے۔ فقیر کے علم میں اس کا راز یہ ہے کہ ادائے نماز میں جو کوتاہی اور کمی واقع ہوتی ہے، اس کا تدارک تسبیح و تکبیر سے کرنا چاہیے۔ اور نالائقی اور اپنی عبادت کے ناتمام ہونے کا اعتراف کرنا چاہیے۔ اور چونکہ عبادت کی ادائیگی اس بلند ذات کی توفیق سے میسر آئی ہے۔ لہٰذا اس نعمت کا شکر الحمد للہ کے وظیفے سے بجالانا چاہیے۔ اور عبادت کا مستحق اس کے سوا کسی کو نہیں جاننا چاہیے۔

امید ہے کہ جب نماز کی ادائیگی شرائط و آداب کے ساتھ واقع ہوگی۔ اور اس کے بعد کوتاہی کی تلافی اور نعمت توفیق کا شکر اور اس بلند ذات کے غیر کے مستحق عبادت ہونے کی نفی ان کلمات طیبہ کے ذریعہ خلوص قلب کے ساتھ کی جائے گی۔ تو وہ نماز خداوند تعالیٰ جل سلطانہٗ کی بارگاہ میں قبولیت کے لائق ہو جائے گی اور ایسی نماز ادا کرنے والا، فلاح پانے والا نمازی قرار پائے گا۔ اے اللہ بحرمت سید المرسلین علیہ وعلیہم وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات مجھے فلاح پانے والے نمازیوں میں سے کر دے۔

ف۱ مثلاً ابو داؤد اور نسائی شریف بروایت ابو ھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

ف۲ چنانچہ ابو ھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو نمازی ہر نماز کے بعد ۳۳ بار سبحان اللہ، اور ۳۳ بار الحمد للہ اور ۳۳ بار اللہ اکبر پڑھتا ہے۔ اور یہ ایک کم سو[2]، تسبیحات ہوئیں۔ اور پورا سو[2] کرنے کے لیے ایک بار لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ، لہٗ الملک ولہ الحمد وھو علیٰ کل شیءٍ قدیر پڑھتا ہے۔ اس کی خطائیں بخش دی جاتی ہیں۔ اگرچہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں۔ (مشکوٰۃ شریف بحوالہ مسلم)

مکتوب نمبر ۳۰۵

میر محب اللہ کی طرف صادر فرمایا۔

نماز کے اسرار اور مقتدی اور عام آدمی کی نماز اور منتہی کی نماز کے فرق اور اس کے مناسب باتوں کے بیان میں :-

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ اللہ تعالیٰ تجھے رشد و ہدایت عطا کرے، جان لے کہ نماز کا ٹھیک ہونا۔ اور اس کا کمال فقیر کے نزدیک فرائض اور واجبات سنن اور مستحباتِ نماز کا اس طرح بجالانا ہے۔ جس کا بیان فقہ کی کتابوں میں تفصیل کے ساتھ آچکا ہے۔ ان چار امور کے علاوہ کوئی اور ایسا امر نہیں جس کا نماز کے کامل ہونے میں دخل ہو۔ نماز میں خشوع اور خضوع بھی انہی چار امور میں درج ہے۔ اور حضور قلب بھی انہی چار امور سے وابستہ ہے۔

ایک گروہ نے ان امور کے صرف علم پر کفایت کی ہے۔ اور عمل میں سستی اور کاہلی میں پڑ کر کمالات نماز سے تھوڑا حصہ حاصل کرتے ہیں۔

اور ایک دوسرا گروہ حق سبحانہٗ کی طرف صرف حضور قلب کا اہتمام کر کے ظاہری اعضاء سے تعلق رکھنے والے مستحبات کا خیال کم کرتے ہیں۔ اور صرف فرائض اور سنن پر اکتفا کرتے ہیں۔ یہ لوگ بھی حقیقت نماز سے آگاہ نہیں ہو سکے۔ کیونکہ نماز کے کمال کو غیر نماز میں تلاش کرتے ہیں۔ کیونکہ حضور قلب کو احکام نماز میں سے شمار نہیں کرتے۔

اور وہ جو حدیث میں آیا ہے کہ :

لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِحُضُوْرِ الْقَلْبِ۔ نہیں نماز مگر حضور قلب سے۔

ممکن ہے کہ اس حدیث میں حضور قلب سے مراد ان چار امور کا حضور قلب مراد ہو تاکہ ان چار امور میں سے کسی امر کے بجالانے میں فتور واقع نہ ہو۔ اس حضور قلب کے علاوہ کوئی اور حضور اس وقت فقیر کے ذہن میں نہیں آتا۔

۱ے بلکہ نماز کو صرف حضور قلب میں منحصر قرار دیتے ہیں۔ اور حضور قلب کو کافی جانتے ہوئے واجبات اور مستحبات نماز کو چھوڑ دیتے ہیں۔

سوال :

جبکہ نماز کی درستی اور اس کا کمال ان چار امور کے بجالانے سے وابستہ ہے۔ اور ان چار کے علاوہ کوئی اور چیز کمال نماز میں ملحوظ نہیں، تو پھر منتہی اور مبتدی کی نماز بلکہ عام آدمی کی نماز میں جس میں ان چار چیزوں کو بجا لایا گیا ہو۔ کیا فرق ہوگا ؟

جواب :

فرق عمل کرنے والے کی طرف سے ہے، نہ عمل کی راہ سے۔ ایک عمل کا اجر و ثواب عمل کرنے والوں کے تفاوت سے مختلف ہوتا ہے۔ وہ عمل جو مقبول اور محبوب عامل سے واقع ہوتا ہے۔ اس کا اجر کئی گنا زیادہ ہوتا ہے۔ اس اجر و ثواب سے جو ایسے عامل کے غیر کے کام پر مرتب ہوتا ہے۔ کیونکہ عمل کرنے والا جس قدر عظیم القدر ہوتا ہے۔ اس کا عمل بھی بہت زیادہ اجر و ثواب رکھتا ہے۔ یہیں سے کہنے والوں نے کہا۔ کہ عارف کا ناشی عمل مرید کے اخلاص والے عمل سے بہتر ہے۔ چہ جائے کہ عارف کا عمل جو اخلاص سے واقع ہو۔ ایسی لیے حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سہو اور فراموشی کو اپنے صواب اور قصد سے بہتر جانتے ہوئے حضور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام والتحیہ کے سہو کی چاہت فرماتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں :

"کاش کہ میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سہو ہوتا"۔

حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آرزو کرتے ہیں۔ کہ آپ رضی اللہ عنہ مکمل طور پر نبی پاک علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کا سہو ہوں۔ تو آپ اپنے تمام اعمال و احوال کو آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام والتحیہ کے عمل سہو سے کم جانتے ہیں۔ اور پوری آرزو کے ساتھ اپنی تمام نیکیوں کے لیے نبی پاک علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے درجہ سہو کی درخواست کرتے ہیں۔ اور حضور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے عمل سہو کی مثال یہ ہے۔ کہ ایک دفعہ آپ نے بطور سہو چار رکعت والی فرض نماز میں دو رکعت پر سلام پھیر دیا۔ جیسا کہ روایت[1] میں آچکا ہے۔

پس منتہی کی نماز پر دنیوی نتائج و ثمرات کے باوجود آخرت کا کثیر اجر و ثواب مرتب ہوتا ہے۔ بخلاف مبتدی اور عام آدمی کی نماز کے۔ ع

چہ نسبت خاک را بہ عالم پاک

یہ فقیر منتہی کی نماز کے خصائص کا تھوڑا سا حصہ ظاہر کرتا ہے۔ اس سے قیاس کر لیں۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ منتہی شخص نماز میں قرأت قرآن کے وقت اور تسبیحات و تکبیرات کے بجالانے میں اپنی زبان کو حضرت موسیٰ

---

[1] بخاری اور مسلم شریف میں بروایت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ واقعہ مذکور ہے (مشکوٰۃ شریف)

علیہ السلام کے درخت کی مانند پاتا ہے۔ (جس سے اللہ کی آواز آرہی تھی) اور اپنے قوی اور اعضا کو آلات اور وسائل سے زیادہ کچھ نہیں جانتا۔ اور کبھی یوں پاتا ہے، کہ ادائے نماز کے وقت باطن اور حقیقت کا مکمل طور پر ظاہر اور صورت سے تعلق کٹ کر عالم غیب سے مل چکا ہے۔ اور غیب سے مجہول الکیفیت نسبت پیدا کرلی ہے۔ اور نماز سے فارغ ہو کر پھر اس طرف رجوع کیا ہے۔

دوسرا جواب:

ہم یہ کہتے ہیں کہ مذکورہ چار امور کا مکمل اور پورے طور پر بجالانا منتہی کا ہی حصہ ہے۔ مبتدی اور عام آدمی اس سے دور ہیں۔ کہ انہیں کامل اور پورے طور پر ان امور کے بجالانے کی توفیق حاصل ہو۔ اگرچہ ممکن اور جائز ہے، کہ ایسا ہو جائے۔ کیونکہ خاشعین کے سوا دوسروں کے لیے نماز کا بجالانا بھاری اور مشکل ہے۔ اور ہر متبع ہدایت سلامتی سے سرفراز ہو۔

مکتوب نمبر ۳۰۶

مولانا صالح کی طرف صادر فرمایا:

حقائق آگاہ معارف دستگاہ مخدوم زادہ کلاں خواجہ محمد صادق علیہ الرحمت والغفران اور مرحوم و مغفور مخدوم زادگان محمد فرخ و محمد عیسیٰ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے بعض مناقب اور کمالات کے بیان میں۔ اور اس مکتوب کے اختتام پر ارباب ولایت کی فنا کا بیان بھی کیا گیا ہے۔ اور یہ امر بھی بیان کیا گیا ہے کہ قرب نبوت میں اس فنا کی کچھ حاجت نہیں۔ اور اس کے مناسب باتوں کے بیان میں:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ میرے بھائی ملا صالح نے اہل سرہند کے واقعات سن لیے ہوں گے۔ میرے فرزند کلاں رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دو چھوٹے بھائیوں محمد فرخ اور محمد عیسیٰ کے ساتھ سفر آخرت اختیار کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ سبحانہ کا شکر ہے کہ پہلے پس ماندگان کو قوت صبر عطا فرمائی ہے۔ پھر اس حادثے کے اثر کو بالکل ہی ٹھنڈا کر دیا ہے۔ کسی نے بہت خوب کہا ہے۔

من[1] از تو روئے نہ پیچم گرم بیازاری
کہ خوش بود ز عزیزان تحمل و خواری!

---

[1] میں تجھ سے منہ نہیں پھیروں گا۔ اگرچہ تو مجھے تکلیف ہی پہنچائے۔ کیونکہ دوستوں کا بوجھ اُٹھانا (باقی بر صفحہ ۲۰۴)

میرا فرزند مرحوم اللہ جل وعلیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھا۔ اور رب العالمین کی رحمتوں میں سے ایک رحمت۔ اس نے اس چوبیس[۲۴] سالہ زندگی میں وہ کچھ پایا جو کم ہی کسی نے پایا ہوگا۔ مرتبہ مولویت اور علوم نقلیہ و عقلیہ کی تدریس کو اس حد کمال تک پہنچا دیا تھا۔ کہ اس کے شاگرد بیضاوی اور شرح مواقف اور اسی طرح کی اور کتابوں کا پوری قدرت سے درس دے سکتے تھے۔ اور معرفت و عرفان کی حکایات اور ان کے شہود اور کشفوں کے قصے اس سے بے نیاز ہیں کہ بیان میں لائے جائیں۔ تمہیں معلوم ہے کہ آٹھ سال کی عمر میں اس پر حال کا ایسا غلبہ ہوا کہ ہمارے حضرت خواجہ قدس سرہٗ اس کے حال کی تسکین کے علاج کے طور پر بازاری کھانے جو مشکوک اور مشتبہ ہوتے ہیں۔ اس کو دیتے تھے۔ اور فرماتے تھے۔ کہ جو محبت مجھے محمد صادق سے ہے۔ کسی سے نہیں اور اسی طرح اسے جو محبت ہم سے ہے کسی کے ساتھ نہیں اس بات سے اس فرزند مرحوم کی بزرگی کو پانا چاہیے۔ اس نے ولایت موسوی کو نقطہ آخری پر پہنچا دیا تھا۔ اور اس بلند ولایت کے عجائب و غرائب کو بیان کیا کرتا تھا۔ اور ہمیشہ فروتن متواضع خدا کی بارگاہ میں التجا کرنے والا، زاری کرنے والا، اپنے آپ کو خوار رکھنے والا اور شکستہ دل رہتا تھا۔ اور فرمایا کرتا تھا کہ اولیاء اللہ میں سے ہر ایک نے حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ سے ایک نہ ایک چیز مانگی ہے۔ اور میں نے التجا اور زاری مانگی ہے۔

محمد فرخ کے متعلق کیا لکھے۔ جو گیارہ سال کی عمر میں طالب علم ہو چکا تھا۔ کافیہ پڑھتا تھا۔ اور شعور اور سمجھ کے ساتھ پڑھتا تھا۔ اور ہمیشہ عذاب آخرت سے ترساں اور لرزاں رہتا تھا۔ اور دعا کیا کرتا تھا۔ کہ بچپن کی عمر میں ہی کمینی دنیا کو الوداع کہہ دے، تاکہ عذاب آخرت سے نجات پائے۔ اور مرض موت میں جو دوست اس کی تیمار داری کرتے تھے۔ انہوں نے اس کے عجائب و غرائب کا مشاہدہ کیا۔ اور آٹھ سال کی عمر میں لوگوں نے محمد عیسیٰ کی کرامات و خوارق جو دیکھیں ان کے متعلق کیا لکھے۔ مختصر یہ کہ یہ تینوں بیٹے نفیس موتی تھے، جو امانت کے طور پر ہمارے حوالے کیے گئے۔ اللہ سبحانہٗ کی حمد اور اس کا احسان ہے، کہ امانت والوں کی امانتوں کو بخوشی اور بلا جبر ہم نے ان کے حوالے کر دیا۔ اے اللہ بحرمت سید المرسلین علیہ و علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات ہمیں ان کے اجر سے محروم نہ کر۔ ـــہ

از ہر[۱] چہ میرود سخن دوست خوش تر است

یہ بات ذہن میں رکھیں کہ فنا سے مقصود جو حق سبحانہٗ کے ماسوا کی فراموشی سے عبارت ہے، یہ ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰۳) اور ان کی طرف سے خواری برداشت کرنا بہت اچھی بات ہے۔

(حاشیہ صفحہ ھٰذا) ۱ـہ دوست کی بات جس طرف سے بھی چلے اچھی لگتی ہے۔

کہ اس بلند ذات کے ماسوا کی محبت اور گرفتاری زائل ہو جائے۔ کیونکہ جب ذوات، صفات اور اشیا کے افعال دید و دانش سے زائل ہو جاتے ہیں۔ تو ان کی محبت اور گرفتاری بھی لازماً دبہ زوال ہو جاتی ہے اور طریق ولایت میں حق تعالیٰ جل وعلیٰ کے ماسوا کی گرفتاری سے نکلنے کے لیے ماسویٰ کی فراموشی سے چارہ نہیں۔ اور قرب نبوت کے مدارج میں اشیا کی گرفتاری سے نکلنے کے لیے اشیا کے نسیان کی کچھ حاجت نہیں۔ کیونکہ قرب نبوت میں اصل کے ساتھ گرفتاری جو فی نفسہٖ اچھی اور دل پسند ہے اس بات کو باقی نہیں رہنے دیتی کہ اشیا کے ساتھ گرفتاری جو اپنی ذات میں قبیح اور غیر مستحسن ہیں۔ کوئی نام و نشان باقی رہنے دے۔ اشیا سے فراموشی ہو یا نہ ہو۔ اس لیے کہ اشیا کے علم نے اشیا کے ساتھ گرفتاری کی وجہ سے اور جناب قدس خداوندی عزّ وجل شانہٗ سے روگردانی کو مستلزم ہونے کی وجہ سے مذمت کی صفت پیدا کر لی تھی۔ اور جب اشیا کے ساتھ گرفتاری نہ رہی تو اشیا کا علم بھی مذموم نہ رہا۔ اشیا کا علم کیسے مذموم ہو سکتا ہے۔ جب کہ سب اشیا حق جل سلطانہٗ کے علم میں بھی ہیں۔ اور اشیا کا علم صفات کاملہ سے ہے۔

سوال:

کوئی اگر یہ کہے، کہ جب حق جل وعلیٰ کے ماسویٰ کا علم زائل نہ ہو۔ تو حق جل وعلیٰ کا علم ماسوائے حق جل شانہٗ کے علم کے ساتھ ایک وقت میں کیسے جمع ہو سکتا ہے۔ لہٰذا اس بلند ذات کے ماسوا کے نسیان اور فراموشی سے چارہ نہیں۔

جواب:

ہم کہتے ہیں، کہ جو علم اشیا سے تعلق رکھتا ہے۔ علم حصولی کی جنس سے ہے۔ اور جو علم حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ سے تعلق پیدا کرتا ہے۔ وہ علم حضوری کے مشابہ ہے۔ لہٰذا دونوں علم بہ یک وقت جمع ہو سکتے ہیں اور کوئی خرابی لازم نہیں آتی۔ خرابی اس وقت لازم آتی ہے۔ جبکہ دونوں علم حصولی ہوں۔ اور یہ جو ہم نے کہا کہ علم حصولی کی جنس اور علم حصولی کے مشابہ ہے۔ اس لیے کہا ہے کہ وہاں نہ حقیقت حصول ہے اور نہ گنجائش حضور۔ اور حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا علم جو اشیا سے تعلق رکھتا ہے۔ حصولی نہیں ہے۔ اس لیے کہ ممکنات کا اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں حلول اور حصول نہیں ہو سکتا۔ اور اس عارف کا علم اس علم کا پرتو ہے۔ اور جو علم حضرت حق سبحانہٗ سے متعلق ہے۔ اسے حضوری بھی نہیں کہہ سکتے کیونکہ وہ تبارک وتعالیٰ مُدرک سے بھی زیادہ نزدیک ہے۔ علم حضوری اس علم کی نسبت علم حصولی کی طرح ہے بہ نسبت علم حضوری کے یہ معرفت عقل وفکر کی نظر سے بلند ہے۔ جس نے نہیں چکھا وہ نہیں جانتا۔ پس ثابت ہو گیا۔ کہ اشیا کا علم حق جل وعلیٰ کے علم کے منافی نہیں۔ پس نسیان اشیا کی کچھ حاجت نہیں۔

بخلاف طریق ولایت کے کہ اشیا سے گرفتاری سے نجات پانا اشیا کے نسیان کے بغیر متصور نہیں ہے۔ کیونکہ ولایت میں ظلال کے ساتھ گرفتاری ہوتی ہے۔ اور ظلال کی گرفتاری کے لیے اس قدر قوت نہیں ہے۔ کہ علم اشیا کے باوجود اشیا کی گرفتاری کو زائل کر سکے۔ لہٰذا اولاً نسیان اشیا سے چارہ نہیں، تاکہ گرفتاری سے نجات ملے۔ یہ وہ معرفت ہے۔ جو اس درویش کے ساتھ مخصوص ہے۔ دوسرے کسی نے بھی اس کا اظہار نہیں فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدَانَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ۔

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں۔ جس نے ہمیں اس کی ہدایت دی اور ہم ہدایت نہ پا سکتے۔ اگر اللہ ہمیں ہدایت نہ دیتا، بے شک ہمارے رب کے رسول حق کے ساتھ تشریف لائے۔

مکتوب نمبر ۳۰۷

مولانا عبدالواحد لاہوری کی طرف صادر فرمایا۔

کلمہ طیبہ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ کے معنی اور اس سے مناسب باتوں کے بیان میں:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حمد و صلوٰۃ کے بعد جاننا چاہیے۔ کہ عبادت کرنے والا ادائے عبادت کے وقت اپنی عبادت میں حسن و کمال کی جنس میں سے جو کچھ پاتا ہے۔ وہ سب توفیق خداوندی جل سلطانہٗ کی طرف لوٹتا ہے اور اس بلند ذات کی حسن تربیت اور اس کا احسان ہے۔ اور اپنی عبادت میں کوتاہی اور ناتمامی کی جنس سے جو کچھ پاتا ہے۔ وہ اس کے نفس کی طرف لوٹتا ہے۔ اور اس کی فطری شرارت سے پیدا ہوا ہے۔ اور اس بلند ذات کی جناب قدس کی طرف نقص و قصور میں سے کوئی چیز نہیں لوٹ سکتی وہاں سب خیر و کمال ہے اسی طرح جہان میں جو حسن و کمال بھی پایا جاتا ہے۔ وہ اس بلند ذات کی جناب قدس کی طرف لوٹتا ہے اور جہان کا شر و نقص دائرہ ممکنات کی طرف عود کرتا ہے۔ جو نیستی میں قدم راسخ رکھتا ہے۔ اور عدم ہر شر و نقص کا منشا ہے۔ کلمہ طیبہ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ بہت جامع طریقے سے ان دو چیزوں کا بیان فرماتا ہے۔ اور شرور و نقائص سے جو اس بلند ذات کی جناب قدس کے لائق نہیں ہیں۔ کمال تنزیہہ و تقدیس ظاہر کرتا ہے۔ اور اس بلند ذات کی صفات، اور اس کے اچھے افعال اور اس کے بڑے بڑے انعامات و احسانات

پر شکر کی ادائیگی عبادت حمد کے ساتھ جو ہر شکر کا سر دار ہے، کرتا ہے۔

یہیں سے ہے جو حدیث نبوی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات میں آیا ہے کہ جو شخص اس کلمہ طیبہ کو دن یا رات میں ایک سو بار پڑھتا ہے۔ تو کوئی بھی شخص اس دن یا اس رات میں اس کے برابر نہیں ہو سکتا۔ مگر صرف وہ شخص جو یہ کلمہ طیبہ پڑھے۔ کیسے برابر ہو سکتا ہے، کیونکہ اس کا ہر عمل و عبادت شکر ہائے خداوند جل سلطانہٗ میں سے ایک شکر کی ادائیگی ہے۔ جو اس کلمہ طیبہ کے ایک جزو سے ادا ہوتا ہے۔ اور اس کا دوسرا جزو جو اس بلند ذات کی تنزیہ و تقدیس ظاہر کرتا ہے۔ علیحدہ ہے۔ تو تم پر لازم ہے کہ اس کلمہ طیبہ کو دن اور رات میں سو دفعہ پڑھا کرو۔ اور اللہ سبحانہٗ ہی توفیق فرمانے والا ہے۔

سوال :

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات میں آیا ہے :

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ عَدَدَ خَلْقِهٖ وَرِضَا نَفْسِهٖ وَزِنَةَ عَرْشِهٖ وَمِدَادَ كَلِمَاتِهٖ۔ : پاک ہے اللہ اور اس کی حمد ہے۔ تیری مخلوق کی تعداد کی مقدار میں۔ اور ایسی حمد و تسبیح جو اس کی رضا کے مطابق ہو۔ اور عرش کے وزن جتنی ہو۔ اور اس کے کلمات کی مقدار کے برابر ہو۔

(مشکوٰۃ، بحوالہ مسلم شریف)

اور حدیث میں یہ بھی آیا ہے :

سُبْحَانَ اللّٰهِ مِلْءَ الْمِيْزَانِ — میں اللہ کی ایسی تسبیح کرتا ہوں، جو میزان کو بھر دے

اور یوں بھی آیا ہے :

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اَضْعَافَ مَا حَمِدَهٗ جَمِيْعُ خَلْقِهٖ۔ — اللہ ہی کے لیے تعریفیں ہیں۔ اُس سے کئی گنا زیادہ جو اس کی تمام مخلوق نے کی ہیں۔

حالانکہ کہنے والے نے یہ کلمات صرف ایک بار کہے ہوتے ہیں۔ ایک سے زیادہ بار نہیں کہے ہوتے، تو اس کو عَدَدَ خَلْقِهٖ کس اعتبار سے کہتے ہیں۔ اور رِضَا نَفْسِهٖ کس معنی سے کہا جاتا ہے وَزِنَةَ عَرْشِهٖ کس طرح ہو سکتا ہے۔ اور مِدَادَ كَلِمَاتِهٖ کیوں کر درست ہو سکتا ہے۔ اور میزان کو کیسے پُر کر سکتا ہے۔ اور اَضْعَافَ مَا حَمِدَهٗ جَمِيْعُ خَلْقِهٖ کس معنی کے شایان کہا جاتا ہے ؟

جواب :

ہم کہتے ہیں کہ انسان عالم خلق اور عالم امر کا جامع ہے۔ جو کچھ خلق اور امر میں ہے۔ وہ انسان میں ہے

اور انسان میں اس سے کچھ زائد بھی ہے۔ اور وہ اس کی ہیئت وحدانی ہے۔ جو خلق و امر کی ترکیب سے پیدا ہوتی ہے۔ اور یہ ہیئت وحدانی انسان کے بغیر کسی کو بھی میسر نہیں ہوتی ہے۔ اور یہ ہیئت اجنبی قسم کا اعجوبہ ہے۔ اور عجیب قسم کا نمونہ ہے۔ لہٰذا جو حمد انسان سے صادر ہوتی ہے۔ وہ تمام مخلوق کی حمد سے کئی گنا زیادہ ہوگی۔ اور اسی قیاس پر باقی سوالات کا حل ہے۔ تو جمع خلق سے مراد انسان کے ماسوا مخلوق لی جائے گی۔ اور اگر انسان کو بھی داخل کرلیں۔ تو ہم کہیں گے۔ کہ انسان کامل جس طرح تمام افراد عالم کو اپنے اجزا پاتا ہے۔ انسان کو بھی اپنے اجزا پاتا ہے۔ اور اپنے آپ کو سب کا کل جانتا ہے۔ اس صورت میں اپنی حمد کو اپنی حمد کے کئی گنا زیادہ پاتا ہے اور تمام افراد انسانی کی حمد سے بھی کئی گنا زیادہ پائے گا۔

اور سلامتی کا نزول ہو ہر اس شخص پر جو متبع ھدایت اور مصطفٰے علیہ وعلی آلہ من الصلوٰۃ اتمہا من التحیات اکملہا کی متابعت کو لازم جانتا ہے۔

مکتوب نمبر ۳۰۸

مولانا فیض اللہ پانی پتی کی طرف صادر فرمایا:

درج ذیل حدیث نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات والسلام کے معنی کے بیان میں:-

كَلِمَتَانِ خَفِيفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ثَقِيلَتَانِ	دو کلمے ہیں جو زبان پر ہلکے ہیں۔ میزان میں بھاری
فِي الْمِيزَانِ حَبِيبَتَانِ إِلَى الرَّحْمٰنِ	ہیں۔ خدائے رحمٰن کو پیارے ہیں۔ سبحان اللہ
سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيمِ	وبحمدہٖ، سبحان اللہ العظیم۔

اللہ تعالیٰ تجھے رشد و ہدایت عطا فرمائے۔ جان لے۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ دو کلمے ایسے ہیں۔ جو زبان پر ہلکے ہیں۔ میزان میں بھاری ہیں۔ خدائے رحمان کو پیارے ہیں۔

ان کے زبان پر ہلکا ہونے کی وجہ تو ظاہر ہے۔ کہ ان کے حروف تھوڑے ہیں۔ اور ان کے میزان میں بھاری ہونے اور خدائے رحمان کو پیارے ہونے کی وجہ یہ ہے کہ پہلے کلمے کی جز اوّل (سبحان اللہ) ان تمام چیزوں سے جو اس کی جناب قدس عزّ وجل کے لائق نہیں ہیں۔ سے اس کی بلند ذات کی تنزیہہ اور تقدیس کا فائدہ دیتا ہے۔ اور اس کی جناب کبریا کا صفات نقص اور حدوث و زوال کے نشانات سے پاک ہونا ظاہر کرتا ہے۔ اور اس کلمے کا دوسرا جز اللہ تعالیٰ کی صفات کمال اور شیونات جمال کے ثبوت کا

فائدہ دیتا ہے۔ چاہے وہ صفات و شیونات فضائل میں سے ہوں۔ یا فواضل میں سے۔ اور دونوں جزوں میں اضافت کو استغراق کے لیے بنانا۔ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کے لیے تمام تنزیہات اور تقدیسات اور تمام صفات کمال و جمال کے ثبوت کا فائدہ دیتا ہے۔ تو پہلے کلمے کی دونوں جزوں کا حاصل اور خلاصہ یہ ہے کہ تمام تنزیہات اور تقدیسات اسی ذات سبحانہٗ کی طرف لوٹتی ہیں۔ اور تمام صفات کمال و جمال بھی اسی ذات عزوجل کے لیے ثابت ہیں۔ اور دوسرے کلمے کا حاصل یہ ہے کہ تمام تنزیہات اور تقدیسات اللہ ہی کے لیے ہیں۔ اور عظمت اور کبریا کا اثبات بھی اسی ذات عزوجل کے لیے ہے۔ اور اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے۔ کہ اس بلند ذات سے نقائص کا مسلوب ہونا، صرف اس کی عظمت اور کبریائی کی وجہ سے ہے۔ لہٰذا دونوں کلمے میزان میں بھاری ہوں گے۔ اور خدا کو پیارے ہیں۔

نیز تسبیح توبہ کی چابی بلکہ اس کا نچوڑ اور اس کا خلاصہ ہے۔ جیسا کہ میں بعض مکاتیب میں اس کی تحقیق کر چکا ہوں۔ تو تسبیح گناہوں کو مٹانے اور خطاؤں کے معاف کرنے کا وسیلہ ہے۔ اس بنا پر بھی یہ میزان میں بھاری ہے۔ اور حسنات کے پلے کو جھکانے والی ہے۔ اور خدا کو پیاری ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ معافی اور درگزر کو پسند کرتا ہے۔

نیز جبکہ تسبیح اور حمد کرنے والے نے اس کی جناب قدس کو اس کی شان کے خلاف چیزوں سے منزہ ظاہر کیا۔ اور اس بلند ذات کے لیے صفات کمال و جمال کو ثابت کیا۔ تو کریم اور بہت عطا کرنے والی ذات جل شانہ سے امید ہے کہ وہ بھی تسبیح کرنے والے کو غیر مناسب باتوں سے پاک اور منزہ کر دے۔ اور حمد کرنے والے میں صفاتِ کمال پیدا کر دے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ — نہیں ہے احسان کا بدلہ مگر احسان کرنا۔

تو لازماً یہ دونوں کلمے میزان میں بھاری ہیں۔ کیونکہ ان کے تکرار کے سبب گناہ مٹتے ہیں۔ اور خدائے رحمان کو پیارے ہیں۔ کیونکہ ان کے واسطے سے اچھے اخلاق پیدا ہوتے ہیں۔ والسلام

مکتوب نمبر ۳۰۹

مولانا حاجی محمد فرکتی کی طرف صادر فرمایا:۔

دن اور رات کے محاسبہ کے بیان میں جیسا کہ وارد ہوا ہے "اے لوگو اپنا محاسبہ کرو۔ اس سے پہلے کہ تمہارا محاسبہ ہو۔"

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد واضح ہو کہ مشائخ کرام قدس اللہ تعالیٰ تعالیٰ اسرارہم کے ایک گروہ نے محاسبے کا طریقہ اختیار کیا ہے۔ اور رات کو سونے سے کچھ پہلے اپنے اقوال، افعال اور اپنی روزمرہ کی حرکات و سکنات کا ملاحظہ کرتے ہیں۔ اور تفصیل کے ساتھ ہر ایک کی حقیقت تک پہنچتے ہیں۔ اپنی تقصیرات اور برائیوں کا تدارک توبہ و استغفار اور التجا و تضرع سے کرتے ہیں۔ اور اپنے نیک اعمال و افعال کو توفیق خداوندی کی طرف لوٹاتے ہوئے خداوند تعالیٰ کی حمد اور اس کے شکر میں مصروف ہوتے ہیں۔ اور صاحب فتوحات مکیہ قدس سرہٗ جو محاسبہ کرنے والے گروہ میں سے ہُوا ہے، فرماتا ہے۔ کہ میں اپنے محاسبہ میں دوسرے مشائخ سے آگے ہوں۔ اور میں اپنے دل میں آنے والے خیالات اور اپنی نیتوں کا بھی محاسبہ کرتا ہوں۔

اور فقیر کے نزدیک سوفعہ کلمہ سبحان اللہ اور الحمد للہ اور اللہ اکبر سونے سے کچھ پہلے اس طرح پڑھ لینا جس طرح مخبر صادق علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات سے ثابت ہے، محاسبے کا حکم رکھتا ہے اور محاسبے کا کام کرتا ہے۔ گویا کلمہ تسبیح کے تکرار سے جو توبہ کی چابی ہے۔ اپنی کوتاہیوں اور خطاؤں سے بندہ عذر خواہی کرتا ہے۔ اور اس بلند ذات کی جناب قدس کی طرف اس کی خطاؤں کے ارتکاب سے جو کچھ لوٹتا تھا، اس کی تنزیہہ اور تقدیس کرتا ہے۔ کیونکہ سیئات (برائیوں) کا مرتکب اگر نیکی کے حکم کرنے والے اور برائی سے روکنے والے خدائے پاک کی عظمت اور کبریائی کو ملحوظ خاطر اور اپنی نظر کے سامنے رکھتا تو ہرگز اس بلند ذات کے حکم کی خلاف ورزی میں جلدی نہ کرتا۔ اور جب اس نے اس کے حکم کی خلاف ورزی میں جلدی کی تو معلوم ہوا کہ اس بلند ذات کی امر و نہی اس مرتکب کے نزدیک کچھ شمار و اعتبار نہیں رکھتی۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہمیں اس سے بچائے۔ لہٰذا کلمہ تنزیہہ سے اس کوتاہی کی تلافی کرتا ہے۔

جاننا چاہیے کہ استغفار میں گناہ کا چھپانا ہوتا ہے۔ اور کلمہ تنزیہہ میں گناہ کی بیخ کنی کا مطالبہ ہے لہٰذا استغفار اور کلمہ تنزیہہ (سبحانہ اللہ) میں بہت فرق ہے۔ یہ عجب کلمہ ہے کہ اس کے الفاظ بہت ہی کم ہیں، اور اس کے معانی و منافع بہت ہی زیادہ ہیں۔

اور کلمہ تحمید (الحمد للہ) کی تکرار سے خداوند تعالیٰ جل سلطانہٗ کی توفیق کا شکر ادا کرتا ہے۔ اور اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرتا ہے۔ اور کلمہ تکبیر (اللہ اکبر) میں اس طرف اشارہ ہے کہ اس بلند ذات کی جناب پاک اس سے بلند تر ہے کہ یہ عذر خواہی اور یہ شکر اس ذات جل شانہ کے شایانِ شان ہو کیونکہ بندے کی عذر خواہی اور اس کا استغفار خود عذر خواہی بہت زیادہ استغفار کا محتاج ہے۔ اور بندے کا شکر کرنا اور حمد کرنا خود اس کی اپنی ذات کی طرف لوٹتا ہے۔

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

پاک ہے تیرا رب عزت والا ان باتوں سے جو وہ کرتے ہیں اور تمام مرسلین پر سلامتی کا نزول ہوتا رہے۔ اور تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کیلیے ہیں

محاسبہ کرنے والے حضرات استغفار و شکر پر کفایت کرتے ہیں۔ اور ان کلمات قدسیہ سے استغفار کا کام بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ اور شکر کی بجا آوری بھی ہو جاتی ہے۔ اور استغفار و شکر کے ناقص ہونے کے اظہار کا اشارہ بھی میسر آجاتا ہے۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم وصلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ سیدنا محمد وعلیٰ آلہ وصحبہ الطاہرین وسلم وبارک علیہ وعلیہم اجمعین

مکتوب نمبر ۲۱۱

مولانا محمد ہاشم کی طرف صادر فرمایا:

انسان کی جامعیت اور اس مقام سے متعلق بعض پوشیدہ اسرار اور اس کے مناسب امور کے بیان میں۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد واضح ہو کہ انسان میں جو بھی کمالات ہیں سب کے سب مرتبہ وجوب تعالیٰ و تقدس سے مستفاد ہیں۔ اگر علم ہے تو وہ بھی اس مرتبہ کے علم سے مستفاد ہے۔ اگر قدرت ہے تو وہ بھی اس مرتبہ کی قدرت سے ماخوذ ہے۔ علیٰ ہٰذا القیاس۔ لیکن ہر مرتبے کا کمال اس مرتبہ کے اندازہ کے مطابق ہے۔ انسان کا علم واجب تعالیٰ و تقدس کے سامنے مردے کا حکم رکھتا ہے جو زندہ کی نسبت جو حیات ابدی پا چکا ہو، لاشے محض ہے۔ اسی طرح انسان کی قدرت واجب تعالیٰ و تقدس کی قدرت کے سامنے عنکبوت کا حکم رکھتی ہے۔ جو اپنے جال سے مکان بنائے اس شخص کے مقابلے میں جس کی ایک پھونک سے سب آسمان زمینیں، پہاڑ اور سمندر پارہ پارہ۔ اور ریزہ ریزہ ہو جائیں۔ دوسرے کمالات کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہیے۔ یہ مذکورہ فرق تنگی عبارت کے باعث بیان کیا جاتا ہے۔ ورنہ ؏

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

تو انسان کے کمالات مرتبہ وجوب تعالیٰ و تقدس کے کمالات کی صورت کی مانند ہیں۔ اور ان کمالات نے اس مرتبہ کے کمالات سے مشارکت سے زیادہ کچھ حاصل نہیں کیا۔ یہی وجہ ہے کہ فرمایا گیا:

اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰى صُوْرَتِهٖ

بے شک اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔

اور من عرف نفسہٗ فقد عرف ربہٗ کا معنی بھی اس بیان سے واضح ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جو کچھ نفس انسانی میں ہے اگرچہ صورت ہے لیکن وہی ہے جس کی حقیقت مرتبہ وجوب تعالیٰ و تقدس میں حاصل ہے۔ یہاں سے انسان کی خلافت کا راز معلوم کر لو۔ کیونکہ شے کی صورت شے کا خلیفہ ہوتی ہے۔

اس مقام میں بے دین لوگوں اور خدا کو جسم ماننے والے گروہ نے گمان کیا ہے کہ خدائے عزوجل سلطانہٗ صورت انسان پر ہے۔ اور اپنی بے عقلی سے خدائے تعالیٰ کے لیے بھی ان لوگوں نے انسانی قوتیں اور اعضا ثابت کیے ہیں۔ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ ان گمراہوں نے یہ نہ جانا کہ صورت و مثل کا اطلاق تشبیہ اور تمثیل کے قبیلہ سے ہے۔ بر سبیل تحقیق و تثبیت نہیں کیونکہ اس صورت کی حقیقت ترکیب چاہتی ہے۔ اور تبعض و تجزی کی خواہاں ہے۔ جو منافی وجوب اور مانع قدم ہے۔ متشابہات قرآنی بھی ظاہری معنوں پر نہیں بلکہ تاویل پر محمول ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا يَعْلَمُ تَاوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ۔ اور نہیں جانتا ان کی تاویل کو مگر اللہ۔

یعنی ان متشابہات کی تاویل اللہ عزوجل کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ تو معلوم ہوا کہ متشابہات خدائے جل و علا کے نزدیک بھی تاویل پر محمول ہیں۔ ظاہری معنی پر محمول نہیں۔

اور علمائے راسخین کو بھی اس تاویل کے علم سے حصہ عطا فرماتے ہیں۔ جس طرح علم غیب پر جو اس ذات سبحانہٗ کے ساتھ خاص ہے، خاص رسولوں کو مطلع فرماتا ہے۔ اس تاویل کے متعلق یہ خیال نہ کرنا کہ وہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱۱) ؎ اس حدیث کے معنی کی وضاحت کے لیے جلد اوّل کے مکتوب ۹۵ کے حاشیہ کا مطالعہ کریں ۱۲

(حاشیہ صفحہ ھٰذا) ؎۱ سورۃ آل عمران، پارہ تلک الرسل۔

؎۲ چنانچہ جن میں فرمایا گیا:

عالم الغیب فلا یظہر علی غیبہ احداً الا من ارتضٰی من رسول — یعنی اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے غیب کا، تو نہیں واقف کرتا اپنے خاص غیب پر کسی کو مگر جسے پسند کرتا ہے رسولوں میں سے۔

سورۃ آل عمران، پارہ لن تنالوا البر میں فرمایا:

وما کان اللہ لیطلعکم علی الغیب ولکن اللہ یجتبی من رسلہ من یشاء۔ — اللہ کی یہ شان نہیں کہ تم کو غیب پر مطلع کرے مگر وہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں میں سے جسے چاہتا ہے۔

سورۃ النساء، پارہ والمحصنات میں فرمایا:

وعلمک ما لم تکن تعلم۔ — اور سکھا دیا اللہ نے تجھے اے نبی جو کچھ تو نہ جانتا تھا۔

(بقیہ حاشیہ برصفحہ ۲۱۴)

یَدْ کی قدرت کے ساتھ تاویل کی طرح ہے۔ یا وجہ کی ذات کے ساتھ، تاویل کے مانند ہے۔ اس طرح نہیں ہے۔ بلکہ وہ تاویل اسرار میں سے ہے جس کا علم اخص خواص کو عطا فرماتے ہیں۔

جاننا چاہیے کہ صاحب فتوحات مکیہ اور اس کے پیروکار کہتے ہیں کہ جس طرح واجب تعالیٰ کی صفات اس کی ذات کا عین ہیں۔ اسی طرح آپس میں بھی ایک دوسرے کا عین ہیں۔ مثلاً علم جس طرح اس کی ذات کا عین ہے، اس کی قدرت کا بھی عین ہے۔ اور ارادے اور سمع اور بصر کا بھی یہی حال ہے۔ اسی طرح باقی صفات۔ یہ بات فقیر کے نزدیک صواب اور درستی سے دور ہے۔ اس لیے کہ یہ قول صفات زائدہ کی نفی پر مبنی ہے۔ اور صفات زائدہ کی نفی مذہب اہل سنت وجماعت کے خلاف ہے۔ کیونکہ صفات ثمانیہ (۸) یا سبعہ (۷) ان بزرگوں کی آراء کے مطابق خارج میں موجود ہیں۔ شاید انہیں واجب تعالیٰ کی ذات وصفات کی عینیت کا وہم اس سے پیدا ہوا ہے کہ انہوں نے ذات وصفات واجب تعالیٰ کے مقام کی تغائر وتبائن کو ممکنات کے تغائر وتبائن کی طرح خیال کیا ہے۔ اور جب انہوں نے اُسے ممکنات کی ذات وصفات کے تغائر وتبائن کی طرح نہ پایا اور اس کے (ذات وصفات واجب) تمائز کو اس تمائز کے مشابہ نہ دیکھا تو خواہ مخواہ انہوں نے تغائر وتمائز کی نفی کردی۔ اور ایک دوسرے کی عینیت کے قائل ہوگئے۔ انہوں نے یہ نہ جانا کہ اُس محل کا تغایر وتبائن واجب تعالیٰ کی ذات وصفات کی طرح بے مثل وبے کیف ہے۔ اور اس تمائز کو اس تمائز کے ساتھ کچھ نسبت نہیں۔ مگر صرف صورت اور نام میں۔ پس اس مقام میں تبائن وتمائز موجود ہے۔ لیکن ہم اس کے سمجھنے سے قاصر ہیں۔ نہ یہ کہ جس چیز کا ہم ادراک نہ کرسکیں اس کی نفی کردیں۔ اور اہل حق کے مخالف ہوجائیں۔ واللہ اعلم بالصواب

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱۲) مختصر یہ کہ یہ مسئلہ متعدد آیات قرآنی اور بے شمار احادیث صحیحہ سے پایہ ثبوت کو پہنچ چکا ہے کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام خاص کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم بہ عطائے الٰہی علم غیب جانتے تھے۔ انبیاءؑ کے علم غیب عطائی کا انکار آیات قرآنی اور احادیث صحیحہ کا انکار ہے۔ اور جن آیات یا احادیث میں غیر خدا کے لیے علم غیب کی نفی کی گئی ہے۔ وہ علم غیب ذاتی اور استقلالی کی نفی ہے۔ عطائی کی نفی نہیں۔ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ بھی یہی عقیدہ رکھتے ہیں۔ جیسا کہ آپ نے اس مکتوب میں اور بعض دوسرے مکاتیب میں اس کی تصریح کی ہے۔ اگر اس مسئلہ کی مزید تحقیق وتفصیل مطلوب ہو تو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ کی کتاب الدولۃ المکیہ، خالص الاعتقاد، رسالہ انباء المصطفیٰ اور صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الکلمۃ العلیا اور رسالہ نجم الرحمٰن وغیرہ کا مطالعہ فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ انبیاءؑ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے کمالات کی تصدیق اور ان کی عظمت وبزرگی کی سعادت سے سب کو سرفراز فرمائے۔ اور ضد وعناد اور بد عقیدگی سے بچائے۔ مترجم غفرلہٗ۔

مکتوب نمبر ۲۱۱

منظہر فیضِ الٰہی اور منظرِ اسرارِ نامتناہی مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید سلمہ اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا:

بطور رمز و اشارہ پوشیدہ اسرار، نادر حقائق کے بیان میں۔

یہ اسرار حروفِ مقطعات سے تعلق رکھتے ہیں۔ جو قرآنی متشابہات ہیں۔ کہ علمائے راسخین کو ان کی تاویل پر آگاہ کیا گیا ہے ۔[۱]

ھائے دو چشمی است مربّی ما　　　　ہم چو الف رب حبیب خُدا

لام مربی خلیل اللہ است　　　　میم ز تدبیر کلیم آگہ است!

حضرت کلیم علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کاروبار کا میداء الف کی حقیقت ہے۔ اور اس فقیر کے معاملے کا مبداء بھی وراثت اور تبعیت کے طور پر یہی حقیقت الف ہے۔ لیکن حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کا رجوع حقیقت میم کی طرف ہے۔ اور اس فقیر کا رجوع ھائے دو چشمی کی حقیقت کی طرف۔ اس وقت میرا مرجع اور میری جائے پناہ یہی ھا کی حقیقت ہے۔ یہ حقیقت وہی ہے کہ جسے غیب ہُوِیّت سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور یہ حقیقتِ رحمت کا خزانہ ہے۔ ایک رحمت جو دنیا میں پھیلائی گئی ہے۔ اور ۹۹ رحمتیں جو آخرت کے لیے بطور ذخیرہ امانت کے طور پر رکھی گئی ہیں۔ ان سب کی یہی حقیقت ہے۔ گویا اس مخزن رحمت کا ایک چشمہ دنیا ہے۔ اور خزانہ رحمت کا دوسرا چشمہ آخرت ہے۔ ارحم الراحمین کی صفت اسی حقیقت سے پھوٹتی ہے۔ آخرت میں صرف جمال کا ظہور ہے۔ جس کی طرف جلال کے شائبے نے بھی راہ نہیں پائی۔ دنیا میں دوستوں کو محنت اور غم کی قسم سے جو بھی دیتے ہیں۔ جلال کی صورت میں جمال کی تربیت ہی ظاہر ہوئی ہے۔ اور دنیا میں دشمنوں کو نعمت اور سرور کی جنس سے جو کچھ دیتے ہیں وہ دراصل جمال کی صورت میں جلال کو ظاہر کیا گیا ہے۔ یہی اللہ جل جلالہ کی خفیہ تدبیر ہے۔ جس کے ساتھ بہت لوگوں کو گمراہ کرتا ہے، اور بہت کو ہدایت کرتا ہے۔

اور حضرت خاتم الرسل علیہ و علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے کاروبار کا مبداء وہ حقیقت ہے۔ جو الف کی حقیقت سے اوپر ہے۔ اور اسی طرح حضرت خلیل علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مبداء بھی وہی فوقانی

---

[۱] (۱) دو چشمی ھائے ہماری مربی ہے۔ جس طرح الف حبیب خدا کا مربی ہے۔

(۲) لام حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا مربی ہے۔ اور میم کلیم اللہ کی تدبیر سے آگاہ ہے۔

حقیقت ہے۔

غایت مافی الباب یہ ہے کہ حضرت خاتم الرسل کی حقیقت کا مبداء اس حقیقت کا اجمال ہے۔ اور حضرت خلیل کی حقیقت کا مبداء اس حقیقت کی تفصیل ہے۔ علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات اتمہا واکملہا۔ اور حضرت خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کا رجوع حقیقت الف کی طرح ہے۔ اور حضرت خلیل علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کا رجوع حقیقت لام کی طرح۔ ہاں اجمال کو وحدت کے ساتھ بہت زیادہ مناسبت ہے۔ اس بنا پر لازماً الف کی طرف رجوع میسر آیا۔ جو وحدت کے قریب ہے۔ اور تفصیل کثرت کے ساتھ زیادہ تر مناسبت رکھتی ہے اس لیے اس کا رجوع لازماً لام کی طرف ہے۔ جو کثرت کے نزدیک ہے اسی بنا پر انہیں کثرت کے ساتھ مناسبت حاصل ہوئی۔

پس حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام مبداء میں بھی کثیر البرکت ہیں۔ اور معاد اور مرجع میں بھی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت سید البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام وہ صلوٰۃ اور برکت جو حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی صلوٰۃ و برکت کی طرح ہو اللہ سے اس کی درخواست کرتے ہیں۔ اور اللہ کے اسماء میں کہ ان کا رتبہ رتبہ صفات سے اوپر ہے۔ حضرت خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کا رب اسم مبارک اللہ ہے۔ تعالیٰ شانہٗ اور اس حقیر کا رب اسم مبارک الرحمٰن ہے۔ جل وعلا، اور جب اس حقیر کو مبدائیت میں حضرت کلیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مناسبت ہے تو لازماً حضرت کلیم سے بہت سی برکات اس حقیر کو پہنچی ہیں۔ اگرچہ اس حقیر کی ولایت موسوی ولایت نہیں ہے۔ تاہم اس ولایت کی برکات سے پُر ہے۔ اور بہت سی ترقیات اس راہ سے حاصل کی ہیں۔ اس حقیر نے اس ولایت سے جو استفادہ کیا ہے۔ اس ولایت کے راہ اجمال سے کیا ہے۔ اور میرے فرزند کلاں (خواجہ محمد صادق قدس سرہٗ) علیہ الرحمۃ نے اس ولایت سے تفصیلاً استفادہ کیا ہے۔ اس فقیر کی ولایت جو ولایت موسوی سے مستفاد ہے۔ اُس ولایت کے مشابہ ہے جو آل فرعون کے رجلِ مومنؑ کو حاصل تھی۔ اور میرے فرزند علیہ الرحمۃ کی ولایت فرعون کے جادوگروں کی ولایت کے مشابہ ہے۔ جو ایمان لائے۔ والسلام

مکتوب نمبر ۳۱۲

میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا:۔

ان کے سوالات کے جواب میں جو انہوں نے پوچھے تھے۔ اور ان میں سے ایک سوال، التحیات میں انگلی شہادت

اٹھانے کی تحقیق ہے اور اس امر کا بیان ہے کہ اس بارے میں علمائے حنفیہ کا مختار مذہب کیا ہے؟

الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسّلام علیٰ سیّد المرسلین وعلیٰ اخوانہ

من الانبیاء والمرسلین والملٰئکۃ المقربین وعلیٰ عباد اللہ الصٰلحین اجمعین

آپ نے جو مکتوب شریف ملّا محمود کے ہاتھ روانہ کیا تھا، موصول ہوا۔ اور بہت خوشی کا باعث ہُوا۔ آپ نے پوچھا تھا۔ کہ علما فرماتے ہیں، کہ روضہ متبرکہ مدینہ منورہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی زمین مکہ معظمہ سے زیادہ افضل ہے۔ صورت اور حقیقت کعبہ معظمہ۔ صورت و حقیقت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کا مسجود ہونے کے باوجود روضہ متبرکہ کی زمین کیسے افضل ہو سکتی ہے۔ مخدوم گرامی! جو چیز فقیر کے نزدیک ثابت ہے، یہ ہے۔ کہ تمام جگہوں سے افضل جگہ، کعبہ معظمہ ہے۔ اس کے بعد روضہ مقدسہ۔ مدینہ پاک علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ۔ اس کے بعد مکہ شریف کی زمین حرم (اللہ تعالیٰ اسے آفات سے محفوظ رکھے۔) علما نے اگر روضہ متبرکہ کو کعبہ معظمہ سے افضل کہا ہے تو اس سے انکی مراد کعبہ مقدسہ کی زمین کے علاوہ مکہ معظمہ کی زمین ہوگی۔

نیز آپ نے اشارہ سبابہ کے اشارے کے جواز کے متعلق مولانا علم اللہ کا لکھا ہُوا رسالہ بھیجا ہے۔ اس بارے میں آپ کی طرف سے کیا حکم ہے؟

مخدوم گرامی! احادیث نبوی علیٰ مصدرہا الصلوٰۃ والسلام، جواز اشارہ سبابہ کے باب میں بہت وارد ہوئی ہیں۔ اور اس باب میں فقہ حنفی کی بھی بعض روایات آئی ہیں۔ جیسا کہ مولانا نے رسالے میں ان کا ذکر کیا ہے۔ اور جب فقہ حنفی کی کتابوں میں اچھی طرح مطالعہ کیا جاتا ہے۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ جواز اشارہ کی روایات اصول کے غیر اور ظاہر مذہب کے بھی غیر ہیں۔

اور وہ جو امام محمد شیبانی نے کہا ہے، کہ:

"رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم انگلی شہادت سے اشارہ کرتے تھے۔ اور ہم بھی اسی طرح کرتے ہیں۔ جس طرح حضور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کرتے تھے۔"

پھر امام محمد نے فرمایا:

"یہی میرا قول اور ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے۔"

روایات نوادر میں سے ہے نہ روایات اصول میں سے۔

فتاوٰی غرائب میں ہے کہ محیط میں لکھا ہے۔ کیا نمازی اپنے دائیں ہاتھ کی انگشت سبابہ سے اشارہ کرے؟ امام محمد نے اصل (مبسوط) میں اس مسئلے کا ذکر نہیں کیا۔

اور مشائخ کا اس میں اختلاف ہے۔ ان میں سے بعض کہتے ہیں۔ اشارہ نہ کریں اور بعض کہتے ہیں کہ کریں۔
اور امام محمد نے غیر روایت اصول میں ایک حدیث ذکر کی ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اشارہ کرتے تھے پھر امام محمد نے اس بارے میں فرمایا۔ یہی میرا اور ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے۔
اور کہا گیا ہے، کہ اشارہ سنت ہے۔ اور کہا گیا ہے۔ کہ مستحب ہے۔ پھر فتاویٰ غریب والے نے فرمایا۔ یہ وہ ہے جو علما نے ذکر کیا۔ اور صحیح یہ ہے کہ اشارہ حرام ہے
اور فتاویٰ سراجیہ میں ہے۔ اور مکروہ ہے، کہ نماز میں "اشھدان لا الہ الا اللہ" پر انگشت سبابہ سے اشارہ کریں۔ یہی مختار مذہب ہے۔
اور کبریٰ میں ہے، اور اسی پر فتویٰ ہے۔ کیونکہ نماز کی بنا سکون اور وقار پر ہے۔ اور فتاویٰ غیاثیہ میں ہے کہ تشہد کے وقت انگشت سبابہ سے اشارہ نہ کریں۔ یہی مختار ہے۔ اور اسی پر فتویٰ ہے۔
اور جامع الرموز میں ہے۔ نہ تو اشارہ کرے۔ اور نہ گرہ لگائے۔ اور ہمارے اصحاب کا یہی ظاہر اصول ہے۔ جیسا کہ زاہدی میں ہے۔ اور اسی پر فتویٰ ہے۔ جیسا کہ مضمرات اور ولوالجی اور خلاصہ وغیرہ میں ہے۔ اور ہمارے اصحاب سے منقول ہے۔ کہ وہ سنت ہے۔ خزانۃ الروایات میں تاتارخانیہ سے ایسا ہی آیا ہے۔ پھر جب تشہد شروع کرے۔ اور کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ پر پہنچے تو دائیں ہاتھ کی انگشت سبابہ سے اشارہ کرے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ اور مشائخ کا اس میں اختلاف ہے۔ کچھ کہتے ہیں کہ اشارہ نہ کریں۔ اور کبریٰ میں ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے۔ اور بعض کہتے ہیں، کہ اشارہ کرے۔ اور غیاثیہ میں ہے،" اور نہ اشارہ کرے۔ انگشت سبابہ کے ساتھ تشہد کے وقت۔ یہی مختار ہے۔
جب کہ معتبر روایات میں اشارے کی حرمت واقع ہو چکی ہے اور اشارے کے مکروہ ہونے پر فتویٰ دیا گیا ہے۔ اشارہ اور گرہ لگانے سے علما روکتے ہیں۔ اور اسے اپنے اصحاب کا ظاہر اصول بتاتے ہیں۔ تو ہم مقلدوں[1] کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ احادیث کے مقتضا کے مطابق عمل کر کے اشارہ کرنے کی جرأت کریں۔ اور اس قدر علما اور مجتہدین کے فتووں کے باوجود ایک حرام اور مکروہ اور ممنوع کام کا ارتکاب کریں۔
حنفیہ میں سے اشارہ سبابہ کا ارتکاب کرنے والا دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو ان علمائے مجتہدین کے لیے جواز اشارہ میں معروف احادیث کا علم تسلیم نہیں کرتا۔ یا ان کو ان احادیث کا عالم جانتا ہے۔ لیکن

[1] حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اس بیان سے صاف واضح ہے کہ آپ تقلید میں نہایت پختہ اور راسخ تھے جو لوگ آپ کی طرف یہ بات منسوب کرتے ہیں۔ کہ آپ مسئلہ تقلید میں راسخ نہیں تھے۔ بلکہ آزادی پسند تھے۔ انہیں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کی اس عبارت کو بار بار پڑھنا چاہیے۔ اور اس الزام سے باز رہنا چاہیے۔

ان بزرگوں کے لیے ان احادیث کے مطابق عمل جائز تسلیم نہیں کرتا۔ اور یہ خیال کرتا ہے کہ ان بزرگوں نے اپنے خیالات کے مطابق احادیث کے خلاف حرمت اور کراہت کا حکم صادر فرمایا ہے۔ یہ دونوں شقیں فاسد ہیں۔ انہیں وہی فاسد قرار دے گا جو بے وقوف ہو یا ضدی اور ترغیب الصلوٰۃ میں جو لکھا ہے کہ تشہد میں انگلی شہادت اُٹھانا علمائے متقدمین کی سنت ہے۔ لیکن متاخرین علما نے اس سے روکا ہے۔ اس وجہ سے کہ جب رافضیوں نے اس میں غلو کیا تو سنیوں نے ترک کر دیا۔ سنی پر رافضی ہونے کی تہمت کو دُور کرنے کے لیے اسے ترک کرنا معتبر کتابوں کی روایات کے خلاف ہے۔ اس لیے کہ ہمارے اصحاب کا ظاہر اصول عدم اشارہ اور عدم عقد ہے۔ تو عدم اشارہ علمائے متقدمین کی سنت ہوئی۔ اور وجہ ترک نفی تہمت نہ قرار پائی۔ ان اکابر کے ساتھ ہمارا حسن ظن یہ ہے کہ اس باب میں جب تک ان پر حرمت یا کراہت کی دلیل ظاہر نہیں ہوئی۔ حرمت یا کراہت کا انہوں نے حکم نہیں لگایا۔ جب کہ اشارے کے سنت اور مستحب ہونے کا ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں:

هٰذَا مَا ذَكَرُوْا وَالصَّحِيْحُ اَنَّ الْاِشَارَةَ حَرَامٌ۔ — یعنی یہ وہ ہے جو علما نے بیان کیا ہے اور صحیح یہ ہے کہ اشارہ حرام ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اشارے کی سنیت اور استحباب کے دلائل ان بزرگوں کے نزدیک درجہ صحت کو نہیں پہنچے۔ بلکہ اس کے خلاف ثابت ہوا ہے۔ غایت مافی الباب ہمیں اس دلیل کا علم نہیں ہے اور یہ معنی اکابر میں کسی عیب کو مستلزم نہیں ہے۔

اگر کوئی شخص کہے کہ ہم اس دلیل کے خلاف علم رکھتے ہیں۔ تو ہم کہیں گے کہ حلت و حرمت کے اثبات میں مقلد کا علم معتبر نہیں ہے۔ بلکہ اس باب میں مجتہد کے ظن کا اعتبار ہے۔ مجتہدین کے دلائل کو خانہ عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور کہنا بہت جرأت ہے۔ اور اپنے علم کو ان اکابر کے علم پر ترجیح دینا اور اصحاب حنفیہ کے ظاہر اصول کو باطل قرار دینا اور روایات معتبرہ مفتیٰ بہا کو درہم برہم کرنے اور شاذ کہنے کے مترادف ہے یہ اکابر احادیث کو قرب زمانہ نبوی، زیادتی علم اور ورع و تقویٰ سے آراستہ ہونے کی وجہ سے ہم دُور افتادوں سے بہتر جانتے تھے۔ اور احادیث کی صحت و سقم اور اُن کے نسخ و عدم نسخ کو ہم سے زیادہ پہچانتے تھے۔ انہیں ضرور کوئی معتبر دلیل ملی ہو گی۔ تب ہی انہوں نے ان احادیث علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے مقتضیٰ کے موافق عمل نہیں کیا۔ ہم کم فہم اس قدر سمجھتے ہیں۔ کہ کیفیت اشارہ و عقد کی احادیث کے راوی آپس میں بہت مختلف ہیں۔ اور ان کے کثرت اختلاف نے نفس اشارہ میں ہی اضطراب پیدا کر دیا ہے چنانچہ بعض روایات سے مفہوم ہوتا ہے۔ کہ آپ نے اشارہ بغیر گردہ کے فرمایا ہے۔ اور جو عقد کے متعلق کہتے ہیں

تو ان میں سے بھی بعض روایت کرتے ہیں۔ کہ ترپن کا عقد تھا۔ اور بعض دوسرے روایت کرتے ہیں کہ تیئس کا عقد تھا۔ اور بعض نے خنصر (چھینگلیا) اور اس کے ساتھ والی انگلی کے بند کرنے اور انگوٹھے کا درمیانی انگلی کے ساتھ حلقہ بنا کر اشارہ سبابہ کی روایت کی۔ اور ایک روایت میں صرف انگوٹھے کو درمیانی انگلی پر رکھ دینے کو ہی اشارہ قرار دے دیا گیا۔ اور ایک روایت میں آیا ہے۔ کہ دائیں ہاتھ کو بائیں ران پر رکھ کر اور بائیں ہاتھ کو دائیں پاؤں پر رکھ کر اشارہ کرتے تھے۔ اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ۔ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کی پشت پر اور پہنچے کو پہنچے پر اور کلائی کو کلائی پر رکھ کر اشارہ کرتے تھے اور بعض روایات میں آیا ہے کہ تمام انگلیوں کو بند کر کے اشارہ کرتے تھے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے، کہ اشارہ انگشت سبابہ کو حرکت دینے کے بغیر ہوتا تھا۔ اور بعض دوسری روایات حرکت کے ساتھ اشارے کا اثبات کرتی ہیں۔ نیز بعض روایات میں واقع ہوا ہے کہ تشہد پڑھنے کے وقت اشارہ فرماتے تھے۔ لیکن کس لفظ پر اشارہ فرماتے تھے۔ اس کا کوئی تعین نہیں۔ اور بعض دوسری احادیث میں آیا ہے کہ اشارہ کلمہ شہادت پڑھنے کے وقت ہوتا تھا۔ اور بعض دوسری روایات میں وقت دعا سے مقید کیا گیا ہے۔ جب کہ آپ فرماتے تھے۔

يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلٰى دِيْنِكَ۔ یعنی اے دلوں کے پھیرنے والے میرے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھ۔

اور جب کہ علمائے حنفیہ نے اشارہ کے بجالانے میں راویوں کے اضطراب و اختلاف کو دیکھا۔ تو نماز میں ایک زائد فعل خلاف قیاس کو ثابت نہیں کیا۔ کیونکہ نماز کی بنا سکون و وقار پر ہے۔ نیز حتی الامکان انگلیوں کو جانب قبلہ کی طرف رکھنا سنت ہے۔ جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

فَلْيُوَجِّهْ مِنْ اَعْضَائِهِ الْقِبْلَةَ مَا اسْتَطَاعَ۔ نمازی کو چاہیے کہ اپنی استطاعت کے مطابق اپنے اعضا کو قبلے کی طرف پھیرے۔

اگر یہ کہیں کہ اختلاف اس وقت اضطراب پیدا کرتا ہے۔ جبکہ درمیان میں موافقت ممکن نہ ہو۔ اور اس مسئلہ میں موافقت ممکن ہے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے۔ کہ تمام روایات کو اوقات مختلفہ میں کیا ہو۔ تو ہم جواب میں کہیں گے۔ کہ بہت سی روایات میں لفظ کَانَ واقع ہوا ہے۔ جو غیر مناطقہ کے نزدیک حروف کلیہ میں سے ہے۔ لہٰذا موافقت ممکن نہیں۔

اور وہ جو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ "اگر کوئی حدیث میرے قول کے مخالف پاؤ تو میرے قول کو چھوڑ دو۔ اور حدیث پر عمل کرو" تو اس حدیث سے مراد، وہ حدیث ہے جو حضرت امام کو نہ پہنچی ہو۔ اور اس حدیث کو نہ جاننے کی بنا پر اس کے خلاف حکم فرمایا ہے۔ اور اشارے کی احادیث اس قبیلہ سے

نہیں ۔ اور مشہور احادیث ہیں۔ اور نہ جاننے کا احتمال نہیں ۔

سوال :

اگر کہیں کہ علمائے حنفیہ نے، جوازِ اشارہ کا فتوٰی دیا ہے۔ للذا متعارض فتاوٰی کے مطابق جس بات پر بھی عمل کر لیا جائے جائز ہے ؟

جواب :

ہم کہتے ہیں کہ اگر جواز اور عدم جواز اور حلت و حرمت میں تعارض واقع ہو تو تعارض کی صورت میں ترجیح عدمِ جواز اور جانب حرمت کو ہوتی ہے ۔ نیز شیخ ابن ہمام نے رفع یدین کی بحث میں فرمایا ہے۔ کہ رفع اور عدم رفع کی احادیث متعارض ہیں ۔ ہم قیاس کے ساتھ عدم رفع کی احادیث کو ترجیح دیتے ہیں ۔ کیونکہ نماز کی بنا سکون اور خشوع پر ہے۔ جو بالاجماع مطلوب اور پسندیدہ ہے ۔

اور شیخ ابن ہمام پر تعجب ہے کہ اس نے کہا۔ کہ بہت سے مشائخ سے عدم اشارہ منقول ہے ۔ لیکن وہ روایت اور روایت کے خلاف ہے، کہ ابن ہمام نے علمائے مجتہدین کی طرف جاہل ہونے کی کس طرح نسبت کر دی ۔ حالاں کہ وہ قیاس سے دلیل لا رہے ہیں ۔ جو شرع کا چوتھا اصل ہے۔ اور وہ حنفیہ کے نزدیک ظاہر مذہب اور ظاہر روایت ہے ۔ حالانکہ اسی شیخ نے تحلیقین کی حدیث کو راویوں کے کثرتِ اختلاف سے حاصل ہونے والے اضطراب کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے ۔

میرے فرزند ارشد محمد سعید اس بات میں ایک رسالہ لکھ رہے ہیں ۔ تیار ہونے پر ان شاء اللہ تعالیٰ ارسال کیا جائے گا۔

نیز آپ نے پوچھا تھا ، کہ ہمارے طریقہ کے طالب ہر طرف سے جمع ہو چکے ہیں ۔ کسی بھی مقام پر جرأت نہیں کی ۔ اور کسی سے نہیں کہا ۔ کہ سر حلقہ بنیں ۔ جو اشارہ ہو۔ اور جسے اُس کام کے مناسب جانیں تو فرمادیں کہ سر حلقہ جماعت بن جائے تو اس کا جواب یہ ہے ۔ کہ یہ کام تمہاری صواب دید کے سپرد ہے ۔ استخارہ اور توجہ کے بعد حکم فرمادیں ۔ وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَعَلٰی مَنْ لَّدَیْکُمْ۔

مکتوب نمبر ۳۱۳

خواجہ محمد ہاشم کی طرف صادر فرمایا :

اس کے ان سوالات کے حل میں ۔ جو اس نے لکھے تھے :۔

سوال ۱:۔ کیا صحابہ کرام کے کمالات فنا و بقا اور سلوک و جذبہ کے ساتھ والبستہ تھے یا نہیں؟

سوال ۲ :۔ یہ ہے کہ بلند مرتبہ طریقہ نقشبندیہ میں ریاضتوں سے منع کرتے ہیں۔ اور نقصان دہ جانتے ہیں۔ حالانکہ آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے ریاضاتِ شاقہ برداشت کیں؟

سوال ۳ :۔ یہ طریقہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف کیوں منسوب ہے؟

سوال ۴ : ایک مکتوب میں آپ نے لکھا ہے کہ طالب کو ولایت موسوی سے ولایت محمدی کی طرف تصرف سے نہیں لایا جاسکتا۔ اور دوسرے مکتوب میں آپ نے فرمایا کہ اسے محمد ہاشم میں تمہیں ولایت موسوی سے ولایت محمدی کی طرف لایا ہوں۔ ان دو متضاد باتوں میں کیسے موافقت ہوسکتی ہے؟

سوال ۵ :۔ کرتہ پیش چاک پہننا چاہیے۔ یا وہ کرتہ جس کا چاک سینے کی طرف نہ ہو۔ بلکہ حلقہ گریبان ہو؟

سوال ۶ :۔ نفی و اثبات کی توجہ۔ احدیت کی توجہ کے ساتھ کیسے جمع ہوسکتی ہے؟

سوال ۷ :۔ جب نفی و اثبات کا ذکر دل سے کیا جائے۔ تو لا کو اوپر کی طرف کیوں لے جاتے ہیں اور اللہ کو دائیں جانب کیوں لاتے ہیں؟

اور اس مکتوب کے آخر میں پیر کے آداب کی رعایت کا بیان فرمایا ہے۔ اور فرمایا کہ مکتوبات شریف کے اس دفتر اوّل کو اسی مکتوب پر ختم کریں۔ اور تین سو تیرہ کے عدد کی رعایت کریں۔ کیونکہ یہ عدد پیغمبران مرسل علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات اور اہل بدر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے عدد کے موافق ہے۔ اور فرمایا ہے۔ کہ اس مکتوب کے خاتمہ میں مخدوم زادہ کلاں (خواجہ محمد صادق) علیہ الرحمۃ والغفران نے جو عرض داشتیں لکھی ہیں۔ لکھ دیں۔ تاکہ انہیں پڑھنے والے دعا اور فاتحہ میں انہیں بھی یاد رکھیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۵

بعد الحمد والصلوٰۃ و تبلیغ الدعوات۔ برادرم جناب خواجہ محمد ھاشم پر واضح ہو۔ کہ وہ سوالات جن کے حل کا مطالبہ آپ نے میر سید محب اللہ کے مکتوب میں کیا ہے۔ ان کے جواب میں جو کچھ معلوم تھا لکھ کر بھیج دیا گیا ہے۔

سوال اوّل کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ قرب الٰہی جل سلطانہٗ فنا فی اللہ و بالبقا باللہ اور تمام مقامات جذبہ و سلوک کے طے کرنے کے مطابق ہے۔ صحابہ کرام حضرت خیر الانام علیہ و علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ایک ہی صحبت سے اولیائے امت سے افضل ہوگئے۔ آیا انہیں یہ سیر و سلوک اور فنا و بقا اسی ایک صحبت میں میسر آگیا یا صرف وہ ایک صحبت تمام سیر و سلوک سے افضل تھی۔ دوسرے یہ کہ صحابہ کرام کی فنا و بقا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی توجہ اور تصرف کی برکت سے تھی۔ یا صرف اسلام لانے کی وجہ سے۔ نیز انہیں سلوک و جذبہ کا علم حالاً و مقاماً تھا یا نہیں۔ اگر تھا تو اسے کس نام سے تعبیر کرتے تھے۔ اور اگر سلوک و تصوف کا طریقہ نہیں تھا۔ تو پھر اُسے بدعت حسنہ کہنا

چاہیے یا نہیں؟

جواب :۔

خواجہ محمد ھاشم جان لیں۔کہ اس مشکل کا حل صحبت[1] سے والستہ ہے۔اور خدمت پر موقوف ہے۔اس لیے کہ جو بات اس مدت میں کسی نے بیان نہیں کی۔ وہ ایک ہی بار لکھنے سے تمہاری سمجھ میں کیسے آئے گی۔لیکن چوں کہ آپ نے سوال کیا ہے۔اس لیے جواب سے چارہ نہیں۔ضرورتاً اجمال کے طور پر اس کا حل کرتا ہوں۔ کان لگا کر سنیں۔

وہ قرب جو فنا و بقا اور سلوک و جذبہ سے والستہ ہے،قرب ولایت ہے۔کہ اولیائے امت اس سے مشرف ہوئے ہیں۔اور جو قرب صحابہ کرام کو صحبتِ خیر الانام علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام میں میسّر آیا،قرب نبوت ہے۔جو تبعیت اور وراثت کے طور پر انہیں حاصل ہوا۔اس قرب میں نہ فنا ہے نہ بقا۔نہ جذبہ ہے اور نہ سلوک۔اور یہ قرب قرب ولایت سے کئی مرتبے اعلیٰ اور افضل ہے۔کیونکہ یہ قرب قرب اصالت ہے اور وہ قرب قرب ظلیت دونوں میں بہت فرق ہے۔لیکن ہر شخص کا فہم اس معرفت کے ادراک تک نہیں پہنچ سکتا۔نزدیک ہے۔کہ خواص بھی اس معرفت کے سمجھنے میں عوام کے ساتھ شریک ہوں[2]

گر بوعلی نوائے قلندر نواختے

صوفی بدے ہر آنکہ بہ عالم قلندر است

ھاں اگر قرب نبوت کے کمالات کی بلندی کی طرف قرب ولایت کے راستے سے عروج واقع ہو تو فنا و بقا اور جذبہ و سلوک سے چارہ نہیں۔کیونکہ یہ اس قرب کے مقدمات اور اسباب ہیں۔اور اگر اس راہ سے نہ چلے اور شاہراہِ قرب نبوت سے گئے ہیں۔اس لیے وہ جذبہ و سلوک اور فنا و بقا سے سروکار نہیں رکھتے تھے۔اس معرفت کا بیان میرے اس مکتوب سے جو مولانا امان اللہ کے نام لکھا ہے۔تلاش کریں۔اور اس فقیر نے اپنے مکتوبات ورسائل میں جہاں جہاں یہ لکھا ہے،کہ میرا معاملہ سلوک و جذبہ سے وراء اور تجلیات ظہورات سے بھی وراء ہے۔اس سے یہی قرب مراد ہے۔میں اپنے خواجہ قدس سرہٗ کی خدمت میں تھا کہ اس دولت نے ظہور فرمایا۔اس عبارت کے ساتھ حضرت ایشاں کی خدمت میں میں نے عرض کیا تھا تو مجھ پر ایک چیز ظاہر ہوئی کہ سیر انفسی اس عمل کی نسبت سیر افاقی کی طرح ہے۔اس عبارت سے زیادہ اس

---

[1] یعنی مدت دراز تک شیخ کامل مکمل کی صحبت سے مشرف رہنے اور ایسے شیخ کی خدمت بجالانے سے ہی پورے طور پر اس عقدہ کا حل معلوم ہو سکتا ہے۔

[2] اگر بوعلی قلندرانہ آواز سے نغمہ سرائی کرتا،تو جہان میں ہر قلندر صوفی بن جاتا۔

دولت کی تعبیر کے لیے طاقت نہیں پاتا تھا۔ کئی سال کے بعد یہ عجیب معاملہ صاف ہوا۔ اور مجمل عبارتوں کے ساتھ تحریر میں لایا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدَانَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَا اَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ۔

پس عبارت فنا و بقا اور جذبہ وسلوک نئی پیدا شدہ اور مشائخ کی ایجاد کردہ چیز ہے۔ مولوی جامی علیہ الرحمۃ نفحات میں لکھتے ہیں۔ کہ سب سے پہلے جس شخص نے فنا و بقا کا لفظ زبان سے نکالا ہے، ابوسعید خراز ہے قدس سرہٗ۔

سوال دوم کا خلاصہ یہ ہے کہ بلند مرتبہ طریقہ نقشبندیہ میں متابعت سنت کا التزام ہے۔ حالاں کہ آں سرور علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوٰۃ والسلام نے عجیب ریاضتیں اور شدید قسم کی بھوک برداشت کی۔ اور اس طریقہ میں ریاضتوں سے منع کرتے ہیں۔ بلکہ ریاضتوں کو صورتوں سے تعلق رکھنے والے کشفوں کے ظہور کی وجہ سے مضر جانتے ہیں۔ یہ معاملہ عجیب دکھائی دیتا ہے کہ متابعت سنت میں نقصان کا احتمال کیسے متصور ہو سکتا ہے؛

جواب:

اے محبت کے نشانات والے۔ کس نے کہا ہے۔ کہ اس طریقے میں ریاضتیں ممنوع ہیں۔ اور آپ نے کہاں سے سن لیا ہے۔ کہ یہ بزرگ ریاضتوں کو مضر جانتے ہیں۔ اس لیے کہ اس طریقہ میں نسبت کی دوام محافظت، متابعت سنت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کا التزام اور احوال کے پوشیدہ رکھنے میں کوشش، اعتدال کو اختیار کرنا۔ اور خورد ونوش اور لباس وغیرہ میں حد اعتدال کی رعایت، ریاضات شاقہ اور مجاہدات شدیدہ میں سے ہے۔ نہایۃ ما فی الباب یہ ہے کہ عوام کالانعام ان امور کو ریاضات میں شمار نہیں کرتے۔ اور مجاہدات میں سے نہیں جانتے۔ ان کے نزدیک ریاضت ومجاہدہ بھوک میں منحصر ہے اور زیادہ بھوکا رہنا ان کی نگاہ میں بہت زیادہ وقعت رکھتا ہے۔ اس لیے کہ ان حیوان صفت لوگوں کے نزدیک کھانا پینا ہی تمام ضروری امور سے زیادہ ضروری ہے۔ اور بڑے مقاصد میں سے ہے۔ تو اس کا چھوڑ دینا ان لوگوں کے نزدیک ریاضت شاقہ اور مجاہدہ شدیدہ متصور ہوتا ہے۔ بخلاف نسبت کی ہمیشہ حفاظت اور متابعت سنت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ کی پابندی اور اس طرح کی اور باتوں کی عوام کی نظر میں کوئی قدر و وقعت نہیں۔ اس لیے ان کے ترک کو برا جانتے ہوئے ان امور کے حاصل کرنے کو ریاضتیں قرار دیں۔ پس اس طریقے کے اکابر پر لازم ہے کہ اپنے احوال کو چھپانے کی کوشش کرتے رہیں۔ اس ریاضت کو ترک کر دیں جو عوام کی نظر میں عظیم القدر ہے۔ اور قبولیت خلق کا باعث اور شہرت کو مستلزم اور اپنے اندر فتنے کو چھپائے ہوئے اور خرابی پیدا کرنے کا باعث ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم نے فرمایا ہے:

بِحَسْبِ امْرِءٍ مِّنَ الشَّرِّ اَنْ يُّشَارَ اِلَيْهِ بِالْاَصَابِعِ فِيْ دِيْنٍ اَوْ دُنْيَا اِلَّا مَنْ عَصَمَهُ اللّٰهُ۔

برائی میں سے یہ بات انسان کے لیے کافی ہے کہ انگلیوں سے دین میں یا دنیا میں اس کی طرف کیے جائیں گے۔ مگر وہ جس کو اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔

(مشکوٰۃ شریف)

فقیر کے نزدیک بہت زیادہ بھوک برداشت کرنا کھانے پینے کی اشیا میں حدِ اعتدال کی رعایت رکھنے کی نسبت زیادہ آسان اور سہل ہے۔ اور یہ فقیر بھی اعتقاد رکھتا ہے کہ حد اعتدال کی رعایت کی ریاضت کثرت جوع کی رعایت سے زیادہ ہے۔

حضرت والد بزرگوار قدس سرہ فرمایا کرتے تھے۔ کہ میں نے علم سلوک میں ایک رسالہ دیکھا ہے جس میں لکھا ہوا تھا۔ کہ کھانے پینے کی اشیا میں اعتدال کی رعایت کرنا اور درمیانی حد کو نگاہ رکھنا مطلوب تک پہنچنے کے لیے کافی ہے۔ اس رعایت کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے کسی ذکر و فکر کی حاجت نہیں۔ بلاشبہ کھانے پینے اور کپڑوں بلکہ تمام امور میں حد اعتدال اور میانہ روی پر قائم رہنا بہت ہی اچھا ہے ؎

نہ چنداں بخور کز دھانت بر آید[1]
نہ چنداں کہ از ضعف جانت بر آید

حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو چالیس مردوں کی قوت عطا فرمائی تھی اور آپ اس قوت کی وجہ سے سخت بھوک کو برداشت کر لیتے تھے۔ اور صحابہ کرام بھی خیر البشر علیہ و علیہم الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی صحبت کی برکت سے اس بوجھ کو اٹھا لیتے تھے۔ اور ان کے اعمال و افعال میں کسی قسم کی سستی اور خلل واقع نہیں ہوتا تھا۔ اس طرح کی شدید بھوک کے باوجود دشمنوں کے خلاف جنگ کرنے کی ایسی قدرت رکھتے تھے۔ کہ پیٹ بھر کر کھانے والے اس کے دسویں حصے کو نہیں پہنچ سکتے تھے۔ اسی لیے یہ بات تھی۔ کہ صبر کرنے والے بیس[2] صحابہ دو سو پر غالب آئے تھے۔

اور غیر صحابہ میں سے بھوک کی مشقت اٹھانے والے نزدیک ہے۔ کہ سنتیں اور مستحبات ادا کرنے سے بھی عاجز رہیں۔ بلکہ بسا اوقات یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بمشکل ادائے فرائض سے عہدہ برآ ہوں قدرت کے بغیر اس بارے میں صحابہ کرام کی تقلید کرنا دراصل سنتوں اور فرائض کی ادائیگی سے اپنے آپ کو عاجز کرتا ہے۔

---

[1] نہ اتنا زیادہ کھا کہ منہ سے باہر آنے لگے۔ اور نہ اتنا کم کہ کمزوری سے جان ہی نکل جائے۔

[2] جیسا کہ سورہ انفال میں ہے۔ ترجمہ، اے مومنو! اگر تم میں سے صبر کرنے والے بیس آدمی ہوں گے تو وہ دو سو پر غالب آئیں گے۔ اور اگر تم میں سے ایک سو ہوں گے تو وہ دو ہزار کافروں پر غالب آئیں گے۔

منقول ہے کہ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنحضور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی تقلید میں صومِ وصال[۱] اختیار فرمایا۔ اور ضعف و کمزوری سے بے اختیار زمین پر گر پڑے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بطور اعتراض فرمایا تم میں سے میری مثل کون ہو سکتا ہے۔ میں رات کو اپنے پروردگار کے پاس ہوتا ہوں۔ کھانا پینا وہاں کھاتا ہوں۔ تو آپ نے قدرت کے بغیر تقلید کرنا اچھا قرار نہ دیا۔

نیز صحابہ کرام حضرت خیر الانام علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی صحبت کی برکت سے کثرتِ بھوک کے خفیہ نقصانات سے محفوظ اور مامون تھے۔ اور دوسروں کو یہ حفظ و امن میسر نہیں ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے۔ کہ کثرتِ جوع (بھوک) بے شک صفائی بخش ہے۔ ایک گروہ کو قلب کی صفائی حاصل ہوتی ہے۔ اور دوسرے گروہوں کو نفس کی صفائی۔ قلب کی صفائی۔ ہدایت اور نور میں اضافہ کرتی ہے اور نفس کی صفائی گمراہی اور تاریکی میں اضافہ کرتی ہے۔

فلاسفہ یونان اور ہندوستان کے جوگیوں اور برہمنوں سب کو بھوک کی ریاضت نے صفائی نفس عطا کی۔ اور گمراہی اور نقصان کا راستہ دکھایا۔ بے عقل افلاطون نے اپنی صفائی نفس پر اعتماد کرتے ہوئے خیالی اور کشفی صورتوں کو اپنا پیشوا ٹھہرایا۔ اور خود بینی اختیار کی۔ اور حضرت عیسیٰ روح اللہ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام پر جو اس وقت خدا کی طرف سے نبی برحق تھے۔ ایمان نہ لایا۔ اور کہنے لگا:

"ہم ہدایت یافتہ قوم ہیں ہمیں کسی ہادی کی ضرورت نہیں"

اگر اس کے نفس کی یہ صفائی ظلمت اور تاریکی میں اضافہ کرنے والی نہ ہوتی تو کشفی خیالی صورتیں اس کے لیے راستے کی رکاوٹ نہ بنتیں اور اُسے مطلب تک پہنچنے سے نہ روکتیں۔ لیکن اس نے اپنی اس صفائی کے گمان میں پڑ کر اپنے آپ کو نورانی تصوّر کر لیا۔ افلاطون نے یہ نہ جانا۔ کہ یہ صفائی نفس امارہ کے باریک چمڑے سے آگے نہیں گزر سکی۔ اور اس کا نفس امارہ اپنی پہلی نجاست اور خباثت پر قائم ہے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں ہوا کہ نجاست غلیظہ پر شکر کا باریک غلاف چڑھ گیا۔

قلب جو اپنی ذات میں پاکیزہ اور نورانی ہے۔ اس کے چہرے پر زنگ اور میل کچیل تاریک نفس کی ہمسائگی سے بیٹھ گیا۔ تھوڑی سی صفائی سے اپنی اصلی حالت کی طرف لوٹ کر آسکتا ہے۔ اور نورانی ہو جاتا ہے بخلاف نفس کے۔ کیونکہ وہ اپنی فطرت اور جبلّت میں خبیث ہے۔ تاریکی اس کی ذاتی صفت ہے۔ جب تک قلب کی ریاست کے تحت بلکہ مطابقت سنت اور اتباع شریعت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ بلکہ محض فضل خداوندی جلّ سلطانہ سے مزکی اور مطہر نہ ہو۔ اس کا خبث ذاتی دور نہیں ہو سکتا۔ اور اس کی فلاح

---

[۱] صومِ وصال یہ ہے کہ بغیر افطار کیے کئی کئی دن مسلسل روزے رکھنا۔ ایسے روزے حضور علیہ السلام کی خصوصیت تھی

بہبود متصور نہیں ہو سکتی۔ افلاطون نے کمال نادانی کے باعث اپنی صفائی کو جو نفس امارہ سے تعلق رکھتی تھی، صفائی قلب عیسوی کی طرح خیال کیا۔ اس بنا پر خواہ مخواہ اپنے آپ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح مہذب اور پاک خیال کر لیا۔ اور حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دولت متابعت سے محروم رہا۔ اور نقصان ابدی کے داغ سے داغدار ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ سبحانہٗ ہمیں اس بلا سے پناہ میں رکھے۔

اور جب یہ نقصان بھوک کی تہ میں پوشیدہ ہے تو اس طریقہ کے اکابر قدس اللہ واسرارھم نے ریاضت بھوک کو ترک کر کے کھانے پینے کی چیزوں میں ریاضت اعتدال اور میانہ روی کے مجاہدے کا راستہ دکھایا اور بھوک کے فائدوں کو اس عظیم الخطر نقصان کے احتمال کے باعث ترک کر دیا۔ دوسرے لوگوں نے بھوک کے فوائد کا ملاحظہ کرتے ہوئے اس کے نقصانات سے آنکھ بند کر لی۔ اور بھوک کی ترغیب دینے میں مصروف ہو گئے۔ عقل مندوں کے نزدیک یہ بات طے شدہ ہے۔ کہ نقصان کے احتمال کی خاطر منافع کثیرہ کو چھوڑا جا سکتا ہے۔

اسی گفتگو کے نزدیک ہے وہ بات جو علمائے کرام شَکَرَ اللہُ سَعْیَھُمْ نے فرمائی ہے۔ کہ اگر ایک کام سنت اور بدعت کے درمیان دائر ہو تو ادائے سنت سے ترک بدعت بہتر ہے۔ یعنی بدعت میں نقصان کا احتمال ہے۔ اور سنت میں نفع کی توقع۔ تو ضرر کے احتمال کو نفع کی توقع پر ترجیح دیتے ہوئے بدعت کو چھوڑ دینا چاہیے۔ کیونکہ کوئی عجب نہیں کہ ادائے سنت میں کسی اور راستے سے نقصان واقع ہو جائے۔ اس بات کی حقیقت یہ ہے۔ کہ وہ سنت گویا حضور علیہ السلام کے زمانے کے ساتھ خاص ہے۔ جبکہ وقت کی اس تعیین کو باریکی اور خفا کے سبب ایک گروہ نے پایا۔ تو اس کی تقلید میں سبقت کرنے لگے۔ اور دوسرے گروہ نے اس تعیین کو جانتے ہوئے اس کی تقلید سے کنارہ کشی اختیار کی۔ وَاللہُ سُبْحَانَہٗ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَۃِ الْحَالِ۔

تیسرے سوال کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ اس بلند طریقہ کے اکابر کی کتابوں میں ہے۔ کہ ہماری نسبت حضرت صدیق اکبر سے منسوب ہے۔ بخلاف دوسرے طریقوں کے۔ اگر کوئی مدعی یہ کہے۔ کہ اکثر طریقے امام جعفر صادق تک پہنچتے ہیں۔ اور حضرت امام جعفر صادق حضرت صدیق اکبرؓ سے نسبت رکھتے ہیں۔ تو دوسرے سلسلے کیوں حضرت صدیق اکبرؓ کی طرف منسوب نہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت امام جعفر، صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی نسبت رکھتے ہیں۔ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی۔ اور حضرت امام میں ان دو بلند نسبتوں کے اجتماع کے باوجود ان میں ہر نسبت جدا اور ایک دوسرے سے متمیز ہے۔ ایک جماعت نے مناسبت صدیقی کے واسطے سے حضرت امام سے نسبت صدیقی اخذ کی ہے۔ اور حضرت صدیق کی طرف منسوب

ہوئے ہیں۔ اور ایک دوسری جماعت نسبت امیری (حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے واسطہ سے نسبت امیری اخذ کر کے حضرت امیر کی طرف منسوب ہوئی ہے۔

یہ فقیر ایک تقریب کے سلسلے میں ضلع بنارس میں گیا ہوا تھا۔ جہاں گنگا اور جمنا کا پانی جمع ہوتا ہے اور اس اجتماع کے باوجود محسوس ہوتا ہے۔ کہ گنگا کا پانی الگ ہے۔ اور جمنا کا الگ۔ ایسے طور پر کہ گویا دونوں کے درمیان کوئی چیز حائل ہے۔ کہ ایک کا پانی دوسرے سے خلط ملط نہیں ہوتا۔ جو لوگ دریائے گنگا کے پانی کی جانب واقع ہیں۔ وہ اس جمع شدہ پانی سے دریائے گنگا کا پانی پیتے ہیں۔ اور دوسرے لوگ جو دریائے جمنا کی جانب رہتے ہیں، وہ جمنا کا پانی پیتے ہیں۔

سوال :

اگر کہیں کہ حضرت خواجہ محمد پارسا قدس سرہٗ نے رسالہ قدسیہ میں تحقیق کی ہے۔ کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جس طرح حضرت رسالت خاتمیت علیہ وعلیٰ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ سے تربیت حاصل کی ہے۔ اسی طرح حضرت صدیق اکبرؓ سے بھی تربیت پائی۔ لہٰذا نسبت حضرت امیر عین حضرت صدیق رضؓ کی نسبت ہے اور ان دونوں میں کیا فرق کیا جا سکتا ہے؟

جواب :

ہم کہتے ہیں۔ کہ اتحاد نسبت کے باوجود جگہوں کے تعدد کی خصوصیات اپنے حال پر ہیں۔ ایک ہی پانی متعدد جگہوں کے واسطے سے الگ الگ خصوصیات پیدا کر لیتا ہے۔ پس جائز ہے۔ کہ ہر ایک کی خصوصیت کی نظر سے ایک ایک طریقہ اس کی طرف منسوب ہو۔

چوتھے سوال کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ تم نے ملا محمد صدیق کی طرف تحریر کردہ مکتوب میں لکھا ہے۔ کہ جو شخص ولایت موسوی کی استعداد رکھتا ہو۔ معلوم نہیں کہ پیر صاحب تصرف اُسے ولایت محمدی کی استعداد کی طرف لے آئے۔ اور درویش زادہ کلاں (خواجہ محمد صادق قدس سرہٗ) کی طرف تحریر کردہ مکتوب میں آپ نے یہ لکھا ہے کہ میں تمہیں ولایت موسوی سے ولایت محمدی کی طرف لے آیا ہوں۔ ان دونوں باتوں میں موافقت کیسے ہو سکتی ہے۔؟

جواب :

(میں کہتا ہوں) کہ ملا محمد صدیق کے مکتوب میں جو واقع ہوا ہے کہ ولایت موسوی سے ولایت محمدی کی طرف لانا معلوم الوقوع نہیں ہے۔ اُس وقت اس بات کے وقوع کا علم نہیں تھا۔ اس کے بعد جب کہ یہ بات بتا دی گئی۔ اور تغیر و تبدیل پر قدرت دے دی۔ تو لکھا کہ تمہیں اُس ولایت سے اس ولایت کی طرف لایا

لایا گیا ہے۔ دونوں باتوں کی تحریر کا زمانہ ایک نہیں ہے۔ تا کہ تناقض متصور ہو۔

سوال پنجم کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ اس جگہ کے صوفی پیش چاک گرتہ پہنتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ سنت یہی ہے۔ اور حضرت میر نعمان کے خادم کُرتے کا چاک بطریق حلقہ بناتے ہیں۔ اس معاملے میں تحقیقی بات کیا ہے؟

جواب :

جان لیں کہ اس باب میں ہم بھی تردد اور شک رکھتے ہیں۔ عرب کے لوگ پیش چاک پیراہن پہنتے ہیں اور اُسے سنت جانتے ہیں۔ اور فقہ حنفیہ کی بعض معتبر کتابوں سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ پیش چاک پیراہن مردوں کو نہیں پہننا چاہیے کہ یہ عورتوں کا لباس ہے۔ امام احمد و ابوداؤد، حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں، کہ حضرت پیغمبر علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے۔ کہ:

لُعِنَ الرَّجُلُ یَلْبَسُ لُبْسَ الْمَرْءَةِ وَ الْمَرْأَةُ تَلْبَسُ لُبْسَ الرَّجُلِ

اس مرد پر لعنت ہوتی ہے۔ جو عورت جیسا لباس پہنے۔ اور اس عورت پر لعنت ہوتی ہے جو مرد کا سا لباس پہنے۔

مطالب المومنین میں ہے کہ "اور عورت مردوں سے مشابہت پیدا نہ کرے۔ اور نہ ہی مرد عورتوں سے مشابہت کرے کیونکہ دونوں گروہوں پر لعنت ہوئی ہے۔"

معلوم ہوتا ہے کہ پیراہن پیش چاک اھل دین اور اھل علم کا لباس نہیں۔ لہٰذا اسلامی حکومت میں رہنے والے کافروں کے لیے یہ لباس تجویز کیا گیا ہے۔

جامع الرموز میں محیط سے نقل کرتا ہے "تو ذمی شخص وہ لباس نہ پہنے جو اہل علم اور اہل دین کے ساتھ خاص ہے۔ بلکہ موٹے کھدر کی قمیص پہنے، جس کا چاک سینے پر ہو، جیسا عورتوں کا ہوتا ہے۔"

نیز بعض علما کے قول کے مطابق پیش چاک، قمیص نہیں ہے۔ بلکہ دِرع ہے۔ ان کے نزدیک قمیص یہ ہے، جس کا چاک کندھوں کی طرف رکھا گیا ہو۔ جامع الرموز میں عورت کے کفن کے بیان میں ہے (اور ہدایہ میں ہے۔ قمیص کا بدل درع ہے) اور ان دونوں یہ فرق بتایا گیا ہے۔ کہ درع کا چاک سینے کی طرف ہوتا ہے۔ اور قمیص کا چاک کندھے کی طرف۔ اور بعض نے دونوں کو ایک ہی قرار دیا ہے۔

فقیر کے نزدیک یہ بات درست دکھائی دیتی ہے، کہ جب مردوں کو عورتوں کے مشابہ لباس پہننے سے منع کیا گیا ہے۔ تو ہم دیکھیں گے، کہ جس علاقے کی عورتیں پیراہن پیش چاک پہنتی ہیں۔ اس علاقے کے مردوں کو چاہیے کہ عورتوں کی مشابہت ترک کرتے ہوئے گول چاک والا پیراہن پہنیں۔ اور جس علاقے

کی عورتیں گول چاک والا پیراہن پہنتی ہیں۔ وہاں کے مرد ضرورت کی بنا پر پیراہن پیش چاک استعمال کریں
عرب کی عورتیں گول چاک والا پیراہن پہنتی ہیں۔ اس لیے وہاں کے مرد پیش چاک کا پیراہن پہنتے ہیں
اور ماوراءالنہر اور ہندوستان کی عورتوں کا لباس پیش چاک پیراہن ہے۔ اس لیے مرد گول حلقے
والا پیراہن استعمال کرتے ہیں۔

میاں شیخ عبدالحق دہلوی کہتے تھے۔ کہ میں مکے میں تھا۔ تو شیخ نظام نارنولی کے ایک مُرید کو دیکھا کہ وہ گول حلقے والا پیراہن پہن کر کعبے شریف کا طواف کر رہا تھا۔ اور عربوں کا ایک گروہ اس کے کرتے پر تعجب کر رہا تھا۔ کہ اس نے عورتوں کا کُرتہ پہنا ہوا ہے۔ تو اعتبار عرف و عادت کا ہے۔ اہل عرب کا عمل بھی درست ہے۔ اور ہندوستان اور ماوَراءُالنہر والوں کا عمل بھی درست ہے۔ ہر ایک کے لیے ایک جہت ہے۔ جس کی طرف وہ رُخ کرتا ہے۔

اگر پیش چاک پیراہن کی سُنیّت علمائے حنفیہ کے نزدیک ثابت ہوتی تو اس لباس کو ذمّی لوگوں کے لیے جائز قرار نہ دیتے۔ اور اہل دین اور اہل علم سے خاص رکھتے۔ اور چونکہ اس لباس میں عورتیں پیش پیش ہیں۔ اس لیے یہاں کے مردوں کا لباس عورتوں کے لباس کے تابع کر دیا گیا۔

چھٹے سوال کا خلاصہ یہ ہے، کہ اس طریقہ کے طالبوں کی توجہ جبکہ ابتداء سے ہی احدیت صرف کی طرف ہے۔ تو چاہیے کہ اس توجہ کے ساتھ نفی اور اثبات جمع نہ ہو۔ کیونکہ نفی کے وقت توجہ غیر کی طرف ہوتی ہے

اس کا جواب یہ ہے، کہ غیر کی طرف توجہ احدیت کی طرف توجہ کی تقویت اور تربیت کے لیے ہے اور غیر کی نفی سے مقصود اغیار کی شرکت کے بغیر اس توجہ کا ہمیشہ کے لیے حاصل ہونا ہے۔ پس غیر کی نفی کی طرف توجہ احدیت کی طرف توجہ کے منافی نہیں ہے۔ احدیت کی طرف توجہ کے منافی توجہ غیر ہے نہ غیر کی نفی کی طرف توجہ ان دونوں کے درمیان بڑا فرق ہے۔

ساتویں سوال کا خلاصہ یہ ہے، کہ چاہیے کہ اس طریقے کا مبتدی جو ذکر بھی زبان اور تالو سے کرے، دل بھی وہی کہے۔ تو کیا نفی اور اثبات میں دل پورے طور پر ایسا کہتا ہے یا نہیں؟۔ اگر پورے طور پر کہتا ہے، تو پھر لا کو اوپر لے جانے اور الا کو دائیں طرف لانا کیوں ہوتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر دل پورے طور پر کہے تو اس میں کیا نقصان ہے کہ لا کو اُوپر کی طرف لے جائے اور الا کو دائیں جانب کی طرف پھیرے، اور الا اللہ کو اپنی طرف کھینچے۔ علاوہ ازیں اس طریقہ میں نفی اور اثبات کو خیال میں ادا کرتے ہیں۔ زبان اور تالو کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں تاکہ دل کی موافقت کو اس قول کی شرط قرار دیں۔ اور تمہارے یہ آخری دو سوال امام فخرالدین رازی کی تشکیکات کے قبیل سے ہیں۔ اگر آپ

پوری طرح توجہ فرماتے تو یہ اشکال خود بخود دور ہو جائے۔

ایک مقصودی گزارش یہ ہے۔ کہ وہاں کے بعض دوستوں نے لکھا ہے کہ حضرت میر نعمان ان ایام میں طالبوں کے احوال کی طرف کم توجہ فرماتے ہیں۔ اور عمارت سازی میں گرفتار ہیں۔ اور فتوحات کی آمدن عمارت پر خرچ ہو رہی ہے۔ اور فقراء کو کچھ نہیں مل رہا۔ یہ باتیں انہوں نے ایسے طور سے لکھی ہیں۔ کہ ان میں اعتراض کی ملاوٹ معلوم ہوتی ہے۔ اور انکار کی بو آتی ہے۔ جان لیں، کہ اس گروہ کا انکار زہر قاتل ہے۔ اور ان بزرگوں کے اقوال و افعال پر اعتراض کرنا نہایت زہریلے سانپ کی طرح ہے۔ جو موت ابدی اور ہلاکتِ دائمی تک پہنچا دیتا ہے۔ چہ جائیکہ یہ انکار اور یہ اعتراض اپنے پیر پر کیا جائے۔ اور پیر کی تکلیف کا سبب ہے۔ اس گروہ کا منکر ان کی دولت سے محروم ہے۔ اور ان پر اعتراض کرنے والا ہر وقت نامراد اور خسارے میں ہے۔ جب تک پیر کی تمام حرکات و سکنات مرید کی نظر میں مستحسن اور اچھی نہ دکھائی دیں پیر کے کمالات سے بے بہرہ رہتا ہے۔ اور اگر کچھ کمال حاصل بھی کرتا ہے، تو وہ استدراج ہے جس کا انجام خرابی اور رسوائی ہے۔ مرید اگر پیر کے ساتھ کمال محبت اور اخلاص کے باوجود اپنے اندر پیر پر بال برابر اعتراض کی گنجائش پائے۔ تو اُسے اپنی خرابی کے سوا کچھ تصور نہ کرے۔ اور ایسا مرید اپنے پیر کے کمالات سے بے نصیب رہتا ہے۔ بالفرض مرید کو اگر پیر کے افعال میں سے کسی فعل میں شبہ پیدا ہو اور دور نہ ہو تو چاہیے کہ اسے ایسے طریقے سے دریافت کرے۔ کہ شائبہ اعتراض سے پاک ہو۔ اور گمان انکار سے مبّرا، اور اس دنیا میں سچا اور جھوٹا غلط ملط ہے۔ تو اگر کبھی پیر سے کوئی خلاف شریعت کام صادر ہو۔ تو چاہیے کہ اس کام میں مرید پیر کی تقلید نہ کرے۔ اور حتی الامکان اسے حسن ظن سے صحیح معنیٰ پر محمول کرے۔ اور درست ہونے کی وجہ پوچھے اور اگر درستی کی وجہ ظاہر نہ ہو، تو چاہیے کہ اس امتحان سے نکلنے میں حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا اور زاری کرے۔ اور گریہ اور زاری سے پیر کی سلامتی کی درخواست کرے اور اگر مرید کو پیر کے حق میں کسی مباح کام کے اختیار کرنے میں شبہ پیدا ہو تو اس شبہ کا اعتبار نہ کرے۔ جبکہ سب کاموں کے مالک اللہ جل سلطانہٗ نے مباح کام اختیار کرنے سے منع نہیں فرمایا اور اعتراض نہیں کیا۔ تو دوسرے کو کیا حق پہنچتا ہے، کہ اپنے پاس سے اعتراض کرنا شروع کر دے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بعض مقامات پر ترک اولیٰ اس اولیٰ کام کرنے سے بہتر ہوتا ہے۔ حدیث نبوی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام میں آیا ہے، کہ:

إِنَّ اللّٰهَ كَمَا يُحِبُّ أَنْ يُّؤْتٰى بِالْعَزِيْمَةِ يُحِبُّ أَنْ يُّؤْتٰى بِالرُّخْصَةِ۔	بے شک اللہ تعالیٰ جس طرح پسند کرتا ہے۔ کہ عزیمت پر عمل فرمایا جائے۔ اسی طرح یہ بھی پسند

کرتا ہے کہ رخصت پر بھی عطا فرمایا جائے۔

حضرت میر نعمان جب کہ حد سے زیادہ حالت قبض میں ہیں تو ایام قبض میں اگر مریدوں کے حالات کی طرف توجہ نہ کریں۔ اور بعض مباح امور کے ساتھ اپنے آپ کو تسلی دیں، تو اعتراض کی کیا گنجائش ہے۔ قبض کی حالت میں عبداللہ اصطخری اپنی تسلی کے لیے کتے والوں کے ہمراہ جنگل میں شکار کے لیے جاتا تھا اور بعض مشائخ حالت قبض میں اپنے آپ کو سماع اور سُریلی آواز سے تسلی دیتے تھے۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهِ الصَّلَوٰتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ اَتَمُّھَا وَاَکْمَلُھَا۔

خاتمہ

وہ عرضداشتیں جو حضرت معرفت پناہ مخدوم زادہ کلاں قدس سرہٗ نے لکھی تھیں:

عرضداشت نمبر ا:

کمترین غلام محمد صادق کی عرض داشت پیش خدمت ہے کہ اس طرف کے حالات وکوائف آپ کی بلند توجہات کی برکت سے صوری اور معنوی جمعیت کے ساتھ گزر رہے ہیں۔ مدت سے حضرت کے خادموں کی طرف سے منتظر اور پریشان ہے۔ اس عریضہ کی تحریر کے دن میاں بدرالدین پہنچے اور کامل خیر وعافیت سے آگاہ کیا۔ بے حد فرحت اور بے اندازہ مسرت حاصل ہوئی۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ سُبْحَانَهٗ عَلٰی ذٰلِكَ حَمْدًا کَثِیْرًا۔

قبلہ گاہ! حافظ بہاء الدین نے تیرھویں رات کو قرآن مجید ختم کیا۔ چودھویں رات سے حافظ موسیٰ نے شروع کیا۔ پانچ پانچ پارے پڑھتا ہے۔ آئندہ شب کو جو انیسویں شب ہے ختم کرے گا۔ آخری عشرے میں حافظ بہاء الدین نے ذمہ لیا ہے۔ کہ ختم کرے گا۔ حضرت سلامت! ایک رات حافظ نماز تراویح میں قرآن پاک پڑھ رہا تھا، کہ اچانک ایک بڑا وسیع نور ظاہر ہوا۔ گویا حقیقت قرآنی کا مقام ہے اگرچہ اس کی جرأت نہیں کر سکتا۔ اور معلوم ہوا کہ حقیقت محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اس مقام کا اجمال ہے گویا کہ دریائے عظیم کو کوزے میں بند کیا گیا ہے۔ اور یہ مقام حقیقت محمدی کی تفصیل ہے اور اکثر کامل انبیاء اور اولیاء اپنے اندازے کے مطابق اس مقام سے کچھ حصہ حاصل کرتے ہیں۔ اور اس مقام کا پورا حصہ ہمارے پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے سوا کسی اور کے لیے معلوم نہیں ہوتا۔ اور یہ فقیر بھی

حصہ پا چکا ہے۔ حق سبحانہٗ و تعالیٰ آپ کی توجہ عالی سے حصہ کامل عطا فرمائے۔ اور اس وقت تک وہ مقام پورے طور پر واضح نہیں ہوا ہے۔ باقی حالات سکون اور دلجمعی سے گزر رہے ہیں۔ اور اس با عظمت مہینے میں بہت برکت معلوم ہوتی ہے۔ میرا بھائی محمد سعید اچھے حالات سے فائز ہے۔ اوقات دلجمعی اور ذکر میں گزار رہا ہے شہر کے دوست بھی پورے ذوق سے حاضر ہوتے ہیں۔ اور یہ فقیر اس وقت تک چار پاروں سے کچھ اوپر حفظ کر چکا ہے۔ عید کے دن تک ظاہراً یہی خیال ہے۔ کہ پانچ پارے یاد کرے گا۔ نیاز اور سلام۔

عرضداشت نمبر ۲ :

کمترین غلام محمد صادق کی عرضداشت پیش خدمت ہے، کہ یہاں کے دوستوں کے حالات و اطوار شکر کے لائق ہیں۔ آپ کی ذاتِ کعبہ مراداْت کی خیریت تمام خادموں اور مخلصوں کے ساتھ مطلوب و مرغوب ہے۔ سرفراز نامہ نامی اور صحیفہ گرامی جو اسماعیل کے ہمراہ آپ نے ارسال فرمایا تھا۔ یہ ناچیز اس کے مطالعہ سے مشرف اور مسرور ہوا۔ حق سبحانہٗ و تعالیٰ قبلہ عالمیاں (حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ) کا سایہ عاطفت بحرمت نبی اُمی اور آپ کی بزرگ آل کے طفیل علیہ من الصلوٰت اتمہا و من التسلیمات اکملہا۔ تمام اہل اسلام پر باقی اور پائیدہ رکھے۔

قبلہ گاہ ! بندہ اپنی خرابی احوال کے متعلق کیا لکھے۔ اپنے اعمال بد پر حسرت و ندامت کے سوا اور ماضی و حال کے احوال کو ضائع کرنے کے سوا ہاتھ میں کوئی سرمایہ نہیں رکھتا۔ اور آرزو یہ ہے کہ کوئی لحظہ اور گھڑی بھی اس بلند اور پاک ذات کی رضا کے خلاف نہ گزرے۔ اور یہ چیز میسر نہیں آ سکتی۔ مگر اس صورت میں کہ اس درگاہ کے خادموں کی مدد دستگیری فرمائے ؎

بر کریماں کارہا دشوار نیست

اللہ کی حمد اور اس کا احسان ہے، کہ اس وقت تک آپ کی توجہ شریف کی برکت سے اس طریقے پر جس کا آپ نے حکم فرمایا تھا، استقامت حاصل ہے۔ اور اس میں سستی کا کم ہی دخل ہے۔ بلکہ روز بروز ترقی اور زیادتی کا امیدوار ہے۔

فجر، ظہر اور عصر کے بعد حلقے میں بیٹھتا ہے۔ اور حافظ بہاء الدین جب کام کاج سے فرصت پاتا ہے۔ تو وہ بھی قرآن پاک پڑھتا ہے۔ اور یہ فقیر بعض اوقات حالت قبض میں ہوتا ہے۔ اور بعض دوسرے اوقات میں بسط کی حالت نصیب ہوتی ہے۔ اور قبض و بسط توجہ اور ذوق اور آرام وغیرہ سب بدن سے

؎ کریم لوگوں کے لیے کوئی کام بھی مشکل نہیں۔

تعلق رکھتا ہے۔ اور اس سے آگے نہیں بڑھتا۔ اور چھ لطیفے نہ متوجہ ہیں اور نہ غافل۔ اگر متوجہ ہوتے ہیں تو ان کی توجہ علم حضوری کی طرح بلکہ اس کا عین ہے۔ اور توجہ اور ذوق اور اسی طرح کی اور چیزیں ظلال میں داخل ہیں۔ اور ظل سے تجاوز نہیں کرتیں۔ اور لطائف پہلے تو بدن کے ساتھ ملے ہوئے تھے۔ اور بصیرت کی نگاہ میں بدن کے سوا اور کوئی چیز معلوم نہیں ہوتی۔ جیساکہ مکمل خوشی اور سرور والی بارگاہ میں عرض کرچکا ہے۔ اب بدن سے ممتاز دکھائی دیتے ہیں۔ اور یہ فقیر اس مقام کو مقام بقا خیال کرتا ہے اور بقا کے بعد لطائف کی فنا کی ایک قسم رونما ہوئی۔ ایسا معلوم ہُوا کہ اس فنا کے بغیر جو بقا کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ کام پورے طور پر میسر نہیں آسکتا۔ اور اس وقت کچھ دن سے کہ حالت قبض میں ہے۔ اور خوشی اور سرور کا معاملہ کم ہے۔ دیکھیں کیا چیز سامنے آتی ہے۔ لیکن اس وقت تک توجہ جہان کی طرف نہیں پہنچی ہے چونکہ عرض حال ضروری تھا۔ تو چند کلمے لکھنے کی جرأت کی۔ قبلہ گاہ! فقیر ہر رات آپ کو خواب میں دیکھتا ہے۔ الا ماشاء اللہ، زیادہ کیا لکھے۔ کہ رسمی تکلفات میں داخل ہے۔ نیاز و السلام

عرضداشت نمبر ۳:

کمترین غلام محمد صادق کی عرضداشت پیش خدمت ہے کہ یہ حقیر مدت سے قبض اور غم کی حالت میں تھا۔ آخر کار عنایت خداوندی جل سلطانہ محض آپ کی خاص توجہ سے شامل حال ہوئی۔ اور ایک عظیم بسط رونما ہوئی۔ اس بسط میں ایسا معلوم ہوا کہ جس طرح پہلے یاد اور توجہ مثال کے طور پر اس جانب سے تھی۔ اب جو کچھ ہے اس بلند اور پاک ذات کی جانب سے ہے۔ اپنے اندر قبول کرنے کی قابلیت کے سوا کچھ نہ پایا۔ اس شیشے کی طرح جس پر سورج طلوع ہُوا۔ تو اس طلوع سے بدن اور لطائف میں ہر طرح کی ظلمت اور میل کچیل جل گئی۔ اور ان میں مناسب نور و برکت بھر گئی۔ تو سینہ کھل گیا اور دل وسیع ہوگیا۔ اور بدن نور کی طرح روح اور سر سے بھی جو اس سے پہلے تھے۔ زیادہ روشن اور لطیف ہوگیا۔ اور میں نے لطائف کے درمیان قلب پر تجلی اکمل کو پایا۔ تو جب میں نے دل کی طرف دیکھا، ظاہر ہُوا۔ کہ دل میں ایک اور دل ہے۔ اور تجلی اس پر پڑ رہی ہے۔ اور جب میں نے دل کے دل کو دیکھا تو ظاہر ہوا کہ اس میں ایک اور دل ہے۔ اور تجلی اس پر پڑ رہی ہے۔ اور اسی طرح نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہے۔ تو کوئی قلب بسیط ظاہر نہ ہُوا۔ مگر اس میں ایک اور دل تھا۔ لیکن اب وہم پڑتا ہے کہ معاملہ قلب بسیط تک پہنچ گیا ہے۔ لیکن یقینی بات نہیں ہے۔ اور معلوم ہُوا کہ اس حالت سے پہلے کے حالات اس حالت کی نسبت سب کے سب محض تکلفات تھے۔ اور اس مقام کا نام دل میں کھٹکتا تھا۔ لیکن بے ادبی کے خوف سے نہیں لکھا۔

قبلہ گاہا! بندہ کمترین کے یہ تمام حالات آپ کی توجہ پاک کے آثار کا نتیجہ ہیں ؎

گو بر تن من زبان شود ہر موئے
یک شکر تو از ہزار نتوانم کرد!

حضرت سلامت! یہ ناچیز آپ کی بلند بارگاہ کے خادموں کی قدم بوسی کا جو شوق رکھتا ہے۔ اس کی شرح بیان کرے۔ شب و روز بلکہ ہر گھڑی میں یہ تصور ہے۔ کہ کون سا نیک وقت اور سعادت مند گھڑی ہوگی۔ کہ یہ مطلب اعلیٰ اور عزیز تر مقصد حاصل ہوگا۔ تمنا اور آرزو کے سوا کوئی چیز تصور میں نہیں۔ حق سبحانہ و تعالیٰ باحسن وجوہ اور موافق ترین راستوں سے یہ دولت عظمیٰ عطا فرمائے۔ بحرمت النبی و اٰلہ الامجاد علیہ وعلی اٰلہ من الصلوات اتمہا و من التسلیمات اکملہا ــــــــ والسلام۔

اللہ تعالیٰ کی مدد اور اس کی حسن توفیق سے مکتوبات شریف کے دفتر اول کا اردو ترجمہ اختتام پذیر ہوا
وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى وَسَلَّمَ وَبَارَكَ اَفْضَلَ الصَّلَوَاتِ وَالتَّسْلِيْمَاتِ وَالْبَرَكَاتِ عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ وَنُوْرِ عَرْشِهٖ وَزِيْنَةِ فَرْشِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔ وَعَلَيْنَا مَعَهُمْ بِرَحْمَتِهٖ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ۔

گذارشِ مترجم

بندۂ ناچیز محمد سعید احمد نقشبندی غفر اللہ لہٗ خطیب مسجد، حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ناظرین و قارئین کی خدمت میں مخلصانہ عرض کرتا ہے، کہ جب اس ترجمے سے استفادہ فرمائیں تو اس ناچیز کے لیے حسن خاتمہ اور نجات آخرت کی دعا کو فراموش نہ کریں۔ اور ترجمے کی اس حقیر کوشش میں اگر کوئی غلطی اور سقم پائیں تو از راہ کرم مطلع فرمائیں تاکہ اس کی اصلاح اور درستی کی جائے۔ انسان خطا اور نسیان سے مبرا نہیں۔ اللہ تعالیٰ اس ناچیز اور ناشر اور پڑھنے اور استفادہ کرنے والوں کو دنیا اور آخرت میں حضور نبی پاک علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے صحابہ کرام، اہل بیت عظام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور حضور غوث پاک امام الاولیا حضور داتا گنج بخش اور امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی اور دوسرے تمام مقبول بندوں قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی رفاقت اور معیت نصیب فرمائے اور اس ترجمے کو ذخیرۂ آخرت اور قبولیت تامہ کا شرف عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ○ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

ربیع الاول شریف ۹۱ھ ــ مئی ۱۹۷۱ء

؎ میرے بدن کا ہر بال اگر زبان بن جائے، تو میں تیرے ہزار شکر سے ایک شکر بھی نہیں کر سکتا۔

صُحُفٌ مُّطَهَّرَةٌ فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ

للہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر مے خواست
آخر آمد زپس پردۂ تقدیر پدید

یعنی

اُردو ترجمہ

مکتوباتِ امامِ ربّانی

حضرت مجدد الف ثانی الشیخ احمد سرہندی قدس سرہ

دفتر دوم ——— حِصّہ اوّل

تصحیح و حواشی ترجمہ

مولانا محمّد سعید احمد صاحب نقشبندی
خطیب و امام مسجد حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ لاہور

ناشر:-

مدینہ پبلشنگ کمپنی، بندر روڈ کراچی

طبع اوّل ——— آفسٹ ایڈیشن ——— سنہ ۱۹۷۲ء

طابع و ناشر ——— مدینہ پبلشنگ کمپنی بندر روڈ کراچی

مطبع ——— ایف-آئی پرنٹرز کراچی

کاتب ——— حافظ محمد عنایت اللہ نقشبندی مجددی غوثیہ کالونی لاہور

تعداد ——— دو ہزار (۲۰۰۰)

قیمت ———

ملنے کا پتہ

مدینہ پبلشنگ کمپنی - بندر روڈ کراچی (پاکستان)

فہرست کتاب مستطاب مکتوبات امام ربّانی مجدّدِ الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ دفتر دوم حصہ اوّل

مضمون	صفحہ

تَمَّتْ فہرست مکتوبات ـــ دفتر دوم حِصّہ اوّل

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ وَنُوْرِ عَرْشِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ
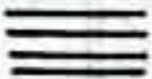
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط
نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم ط

اردو ترجمہ مکتوبات امام ربانی قدس سرہ

دفتر دوم ——— حصہ اوّل

اللہ ہی کے لئے ہے بے شمار ایسی حمد و تعریف جو طیب ہو۔ اور جس میں برکت اور جس پر برکت ہو اور ایسی حمد جو ہمارے رب تعالیٰ کو محبوب اور پسند ہو۔ اور اکمل و اتم صلوٰۃ و سلام اس کے حبیب حضرت محمدؐ اور آپ کی آل ، آپ کے اصحاب اور آپ کے اہل بیت اور آپ کے کامل وارثوں اور تمام ہدایت کی پیروی کرنے والوں اور تمام انبیاء و مرسلین اور ملائکہ مقربین پر جو اُن کی بلندی شان اور مرتبہ کے لائق ہو

اَمّا بَعدُ: یہ وہ مکتوبات ہیں۔ جو علوم غریبہ ، معارف عجیبہ ، اسرار لطیفہ اور دقائق شریفیہ پر مشتمل ہیں۔ عارفوں میں سے کوئی عارف بھی ایسے مضامین نہیں لکھ سکا۔ اور نہ ہی اولیاء میں سے کسی ولی نے ان کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ یہ علوم و معارف انوار نبوت کے سینہ سے حاصل کئے گئے ہیں۔ اور یہ بلند ہمت والے امام علماء راسخین کے پیشوا ، پیغمبروں کی بزرگیوں سے مشرف ، ولایت اصلی کے صاحب ، اسرار الٰہی کے مخزن ، قرآنی متشابہات کی باریکیوں کو جاننے والے ، رحمانی نشانیوں میں سے ایک عجیب نشانی مجدد الف ثانی ، ہمارے شیخ اور ہمارے امام شیخ احمد فاروقی کے مکتوبات ہیں۔ اللہ تعالیٰ سبحانہٗ جہاں والوں کے سروں پر آپ کی سلامتی کو تادیر قائم رکھے۔

جب مکتوبات کی جلد اوّل تین سو تیرہ مکتوب کے عدد کو پہنچی۔ تو حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ وسلمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس جلد کو اسی عدد پر ختم کر دیں کہ یہ عدد پیغمبران مرسل صلوات اللہ تعالیٰ علیٰ نبینا و علیہم کے عدد کے موافق ہے۔ نیز اہل بدر رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے عدد کے موافق ہے۔ تبرکاً اور تیمناً اسی عدد پر جلد اول کو ختم کیا گیا۔ اس کے بعد دوسرے مکتوبات قدسی آیات جو صادر ہوئے۔ معارف آگاہ ، حقائق دستگاہ ، مظہر فیض الٰہی ، مظہر اسرار لاتناہی ، ظاہری و باطنی علوم کے جامع ، حضرت مخدوم زادہ ،

شیخ مجدالدین خواجہ محمد معصوم اللہ تعالٰے انہیں سالم اور باقی رکھے اور انہیں اپنی تمناؤں کی نہایت تک پہنچائے اس بات کے باعث ہوئے کہ یہ بعد میں صادر ہونے والے مکتوبات بھی جمع ہوں۔ چنانچہ آپ کے اشارہ شریف کے موافق اس درگاہ کا کمترین خاکروب اللہ خالقِ کائنات کے بندوں میں سے کمترین بندہ عبدالحی بن خواجہ چاکر حصاری (اللہ تعالٰے اس کے گناہوں کو بخشے اور اس کے عیوب کو چھپائے اور اس کے خاتمہ کو اچھا کرے) ان مکتوبات کے جمع کرنے کے درپے ہوا۔ اور اللہ ہی توفیق عطا کرنے والا اور اسی پر بھروسہ ہے۔

مکتوب نمبر ۱

شیخ عبدالعزیز جونپوری کی طرف صادر فرمایا

مسئلہ وحدت وجود میں شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ کے مذہب کی تحریر کے بیان۔ نیز اس مسئلہ میں حضرت مجددالف ثانی سلمہٗ اللہ تعالٰے کے مسلکِ مختار کے بیان میں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ تمام تعریفیں اللہ تعالٰے کے لئے ہیں۔ جس نے امکان کو وجوہ کا شیشہ بنایا اور عدم کو وجود کا مظہر قرار دیا۔ وجوب اور وجود اگرچہ اس ذات سبحانہٗ کے لئے دو صفت کمال ہیں تاہم وہ بلند ذات ان دونوں سے وراء ہے۔ بلکہ تمام اسماء اور صفات اور تمام شیون اور اعتبارات اور ظہور و بطون اور بروز (ظاہر ہونا) وکمون (پوشیدہ ہونا) تجلیات وظہورات اور ہر ملی ہوئی اور جدا چیز اور مشاہدات ومکاشفات سے اور ہر محسوس اور معقول چیز اور ہر موہوم اور متخیل سے بھی وراء ہے۔ پس وہ سبحانہٗ وتعالٰے وراء الوراء ہے۔ پھر وراء الوراء، پھر وراء الوراء ہے۔ [1]

چہ گویم با تو از مرغے نشانہ	کہ با عنقا بود ہم آشیانہ
[2] زعنقا ہست نامے پیش مردم	زمرغِ من بود آں نام ہم گم

تو کسی حمد کرنے والے کی حمد اس کی ذاتِ قدس کی جناب تک نہیں پہنچ سکتی۔ بلکہ تمام حمدوں کی نہایت

---

[1] میں تجھے اس پرندے کا نشان کیا بتاؤں جو عنقا کا ہم آشیانہ ہو

[2] عنقا کا کم از کم لوگوں کو نام تو معلوم ہے۔ لیکن میرے پرندے کا نام بھی معلوم نہیں۔

اس کی عزت کے پردوں سے نیچے ہی رہتی ہے - تو وہ خود ہی اپنی ذات کی ثنا کر سکتا ہے - اور اپنی ذات کی حمد خود اپنی ذات سے ہی کر سکتا ہے - پس وہ سبحانہ، وتعالےٰ خود ہی حمد کرنے والا ہے اور حمد کیا جاتا ہے - اور اس کا ماسوا بامقصد حمد کے ادا کرنے سے عاجز ہے - کیوں عاجز نہ ہو - حالانکہ اس سبحانہ' کی حمد سے وہ ہستی بھی عاجز رہی جو قیامت کے روز لواءُ الحمد کو اٹھائے گی - اور آدم اور سب لوگ اس جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور یہ ہستی ظہور میں تمام مخلوق سے افضل اور اکمل ہے اور مرتبے میں سب سے زیادہ قریب ہے - اور کمال میں سب سے زیادہ جامع اور جمال میں سب سے بڑھ کر اور حسن وجمال کا اور حسن دکمال کا چاند ہونے میں سب سے مکمل تر ہے اور قدر میں سب سے اونچی اور بزرگی اور شرف میں سب سے بڑھ کر ہے - اور دین کے لحاظ سے سب سے مضبوط تر اور ملّت کے اعتبار سے سب زیادہ عادل - حسب میں سب سے باعزت ، نسب میں سب سے اشرف ، خاندان میں سب سے مشہور تر ، اگر وہ ہستی نہ ہوتی - تو اللہ سبحانہ' مخلوق کو پیدا نہ کرتا اور ربوبیّت کو ظاہر نہ کرتا - اور وہ ہستی اس وقت نبوّت سے سرفراز ہو چکی تھی - جب آدم پانی اور مٹی کی شکل میں تھے - اور جب قیامت کا دِن ہو گا - تو وہ ہستی نبیوں کا امام اور خطیب اور صاحبِ شفاعت ہو گی وہ ہستی جس نے ارشاد فرمایا" ہم سب سے آخر ہیں لیکن قیامت میں سب سے آگے ہوں گے - اور مَیں بغیر فخر کے یہ بات کہتا ہوں اور مَیں اللہ کا حبیب ہوں اور نبیوں کے سلسلے کو ختم کرنے والا ہوں اور کوئی فخر نہیں اور جب لوگ قبروں سے اُٹھائے جائیں گے تو مَیں سب سے پہلے اٹھوں گا اور جب لوگ بارگاہِ خداوندی میں حاضر ہوں گے تو مَیں اُن کا قائد ہوں گا اور جب لوگوں پر خاموشی اور سکوت چھایا ہو گا - تو مَیں ان کا خطیب ہوں گا اور جب لوگ روک لئے جائیں گے تو مَیں ان کی شفاعت کروں گا - اور جب لوگ مایوس ہوں گے تو مَیں انہیں خوشخبری دوں گا - عزت اور بزرگی اور ہر چیز کی چابیاں اس دن میرے ہاتھ میں ہوں گی -

قافلہ کہ اوست دانم نرسم ؎ -   ایں بسکہ رسد ز دور بانگ جرسم

اللہ سبحانہ' کی رحمتیں اور اس کی تسلیمات اور بلند ذات کے فیض کے تحفے اور برکتیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اور آپ کے بھائیوں یعنی تمام انبیاء اور مرسلین اور تمام مقرب فرشتوں پر اور تمام اہلِ طاعت پر وہ صلوٰۃ وسلام اور وہ تحفے اور برکتیں جن کے آپ اہل ہیں - اور جن کے وہ اہل ہیں ، نازل ہوتے رہیں جب تک آپ کا ذکر کرنے والے آپ کے ذکر میں مشغول رہیں اور جب تک غفلت والے آپ کے ذکر سے

؎ مَیں جانتا ہوں کہ جس قافلے میں وہ ہے - مَیں اس میں نہیں پہنچ سکتا - یہی کافی ہے کہ دور سے گھنٹی کی آواز پہنچتی رہے -

غافل رہیں۔

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات و ارسالِ تحیات کے بعد واضح ہو کہ آپ کا مکتوب گرامی جو اس فقیر کے نام لکھا تھا۔ اخوی، اعزّی شیخ محمدؐ طاہر نے پہنچایا۔ اور خوش وقت کیا۔ یہ مکتوب چونکہ اربابِ کشف و شہود کے حقائق و معارف پر مشتمل تھا۔ فرحت پر فرحت کا موجب ہوا۔ اللہ سبحانہٗ تمہیں جزاءِ خیر عطا فرمائے۔

یہ فقیر بھی آپ کے صحیفے کی موافقت میں اس بلند گروہ کے ذوق و شوق کی باتیں درمیان میں لاتے ہوئے چند کلمے لکھ کر آپ کی دردِ سری کا باعث بنتا ہے۔

مخدوم محترم یہ بات آپ کے علم شریف میں ہے کہ وجود ہر چیز و کمال کا مبدأ ہے اور عدم ہر نقص و شرارت اور زوال کا منشا ہے۔ پس وجوب واجب تعالیٰ جلّ سلطانہٗ کے لئے ثابت ہے۔ اور عدم ممکن کا حصہ۔ تاکہ ہر خیر و کمال واجب تعالیٰ کی طرف رجوع کرے۔ اور ہر طرح کا شر و نقص ممکن سے منسوب ہو۔ ممکن کے لئے وجود ثابت کرنا اور خیر و کمال کو اس سے منسوب کرنا فی الحقیقت ممکن کو حق جلّ سلطانہٗ کی ملک اور مُلک میں شریک کرنا ہے۔ اور اسی طرح ممکن کو عین واجب تعالےٰ شانہٗ کہنا نیز ممکن کی صفات اور افعال کو اس بلند ذات کی صفات و افعال کا عین قرار دینا سوءِ ادب اور بجروی ہے۔ اللہ تعالےٰ کے اسماء و صفات میں ایک کمینے جاروب کش کی جو نقص اور خبث ذاتی سے داغدار ہے۔ کہ مجال ہے کہ اپنے آپ کو سلطان عظیم الشان کا عین جانے جو خیرات و کمالات کا منشا ہے۔ اور اپنی بُری صفات اور افعال کو اس کی بہترین صفات اور افعال کا عین ہونے کا وہم کرے۔ علمائے ظواہر نے ممکن کے لئے وجود ثابت کیا۔ اور واجب تعالیٰ کے وجود اور ممکن کے وجود کو مطلق وجود کے افراد میں سے شمار کیا ہے۔ غایۃ ما فی الباب کلی مشکک کے طور پر واجب تعالیٰ کے وجود کو ممکنات کے وجود سے ادنیٰ اور اقدم کہا ہے۔ اور یہ معنی ممکن کے واجب کے ان کمالات و فضائل میں جو اس کے وجود سے پیدا ہوتے ہیں۔ میں شریک کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے بہت ہی بلند ہے۔ حدیث قدسی میں آیا ہے۔

" اَلْکِبْرِیَاءُ رِدَائِیْ وَالْعَظَمَۃُ اِزَارِیْ " بڑائی میری چادر اور عظمت میرا تہ بند ہے

اگر علمائے ظواہر اس باریکی سے آگاہ ہو جاتے تو ہرگز ممکن کے لئے وجود ثابت نہ مانتے۔ اور جو خیر و کمال خدائے جلّ و علا سے مخصوص ہے۔ وجود کی خصوصیت کے اعتبار سے ممکن کے لئے اس کا اثبات نہ کرتے۔

لہ مسلم شریف بروایت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ۔ حدیث کے باقی الفاظ یہ ہیں " فمن نازعنی واحداً منہما ادخلتہ النار " ترجمہ جو ان دونوں میں سے ایک کو بھی چھینے گا۔ میں اسکو آگ میں ڈالوں گا۔

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا "اے ہمارے پروردگار! اگر ہم بھول جائیں یا خطا کر بیٹھیں تو ہمیں نہ پکڑنا" "آیۃ الکریمہ"

اور اکثر صوفیہ خاص کر ان کے متاخرین ممکن کو عین واجب جانتے ہیں، اور ممکن کی صفات و افعال کو واجب تعالٰی کی صفات و افعال کا عین گمان کرتے ہیں اور کہتے ہیں۔

ہمسایہ و ہمنشین ہمہ ہمہ اوست[1] در دلق گدا و اطلس شہ ہمہ اوست
در انجمن فرق و نہان خانہ جمع[2] باللہ ہمہ اوست ثم باللہ ہمہ اوست

اگرچہ ان بزرگوں نے وجود کو شریک کرنے سے گریز کیا ہے۔ اور دوئی سے دور بھاگے ہیں۔ لیکن غیر وجود کو وجود سمجھ بیٹھے ہیں۔ اور نقائص کو کمالات کہہ دیا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں کسی بھی شئی کی ذات میں شرارت اور نقص نہیں ہے۔ اگر ہے تو صرف نسبی اور اضافی ہے۔ زہر قاتل بھی انسان کی نسبت سے زہر قاتل ہے۔ کہ اس کی زندگی ختم کرتا ہے۔ لیکن اس جاندار کی نسبت آب حیات ہے جس میں یہ زہر پیدا ہوتا ہے اور اس کے لئے تریاق نافع ہے۔

اس بارے میں ان بزرگوں کا مقتدا، اور پیشوا ان کا کشف و شہود ہے۔ ان بزرگوں پر جو کچھ ظاہر ہوا ہے وہی ان کے علم میں آیا ہے۔ اے اللہ ہمیں چیزوں کی حقیقتیں اس اصل حالت میں دکھا جیسی کہ وہ ہیں۔

اس باب میں جو کچھ اس فقیر پر ظاہر کیا گیا ہے یہ فقیر اسے تفصیل سے ظاہر کرتا ہے۔ پہلے شیخ محی الدین ابن عربی جو متاخرین صوفیہ کا امام اور پیشوا ہے۔ کا اس مسئلے میں مذہب بیان کرتا ہے۔ اس کے بعد جو کچھ اس فقیر پر ظاہر کیا گیا ہے۔ تحریر میں لاتا ہے۔ تاکہ دونوں مذہبوں کے درمیان مکمل طریقہ سے فرق معلوم ہو جائے اور باریکی اور خفا کی وجہ سے ایک دوسرے کے ساتھ خلط ملط نہ ہو۔

شیخ محی الدین اور اس کے پیروکار فرماتے ہیں۔ کہ باری تعالٰی جلّ و علا کے اسماء و صفات ذات واجب تعالٰی و تقدس کا بھی عین ہیں۔ ایک دوسرے کا بھی عین ہیں۔ پس اس مقام میں کسی بھی اسم اور نشان کے اعتبار سے تعدد و تکثر نہیں ہے اور نہ ہی کوئی تمائز اور تباین ہے۔ غایت ما فی الباب یہ ہے کہ ان اسماء و صفات اور شیون و اعتبارات نے حضرت علم میں تمائز اور تباین اجمالاً اور تفصیلاً پیدا کیا ہے۔ اگر اجمالی تمیز ہے تو اُسے تعین اوّل سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور اگر تفصیلی تمیز ہے تو اس کا نام تعین ثانی ہے۔ تعین اوّل کا نام

---

[1] ہمسایہ اور ہمنشین اور ساتھی سب وہی (خدا) ہے۔ گداگر کی گودڑی اور شاہی لباس میں بھی وہی (خدا) ہے۔

[2] فرق کی انجمن اور نہاں خانہ جمع سب میں اللہ کی قسم وہی ہے پھر اللہ کی قسم سب وہی ہے۔

وحدت رکھتے ہیں۔ اور اسے حقیقت محمّدی جانتے ہیں۔ اور تعین ثانی کو واحدیت کہتے ہیں۔ اور تمام ممکنات کے حقائق گمان کرتے ہیں۔ اور ان حقائق ممکنات کو اعیانِ ثابتہ جانتے ہیں۔ اور ان دو علمی تعینوں یعنی وحدت اور واحدیت کو مرتبہ وجوب میں ثابت کرتے ہیں۔

یہ حضرات کہتے ہیں۔ کہ ان اعیان ثابتہ نے وجود خارجی کی بُو بھی نہیں پائی۔ اور خارج میں احدیت مجردہ کے سوا کچھ بھی موجود نہیں ہے۔ اور یہ کثرت جو خارج میں دکھائی دیتی ہے۔ اعیان ثابتہ کا عکس ہے۔ جو ظاہر وجود جس کے سوا خارج میں کچھ موجود نہیں ہے کے شیشوں میں منعکس ہوا ہے۔ اور خیالی وجود پیدا کیا ہے۔ جس طرح ایک شخص کی صورت آئینے میں منعکس ہو۔ اور اس شیشے میں خیالی وجود پیدا کرے۔ اس عکس کا وجود صرف خیال میں ثابت ہے۔ اور آئینے میں کسی شئے نے حلول نہیں کیا ہے۔ اور اس شیشے میں کوئی چیز، منقش نہیں ہوئی۔ اگر انتقاش ہے تو صرف خیال میں ہے۔ جو شیشے کی سطح پر وہم میں آتا ہے۔ اور یہ خیالی اور وہمی شے خداوند جل سلطانہٗ کے فعل سے پیدا ہوئی۔ جو درست اور ٹھیک شکل میں دکھائی دیتی ہے۔ وہم اور خیال کے زوال سے زائل نہیں ہوتی۔ آخرت کا دائمی اور ابدی ثواب و عذاب اسی پر مرتب ہوتا ہے یہ کثرت جو خارج میں دکھائی دیتی ہے۔ تین قسم پر منقسم ہے۔ قسم اوّل تعین روحی ہے اور قسم دوم تعین مثالی اور قسم سوم تعین جسدی جو عالم شہادت سے تعلق رکھتا ہے۔ ان تینوں تعینات کو تعینات خارجیہ کہتے ہیں اور مرتبہ امکان میں ثابت کرتے ہیں۔ تنزلات خمسہ ان ہی پانچ تعینات سے عبارت ہے اور ان تنزلات خمسہ کو حضرات خمس بھی کہتے ہیں۔

اور جب علم اور خارج میں سوائے ذات باری تعالیٰ اور سوائے واجب جل سلطانہٗ کی اسما و صفات کے جو عین ذات تعالیٰ و تقدس ہیں۔ ان کے نزدیک اور کوئی چیز ثابت نہیں۔ اور انہوں نے صورت علمیہ کو ذی صورت کا عین گمان کیا ہے۔ شے کا شبیہ و مثال گمان نہیں کیا۔ نیز اسی طرح اعیان ثابتہ کی صورت منعکسہ کو جس نے ظاہر وجود میں نمود پیدا کیا ہے۔ ان صورتوں کا عین تصور کیا ہے۔ نہ ان کا شبہ تو لازماً اتحاد کا حکم لگا دیا۔ اور ہمہ اوست کا نعرہ بلند کیا۔

یہ مسئلہ وحدت وجود میں شیخ محی الدین ابن عربی کے مذہب کا اجمالی بیان یہی علوم ہیں۔ اور اسی طرح کے دیگر علوم جنہیں شیخ موصوف خاتم الولایۃ کے ساتھ مخصوص جانتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ خاتم النبوت یہ علوم خاتم الولایۃ سے اخذ کرتا ہے۔ اور فصوص[1] کے شارحین اس قول کی توجیہہ میں تکلفات کرتے ہیں۔

---

[1] فصوص سے شیخ ابن العربی کی مشہور کتاب نصوص الحکم مراد ہے۔

مختصر یہ کہ۔ شیخ موصوف سے پہلے اس گروہ صوفیہ میں سے کسی نے ان علوم واسرار کیساتھ لب کشائی نہیں کی۔ اور اس بات کو اس طریقہ پر کسی نے بیان نہیں کیا۔ اگرچہ غلباتِ سُکر میں ان سے توحید واتحاد کی باتیں ظہور میں آئی ہیں۔ اور "انا الحق" اور "سبحانی" کے الفاظ صادر ہوئے ہیں۔ لیکن یہ حضرات اتحاد کیوجہ سے معلوم نہیں کر سکے اور منشا کو نہیں پا سکے۔ پس شیخ اس گروہ کے متقدمین کی برہان اور اس گروہ کے متاخرین کی حجت اور دلیل بنے ہیں۔ تاہم ابھی تک اس مسئلہ کے بہت سے دقائق پوشیدہ ہیں اور نہ ہی اس باب میں مشکل راز ابھی تک منصۂ شہود پر آئے ہیں۔ البتہ فقیر کو ان کے اظہار کی توفیق ملی ہے۔ اور انکی تحریر سے مبشر ہوا ہے۔ اللہ ہی حق کو حق ظاہر کرتا ہے۔ اور وہی سیدھے راستے کی ہدایت دیتا ہے۔

مخدوم گرامی! واجب الوجود تعالیٰ وتقدس کی صفات ثمانیہ جو اہل حق (اہلسنت) شکراللہ سعیہم کے نزدیک خارج میں موجود ہیں۔ ضرور خارج میں ذات تعالیٰ وتقدس بے چونی اور بے چگونی کی صفت کیساتھ متمیز ہونگی نیز یہ صفات آپس میں بھی بے چونی کی صفت کیساتھ ایک دوسری سے متمیز اور جدا ہوں گی۔ بلکہ بے چون تمیز مرتبہ حضرت ذات تعالیٰ وتقدس میں بھی ثابت ہے۔ کیونکہ واجب تعالیٰ مجہول الکیفیہ وسعت کیساتھ واسع ہے۔ اور وہ تمیز جو ہمارے فہم وادراک میں آسکتا ہے۔ اس جناب قدس سے مسلوب ہے۔ کیونکہ بعض ہونا اور جزء جزء ہونا وہاں متصور نہیں ہو سکتا اور تحلیل وترکیب کو حضرت جل سلطانہٗ میں کچھ دخل نہیں اور حالیّت (اس کا کسی میں سرایت کرنا) اور محلیّت (اس میں کسی کا سرایت کرنا) کی بھی وہاں کچھ گنجائش نہیں۔

مختصر یہ کہ۔ ممکن کی صفات واعراض میں سے ہے۔ اس جناب قدس سے مسلوب ہے۔ اس کی طرح کوئی اس کی مثل نہیں۔ نہ ذات میں نہ صفات میں اور نہ افعال میں۔ اس بے چونی تمیز اور اس بے کیف وسعت کے باوجود واجب تعالیٰ جل سلطانہٗ کے اسماء وصفات خانۂ علم میں بھی تفصیل وتمیز رکھتے ہیں اور منعکس ہوئے ہیں اور ہر اسم وصفت متمیزہ کا مرتبہ عدم میں ایک مقابل اور ایک نقیض ہے۔ مثلاً صفت علم کا مرتبہ عدم میں ایک مقابل اور نقیض ہے۔ جو عدم علم ہے اور جسے جہل سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور صفتِ قدرت کا ایک مقابل ہے یعنی عجز جو عدمِ قدرت کا نام ہے۔ علی ہذا القیاس۔ اور ان عدمات متقابلہ نے بھی علم واجبی جل شانہٗ میں تفصیل وتمیز پیدا کیا ہوا ہے۔ اور اپنی مقابل صفات واسماء کا آئینہ بنے ہوئے ہیں۔ اور ان کے عکسوں کے ظہور کے شیشے بنے ہوئے ہیں۔

فقیر کے نزدیک وہ عدمات اسماء وصفات کے ان عکوس کیساتھ ممکنات کے حقائق ہیں۔ غایۃ مافی الباب اتنی بات ہے۔ کہ وہ عدمات ان ماہیات کے لئے اصول اور مواد کی طرح ہیں۔ اور وہ عکوس ان موادمیں حلول کرنے والی صورتوں کی طرح ہیں۔ پس شیخ محی الدین کے نزدیک ممکنات کی حقیقتیں مرتبہ علم میں وہی متمیز اسماء

اُور صفات ہیں ۔ اور فقیر کے نزدیک ممکنات کی حقیقتیں وہ عدمات ہیں ۔ جو اسماء اور صفات کی نقیض ہیں ۔ اسماء اور صفات کے اِن عکسوں کے ساتھ جو ان عدمات کے آئینوں میں خانۂ علم میں ظاہر ہوئے ہیں ۔ اور ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہوئے ہیں ۔ اور قادر مختار جل سلطانہٗ نے جب چاہا کہ ان علمی ہوئی ماہیتوں میں سے وجودِ ظلی کے ساتھ جو حضرتِ وجود کا پرتو ہیں ۔ متصف کر کے موجود خارجی بنا دیا ۔ مختصر یہ کہ حضرت وجود سے اس علمی ہوئی ماہیت پر پرتو ڈال کر اُسے خارجی آثار کا مبدأ بنا دیا ۔ پس ممکن کا وجود علم میں اور خارج میں ممکن کی باقی صفات کی حضرت وجود کا پرتو اور اس کے کمالات کا تابع ہے ۔ پس ممکن کا علم واجب تعالیٰ وتقدس کے علم کا پرتو اور ظل ہے ۔ جو اپنے مقابل منعکس ہوا ہے ۔ اور ممکن کی قدرت بھی ظل ہے کہ عجز میں جو اس کا مقابل ہے منعکس ہوا ہے ۔ اور اسی طرح ممکن کا وجود حضرت وجود کا ظل ہے ۔ جو عدم کے آئینوں میں کہ اس کے مقابلے میں منعکس ہوا ہے ۔

نیا وردم از خانہ چیزے نخست[1] تو دادی ہمہ چیز و من چیز تست

لیکن فقیر کے نزدیک شے کا ظل اس کا عین نہیں ہے ۔ بلکہ اس کا شبح اور مثال ہے اور ایک کا ثبوت دوسرے کیلئے ممتنع ہے ۔ پس فقیر کے نزدیک ممکن واجب کا عین نہیں ہے ۔ اور ممکن اور واجب کا ایک دوسرے پر حمل کرنا ثابت نہیں ہے ۔ کیونکہ ممکن کی حقیقت عدم ہے ۔

اور اسماء وصفات کا جو عکس اس عدم میں منعکس ہوا ہے ۔ ان اسماء وصفات کا شبح اور مثل ہے ۔ نہ کہ ان صفات کا عین ۔ لہٰذا ہمہ اوست کا مقولہ درست نہیں ہوگا ۔ بلکہ ہمہ از اوست (درست ہے) ۔ کیونکہ جو چیز اپنی ذات میں ممکن ہے ۔ وہ عدم ہے ۔ اور شرارت ، نقص اور خبث کا منشا ہے اور کمالات کی جنس سے جو کچھ ممکن سے پیدا ہوا ہے ۔ جیسے وجود اور اس کے توابع ۔ وہ سب کا سب اس حضرت ذات جل سلطانہٗ سے اُسے حاصل ہوا ہے ۔ اور اس ذات سبحانہٗ کا پرتو ہے ۔ اس لئے لازماً وہی ذات سبحانہٗ وتعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کا نور ہے ۔ اور اس کے ماسوا سب ظلمت اور تاریکی ہے کیونکہ ظلمت اور تاریکی نہ ہو ۔ حالانکہ عدم تمام ظلمتوں سے بڑھ کر ظلمت ہے ۔ اس مبحث کی پوری تحقیق جیسی کہ چاہیئے ۔ اس مکتوب میں تلاش کریں ۔ جو میں نے اپنے مرحوم ومغفور فرزند اعظم کے نام تحریر کیا ہے ۔ جس میں وجود کی حقیقت کا بیان اور ماہیات ممکنات کی تحقیق سپردِ قلم کی ہے ۔

---

[1] میں اپنے گھر سے کوئی چیز لے کر نہیں آیا ۔ تو نے ہی تمام چیزیں دی ہیں ۔ اور میں خود تیری ایک چیز ہوں ۔

پس عالم سارے کا سارا شیخ محی الدین کے نزدیک اسماء اور صفات سے عبارت ہے۔ جنہوں نے خانۂ علم میں تمیز پیدا کیا ہے۔ اور خارج میں ظاہر وجود کے آئینے میں نمود اور ظہور حاصل کیا ہے۔ اور فقیر کے نزدیک عالم عدمات سے عبارت ہے۔ کہ واجب تعالےٰ جل سلطانہٗ کے اسماء و صفات خانۂ علم میں اس میں منعکس ہوئے ہیں۔ اور خارج میں حق سبحانہٗ کی ایجاد سے وہ عدمات اس عکوس کے ساتھ وجود ظلی کے ساتھ موجود ہیں۔ پس عالم میں خبث ذاتی ثابت ہو گیا۔ اور طبعی شرارت ظاہر ہو گئی۔ اور خیر و کمال سب کا سب جناب قدس جل و علا کی طرف راجع ہو گیا۔ آیہ کریمہ

مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۫ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ۭ [1]

(اے بندے) تجھے جو بھلائی پہنچتی ہے وہ تو اللہ تعالےٰ کی طرف سے ہے۔ اور جو تجھے برائی پہنچتی ہے وہ تیرے نفس کی طرف سے ہے۔

اس معرفت کی مؤید ہے۔ واللہ سبحانہٗ اعلم،

تو اس تحقیق سے معلوم ہو گیا۔ کہ عالم خارج میں موجود ہے۔ لیکن ظلی وجود کیساتھ۔ جس طرح حق سبحانہٗ خارج میں وجود اصلی کیساتھ موجود ہے۔ بلکہ اپنی ذات کے ساتھ موجود ہے۔ غایۃ مافی الباب یہ ہے۔ کہ یہ خارج بھی وجود و صفات کی طرح اس خارج کا ظل ہے۔ لہٰذا عالم کو حق جل و علا سلطانہٗ کا عین نہیں کہہ سکتے۔ اور ایک کا حمل دوسرے پر جائز نہ ہو گا۔ ظلِّ شخص کو عین شخص نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ خارج میں دونوں کے درمیان تغایر موجود ہے۔ کیونکہ دو چیزیں آپس میں متغائر ہوتی ہیں۔ اور اگر کوئی شخص ظلِّ شخص کو عین شخص کہے تو وہ بر سبیل تسامح (چشم پوشی) اور مجاز ہو گا۔ جس کا ہماری اس بحث سے کوئی تعلق نہیں۔

کوئی شخص اگر یہ سوال کرے کہ شیخ محیّ الدین اور اس کے پیروکار بھی عالم کو حق تعالیٰ کا ظلّ ہی مانتے ہیں تو پھر فرق کیا ہوا۔ اس کا جواب ہم یہ دیں گے کہ وہ اس ظل کے وجود کو وہم میں ہی گمان کرتے ہیں۔ اور اس کے حق میں وجود خارجی کی بُو بھی جائز نہیں مانتے۔ مختصر یہ کہ کثرتِ موہوم کو وحدت موجودہ کے ظلّ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور خارج میں صرف اس ایک ذات تعالےٰ کو ہی موجود جانتے ہیں۔ ان دونوں میں بہت فرق ہے۔ پس اصل پر ظلّ کے حمل کا منشا اور اس حمل کا نہ ہونا ظلّ کے لئے وجود خارجی کا اثبات ہوا۔ اور اس وجود کا عدم اثبات وہ لوگ جب کہ ظلّ کے لئے وجود خارجی ثابت نہیں کرتے۔ اس لئے لازماً اصل پر محمول

---

[1] سورۃ النساء پارہ ۵ والمحصنت۔

کرتے ہیں۔ اور یہ فقیر چونکہ ظلّ کو خارج میں موجود جانتا ہے۔ اس لئے حمل میں جلدی نہیں کرتا۔ ظل سے وجود اصلی کی نفی میں فقیر اور وہ شریک ہیں۔ اور وجود ظلّی کے اثبات میں بھی متفق ہیں۔ لیکن یہ فقیر وجود ظلّی کو خارج میں ثابت تسلیم کرتا ہے۔ اور وہ وجود ظلّی کو صرف وہم اور تخیّل میں گمان کرتے ہیں۔ اور خارج میں احدیّت مجرّدہ کے سوا موجود نہیں جانتے۔ اور صفات ثمانیہ کو بھی جن کا وجود اہل سنت وجماعت رضی اللہ تعالےٰ عنہم کی آراء کے مطابق خارج میں ثابت ہو چکا ہے۔ صرف علم میں ثابت کرتے ہیں۔ ظاہری علماء اور وہ رضی اللہ تعالےٰ عنہم نے میانہ روی کی دو طرفوں کو اختیار فرمایا ہے اور ان دونوں کے درمیان حق کا درمیانہ درجہ اس فقیر کو نصیب ہوا ہے۔ اور توفیق ملی ہے۔ اگر وہ لوگ بھی اس خارج کو اس خارج کا ظل پاتے۔ تو عالم کے وجود خارجی کا انکار نہ کرتے اور وہم اور تخیّل پر کفایت نہ کرتے۔ اور واجب الوجود کی صفات کے وجود خارجی کا بھی انکار نہ کرتے۔ اور اگر ظاہری علماء بھی اس راز سے آگاہ ہو جاتے۔ تو ہرگز ممکن کے لئے وجود اصلی کا اثبات نہ کرتے۔ اور وجود ظلّی پر اکتفا کرتے۔ اور وُہ جو فقیر نے بعض مکتوبات میں لکھا ہے۔ کہ ممکن پر وجود کا اطلاق بطریقِ حقیقت ہے۔ نہ بطریقِ مجاز۔ تو یہ بات اس تحقیق کے منافی نہیں ہے۔ کیونکہ ممکن خارج میں وجود ظلّی کے ساتھ بطریقِ حقیقت موجود ہے۔ نہ وہم اور تخیّل کے طور پر۔ جیسا کہ ان کا گمان ہے۔

سوال صاحبِ فتوحات مکیّہ نے اعیانِ ثابتہ (صوَرِ علمیّہ) کو وجود اور عدم کے درمیان برزخ کہا ہے۔ پس اس کے طور کے مطابق عدم بھی حقائق ممکنات میں داخل ہے۔ پس اس تحقیق اور اس قول کے درمیان کیا فرق ہو گا؟

جواب برزخ اس اعتبار سے کہا کہ صوَرِ علمیّہ کی دو جہتیں ہیں۔ ایک جہت ثبوتِ علمی کے واسطہ سے وجود سے تعلق رکھتی ہے۔ اور ایک جہت عدم خارجی کے واسطہ سے عدم سے تعلق رکھتی ہے کیونکہ اعیان نے اس کے نزدیک وجود خارجی کی بُو بھی نہیں سونگھی۔ اور وہ عدم جو اس تحقیق میں درج ہوا ہے۔ دوسری حقیقت رکھتا ہے۔ اور اسی طرح وہ جو بعض بزرگوں کی عبارتوں میں جن میں عدم کا اطلاق ممکن پر ہوا ہے۔ اس سے معدوم خارجی مراد ہے۔ نہ وہ عدم جس کی تحقیق مندرجہ بالا عبارت میں ہوئی ہے۔ اور وُہ بلند ذات ان اسماء و صفات سے جنہوں نے علم میں تفصیل اور تمیز حاصل کیا ہے۔ اور عدمات کے آئینوں میں منعکس ہو کر حقائق ممکنات قرار پائے ہیں " وراء الوراء " ہے۔ پس عالم کے ساتھ اس ذات سبحانہٗ کی کسی طرح بھی کوئی مناسبت نہیں۔ بے شک اللہ تعالےٰ ساری مخلوق سے بے نیاز ہے۔ اس ذات سبحانہٗ کو عالم کے ساتھ عین اور متحد قرار دینا بلکہ منسوب کرنا اس فقیر پر بہت گراں گزرتا ہے ے

آں ایشانند و من چونینم یارب[1]

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَسَلَامٌ عَلَيْكُمْ وَعَلٰى مَنْ لَّدَيْكُمْ

مکتوب نمبر ۲

میر شمس الدین علی خلخالی کی طرف صادر فرمایا

اس بیان میں کہ اس کی بلند ذات کا مرتبہ، اور اس ذات سبحانہٗ کی صفات کا مرتبہ وجود اور وجوب کے اعتبار سے اوپر ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ۔ آپ کا گرامی نامہ جو آپ نے محبت اور اخلاص کے ساتھ ارسال فرمایا تھا ۔ پہنچا ۔ اور بہت فرحت کا باعث ہوا ۔ دینی بھائیوں کی کثرت آخرت میں بہت سی امیدوں کا ذریعہ ہے ۔ " اے اللہ ہمارے دینی بھائیوں کو زیادہ کر اور ہمیں اور ان کو سید المرسلین علیہ وعلیہم من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا کی متابعت پر ثابت رکھ ۔

از ہر چہ مے رود سخن دوست خوشتر است[2]

اے محبت کے نشانات والے ! واجب تعالیٰ اور واجب الوجود تعالیٰ و تقدس کی سات یا آٹھ صفات مختلف آرا کے مطابق جو صفات حقیقیہ ہیں ۔ خارج میں موجود ہیں اور اہل حق شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کے سوا مخالف فرقوں میں سے کوئی ایک بھی واجب تعالےٰ جل سلطانہٗ کی صفات کے وجود کا قائل نہیں ہے ۔ حتیٰ کہ اہل حق میں سے متاخرین صوفیہ بھی وجود صفات کے منکر ہوئے ہیں اور صفات کی زیادتی کو علم کی طرف لوٹاتے ہوئے کہتے ہیں ۔

---

[1] یا رب وہ تو وہ ہیں اور میں اس طرح ہوں ۔

[2] دوست کی بات جس طرف سے بھی سنائی دے ۔ بہت اچھی لگتی ہے ۔

از روئے تعقّل ہمہ غیر اند صفات[1] با ذات تو از روئے تحقق ہمہ عین

اور حق یہ ہے کہ اہلِ حق کی بات ہی برحق ہے ۔ اور نبوت کے سینہ سے حاصل کی ہوئی چیز ہے ۔ اور کشف و فراست کے نور سے اس کی تائید ہو چکی ہے ۔ غایت مافی الباب ، اتنی بات ہے کہ صفات کو موجود ، ماننے کی صورت میں مخالفین جو اعتراض کرتے ہیں ۔ وہ بڑا قوی ہے ۔ کیونکہ صفات اگر موجود ہوں گی ۔ تو خالی نہیں ہیں ۔ یا ممکن ہوں گی یا واجب لذاتہٖ ۔ امکانِ حدوث اور فنا کو مستلزم ہے ۔ کیونکہ اُن کے نزدیک ہر ممکن حادث ہے ۔ اور بہت سے واجب لذاتہٖ تسلیم کرنا توحید کے منافی ہے ۔ اور نیز امکان کی صورت میں صفات کا ذات تعالےٰ و تقدس سے جواز انفکاک لازم آتا ہے ۔ اور یہ معنی واجب تعالےٰ و تقدس کے لئے جہل اور عجز کے جواز کا موجب ہے ۔ اس اشکال کا حل جو اس فقیر پر ظاہر کیا گیا ۔ یہ ہے ۔ کہ حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ اپنی ذات کے ساتھ موجود ہے ۔ نہ کہ وجود کے ساتھ ۔ چاہے وجود عین ذات ہو یا ذات سے زائد ۔ اور واجب تعالیٰ کی صفات اس کی بلند ذات کے ساتھ موجود ہیں ۔ نہ وجود کے ساتھ ۔ کیوں کہ وجود کی اس مقام میں گنجائش نہیں ۔

شیخ علاؤ الدین نے اس مقام کی طرف اشارہ فرمایا ۔ جہاں آپ نے فرمایا ۔ کہ ملک ودود (ذاتِ حق) کا عالم ، عالمِ وجود سے اوپر ہے ۔ لہذا امکان و وجوب کی نسبت بھی اس مقام میں متصور نہیں ہو سکتی ۔ کیونکہ امکان اور وجوب ماہیّت اور وجود کے درمیان نسبت کا نام ہے ۔ تو جہاں وجود ہی نہ ہو ۔ وہاں نہ امکان ہو گا اور نہ وجوب ۔ یہ معرفت نظر و فکر کے مقام سے وراء ہے ۔ عقل کی رسی میں بندھے ہوئے ہو ۔ لوگ اس معرفت کو کیا پا سکتے ہیں ۔ اور انکار کے سوا ان کے حصے میں کیا آسکتا ہے ۔ مگر جسے اللہ سبحانہ وتعالیٰ محفوظ رکھے ۔

دوسری بات یہ ہے ۔ کہ سیادت پناہ میر سید محب اللہ کچھ عرصہ تک یہاں رہے ہیں ۔ اب آپ کی طرف آرہے ہیں ۔ ان کی صحبت اور خدمت کو غنیمت جانیں

وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلٰى مَنْ لَدَيْكُمْ

[1] تعقّل اور علم کی رو سے تمام صفات ذات کا غیر ہیں اور تحقق کی رُو سے سب عین ہیں ۔

مکتوبات نمبر ۳

مخدوم زادہ، حقائق ومعارف آگاہ، مظہرِ فیضِ الٰہی، خواجہ محمدؐ سعید سلّمہ اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا

اس بیان میں کہ آفاق وانفس (یعنی انسان کی اندرونی اور بیرونی دنیا) کا معاملہ ظلال میں داخل ہے۔ اور ولایت صغریٰ و کبریٰ کا بیان اور کمالات نبوّت اور تجلّی افعال کی حقیقت جس کے متعلق بعض صوفیہ کے نزدیک قرار پاچکا ہے کہ وہ ظِل فعلِ حق کا ظل ہے نہ عین فعل۔ صفات وذات تعالیٰ تک اس کی کہاں رسائی ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

جو کچھ آفاق اور انفس کے آئینوں میں ظاہر ہوتا ہے۔ داغِ ظلیّت سے داغدار ہے۔ اس لئے وہ نفی کرنے کے لائق ہے۔ تاکہ اصل کا اثبات کیا جاسکے۔ اور جب معاملہ آفاق اور انفس سے آگے گزر گیا۔ تو ظلیّت کی قید سے چھوٹ گیا۔ اور تجلّی فعل وصفت میں شروع ہونا میسر آگیا۔ اور معلوم ہوگیا۔ کہ اس سے قبل جس تجلّی نے بھی ظہور کیا تھا۔ آفاقی اور انفسی سیر میں اگرچہ اُسے تجلّی ذات ہی خیال کریں۔ سب فعل اور صفت کے ظلال سے تعلق رکھتا تھا۔ نہ کہ نفسِ فعل وصفت کے ساتھ۔ ذات تعالےٰ وتقدس تک پہنچنا کب۔ اس لئے کہ ظلیّت کا دائرہ انفس کی نہایت کے ساتھ منتہی ہوجاتا ہے۔ پس جو کچھ آفاق اور انفس میں ظاہر ہوتا ہے۔ اس دائرے میں داخل ہے۔ اور صفات بھی اگرچہ حقیقت میں حضرت ذات تعالےٰ وتقدّس کے ظلال ہیں۔ تاہم دائرہ اصل میں داخل ہیں۔ اور اس مرتبے کی ولائیت اصلی ہے بخلاف مرتبہ سابق کی ولائیت کے۔ جو آفاق اور انفس سے تعلق رکھتا ہے۔ کیونکہ وہ ظلّی ولائیت ہے۔ دائرہ ظل کے منتہی لوگوں کیلئے تجلّی برقی جو مرتبہ اصل سے پیدا ہوتی ہے حاصل ہے۔ جو ایک گھڑی بھر کیلئے آفاق اور انفس کی قید سے آزاد کردیتی ہے۔ اور وہ جماعت جو دائرہ آفاق اور انفس سے آگے نکل گئی۔ اور ظِل سے اصل تک پہنچ گئی۔ یہ تجلّی برقی ان کے حق میں دائمی ہے۔ کیونکہ ان بزرگوں کی جائے سکونت اور جائے پناہ دائرۂ اصل ہے۔ جس سے تجلی برقی پیدا ہوتی ہے۔ بلکہ ان بزرگوں کا معاملہ تجلیات

اور ظہورات سے اوپر ہے ۔ اس لئے کہ ہر تجلّی اور ظہور جس مرتبے سے بھی تعلق رکھتا ہے ۔ شائبہ ظلیّت سے باہر نہیں ہے ۔ اور اصل الاصول کی گرفتاری نے ان کو ظل سے فارغ کر دیا ہے ۔ اور یہ لوگ نگاہ کی کجی سے چھوٹ گئے ہیں ۔ ولائیت ظلّی میں جو ولائیت صغریٰ ہے ۔ نہایت کمال تجلّی برقی کا حاصل ہونا ہے ۔ اور یہ تجلّی برقی ولائیت کبریٰ میں پہلا قدم ہے ۔ جو ولائیت انبیاء ہے ۔ (علیہم الصّلوات والتسلیمات) اور ولائیت صغریٰ ولائیت اولیاء ہے ۔ (قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم) یہاں سے ولائیت اولیاء اور ولائیت انبیاء صلوات اللہ تعالےٰ وتسلیماتہٖ سُبحانہ علیہم کے درمیان فرق ، معلوم کرنا چاہیئے ۔ کہ اس ولائیت کی نہایت اس ولائیت کی ابتدا ہے ۔ انبیاء علیہم الصّلوات والتسلیمات کی نبوّت کے کمالات کے بارےمیں کیا لب کشائی کرے ۔ جب کہ نبوّت کی ابتدا ولائیت کی انتہا ہے ۔ شائد حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ نے تبعیّت اور وراثت کے طور پر انبیاء علیہم الصّلوات والتّحیات کی ولائیت سے حصہ پایا تھا اسی بناء پر آپ نے فرمایا کہ ہم نہائیت کو بدائیت میں درج کرتے ہیں ۔ یہ فقیر اس قدر جانتا ہے ۔ کہ نقشبندی نسبت اور حضور جب کمال کو پہنچتا ہے ۔ تو ولائیت کبریٰ سے مل جاتا ہے ۔ اور اس ولائیت کے کمالات سے وافر حصہ حاصل کر لیتا ہے ۔ بخلاف دوسرے طریقوں کے کہ ان کے کمال کی نہایت تجلی برقی تک ہے ۔

جاننا چاہیئے ۔ کہ جو سیر آفاق اور انفس کی سیر کے بعد میسّر آتی ہے ۔ وہ حق سُبحانہٗ وتعالیٰ کی اقربیّت میں سیر ہوتی ہے ۔ اس لئے کہ اس بلند ذات کا فعل ہم سے ہمارے زیادہ نزدیک ہے ۔ اسی طرح اس بلند ذات کی صفت ہم سے اور اس بلند ذات کے فعل سے ہمارے زیادہ نزدیک ہے ۔ اور اس کی بلند ذات ہم سے اور اس ذات سُبحانہٗ کا فعل اور اس کی صفت ہمارے زیادہ نزدیک ہے ۔ ان مراتب میں سیر اقربیّت میں سیر ہے ۔ تجلّی فعل ، تجلّی صفت اور تجلّی ذات کی حقیقت اسی مقام میں ثابت ہوتی ہے ۔ اور وہم کی سلطنت اور دائرہ خیال سے اسی جگہ آکر نجات حاصل ہوتی ہے ۔ اسلئے کہ وہم وخیال کی سلطنت کے لئے آفاق وانفس کے دائرہ سے باہر حکومت اور تصرّف میسّر نہیں ہے ۔ وہم کی نہایت ظل کی نہایت تک ہے ۔ جس جگہ ظل نہیں ہوگا ۔ وہاں وہم بھی نہیں ہوگا ۔

پس ناچار ولائیت ظلّی میں وہم سے خلاصی اور نجات موت کے بعد میسّر آتی ہے ۔ کیونکہ وہم عدم کی طرف رُخ کر لیتا ہے ۔ اور ولائیت اصلی میں جو ولایت کبریٰ ہے ، وہم وخیال کی قید سے اسی دنیا میں نجات حاصل ہو جاتی ہے ۔ اور وہم کے ہوتے ہوئے بندہ اس کی قید سے آزاد ہو جاتا ہے ۔ جو کچھ پہلے گروہ کو دارِ آخرت میں حاصل ہوگا ۔ اس دوسرے گروہ کو اسی جگہ حاصل ہو جاتا ہے ۔ ولائیت ظلّی

میں اس دنیا کے اندر اپنے وہم وخیال سے تراشی ہوئی باتوں کے سوا مطلوب کا حصول نہیں ہوتا ۔ اور ولایت اصلی میں مطلوب وہم کی تراش کے نقص سے منزّہ اور مبرّا ہے ۔

شاید مولینا روم قدس سرہٗ حیطہ وہم اور قید خیال سے تنگ آکر موت کی آرزو کرتا ہے ۔ تاکہ مطلوب کو وہم وخیال کے لباس میں سے بالکل برہنہ اپنی آغوش میں کھینچ سکے ۔

اور موت کے بارے میں کسی کو اپنے متعلق دعا عافیت سے منع کرتے ہوئے فرماتے ہیں [۱]

من شوم عریاں ز تن و از خیال   تا خرامم در نہایات الوصال

یہ بات سنو ۔ کہ وہ جو ہم نے کہا ہے ۔ کہ آفاق و انفس میں افعال اور صفات کے ظلال کی تجلیات ہیں ۔ نہ نفس افعال وصفات کی تجلیات ۔ اس کا بیان یوں ہے ۔ کہ تکوین صفات حقیقیہ میں سے ہے جیسا کہ علماءِ ماتریدیہ کا مذہب ہے ۔ (شکر اللہ تعالیٰ سعیہم) صفاتِ اضافیہ میں سے نہیں جیساکہ اشاعرہ کا گمان ہے ۔ اس صفت میں دوسری صفت کی نسبت چونکہ رنگ اضافت غالب ہے ۔ اس بناء پر انہوں نے اسے صفاتِ اضافیہ میں سے گمان کرلیا ۔ لیکن حقیقۃً بات یہ نہیں ۔ بلکہ یہ صفت صفاتِ حقیقۃ میں سے ہے ۔ جس کے ساتھ رنگِ اضافت کی ملاوٹ ہو چکی ہے ۔ اور یہ صفت تکوین جو سب سے نچلی صفت ہے ۔ صفات عالیہ کا رنگ رکھتی ہے ۔ مثلاً کچھ حصہ علم اور حیات سے رکھتی ہے ۔ اور کچھ قدرت و ارادہ سے بھی رکھتی ہے ۔ اور اس صفت تکوین کی جزئیات ہیں ۔ جو فی الحقیقت اس کے ظلال ہیں ۔ جیسے ، تخلیق ، ترزیق ، احیاء و اماتت ، انعام اور ایلام وغیرہ اور یہ جزئیات افعال میں داخل ہیں ۔ جو حقیقۃ اس صفت کے ظلال ہیں ۔ اور صفات حقیقہ کے دائرہ سے باہر ہیں ۔ اور اس فعل کے دو رُخ ہیں ایک رُخ فاعل سے متعلق ہے ۔ اور دوسرا مفعول سے ۔ اور یہ دونوں جہتیں نظر کشفی میں ایک دوسری سے امتیاز رکھتی ہیں ۔ پہلی جہت بلند ہے اور دوسری پست ۔ نیز جہت اوّل دیکھنے میں اصل کی طرح ہے ۔ اور دوسری جہت اس اصل کے لئے ظل کی طرح دکھائی دیتی ہے ۔

نیز پہلی جہت وجوب کا رنگ رکھتی ہے ۔ اور دوسری جہت امکان کا رنگ ۔ یہ دوسری جہت غیر انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات یعنی اولیاء کرام اور ساری مخلوق کے تعینات کے مبادی ہیں ۔

حق جل سلطانہ کا یہ فعل چونکہ دو جہتوں کے اعتبار سے وجوب کا رنگ بھی رکھتا ہے ۔ اور امکان کا رنگ بھی اس لئے بہرصورت ممکن ہوگا ۔ کیونکہ واجب اور ممکن سے ترکیب پانے والی شئے ممکن ہوتی ہے

---

[۱] میں تن اور خیال سے برہنہ ہوجاؤں ۔ تو پھر ہی وصال کی نہایتوں میں ٹہل سکتا ہوں ۔

اور نیز یہ فعل جب کہ جہت فوقانی کے اعتبار سے قدم کی طرف رُخ رکھتا ہے۔ اور جہت تحتانی کے اعتبار سے حدوث میں بھی قدم رکھتا ہے۔ لہٰذا لازماً حادث ہوگا۔ کیونکہ قدیم اور حادث سے مرکب حادث ہوتا ہے۔ اور وہ جماعت جس نے حق جل شانہٗ کے فعل کو قدیم کہا ہے۔ وُہ جہت اولیٰ کی رُو سے ہے۔ اور جس دوسری جماعت نے اُسے حادث جانا ہے۔ ان کا یہ خیال دوسری جہت کے اعتبار سے ہے۔ پہلے گروہ کی نظر بلند ہے۔ اور دوسرے گروہ کی پست۔ اگرچہ دونوں گروہ اس بارے میں حق سے ہٹ کر دو طرفوں میں ہوگئے ہیں۔ اور حق متوسط وہ ہے۔ جس کے ساتھ اس فقیر کو ممتاز کیا گیا ہے۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ

اسی طرح کی تحقیق صفات حقیقیہ کے متعلق بعض مکاتیب میں بیان ہو چکی ہے۔ وہاں سے مطالعہ کریں۔

جاننا چاہیئے۔ کہ فعل میں جہت ثانی خلقِ خاص سے عبارت ہے۔ جس نے زید سے تعلق پکڑا ہوا ہے۔ اور یہ زید کا پیدا کرنا مطلق جزئیاتِ خلق کی گویا ایک جزئی ہے۔ اور یہ خلقِ خاص جو زید سے متعلق ہے۔ اس کی بھی بہت سی جزئیات ہیں۔ جیسے ذاتِ زید کی پیدائش۔ صفاتِ زید اور افعالِ زید کی پیدائش۔ اور خلقِ زید کی یہ جزئیاتِ مطلق ذاتِ زید کی جو گویا کلی ہے۔ ظلال ہیں۔ اور فعل زید کی خلق کیلئے بھی ایک ظِل اور مظہر ہے۔ اور وہ کسب زید ہے جس نے فعل سے تعلق پکڑا ہے۔ زید اس کسب کو اپنے باپ کے گھر سے نہیں لایا۔ بلکہ اس کا کسب خلقِ حق جَلّ وعلا کا پرتو ہے۔ پس اِن معارف سے معلوم ہوگیا کہ ظِل کا فعل تکوین ہے۔ اور فعل کی جہت ثانی جہت اُولیٰ کا ظِل ہے۔ جیسا کہ تحقیق کی جا چکی ہے۔ اور جہت ثانی کا بھی ایک ظِل ہے۔ جسے خلقِ زید کہتے ہیں۔ اور خلقِ زید کا پھر ایک ظِل ہے۔ جو خلقِ فعل زید ہے۔ اور اس ظِل کا پھر ایک ظِل ہے۔ جو کسبِ زید ہے۔ جب یہ علوم تو نے جان لئے تو یہ بھی جان لے۔ کہ سلوک کے وقت سالکوں کی نظر میں مثلاً کسبِ زید کی نسبت جب زید سے منتفی ہو جاتی ہے۔ اور اس کی اضافت زید سے زائل ہو جاتی ہے۔ تو سالک حضرات ناچار اس فعل کا فاعل حق تعالےٰ وتقدس کو جانتے ہیں۔ بلکہ مخلوق کے افعال متکثرہ متبائنہ کو ایک فاعل کا فعل پاتے ہیں۔ اور اس معنی کے ظہور کو تجلّی افعال گمان کرتے ہیں۔

انصاف کرنا چاہیئے کہ یہ تجلّی، فعل حق تعالےٰ سُبحانہٗ کی تجلّی ہے۔ یا اس فعل کے ظلال میں سے کسی ظِل کی تجلّی ہے۔ جس نے کئی مراتب تنزّل کر کے ظلیّت کا اسم پایا ہے۔ فعل کی تجلّی پر دوسری تجلّیات (ذات وصفات کی تجلّیات) کو قیاس کرنا چاہیئے۔ کہ ظلال میں سے ایک ظِل پر کفایت

کرتے ہوئے اصل اصل گمان کر لیا ہے۔ اور لوگ الکردث ومنقا (حقیر چیزوں) کے ساتھ آرام پکڑ چکے ہیں
جاننا چاہیئے کہ وجوب وجود چونکہ ایک نسبت واضافت ہے۔ اس لئے اس کا وجود لازماً مرتبہ فعل میں ہی ہوگا۔ اور جب کہ یہ نسبت عالم کے ساتھ مناسبت نہیں رکھتی۔ بلکہ صانع عالم تعالیٰ وتقدس کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس لئے فعل کی وجہ اُولیٰ کے ساتھ جس کا ذکر اوپر ہوا ہے۔ مناسب ہے۔

اگر کہیں کہ اس بیان سے لازم آتا ہے۔ کہ وجوب مرتبہ ذات وصفات تعالیٰ وتقدس میں ثابت نہ ہو۔ اور اس بلند اور پاک ہستی کی ذات وصفات کو واجب نہ کیا جائے۔ پس حضرت ذات اور اس کی صفات سے وجود مسلوب ہوگا۔ جس طرح کہ امکان اور امتناع اس بلند ذات سے مسلوب ہے لہٰذا ایک چوتھی قسم وجوب، امکان اور امتناع کے سوا پیدا ہو گئی۔ حالانکہ ان مذکورہ تین اقسام میں حصر عقلی ثابت ہو چکا ہے۔

مَیں کہتا ہوں کہ یہ انحصار ماہیّت کے لئے اس کے وجود کی نسبت سے ہے۔ تو جب ماہیّت کی وجود کی طرف نسبت ثابت نہیں۔ تو انحصار بھی ثابت نہ ہوا۔ جس طرح کہ ذات واجب تعالیٰ اور اس پاک ذات کی صفات میں ہے۔ اس لئے کہ اس کی بلند ذات بذاتہٖ موجود ہے۔ وجود کے ساتھ موجود نہیں وجود کو عین ذات کہیں یا زائد علی الذات۔ اور اس کی صفات بھی اس کی ذات سُبحانہٗ کے ساتھ موجود ہیں۔ بغیر اس بات کے کہ ان میں وجود دخل انداز ہو۔ تو اس سُبحانہٗ وتعالےٰ کی ذات اور صفات ان تینوں منحصرہ اقسام سے بلند و بالا ہیں۔ غایۃ مافی الباب اتنی بات ہے۔ کہ جب اس کی بلند ذات اور اس پاک ہستی کی صفات کا مختلف وجوہ اور اعتبارات سے تصوّر اور تعقّل کیا جائے۔ کہ اس کی نفس حقیقت کے تصوّر کا کوئی راستہ نہیں۔ تو اس کی ذات سُبحانہٗ کے لئے وجود تصور ظلّی میں وجوب عارض ہوتا ہے۔ جیساکہ اس کی بے نیاز ذات کے لئے وہی مناسب اور لائق ہے۔ اور اس سبحانہٗ کی صفات کو وجود ذہنی میں امکان عارض ہوتا ہے۔ جیساکہ اُن کے لئے مناسب ہے۔ کیونکہ وہ ذات کی طرف محتاج ہیں۔ تو اس بلند ہستی کی ذات اور اس کی صفات اپنی حدِ ذات میں مرتبہ وجوب اور امکان سے بلکہ مرتبہ وجوب سے بھی اوپر ہیں۔ اور وجود تصوری ظلّی کے اعتبار سے وجوب اس کی بلند ذات کے لئے مناسب ہے۔ اور امکان اس ذات تعالیٰ وتقدس کی صفات کے مناسب۔ تو اس کی بلند صفات وجود خارجی کی حیثیت سے نہ واجب ہیں اور نہ ممکن۔ بلکہ وہ وجوب اور امکان سے اوپر ہیں۔ اور وجود ذہنی کے اعتبار سے ممکن ہیں۔ لیکن اس امکان سے حدوث لازم نہیں آتا۔ کیونکہ وہ امکان ان کی ذوات کے لئے نہیں

جیساکہ ممکنات کے لئے ہے ۔ بلکہ صفات کے وجودات ظلیہ کے لئے ہے ۔

اور اس معرفت کے مناسب ہے۔ وہ بات جو ارباب معقول نے کہی ہے ۔ اور کلیت اور جزئیت ماہیت کو وجود ذہنی کی خصوصیت کے اعتبار سے عارض ہوتی ہے ۔ لہٰذا وجود خارجی کی حالت میں ماہیت کو ان دونوں کے ساتھ موصوف نہیں کیا جاسکتا۔ پس زید جو خارج میں مثلاً تعقّل سے پہلے موجود ہے ۔ جزئی نہیں ہے ۔ جس طرح وہ کلی بھی نہیں ہے ۔ بلکہ جزئیت اُسے وجود ذہنی ظلی کے بعد عارض ہوئی ہے بلکہ ہم کہتے ہیں ۔ کہ تمام نسبتیں، اضافتیں احکام اور اعتبارات جو اس کی بلند ذات پر محمول ہوتے ہیں جیسے اُلوہیت ، رُبوبیت ، اَوّلیت ، اور اَزلیت یعنی وہ تمام چیزیں جو آٹھ موجود صفات کے علاوہ ہیں ۔ وہ اس ذات سُبحانہٗ پر تصوّر اور تعقّل کے اعتبار سے صادق آتی ہیں ۔ ورنہ ذات مِنْ حَیْثُ ذات کسی صفت کے ساتھ موصوف نہیں ۔ اور نہ کسی اسم کے ساتھ موسوم ہے ۔ اور نہ کسی حکم کی محکوم ہے ۔ پس صاحبِ شرع نے اس کی ذات پر جن اسماء اور احکام کا اطلاق کیا ہے ۔ وہ تناسب اور تشابہ کے اعتبار سے ہے ۔ تاکہ مخلوق کے افہام کے قریب ہو جائے ۔ اور ان کی عقل کے مطابق ان کے ساتھ گفتگو ہو ۔ جس طرح زید کے لئے جو خارج میں موجود ہے ۔ بغیر ذہن میں وجود ملاحظہ کرنے کے بیشک وہ تشبیہ اور تنظیر کے لحاظ سے جزئی ہے ۔ اور ان کا زید کے لئے جزئیت کا حکم کرنا ان کے حکم کے ساتھ بہت مناسب اور بہت مشابہ ہے ۔ کہ وہ کلی ہے ۔ تو اسی طرح غنی اور بلند ذات پر وجوب کا حکم کرنا ۔ امکان اور امتناع سے بہت اولیٰ اور مناسب ہے ۔ ورنہ اس کی جناب قدس کی طرف نہ وجوب پہنچ سکتا ہے اور نہ وجود ۔ جس طرح کہ اس کی بلند اور منزّہ ذات کے لئے امکان اور امتناع بھی لائق نہیں اس شریف اور پاک معرفت کو سمجھ لے ۔

کیونکہ اس کی بلند اور پاکیزہ ذات وصفات کے علم کا خلاصہ ہے ۔ اور عظیم اور بڑے لوگوں میں سے کسی نے بھی یہ باتیں بیان نہیں کیں ۔ اس معرفت کے ساتھ اللہ سُبحانہٗ نے اِسی بندے کو برگزیدہ فرمایا ہے ۔

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی

مکتوب نمبر ۴

سیادت مآب میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا

اس بیان میں کہ علم الیقین، عین الیقین، حق الیقین، جسے بعض صوفیہ نے بیان کیا ہے۔ یہ تینوں، اقسام فی الحقیقت علم الیقین کے تین اجزاء کے دو جزو ہیں۔ اور علم الیقین کا ایک جزو ابھی تک باقی ہے۔ تو عین الیقین اور حق الیقین تک کیسے پہنچا جاسکتا ہے۔ اور اس امر کا بیان کہ ان علوم

والا اس ہزار سال کا مجدد ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

مدت ہوئی ہے۔ کہ آپ نے اپنے حالات خیر مآل سے مطلع نہیں فرمایا۔ اللہ تعالٰے سے تمہاری سلامتی اور استقامت کی دعا ہے۔

یہ بات جان لیں۔ کہ علم الیقین علاماتِ قدرت کے مشاہدہ سے عبارت ہے۔ جن سے یقین علمی کا فائدہ پہنچتا ہے۔ یہ شہود فی الحقیقت استدلال ہے اثر سے مؤثر کی طرف۔ پس آفاق و انفس کے آئینوں میں جو کچھ بھی تجلیات اور ظہورات دکھائی دیتے ہیں۔ سب اثر سے مؤثر کی طرف استدلال کے قبیلہ سے ہیں۔ اگرچہ ان تجلیات کا تجلیات ذاتیہ نام رکھ لیں۔ اور ان ظہورات کو بے کیف کہیں۔ اس لئے کہ شے کا کسی آئینے میں ظہور اس شئی کے آثار میں سے کسی اثر کا ظہور ہے۔ نہ کہ عین اس شے کا حصول۔ اس لئے پوری کی پوری سیر آفاقی اور انفسی علم الیقین کے دائرہ سے قدم باہر نہیں نکال سکتی۔ اور اس کا حصہ صرف اثر سے مؤثر کی طرف استدلال ہے۔ اللہ تعالٰی فرماتا ہے۔

سَنُرِیْهِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ط (آیۃ الکریمہ)[1]	عنقریب ہم انہیں آفاق اور ان کے انفس میں میں اپنی نشانیاں دکھائیں گے۔ تاکہ ان پر واضح ہو جائے کہ وہی حق ہے۔

دوسرے صوفیہ نے سیر آفاقی کو علم الیقین سے خیال کیا ہے اور عین الیقین اور حق الیقین کو سیر انفسی میں میں ثابت کیا ... در انفس سے باہر کسی سیر کا ذکر نہیں کیا۔

آں ایشانند من چنینم یارب[2]

(میر محمد نعمان صاحب) یہ جان لیں کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ خود بندے سے بھی بندے کے زیادہ نزدیک ہے۔ پس بندے سے حق جل وعلا تک جانب اقربیت میں ایک اور سیر درکار ہے۔ کہ وصول اس سیر کے طے کرنے کے

---

[1] پارہ الیہ یرد، سورہ حم سجدہ۔

[2] یارب وہ تو اس طرح ہیں۔ لیکن میں تو اس طرح بھی نہیں۔

ساتھ وابستہ ہے - یہ تیسری سیر بھی فی الحقیقت علم الیقین کو ثابت کرتی ہے - یہ اگرچہ دائرہ ظلیّت سے باہر ہے - تاہم شائبہ ظلیّت سے پاک اور مبرّا نہیں ہے - اس لئے کہ اسماء و صفات واجب جلّ سلطانہٗ فی الحقیقت حضرت ذات تعالت و تقدست کے ظلال ہیں - اور جس جگہ بھی ظلیت کی ملاوٹ ہو وہ آثار و آیات میں داخل ہے -

پس انہوں نے علم الیقین کی تین سیروں میں سے صرف ایک سیر کو علم الیقین کے ساتھ خاص کیا ہے اور اس کی سیر دوم کو عین الیقین اور حق الیقین کا حاصل کرنے والا قرار دیا ہے - اور تیسری سیر کے بارے میں لب کشائی نہیں کی - تاکہ علم الیقین کا دائرہ مکمل ہو - عین الیقین اور حق الیقین ابھی درپیش ہیں -

قیاس کن ز گلستانِ من بہار[1]

(اور یہ فقیر) عین الیقین اور حق الیقین کے متعلق کیا عرض کرے - اور کچھ عرض کرے بھی تو اُسے کون سمجھے گا - اور کون پائے گا اور کیا پائے گا - یہ معارف دائرہ وِلایت سے خارج ہیں - ارباب ولائت علماء ظواہر کی طرح ان کے ادراک سے عاجز ہیں - اور ان کے حاصل کرنے سے قاصر ہیں - یہ عُلوم انوارِ نبوّت علی اربابہا الصّلوٰۃ والسّلام والتحیۃ کے سینہ سے اخذ کئے گئے ہیں - جو دوسرے ہزار کے آغاز کے بعد تبعیت اور وراثت کے طور تازہ ہوئے - اور پوری تازگی کے ساتھ ظہور پذیر ہوئے ہیں - ان عُلوم و معارف والا اس ہزار سال کا مُجدّد ہے - جیسا کہ اس کے علوم و معارف میں جو ذات و صفات اور افعال سے تعلق رکھتے - اور جو احوال، مواجید، تجلّیات، اور ظہورات سے متعلق ہیں، دیکھنے والوں پر پوشیدہ نہیں - تو صاحبِ نظر لوگ جانتے ہیں کہ یہ معارف اور عُلوم علماء کے عُلوم اور اولیاء کے معارف سے وراء ہیں - بلکہ ان کے علوم ان علوم کی نسبت چھلکا ہیں - اور وہ معارف اِس چھلکے کا مغز ہیں - اور اللہ سبحانہٗ ہی ہدایت دینے والا ہے -

اور جان لیں - کہ ہر سو سال پر ایک مجدّد گزرا ہے - لیکن سو سال کا مجدد اور ہے - اور ہزار سال کا مجدّد اور جس طرح سو اور ہزار میں فرق ہے - ان دونوں مجدّدوں میں بھی اسی طرح فرق ہے - بلکہ اس سے زیادہ - اور مجدد وہ ہوتا ہے - کہ فیوض و برکات میں سے جو کچھ اس مدت میں امتیوں کو پہنچتا ہے - اس کے واسطے سے پہنچتا ہے - اگرچہ اس وقت کے قطب اور اوتاد ہوں - اور ابدال و نجبا ہوں سے

خاص کند بندہ مصلحتِ عام را[2]

---

[1] میرے باغ سے میری بہار کا اندازہ کرلو [2] مصلحتِ عام کی خاطر اللہ تعالیٰ کسی بندے کو خاص کرلیتا ہے -

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ الصَّلَوٰتُ وَالتَّسْلِیْمٰتُ الْعُلٰی وَعَلٰی جَمِیْعِ اِخْوَانِهٖ مِنَ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَالْمَلٰٓئِکَةِ الْمُقَرَّبِیْنَ وَعِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِیْنَ اَجْمَعِیْنَ

***

مکتوب نمبر ۵

میر شمس الدین علی خلخالی کی طرف صادر فرمایا

اس بیان میں کہ اس بلند ذات کی صفات کے دو اعتبار ہیں - اعتبار اول ان کا حصول فی انفسہا ہے - اور دوسرا اُن کا ذات کے ساتھ قیام ہے - اور دونوں اعتبار خارج میں متمیز ہیں -

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

مخدوم و محترم ! واجب تعالٰے جل سلطانہ کی صفات جو موجود ہیں - اور اس بلند اور پاک ذات کے ساتھ قائم ہیں - دو اعتبار رکھتی ہیں - اعتبار اول یہ کہ وہ اپنی ذات کی حد میں موجود ہیں - اور دوسرا اعتبار یہ کہ واجب تعالٰے و تقدس کی ذات کے ساتھ قائم ہیں - اعتبار اول سے عالم کے ساتھ مناسبت رکھتی ہیں - اور تعینات کے مبادی ہیں - اور دوسرے اعتبار سے عالم سے بے نیاز ہیں - اور عالم اور عالم والوں کی طرف ان کی کچھ توجہ نہیں -

نیز نظر کشفی میں اعتبار اول کے لحاظ سے ذات تعالٰی و تقدس سے جدا دکھائی دیتی ہیں - اور ذات تعالٰی و تقدس کا اثبات ان کے سوا دکھائی دیتا ہے اور دوسرے اعتبار سے اس طرح نہیں ہیں اور نہ ذات سے ان کا الگ ہونا متصور ہو سکتا ہے -

اور نیز اعتبار اول کے لحاظ سے صفات ذات تعالٰی و تقدس کا حجاب ہیں - اور دوسرے اعتبار سے اُنکے حجاب ہونے کی حیثیت نہیں پائی جاتی - جس طرح سفیدی جو کپڑے کے ساتھ قائم ہے - کپڑے کے لئے حجاب نہیں ہے - غایۃ ما فی الباب اتنی بات ہے - کہ سفیدی حصول نفسی اور حصول قیامی دونوں اعتبار سے

کپڑے کی ذات کے لئے حجاب نہیں ہے۔ اگرچہ محسوس سفیدی ہوتی ہے۔ لیکن حجاب ہونے کی صفت نہیں پائی جاتی بخلاف واجب تعالیٰ وتقدّس کی صفات کے۔ کہ وہ پہلے اعتبار سے حجاب بنتی ہیں۔ اور دوسرے اعتبار سے حجاب نہیں بنتیں۔ اور ان دونوں اعتباروں میں فرق پایا جاتا ہے۔ اُسے تھوڑا خیال نہ کریں۔ اس فقیر نے جذب قوی اور تیز سیر کے باوجود ان دونوں اعتباروں کے درمیان کی مسافت کو تقریباً پندرہ سال کے عرصے میں طے کیا علمائے متقدمین نے ان دونوں اعتباروں کے درمیان فرق کا راستہ نہیں پایا۔ اور کہا ہے۔ کہ عرض کا فی نفسہٖ حصول وہی ہے۔ جو جوہر کے ساتھ اس کے قیام کا حصول ہے۔ اور علمائے متاخرین میں سے بعض ان دو دو اعتباروں کے فرق پر مطلع ہوئے ہیں۔ اور انہوں نے تحقیق کی ہے۔ کہ عرض کا حصول نفسی اور چیز ہے اور حصول قیامی امر دیگر۔ اس لئے کہ عرض کے حق میں کہا جاتا ہے۔ کہ بیشک وہ پایا گیا۔ اور قائم ہوا۔ تو وجود قیام کا غیر ہے۔

متاخرین کی یہ تحقیق جو انہوں نے عرض کے متعلق کی ہے۔ گویا ضرورت مند کے عروج کے لئے ایک زینے اور حاجت کی معرفت کے لئے ایک ذریعے کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس سیر وسلوک میں بہت سی کلامی اور فلسفی تحقیقات نے مدد کی ہے۔ اور معارف الٰہی جلّ شانہٗ کا واسطہ بنی ہیں۔

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ مِنَ الصَّلَوَاتِ اَتَمُّهَا وَالتَّسْلِیْمَاتِ اَکْمَلُهَا ؕ

مکتوب نمبر ۶

علومِ عقلیہ ونقلیہ کے جامع، مخدوم زادہ، مجد الدین، خواجہ محمد معصوم سلّمہ اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا

بعض مخفی اسرار کے بیان میں۔ اور یہیں سے اس کی وجہ بھی سمجھ آتی ہے۔ کہ ہمارے پیغمبر علیہ السلام کو حضرت ابراہیم علیہما الصلوٰۃ والسلام کی ملّت کی پیروی کا حکم کیوں دیا گیا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

میرا گمان ہے۔ کہ میری پیدائش سے مقصود یہ ہے۔ کہ ولایت محمّدی، ولایت ابراہیمی علیہما الصلوٰت والتحیّات

کے رنگ سے رنگین ہو جائے ۔ اور اس ولایت کا حسنِ ملاحت اس ولایت کے جمالِ صباحت کے ساتھ مل جائے حدیث شریف میں وارد ہے کہ "میرے بھائی یوسف صبیح ہیں اور میں ملیح ہوں" اور اس رنگ اور ملاوٹ کے ساتھ محبوبیت محمدیہ کا مقام درجہ عُلیا تک پہنچ جائے ۔ شاید کہ حضرت ابراہیم علیٰ نبیّنا وعلیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی ملّت کی اتباع کا حکم اسی دولتِ عظمیٰ کا حصول ہے ۔ اور حضرت ابراہیم علیٰ نبیّنا وعلیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی صلوات اور برکات کے برابر صلوات اور برکات کی طلب اسی غرض کیلئے ہے ۔ ملاحت اور صباحت دونوں صفات کی ملاوٹ کے بغیر اس بلند ذات کے حُسن سے آگاہ کرتے ہیں ۔ لیکن حسنِ صفات اور حسنِ افعال آثار سب کا سب کثیر البرکۃ حسنِ صباحت سے حاصل کیا گیا ہے ۔ حسنِ ملاحت حضرت اجمال کے زیادہ مناسب ہے ۔ گو ملاحت حسنِ مطلق کا مرکز ہے ۔ اور صباحت اس مرکز کا دائرہ ۔ اور حضرت ذات تعالیٰ وتقدس میں جس طرح وحدتِ محضہ ہے ۔ فراخی اور کشادگی بھی ہے ۔ لیکن وہ وحدت محضہ اور وسعت نہیں جو ہمارے فہم میں آسکتی ہے اور نہ ہی وہ اجمال وتفصیل ہمارے ادراک میں آسکتا ہے ۔

لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ۝	آنکھیں اُس کا ادراک نہیں کر سکتیں ۔ اور وہ آنکھوں کا ادراک کرتا ہے ۔ اور وہ لطیف اور خبیر ہے

بساطت وسعت جو حضرت ذات تعالیٰ میں ہم ثابت کرتے ہیں ۔ وہ ایک دوسرے سے جدا ہیں ۔ ایک کا عین نہیں ہیں ۔ جیسا کہ بعض نے گمان کیا ہے ۔ لیکن ان دونوں کے درمیان فرق وامتیاز جو ان کے اندر اس مرتبہ میں ثابت ہے ۔ ہمارے احاطۂ ادراک سے خارج ۔ اور ہمارے افہام کے دائرہ سے باہر ہے ۔ پس ملاحت اور صباحت بھی مرتبہ ذات میں متمیز ہیں ۔ اور احکام میں ایک دوسرے سے جدا ہیں ۔ اور کمالات جو ان سے متعلق ہیں ۔ وہ بھی ایک دوسرے سے جدا ہیں ۔ اور میری پیدائش سے جو مقصود مجھے معلوم ہے ۔ میرے علم میں پورا ہو گیا ہے ۔ اور ہزار سالہ تجدید کی دُعا مقبول ہو گئی ہے ۔ تمام تعریفیں اس ذات کے لئے ہیں ۔ جس نے مجھے دو سمندروں کے درمیان رابطہ اور دونوں گروہوں کے درمیان صلح کرانے والا بنا دیا ۔ بہرحال میں بہت کامل حمد وَالصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَیْرِ الْاَنَامِ وَعَلٰی اِخْوَانِہِ الْکِرَامِ مِنَ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمَلَائِکَۃِ الْعِظَامِ

اور جب کہ صباحت بھی ملاحت کے رنگ کے ساتھ رنگین ہو چکی ہے ۔ اس بناء پر لازماً خلّتِ ابراہیمی کے مقام نے بھی وسعت پیدا کر لی ہے ۔ اور محیط نے بھی مرکز کا حکم اختیار کر لیا ہے ۔

لہ سورۃ الانعام پارہ وإذا سمعوا نمبر ،

جاننا چاہیئے کہ محبّت کا مقام مرتبہ ملاحت سے مناسبت رکھتا ہے - اور مقامِ خلّت مرتبہ صباحت سے - محبّت میں محبوبیّت صرف ، صرف حضرت خاتم المرسلین علیہ وعلیہم الصّلوٰۃ والسّلام کا حصّہ ہے - اور محبیّت خالص حضرت کلیم علیٰ نبیّنا و علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے ساتھ مخصوص ہے اور حضرت خلیل علیٰ نبیّنا و علیہ الصّلوٰۃ والسّلام دوستی اور ہمنشینی کی نسبت رکھتے ہیں - محب اور محبوب اور ہوتا ہے - اور یار و ہمنشین اور - ہر ایک الگ نسبت رکھتا ہے -

اور یہ فقیر چونکہ ولائت محمّدی اور ولائت موسوی علیٰ صاحبہما الصّلوٰۃ والسّلام والتّحیۃ دونوں کا پروردہ ہے - اس مقامِ ملاحت میں اقامت اور سکونت رکھتا ہے - اور ولائت محمّدی علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والسلام والتّحیۃ کی محبّت کے غلبہ کی وجہ سے محبوبیّت کی نسبت غالب ہے - اور محبیّت کی نسبت مغلوب و مستور -

اے فرزند ! اس معاملے کے باوجود جو میری پیدائش سے وابستہ کیا گیا ہے - ایک اور عظیم کام میرے سپرد کیا گیا ہے - مجھے پیری مریدی کے لئے (دنیا میں) نہیں لایا گیا - میری پیدائش سے مقصود مخلوق کی تکمیل وارشاد نہیں - ایک دوسرا کام اور معاملہ ہے - جو شخص (مجھ سے) مناسبت رکھتا ہوگا - وہ اس دوسرے کام کے ضمن میں فیض حاصل کریگا - اگر مناسبت نہ رکھتا ہوگا تو فیض نہ پا سکے گا -

اس عظیم کام کی نسبت ارشاد و تکمیل کا کام اس طرح معمولی ہے - جس طرح راستے میں پڑی ہوئی چیز (جیسے تنکا وغیرہ) انبیاء علیہم الصّلوٰت والتّسلیمات کی دعوت ان کے باطنی معاملات کی نسبت یہی حیثیت رکھتی ہے - اگرچہ منصب نبوّت ختم ہو چکا ہے - لیکن تبعیّت و وراثت کے طور پر نبوّت کے کمالات و خصائص سے انبیاء علیہم الصّلوات والتّسلیمات والتّحیات سے ان کے کامل پیروکاروں کو بھی حصّہ ملتا ہے -

مکتوب نمبر ۷

مکتوبات شریف کی اس جلد ثانی کے جامع فقیر حقیر عبدالحیٔ کی طرف صادر فرمایا

مراتب پنجگانہ محبوبیّت ، محبیّت ، محبّت ، حُبّ ، اور رضا ، اور ان سے اوپر مرتبہ کے بیان میں - نیز اُن میں سے ہر ایک کی ایک پیغمبر کے ساتھ خصوصیّت اور اُن کے مناسب امور کے بیان میں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی - حمد و ثنا اُس اللہ کے لئے جس نے ہم پر انعام فرمایا

ہمیں دین اسلام کی ہدایت عطا فرمائی۔ اور ہم کو اپنے حبیب پاک حضرت محمد مصطفےٰ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی امت میں بنایا۔

جان لے۔ (اللہ تعالیٰ تجھے رشد وہدایت عطا کرے) کہ محبت ذاتی کے جس کے ساتھ خداوند تعالیٰ وتقدس اپنے آپ کو دوست رکھتا ہے۔ تین اعتبار ہیں۔ محبوبیت، محبیت، اور محبت۔ محبوبیت ذاتیہ کے کمالات کا ظہور خاتم الرسل علیہ وعلیٰ آلہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے لئے مسلم ہے۔ غایت ما فی الباب اتنی بات ہے۔ کہ جانب محبوبیت میں دو کمال ہیں۔ فعلی اور انفعالی۔ فعل اصل ہے اور انفعال اس کے تابع۔ لیکن انفعال فعل کے لئے علت غائی ہے۔ کیونکہ انفعال اگرچہ وجود میں مؤخر ہے۔ تاہم تصور میں مقدم ہے۔

اور کمالات محبیت کا ظہور حضرت کلیم اللہ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا حصہ ہے۔

اور تیسرا اعتبار کہ نفس محبت ہے۔ ابوالبشر حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اولاً اس مقام، میں مشہود ہوئے دوسرے نمبر پر حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اسی مقام پر مشہود ہوئے۔ تیسرے نمبر پر حضرت نوح بھی اسی مقام میں اسی اعتبار سے دکھائی دیئے۔ حقیقت حال اللہ سبحانہٗ کو معلوم ہے۔

اور حضرت ذات تعالیٰ وتقدس جس طرح اپنی ذات کو دوست رکھتی ہے۔ اپنے کمالات اسمائی، وصفاتی اور افعال کو بھی دوست رکھتی ہے۔

اور اسماء وصفات کے ساتھ حضرت ذات تعالیٰ وتقدس کی محبت کا ظہور حضرت خلیل علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام میں بروجہ اتم ہے۔ اور اسمائی وصفاتی اور افعالی محبوبیت کا ظہور دوسرے انبیاء علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات والتحیات میں متحقق اور موجود ہے۔ جس طرح ان اسماء وصفات وغیرہ کی محبیت کا ان میں ظہور ہے۔ اور جب اسماء وصفات اور افعال کے لئے ظلال بھی ہیں۔ تو ان ظلال کی محبوبیت کا ظہور ان کے اصولوں کے واسطہ سے مراد اور محبوب اولیاء کا حصہ ہے۔ جس طرح ان ظلال محبیت کہ مریدین اور محبین اولیاء کا حصہ ہے۔ اور محبت ذاتیہ کے مقام سے اوپر حُب کا مقام ہے۔ جو تینوں اعتبارات کا جامع اور اُن کا اجمال ہے۔ اور رضا کا مقام مقام محبت وحب سے بھی اوپر ہے۔ کیونکہ رضا کا مرتبہ محبت کے مرتبہ سے اوپر ہے۔ کیونکہ محبت میں اجمالاً اور تفصیلاً نسبت کا وجود ہے۔ اور مقام رضا میں جو حضرت ذات تعالیٰ وتقدس کے مناسب ہے بنسبت حذف ہے۔ اور مقام رضا سے آگے کسی کا قدم نہیں بڑھ سکتا۔ مگر خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کا۔ شاید اسی

مقام سے خبر دیتے ہوئے آپ نے فرمایا ہے۔[۱]

لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ لَا یَسَعُنِیْ فِیْہِ مَلَکٌ مُقَرَّبٌ وَّ لَا نَبِیٌّ مُّرْسَلٌ "حدیث قدسی"	مجھے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک خاص وقت نصیب ہوتا ہے کہ اس وقت میرے ساتھ کوئی مقرب فرشتہ اور کوئی مرسل نبی گنجائش نہیں رکھتا۔

اور ایک حدیث قدسی میں شاید اسی خصوصیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے وارد ہوا ہے۔

یَا مُحَمَّدُ اَنَا وَ اَنْتَ وَمَا سِوَاکَ خَلَقْتُ لِاَجْلِکَ فَقَالَ عَلَیْہِ وَ عَلٰی اٰلِہِ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ وَمَا اَنَا وَمَا سِوَاکَ تَرَکْتُ لِاَجْلِکَ "حدیث قدسی"	اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں اور تو، اور جو کچھ تیرے سوا ہے تیرے لئے پیدا کیا۔ تو حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے عرض کی۔ اے اللہ تو ہی ہے اور میں نہیں ہوں۔ اور جو کچھ تیرے سوا ہے۔ میں نے سب تیرے لئے چھوڑ دیا ہے۔

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس دنیا میں لوگ کیا پا سکتے ہیں۔ اور آپ کی عظمت و بزرگی کو اس جہان میں کیا پہچان سکتے ہیں۔ کیونکہ اس دارِ ابتلاء میں سچا اور جھوٹا باہم ملا ہوا ہے۔ (امتیاز نہیں ہوتا) اور حق باطل کے ساتھ مخلوط ہے۔ قیامت کے روز آپ کی عظمت و بزرگی معلوم ہوگی۔ جب آپ پیغمبروں کے امام بنیں گے۔ اور ان کے صاحبِ شفاعت ہوں گے۔ آدم اور آدم کی ساری اولاد سب آپ کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔ علیہ وعلیٰ جمیع الانبیاء والمرسلین من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا

جائز ہے۔ کہ اس خاص مقام میں کہ مقام رضا سے اوپر ہے۔ خادموں پس خوردہ کھانے والے) میں سے کسی خادم کو وراثت اور تبعیت کے طور پر جگہ دے دیں اور طفیلی کی حیثیت سے اس بارگاہ کا محرم کر دیں۔

بر کریماں کارہا دشوار نیست[۲]

یہ معنی غیر انبیاء کی انبیاء پر فضیلت کو مستلزم نہیں۔ علیہم الصلوات والتسلیمات۔ کیونکہ خادم کی مخدوم کے ہم پلہ لوگوں کے ساتھ مساوات کیسے ہو سکتی ہے۔ اور تابع کی متبوع کے ہمسروں کے ساتھ کیا نسبت۔ اصل مقصود ہوتا ہے۔ اور تابع طفیلی، زیادہ سے زیادہ فضیلت جزئی تک نوبت پہنچتی ہے

---

[۱] تاریخ الخمیس، للعلامہ البکری۔

[۲] کریم لوگوں کے لئے کوئی کام مشکل نہیں۔

اور اس میں کوئی استحالہ نہیں۔ کیونکہ بر بافندہ اور حجام اپنے پیشے اور حرفت کے لحاظ سے صاحب ہنر دانشمند پر فضیلت رکھتا ہے۔ لیکن اس فضیلت کا کچھ اعتبار نہیں۔ ہمارا کلام اشارات در موز اور اشارات و خزانے ہیں۔ اکثر لوگوں کے لئے ان اشارات وغیرہ سے کچھ حصہ نہیں۔ مگر یہ کہ وہ حسن ظن سے ان کی تصدیق کریں۔ تو ان کی یہ تصدیق ایسے ثمرات ان کے سامنے رکھ دے۔ جو انہیں نفع دیں۔ واللہ سبحانہ الموفق

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی جَمِیْعِ اِخْوَانِهٖ مِنَ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَالْمَلٰٓئِکَةِ الْمُقَرَّبِیْنَ مِنَ الصَّلٰوتِ اَفْضَلُھَا وَمِنَ التَّسْلِیْمَاتِ اَکْمَلُھَا ط

مکتوب نمبر ۸

خانخاناں کی طرف صادر فرمایا

اخص خواص، عوام اور متوسط لوگوں کے ایمان بالغیب میں فرق کے بیان میں ـــــ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

[۱] از ہرچہ مے رود سخن دوست خوشتر است،

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے۔

[۲] وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ط — جب میرے بندے میرے متعلق تجھ سے دریافت کریں تو میں قریب ہوں

نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

[۳] مَا یَکُوْنُ مِنْ نَّجْوٰی ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا اَدْنٰی مِنْ ذٰلِكَ وَلَا اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَیْنَ مَا كَانُوْا ج — نہیں ہوتی تین افراد کی سرگوشی مگر چوتھا ان کا خدا ہوتا ہے اور نہ پانچ افراد کی سرگوشی مگر چھٹا وہ ہوتا ہے۔ اور نہ اس سے کم اور نہ زیادہ مگر وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے جہاں بھی وہ ہوں

---

[۱] دوست کی بات جس طرف سے جاری ہو اچھی لگتی ہے [۲] سورۃ البقر پارہ دوم [۳] سورۃ مجادلہ پارہ قد سمع اللہ

اس بلند ذات کی معیت اور اس کا قرب اس سبحانہٗ کی ذات کی طرح بے چون و بے چگون ہے۔ اس لئے کہ چوں کے لئے بے چون تک پہنچنے کا کوئی راستہ نہیں۔ لہٰذا قرب و معیت کا جو معنی بھی ہمارے عقل وفہم میں آئے یا ہمارے کشف و شہود سے معلوم ہو۔ وہ بلند ذات اس سے منزّہ و مبرّا ہے۔ کیونکہ یہ فرقہ مجسمہ میں قدم رکھنے والی بات ہے۔ ہم ایمان رکھتے ہیں کہ وہ بلند ذات ہمارے قریب اور ہمارے ساتھ ہے۔ لیکن ہم قرب و معیت کا معنی نہیں جانتے کہ کیا ہے

اس عالم دنیا میں کاملین کا بھی انتہائی حصہ اس بلند ہستی کی ذات و صفات کے ساتھ ایمان بالغیب ہے۔

دُور بینانِ بارگاہِ اَلست[1] بیش ازین پے نبردہ اند کہ ہست

اخص خواص کا ایمان بالغیب عوام کے ایمان بالغیب کی طرح نہیں۔ کیونکہ عوام نے سماع یا استدلال سے ایمان حاصل کیا ہوتا ہے۔ اور اخص خواص غیب الغیب کے جمال و جلال کے ظلال کے پردوں اور تجلیات و ظہورات کے پردوں کے اندر مطالعہ کرکے ایمان بالغیب حاصل کرتے ہیں۔ اور متوسط لوگ ظلال کو اصل گمان کرتے ہوئے اور تجلیات کو عین متجلّیات جانتے ہوئے ایمان شہودی کے ساتھ خوش ہیں۔ اور ان کے حق میں ایمان بالغیب ثمّون کا حصہ ہے۔

كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ[2] ط

تکلیف دینے کا ایک سبب یہ ہے۔ کہ مولانا عبدالغفور و مولانا حاجی محمّد خاص دوستوں میں سے ہیں۔ ان دونوں پر آپ کی طرف سے جو احسان بھی ہوگا۔ وہ دراصل فقیر پر احسان ہوگا۔

بر کریماں کارہا دشوار نیست[3]

والسلام

مکتوب نمبر ۹

ملّا محمّد عارف ختنی کی طرف صادر فرمایا

---

[1] بارگاہِ اَلست کے دوربین اس سے زیادہ کچھ سراغ نہیں لگا سکے کہ وُہ ہے۔

[2] ہر گروہ جو کچھ اس کے پاس ہے اس پر خوش ہے، [3] کریم لوگوں پر کوئی کام دشوار نہیں،

کلمہ طیبہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کے فضائل اور مقام تنزیہہ کی تحقیق، اور اس امر کے بیان میں کہ ایمان بالغیب اس وقت متحقق ہوتا ہے جب کہ معاملہ قربیت تک پہنچ جائے۔ کیونکہ وہ معاملہ دائرہ وہم و خیال سے باہر ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

مولانا محمد عارف ختنی کو چاہیئے کہ پہلے باطل آلہوں کی نفی کرتے ہوئے معبود بحق جل سلطانہٗ کا اثبات کرے۔ اور جو کچھ چونی وچندی کے داغ سے داغدار ہے۔ اُسے لا کے نیچے لا کر خدائے بے چوں جل شانہٗ پر ایمان لائے۔

غیر کی نفی اور حق تعالیٰ کے اثبات میں کامل اور جامع ترین عبارت کلمہ طیبہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔ افضل الذکر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ، کہ سب سے افضل ذکر کلمہ طیبہ کا ذکر ہے۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ نے اللہ سبحانہٗ کی طرف نقل کرتے ہوئے فرمایا۔

لَوْ اَنَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعَ وَعَامِرَھُنَّ غَیْرِیْ وَالْاَرَضِیْنَ السَّبْعَ وُضِعْنَ فِیْ کَفَّۃٍ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ فِیْ کَفَّۃٍ لَمَالَتْ بِھِنَّ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ	اگر ساتوں آسمان اور میرے سوا ان کو آباد کرنے والی ہر چیز اور ساتوں زمین ایک پلڑے میں رکھی جائیں اور کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ[1] دوسرے پلڑے میں، تو کلمہ طیبہ والا پلڑا بھاری ہو جائیگا

کلمہ طیبہ کا پلڑا کیوں افضل اور راجح نہ ہو۔ جب کہ اس کا ایک کلمہ تمام ماسوا کی نفی کرتا ہے۔ چاہے آسمانوں یا زمین، عرش ہو یا کرسی، لوح ہو یا قلم، عالم ہو یا آدم اور دوسرا کلمہ معبود بحق جل برہانہٗ کو ثابت کرتا ہے۔ کہ وہ تمام آسمانوں اور زمینوں کا خالق ہے۔ اور حق جل وعلا کے ماسوا آفاق و انفس میں سے جو کچھ ہے۔ سب کا سب چونی اور چندی کے داغ سے داغدار ہے۔ پس جو کچھ بھی آفاق و انفس کے آئینوں میں جلوہ گر ہوگا۔ بطریق اولیٰ چونی وچندی سے داغدار ہوگا۔ جو نفی کرنے کے لائق ہے۔ لہذا ہمارا معلوم، موہوم، اور ہمارا مشہود و محسوس سب چونی اور چگونی کے ساتھ موصوف اور حدوث و امکان کے عیب کے ساتھ معیوب ہے۔ کیونکہ ہمارا معلوم و محسوس ہمارا تراشا ہوا اور ہمارا کسب کیا ہوا ہے۔ وہ تنزیہہ جس کے ساتھ ہمارا علم تعلق رکھتا ہے۔ عین تشبیہ ہے اور وہ کمال جو ہمارے اندازہ فہم میں آتا ہے عین نقص ہے۔ پس جو کچھ ہم پر منجلی اور مکشوف و مشہود ہوتا ہے۔ سب غیر حق سبحانہٗ ہے۔ اور وہ

---

[1] شرح سنۃ

بلند ذات وراءُ الوراء ہے۔ حضرت خلیل علیٰ نبیّنا و علیہ الصّلوٰۃ والسّلام فرماتے ہیں۔

اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ[1] کیا ان چیزوں کی پوجا کرتے ہو جنہیں تم نے خود تراشا ہے اور اللہ نے تمہیں بھی اور تمہارے اعمال کو بھی پیدا کیا ہے

ہمارا تراشا ہوا خواہ ہم نے اُسے ہاتھ سے تراشا ہو یا عقل و وہم سے سب حق سبحانہٗ کا مخلوق ہے۔ اور لائق عبادت نہیں۔ عبادت کے لائق وہ خدائے تعالیٰ بے چون و بے چگون ہے۔ جس کے دامن ادراک سے ہمارے عقل و وہم کا ہاتھ کوتاہ ہے۔ اور ہمارے کشف اور شہود کی آنکھ اس سبحانہٗ کی عظمت و جلال کے مشاہدہ سے شرمندہ و بدحال ہے۔ لہٰذا اس طرح کے خدائے بے چون و بے چگون جلّ شانہٗ کے ساتھ ایمان میسر نہیں آسکتا مگر بطریقِ غیب، کیونکہ شہودی ایمان اس بلند ذات کے ساتھ ایمان نہیں۔ بلکہ اپنی تراشی ہوئی چیز کے ساتھ ایمان لانا ہے۔ جو اس کی بلند ذات کی مخلوقات سے بلکہ اس کے غیر کے ساتھ ایمان کو اس کے ساتھ ایمان میں شریک کرنا ہے بلکہ سراسر غیر پر ایمان ہے۔ اللہ سبحانہٗ ہمیں اس سے بچائے۔

ایمان بالغیب اس وقت میسر آتا ہے۔ جب کہ تیز رفتار وہم کے لئے وہاں گھومنے کی گنجائش نہ رہے اور اس کی کوئی چیز بھی قوتِ خیالیہ میں منقش نہ ہو۔ اور یہ معنی اس کی اقربیّت میں متحقق ہوتا ہے۔ جو دائرہ وہم و خیال سے باہر ہے۔ کیونکہ شے جس قدر دور ہوگی۔ وہم کی گردش وہاں زیادہ ہوگی۔ اور سلطنتِ خیال میں بہت جلد داخل ہوگی۔ یہ دولت انبیاء علیہم الصّلوات والتّسلیمات کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور ایمان بالغیب اِن بزرگوں علیہم الصّلوات والتّسلیمات کا حصہ ہے۔ اور تبعیّت و وراثت کے طور پر ان کے علاوہ جس کو چاہیں اس دولت سے مشرّف فرمادیں۔

اور وہ ایمان بالغیب جو عام مومنوں کو حاصل ہے۔ دائرہ وہم سے خارج ہے۔ کیونکہ وَراءُ الوراء عوام کے نزدیک بہت دور ہے۔ جو وہم کی جولانگاہ ہے۔ اور ان بزرگوں علیہم الصّلوات والتّسلیمات والتّحیات کے نزدیک وَراءُ الوَراء جانبِ قرب میں ہے کہ وہم کی وہاں کچھ گنجائش نہیں۔ جب تک دنیا قائم ہے اور بندہ مومن دنیا کی زندگی میں موجود ہے۔ ایمان بالغیب سے چھٹکارا نہیں۔ کیونکہ ایمان شہودی یہاں پر غیر معقول ہے۔ اور جب آخرت کی زندگی پر تو انداز ہوگی اور وہم و خیال کی تیزی کو توڑ دے گی۔ تو ایمان شہودی مقبول ہو جائیگا۔ اور بنانے اور تراشنے کے نقص سے مبرّا ہو جائیگا۔

---

[1] سورۃ والصّافات، پارہ وَمَالِیَ ۲۳،

میرا گمان ہے ۔کہ جب محمد رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ و علیٰ آلہ وسلم دنیا میں رویت خداوندی سے مشرف ہوئے ۔اگر ایمان شہودی آپ کے حق میں علیہ و علیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات یہاں ثابت کریں تو اچھی بات ہے ۔۔اور یہ بنانے اور تراشنے کے نقص سے آزاد ہے ۔کیونکہ جس چیز کا دوسروں کے لئے کل قیامت کو ملنے کا وعدہ ہے ۔آپ کے لئے وہ سب کچھ یہیں دنیا میں حاصل ہے ۔علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ط

جاننا چاہیئے ۔کہ کلمہ نفی کو حضرت خلیل علیٰ نبیّنا و علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مکمل کر دیا ۔اور شرک کے دروازوں سے کوئی دروازہ ایسا نہ چھوڑا جس کو آپ نے بند نہ کیا ہو ۔اس لئے آپ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے امام قرار پائے ۔اور ان کے پیش رو ہوئے ۔علیہ و علیہم الصلوات والتسلیمات والتحیات ۔ کیونکہ اس دنیا میں نہایت کمال اس نفی کے پورا کرنے کے ساتھ وابستہ ہے ۔ اس لئے کہ کلمہ طیبہ کی جزو اثبات کے کمالات آخرت کی زندگی پر موقوف ہیں ۔

غایت مافی الباب اتنی بات ہے ۔کہ جب خاتم الرسل علیہ و علیہم الصلوات والتسلیمات اسی دنیا میں حق تعالیٰ کے دیدار کی دولت سے مشرف ہوئے ۔تو کلمہ طیبہ کی جزو اثبات سے بھی اسی دنیا میں آپ نے وافر حصہ پالیا۔ کہا جاسکتا ہے ۔کہ کلمہ اثبات اس جہان کے اندازے کے مطابق آپ کی تشریف آوری سے مکمل ہوگیا ۔علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام ۔ ہوسکتا ہے کہ اسی معنی کی بناء پر تجلّی ذات آپ کے حق میں اسی دنیا میں ثابت کرتے ہیں ۔اور دوسروں کے لئے آخرت کے وعدہ پر موقوف کرتے ہیں ۔

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَيْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ مِنَ الصَّلَوٰتِ اَفْضَلُهَا وَ التَّسْلِيْمَاتِ اَكْمَلُهَا ط

مکتوب نمبر ۱۰

حضرت مجدد قدس سرہٗ نے برادر حقیقی حقائق آگاہ میاں محمد مودود کی طرف صادر فرمایا

اس بیان میں کہ ظہور عرشی کے علاوہ کوئی ظہور بھی شائبہ ظلیت سے خالی نہیں ۔ اور جب قلب اپنی نہایت کو پہنچتا ہے تو عرش کے انوار سے کچھ روشنی اخذ کرتا ہے اور اسکے مناسب امور کے بیان میں

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

شیخ ابویزید بسطامی قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔ کہ اگر عرش اور جو کچھ عرش میں ہے۔ عارف کے دل کے ایک کونے میں رکھ دیں۔ تو بھی عارف کو دل کی فراخی کے باعث اس کا کچھ احساس نہ ہوگا۔ شیخ جنید اس بات کی تائید کرتے ہیں۔ اور اُسے دلیل سے ثابت کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ حادث جب قدیم سے مل جاتا ہے۔ اور اس کا کچھ اثر نہیں رہتا۔ یعنی عرش اور جو کچھ اس میں ہے۔ سب حادث ہے۔ عارف کا دِل جو انوارِ قِدم کے ظہور کا محل ہے۔ جب اس حادث کا اس دِل کے ساتھ اتصال واقع ہوتا ہے۔ تو وہ حادث مضمحل و لاشے ہوجاتا ہے۔ تو محسوس کیسے ہو۔

اکابر صوفیہ پر چاہے۔ وہ سلطان العارفین اور سیّد الطائفہ ہی ہوں۔ ہزار بار تعجب ہے۔ کہ جب یہ اس طرح کہتے ہیں۔ اور عرشِ مجید کو قلبِ عارف کے سامنے کچھ حیثیت نہیں دیتے۔ اور عرش کو انوارِ قدم کے ظہورات سے خالی جانتے ہوئے حادث کہتے ہیں۔ اور قلب کو انوارِ قِدم کے ظہور کے واسطہ سے قدیم کا نام دیتے ہیں۔ تو دوسروں کے متعلق کیا کہے اور کیا لکھے۔

اس فقیر کے نزدیک جو جذباتِ اِلٰہی جلّ سلطانہٗ کا پروردہ ہے۔ یہ کہ قلبِ عارف جب اپنی استعدادِ خاص کے تقاضا سے نہایۃ النہایۃ کو پہنچتا ہے۔ اور کمال حاصل کرتا ہے۔ جس سے بڑھ کر کوئی کمال متصوّر نہیں ہوسکتا تو اس کی قابلیت پیدا کرلیتا ہے۔ کہ انوارِ عرشی کے بے نہایت انوار میں سے کسی نور کا ظہور اس پر فائض ہو۔ اور یہ نور ان انوار کی نسبت قطرہ ہے۔ دریائے محیط کے مقابلے میں بلکہ اس سے بھی کم۔ عرش وہ ہے۔ جس کو حضرتِ حق سبحانہٗ وتعالیٰ عظیم فرماتا ہے۔ اور استوا کے راز کو اس جگہ ثابت فرماتا ہے عارف کے دِل کو جامعیت کی وجہ سے تشبیہ اور تمثیل کے طور پر عرش اللہ کہہ دیتے ہیں۔ یعنی جس طرح عرش مجید عالم کبیر میں عالم خلق اور عالم امر کے درمیان واسطہ اور خلق اور امر کے دونوں طرف کا جامع ہے۔ اسی طرح عالم صغیر میں قلب بھی عالم خلق اور عالم امر میں برزخ اور واسطہ ہے۔ اور عالم صغیر کی دونوں طرفوں خلق اور امر کا جامع ہے۔ پس قلب کو بھی بر سبیلِ تشبیہ عرش کہا جاسکتا ہے۔ سُنو اور پھر سُنو! انوارِ قدم کے ظہور کی وہ قابلیت جو شائبہ ظلیت سے منزہ و مبرّا ہے۔ عرش مجید کے ساتھ مخصوص ہے۔ کوئی چیز بھی عالم خلق اور عالم امر اور عالم کبیر اور عالمِ صغیر میں سے اس کی قابلیت نہیں رکھتی۔ ایسے ظہور کی قابلیت صرف عرش میں ہے۔

اور عارف کامل کا قلب جامعیت اور برزخیت کے علاوہ کے واسطے سے ان انوار سے کچھ نہ کچھ روشنی حاصل کرتا ہے۔ اور سمندر سے ایک چلو اٹھالیتا ہے۔ عرش اور عارف تام المعرفت کے سوا جہاں بھی ظہور ہے۔

داغ ظلیت سے داغدار ہے۔ اور اصل سے اس نے کوئی بُو نہیں پائی۔ بایزید سُکر کی وجہ سے اگر ایسا کہے۔ تو اس کے لئے گنجائش ہے۔ لیکن جنید سے جو صحو کا مدعی ہے۔ یہ بات زیب نہیں دیتی۔ یہ حضرات کیا کریں۔ کیونکہ حقیقت معاملہ سے آگاہ نہیں ہیں۔ اور دریائے ظلیت کے گرداب سے ساحل کی طرف نہیں آ سکے۔ یہ بات اگرچہ آج اکثر لوگوں کی نگاہ میں بعید دکھائی دیتی ہے۔ لیکن آج کے لئے کل کا دن نزدیک ہے۔ جلدی نہ کریں۔ اللہ کا حکم آ رہا ہے۔ تو جلدی نہ کرو۔ وہ سبحانہٗ و تعالیٰ پاک ہے۔ ان سے جن کو وہ شریک ٹھہرتے ہیں

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَيْهِ وَعَلٰی اٰلِهِ الصَّلَوٰتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ الْعُلٰی وَعَلٰی جَمِيْعِ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ وَعَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ الْمُقَرَّبِيْنَ وَعَلٰی سَائِرِ الصَّالِحِيْنَ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ اَجْمَعِيْنَ ؕ

مکتوب نمبر ۱۱

حقائق و معارف آگاہ، مظہر فیض الٰہ، مخدوم زادہ، مجدّ الدین، خواجہ محمّد معصوم سلّمہٗ ربّہٗ کی طرف صادر فرمایا فوق عرش ظہور کے بعض خصائص کے بیان میں۔ اور آیۂ کریمہ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، اِلٰی آخرہٖ کے معنی تاویلی اور انسان کے بعض خاص کمالات اور جزو ارضی کے فضائل اور اس کے مناسب امور کے بیان میں

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰی نَبِيِّهٖ وَنُسَلِّمُ عَلَيْهِ وَعَلٰی اٰلِهِ الْكِرَامِ

عالم کبیر وسعت اور تفصیل کے باوجود چونکہ ہیئت وحدانی نہیں رکھتا۔ اس لئے بسیط حقیقی کے ظہور کی جو نسبتوں اور اعتبارات سے خالی اور تفصیل اور شیون و صفات سے مُعرّا ہے، قابلیت نہیں رکھتا۔

عالم کبیر کی اجزاء میں سے سب سے اعلیٰ حضرت رحمان کا عرش ہے۔ جو ذات جامع الصفات جل سلطانہٗ کے انوار کا محل ہے۔ اور عرش کے ماسوا عالم کبیر میں جس قدر بھی ظہورات ہیں۔ شائبہ ظلیت سے خالی نہیں ہیں۔ اس لئے رب العلمین نے عالم کبیر کے اجزاء میں سے رازِ استوا کیلئے عرش مجید کو مخصوص فرمایا۔ جو عالم کبیر کے اجزاء میں سے افضل جزء ہے۔ اس لئے کہ ظلال میں سے کسی ظل کا ظہور فی الحقیقت اس بلند ذات کا ظہور نہیں ہے۔ تاکہ اُسے عبارت استوا سے

تعبیر کیا جائے۔ نیز جو ظہور عرش مجید میں ہے۔ اس کو پوشیدگی لاحق نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ دائمی ہے
اگرچہ آسمانوں اور زمین کا نور وہی حق تعالیٰ ہے۔ لیکن وہ نور ظلال کے پردوں سے ملا ہوا ہے
ظلیّت کے واسطہ کے بغیر ظہور نہیں فرمایا ہے۔ اور یہ سب حاصل کردہ ظہورات ظہور عرشی کے ا
ہیں۔ جنہوں نے ظلال میں سے کسی ظل کے پردے میں چھپ کر ظہور فرمایا ہے۔ جس طرح دریا
محیط سے برتنوں کے ذریعے پانی کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتے اور نفع اٹھاتے ہیں۔ اور جس
طرح بڑی مشعل سے چھوٹے چھوٹے چراغ جلاتے ہیں۔ اور ان چھوٹے چھوٹے چراغوں سے اطراف
واکناف کو روشن کرتے ہیں۔ شاید کہ آیۃ کریمہ:۔

اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِہٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِیْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ؕ

اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ اس کے نور کا حال ایک طاق کی طرح ہے۔ جس میں ایک چراغ ہو۔ چراغ شیشہ میں ہو۔ شیشہ گویا ایک چمکنے والا ستارہ ہے۔ جو بابرکت درخت سے روشن کیا گیا۔ جس کو زیتون کہتے ہیں۔ وہ نہ جانب مشرق میں اور نہ جانب مغرب میں۔ قریب ہے اس کا تیل روشنی دے اگرچہ اس تک آگ نہ پہنچی ہو۔ روشنی پر روشنی

سورۃ النور پارہ قد افلح ۱۸

میں انہیں معارف کی طرف اشارہ ہو۔ کیونکہ آیت مذکورہ میں تمثیل اس بناء پر اختیار کی گئی تاکہ آسمانوں اور زم
میں اس نور کے ظہور کو بے واسطہ نہ سمجھ لیں اور ظل کو اصل کے ساتھ مشتبہ نہ کریں۔ اور نور ظل کو نور اصل
سے لیا ہوا اور روشن کیا ہوا جانیں۔

يَهْدِی اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ

اللہ تعالیٰ اپنے نور کی طرف ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے۔

آیت کریمہ اللہ تعالیٰ کی مراد پر محمول ہے۔ اور ہم اپنے مکاشفے کے مطابق اس کی تاویل کرتے ہیں۔ تو اللہ سبحانہ
تعالیٰ کی مدد اور اس کے حسن توفیق سے کہتے ہیں۔

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ

اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔

نور اسے کہتے ہیں۔ جس سے اشیاء روشن ہوں۔ تمام آسمان اور زمین اسی بلند ذات کے ساتھ روشن ہیں کیونکہ
اس سبحانہٗ نے ان کو عدم کی تاریکیوں سے باہر نکالا ہے۔ اور وجود اور توابع وجود کے ظلال کے ساتھ متصف

کرکے منور کیا ہے ۔ آسمانوں اور زمین کو کہ وہ جس نور سے روشن ہوئے ہیں ۔ ایک بڑے طاق کی طرح تصور
کرنا چاہیئے ۔ اور اس نور کو چراغ کی طرح جاننا چاہیئے ۔ جو اس طاق میں بطور امانت رکھا گیا ۔ اور مشکوٰۃ پر
ان تمثیل کا داخل ہونا اس بناء پر ہے ۔ کہ وہ طاق اس چراغ پر مشتمل ہے ۔ اور شیشے سے اسماء اور صفات
کا ملاحظہ کرنا چاہیئے ۔ کیونکہ وہ نور اسماء و صفات سے ملا ہوا ہے ۔ شیون و اعتبارات سے معرا نہیں ہے ۔
اور صفات عز سلطانہا کا شیشہ حسن وجوب اور جمالِ قدم کے ساتھ ایک درخشاں ستارے کی طرح
ہے ۔ اور چراغ جو اس طاق میں رکھا ہوا ہے ۔ وہ زیتون کے مبارک درخت سے روشن ہوا ہے ۔
اور یہ جامع ظہور عرشی سے کنایہ ہے ۔ کہ استواء اس ظہور سے رمز و اشارہ ہے ۔ اس لئے کہ دوسرے
ظہورات جو آسمانوں اور زمین سے تعلق رکھتے ہیں ۔ اس ظہور جامع کے لئے اجزاء کی مانند ہیں ۔
اور جب وہ ظہور جامع لامکانی اور بے جہت ہے ۔ انہیں لَاشَرْقِيَّة اور لَاغَرْبِيَّة کہا جا سکتا ہے ۔
اور يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ اس شجرہ مبارکہ کی صفت مادحہ ہے ۔ اور اس
درخت مشبہ بہ کی صفائی اور روشنی کا بیان ہے ۔ نُورٌ عَلَىٰ نُورٍ یعنی شیشے کا پردہ صفائی اور درخشندگی
کی جہت سے نور میں اور زیادہ بڑھ گیا ہے ۔ اور اس کے حسن و جمال میں اضافہ ہو گیا ہے ۔ کیونکہ
صفات کے کمالات ذات تعالیٰ و تقدس کے کمالات کے ساتھ جمع ہو چکے ہیں ۔ اور صفات کا حسن ذات
تعالیٰ کے حسن کے ساتھ مل گیا ہے ۔ کئی گنا زیادہ نور اور کمال ظہور کے باوجود يَهْدِي اللّٰهُ لِنُورِهِ مَنْ
يَشَاءُ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنے نور کی طرف ہدایت دیتا ہے ۔ ہاں ۔ مَنْ لَمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ
لَهُ نُورًا فَمَا لَهُ مِنْ نُورٍ جسے اللہ روشنی عطا نہ کرے اس کے لئے کچھ روشنی اور نور نہیں ۔
یہ جامع ظہور جو عرش سے متعلق ہے ۔ تمام مشاہدات ، معانیات اور مکاشفات کا منتہی ہے
اور تجلی ذات اور تجلی صفات ، غرض ہر طرح کی تجلیات و ظہورات کی نہایت ہے ۔ اس کے بعد
معاملہ جہل کے ساتھ و[illegible] پذیر ہو جاتا ہے ۔ چنانچہ اس کا تھوڑا سا حصہ فقیر انشاء اللہ تعالیٰ بیان
کرے گا ۔ اور جامع ظہور اگرچہ ذات کے ساتھ ملا ہوا ہے ۔ لیکن صفات اس مقام میں ذات کیلئے
حجاب نہیں ہیں ۔ صفات کا ذات تعالیٰ و تقدس کیلئے حجاب بننا ظہورات ظلیہ کے ساتھ مخصوص ہے
اس لئے کہ ظہورات ظلیہ مرتبہ علم میں ہیں ۔ اور اصل کا ظہور مقام عین میں ہے ۔ اور صفات درجہ علم
میں حجاب ہیں نہ درجہ ذات میں ۔ تم نہیں دیکھتے کہ زید کا مرتبہ علم میں جب تعقل و تصور کرتے ہو تو علم میں اس کا ظہور صفات کے
ساتھ ہوتا ہے مثلاً یہ کہ وہ دراز قد ہے یا کوتاہ قامت ہے ۔ عالم ہے یا جاہل ہے ۔ چھوٹا ہے یا بڑا ہے ۔ شاعر ہے
یا نگار ہے ۔ یہ تمام صفات جن کا تم تعقل و تصور کرو گے ۔ زید کی ذات کا حجاب بنیں گی ۔ اور یہ تمام تعینات کلیہ

اس کے تشخص کا فائدہ نہیں دیں گی۔ اور وہی زید جب علم سے عین کی طرف سامان باندھتا ہے اور صفات کے باوجود مشہود ہوتا ہے۔ اور معاملہ ظلیت سے اصالت میں قرار پذیر ہوتا ہے۔ کیونکہ زید کی صورت علمی خارج میں موجود زید کا ظل ہے جو اس کا اصل ہے۔ یہاں اس کی صفات اس کی ذات کے لئے حجاب نہیں بنیں گی۔ اور محسوس ایک جامع الصفات شخص ہو گا۔ اور اسی طرح صفات کی حضرت ذات تعالےٰ و تقدس سے مفارقت مراتب ظلال اور مثال کی تصویروں میں ہے۔ اور جب اصل کے ساتھ وصول میسر آگیا۔ تو صفات ذات تعالےٰ سے جُدا نہیں ہوں گی اور ذات کا شہود صفات کے شہود سے جُدا نہیں ہوگا۔ صفات کی تجلّی کو ذات کی تجلّی سے جو الگ کہا گیا ہے۔ اور تجلی افعال کو جو علیحدہ خیال کیا گیا ہے۔ سب مقاماتِ ظلال میں ہے۔ اصل کے ساتھ وصول کے بعد صرف ایک تجلّی ہے۔ جو تینوں تجلیوں کو شامل ہے۔ مثلاً زید کو جب کوئی دیکھے تو اس ذات کا شہود اس کی صفات سے الگ نہیں ہے۔ بلکہ اسی وقت جب کہ دیکھنے والا زید کو دیکھتا ہے عین اسی وقت اُسے عالم اور فاضل بھی پاتا ہے۔ علم و فضل جس طرح اس کے دیدار کے لئے حجاب نہیں ہیں۔ ہاں اگر زید کا تصور کریں۔ اور ظلی صورتوں کے ساتھ اس کا ادراک کریں۔ تو صفات کو ذات سے الگ پائیں گے اور صفات اس کی ذات کیلئے حجاب بنیں گی جیسا کہ پیچھے گزرا۔

تم نہیں دیکھتے کہ آخرت میں ذات جامع الصفات تعالیٰ و تقدّس کا دیدار ہوگا۔ نہ کہ اسماء اور صفات سے خالی ذات کا۔ جو محض اعتبار ہے۔ اس لئے کہ ذات صفات سے ہرگز خالی نہیں ہوسکتی۔ اور صفات سے ہرگز جُدا نہیں ہوسکتیں۔ تجرّد اس اعتبار سے کہتے ہیں۔ کہ عارف کامل پر جب ذات تعالیٰ و تقدّس کی گرفتاری غالب آتی ہے۔ تو اسماء و صفات کا ملاحظہ اس کی نظر سے ساقط ہوجاتا ہے۔ اور احدیت تعالیٰ کے سوا اُسے کچھ مشہود نہیں ہوتا۔ لہٰذا ذات تعالیٰ و تقدّس کا صفات سے خالی ہونا عارف کی نظر کے اعتبار سے ہوا۔ نہ خارج اور نفس الامر کے اعتبار سے۔ جیسا کہ انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب اس کی تحقیق آئے گی۔

اور نیز یہ جامع ظہور مثالی تصویروں کا منتہیٰ ہے۔ جو کمال ظہور عرشی کے بعد سامنے آتا ہے۔ وُہ تصویر کی مثال کے آئینے میں نہیں پایا جاسکتا۔ کیونکہ مثال میں ایک چیز کو ایسی تصویر میں سامنے لاتے ہیں۔ جو خارج کے ساتھ مشابہت اور مناسبت رکھتی ہو۔ اگرچہ وہ اسم میں ہی مشابہت ہو۔ اور وہ چیز جو کسی چیز کے ساتھ کسی طریقے سے بھی خارج میں مشابہت نہ رکھتی ہو۔ اس کی تصویر مثال میں محال ہے۔ اور ظہور عرشی سے اوپر کے کمالات اسی قبیلہ سے ہیں۔ کہ کوئی چیز بھی کسی طریقہ سے ان کے مشابہ نہیں

ہے۔ تاکہ مثال میں اس کی تصویر سامنے لائی سکے۔

یہیں سے ہے یہ بات کہ اس مقام میں ہمہ وقت جہالت دامن گیر رہتی ہے۔ اور ادراک کا نشانہ عدم ادراک ہوتا ہے۔ اس دنیا میں اگرچہ اس مقام سے علم یافت کے جہل سے اور کوئی چیز حاصل نہیں ہے۔ لیکن امید ہے۔ کہ آخرت میں ایسی قوت اور ایسا دِل دیں گے۔ جو نور کے پرتو اور غلبہ سے لاشے نہیں ہوگا۔ اور حقیقت معاملہ سے آگاہ ہو جائیگا۔

تو مرا دِل دِہ و دِلبری بین ۔ رُوبہ خویش خواں و شیری بین[1]

آگاہ ہو کہ عرش کے اوپر کا ظہور اس وہم میں مبتلا نہ کرے۔ کہ حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ عرش سے اوپر قرار پذیر ہے۔ اور مقام اور جہت اس کے لئے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے اور ہر ایسی شے سے جو اس کی جناب قدس تعالیٰ کے لائق نہیں۔ پاک اور منزہ ہے۔ زید کی صورت کا شیشے میں ظہور شیشے میں قرار پذیر ہونے کو مستلزم نہیں۔ اگرچہ بے عقل لوگ وہم میں پڑ جاتے ہیں۔ اور اللہ ہی کے لئے بلند صفت ہے۔

صاحب ایمان لوگ آخرت میں حضرت حق سبحانہ و تعالےٰ کو بہشت میں دیکھیں گے۔ حالانکہ بہشت اور غیر بہشت حضرت حق سبحانہٗ کی نسبت برابر ہے۔ اور اس بلند ذات کی مخلوق ہیں اور وہ تجلی جو کوہِ طور پر پڑی تھی۔ حالیت اور محلیت کا شائبہ تک نہیں رکھتی تھی۔ زیادہ سے زیادہ اتنی بات ہے۔ کہ بعض جگہیں ظہور کی قابلیت رکھتی ہیں۔ اور بعض دوسری جگہوں کے لئے یہ قابلیت نہیں ہوتی۔ صورتوں کے ظہور کی قابلیت شیشہ رکھتا ہے۔ گھوڑوں کے نعل اسکی قابلیت نہیں رکھتے۔ حالانکہ دونوں لوہے سے بنے ہیں۔ پس فرق مظہر میں ہے۔ ظاہر میں نہیں۔ اور ظاہر کی نسبت سب مظاہر برابر ہیں۔ قابل ہوں یا ناقابل۔ اور اسی طرح وہ الفاظ جو کلیت اور جزئیت کا وہم ڈالتے ہیں۔ یا حالیت اور محلیت ان سے سمجھ آتی ہے۔ ظاہر سے پھرے ہوئے ہیں۔ اور اس بلند ذات کی جناب قدس کے لائق نہیں ہیں۔ تنگی عبارت کی وجہ سے یہ الفاظ اختیار کئے گئے ہیں[2]

ایں قاعدہ یاد دار کانجا کہ خدا است ۔ نے جزو نہ کل و نہ ظرف نے مظروف است

---

[1] تو مجھے دِل عطا کر۔ پھر میری دلبری دیکھ۔ اور مجھے اپنی لومڑی کہہ پھر میرا شیر ہونا دیکھ

[2] یہ قاعدہ یاد رکھ کہ جہاں خدا ہے۔ وہاں نہ جزو ہے نہ کُل۔ اور نہ برتن ہے اور نہ برتن میں پڑنے والی چیز۔

اور جب انسان کا دِل عالمِ صغیر کا عرش ہے ۔ اور عالمِ کبیر کے عرش کے مشابہہ ہے ۔ تو وہ تجلّی جو وہاں ہے ۔ نورِ ظلیت کے شائبے کے بغیر ہے ۔ اسی طرح کی تجلّی ظلیت کے شائبہ کے بغیر دل کا بھی حصّہ ہے ۔ اگرچہ آسمانوں اور زمین میں بھی وہی تجلّی پہنچتی ہے ۔ لیکن ظلال میں سے کسی ظل کے پردے میں ہے ۔ مگر دِل جو عرش کی طرح ہے ۔ شائبہ ظلیت سے مبرّا ہے ۔ اگرچہ چھوٹے اور بڑے ظہور کے اعتبار سے فرق ہے ۔

بقدرِ آئینہ حسن تو مینماید رُو[1]

پس عرش مجید کے بعد ظلیت کے شائبہ کے بغیر تجلّی کامل انسانوں کے دِل کا حصّہ ہے اور دوسروں کو ظلیت دامن گیر ہے ۔

جاننا چاہیے ۔ کہ ظہور عرشی اگرچہ شائبہ ظلیت سے مبرّا ہے ۔ لیکن وہاں صفات ذات تعالیٰ تقدّس کے ساتھ ملی ہوئی ہے ۔ اور شیون اور اعتبارات اس بلند ذات میں ثابت ہیں ۔ اگرچہ اس مرتبہ میں صفات اور شیونات ذات کے لئے حجاب نہیں ہیں ۔ لیکن دید و دانش میں شریک ہیں ۔ اور محبت و گرفتاری میں بھی شریک ہیں ۔ احدیت مجرّدہ تعالت و تقدّست کے گرفتارانِ محبت کسی امر کی شرکت سے راضی نہیں ہیں ۔ اور مطابق آیۃ کریمہ

اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ط   سُن لو ! کہ دین خالص اللہ ہی کے لئے ہے

دین خالص کے خواہاں ہیں ۔

صفات کی عدمِ شرکت درجات کے فرق کے مطابق انسان کی ہیئت وحدانی کا حصّہ ہے ۔ اور ہیئت وحدانی کا حصّہ انسان کا دِل ہے ۔ اور جزوِ ارضی کا حِصّہ انسان ہے ۔ اور اِن سب سے اوپر انسان کی وہ ہیئت وحدانی ہے ۔ جو اس کی جزوِ ارضی کی صورت میں سامنے آئی ہے اور اس کا رنگ پکڑا ہے ۔ مختصر یہ کہ اس معاملہ کا عمدہ حصّہ جزوِ ارضی ہے ۔ دوسرے امور تحسیناتِ زائدہ کی حیثیت رکھتے ہیں ۔ انسان میں دو چیزیں ایسی ہیں ۔ جو عرش میں اور عالمِ کبیر کے لئے بھی اِن دو چیزوں سے کوئی حصّہ نہیں ۔ انسان میں ایک تو جزوِ ارضی ہے ۔ جو عرش میں نہیں ہے ۔ اور ایک ہیئت وحدانی ہے ۔ جو عالمِ کبیر میں نہیں ہے ۔ اور وہ شعور جو ہیئت وحدانی سے تعلق رکھتا ہے ۔ نورٌ علیٰ نورٌ ہے ۔ جو عالمِ اصغر (قلب) کے ساتھ مخصوص ہے ۔ پس انسان ایک اعجوبہ ہے ۔ جس

---

[1] بقدرِ آئینہ تیرا حُسن دکھائی دیتا ہے ۔

نے خلافت کی لیاقت پیدا کی ہے اور امانت کے بوجھ کو اُٹھایا ہے۔

انسان کے نادر اور عجیب خصائص کے متعلق ہے۔ کہ اس کا معاملہ یہاں تک پہنچتا ہے۔ کہ حضرتِ احدیت مجردہ کا آئینہ ہونے کی قابلیت پیدا کر لیتا ہے۔ اور صفات و شیونات کے اقتران و اتصال کے بغیر ہی ذات احد تعالیٰ شانہٗ کا مظہر بن جاتا ہے۔ حالانکہ حضرت ذات تعالیٰ و تقدس ہمہ وقت اپنی صفات و شیونات کی جامع ہے۔ ذات تعالیٰ کے لئے کسی وقت بھی صفات و شیونات سے علیحدگی نہیں۔

اس کی تفصیل یوں ہے۔ کہ انسان کامل جب ذات احدیت تعالیٰ و تقدس کے ماسوا کی گرفتاری سے آزاد ہو جاتا ہے۔ تو ذات احد جلّ سلطانہٗ کے ساتھ گرفتاری پیدا کر لیتا ہے۔ اور صفات و شیونات میں کچھ بھی اس کا ملحوظ، منظور، مقصود، اور مطلوب نہیں ہوتا۔ مطابق اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ "انسان اس کے ساتھ ہوتا ہے۔ جس سے اس کو محبت ہو" اس کے لئے حضرت احدیت مجردہ کیساتھ ایک مجہول الکیفیۃ اتصال پیدا ہو جاتا ہے۔ اور وہ گرفتاری جو اُسے ذاتِ احد جلّ سلطانہٗ کے ساتھ حاصل ہوئی تھی۔ ایک بے چون قرب کی نسبت بے چون ذات کے ساتھ اس میں ثابت کر دیتی ہے۔ اس وقت انسان کامل ذات احد کا آئینہ بن جاتا ہے۔ اس حیثیت سے کہ انسان کامل میں صفات و شیونات میں سے کوئی چیز بھی اس میں مشہود اور دکھائی نہیں دیتی۔ بلکہ اس میں احدیت مجردہ تعالت و تقدست ظاہر اور جلوہ گر ہو جاتی ہے۔ "سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْم"

وہ ذات جو صفات سے ہرگز جدا نہیں ہو سکتی تھی۔ انسان کامل کے شیشہ میں تجرّد کی حیثیت سے ظاہر اور جلوہ گر ہو گئی۔ اور حسنِ ذاتی، حسنِ صفاتی سے متمیز اور جدا ہو گیا۔ اس طرح کی آئینہ داری اور مظہریت انسان کامل کے سوا کسی کو میسر نہیں ہوئی ہے۔ اور حضرت ذات تعالیٰ و تقدس، صفات و شیونات کے بغیر انسان کے سوا کسی چیز میں جلوہ گر نہیں ہوا۔

عرشِ مجید عالمِ کبیر میں حضرت ذات جامع الصفات تعالیٰ و تقدس کا مظہر ہے۔ اور انسان کامل عالمِ صغیر میں حضرت ذاتِ احد کا جو صرف اعتبارات سے ہے، مظہر ہے۔ یہ آئینہ داری انسان کے عجائبات میں سے ہے۔ اور اللہ سبحانہٗ عطا کرنے والا ہے۔ جو وہ عطا کرے اُسے کوئی روک نہیں سکتا اور جو اللہ روک لے۔ اُسے کوئی عطا نہیں کر سکتا۔

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَيْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهِ الصَّلَوٰاتِ وَالتَّحِيَّاتِ الْعُلٰی ط

مکتوب نمبر ۱۲

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرّہ کے برادرِ حقیقی معارف آگاہ میاں غلام محمدؒ کی

طرف صادر فرمایا

اس بیان میں کہ فرشتہ اگرچہ اصل کو دیکھتا ہے۔ اور انسان کا شہود انفس کے آئینہ میں ہے لیکن اس دولت شہود کو انسان میں کا لجزء کیا گیا ہے۔ اور اس کے ساتھ اُسے بقا بخشی گئی ہے۔ اور اس کے مناسب اُمور کے بیان میں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

ملائکہ کرام علیٰ بنینا و علیہم الصلوٰۃ والسلام اصل کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ اور اصل کی طرف متوجہ اور اصل کے ساتھ گرفتاری رکھتے ہیں۔ اور ظلیت کا شائبہ ان کے حق میں مفقود ہے۔ اس دنیا میں کم ہی ایسا ہوتا ہے۔ کہ انسان بیچارہ دائرہ ظلیت سے باہر قدم رکھتا ہو۔ اور آفاق و انفس کے آئینوں کے بغیر شہود دائمی پیدا کرتا ہے۔ اصل کے ساتھ وصول کے بعد انوار اصل کے غلبہ کا پرتو اس کے قلب کے آئینہ میں جلوہ گر کر کے اسے عالم کی طرف واپس کر دیتے ہیں۔ اور ناقصوں کی تربیت اس کے حوالہ کر دیتے ہیں۔ اس رجوع میں اس کی بھی تربیت ہے۔ اور دوسروں کی بھی۔ کیونکہ انوار اصل کا پرتو جو انسان میں جزء کی حیثیت رکھتا ہے۔ مدتِ رجوع میں دوسری اجزاء کو بھی اپنے رنگ میں رنگ لیتا ہے اور اپنے رنگ سے رنگین بنا لیتا ہے۔ جس طرح کہ دوسروں کو نقص سے کمال کی طرف لاتا ہے۔ اور غیب سے شہود کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ اور جب دعوت اور رجوع کی مدت مکمل ہو جاتی ہے۔ اور تحریر اپنی میعادِ معین کو پہنچ جاتی ہے۔ تو اصل کا شوق پیدا ہو جاتا ہے۔ اور رفیقِ اعلیٰ کی ندا اس کی طبیعت سے بلند ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ اور پراگندہ تعلقات سے نجات حاصل کرتے ہوئے سامانِ غیب سے شہادت کی طرف اٹھا کر لے جاتا ہے۔ اور معاملے کو گوش سے آغوش تک لے آتا ہے۔ اور "موت ایک پل ہے جو دوست کو دوست سے ملاتا ہے" یہاں صادق آتا ہے۔

جاننا چاہیئے۔ کہ فرشتہ اگرچہ اصل کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اور انسان کا شہود انفس کے آئینہ میں ہے لیکن شہود کی اس دولت کو اس میں جزء کی طرح رکھا گیا ہے۔ اور اس کے ساتھ بقا بخشی گئی ہے اور اس کے ساتھ متحقق کیا گیا ہے۔ بخلاف فرشتہ کے کہ اس میں یہ دولت جزء کی طرح نہیں رکھی گئی۔

وُہ باہر سے نظارہ کرتا ہے۔ اور اُسے اس کے ساتھ بقا اور تحقق حاصل نہیں ہوتا۔ اصل کے ساتھ رنگین ہونا جو انسان کو میسر ہوا ہے فرشتہ کو میسر نہیں۔ اور وہ اختصاص جو خاکیوں کو نصیب ہوا ہے۔ قدسیوں کو حاصل نہیں ہوسکا۔ اس لئے کہ اندر رہنے اور باہر رہنے میں بڑا فرق ہے۔ اگرچہ اندرونی دولت جزو کی طرح ہے۔ اور بیرونی کل کی طرح۔ لیکن اندر اندر ہے اور باہر باہر۔ ہمارا کلام اشارہ اور بشارت ہے۔ اس لئے خواص بشر خواص مَلَک سے افضل ہیں۔ اور خواص مَلَک کے ہوتے ہوئے انہوں نے ہی خلافت کا استحقاق پیدا کیا ہے۔

وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاۤءُ ۗ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ

زمین زادہ بر آسمان تافتہ [1] زمین و زمان را پس انداختہ

انسان کو یہ دولت جزوِ ارضی کے واسطہ سے میسر ہوئی ہے۔ اور قلب جو عرش اللہ بنا ہے۔ اسی عنصر خاص کی وجہ سے بنا ہے۔ جو کل کا جامعہ اور دائرہ امکان کا مرکز ہے۔ ہاں زمین نے پستی اور کمزوری کی وجہ سے ہی یہ سب بلندی اور رفعت پیدا کی ہے۔ اور عاجزی نے اس کے سر کو بلند کیا ہے۔ کیونکہ "جو اپنے آپ کو اللہ سبحانہٗ کے لئے نیچے کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُسے بلند کرتا ہے"

اور جب انسان کا اہل دعوت اور رجوع کی مدت کے مکمل ہونے کے بعد اور اصل کے رنگ سے رنگین ہونے کے بعد اپنے اصل کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اور جناب قدس کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ تو اُسے ایک رابطہ اور انبساط میسر آتا ہے۔ یقین ہے کہ دوسرے کو میسر نہیں آسکتا۔ اور جو قرب و مرتبہ اُسے حاصل ہوتا ہے۔ دوسرے کو نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ اصل میں فانی ہوچکا ہے۔ اور اصل کے ساتھ بقا پیدا کرلی ہے اور اصل کے رنگ کے ساتھ رنگین ہوگیا ہے۔ دوسرے کو کیا مجال کہ اُس کے ساتھ برابر ہوسکے۔ اسلئے کہ دوسروں کا رنگین ہونا تجرد و تنزہ کے اعتبار سے اگرچہ اکمل اور اتم ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ باہر سے آیا ہے اس لئے عارضی شئے کا حکم رکھتا ہے۔ اور انسان کا رنگین ہونا چونکہ اندر سے تعلق رکھتا ہے اس لئے ذاتی کا حکم رکھتا ہے۔ اور دونوں میں بہت فرق ہے۔ یہ کمال انبیاء صلوات اللہ تعالیٰ و تسلیماتہ علیہم اجمعین کے ساتھ مخصوص ہے۔ کہ خواص بشر سے یہی حضرات مراد ہیں۔ اور وراثت و تبعیت کے طور پر جس کو چاہیں۔ اس دولت عظمیٰ کے ساتھ مشرف فرمادیں۔ انبیاء علیہم الصلوات والتحیات کے صحابہ میں یہ دولت ان کی صحبت کی برکت سے پائی جاتی تھی۔ اور غیر اصحاب کرام میں سے جس کو چاہتے ہیں نوازتے ہیں

---

[1] زمین سے پیدا شدہ انسان آسمان پر چلا گیا۔ زمین و زمان کو پیچھے چھوڑتے ہوئے۔

اگرچہ تھوڑے بلکہ بہت ہی تھوڑے ہیں۔

اگر بادشاہ بر درِ پیر زن آئے ، بیاید تو اے خواجہ سبلت مکن[1]

اے پروردگار بحرمت سید المرسلین علیہ وعلیہم الصّلوات والتحیات والتّسلیمات اکملہا واتمہا، ہمارے لئے ہمارے نور کو مکمل فرما۔ اور ہمیں بخش دے۔ بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

مکتوب نمبر ۱۳

مرزا شمس الدین کی طرف صادر فرمایا

اس کے خط کے جواب میں۔ اور اس بیان میں کہ علمائے ظواہر کا حصّہ کیا چیز ہے اور بلند گروہ صوفیہ کا حصّہ کیا۔ اور علمائے راسخین کا جو انبیاء کے وارث ہیں۔ کیا حصہ ہے۔ اور اس کے مناسب امور کے بیان میں

بعد الحمد والصّلوٰۃ و تبلیغ الدعوات۔ فقیر کہتا ہے۔ کہ آپ کا صحیفہ شریف جو آپ نے از روئے کرم صادر فرمایا ہے۔ اخوی اعزی شیخ محمد طاہر نے پہنچایا۔ اور خوش وقت کیا۔ اس میں درج تھا۔ کہ زمانہ ملاقات کے حاصل ہونے تک ان مکتوبات سے مشرف اور یاد فرمائیں۔ جو نصیحت کی باتوں پر مشتمل ہوں۔ میرے مخدوم و مکرم " اَلنَّصِیْحَۃُ ہِیَ الدِّیْنُ وَمُتَابَعَۃُ " سیّد المرسلین علیہ وعلیہم من الصّلوات افضلہا ومن التحیات اکملہا "۔ یعنی نصیحت یہی ہے کہ دین پر چلو اور حضور سیّد المرسلین علیہ وعلیہم الصّلوٰۃ والسّلام کی پیروی اختیار کرو۔

تصحیح عقائد کے بعد دین و متابعت سے علمائے ظواہر کا حصّہ شرائع واحکام کا علم اور اس علم کے تقاضا کے مطابق عمل ہے۔ بلند گروہ صوفیا جو کچھ علما رکھتے ہیں اس کے ساتھ ساتھ احوال و مواجید اور علوم و معارف سے بھی حصّہ پاتے ہیں۔ اور علمائے راسخین کا حصّہ جو انبیاء علیہم الصّلوات والتّسلیمات کے وارث ہیں۔ علمائے ظواہر کے علم وعمل اور صوفیا کے احوال و مواجید کے علاوہ اسرار و دقائق بھی ہیں۔ جو متشابہات

[1] اگر بادشاہ بڑھیا کے دروازے پر آئے تو اے خواجہ تو حسد سے اپنی مونچھیں نہ اکھیڑ۔

قرآنی میں پائے جاتے ہیں۔ اور جن کی طرف رمز و اشارہ ہو چکا۔ اور بر سبیل تاویل انہیں درج کیا جا چکا ہے
پس یہ علمائے راسخین ہی متابعت میں کامل اور وراثت کے ساتھ موصوف ہیں۔ یہ حضرات تبعیت اور وراثت
کے طور پر انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی دولت خاص میں شریک ہیں۔ اور بارگاہ کے محرم راز ہیں۔
اس لئے " عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ "۔ یعنی میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہیں"
کے شرف سے مشرف ہوئے ہیں۔ تو تم پر علماً، عملاً، حالاً اور وجداً سید المرسلین اور حبیب
رب العالمین علیہ و علیٰ جمیع الانبیاء والمرسلین والملائکۃ المقربین واہل الطاعۃ اجمعین الصلوات والتحیات
کی متابعت ضروری ہے۔ تاکہ حصولِ وراثت کا وسیلہ بنے۔ جو درجات سعادت کی انتہا ہے۔

مکتوب نمبر ۱۴۱

مولانا احمد برکی کی طرف صادر فرمایا

ان کے اس استفسار میں۔ کہ صاحب منصب ولی اپنے منصب کا علم
رکھتا ہے یا نہیں۔ اور دوسرا استفسار کہ فنا فی اللہ اور بقا باللہ اس وقت
تک نصیب نہیں ہوا۔ اور اپنے احوال کی عدم اطلاع کے متعلق

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

آپ کے دو خط یکے بعد دیگرے موصول ہوئے۔ ہمارے مصائب پر ماتم پرسی کے متعلق
آپ نے لکھا تھا۔ " اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ "۔ یاروں اور دوستوں کو فرمائیں کہ ستر ستر ہزار مرتبہ
کلمہ طیبہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پڑھ کر فرزند مرحوم خواجہ محمد صادق اور اس کی ہمشیرہ مرحومہ اُمّ کلثوم کی
روح کو بخشیں اور ستر ہزار بار کا ثواب ایک کو بخشیں اور دوسرے ستر ہزار بار کا ثواب
دوسرے کی روح کو بخشیں۔ دوستوں سے دعا اور فاتحہ کی درخواست ہے۔

آپ نے لکھا تھا۔ کہ مکتوبات میں درج ہے کہ صاحبِ منصب اپنے منصب کا علم رکھتا ہے
میرے مخدوم، قطب الاقطاب صاحبِ علم ہوتا ہے۔ اور مختلف جگہوں کے قطب اس کے اجزاء
کی طرح ہیں۔ اور اس کے ہاتھ پاؤں ہوتے ہیں۔ بعض کو اپنے قطب مدار ہونے کا علم ہوتا ہے۔

اور بعض کو نہیں ۔ آپ نے لکھا تھا ۔ کہ فنا فی اللہ اور بقا باللہ اب تک حاصل نہیں ہوئی ۔ کیا کیا جائے آپ صحبت میں بہت کم رہے ہیں ۔ اور اتنی دیر بھی نہیں ٹھہرے کہ تمہیں تمہارے بعض احوال کے حاصل ہونے کی اطلاع دی جاتی ۔ مَیں اب ہندوستان میں بیٹھا ہوا تمہاری فنا اور بقا کو دیکھ رہا ہوں ۔ اور یہ دو کمال جن کا تم نے ذکر کیا ہے ۔ مَیں تمہارے اندر اُن کا احساس کر رہا ہوں ۔ اور تم اس معنی کا انکار کرتے ہو ۔ درمیان میں بڑا فاصلہ حائل ہے ۔ جب تک ظاہری ملاقات میّسر نہ ہو ۔ مخفی احوال پر مطلع کرنا دشوار ہے ۔

مشائخ نے فنا اور بقا میں گفتگو کی ہے ۔ جو سب رمز و اشارہ کے طور پر ہے ۔ اپنے آپ کے متعلق کیا پا سکتا ہے ۔ اور حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ ہر ایک کو احوال کا علم عطا نہیں فرماتا ۔ بلکہ ایک شخص کو احوال کا علم عطا کر کے پیشوا بنا دیتا ہے ۔ اور پھر ایک گروہ کو اس کے ساتھ وابستہ کر کے مرتبہ کمال و تکمیل تک پہنچاتا ہے ۔

خاص کند[1] بندہ مصلحت عام را

کاش کہ شیخ حسن کو چند روز اور نگاہ رکھ کر اس کے بعض احوال پر اطلاع کر کے تمہاری خدمت میں ہم بھیج سکتے ۔ تمہارا آنا مشکل ہے ۔ تمہارے سمجھ دار اور قابل دوستوں میں سے اگر کوئی آتا ۔ اور چند روز یہاں ٹھہرتا اور بات بھی سمجھتا تو کتنا اچھا ہوتا ۔ تاکہ ضروری چیزیں اُسے بتا دی جاتیں ۔ مقصود یہ ہے ۔ کہ احوال حاصل ہوں ۔ احوال پر اطلاع ایک دوسری چیز ہے ۔ باقی بوقتِ ملاقات انشاء اللہ تعالیٰ والسّلام

ایک ضروری نصیحت یہ ہے کہ علوم کے درس و تدریس سے اپنے آپ کو کبھی معاف نہ رکھنا ۔ بلکہ تمہارا تمام وقت درس میں ڈوبا ہوا ہونا چاہیئے ۔ ذکر و فکر کی ہوس نہ کریں ۔ رات کی گھڑیاں ذکر و فکر کے لئے بہت ہیں ۔ شیخ حسن کو بھی سبق دیتے رہیں ۔ اور بیکار نہ چھوڑیں ۔ اور جب کہ وہ علاقے علم سے بہت کم حصہ رکھتے ہیں ۔ تو وہاں علوم شرعیہ کو زندہ کریں ۔ زیادہ بار بار کیا تاکید کروں ۔

خواجہ اویس کے مکشوفات کے اوراق موصول ہوئے ۔ اکثر جگہیں نظر سے گزریں ۔ یہ دراصل حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی طرف سے بشارتیں ہیں ۔ اُمید وار رہیں تاکہ یہ باتیں قوت سے فعل میں آجائیں

---

[1] مصلحتِ عام کی خاطر اللہ تعالیٰ ایک بندے کو چن لیتا ہے ۔

مکتوب نمبر ۱۵

قصبہ سامانہ کے سادات عظام، اور اس قصبہ کے باشندگان

اور نامور بزرگوں کے نام صادر فرمایا

اُس خطیب کی مذمت میں جس نے عید قربان میں خلفاءِ راشدین رضی اللہ عنہم کا ذکر ترک کر دیا اور اس کے مُناسب

امُور کے بیان میں

" اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی "

بلدہ سامانہ کے سادات عظام اور وہاں کے باشندگان اور نامور بزرگوں کے باعزت خادموں کو تکلیف دینے کا باعث یہ ہے۔ کہ سننے میں آیا ہے۔ کہ اس شہر کے خطیب نے عید قربان کے خطبہ میں خلفاءِ راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ذکر ترک کیا ہے۔ اور ان کے متبرک اسماءِ گرامی نہیں لئے۔ اور یہ بھی سننے میں آیا ہے۔ کہ جب کچھ لوگوں نے اس بارے میں اس سے دریافت کیا تو وہ بھُول اور نسیان کا عذر کرنے کی بجائے سرکشی سے پیش آیا ہے۔ اور کہا ہے کہ کیا ہو گیا اگر خلفاءِ راشدین کے نام مذکور نہیں ہوئے نیز یہ بھی سننے میں آیا ہے۔ کہ وہاں کے اکابر اور باشندگان نے اس بارے میں سُستی کی ہے۔ اور اس بے انصاف خطیب کے ساتھ سختی اور درشتی کے ساتھ پیش نہیں آئے۔

داۓ[1] نہ یکبار کہ صد بار واۓ

خلفاءِ راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ذکرِ پاک اگرچہ خطبہ کے شرائط میں سے نہیں ہے۔ لیکن اہلسنت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کے شعائر میں سے ضرور ہے۔ ان کے ذکر مبارک کو قصداً اور سرکشی کے ساتھ وہی ترک کریگا۔ جس کا دِل مریض اور باطن خبیث ہے۔ اگر ہم یہ فرض بھی کر لیں کہ اس نے تعصب اور عناد سے ترک نہیں کیا۔ تاہم " مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ "، (جس نے کسی قوم سے مشابہت پیدا کی وہ انہیں میں شمار ہو گا) کی وعید کا کیا جواب ہو گا اور تہمت کی جگہ سے کیسے خلاصی ملیگی۔ حالانکہ فرمانِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے " اِتَّقُوْا مَوَاضِعَ التُّهَمِ " تہمت کی جگہ سے بچو۔ اور اگر یہ شخص حضرات شیخین کی تقدیم و تفضیل میں توقف کرتا ہے۔ تو اہلِ سنت کے طریقے کا تارک

---

[1] افسوس صد افسوس

ہے۔ اور حضرات ختنین (حضرت علی و عثمان رضی اللہ عنہم) کی محبت میں شک رکھتا ہے۔ تو بھی اہل حق سے خارج اور دُور ہے۔ اور بعید نہیں کہ اس بے حقیقت خطیب نے جو کشمیری ہونے کے ساتھ منسوب ہے۔ اس خبث و پلیدی کو کشمیر کے بدعتیوں، رافضیوں سے اخذ کیا ہو۔ اُسے سمجھانا چاہیئے کہ حضرات شیخین کی افضلیت اجماع صحابہ اور تابعین کے ساتھ ثابت ہو چکی ہے۔ چنانچہ اس اجماع کو اکابر آئمہ کی ایک جماعت نے نقل کیا ہے۔ ان ائمہ میں سے ایک حضرت امام شافعی ہیں (رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ) شیخ امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔

اِنَّ تَفۡضِیۡلَ اَبِیۡ بَکۡرٍ ثُمَّ عُمَرَ عَلٰی بَقِیَّةِ الۡاُمَّةِ قَطۡعِیٌّ

بیشک ابوبکر پھر عمر کا باقی امت پر افضل ہونا قطعی ہے۔

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔

وَقَدۡ تواتر عَنۡ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُ فِی خِلَافَتِہٖ وَکرسی مملکتہٖ وَبَیۡنَ الجمع الغفیر من شیعتہٖ اِنَّ اَبَابَکۡرٍ وَعُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡھُمَا افضل امۃ ثُمَّ قَالَ وَرَوَاہُ عَنۡ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُ نیف و ثمانون نفسا وعد مِنۡھُمۡ جماعۃ ثُمَّ قَالَ فقبح اللّٰہُ الرافضۃ مَا اَجۡھَلُھُمۡ ط

بیشک حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان کے زمانہ خلافت اور کرسی سلطنت میں اور بہت بڑے مجمع کے سامنے اور آپ کے ملنے والوں کے رُوبرو تواتر کے ساتھ یہ بات ثابت ہو چکی ہے۔ کہ بے شک حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما تمام اُمّت سے افضل ہیں اور اس بات کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اسّی سے کچھ اوپر افراد نے نقل کیا ہے۔ اور ان میں سے ایک جماعت کے نام بھی ذکر کئے ہیں۔ پھر انہوں نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ رافضیوں کو ذلیل کرے ۔ کتنے جاہل ہیں یہ لوگ

اور روایت کیا ہے امام بخاری نے جن کی کتاب اللہ کی کتاب کے بعد سب سے زیادہ صحیح ہے۔ کہ نبی علیہ و علی آلہ الصّلوٰۃ والسّلام کے بعد لوگوں میں سے سب سے بہتر ابوبکر ہیں۔ پھر عمر۔ پھر ایک اور آدمی۔ تو ان کے بیٹے محمد بن حنفیہؒ نے کہا پھر آپ ہونگے۔ تو حضرت علی نے فرمایا۔ سوائے اس کے نہیں کہ میں تو مسلمانوں میں سے ایک مسلمان ہوں اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ اور ان کے علاوہ دوسرے اکابر صحابہ اور تابعین سے اس قسم کی بہت اور مشہور روایات موجود ہیں۔ جن کا انکار نہیں

کریگا مگر جاہل یا بدعتی ۔

اور اس بے انصاف خطیب سے کہنا چاہیئے ۔ کہ ہمیں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے تمام صحابہ کرام کے ساتھ محبت رکھنے کا حکم ہے ۔ اور ان سے بُغض رکھنا اور انہیں تکلیف دینا ممنوع ہے ۔ آپ کے دونوں داماد (حضرت عثمان و علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما) اکابر صحابہ اور آنسرور علیہ و علیہم الصّلوات والتسلیمات کے رشتہ داروں میں سے ہیں ۔ اس لئے محبت اور دوستی کے بہت حقدار ہیں ۔

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے ۔

قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِى الْقُرْبٰى

آپ فرمادیں ۔ مَیں نہیں مانگتا ہوں تم سے اس پر اُجرت مگر دوستی قریبیوں کے ساتھ

اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے فرمایا ۔

اَللّٰهَ اَللّٰهَ فِىْ اَصْحَابِىْ لَا تَتَّخِذُوْهُمْ غَرَضًا مِنْ بَعْدِىْ فَمَنْ اَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّىْ اَحَبَّهُمْ وَ مَنْ اَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِىْ اَبْغَضَهُمْ وَمَنْ اٰذَاهُمْ فَقَدْ اٰذَانِىْ وَمَنْ اٰذَانِىْ فَقَدْ اٰذَى اللّٰهَ وَمَنْ اٰذَى اللّٰهَ فَيُوْشِكُ اَنْ يَّاْخُذَهٗ

ترمذی شریف

میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو ۔ اُن کو میرے بعد طعن و تشنیع کا نشانہ نہ بناؤ ۔ تو جس نے ان سے محبت کی اس نے میرے ساتھ محبت کی بناء پر ان سے محبت کی اور جس نے اُن سے دشمنی کی تو اس نے میرے ساتھ دشمنی کی بناء پر ان سے دشمنی کی ۔ اور جس نے انہیں تکلیف دی بیشک اس نے مجھے تکلیف دی اور جس نے مجھے تکلیف دی اس نے اللہ کو تکلیف دی ۔ تو قریب ہے کہ اللہ اُسے پکڑ لے ۔

اس قسم کا بدبُودار پھول ابتدا سے لیکر اسوقت معلوم نہیں ۔ کہ ہندوستان میں کھلا ہو ۔ قریب ہے کہ یہ معاملہ پورے شہر سامانہ کو متہم کردے بلکہ ہندوستان پر سے اعتماد اُٹھ جائے ۔ بادشاہ وقت (اللہ سبحانہٗ اُسے دشمنانِ اسلام پر فتح و نصرت عطا کرے) اہلسنّت سے ہے ۔ اور حنفی مذہب ہے ۔ اس کے دور حکومت میں اس طرح کی بدعت کا مرتکب ہونا بڑی دلیری ہے ۔ بلکہ فی الحقیقت بادشاہ کے ساتھ مقابلہ ہے ۔ اور اولی الامر کی اطاعت سے نکلنے والی بات ہے ۔ اس کے باوجود تعجب ہے ۔ کہ وہاں کے مخدومانِ عظام اس واقعہ میں اپنے آپ کو بے قصور خیال کرتے ہیں اور سُستی کرتے ہیں ۔

اللہ تبارک و تعالیٰ اہل کتاب کی مذمت کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

لَوْلَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ؕ

کیوں نہیں روکتے ان کو رب والے اور عالم گناہ کی بات کرنے اور حرام کھانے سے۔ البتہ بہت ہی بُرا ہے جو وہ کرتے ہیں۔

نیز اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے۔

كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ؕ

یہ لوگ برائی کرنے والوں کو بُرائی سے نہیں روکتے تھے۔ البتہ بہت ہی بُرا کام کرتے تھے

" سورۃ المائدہ پ ۶ "

اس قسم کے واقعات کے رونما ہونے کے باوجود غفلت برتنا بدعقیدہ لوگوں کو دلیر کرنے والی بات ہے۔ کہ دین میں رخنہ انداز ہونے کے مترادف ہے۔ یہ بات بھی سستیوں میں شمار ہوتی ہے۔ کہ مہدی کی جماعت وہاں کھلے بندوں اہل حق کو اپنے باطل مسلک کی طرف دعوت دیتی اور تھوڑی مدت میں ایک دو افراد کو بھیڑیوں کی طرح ریوڑ سے اٹھا لیتے ہیں۔ زیادہ کیا تکلیف دے جبکہ یہ وحشت انگیز خبر سننے میں آئی۔ اور اس نے شورش پیدا کی اور میری رگِ فاروقی کو حرکت دی تو یہ کلمات لکھ دیئے۔ امید ہے کہ معذور قرار دیں گے۔

وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلٰى سَائِرِ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ وَالتَّحِيَّاتُ وَالْبَرَكَاتُ

مکتوب نمبر ۱۶

شیخ بدیع الدین سہارنپوری کی طرف صادر فرمایا

اس کے استفسارات کے جواب میں اور برزخِ صغریٰ کے عجائب وغرائب کے بیان میں اور مرگ طاعون اور اس کے مناسب امور کے بیان میں

" اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى "

آپ کا صحیفہ شریف موصول ہوا ۔ اس میں درج تھا کہ اس علاقہ میں دو بڑے زبردست حادثے رونما ہوئے ہیں ۔ ایک طاعون کا حادثہ اور دوسرا قحط کا ۔ اللہ سُبحانہٗ ہمیں اور تم کو ان بلّیات سے بچائے رکھے ۔

آپ نے لکھا تھا ۔ کہ ان فتنوں کے باوجود دن رات عبادت و مراقبہ میں گزرتے ہیں ۔ اور باطن معمور اور آباد ہے ۔ اس حال پر اللہ سُبحانہٗ کی حمد اور احسان ہے ۔ جو سوالات آپ کے مکتوب میں درج تھے ۔ ان کا جواب حسبِ ذیل ہے ۔ سنتوں میں اکثر اوقات چار قُل[1] کی تلاوت کرنی چاہیئے ۔ اور مردوں کیلئے مسنون کفن تین کپڑے ہیں ۔ دستار قدرِ مسنون سے زائد ہے ۔ ہم قدرِ مسنون پر کفائت کرتے ہیں ۔ اور ہم عہد نامہ[2] نہیں لکھتے ۔ کیونکہ پلیدیوں کے ساتھ آلودہ ہونے کا احتمال ہے ۔ اور سندِ صحیح سے بھی ثابت نہیں ۔ اور علماءِ ماوراء النہر کا عمل بھی نہیں ۔ اور مشائخ سے تبرک کے طور پر حاصل شدہ پیراہن کو اگر کفن میں قمیص کی جگہ استعمال میں لائیں تو اس کی گنجائش ہے شہدائے کرام کے کپڑے ہی ان کے کفن ہیں ۔ اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وصیت کی تھی ۔ کہ " مجھے میرے ان دو کپڑوں میں ہی کفن دینا "

برزخ صغریٰ (قبر) جبکہ ایک جہت سے مقاماتِ دنیوی میں سے ہے ۔ اس لئے ترقی کا احتمال رکھتی ہے ۔ اور عالم قبر کے احوال اشخاص کے تفاوت سے آپس میں بڑا فرق رکھتے ہیں ۔

اَلْاَنْبِیَاءُ یُصَلُّوْنَ فِی الْقُبُوْرِ ط — انبیاءِ کرام قبور میں نماز ادا فرماتے ہیں

یہ حدیث آپ نے سُنی ہوگی

اور ہمارے پیغمبر علیہ الصّلوٰۃ والسّلام شبِ معراج جب حضرت کلیم علیٰ نبینا علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی قبر مبارک کے نزدیک سے گزرے تو دیکھا کہ آپ قبر میں نماز ادا فرما رہے ہیں ۔ اور اسی لحظہ میں ، جب آپ آسمان پر پہنچے تو حضرت کلیم کو وہاں پایا ۔ اس جگہ کا معاملہ بڑے عجائب و غرائب رکھتا ہے ۔

ان ایام میں جب کہ میرے فرزند اعظم مرحوم کی وفات واقع ہونے کے باعث اس عالم قبر کی طرف توجہ اور نظر کرنے کا اتفاق زیادہ ہوتا ہے ۔ اس بناء پر بہت سے اسرار غریبہ ظہور پذیر ہوتے ہیں ۔ کہ

---

[1] یعنی قُلْ یٰاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ الخ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ الخ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ الخ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ الخ

[2] لیکن دُرِّ مختار میں ہے ۔ اگر میت کی پیشانی یا اس کے عمامے یا کفن پر عہد نامہ لکھا جائے ۔ تو امید ہے کہ اللہ اس کی مغفرت فرمائے گا ۔

اگر ان کا تھوڑا سا حصّہ بھی بیان کرے تو کئی فتنوں کا باعث بن جائے۔
اگرچہ عرش مجید جنّت کی چھت ہے۔ تاہم قبر بھی جنّت کے باغات میں سے ایک باغ ہے اگرچہ عقل کوتاہ اندیش اس کا تصوّر کرنے سے عاجز ہے۔ وہ دوسری آنکھ ہے۔ جو ان عجائبات کا تماشا کرتی ہے۔ جس طرح کس طرح کرے۔ اگرچہ صرف ایمان بھی موجبِ نجات ہے۔ لیکن کلمہ طیبہ کی قبولیّت اور بلندی عمل صالح کے ساتھ وابستہ ہے۔ اور موت وبا سے بھاگنا گناہ کبیرہ ہے۔ جس طرح کفّار سے جنگ کے دِن مورچے سے بھاگنا گناہ کبیرہ ہے۔ اور جو شخص وبا کی زمین میں صبر کے ساتھ رہے۔ اور وہیں مر جائے۔ شہداء میں سے ہے۔ اور فتنہ قبر سے محفوظ ہے۔ اور اگر صبر کرے اور نہ مرے تو غازیوں میں سے ہے۔

اِنْ قَالَ لِیْ مُتْ مُتُّ سَمْعًا وَّطَاعَةً ۔ وَقُلْتُ لِدَاعِی الْمَوْتِ اَھْلًا وَّسَھْلًا[1]

چند روز سے بلغم اور کھانسی نے نڈھال کر رکھا ہے۔ جسمانی ضعف لاحق ہے۔ اس مجبوری کے تحت صرف جوابات پر ہی کفائیت کی ہے۔

وَالسّلام

مکتوب نمبر ۱۷

مرزا حسام الدین احمد کی طرف صادر فرمایا

"اس بیان میں کہ اس عالم کی مصیبتیں اگرچہ بظاہر زخم لگاتی ہیں۔ لیکن فی الحقیقت ترقیات کا باعث اور مرہم ہیں۔ اور مرضِ طاعون کی فضیلت اور اس کے مناسب امور کے بیان میں"

بعد الحمد والصّلوٰۃ وتبلیغ الدّعوات۔ فقیر رنج دینے کا باعث بن رہا ہے۔ کہ آپ کا مکتوب شریف جو آپ نے در بارہ ماتم پُرسی ہمراہ شیخ مصطفٰے ارسال کیا تھا۔ فقیر اس کے مضمون سے مشرّف ہوا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ یہ مصیبتیں بظاہر زخم ہیں۔ لیکن فی الحقیقت بعنایت اللہ سبحانہٗ ترقیات اور مرہم ہیں۔ وہ نتائج و ثمرات جو اس دنیا میں ان پر مرتب ہوتے ہیں۔ ان ثمرات و نتائج

---

[1] مجھے اگر کہتا ہے کہ مر جا تو بخوشی مر جاتا ہوں، اور داعیِ موت کا اَہلاً و سہلاً کہتے ہوئے استقبال کرتا ہوں۔

کا سوواں حصہ ہیں - جن کی حق تعالیٰ کی عنایات سے آخرت میں توقع اور امید ہے -

پس فرزندوں کا ہونا عین رحمت ہے - ان کی زندگی میں منافع اور فوائد ہیں اور ان کی موت پر بھی نتائج و ثمرات مرتب ہوتے ہیں -

امام اجل محی السنتہ حلیتہ الابرار میں لکھتے ہیں - کہ حضرت عبداللہ بن زبیر کے زمانہ خلافت میں تین دفعہ طاعون پڑا - اور اس طاعون میں حضور علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوات والتسلیمات کے خادم حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے تراسی لڑکے فوت ہو گئے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُن کے حق میں دعا برکت کی تھی - اور حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے چالیس لڑکے فوت ہو گئے - جب کہ حضرت خیر الانام علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ کرام کے ساتھ یہ معاملہ فرماتے ہیں - تو ہم گناہ گار کس حساب اور شمار و قطار میں ہیں -

حدیث میں وارد ہے - کہ پہلی امتوں کے لئے طاعون عذاب تھا - اور اس امت کیلئے شہادت کا ذریعہ ہے - بلاشبہ اس بلا میں بہت سے لوگ مرتے ہیں - بڑے حضور دل اور توجہ الی الآخرت کی حالت میں مرتے ہیں - خواہش پیدا ہوتی ہے - کہ کوئی دوسرا بھی اس بلا والی جماعت سے لاحق ہو جائے - اور دنیا سے آخرت کی طرف سامان اُٹھا لے جائے - یہ بلا اس امت میں بظاہر غضب ہے - لیکن باطن میں رحمت ہے -

میاں شیخ طاہر نے نقل کیا تھا - کہ لاہور طاعون کے ایام میں ایک شخص دیکھا گیا - کہ جس کو ملائکہ کہتے ہیں - جوان ایام میں نہیں مریگا - حسرت اور افسوس کرے گا - ہاں جب بھی ان طاعون سے فوت ہونے والوں کے حالات پر نظر ڈالی جاتی ہے - تو احوال غریبہ اور معاملات عجیبہ مشاہدے میں آتے ہیں شاید شہدائے فی سبیل اللہ انھیں خصوصیات سے ممتاز ہوتے ہیں -

میرے مخدوم! میرے... عزیز (خواجہ محمد صادق) قدس سرہٗ کی وفات اعظم مصائب میں سے ہے معلوم نہیں کہ کوئی شخص اس طرح کی مصیبت میں مبتلا کیا گیا ہو - لیکن اس مصیبت میں جو صبر و شکر حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ سے اس قلب ضعیف کو عطا کیا گیا وہ بڑی نعمتوں اور اعظم انعامات میں سے ہے - یہ ناچیز حق سبحانہٗ و تعالیٰ سے التجا کرتا ہے کہ اس مصیبت کی جزاء آخرت کیلئے تیار رکھے - اور دنیا میں اس کی کچھ بھی جزاء ظاہر نہ ہو - اگرچہ فقیر جانتا ہے - کہ یہ سوال بھی تنگی سینہ کے باعث ہے - ورنہ وُہ تعالیٰ واسع المغفرہ ہے - اور اللہ ہی کے قبضہ میں دنیا و آخرت ہے - اور دوستوں سے بھی درخواست ہے - کہ وُہ امداد، اعانت، سلامتی خاتمہ کی دُعا کرتے رہیں اور انسانیت کو لازم لغزشوں اور بشریت کی وجہ سے پیدا ہونے والی کوتاہیوں سے درگذر کریں - اے ہمارے پروردگار! ہمارے گناہ بخش - اور ہمارے

کاموں میں ہماری زیادتیوں کو بھی بخش اور ہمیں ثابت قدمی عطا فرما اور کافر قوم پر ہماری مدد و نصرت فرما۔

وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلٰى سَائِرِ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى

مکتوب نمبر ۱۸

شیخ جمال ناگوری کی طرف صادر فرمایا

اس بیان میں کہ علماء راسخین کا کیا حصّہ ہے۔ اور علماء ظواہر کا کیا۔ اور صوفیہ کا کیا حصّہ ہے اور اُس کے التماس کا جواب جو اُس نے کہا تھا

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ط

اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ علماء، انبیاء کے وارث ہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد ہی علماء عظام کی مدح و ثنا کے لئے کافی ہے۔ علم وراثت علم شریعت ہے جو انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کا باقیماندہ ہے۔ اور علم شریعت کی ایک صورت اور ایک حقیقت۔ صورت وہ ہے جو ظاہری علماء کا حصّہ ہے۔ شکر اللہ تعالیٰ سعیہم۔ اور محکمات کتاب و سنّت سے تعلق رکھتا ہے۔ اور اس کی حقیقت وہ ہے۔ جو علماء راسخین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا حصہ ہے۔ جو کتاب و سنّت کے متشابہات سے تعلق رکھتی ہے۔ محکمات اگرچہ اُمّہات کتاب ہیں۔ لیکن ان کے نتائج و ثمرات متشابہات میں۔ جو کتاب کے مقاصد ہیں۔ اُمّہات حصول نتائج کے لئے وسائل سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔ پس کتاب کا لُبّ (مغز) متشابہات ہیں۔ اور محکمات ان کا چھلکا ہیں۔ متشابہات ہی ہیں۔ جو رمز اور اشارہ کے طور پر اصل کو بیان کرتی ہیں۔ اور اس معاملہ کی حقیقت کا نشان بتاتی ہیں۔ علماء راسخین نے چھلکے کو مغز کے ساتھ جمع کر لیا ہے۔ اور شریعت کی صورت و حقیقت کے مجموعے کو پا لیا ہے۔ اور ان بزرگوں نے شریعت کو اس شخص کی طرح تصوّر کیا ہے۔ جس کا پوست اور مغز صورت اور حقیقت ہو۔ شرائع اور احکام کے علم کو انہوں نے صورت شریعت جانا ہے۔ اور حقائق اور اسرار کے علم کو حقیقتِ شریعت کہا ہے۔ اور ایک جماعت

ل احمد، ترمذی، ابو داؤد بروایت ابو الدرداء

نے صورت شریعت میں گرفتار ہو کر اس کی حقیقت سے انکار کیا ہے ۔ اور انہوں نے اپنا پیر اور مقتدا ہدایہ اور بزدوی کے کسی چیز کو قرار نہیں دیا ۔ اور ایک دوسری جماعت اگرچہ حقیقت شریعت میں گرفتار ہوئی ہے ۔ لیکن چونکہ انہوں نے اس کو شریعت کی حقیقت نہیں جانا ۔ بلکہ شریعت کو صورت میں منحصر رکھا ہے ۔ اور اُسے پوست خیال کیا ہے ۔ اور لُبّ و مغز کو اس کے ماسوا میں تصور کیا ہے ۔ تو ناچار اس وجہ سے اس کی حقیقت سے آگاہ نہ ہو سکے ۔ اور متشابہات سے کچھ حصہ نہ پا سکے ۔ تو علماء راسخین ہی درحقیقت وارث ہیں ۔ اللہ سبحانہٗ ہمیں اور تمہیں ان کے محبین اور ان کے نشانات پر چلنے والوں میں سے کرے ۔

دوسری بات یہ ہے کہ اخوی میاں شیخ نور محمدؐ نے آپ کی طرف سے ظاہر کیا ہے ۔ کہ آپ نے فرمایا ہے ۔ کہ ہمیں دوسرے سلاسل کے مشائخ سے اجازتیں ہیں ۔ اور سلسلہ نقشبندیہ کی جانب سے بھی میں اجازت چاہتا ہوں ۔

مخدوم و مکرّم ! پیری و مریدی طریقہ نقشبندیہ میں طریقہ کے سکھانے اور سیکھنے سے ہے ۔ کلاہ اور شجرہ سے نہیں ۔ جس طرح کہ دوسرے سلاسل میں متعارف ہے ۔ ان بزرگوں کا طریقہ صحبت ہے اور ان کی تربیت انعکاسی ہے ۔ اس بناء پر ان کی بدایت میں دوسروں کی نہایت درج ہے اور اُن کا راستہ بالکل قریب ہے ۔ ان کی نظر امراض قلبیہ کو شفا دیتی ہے ۔ اور اُن کی توجہ باطنی بیماریوں کو دفع کرتی ہے ۔

نقشبندیہ عجیب قافلہ سالار اند[1] — کہ برند از رہِ پنہاں بحرم قافلہ را

اُمید ہے کہ معذور جانیں گے ۔ نیک لوگ عذر قبول کرتے ہیں ۔

وَالسَّلام

مکتوب نمبر ۱۹

میر محبّ اللہ کی طرف صادر فرمایا

[1] نقشبندی عجیب قافلہ سالار ہیں کہ پوشیدہ قافلے کو حرم تک پہنچا دیتے ہیں ۔

روشن سنت کی اتباع ، ناپسندیدہ بدعت سے اجتناب ، اور اس کے مناسب اُمور کے ،

بیان میں

بعد الحمد والصّلوٰۃ و تبلیغ الدّعوات ۔ سیادت پناہ اخوی واعزّی میر محبّ اللہ کی خدمت میں عرض ہے ۔ کہ ان حدود کے فقراء کے حالات و کوائف تعریف کے لائق ہیں ۔ اللہ سبحانہٗ سے درخواست ہے کہ وہ تمہیں سلامتی ، ثابت قدمی اور استقامت عطا کرے ۔

اس مدت میں آپ نے اپنے علاقہ کے حالات کی کیفیت سے مطلع نہیں کیا ۔ بُعد مسافت رکاوٹوں میں سے ہے ۔

نصیحت بس یہی ہے کہ دینی احکام کا التزام ہو ۔ اور حضور سیّد المرسلین علیہ و علیٰ آلہ و علیہم الصّلوٰۃ والسّلام کی متابعت اختیار کی جائے ۔ اور سُنّت سنیّہ کا بجا لانا اور ناپسندیدہ بدعت سے اجتناب اختیار کیا جائے ۔ اگرچہ بدعت صبح کی روشنی کی طرح دکھائی دیتی ہو ۔ کیونکہ بدعت میں فی الحقیقت کوئی نور اور ضیاء نہیں ۔ اور بیمار کے لئے اس میں کوئی شفا نہیں ۔ اور نہ کسی مرض کے لئے اس میں علاج ہے ۔ یہ خوبیاں بدعت میں کیسے پائی جا سکتی ہیں ۔ بدعت یا تو رافع سُنّت ہے یا اس سے خاموش اور بدعت ساکتہ ضروری ہے ۔ کہ سُنّت پر زائد ہو ۔ تو اس طرح وہ بھی فی الحقیقت سُنّت کی رافع ہے ۔ کیونکہ نص پر زیادتی نص کا نسخ ہے ۔ لہٰذا جو بدعت بھی ہو وُہ ضرور سُنّت کو مٹاتی ہے ۔ اور اس کے مخالف ہوتی ہے ۔ لہٰذا بدعت میں کوئی خیر اور حُسن نہیں ۔ اور کاش کہ مَیں جان لیتا کہ دین کامل میں پیدا شدہ بدعت کو حَسَن کہنے والوں نے کیسے اُسے حسن کہنے کا فیصلہ کر لیا ۔ حالانکہ دین کامل ہو چکا ۔ اور پسندیدہ اسلام کی نعمت مکمل ہو چکی ۔ اور انھیں یہ معلوم نہ ہو سکا ۔ کہ دین کے اکمال و اتمام کے بعد اس میں بدعت کا اجراء ، اور اس سے رضائے الٰہی کا حاصل ہونا درستی سے دور ہے ۔ تو حق کے بعد نہیں مگر گمراہی اور اگر وُہ جانتے کہ دین کامل میں کسی مُحدَث (بدعت) کو حَسَن کہنا اور اس کے عدمِ کمال کو مستلزم ہے ۔ اور نعمت کے نامکمل ہونے سے خبر دیتا ہے ۔ تو وہ ایسا کہنے کی جرأت نہ کرتے ۔ اے اللہ ! ہمیں نہ پکڑ اگر ہم بھول جائیں یا خطا کر بیٹھیں ۔

وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَعَلیٰ مَنْ لَدَیْکُمْ

مکتوب نمبر ۲۰

مولانا محمد طاہر بدخشی کی طرف صادر فرمایا

نماز کے فضائل میں اور اس امر کی ترغیب میں کہ اس کے ارکان، شرائط، آداب اور تعدیلِ ارکان کما حقہٗ بجالانے چاہئیں اور اس کے مناسب اُمور کے بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ،

آپ کا وہ مکتوب شریف جو آپ نے جونپور کی طرف سے لکھا تھا موصول ہوا۔ چونکہ وہ کمزوری بدن کی خبر پر مشتمل تھا۔ اس لئے بے آرامی کا باعث ہوا۔ فقیر تندرستی کی اطلاع کا منتظر ہے۔ کسی آنے والے کے ذریعے اطلاع کرنا اور اپنے احوال کی کیفیات تحریر کرنا۔

اے محبت کے اطوار والے! جب کہ یہ دنیا دار العمل ہے۔ اور دارِ جزاء دارِ آخرت ہے۔ اسلئے اعمال صالحہ کے بجالانے میں کوشش اور سعی کرنی چاہیئے۔ بہترین اعمال اور فاضلترین عبادات نماز کا قائم کرنا ہے۔ کیونکہ یہ دین کا ستون اور مومن کی معراج ہے۔ اس لئے اس کے ادا کرنے میں پورا پورا اہتمام کرنا چاہیئے اور احتیاط کرنی چاہیئے کہ اس کے ارکان، شرائط، سُنّتیں، مستحبات پورے پورے ادا ہوں۔ نماز میں اطمینان اور تعدیلِ ارکان کی تکرار کے ساتھ بار بار تاکید کی جاتی ہے۔ اس کا بہت زیادہ خیال رکھیں۔ کیونکہ اکثر لوگوں نے نماز کو ضائع کر رکھا ہے۔ اور تعدیلِ ارکان کو درہم برہم کر چکے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لئے بہت وعیدیں اور ڈانٹ کے الفاظ وارد ہیں۔ جب نماز درست گئی تو بڑی امید ہے کہ نجات میسر آجائے کیونکہ دین قائم ہوگیا۔ اور عروج کا معراج اپنی انتہا کو پہنچ گیا۔

برشکر غلطید اے صفرائیاں[1] ۔۔۔ از برائے کوری سودائیاں

وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَعَلٰی سَائِرِ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهِ الصَّلَوٰاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ الْعُلٰی

مکتوب نمبر ۲۱

[1] اے صفراء کے مریضو! شکر پر لوٹ پوٹ ہو جاؤ۔ کیونکہ سوداکے مریض تو آنکھوں سے نابینا ہیں (لہذا ان کا حصہ بھی تم ہی لو)

خواجہ محمد صدیق ملقب بہ ہدایہ کو صادر فرمایا

اس بیان میں کہ حدیثِ قدسی لا یسعنی ارضی الخ میں قلب سے مراد گوشت کا ٹکڑا ہے نہ کہ حقیقتِ جامعہ جس کی وسعت سے بعض مشائخ نے خبر دی ہے۔ لیکن گوشت کا وہ ٹکڑا مراد ہے۔ جس نے سلوک و جذبہ، تصفیہ و تزکیہ اور تمکینِ قلب اور اطمینانِ نفس کے بعد اجزاءِ عشرہ سے ترکیب پائی ہے۔ اور ہیئت وحدانی پیدا کی ہے۔ اور گوشت کے اس ٹکڑے کی فضیلت حقیقت جامعہ پر چند وجہ سے ہے۔ اور اس بیان میں یہ تمام کمالات جو اس پارہ گوشت کے لئے ثابت ہیں۔ مقامِ قاب قوسین میں ہیں۔ اور اَوْ اَدْنٰی کا معاملہ اس سے بھی وراء ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ط

آپ نے پوچھا تھا کہ تونے اپنے مکتوبات و رسائل میں لکھا ہے۔ ظہور قلبی ظہور عرشی کا لمعہ ہے۔ اور فضیلت کلّی صرف ظہور عرشی کیلئے ہے اور حدیث قدسی میں آیا ہے۔

لَا يَسَعُنِيْ اَرْضِيْ وَلَا سَمَائِيْ وَلٰكِنْ يَسَعُنِيْ قَلْبُ عَبْدِيَ الْمُؤْمِنِ ط

نہیں وسعت رکھتے میری، نہ میری زمین اور نہ میرا آسمان۔ بلکہ میری وسعت میرے بندہ مومن کا دل رکھتا ہے۔

اس حدیث سے لازم آتا ہے۔ کہ ظہور قلبی اتم ہے۔ اور فضیلت بھی اسی کے لئے ثابت ہے۔ محبت کے نشانات والے اس سوال کا حل ایک مقدمہ پر مبنی ہے۔ جاننا چاہیئے کہ اربابِ ولائت قلب بول کر اس سے انسان کی حقیقت جامعہ مراد لیتے ہیں۔ جو عالم امر سے ہے۔ اور بزبانِ نبوت علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والسّلام والتّحیۃ قلب اس پارۂ گوشت سے عبارت ہے۔ جس کی درستی کے ساتھ بدن کی درستی اور اس کے فساد سے بدن کا فساد وابستہ ہے۔ جیسا کہ حدیثِ نبوی علیہ وعلیٰ الہٖ الصّلوات والتسلیمات میں وارد ہے۔ کہ

اِنَّ فِيْ جَسَدِ ابْنِ اٰدَمَ لَمُضْغَةً اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ اَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ ط

بخاری شریف

بیشک انسان کے جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے۔ جب وہ درست ہوتا ہے۔ تو سارا بدن درست ہوتا ہے۔ اور جب وہ خراب ہوتا ہے تو سارا بدن خراب ہوتا ہے۔ سن لو کہ وہ قلب ہے

وسعتِ قلب اطلاقِ اوّل کو لازم ہے۔ یہیں سے ہے کہ جنید و بایزید قدس سرہما نے وسعت قلب سے خبر دی ہے۔ اور عرش و مافیہ کو عظمتِ قلب کے سامنے حقیر گمان کیا ہے۔ اور دل کی تنگی اطلاقِ ثانی کو لازم ہے۔ اس مقام میں قلب اس قدر تنگ ہے کہ جزُ لایتجزیٰ کی بھی جو تمام اشیاء سے اصغر اور حقیر چیز ہے۔ اس میں گنجائش نہیں۔ بعض اوقات جب تنگیِ قلب کو جزُ لایتجزیٰ کے ساتھ نسبت دی جاتی ہے۔ تو وہ حقیر جزُ (جزء یتجزیٰ) قلب کے مقابلے میں آسمانوں اور زمینوں کے طبقات کی طرح عظیم دکھائی دیتا ہے۔ یہ معاملہ عقل کی سمجھ سے بالاتر ہے۔ اسے ذہن میں رکھو۔

جب یہ مقدمہ معلوم ہوگیا۔ تو جان لو کہ وہ ظہور جو حقیقت جامعہ کے ساتھ وابستہ ہے۔ شک نہیں۔ کہ ظہورِ تام عرشی کی نسبت صرف ایک پرتو ہے۔ اس مقام میں فضیلت کلّی صرف عرش کے لئے ہے۔ اور شیخ بایزید اور شیخ جنید جنہوں نے قلب کو سب سے کشادہ اور فراخ کہا ہے۔ اور عرش و مافیہ کو جامعیت قلب کے سامنے حقیر جانا ہے۔ یہ شئی کے نمونے کے شئی کے ساتھ مشتبہ ہونے کے قبیلے سے ہے۔ اور اس اشتباہ کے منشا کو فقیر نے اپنی کتابوں اور رسالوں میں بار بار لکھا ہے۔ اور وہ جو حدیث قدسی میں آیا ہے۔ وہ لسانِ انبیاء علیہم الصّلوات والتّسلیمات کے موافق ہے۔ اور اس قلب سے مراد یہی پارہ گوشت ہے۔ اور شک نہیں کہ ظہورِ اتم یہاں ہے۔ اور اس کی بلند ذات کی احدیت مجرّدہ کا آئینہ بننا اس کے لئے مُسلّم ہے۔ عرش کے لئے اگرچہ ظہورِ تام سے جو ظہورِ اصل ہے۔ حصہ وافر حاصل ہے۔ لیکن اس مقام میں صفات کی آمیزش ہے۔ اور جبکہ صفات فی الحقیقت حضرت ذات تعالیٰ و تقدّس کے ظلال ہیں اس بنا، پر وہ ظہور ظلیت کی ملاوٹ سے پاک اور مبرّا نہیں ہوتا۔ یہیں سے ہے کہ عرش کو ظہورِ انسانی سے جو اصل صرف سے تعلق رکھتا ہے۔ بہت سی امیدیں وابستہ ہیں۔ اور اس معاملے کا مرکز بھی انسان ہے۔

سوال۔ حدیث قدسی سے تو اس قلب کی وسعت معلوم ہوتی ہے۔ اور تو اُسے تنگ کہہ رہا ہے؟

جواب۔ اس کی تنگی ماسوائے حق، کی اس میں گنجائش نہ ہونے کے اعتبار سے ہے۔ اور اس کی وسعت انوارِ قدم کے ظہور کے اعتبار سے ہے۔ "بہت تنگ بہت وسیع۔ بسیط بہت ہی بسیط۔ بہت چھوٹا بہت زیادہ"

سوال۔ فضیلت کے لائق تو حقیقت جامعہ ہے جو عالم امر سے ہے۔ پارہِ گوشت نے جو عالم خلق سے ہے۔ اور عناصر سے مرکب ہے۔ یہ فضیلت کہاں سے پالی!

جواب۔ عالم خلق کو عالم امر پر فضیلت ہے۔ لیکن اس فضیلت کے ادراک سے عوام کیا اکثر خواص بھی قاصر ہیں۔ اس معنی کو اس فقیر نے اپنے اس مکتوب میں جو اپنے بڑے فرزند مرحوم کے

نام بیان طریقہ میں لکھا ہے ۔ واضح کیا ہے ۔ اگر تردد اور شک باقی رہ جائے ۔ تو وہاں سے تسکین کرلیں ۔

اس پارۂ گوشت کی حقیقت (مجھ سے) سُن ۔ عوام کا یہ پارۂ گوشت تو عناصرِ اربعہ کی ترکیب سے بنا ہے اور خواص بلکہ اخص خواص کا یہ پارہ گوشت وہ ہے ۔ کہ سلوک و جذبہ ، تصفیہ و تزکیہ اور تمکینِ قلب اور اطمینان نفس کے بعد بلکہ محض فضل خداوندی جل سلطانہ سے اجزائے عشرہ سے ترکیب پاکر صورت اختیار کی ہے ۔ چار جزء تو عناصر اربعہ ہیں ۔ ایک جزء نفس مطمئنہ سے اور پانچ عالم امر سے ہیں ۔ ان دس اجزاء کی آپس میں تضاد وتبائن کے باوجود قدرت کاملہ واجب الوجود تعالیٰ وتقدس سے ان کے تضاد وتبائن کی صورت زائل ہوچکی ہے ۔ اور یہ آپس میں جمع ہوچکے ہیں ۔ اور ایک ہیئت وحدانی پیدا کرلی ہے ۔ اور اس طرح انہوں نے ایک اعجوبہ حاصل کیا ہے ۔ اس معاملہ میں جزوِ اعظم عنصر خاک ہے ۔ یہ وحدانی ہیئت بھی جزو ارضی کے رنگ میں ظاہر ہوئی ہے ۔ اور خاک کیساتھ قرار پکڑا ہے [1]

خاک[1] شو خاک تا بروید گُل — کہ بجز خاک نیست مظہرِ گُل

اسے برادر ! ارباب ولائت کا ہاتھ ان علوم و معارف کے دامن تک نہیں پہنچ سکتا ۔ کیونکہ یہ سینۂ انوارِ نبوّت علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والسّلام والتحیۃ سے حاصل کیے گئے ہیں ۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ؕ

اور وہ دِل جس کے لئے اطمینان کا سوال خلیل الرّحمٰن علیٰ نبینا وعلیہ وعلیٰ جمیع الانبیاء والمرسلین وعلی الملائکۃ المقربین الصّلوٰۃ والسلام اتمہما واکملہما نے کیا تھا یہی پارۂ گوشت ہے نہ کہ اس کی حقیقتِ جامعہ حضرت خلیل الرّحمٰن علیٰ نبینا وعلیہ الصّلوٰۃ والسّلام تمکین سے پیوستہ اور اطمینان نفس تک پہنچ چکے تھے ۔ اس لئے کہ یہ تمکین اور یہ اطمینان مرتبہ ولائیت میں جو زینۂ نبوت ہے ، حاصل ہوجاتا ہے ۔ علی الانبیاء الصّلوٰۃ والسّلام والتحیۃ ۔ شانِ نبوّت کے مناسب پارۂ گوشت میں تغیّر و تبدّل ہے نہ کہ حقیقت جامعہ ۔ کیونکہ وہ تو عوام کا حصّہ ہے ۔ اور حضرت رسالت خاتمیّت علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والسّلام والتحیۃ نے جو ثبات قلب طلب کیا ہے اور کہا [2]

اَللّٰھُمَّ یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی طَاعَتِکَ — اے اللہ ! دلوں کو پھیرنے والے ۔ میرے دِل کو اپنی طاعت پر ثبات اور مضبوطی عطا فرما ۔

---

[1] خاک بن خاک ۔ تاکہ پھول اگیں ۔ کیونکہ پھول کا مظہر خاک کے سوا اور کوئی چیز نہیں بن سکتی ۔

[2] ترمذی و ابن ماجہ بروائت انس رضی اللہ عنہ ، ۔ مشکوٰۃ

تو اس سے مقصود اس پارہ گوشت کا اثبات ہے۔

اور بعض احادیث میں جو قلب کے تغیر و تبدل کے متعلق وارد ہوا ہے، امتیوں کے حالات پر نظر کرتے ہوئے وہاں قلب سے معنی عام بھی مراد ہو سکتا ہے۔ جو پارہ گوشت اور حقیقت جامعہ دونوں کو شامل ہے۔

سوال - یہ پارہ گوشت جبکہ یعنی قلب عبدی المؤمن کے شرف سے مشرف ہو گیا ہو۔ اور حضرت ذات تعالیٰ و تقدس کے آئینہ بننے کے لائق ہو چکا ہو۔ تو پھر اس میں تقلب و اضطراب کیوں ہوتا ہے۔ اور وہ مزید اطمینان کا کیوں محتاج ہوتا ہے۔

جواب - ظہور اگرچہ اتمیت پیدا کر دیتا ہے۔ اور شیون اور صفات کے شائبہ سے آزاد کر دیتا ہے۔ لیکن جہل و حیرت زیادہ پیدا کرتا ہے۔ اور ناشناسی اور عدم وصول زیادہ تر حاصل کرتا ہے۔ اس لئے بسا اوقات ایسا ہوتا ہے۔ کہ اس ظہور اور اس گنجائش کے باوجود کمال جہل و حیرت سے وجود صانع پر، دلیل طلب کرتا ہے۔ اور عوام کی طرح استدلال یا تقلید کے بغیر صانع تعالیٰ کے وجود کا یقین پیدا نہیں کرتا۔ لہٰذا تقلب و اضطراب اس کے حال کے مناسب ہوتا ہے۔ نیز طلب اطمینان ضروری ہوتا ہے۔ اور اس فقیر نے اپنے بعض رسائل میں لکھا ہے۔ کہ صاحب یقین عارف کو رجوع کے بعد استدلال کی ضرورت پڑتی ہے۔ اور اس مقام میں معلوم ہوا کہ ہمیں حصول و وصول کے وقت بھی دلیل کی حاجت ہوتی ہے۔ یہ مقام مرتبہ نبوت کے کمالات کے حال کے مناسب ہے علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ۔ اور وہ مقام مرتبۂ ولایت کے حالات کے مناسب ہے۔ اور جب اس قلب والے کو دعوت کی طرف رجوع واقع ہوتا ہے۔ تو بے قراری و اضطراب، دل کا تغیر و تبدل اُسے زیادہ لاحق ہوتا ہے۔ جبکہ عین وصول اور حصول کے وقت جہل و حیرت کی وجہ سے دلیل کا محتاج ہے۔ تو زمانۂ فرقت میں استدلال کا بطریق اولیٰ زیادہ، محتاج ہو گا۔ تاکہ استدلال کے ذریعہ کچھ نہ کچھ اطمینان حاصل کرے۔

علاوہ ازیں ہم کہتے ہیں۔ کہ وہ دولت جو چند روز کے لئے اس سے پوشیدہ کر لی گئی ہو اور اس کی داغ جدائی کے ساتھ داغدار ہو چکا ہے۔ وہ اس کے لائق ہے۔ کہ ہمیشہ بے قراری اور اضطراب میں رہے۔ اور ہمیشہ غم و حزن کی حالت میں رہے۔

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہمیشہ

لہ شمائل ترمذی

متواصل الحزن دائم الفکر ، غمناک اور متفکر رہتے تھے ۔

اب فقیر بعض وجوہ کو بتاتا ہے ۔ جو قلب کے ان دو اطلاق میں فرق کرتی ہیں ۔ گوش ہوش سے سنیں ۔ حقیقت جامعہ جو کہ عالم امر سے ہے ۔ تصفیہ اور تزکیہ کے بعد اُسے تمکین تام میسر آجاتی ہے بخلاف پارۂ گوشت کے کہ اس کا اطمینان ادراک حواس سے وابستہ ہے ۔ جب تک کسی شے کو حواس سے ادراک نہ کرے بے قراری سے باہر نہیں آسکتا ۔ اسی لئے حضرت خلیل علیٰ نبیّنا و علیہ الصلوٰۃ والسلام و علی جمیع الانبیاء والمرسلین والملٰئکۃ المقرّبین نے اپنے قلب کے اطمینان کا سؤال کیا اور عرض کیا ۔

رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی[1] اے میرے ربّ ! مجھے دکھا کہ تو مردے کیسے زندہ کرے گا ۔

فرق کرنے والی دوسری وجہ یہ ہے ۔ کہ حقیقتِ جامعہ ذکر کا اثر قبول کرتی ہے ۔ اور جب ذکر تک پہنچتی ہے ۔ تو ذکر کے ساتھ متحد ہو جاتی ہے ۔ اور ذکر کے ساتھ ہی قائم ہو جاتی ہے ۔ اور اس مقام کو صاحبِ عوارف قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ نے روشن تر مقام کہا ہے ۔ اور قلب کے اس قیام کو ذکر ذات تعالیٰ سے تعبیر کیا ہے بخلاف پارۂ گوشت کے ۔ کہ ذکر کے لئے اس کی طرف کوئی راہ نہیں ۔ اس کا اثر پذیر ہونا کجا اور ذکر کے ساتھ قیام کجا ۔ وہاں بالاصالۃ مذکور کا ظہور ہے ۔ نہ کہ ظلیت کے ساتھ ۔ ذکر کے عروج کی نہایت مذکور کی دہلیز تک ہے ۔

تیسرا فرق یہ ہے ۔ کہ حقیقت جامعہ جب نہایۃ النہایۃ تک پہنچتی ہے ۔ اور ولایت خاصہ سے حصّہ وافر حاصل کر لیتی ہے ۔ اگر مطلوب کی آئینہ دار بن جائے ۔ تو ظاہر اس میں ظلِ مطلوب ہوگا نہ عین مطلوب ۔ جس طرح ظاہری شیشہ میں کہ اس شخص کی مثال ظاہر ہوتی ہے نہ کہ عین شخص ۔ بخلاف پارۂ گوشت کے برعکس اس میں جو کچھ ظاہر ہوتا ہے ۔ عین مطلوب ہے نہ کہ اس کا ظلّ ۔ اسی لئے حدیث قدسی فرمایا ہے ۔

یَسَعُنِیْ قَلْبُ عَبْدِیَ الْمُؤْمِنِ میں اپنے بندہ مومن کے دل میں سماتا ہوں

یہ معاملہ بھی نظر و فکر سے بلند ہے ۔ اس سے ہرگز حلول اور مکان نہ سمجھ لینا کیونکہ یہ کفر و زندقہ ہے ۔ اگرچہ عقل معاش یقین نہیں کر سکتی کہ ایک شئے کا عین دوسری شئے میں ظاہر ہو ۔ لیکن وہاں حلول اور ٹھہرنا نہ ہو ۔ یہ عقل کی نارسائی کے باعث ہے ۔ اور غائب کا حاضر پر قیاس ہے ۔ اس لئے تو کوتاہ بین لوگوں سے نہ ہو ۔

---

[1] پارہ تلک الرسل ، سورۃ البقرہ ،

چوتھا فرق یہ ہے ۔کہ حقیقت جامعہ عالم امر سے ہے ۔اور پارۂ گوشت عالم خلق سے ۔ بلکہ عالم خلق وامر دونوں اس کے اجزا ہیں ۔ اور خلق اس کا جزوِ اعظم ہے اور امر اس کا چھوٹا جزو ۔ ان دونوں جزو کے اجتماع سے اس کی ہیئت وحدانی ایجاد ہوئی ہے ۔ جو اعجوبہ روزگار بن کر سامنے آئی ہے ۔ یہ اعجوبہ اگرچہ عالم خلق اور عالم امر سے ایک الگ شے ہے ۔ اور کسی شے کیساتھ کسی طرح بھی اپنی ہیئت ترکیبی میں مناسبت اور مشابہت نہیں رکھتی ۔ لیکن شمار عالم خلق میں ہوتی ہے ۔ اس لئے جزوِ خاکی اس معاملہ میں ایک عمدہ شے ہے اور خاک کی پستی اس کی رفعت کا باعث بن گئی ہے ۔

ان دونوں میں ایک فرق یہ ہے ۔کہ حقیقت جامعہ کی وسعت اشیاء کی صورتوں کے اس میں ظہور کے کے اعتبار سے ہے اور پارہِ گوشت کی وسعت جو اس کی تنگی کے بعد سامنے آتی ہے ۔مطلوب کی گنجائش کے اعتبار سے ہے ۔ جو نامحدود اور غیر متناہی ہے ۔ اور وہ تنگی اس کی تنگ دہلیز ہے کہ ماسوا کے گھسنے سے رکاوٹ ہے ۔ حتیٰ کہ ذکر کو بھی نہیں چھوڑتی کہ مذکور کے پردوں میں داخل ہو ۔اور شائبہ ظلیت کو بھی باقی نہیں رہنے دیتی کہ اس خانہِ مقدس کے گرد گھومے ۔

اور نیز اوّل (حقیقت جامعہ) کی فراخی جبکہ چوں کا شائبہ رکھتی ہے ۔اس لئے بے چون ذات کے لائق نہیں اور دوسرے کی فراخی نے بےچونی سے بھی حصہ پایا ہے ۔اس لئے چون کی اس میں گنجائش نہیں ۔ عجائب کاروبار ہے ۔کہ اسی دل کو دعوت کی طرف رجوع کے بعد ظلمت اور سیاہی طاری ہوجاتی ہے ۔یہیں سے ہے کہ حضرت سیّد البشر علیہ وعلیہم الصلوٰت والتسلیمات نے فرمایا ہے ۔

[1] اِنَّہٗ لَیُغَانُ عَلٰی قَلْبِیْ ۔ بیشک میرے دل میں بھی پردہ چھاجاتا ہے ۔

کہاں تک فرق بیان کرے ۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک

اے برادر ! اس پارہ گوشت کو معمولی شے خیال نہ کرنا ۔ بلکہ یہ نہایت قیمتی جوہر ہے ۔جس میں عالم خلق کے خزانے اور اسرار ودیعت رکھے گئے ہیں ۔ اور عالم امر کے دفینے اور مخفی امور بھی اس میں مدفون ہیں ۔ علاوہ ازیں وہ شے بھی ہے ۔جو عالم خلق اور عالم امر میں الگ الگ موجود نہیں ۔ اور وہ اس کے معاملات خاصہ ہیں ۔ جو اس کی ہیئت وحدانی کے ساتھ وابستہ ہیں ۔ پہلے دس اجزاء کو تصفیہ ، تزکیہ ، جذب و سلوک اور فنا و بقا کے ساتھ پاک اور طاہر کرتے ہیں ۔ اور ماسوا کے تعلقات کی میل سے صاف کرتے ہیں ۔ مثلاً دل کو بیقراری سے گذار کر تمکین و اطمینان تک پہنچاتے ہیں ۔ اور نفس کو بھی امارگی سے

---

[1] "مسلم و ابوداؤد "

اطمینان کی طرف لاتے ہیں ۔ اور ناری جزو کو سرکشی اور نافرمانی سے روکتے ہیں ۔ اور خاک کو پستی اور پست فطرتی سے بلندی عطا کرتے ہیں ۔ علیٰ ہذا القیاس تمام اجزاء کو افراط اور تفریط سے حدِ اعتدال و توسط میں لے آتے ہیں ۔ اس کے بعد محض فضل خداوندی سے ان اجزاء کو ترکیب دیکر شخص معین کو بنایا ۔ اور انسان کامل کی تشکیل کی ہے ۔ اس شخص کے قلب کو جو اس کا خلاصہ اور اس کے وجود کا مرکز ہے مضغہ سے تعبیر کیا ہے ۔ یہ ہے مضغہ (پارۂ گوشت) کی حقیقت جو باندازہ عبارت بیان کی جا سکتی ہے ۔ اور دراصل اختیار اللہ سبحانہٗ کے قبضہ میں ہے ۔

اگر کوئی ناقص کہے کہ ہر انسان انہی دس اجزاء سے مرکب ہے اور انہی کی ترکیب سے ہیئت وحدانی رکھتا ہے ۔ تو اس کا جواب میں یہ دوں گا ۔ کہ ہاں ہر انسان انہی اجزاء سے مرکب ہے ۔ لیکن وہ اجزاء پاک اور مطہر نہیں ہوئے ہیں ۔ اور جذبہ و سلوک کے ذریعہ ماسوا کے تعلقات کی میل سے صاف نہیں ہوئے ہیں ۔ بخلاف انسان کامل کے اجزاء کے ، کہ وہ فنا اور بقا کے ذریعہ پاک اور پاکیزہ ہو چکے ہیں ۔ جیسا کہ ابھی گذرا ہے ۔ کہ ہر انسان میں چونکہ یہ اجزاء متباین اور متمائز ہیں ۔ اور ہر چیز کے بھی احکام و احوال ، متمائز ہیں ۔ اس بناء پر وہ ہرگز ہیئت وحدانی سے حصہ نہیں رکھتا ۔ اور اگر ہیئت وحدانی رکھتا بھی ہے تو وہ محض اعتباری ہے ۔ نہ کہ حقیقی ۔ بخلاف انسان کامل کے اجزاء کے کہ وہ تباین و تمائز سے نکل کر آپس میں خلط ملط ہو چکے ہیں ۔ اور اسکے متمائز احوال و احکام زائل ہو کر ایک شے کا حکم اختیار کر چکے ہیں ۔ پس لازماً اس میں ہیئت وحدانی حقیقی ہوگی نہ اعتباری ۔ جس طرح ایک معجون کو مختلف ادویہ سے تیار کرتے ہیں ۔ اور رگڑ رگڑ کر تمام اجزاء کو ایک دوسری کے ساتھ ملا کر ہیئت وحدانی ثابت کرتے ہیں ۔ اور متباین احکام سے نکال کر ایک حکم کی طرف لاتے ہیں ۔ اس نکتے کو سمجھ لو ۔ وَاللہُ سُبْحَانَہٗ اَعْلَمُ ،

اے برادر ! یہ تمام کمالات جو پارۂ گوشت کے لئے ثابت ہیں ۔ مقامِ قاب قوسین میں ہیں ۔ کہ ظاہر میں مظہر کے رنگ کا وہم ہوتا ہے ۔ اگرچہ یہاں ظاہر اصل ہے ۔ نہ کہ اس کا ظل جو صورت ہے ۔ لیکن ظاہر کا شخص آئینہ داری کے رنگ سے پاک اور مبرا نہیں ۔ پس قوسین ثابت ہوں گے ۔ اس مقام سے اوپر اَوْ اَدْنیٰ کا مقام ہے ۔ کہ ظاہر نے مظہر کا رنگ نہیں پکڑا ہے ۔ اور کوئی امر زائد بھی اس میں تخیل میں نہیں آتا ۔ پس قوسین وہاں مفقود ہوں گے ۔ اور ایک رنگ کے سوا اس جگہ اور کچھ متصور نہ ہوگا ۔ جو اَوْ اَدْنیٰ کے مقام کے مناسب ہو ۔ اور اس مقام کا معاملہ علیحدہ ہے ۔ بہت زیادہ کوشش کی ضرورت ہے ۔ تب جا کر قوسین سے اَوْ اَدْنیٰ تک وصول میسر آسکتا ہے ۔ اور ہمارا کلام اشارات و رموز اور بشارات اور خزانے ہیں ۔

، واللہ سبحانہٗ الملہم وصلے اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا محمدٍ وصحبہٖ وسلّم وبارک ،

مکتوب نمبر ۲۲

مولانا محمد صادق کشمیری کی طرف صادر فرمایا

حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے طفیل شہر سرہند کی اکثر شہروں پر فضیلت کے بیان میں۔ اور اپنی رہائش گاہ میں ایک نور کا مشاہدہ کرنا۔ کہ اس کی شان وصفت کی کسی کو بُو تک نصیب نہیں ہوئی۔ اور وہ زمین کچھ عرصہ بعد مخدوم زادہ کلاں خواجہ محمد صادق قدس سرہٗ کا روضہ مقدسہ بن گئی۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی عنایت اور بصدقہ اس کے حبیب پاک علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ والبرکۃ، بلدۂ سرہند گویا میرے زندہ کرنے کا مقام ہے۔ کہ میرے لئے ایک گہرے کنویں کو پُر کرکے ایک بلند چبوترہ بنایا گیا ہے۔ اور اُسے اکثر بلاد اور جگہوں پر بلندی اور رفعت عطا کی ہے۔ اور ایک نور اس زمین میں امانت رکھا گیا ہے۔ جو بے صفتی اور بے کیفی کے نور سے اخذ کیا گیا ہے۔ جس طرح بیتُ اللہ کی مقدس زمین سے نور روشن و درخشاں ہے۔

میرے بڑے فرزند کی وفات کے چند ماہ بعد ایک بُلند روشن نور دیکھا گیا۔ کہ کسی صفت وشان نے اس کی بُو کی طرف بھی راستہ نہیں پایا۔ اور وہ کیفیات سے مبرّا اور منزّہ ہے۔ مجھے یہ آرزو پیدا ہوئی کہ وُہ زمین میرا مدفن بنے۔ اور وہ نور میری قبر پر روشن ہو۔ اس بات کو مَیں نے اپنے فرزند اعظم کے سامنے جو صاحبِ راز تھا، ظاہر کیا۔ اور اس نور اور اس آرزو سے مطلع کیا۔ اتفاق سے میرا بڑا فرزند ہی اس دولت کے ساتھ سبقت لے گیا۔ اور پردہ خاک میں اس نور سے دریا میں غرق ہو گیا۔

هَنِيْئًا لِاَرْبَابِ النَّعِيْمِ نَعِيْمُهَا[1]
وَلِلْعَاشِقِ الْمِسْكِيْنِ مَا يَتَجَرَّعُ

---

[1] نعمت والوں کو نعمتیں گوارا ہوں۔ اور عاشق مسکین کے لئے وہی ہے جو وہ دردوغم کے گھونٹ پی رہا ہے۔

جو یہ بات بھی اس بلدہ معظمہ کی فضیلت میں سے ہے۔ کہ میرے سب سے بڑے صاحبزادہ اکابر اولیاء اللہ میں سے ہے۔ یہاں آسودہ خاک ہے۔ اور ایک مدت کے بعد ظاہر ہوا۔ کہ اس جگہ امانت رکھا ہوا نور اس فقیر کے انوار قلبیہ کے نور کا لمعہ ہے۔ جسے یہاں سے لیکر اس زمین میں روشن کیا ہے جس طرح ایک چراغ بڑی مشعل سے روشن کرتے ہیں۔

"آپ فرما دیں سب کچھ اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے"

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

مکتوب نمبر ۲۳

مخدوم زادہ خواجہ محمد عبد اللہ (اللہ اُسے سالم اور باقی رکھے اور اُسے اُسکی آرزو کی انتہا تک پہنچائے) کی طرف صادر فرمایا۔

اس بیان میں کہ عمدہ کام روشن سنّت کی اتباع اور ناپسندیدہ بدعت سے اجتناب ہے اور اس امر کے بیان میں کہ طریقہ نقشبندیہ کو دوسرے طریقوں پر فضیلت صاحب شریعت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی اتباع اور عزیمت پر عمل کرنے کیوجہ سے ہے۔ اور اس بلند طریقہ نقشبندیہ کی مدح و ثنا، اور اس کے مناسب امور کے بیان میں،

"بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى"، جو نصیحت فرزند عزیز اللہ سبحانہٗ اُسے نامناسب کاموں سے محفوظ رکھے۔ اور دوسرے تمام دوستوں کو، کی جاتی ہے۔ وہ روشن سنّت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی اتباع اور ناپسندیدہ بدعت سے اجتناب ہے۔ اسلام اس زمانہ میں غریب ہو چکا ہے۔ اور مسلمان غریب ہو چکے ہیں۔ اور روز بروز کمزور سے کمزور تر ہوتے جا رہے ہیں۔ یہاں تک کہ ایک وقت وہ آجائیگا۔ کہ زمین پر اللہ کا نام لینے والا نہ رہے۔ "اور قیامت بدترین لوگوں پر قائم ہوگی"،

سعادت مند وہ ہے۔ جو اس غریب اسلام کے زمانہ میں چھوڑی ہوئی سنتوں میں سے کسی سُنّت کو زندہ کرے اور مروّجہ بدعات میں سے کسی بدعت کو مارے اور ختم کرے۔ یہ وہ وقت ہے کہ حضرت

خیر البشر علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کو ایک ہزار برس گذر چکا ہے۔ اور قیامت کی علامات ظاہر ہونا شروع ہو چکی ہیں۔ اور زمانہ نبوت کے دور ہونے کے باعث سنت پوشیدہ ہو چکی ہے۔ اور کذب اور جھوٹ کے عام ہونے کے باعث بدعت جلوہ گر ہو چکی ہے۔ کسی شہباز کی ضرورت ہے۔ جو سنت کی مدد کرے اور بدعت کو شکست دے۔ بدعت کا مروج ہونا دین کی ویرانی کا موجب ہے۔ اور بدعتی کی تعظیم اسلام کو مٹانے کا باعث ہے۔ حدیث

مَنْ وَقَّرَ صَاحِبَ بِدْعَةٍ فَقَدْ اَعَانَ عَلٰی هَدْمِ الْاِسْلَامِ

جس نے بدعتی کی تعظیم کی۔ اس نے اسلام کے گرانے میں مدد کی۔

سُنی ہوگی۔ پوری ہمت اور پورے ارادے کیساتھ سنتوں میں سے کسی سُنّت کو رواج دینے اور بدعتوں میں سے کسی بدعت کو ختم کرنے کی طرف توجہ کرنی چاہیئے۔

ہر وقت خصوصاً آج کل کہ ضعف اسلام کا زمانہ ہے۔ نشانات اسلام کا قائم کرنا، سُنت کی ترویج اور بدعت کی تخریب سے وابستہ ہے۔ گذشتہ لوگوں نے بدعت میں حُسن دیکھا ہوگا۔ تب ہی تو انہوں نے بدعت کے بعض افراد کو مستحسن کہا ہے لیکن یہ فقیر اس مسئلہ میں ان کے ساتھ موافقت نہیں رکھتا اور بدعت کے کسی فرد کو حسنہ نہیں کہتا۔ اور اس میں ظلمت و کدورت کے سوا کچھ احساس نہیں کرتا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے۔

كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ

ہر بدعت گمراہی ہے۔

اور یہ فقیر یہ پاتا ہے۔ کہ اسلام کی سلامتی سنت کے بجالانے کے ساتھ وابستہ ہے۔ اور اس کی خرابی اور ویرانی بدعت کے ارتکاب میں ہے۔ چاہے جو بدعت بھی ہو۔ یہ فقیر بدعت کو کہی کی طرح جانتا ہے۔ جو اسلام کی بنیاد کو گراتی ہے۔ اور سنت کو روشن تارے کیطرح پاتا ہوں جو تاریک رات میں ہدایت کا باعث بنتا ہے۔ حضرت حق سُبحانہٗ وتعالیٰ علمائے وقت کو توفیق دے کہ کسی بدعت کو حسنہ نہ کہیں اور کسی بدعت کے ارتکاب کا فتویٰ نہ دیں۔ اگرچہ وہ بدعت ان کی نظر میں سپیدہ صبح کی طرح دکھائی دے کیونکہ شیطانی آرائشوں کو غیر سنت میں غلبہ عظیم حاصل ہے۔ گذشتہ زمانوں میں جب کہ اسلام قوی تھا۔ بدعت کی تاریکیوں کو برداشت کر سکتا تھا۔ اور شائد کہ نور اسلام کی روشنی میں بعض اشخاص کو بعض تاریکیاں نورانی محسوس ہوئی

لہ بیہقی فی شعب الایمان،

ٹہ مسلم شریف،

ہوں ۔ اور اس وجہ سے اُن کے حسنہ ہونے کا حکم لگایا ہو ۔ اگرچہ فی الحقیقت اس میں کچھ بھی حسن و نورانیت نہیں تھی ۔ بخلاف اس وقت کے کہ ضُعفِ اسلام کا وقت ہے ۔ بدعات کی تاریکیوں کے برداشت کرنے کی کوئی صورت نہیں ۔ اور یہاں متقدمین اور متاخرین کا فتویٰ جاری نہیں ہو سکتا ۔ کہ ہر وقت کے احکام علیحدہ ہوتے ہیں۔

اس وقت جہان کثرت سے بدعت کے ظہور کے باعث دریائے ظلمات کی طرح نظر آتا ہے ۔ اور اور سُنّت کا نور غربت اور قلت کی بناء پر اس تاریک دریا میں جگنو کی طرح دکھائی دیتا ہے اور بدعت کا عمل اس ظلمت کو اور زیادہ کرتا ہے ۔ اور سُنّت کے نور کو کم کرتا ہے ۔ اور سُنّت پر عمل اس تاریکی کے کم کرنے اور اس نور کی زیادتی کا باعث ہے ۔ تو جو چاہے بدعت کی تاریکی کو زیادہ کرے اور جو چاہے وُہ سُنّت کے نور کو زیادہ کرے ۔ اور جس کا دِل چاہے شیطان کے گروہ کو بڑھائے اور جس کا دِل چاہے اللہ کے گروہ کے اضافے کا سبب بنے ۔ سُن لو ۔ بیشک شیطان کا گروہ ہی خسارے میں ہے ۔ سُن لو ۔ بیشک اللہ کا گروہ ہی فلاح و نجات پانے والا ہے ۔

اور صوفیہ وقت بھی اگر انصاف کریں اور ضعفِ اسلام اور جھوٹ کے عام ہونے کا ملاحظہ کریں ۔ تو چاہیئے کہ سُنّت کے سوا کسی بات میں اپنے پیروں کی تقلید نہ کریں ۔ اور مخترع اُمور کو مشائخ کے عمل کا بہانہ بنا کر اپنی عادت نہ بنائیں ۔ اِتباع سُنّت ہی البتہ نجات دہندہ اور خیرات و برکات کی مثمر ہے اور غیر سُنّت میں تقلید خطر در خطر ہے ۔

وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلَاغُ ط قاصد پر صرف پہنچا دینے کی ذمہ داری ہے ۔

ہمارے پیروں کو ہماری طرف سے حضرت حق سُبحانہٗ و تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے ۔ کہ ہم پیچھے آنے والوں کو امور مبتدعہ کے بجالانے کا حکم نہیں دیا ۔ اور اپنی تقلید سے ہلاک کن تاریکیوں میں نہیں ڈالا ۔ اور متابعت سُنّت کے سوا کوئی راستہ ہمیں نہیں دکھایا گیا ۔ اور صاحبِ شریعت علیہ و علیٰ آلہ الصّلوٰۃ والسّلام والتحیۃ کی اتباع اور عزیمت پر عمل کے سوا اور کوئی ہدایت نہیں فرمائی ۔ اس بناء پر لازماً ان بزرگوں کا سلسلہ بلند ہے ۔ اور ان کے وصول کا چبوترہ مرتفع واقع ہوا ہے ۔ یہی ہیں جنہوں نے سماع و رقص کو اپنے پاؤں تلے روند ڈالا ہے ۔ اور وجد اور تواجد کو انگلی شہادت سے دو ٹکڑے کر دیا ہے ۔ دوسروں کا مکشوف و مشہود ان بزرگوں کے نزدیک ماسوا میں داخل ہے ۔ اور اُن کا معلوم و متخیل نفی کے قابل ہے ان اکابر کا معاملہ دید و دانش سے ماوراء ہے ۔ اور معلوم و متخیل سے بھی ماوراء ہے ۔ نیز تجلیات و ظہورات اور مکاشفات و معاینات سے بھی ماوراء ہے ۔

دوسروں کا اہتمام اثبات میں ہے ۔ اور ان بزرگوں کی ہمت نفی ماسوا میں صرف ہوتی ہے۔ دوسرے کلمہ طیبہ نفی و اثبات کا تکرار اس لئے کرتے ہیں تاکہ اثبات کا دائرہ وسعت پیدا کرے ۔ اور تمام جہان جو، غیریت کے عنوان سے پیدا ہوا ہے ۔ کلمہ توحید کے تکرار سے حقیقت کے عنوان سے منکشف ہو جائے اور سب کو حق پائیں ۔ اور حق دیکھیں تعالیٰ و تقدس ۔ بخلاف ان بزرگوں کے ۔ کہ کلمہ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے تکرار سے ان کا مقصود دائرہ نفی کی وسعت ہے ۔ تاکہ جو کچھ مشہود و مکشوف اور معلوم و متخیّل ہو سب لَا کے نیچے داخل ہو اور جانبِ اثبات میں کوئی شے ملحوظ و منظور نہ ہو ۔ اور اگر بر سبیل فرض جانب اثبات میں کوئی چیز ظاہر ہو تو اُسے بھی لَا کی طرف لوٹایا جائے ۔ اور جانبِ اثبات میں کلمہ مستثنیٰ کے تکلم کے سوا کچھ حصے میں نہ آئے ۔ پس دوسرے طریقوں میں نفی و اثبات کا ذکر مبتدیوں کے حال کے مطابق ہے ۔ اور ذکر اللہ جو محض کلمہ اثبات ہے ۔ اس کے بعد مناسب ہوتا ہے ۔ تاکہ اس کلمہ، کے تکرار کے ساتھ مثبت، مکشوف، اثبات، استقرار اور استمرار پیدا کرے ۔ بخلاف ان اکابر کے طریق کے ۔ کہ یہ ان سے برعکس ہے ۔ کہ اوّل اثبات ہے ۔ اور پھر اس اثبات و استقرار کی نفی ہے پس اسم اللہ کا ذکر اس طریقہ میں ابتدا میں مُناسب ہے اور نفی و اثبات کی صورت بعد میں بنتی ہے ۔

اگر کوئی ناقص سوال کرے ۔ کہ اس تقدیر پر اس طریقہ کے اکابر کو مقامِ اثبات سے کچھ حصہ نہ ہوگا ۔ اور نفی کے سوا ان کا کچھ بھی نقد وقت نہیں ہوگا ۔

جواب میں کہتا ہوں کہ دوسروں کا اثبات ان بزرگوں کو اوائل حال میں ہی میسر آجاتا ہے ۔ لیکن وُہ بلند ہمتی کے باعث اس طرف متوجہ نہیں ہوتے بلکہ نفی کے لائق خیال کرتے ہوئے اس کی نفی کرتے ہیں اور مطلوب مثبت اس کے وراء الوراء میں جانتے ہیں ۔ پس دوسروں کا اثبات بھی ان کو میسر ہے اور نفی بھی ۔ وہ مقام جو مقامِ کبریائی کے مناسب ہے انھیں حاصل ہے ۔ ہر بے سرانجام انسان ان کا سراغ نہیں لگا سکتا ۔ اور ہر بوالہوس ان کے ... کی حقیقت سے آگاہ نہیں ہو سکتا ۔ ان اکابر کے عدم حصول کا شمہ جو اس مقام میں نفسِ حصول ہے ۔ بیان کر دیا ہے ۔ اگر ان اکابر کے حصول کے متعلق لب کشائی کرے تو خواص بھی عوام سے ملحق ہو جائیں ۔ اور مبتدیوں کی طرح الف و باء کا سبق اختیار کریں ۔ شعر،

فریاد[1] حافظ این ہمہ آخر بہرزہ نیست
ہم قصہ غریب و حدیث عجیب ہست

[1] حافظ کی یہ فریاد بے مقصد نہیں ۔ بلکہ قصہ بھی حیران کن اور بات بھی عجیب ہے ۔

ذات تعالیٰ و تقدّس کا مراقبہ جو دوسروں نے اختیار کیا ہوا ہے۔ ان کے نزدیک محل اعتبار سے ساقط اور بے حاصل ہے اور مراقبہ کرنے والے کو اس مقام میں ظلال سے ایک ظل کے سوا کچھ حاصل نہیں۔ "اللہ تعالیٰ بہت بلند ہے۔ ان باتوں سے جو یہ کہتے ہیں" اس کی ذات بلکہ اس کے اسماء و صفات بھی ہمارے احاطۂ فکر و مراقبہ سے باہر ہیں۔ اس مقام میں جہل و حیرت کے سوا کچھ حصہ نہیں۔ نہ وہ جہل و حیرت جسے لوگ جہل و حیرت کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ مذموم اور بُرا ہے۔ بلکہ اس مقام کا جہل و حیرت عین معرفت و اطمینان ہے۔ نہ وہ معرفت و اطمینان جو لوگوں کے فہم میں آسکتا ہے۔ کیونکہ وہ قبیلہ چون سے ہے۔ اور بے چون سے بے نصیب ہے۔ اس مقام میں ہم جو کچھ ثابت کریں گے وہ بے چون ہی ہوگا۔ خواہ اُسے جہل سے تعبیر کریں یا معرفت سے جس نے چکھا نہ ہو۔ نہیں جان سکتا۔

اور نیز ان بزرگوں کی توجہ احدیت ذات تعالیٰ و تقدّس کی طرف ہے۔ اور یہ حضرات اسم و صفت سے سوائے ذات تعالیٰ و تقدّس کے کچھ نہیں چاہتے۔ اور دوسروں کی طرح ذات سے صفات کی طرف نیچے نہیں آتے اور بلندی سے پستی کی طرف نہیں گرتے۔ عجیب کار و بار ہے۔ اس گروہ میں سے ایک جماعت نے ذکر اسم اللہ اختیار کیا ہے۔ اور اس پر اکتفا کرتے ہوئے صفات کی طرف نیچے آتے ہیں۔ اور سمیع، بصیر اور علیم کا ملاحظہ کرتے ہیں۔ اور پھر بر سبیل عروج علیم، بصیر اور سمیع سے اسم اللہ تک جاتے ہیں۔ کیوں صرف اللہ پر کفایت نہیں کرتے۔ اور توجہ کا قبلہ ذات احدیت تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں بناتے۔

اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ [1] کیا اللہ اپنے بندے کو کافی نہیں۔

نص قاطع ہے۔ اور آیہ کریمہ

قُلِ اللّٰہُ ثُمَّ ذَرْھُمْ [2] کہہ اللہ۔ پھر اُن کو چھوڑ دے۔

مختصر یہ کہ اس بلند مرتبہ طریقہ کے بزرگوں کی نظرِ ہمت بہت بلند واقع ہوئی ہے۔ کسی ریاکار اور رقاص کے ساتھ یہ لوگ نسبت نہیں رکھتے۔ اسی لئے دوسروں کی نہایت ان کی بدایت میں مندرج ہے۔ اور اس طریقے کا مبتدی دوسرے طریقوں کے منتہی کا حکم رکھتا ہے۔ اور ان کا سفر ابتدا سے ہی وطن میں مقرر ہو چکا ہے۔ اور خلوت در انجمن ان کو حاصل ہو چکی ہے۔ اور دوام حضور ان کا نقد وقت ہے۔ یہی ہیں کہ طالبوں کی تربیت ان کی بلند صحبت سے وابستہ ہے۔ اور ناقصوں کی تکمیل ان کی توجہ شریف سے متعلق ہے۔ ان کی نظر امراض قلب کو شفا بخشتی ہے۔ اور ان کا التفات معنوی بیماریوں کو دور کرتا ہے

---

[1] سورۂ زمر پارہ فَمَنْ اَظْلَمُ ، [2] سورۂ انعام پارہ وَاِذَا سَمِعُوْا ،

ان کی ایک توجہ سو چلوں کا کام کرتی ہے ۔ اور ان کا ایک التفات سالہا سال کے ریاضات و مجاہدات کے برابر ہے۔

نقشبندیہ عجب قافلہ سالار اند[1]
کہ برند از راہِ پنہاں بحرم قافلہ را

اے سعادت کے آثار والے ! اس بیان سے کوئی وہم نہ کرے ۔ کہ یہ اوصاف و شمائل تو اُس بلند طریقہ نقشبندیہ کے تمام اساتذہ اور تلامذہ کو حاصل ہیں ۔ ہرگز یہ بات نہیں بلکہ یہ شمائل و عادات اس بلند طریقہ کے اکابر کے ساتھ خاص ہیں ۔ جنہوں نے کام کو نہایۃ النہایہ تک پہنچا دیا ہوا ہے اور مبتدیانِ رشید نے ان اکابر کے ساتھ نسبت ارادت درست کی ہوئی ہے ۔ اور آداب کی رعایت کی ہے ۔ نہایت کا بدائت میں درج ہونا ان کے حق میں ثابت ہے ۔

بخلاف اس طریقہ کے اس مبتدی کے جو اس طریقہ کے شیخ ناقص کے ذریعہ پہنچتا ہے ۔ کہ اس کے حق میں یہ اندراج ثابت نہیں ۔ کیونکہ ان کا شیخ بھی نہایت کو نہیں پہنچا ہوا ۔ تو مبتدی کے حق میں نہایت کس طرح متصور ہو سکتی ہے ۔

از کوزہ بروں ہماں تراود کہ در وست
کوزہ سے وہی چیز ٹپکتی ہے ۔ جو اُس میں ہوتی ہے

اے نجابت آثار ! ان اکابر کا طریقہ اصحاب کرام علیہم الرضوان کا طریقہ ہے ۔ اور یہ نہایت کا بدایت میں اندراج اس اندراج کا اثر ہے ۔ جو صحبتِ خیر البشر علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسّلام میں میسر آیا ۔ اس لئے کہ آنسرور علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسّلام کی اوّل صحبت میں وُہ کچھ میسر آگیا ۔ جو بہت کم ہے کہ انتہا میں بھی دوسروں کو میسر ہو ۔ اور یہ فیوض و برکات وہی فیوض و برکات ہیں ۔ جو زمانہ صحابہ میں ظہور پذیر ہوئے تھے ۔ گو بظاہر یہیں آخر اوّل سے وسط کی نسبت دُور ہے ۔ لیکن فی الحقیقت آخر وسط کی نسبت اوّل سے زیادہ نزدیک ہے ۔ اور اس کے رنگ کے ساتھ رنگین ہے ۔ متوسط حضرات اُسے باور کریں یا نہ کریں ۔ بلکہ متاخرین میں اکثر کے بارے میں معلوم نہیں ۔ کہ اس معاملہ کی حقیقت تک پہنچتے ہیں یا کہ نہیں ۔

وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ
وَعَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ الْعُلٰى

---

[1] نقشبندی عجب قافلہ سالار ہیں کہ پوشیدہ راستے سے قافلہ کو حرم تک پہنچا دیتے ہیں ۔

مکتوب نمبر ۲۴

حاجی محمد فرکتی کی طرف صادر فرمایا۔

اس کے مکتوب کے جواب میں ، جس میں اس نے آرزو کی تھی کہ تمام ذرات میں مشاہدہ جمال میسّر ہو اور اُس کے مناسب اُمور کے بیان میں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ط

آپ کا مراسلہ شریفہ جو آپ نے کمال اخلاص اور محبّت کیساتھ ارسال کیا تھا۔ موصول ہو کر بہت زیادہ فرحت اور خوشی کا موجب ہوا۔ نسبت رابطہ تمہیں ہمیشہ صاحب رابطہ (شیخ) کے ساتھ رکھتی ہے۔ اور فیوض انعکاسی کا ذریعہ بنتی ہے۔ اس نعمت کا شکر بجا لانا چاہیئے۔ اور قبض و بسط دونوں اس راہ میں اُڑنے کے دو بازو ہیں۔ قبض سے دلگیر۔ اور بسط سے مسرور نہ ہوں۔

آپ نے یہ آرزو کی تھی کہ تمام ذرات میں مشاہدہ جمال میسّر ہو۔ محبت کے اطوار والے ! بندے کو آرزو سے کیا کام۔ اور اس کی آرزو اس کے فہم قاصر کے اندازہ کے مطابق ہوگی۔ جمال لایزال کا ذرات کے آئینہ میں مشاہدہ کرنا کوتاہ بینی کے باعث ہے ذرات کی کیا مجال ہے۔ کہ اس جمال کے آئینے بنیں۔ جو کچھ ذرات کے آئینوں میں مشہود ہوتا ہے۔ وہ اس بے نہایت جمال کے ظلال میں سے ایک ظل ہے اس بلند ذات کو وراء الوراء میں تلاش کرنا چاہیئے۔ اور آفاق و انفس کے دائرہ سے باہر ڈھونڈنا چاہیئے۔ اس وقت جو نسبت تم رکھتے ہو وہ تمہاری آرزو سے فوقیت رکھتی ہے۔ لوگوں کی تقلید کر کے پستی کی طرف راغب ہونے کی آرزو ہرگز نہ کریں۔ اور بلندی سے نیچے آنے کی تمنّا نہ کریں۔ ان اکابر کا رخانہ بلند ہے۔

اِنَّ اللّٰہ سبحانہٗ یحب معالی الھمم   بیشک اللہ سُبحانہٗ بلند ہمتی کو پسند فرماتا ہے۔

اَلْمَسْئُوْلُ مِنَ اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ جَمْعِیَتُکُمُ الصُّوْرِیَّۃُ وَالْمَعْنَوِیَّۃُ

والسلام

مکتوب نمبر ۲۵

خواجہ محمد شرف الدّین حسین کی طرف صادر فرمایا۔

اس بیان میں کہ جو عمل بھی شریعت غرا کے مطابق کیا جائے ذکر میں داخل ہے۔ اگرچہ خرید و فروخت ہی ہو

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ط

آپ کا گرامی نامہ جو آپ نے میرے فرزند عزیز مولانا عبدالرشید اور مولانا جان محمد کے ہمراہ ارسال کیا تھا موصول ہوا۔ اور نذر کے روپے بھی موصول ہوئے "جزاکم اللہ سبحانہٗ خیراً" آپ کی صحت کی خبر سے بہت خوشی ہوئی۔ اے فرزند! فرصت و فراغت غنیمت ہے۔ ہمیشہ اپنے اوقات کو ذکر الٰہی جل شانہٗ میں مصروف رکھنا چاہیئے۔ جو بھی شریعتِ غرا کے مطابق کیا جائے۔ ذکر میں داخل ہے۔ اگرچہ خرید و فروخت ہی ہو۔ پس تمام حرکات و سکنات میں احکامِ شریعت کی رعائت کرنی چاہیئے۔ تاکہ سب کام ذکر بن جائیں۔ کیونکہ ذکر غفلت دور کرنے سے عبارت ہے۔ اور جب تمام افعال میں اوامر و نواہی کی رعائت ملحوظ رکھی جائے تو امر و نہی کرنے والے سے غافل ہونے سے نجات میسر آجاتی ہے۔ اور اس بلند ذات کا دوام ذکر حاصل ہو جاتا ہے۔ یہ دوام ذکر حضرات خواجگان قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی "یادداشت" سے ایک الگ چیز ہے۔ کیوں کہ وہ صرف باطن میں منحصر ہے۔ اور یہ ظاہر میں بھی جاری ہے۔ اگرچہ مشکل ہے۔ اللہ سبحانہٗ ہمیں صاحبِ شریعت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی متابعت نصیب فرمائے۔

مکتوب نمبر ۲۶

عرفان پناہ مرزا حسام الدین احمد کی طرف صادر فرمایا

اس کے اس خط کے جواب میں جس سے جانب داری کی بُو آتی ہے۔ اور اس بیان میں کہ تلقینِ ذکر بچوں کو الف و بے کی تعلیم کی طرح ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ط

صحیفہ مکرمت (مکتوب گرامی) جو کشمیری قاصد کے ہمراہ کرم کرتے ہوتے آپ نے ارسال کیا تھا۔ اس کے مطالعہ سے مشرف ہوا۔ جب کہ آپ کی طرف کے حضرات کی خیریت پر مشتمل تھا۔ بہت خوشی و مسرت کا موجب ہوا، جَزَاكُمُ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ خَيْرًا،،

اس میں درج تھا کہ مخدوم زادہ کلاں اور خواجہ جمال الدین، میاں شیخ الہداد سے تلقین ذکر کے شرم کے باعث آپ کی خدمت میں نہیں پہنچ سکے۔ مخدوما! اب بھی ان باتوں سے جانب داری کی بُو آتی ہے۔ اور اس طرح اور وضع سے مباینت اور مخالفت مفہوم ہوتی ہے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ،،

مخدوم زادہ کلاں (خواجہ عبیداللہ) کو چاہیے تھا کہ اپنے والد بزرگوار کی وصیت کا شرم کرتا۔ نیز اس توجہ افادہ کی بھی شرم کرتا جو حضرت ایشاں (پیر بزرگوار) کی موجودگی میں اُن کے حکم سے کی گئی تھی۔ اور میاں شیخ الہداد کو بھی دعویٰ پیر پرستی کے باوجود چاہیے تھا کہ اس بارے میں دلیری اور جرات نہ کرتا۔ اور ملاحظہ وصیت اور فائدہ پہنچانے میں پہل کرتا۔

جو کچھ تم نے لکھا ہے حق وصواب ہوگا۔ لیکن جو مکتوب مخدوم زادہ کلاں نے برادر عزیز کے ہمراہ ارسال کیا ہے (ہمارے متعلق) کمال تواضع کو متضمن اور انتہائی طلب وشوق پر مشتمل تھا۔ اور اس مکتوب میں ایسی عبارات احاطہِ تحریر میں لائی ہیں کہ طلب کے جنون کے بغیر ان عبارات کا معرضِ تحریر میں لانا متصور نہیں۔ اس مکتوب کی تحریر کے بعد شائد ہم سے برگشتہ ہونے کی صورت پیدا ہوئی ہے۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝

اے ہمارے پروردگار ہمیں ہدایت دینے کے بعد ہمارے دلوں کو کجی میں مبتلا نہ کر اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما۔ بیشک تو ہی بہت عطا فرمانے والا ہے۔

لیکن فقیر جانتا ہے کہ ان کی یعنی پیر بزرگوار کی وصیت خالی از حکمت نہ ہوگی اور امید ہے کہ اس وصیت کی برکت سے انجام اچھا ہو جائیگا۔ لیکن افسوس کی بات ہے کہ اس قسم کی طلب جس کی تھوڑی سی جھلک ان کے مکتوب سے مفہوم ہوتی تھی یکایک ختم ہو جائے اور اس کی ضد اس کی جگہ لے لے۔ دوستوں اور ہمدردوں پر یہ بات بڑی گراں گزرتی ہے۔ یہ مقام خاص اہتمام اور توجہ کا متقاضی ہے۔ مکرّما! اگر (حق تعالیٰ تک وصول کا) کام صرف تلقین سے مکمل وتمام ہو جائے تو مبارک ہے۔ لیکن معاملہ یوں نہیں بلکہ فقیر کے نزدیک ذکر کی تلقین بچوں کو الف دبے کی تعلیم کے مانند ہے۔ اگر صرف اتنی ہی تعلیم ملکہِ مولویت پیدا کردے تو کیا مضائقہ ہے۔ تمہارے کرم والتفات سے یہ توقع اور امید ہے کہ طرفداری کے پلے کو چھوڑ دیں گے۔ اور تمام دوستوں کے ساتھ مساوی قسم کی آشنائی رکھیں گے زیادہ کیا مبالغہ کرے۔

والسلام

مکتوب نمبر ۲۷

مولانا محمد طاہر بدخشی کی طرف ارسال کیا

شیخ عبدالعزیز جونپوری کے ان اعتراضات وسوالات کے جواب میں جو اس جلد دوم کے مکتوب اوّل میں درج ہیں

بعد الحمد والصلوٰۃ و تبلیغ الدعوات ۔ راقم عرض پرداز ہے۔ کہ آپ کا وہ مکتوب جو مدت مدید کے بعد آپ نے ارسال کیا ہے موصول ہو کر بہت فرحت و خوشی کا موجب ہوا

حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ آپ کو ظاہری اور باطنی جمعیت سے مزین اور آراستہ رکھے۔ فقیر نے اس عرصہ میں آپکو تین خط لکھے ان میں سے ایک خط آپ کو موصول ہو چکا ہے۔ مسافت بعیدہ کا عذر لاحق ہے اور مشفق ... مات شیخ عبدالعزیز نے جو مکتوب لکھا تھا تمہارے مکتوب کے ہمراہ نیز موصول ہوا اور جو کچھ اس میں درج تھا اس سے پوری طرح مطلع ہوا۔

شیخ عبدالعزیز کے مکتوب میں درج تھا کہ حقائق ممکنات جو صُوَرِ علمیہ سے عبارت ہیں اگر عدمات ہوں جو صفات کی ضد ہیں تو لازم آتا ہے کہ ان عدمات کا حصول ذات تعالیٰ و تقدس میں ہو حالانکہ وہ سبحانہٗ اس سے منزہ ہے۔ شیخ موصوف کا یہ عجیب شبہ ہے۔ شیخ عبدالعزیز کو معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت حق سبحانہٗ تمام ادنیٰ اور اعلیٰ اشیاء کو جانتا ہے۔ لیکن ان میں سے کسی بھی چیز کا حصول اس کی بلند ذات میں نہیں ہے اور کسی طرح اُن کا اس کے ساتھ اتصاف نہیں۔ اس صورت میں حصول کہاں سے پیدا ہوتا ہے

نیز اس میں یہ بھی درج تھا کہ حقائق ممکنات وجودی اور ثبوتی ہونی چاہئیں نہ کہ عدمی کیونکہ حقائق ممکنات کی ارواح اور نفوس سے عبارت ہے۔ (جواب) ہاں یہ حقائق علمی وجود و ثبوت رکھتی ہیں۔ جو ان کے لئے درکار ہے۔ شیخ صاحب موصوف کو چاہیے کہ یہ اعتراض سب سے پہلے شیخ محی الدین پر کریں جنہوں نے کہا ہے کہ "اعیان نے وجود کی بُو بھی نہیں سونگھی" عجیب معاملہ ہے کہ یہاں حقائق، ارواح و نفوس سے عبارت قرار دی گئی ہیں۔ اور اعیان ثابتہ اور معلومات اللہ کو چھوڑ دیا ہے۔

اس مکتوب میں یہ بھی درج تھا کہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات اور اولیاء علیہم الرضوان اور باقی افراد انسان جو ممکنات ہیں اگر ان سب کے حقائق عدمات ہوں تو اس بلند گروہ سے شرف و عزت مسلوب و معدوم ہو جاتی ہے۔ (جواب) کیوں مسلوب و معدوم ہو جاتی ہے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ اور قدرت کاملہ سے اپنے حسن تربیت سے اُن عدمات کو اپنے اسماء و صفات کے آئینے اور عکوس بنا کر نبوت و ولائت کے شرف سے مشرف اور اپنے کمالات کے ظلال سے مزین و آراستہ کیا ہے۔ اور اس طرح انہیں معزز و مکرم کر دیا ہے۔ جس طرح انسان کو ایک حقیر قطرہ سے پیدا کر کے بلند درجات تک پہنچایا ہے۔ تعجب ہے کہ انسان کے شرف و عزت کو تو نگاہ میں رکھتے ہیں اور واجب تعالیٰ و تقدس کی تنزیہہ و تقدیس کو ہاتھ سے چھوڑ دیتے ہیں اور ہمہ اوست کہتے ہوئے خسیس و رذیل اشیاء کو حق تعالیٰ و تقدس کا عین کہتے ہیں۔ اور اس مقولہ سے پرہیز نہیں کرتے اور انسان کے لئے حقائق

عدمیہ کو جائز قرار نہیں دیتے اور اس سے اجتناب کرتے ہیں ۔ حق سبحانہٗ وتعالیٰ انھیں توفیقِ انصاف عطا کرے ۔

اس مکتوب میں یہ بھی درج ہے کہ اجماعی بات کو اختراعی چیز سے رد نہیں کیا جاسکتا ۔ (جواب) ہم تو مقولہ ہمہ اوست کو اختراع و ابداع جانتے ہیں ۔ کیونکہ مقولہ ہمہ از اوست علماء کا متفق علیہ ہے ۔ صاحبِ فتوحات پر آج تک ملامت و مذمت کا جو راستہ کھلا ہوا ہے ۔ اسی ہمہ اوست کے مقولہ کے سبب ہے اور فقیر نے جو معارف لکھے ہیں ۔ اُن کا حاصل ہمہ از اوست ہے جو شرع اور عقل میں مقبول و پسندیدہ ہے ۔ چہ جائیکہ کشف و الہام سے بھی اس کی تائید ہو چکی ہو ۔

شیخ موصوف نے اعتراضات کا ذکر کرنے کے بعد مقام شفقت میں آکر لکھا ہے کہ ممکنات کے حقائق اگر ارواح کو قرار دیا جائے تو یہ جمہور کے موافق ہے (پتہ نہیں) شیخ نے جمہور کی کونسی قسم مراد لی ہے ۔ کیونکہ آج تک سُننے میں نہیں آیا کہ ارواحِ انسانی کو کسی نے حقائق ممکنات قرار دیا ہو ۔ شیخ کی یہ گفتگو نہایت تعجب انگیز ہے ۔ شیخ موصوف نے خیال کر لیا ہے کہ ہر شخص قیاس و تخمینے سے بات کرتا ہے اور اپنے فکر و تخیّل سے باتوں کا جال بُنتا ہے ۔ ایسا ہرگز نہیں ۔ جو معارف کشف و الہام کے بغیر گفت و نوشت میں آئیں اور شہود و مشاہدہ کے بغیر معرضِ تحریر و تقریر میں آئیں سراسر بہتان و افتراء ہیں ۔ خاص کر جب کہ قوم کے مخالف ہوں ۔ معلوم نہیں شیخ کا کیا اعتقاد ہے اور یہ معارف اس نے کہاں سے حاصل کئے ہیں ۔

ربنا اغفرلنا ذنوبنا واسرافنا فی امرنا وثبت اقدامنا وانصرنا علی القوم الکفرین

والسّلام

مکتوب نمبر ۲۸

مولینا محمد صادق کشمیری کو اس کے استفسارات کے جواب میں لکھا

بعد الحمد والصّلوٰۃ وتبلیغ الدعوات ۔ عرض گذار ہے کہ آپ کا مکتوب شریف موصول ہوا ۔ جب کہ پسندیدہ احوال کو متضمن تھا ۔ موجبِ فرحت ہوا

آپ نے لکھا تھا کہ خدا تعالیٰ کے وراءُ الوراء ہونے کا معاملہ یہاں تک پہنچ چکا ہے کہ صفات کا ذات واجب تعالیٰ وتقدس پر حمل کرنا تکلف دکھائی دیتا ہے ۔ اور ذات سُبحانہٗ کو سب سے وراء جانتا ہے ۔

کوشش کریں کہ یہ حمل تکلف سے بھی میسر نہ آئے۔ بلکہ معاملے کو حیرت صرف تک پہنچا دے۔

آپ نے دریافت کیا تھا کہ رشحات میں بابا آب ریز رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا جب حق سبحانہ وتعالیٰ روزِ ازل آدم کی مٹی گوندھ رہا تھا۔ میں اُس میں پانی ڈال رہا تھا۔ اس مقولہ کی کیا توجیہہ وتاویل ہے۔ جان لیں کہ حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی مٹی کی خدمات میں جس طرح ملائکہ کرام علی نبینا علیہم الصلوٰۃ والسلام کو حصہ لینے کی اجازت دی گئی اس بزرگ کی روح کو بھی خدمت گاری کی اجازت دی اور پانی ڈالنے کی خدمت اس کے سپرد کی گئی۔ پھر ان کی جسمانی پیدائش کے بعد بلکہ ان کے کامل ہونے کے بعد انہیں اس معنی سے اطلاع دی گئی۔

جائز ہے کہ حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ ارواح مجردہ کو ایسی قدرت عطا کرے کہ اُن سے افعال اجسام صادر ہوں اسی قبیلہ سے ہے وہ جو بعض اکابر نے اپنے افعال شاقہ سے خبر دی ہے جو اُن سے اُن کے وجودِ عنصری میں آنے سے زمانہائے دراز پہلے صادر ہوئے۔ ان افعال کا صدور ان کی ارواح مجرّدہ سے ہوا تھا اور انہیں اس معنی پر اطلاع وجود عنصری میں آنے کے بعد حاصل[1] ہوئی۔

ایک گروہ کو اس طرح کے افعال کا صدور تناسخ کے وہم میں مبتلا کر دیتا ہے۔ حاشا وکلا کہ کسی اور جسم نے ان کی روح سے تعلق قائم کیا ہو۔ مجرّد روح ہی ہے جو قدرت خداوندی جل سلطانہٗ سے بدن کا کام کرتی ہے اور بجرو لوگوں کو ضلالت وگمراہی میں ڈال دیتی ہے اس مقام میں گفتگو کی بہت گنجائش ہے۔ اور بہت سی تحقیقات فائض ہوئی ہیں۔ اگر توفیق ملی تو انشاء اللہ تعالیٰ ضبط تحریر میں لائی جائیں گی۔ فی الحال وقت نے مدد نہ کی۔

نیز آپ نے دریافت کیا تھا کہ صاحب رشحات، رشحات میں لکھتا ہے۔ کہ جب خواجہ[2] علاؤالدین قدس سرہٗ نے مولانا نظام[3] الدین خاموش سے ناراض ہوکر ان سے نسبت سلب کرنے کا ارادہ کیا تو مولانا نے اس وقت

---

[1] اولیاء اللہ اور بندگانِ خدا کے تصرفات کے منکر امام ربانی قدس سرہٗ کے اس عقیدہ کا غور وانصاف سے مطالعہ فرمائیں۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نے ایک دوسرے مقام میں فرمایا ہے۔ میرا گمان ہے کہ پہلے انبیاء کی امتوں کے اولیاء حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے وجودِ عنصری میں تشریف لانے سے قبل انکی روحانیت سے تربیت پاکر ولائت کے مقام پر فائز ہوتے رہے اللہ تعالیٰ بزرگوں کی سچی عقیدت وعظمت عطا کرے اور اس گروہ پاک کیساتھ اُٹھنے کی سعادت نصیب فرمائے۔ مترجم عفرلہٗ

[2] یعنی خواجہ علاؤالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ آپ حضرت خواجہ بزرگ شاہ بہاؤالدین نقشبند قدس سرہٗ کے مرید تھے۔

[3] مولانا نظام الدین قدس سرہٗ خواجہ علاؤالدین قدس سرہٗ کے افضل واکمل اصحاب سے تھے اور مولانا نے خواجہ بزرگ کی زیارت بھی کی تھی۔

آنسرور علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی روحانیت سے التجا کی، اور حضور علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے حضرت خواجہ کو ارشاد ہوا کہ نظام الدین ہمارا ہے۔ کسی کو بھی اس پر تصرف کی مجال نہیں۔ صاحب رشحات اسی کتاب میں دوسری جگہ لکھتا ہے کہ بڑھاپے میں حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ نے مولانا سے نسبت سلب کر لی۔ مولانا نے کہا۔ خواجہ نے ہم کو بوڑھا پاکر سب کچھ ہم سے لے لیا۔ اور آخر کار ہم کو مفلس کر دیا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ حضرت رسالت علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کسی کو اپنا بنالیں اور فرمائیں کہ کسی کو اس پر تصرف کی مجال نہیں۔ حضرت خواجہ احرار اس پر کیسے تصرف کر سکتے ہیں۔ (جواب) جان لیں کہ ہمارے خواجہ (باقی باللہ) قدس سرہٗ اس نقل کو پسند نہیں کرتے تھے اور مولانا کے سلب نسبت کے بارے میں توقف کرتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ مولانا سعد الدین کاشغری کے جو مولانا نظام الدین کے مرید ہیں۔ مولانا عبدالرحمٰن (جامی) وغیرہ بہت سے مرید ہیں اور کسی نے بھی اس نقل کے متعلق لب کشائی نہیں کی۔ اور اس کے رد و قبول کا تذکرہ نہیں کیا۔ مولانا فخر الدین علی (صاحبِ رشحات) نے یہ نقل کہاں سے لکھی ہے۔ اگر اس خبر میں صداقت ہوتی تو تواتر سے منقول ہوتی۔ کیونکہ اس طرح کی نقل کے بہت سے اسباب و ذرائع موجود تھے اور جب کہ تواتر سے منقول نہیں ہوئی بلکہ خبر واحد ہے تو معلوم ہو گیا کہ اس کے سچا ہونے میں شک و تردد ہے۔ اور صاحبِ رشحات کی بعض اور روایات بھی صدق و سچائی سے دور ہیں۔ اور اس بلند سلسلہ کے لوگ ان نقول و روایات میں تردد و شک رکھتے ہیں۔ واللہ سبحانہٗ اعلم۔

نیز ہمارے خواجہ (باقی باللہ) قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ مفلس کر دینے کا لفظ سلبِ ایمان پر دلالت کرتا ہے (اللہ سبحانہٗ ہمیں اس سے بچائے) اور سلبِ ایمان کو جائز قرار دینا بہت مشکل ہے[1]

فضیلت پناہ شیخ عبدالحق[2] دہلوی کی طرف صادر فرمایا
اس بیان میں کہ اس دنیا کا بہترین سامان حزن و اندوہ ہے۔ اور اس دسترخوان کی گوارا ترین نعمتیں الم و مصیبت ہیں

---

[1] کیونکہ کسی کا ایمان سلب کرنے کی کوشش ایک ادنیٰ مسلمان سے بھی بڑی حرکت ہے۔ اکابر دین سے ایسا واقع ہونا تو بہت ہی بعید از قیاس ہے۔ [2] شیخ وقت، مقتدائے زمان، عمدۃ المحدثین، صاحب المفاخر (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ ۔ مخدوما مکرما ! مصائب کے وارد ہونے کے وقت اگرچہ رنج و تکلیف اٹھانی پڑتی ہے ۔ لیکن اس میں بہت سی عزت افزائیوں کی امید ہے ۔ اس دنیا کا بہترین سامان حزن واندوہ اور اس دسترخوان کی گوارا ترین نعمت الم و مصیبت ہے ان شکر پاروں کو دوائے تلخ کے باریک غلاف میں پیٹا گیا ہے اور اس طرح ابتلا و امتحان کا راستہ کھولا گیا ہے ۔ سعادت مند لوگ ان کی حلاوت و مٹھاس پر نظر کرتے ہوئے اس تلخی کو شکر کی مانند کھاتے ہیں ۔ اور تلخی کو صفراء کے برعکس شیریں محسوس کرتے ہیں ۔ دولتمند (صاحب بصیرت) لوگ محبوب کی درد رسانی میں اس قدر حلاوت و لذت پاتے ہیں کہ اس کے انعام میں وہ لذت متصور نہیں ۔ اگرچہ درد رسانی اور انعام دونوں محبوب کی طرف سے ہیں ۔ تاہم درد رسانی میں محب کے نفس کے لئے کچھ حصہ نہیں اور انعام میں نفس کی مراد کا حصول بھی ہے ۔

هَنِيئًا لِأَرْبَابِ النَّعِيمِ نَعِيمُهَا [۱] ۔ اے اللہ ہمیں ان کے اجر سے محروم نہ کر ۔ اور ان کے بعد کسی فتنے میں مبتلا نہ کر ۔ آپ کا وجود شریف ضعف اسلام کے اس زمانے میں اہل اسلام کے لئے غنیمت ہے ۔ اللہ سبحانہ تمہیں سلامتی اور بقا عطا فرمائے

والسلام

مکتوب نمبر ۳۰

خواجہ محمد اشرف اور حاجی محمد فرکتی کی طرف صادر فرمایا

ان کے خط کے جواب میں اور ان کے دو سوالوں کے جواب میں ایک نسبت رابطہ (تصور شیخ) اختیار کرنے اور دوسرا اپنے باطنی کام میں سستی کے بارے میں تھا ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ الحمد للہ و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ ۔ صحیفہ گرامی جو دو عزیزوں اشرف بھائیوں نے ارسال کیا ہے موصول ہوا اور کیفیات احوال جو اس میں درج تھیں ۔ پوری طرح معلوم ہوئیں ۔

بقیہ حاشیہ :- ابو المجد حضرت شاہ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کے اعاظم خلفاء میں سے ہیں ۔ اور مشہور و مستند تصانیف کے مصنف ہیں ۔ محرم الحرام ۹۵۸ھ میں پیدا ہوئے ۔ اور ۱۰۵۲ھ میں وصال فرمایا ۔ تاریخ ولادت " شیخ اولیا " سے اور تاریخ رحلت " فخر العالم " کے لفظ سے نکلتی ہے ۔ (مآثر الکرام)

[۱] نعمتوں والوں کو نعمتیں گوارا ہوں ۔

خواجہ محمد اشرف نے نسبت رابطہ (تصور شیخ) کے متعلق لکھا ہے۔ کہ اس حد تک غالب آچکی ہے کہ نماز میں بھی اسے اپنا مسجود جانتا اور دیکھتا ہے۔ اور اگر فرضاً نفی کرے تو منتفی نہیں ہوتا۔ اے محبت کے اطوار والے یہ دولت طالبانِ حق کی متمنا اور آرزو ہے۔ ہزاروں میں سے شاید ایک کو نصیب ہوتی ہے اس کیفیت اور معاملے والا مرید صاحب استعداد اور تام المناسبت ہے۔ احتمال ہے کہ شیخ مقتدا کی تھوڑی سی صحبت سے اس کے تمام کمالات کو جذب کرے۔ رابطے (تصور شیخ) کی نفی کی کیا ضرورت ہے کیونکہ وہ مسجود الیہ[1] ہے مسجود لہ[2] نہیں ہے۔ محرابوں اور مسجدوں کی نفی کیوں نہیں کرتے۔ اس قسم کا ظہور سعادت مندوں کو میسر آتا ہے۔ تاکہ تمام احوال میں صاحب رابطہ (مرشد کامل) کو اپنا ذریعہ جانیں۔ اور تمام اوقات میں اس کی طرف متوجہ رہیں۔ نہ اس بدنصیب گروہ کی طرح جو اپنے آپ کو (تصور شیخ سے) بے نیاز جانتا ہے اور اپنے قبلہ توجہ کو اپنے شیخ سے پھیر لیتا ہے۔ اور اپنے معاملے کو خراب اور تباہ کر دیتا ہے۔[3]

دوسرے آپ نے اپنے فرزندوں کی والدہ کی وفات کا لکھا تھا۔ "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ" فاتحہ پڑھی گئی اور پڑھنے کے دوران قبولیت کا اثر معلوم ہوا

مولانا حاجی محمد نے اظہار کیا تھا کہ قریب دو ماہ کا عرصہ ہو رہا ہے کہ باطنی کام کی مشغولیت میں فتور اور سستی واقع ہو چکی ہے۔ اور وہ ذوق و حلاوت جو پہلے تھا اب نہیں ہے۔ دوستی کے طور طریقوں والے! غم کرنے کی ضرورت نہیں اگر دو چیزوں میں فتور نہ ہو۔ ایک صاحب شریعت علیہ و علی آلہ الصلوات والتسلیمات والتحیات کی متابعت میں دوسرے اپنے شیخ کی محبت اور اخلاص میں۔ ان دو چیزوں کی موجودگی میں اگر ہزاروں ظلمتیں اور کدورتیں طاری ہو جائیں تو تب بھی ڈر کی بات نہیں آخر اسے ضائع نہیں کریں گے اور اگر عیاذاً باللہ سبحانہٗ ان دو میں سے کسی ایک میں نقصان پیدا ہو گیا تو خرابی ہی خرابی ہے۔ اگرچہ حضور اور جمعیت کی حالت میں رہے کہ یہ استدراج ہے۔ آخر کار اس کا انجام خراب ہے۔ اور حق سبحانہٗ و تعالیٰ سے گریہ وزاری

---

[1] سجدے کی جہت [2] جس کو سجدہ کیا جائے اور وہ خدا تعالیٰ ہے

[3] مسئلہ تصور شیخ کے متعلق اہل سنت کا عقیدہ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کے اس خط سے واضح ہے۔ اس خط کو غور و توجہ سے بار بار پڑھیے اور اندازہ لگایئے کہ حضرت امام ربانی علیہ الرحمۃ نے تصور شیخ کو کس قدر اہمیت دی ہے اور تصور شیخ کا اعتقاد نہ رکھنے والوں کو بدنصیب قرار دیا ہے۔ مولوی غلام رسول مہر کے بیان کے مطابق سید احمد بریلوی مرشد مولوی اسمٰعیل دہلوی، مصنف تقویۃ الایمان وصراط مستقیم نے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کو صاف کہہ دیا کہ تصور شیخ شرک ہے۔ اللہ تعالیٰ بدنصیب گروہ کے عقائد سے محفوظ رکھے۔ مترجم غفرلہٗ

کے ساتھ ان دو باتوں پر استقامت وثبات کی دعا کرتے رہیں کیونکہ یہی دو امر مدار کار اور مدار نجات ہیں آپ کو اور باقی تمام بھائیوں کو سلام علیکم خصوصاً محبِ قدیم مولانا عبدالغفور سمرقندی کو۔

مکتوب نمبر ۳۱

وعظ ونصیحت میں خواجہ شرف الدین حسین کی طرف صادر فرمایا

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفے ۔ فرزند عزیز! فرصت غنیمت ہے۔ چاہیے کہ بیفائدہ کاموں میں صرف نہ ہو۔ بلکہ فرصت کے سارے اوقات حق جل وعلا کی خوشنودی کے کاموں میں صرف ہونے چاہییں۔ نماز پنجگانہ جمعیت وجماعت اور تعدیل ارکان کیساتھ ادا کرنی چاہیے۔ اور نمازِ تہجد کو بھی ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ اور سحری کے استغفار کو بھی رائیگاں نہ چھوڑیں اور خوابِ خرگوش سے لذت گیر نہ ہوں۔ اور فانی لذتوں پر بھی فریفتہ نہ ہوں۔ اور موت اور اہوال آخرت کی یاد اپنا نصب العین بنائیں مختصر یہ کہ دنیا سے روگردان اور آخرت کی طرف متوجہ رہیں۔ اور دنیا میں بقدرِ ضرورت مشغول ہوں۔ اور سارے اوقات تیاری آخرت کے کاموں سے آباد رکھیں۔ حاصل کلام یہ کہ دل ماسوا کی گرفتاری سے آزاد ہونا چاہیے۔ اور ظاہر احکام شرعیہ سے مزین وآراستہ رہنا چاہیے ۔ کار اینست[1] وغیر ایں ہمہ ہیچ۔
باقی حالات بخیر ہیں۔

والسلام

مرزا قلیچ اللہ کی طرف صادر فرمایا

اس کے عریضہ کے جواب میں جس میں اس نے اپنی باطنی جمعیت کی شکایت کی تھی اور اس کے

---

[1] اصل کام صرف یہ ہے کہ باقی سب ہیچ ہے۔

مُناسب امور کے بیان میں

بعد الحمد والصلوٰۃ و تبلیغ الدعوات ۔ عرض کرتا ہے کہ صحیفہ شریفہ جو آپ نے ماتم پرسی کے بارے میں لکھا تھا۔ موصول ہوا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ، ہم اللہ سبحانہٗ کی توفیق سے اس کی قضا پر راضی ہیں تم بھی راضی رہو اور دعا اور فاتحہ کے ذریعہ ممد و معاون بنے رہو۔ دوسری بات یہ ہے کہ تمہاری خلاصی کی خبر مسرّت و فرحت کا باعث ہوئی ہے۔ اور دو تکلیف دہ باتوں میں سے ایک بات سے آرام حاصل ہوگیا۔ اس پر اللہ سبحانہٗ ہی کی حمد اور اس کا احسان ہے۔

آپ نے جمعیّت باطن کی شکایت تحریر کی ہے ۔ ہاں باطن کے ردّ و بدل میں ظاہر کی پراگندگی کا بہت زیادہ دخل ہے۔ جب باطن میں کدورت اور میل کچیل پائیں تو اس کا تدارک توبہ و استغفار سے کریں۔ اور جب کوئی خوفناک صورت ظاہر ہو تو کلمہ تمجید، لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ سے اسے دفع کریں اور معوذتین (سورہ قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس) کا اس وقت میں تکرار غنیمت ہے۔ باقی حالات لائق تعریف و حمد ہیں۔ ہمیشہ اور ہر حال میں اللہ سبحانہٗ ہی کی حمد اور اس کا احسان ہے۔ اور ہم اللہ سبحانہٗ کے پاس اہل دوزخ کے حال سے پناہ مانگتا ہوں۔ فقیر پر کمزوری بدن کا اثر تھا اس بنا پر تفصیل سے حالات سپرد قلم نہیں کرسکا۔ حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ ہمیں اور تمہیں شاہراہ شریعت مصطفویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ پر چلنے میں استقامت عطا کرے۔

والسلام

مکتوب نمبر ۳۲

مولانا محمد صالح کولابی کی طرف صادر فرمایا۔

اس بیان میں کہ محبوب تمام حالات میں محب کی نظر میں محبوب ہوتا ہے۔ چاہے انعام فرمائے چاہے درد و تکلیف میں مبتلا کرے۔ بلکہ تھوڑے سے اہل اللہ ایسے بھی ہیں کہ درد رسانی اُن کے لئے انعام سے زیادہ محبّت بخش ہے اور حمد کی شکر پر فضیلت کا بیان اور اس کے مناسب امور کے بیان میں

الحمد للّٰہ و سلام علی عِبَادِہِ الّذین اصطفٰی - اخوی ، اعزی مولانا محمد صالح کو معلوم ہونا چاہیئے کہ محبوب

محب کی نگاہ میں بلکہ واقع میں ہر وقت محبوب ہی ہوتا ہے اور محبوب کے تمام حالات بھی محبوب ہوتے ہیں اگر درد و رنج میں مبتلا کرے تو بھی محبوب ہے اور اگر انعام و مہربانی فرمائے تب بھی محبوب ہے۔ اکثر لوگوں کے نزدیک جو دولت محبت سے مشرف ہو چکے ہیں۔ وقتِ انعام میں محبوب کی محبت زیادہ ہوتی ہے۔ درد و رنج عطا کرنے کی حالت کی نسبت یا دونوں وقت برابر ہوتے ہیں۔ لیکن بہت تھوڑی تعداد میں ایسے اہل اللہ بھی ہیں۔ جن کا معاملہ برعکس ہے۔ اُن کے نزدیک درد رسانی انعام کی نسبت زیادہ محبت بخش ہے۔ اس دولتِ عظمیٰ کا مقدمہ محبوب کیساتھ حسن ظن ہے۔ حتیٰ کہ اگر محبوب محب کے گلے پر چھری چلائے اور اس کے ہر عضو کو دوسرے عضو سے جدا کردے تو بھی محب اس کارروائی کو اپنی عین بہتری جانے گا۔ اور اس میں اپنی بھلائی تصور کریگا اور جب حسن ظن کے حصول کی وجہ سے محبوب کے فعل کی ناپسندیدگی محب کی نظر سے اُٹھ گئی تو محبت ذاتی کی دولت سے جو حبیب رب العالمین علیہ وآلہ الصلوات والتسلیمات کے ساتھ مخصوص ہے اور تمام نسبتوں اور اعتبارات سے معرّا ہے، مشرف ہو گیا۔ اور درد رسانی میں انعام محبوب کی زیادہ لذت و فرحت پائی۔ میرا گمان ہے کہ یہ مقام مقامِ رضا سے اوپر ہے۔ کیونکہ رضا میں محبوب کے درد رسانی کے فعل کی ناپسندگی کا رفع ہے۔ اور اس میں درد رسانی کے فعل سے لذت گیر ہونا ہے۔ اس لئے کہ محبوب کی جانب سے جس قدر جفا بلند اور زیادہ ہوگی۔ محب کی جانب سے فرحت و سرور اور زیادہ ہوگا۔ اور ان دونوں مقاموں میں بہت فرق ہے۔

اور جب کہ محبوب محبّ کی نظر میں بلکہ نفس امر میں ہر وقت اور ہر حال میں محبوب ہے تو لازماً ہر وقت اور ہر حال میں اس کی نظر میں بلکہ واقع اور نفس امر میں محمود اور ممدوح بھی ہوگا اور محب اس کی طرف سے درد رسانی اور انعام کی حالت میں اس کی مدح کرنے والا اور ثنا خواں ہوگا۔ تو اس وقت اس محب صادق کے لئے درست ہوتا ہے کہ وہ صادق اور مصدوق کی حالت میں کہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ عَلٰی کُلِّ حَالٍ ط یعنی سب تعریفیں ہر حال میں اللہ رب العالمین کے لئے ہیں۔ اور یہ محب خوشی اور تکلیف کی حالت میں حقیقۃً اللہ سبحانہٗ کی حمد کرنے والوں میں سے ہو جاتا ہے۔ شائد حمد کو شکر پر فضیلت اسی جہت سے ہے۔ کیونکہ شکر میں منعم کا انعام ملحوظ ہوتا ہے۔ جو صفت بلکہ فعل کی طرف رجوع کرتا ہے اور حمد میں محمود کا حسن و جمال ملحوظ ہوتا ہے۔ برابر ہے کہ وہ حسن و جمال ذاتی ہو یا وصفی یا فعلی۔ اور برابر ہے کہ اس کی طرف سے انعام ہو یا ایلام (درد رسانی) کیونکہ اللہ سبحانہٗ کا رنج میں ڈالنا بھی اس کے انعام کی طرح اچھا اور پسندیدہ ہوتا ہے۔ اس لئے حمد ثناء میں زیادہ بلیغ، مراتبِ حسن و جمال میں زیادہ جامع۔ اور خوشی اور غمی کی دونوں حالتوں میں زیادہ بقا رکھتی ہے بخلاف شکر کے کہ وہ حمد کے مقابلہ میں کم درجہ ہونے کے باوجود جلد زائل ہونے والا اور انعام و احسان کے خاتمے

کے ساتھ ختم اور معدوم ہوجاتا ہے۔

سوال۔ تونے اپنے بعض مکتوبات[1] میں لکھا ہے۔ کہ مقامِ رضا مقامِ محبت اور مقامِ حُبّ سے اوپر ہے۔ اور اس مکتوب میں لکھا ہے کہ یہ مقامِ محبّت مقامِ رضا سے اوپر ہے۔ ان دو باتوں میں موافقت و مطابقت کیسے ہو سکتی ہے۔

جواب۔ یہ مقامِ محبّت اور مقامِ حُبّ اس مقامِ محبت و مقامِ حُبّ سے وراء ہے کیونکہ وہ مقام اجمالاً وتفصیلاً نسبتوں اور اعتبارات پر مشتمل ہے۔ اگرچہ اس محبّت کو محبت ذاتی کہتے ہیں۔ اور اس حُبّ کو حُبّ ذات تصور کرتے ہیں۔ کیونکہ وصال شیون و اعتبارات سے قطع نظر نہیں ہے۔ بخلاف اس مقام کے کہ یہ نسبتوں اور اعتبارات سے معرّا ہے جیساکہ مذکور ہوا۔ اور وہ جو بعض مکتوبات میں درج ہوا ہے۔ کہ مقامِ رضا سے اوپر کسی کے قدم رکھنے کی جگہ نہیں مگر خاتم الرسل علیہ وعلیہم وعلیٰ اٰل کل الصلوات والتسلیمات کے لئے۔ تو دراصل یہ اُس مقام سے عبارت ہے۔ جو حضور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوۃ والسلام کے ساتھ خاص ہے۔ واللہ سبحانہٗ اعلم بحقائق الامور کلہا۔

جاننا چاہیے۔ کہ ظاہر میں کسی شے سے ناپسندیدگی کا اظہار کرنا باطن میں رضا اور پسندیدگی کے منافی نہیں اور صورت کی تلخی حقیقت کی حلاوت کی نفی نہیں کرتی۔ اس لئے کہ عارف کامل کے ظاہر اور اس کی صورت کو صفاتِ بشریت پر ہی رہنے دیا گیا ہے تاکہ اس کے کمالات کی پردہ پوشی رہے اور لوگوں کیلئے ابتلاء اور آزمائش پیدا کرے اور حق والا باطل والے سے ملا جلا رہے۔ عارف کامل کے ظاہر اور صورت کی اس کے باطن اور حقیقت کے ساتھ ایسی نسبت ہے۔ جیسے اکہیرا کپڑا پہننے والے سے نسبت رکھتا ہے اور یہ بات سب کو اچھی طرح معلوم ہے کہ کپڑے کی پہننے والے شخص کے ساتھ کس قدر نسبت ہے (یعنی کپڑا بالکل ایک الگ چیز ہے اور پہننے والا ایک الگ شئی) یہی حال عارف کامل کے ظاہر کا اس کی حقیقت اور باطن کے سامنے ہے۔ عارف کامل کی اس ظاہری صورت کو بصیرت سے اندھے لوگ[2] بے جان پہاڑ اور اپنی مانند بے حقیقت صورتوں کی طرح خیال کرتے ہیں۔ اسی بناء پر اہل اللہ کے انکار میں مبتلا ہوتے اور محرومی حاصل کرتے ہیں۔ والسلام علی من اتبع الھدیٰ والتزم متابعۃ المصطفیٰ

---

[1] یعنی دفتر دوم کے مکتوبات نمبر ۲ میں کہ اس مکتوب میں آپ نے فرمایا ہے "مرتبہ رضا فوق مرتبہ محبت ہے" الخ

[2] انبیاء کرام اور اولیائے عظام کو اپنی شل جاننے اور رٹ لگانے والے لوگ حضرت امام ربّانی قدس سرہٗ کے بیان کے مطابق بصیرت سے اندھے ہیں اور انکے فیض و برکت سے اپنی اس کور باطنی کیوجہ سے محروم رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو ادب و احترام کی توفیق عطا کرے۔ مترجم عفی عنہٗ

مکتوب نمبر ۳۴

نور محمدؐ تہاری کی طرف صادر فرمایا

اس کے عریضہ کے جواب میں جو اس نے مختلف احوال کے وارد ہونے کے بارے میں لکھا تھا

اَلحَمدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِینَ اصطَفٰی ۔ آپ کا مکتوب شریف موصول ہوا۔ آپ نے کثرت سے وارد ہونے والے احوال کے متعلق جو لکھا ہے ۔ اس سے پوری طرح آگاہی ہوئی۔ جان لیں کہ حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ جس طرح عالم میں داخل نہیں اس سے خارج بھی نہیں اور جس طرح عالم سے منفصل نہیں عالم کے ساتھ متصل بھی نہیں ۔ وہ بلند ذات موجود ہے ۔ لیکن یہ تمام صفات دخول، خروج اور اتصال وانفصال اس سبحانہٗ سے مسلوب ہیں ۔ اس پاک ذات کو ان چاروں صفات سے خالی تلاش کرنا چاہیئے اور اس بلند ذات کو ان صفات سے باہر پانا چاہیئے ۔ اگر ان صفات کی کچھ بھی آمیزش موجود ہے تو پھر ظلال ومثال میں گرفتاری پائی جاتی ہے ۔ لہٰذا بے چونی وبے چگونی کی صفت کیساتھ جس میں ظلیت کی گرد تک نہ ہو۔ اس بلند ذات کو طلب وتلاش کرنا چاہیئے ۔ اور اس مرتبہ کیساتھ بے چونی اور بے کیفی کی کا اتصال پیدا کرنا چاہیئے ۔ یہ دولت شیخ کامل مکمل کی صحبت کا نتیجہ ہے ۔ کہنے اور لکھنے سے یہ بات درست نہیں ہوتی ۔ اور اگر لکھے تو کون سمجھے گا ۔ اور کون پائے گا ۔ اپنے کام میں سرگرم رہیں اور ملاقات کے وقت تک احوال کی کیفیات لکھتے رہیں ۔

والسلام

مکتوب نمبر ۳۵

پیرزادہ خواجہ محمد عبد اللہ سلمہٗ اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا

اس کے ان استفسارات کے جواب میں جو اس نے بطرز خاص توحید اور عین الیقین کے متعلق کئے تھے ۔ اور اس کے مناسب امور کے بیان میں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ بعد الحمد والصلوٰۃ وتبلیغ الدعوات جناب مخدوم زادہ کی خدمت میں عرض کرتا

ہے کہ آپ کا صحیفہ شریفہ موصول ہوا۔ اس کے مطالعہ سے بہت ہی فرحت حاصل ہوئی۔ اس مکتوب میں نسبت کے شمول اور حضور اور غلبہ کا اندارج کیا تھا۔ یہ حالت بہت نیک اور مبارک ہے۔ یہ دولت جو آپ کو تین ماہ کے عرصہ میں میسر آئی ہے۔ دوسرے سلسلوں میں اگر دس سال میں بھی میسر ہو جائے تو اُسے دولت عظمیٰ اور عظیم کام تصور کرتے ہیں۔ اس نعمت کا شکر بجا لانا چاہیے اور جب کہ یہ فقیر جانتا ہے کہ آپ کی فطرت بلند ہے۔ اور اس قسم کے احوال کی تحسین اور مدح سے شائبۂ عجب و خود پسندی سے مبرا ہیں۔ اس بنا پر اس نعمت کا اظہار کیا گیا ہے۔

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ[1] — اگر تم لوگ شکر گذار ہو گے تو میں بالضرور تمہیں زیادہ نعمتیں عطا کروں گا۔

نص قطعی ہے۔ آپ نے لکھا تھا کہ توحید کی ابتداء کا ظہور شروع ہو گیا ہے۔ یہ دولت بھی مبارک ہو۔ اس نئی وارد ہونے والی نعمت کو ادب سے قبول فرمائیں۔ لیکن اس حال کے غلبہ میں آداب شرعیہ کی خوب رعایت کریں اور حقوقِ بندگی کما حقہٗ ادا کرتے رہیں۔ اور جان لیں کہ صدق و صحت کی صورت میں یہ شعبدہ محبوب کی محبت کے غلبہ کے باعث ہے کیونکہ محب جو کچھ دیکھتا اور جانتا ہے محبوب کو ہی دیکھتا اور جانتا ہے اور جس سے بھی لذت و ذوق پذیر ہوتا ہے اُسے محبوب کی طرف ہی منسوب کرتا ہے۔ اس صورت میں محب کا مشہود کثرت ہے۔ لیکن وحدت کے عنوان میں اس لئے اس مقام میں فنا متحقق نہیں ہوتی۔ کیونکہ شہود واحد کے غلبہ کے واسطہ سے فنا میں شہودِ کثرت بالکل رفع ہو جاتا ہے۔ اس کو بھی کثرتِ ممکنات کے عدمِ شہود کی نسبت سے فنا کا نام دیدیتے ہیں۔ حقیقی فنا اس وقت متحقق ہوتی ہے۔ جب کہ اسماء و صفات اور شیون و اعتبارات کی کثرت بھی مکمل طور پر نظر سے پوشیدہ ہو جائے۔ اور اس بلند ذات کی مجرّد احدیّت کے سوا کوئی چیز ملحوظ و منظور نہ رہے۔ سیر الی اللہ کی پوری حقیقت یہاں آکر جلوہ گر ہوتی ہے۔ اور ظلال کی گرفتاری سے بالکلیۃ آزادی کی صورت یہاں پیدا ہوتی ہے اور اس وقت معاملہ اصل اصول سے جا پڑتا ہے۔ اور دال سے مدلول تک پہنچ جاتا ہے اور علم سے عین اور گوش سے آغوش تک عروج حاصل ہو جاتا ہے اور وصل عریاں متحقق و موجود ہو جاتا ہے اور پھر اسی طرح آگے عروج کرتا چلا جاتا ہے۔ رمز و اشارہ کے بغیر اور وہ بھی مبہم طریقے سے اور سر آستین میں چھپائے اس مقام کے بارے لب کشائی نہیں ہو سکتی۔ مخدوم زادہ ہم سے عین الیقین کی وضاحت طلب کرتے ہیں۔ اور چاہتے ہیں کہ عین علم میں سما جائے۔ مشکل کام ہے کیا کرے اور کیا کہے اور

[1] سورہ ابراہیم۔ پارہ وَمَا اُبَرِّیُٔ

اس کی کس طرح وضاحت کرے۔ اور عقل میں لائے۔ امید ہے کہ مخدوم زادہ صاحب از راہِ کرم معذور قرار دیں گے۔ اور طلبِ علم سے طلبِ حال کی طرف آئیں گے۔

مخدوم زادہ صاحب نے جو دو سوال کئے ہیں ان کی بلند فطرتی کی خبر دیتے ہیں۔ ایک سوال بطرز خاص عین الیقین کے بیان سے متعلق تھا۔ جیسا کہ مذکور ہوا۔ اور دوسرا سوال تشابہات قرآنی کی تاویل کے بیان سے متعلق تھا جن کا علم علمائے راسخین کا حصہ ہے۔ دوسرے سوال کا جواب پہلے سوال کے جواب سے بھی زیادہ دقیق، زیادہ پوشیدہ اور اور پوشیدہ رکھنے کے لائق ہے اور ظہور و اظہار کے منافی۔

تاویل متشابہات کا علم ان معاملات سے کنایات ہیں جو رسل علیہم الصلوٰت والتسلیمات کے ساتھ مخصوص ہیں اور امتیوں میں سے بہت ہی قلیل افراد کو تبعیت اور وراثت کے طور پر اس علم سے حصہ عطا کرتے ہیں۔ اور اس دنیا میں ان امتیوں پر متشابہات کی تاویل کے جمال کا چہرے سے نقاب اٹھاتے ہیں۔ لیکن امید ہے کہ آخرت میں ایک بہت بڑا گروہ تبعیت کے طور پر امتیوں میں سے اس دولت سے بہرہ ور ہوگا۔ اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ اس دنیا میں ان قلیل کے علاوہ بعض دوسروں کو بھی روا ہے کہ اس دولت سے مشرف کریں لیکن حقیقت معاملہ کا علم عطا نہیں کرتے اور تاویل کو منکشف نہیں کرتے۔ بالجملہ جائز ہے کہ متشابہات کی تاویل ان بعض کو حاصل ہو۔ لیکن نہیں جانتا کہ کیا حاصل ہے۔ کیونکہ متشابہات جو معاملات سے کنایات و اشارات ہیں۔ روا ہے کہ معاملہ تو حاصل ہو اور اس معاملہ سے علم حاصل نہ ہو۔ فقیر نے اس معنی کا اپنے خادموں میں بھی مشاہدہ کیا ہے۔ دوسروں کی یہاں کیا رسائی ہو سکتی ہے۔ تمہارے سوال نے اس معاملہ کا امیدوار بنا دیا ہے۔ اے اللہ ہمارے لئے ہمارے نور کو مکمل کر اور ہماری مغفرت فرما۔ بیشک تو ہر شے پر قادر ہے

والسلام

مکتوب نمبر ۳۶

خواجہ محمد تقی کی طرف صادر فرمایا

امامت کی بحث اور مذہب اہل سنت و جماعت اور مخالفین کے مذاہب کی حقیقت کے بیان میں اور اس بیان میں کہ اہل سنت ہی اعتدال پر ہیں۔ اور اس افراط و تفریط کے بیان میں جو روافض و خوارج نے اختیار کی ہے اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کی مدح و ثنا اور اس کے مناسب امور کے بیان میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ بعد الحمد والصلوٰۃ و تبلیغ الدعوات ۔عرض کرتا ہے کہ درویشوں سے محبت ،اُن سے ارتباط والفت ، اس بلند گروہ کی باتیں غور سے سننے کی رغبت اور پاکیزہ طبقہ کے اوضاع واطوار کی طرف میلان رکھنا خداوند جل سلطانہ کی عظیم وجلیل نعمتوں میں سے ہے اور خداتعالیٰ کی اعظم دولتوں میں سے مخبر صادق علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے ۔" اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ انسان اُن کے ساتھ ہوگا جن سے اُسے محبت تھی " پس ان کا محب ان کے ساتھ ہے اور حریم قرب کے حَرَم میں ان کا طفیلی ۔توفیق آثار سعادت اطوار فرزندی ،خواجہ شرف الدین حسین نے ظاہر کیا ہے کہ یہ اوصاف حمیدہ آپ میں پراگندہ تعلقات کے باوجود جمع ہیں اور پسندیدہ معانی بیفائدہ کاموں میں گرفتاری کے باوجود جناب میں موجود ہیں اس میں اللہ سبحانہٗ کی حمد اور اس کا احسان ہے ۔آپ کی صلاح اور درستی جماعت عظیم کی صلاح اور درستی ہے ۔اور آپکی فلاح وکامیابی جمع کثیر کی فلاح وکامیابی کو مستلزم ہے ۔خواجہ شرف الدین حسین نے بتایا تھا کہ آپ میری باتوں سے آشنا ہیں اور میرے علوم کو کان لگا کر سننے کی رغبت رکھتے ہیں اور چند کلمات میں آپ کی جناب میں لکھوں تو بہتر ہوگا ۔ لہٰذا التماس کرنے والے کی بات مانتے ہوئے چند کلمات لکھے گئے ہیں ۔

آج کل امامت کی بحث بہت چھڑی ہوئی ہے اور ہر شخص اپنے گمان اور تخمینے سے باتیں کرنے میں مصروف ہے ۔ اس لئے ضرورت کے مطابق اس بحث سے متعلق چند سطور لکھی گئی ہیں ۔ اور مذہب اہل سنت وجماعت اور مخالفین کے مذاہب کی حقیقت بیان کی گئی ہے ۔

نجابت وبزرگی کے نشانات والے ! اہل سنت وجماعت کی علامات سے ہے ۔شیخین (ابوبکر وعمر) کو فضیلت دینا اور حضور کے دو دامادوں (عثمان وعلی) سے محبت رکھنا ۔شیخین کو افضل جاننے کا عقیدہ جب کہ ختنین (عثمان وعلی) کی محبت کے ساتھ جمع ہو تو یہ اہل سنت وجماعت کے خصائص میں سے ہے ۔شیخین کو افضل قرار دینے کا عقیدہ صحابہ اور تابعین کے اجماع سے ثابت ہو چکا ہے ۔چنانچہ اسے اکابر آئمہ نے نقل کیا ہے ۔ ان میں سے ایک امام شافعی ہیں ۔ اور شیخ ابوالحسن اشعری فرماتے ہیں کہ ابوبکر وعمر کا باقی سب امت سے افضل ہونا قطعی ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی تواتر سے ثابت ہو چکا ہے کہ آپ نے اپنی خلافت وحکومت کے وقت ایک بہت بڑے گروہ میں فرمایا کہ ابوبکر وعمر اس امت میں سب سے افضل وبہتر ہیں ۔جیسا کہ امام ذہبی نے کہا ہے ۔

اور امام بخاری نے روایت کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ پیغمبر علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد سب سے افضل وبہتر مرد ابوبکر ہیں پھر عمر پھر ایک اور شخص ۔ اس پر آپ کے صاحبزادے حضرت محمد بن الحنفیہ نے کہا " ایک اور شخص " آپ ہیں تو آپ نے فرمایا میں تو مسلمان مردوں میں سے ایک مرد ہوں ۔ مختصر یہ کہ شیخین کی تفضیل کثیر اور معتبر راویوں سے شہرت وتواتر کی حد کو پہنچ چکی ہے ۔ اس کا انکار یا از راہ جہالت ہے یا از راہ تعصب

اور عبد الرزاق جو اکابر شیعہ میں سے ہے۔ جب انکار کی مجال وجرأت نہ کرسکا تو بے اختیار تفضیل شیخین کا قائل ہوا۔ اور کہنے لگا۔ جب علی نے شیخین کو اپنے اوپر فضیلت دی ہے تو میں بھی اس کے فضیلت دینے سے، اس پر ان کو فضیلت دیتا ہوں۔ اور اگر علی تفضیل شیخین کے قائل نہ ہوتے تو میں بھی ان کی افضلیت کا قائل نہ ہوتا۔ یہ گناہ ہے کہ محبت علی کا دعویٰ کروں اور پھر اس کی مخالفت کروں۔

اور جب زمانہ خلافتِ ختنین (عثمان و علی رضی اللہ عنہما) میں فتنوں کا ظہور اور لوگوں کے امور میں خلل بہت زیادہ پیدا ہو چکا تھا اور اس طرح لوگوں کے دلوں میں بیحد کدورت اور مسلمانوں میں عداوت و کینے کا غلبہ ہو چکا تھا۔ اس ضرورت کے تحت ختنین کی محبت کو بھی اہل سنت وجماعت کے شرائط میں سے شمار کیا جانے لگا تاکہ کوئی جاہل اس راستے سے خیر البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ کرام کیساتھ بدظنی کا راستہ نہ نکال سکے۔ اور پیغمبر علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کیساتھ بغض وعداوت کی راہ ہموار نہ کرے۔ پس حضرت امیر (علی) رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محبت اہل سنت وجماعت ہونے کی شرط لازم قرار پائی۔ اور جو شخص اس محبت سے خالی ہے اہل سنت وجماعت سے خارج ہے اور خارجی کے نام سے موسوم ہے اور جس شخص نے محبت امیر میں جانب افراط اختیار کی اور جتنا چاہیے اس سے زیادہ کچھ کا قائل ہوا۔ اور اس محبت میں غلو سے کام لیا اور اصحاب خیر البشر علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے متعلق دشنام طرازی اور طعن وتشنیع کی زبان درازی کی اور صحابہ کرام، تابعین، عظام اور سلف صالحین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے طریقہ کو چھوڑا اس نے رافضی نام پایا۔ پس اہل سنت وجماعت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں اس افراط وتفریط سے جو روافض وخوارج نے اختیار کی الگ ہیں۔ اور اعتدال کی راہ چلتے ہیں۔ اور شک نہیں کہ حق افراط وتفریط کے درمیان ہے اور افراط وتفریط دونوں مذموم ہیں۔ چنانچہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ حضرت پیغمبر علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اے علی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مشابہہ ہے کہ یہود اس کے دشمن ہوئے یہاں تک کہ اس کی والدہ پر بہتان تراشی کی اور نصاریٰ اس کے یہاں تک دوست ہوئے اور اُسے اس حد تک پہنچا دیا کہ اُسے وہ مرتبہ دے دیا جو اس کا نہیں تھا یعنی ابن اللہ قرار دے دیا۔ اسکے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میرے متعلق عقیدے میں دو گروہ ہلاک اور تباہ ہوئے ہیں۔ ایک وہ جو میری محبت میں حد سے بڑھ گیا۔ اور جو کچھ مجھ میں نہیں میرے لئے ثابت کیا اور دوسرا وہ جس نے مجھ سے دشمنی کی اور عداوت کی وجہ سے مجھ پر بہتان تراشی کی۔ تو خوارج کے احوال کو آپ نے یہود سے تشبیہ دی اور نصاریٰ کے حال کو روافض سے کہ دونوں حق وسط سے دور پڑے ہوئے ہیں۔ وہ شخص بہت ہی جاہل ہے جو اہل سنت وجماعت

کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے محبوں میں سے نہ جانتا ہو۔ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محبت کو شیعوں کے ساتھ مخصوص رکھتا ہو۔ حضرت علی کی محبت شیعیت نہیں ہے۔ خلفاء ثلثہ کی شان میں تبرّا بازی رفض ہے اور اصحاب کرام سے بیزاری، مذموم و قابلِ ملامت ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

لَوْ کَانَ رَفْضًا حُبُّ اٰلِ مُحَمَّدٍ
فَلْیَشْهَدِ الثَّقَلَانِ اَنِّیْ رَافِضِیْ[1]

یعنی آل محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت رفض نہیں جیسا کہ لوگوں کا گمان ہے اور اگر اسی محبت کا نام رفض ہے تو پھر اس طرح کا رفض مذموم نہیں ہے۔ اس لئے رفض (مذموم) دوسروں کی تبرّا بازی کی راہ سے آتا ہے۔ نہ کہ اہل بیت کی محبت کی راہ سے پس رسول اللہ علیہ وعلیہم الصلوٰت والتسلیمات کے محب اہل سنت ہیں اور فی الحقیقت اہل بیت کا گروہ بھی یہی لوگ ہیں۔ شیعہ جو رسول اللہ علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کی محبت کا دعوےٰ کرتے ہیں۔ اور اپنے آپ کو اہل بیت کا گروہ تصور کرتے ہیں۔ اگر اہل بیت کی محبت پر ہی اکتفا کریں اور دوسرے صحابہ سے بیزاری کا اظہار نہ کریں اور تمام اصحاب پیغمبر علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی تعظیم وتوقیر کریں تو یہ درست ہے اور صحابہ کرام کے باہمی اختلافات وتنازعات کو اچھے معانی پر محمول کریں تو اہل سنت میں داخل ہیں اور روافض وخوارج سے باہر ہیں۔ کیونکہ اہل بیت کرام سے محبت نہ رکھنا خروج یعنی خارجی بننا ہے اور صحابہ سے بیزاری رفض ہے اور تمام اصحاب کرام کی تعظیم وتوقیر کے ساتھ ساتھ اہل بیت سے محبت رکھنا سنّیت ہے۔ مختصر یہ کہ رفض وخروج کی بنا اصحاب رسول علیہ وعلیہم الصلوٰت والتسلیمات سے بغض رکھنے پر ہے اور سنّیت کی بنا صحابہ رسول علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات والتحیات سے محبت پر۔ صاحبِ انصاف عقلمند ہرگز بغض صحابہ کو ان کی حُب پر ترجیح نہیں دے سکتا۔ اور پیغمبر علیہ السّلام سے دوستی کی وجہ سے سب کو دوست رکھے گا۔ علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے فرمایا ہے۔

مَنْ اَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّیْ اَحَبَّهُمْ وَ مَنْ اَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِیْ اَبْغَضَهُمْ (الحدیث)

جو شخص میرے صحابہ کرام سے محبت رکھتا ہے وہ دراصل مجھ سے محبت رکھنے کی وجہ سے ان سے محبت رکھتا ہے اور اور جو ان سے بغض وعداوت رکھتا ہے وہ دراصل مجھ سے بغض

[1] اگر آلِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنا رفض ہے تو جن وانس گواہ رہیں کہ میں رافضی ہوں۔

عداوت کیوجہ سے ایسا کرتا ہے۔

اب ہم اصل بات کی طرف آتے ہیں اور کہتے ہیں۔ کہ اہل سنت کے حق میں عدم محبت اہل بیت کا کس طرح گمان کیا جا سکتا ہے۔ حالانکہ یہ محبت ان بزرگوں کے نزدیک جزوِ ایمان ہے اور سلامتی خاتمہ کو اس محبت کی پختگی کے ساتھ انہوں نے وابستہ کیا ہے۔

اس فقیر کے والد بزرگوار جو ظاہری اور باطنی علوم کے عالم تھے۔ اکثر اوقات اہل بیت سے محبت رکھنے کی ترغیب دیتے رہتے تھے۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ اس محبت کو سلامتی خاتمہ میں بڑا دخل ہے لہذا اس کا بہت خیال رکھنا چاہیے۔ ان کی مرضِ موت میں یہ فقیر حاضر و موجود تھا۔ جب ان کا معاملہ آخر وقت کو پہنچا۔ اس جہان کا شعور و احساس کم رہ گیا تو فقیر نے اس وقت ان کو ان کی بات یاد لائی۔ اور اس محبت کے متعلق استفسار کیا آپ نے اس بے خودی کے عالم میں فرمایا۔ میں اہل بیت کی محبت میں غرق ہوں۔ اس وقت خدائے عزّ وجل کا شکر بجا لایا گیا۔ اہل بیت کی محبت اہل سنت کا سرمایہ ہے۔ مخالفین اہلِ سنت اس حقیقت سے بے خبر ہیں۔ اور اس متوسط و معتدل محبت سے جاہل ہیں۔ انہوں نے خود ہی جانب افراط اختیار کی ہے۔ پھر اس افراط کے ماوراء کو تفریط گمان کرتے ہوئے خروج کا حکم دے دیا ہے۔ اور اُسے خوارج کا مذہب قرار دیدیا ہے۔ انہوں نے یہ نہ جانا کہ افراط و تفریط کے درمیان ایک حد وسط ہے۔ جو مرکز حق اور جائے صدق ہے اور یہ اہل سنت ہی کا حصہ قرار پاچکا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں کو قبول کرے۔

تعجب ہے کہ خوارج کو اہل سنت نے قتل کیا اور اہل بیت کے دشمنوں کی بیخ کنی بھی انہوں نے کی ہے۔ اس وقت رافضیوں کا نام و نشان بھی نہ تھا اور اگر تھا بھی تو نہ ہونے کے برابر۔ مگر یہ لوگ اپنے زعمِ فاسد سے اہل بیت کا محب رَفضَہ کو تصور کرتے ہیں۔ اور اہل سنت کو روافض کہتے ہیں۔ عجب معاملہ ہے کہ کبھی تو اہل سنت کو خوارج میں سے شمار کرتے ہیں جو افراطِ محبت نہیں رکھتے اور کبھی ان بزرگوں میں نفسِ محبت کا احساس کرتے ہوئے انھیں روافض سمجھنا شروع کر دیتے ہیں۔ لہذا ان رافضیوں نے اپنی جہالت کیوجہ سے اہل سنت کے اولیاءِ عظام کو جو اہل بیت کی محبت کا دم بھرتے ہیں در آلِ محمّد علیہ وعلیہم الصّلوات والتسلیمات کی حُب کا اظہار کرتے ہیں، روافض میں گمان کرتے ہیں۔ اور اہل سنت میں سے بہت سے علماءِ کرام کو جو اس محبت میں افراط سے رکتے ہیں اور حضرات خلفاءِ ثلٰثہ کی تعظیم و توقیر میں کوشش کرتے ہیں، خارجی جانتے ہیں۔ ان کی نامناسب جرأتوں پر افسوس ہزار افسوس ــــ اللہ تعالیٰ ہمیں اس محبت میں افراط و تفریط سے بچائے۔

یہ افراطِ محبت ہی کا نتیجہ ہے کہ خلفاءِ ثلٰثہ وغیرہم سے بیزاری و نفرت کو حضرت امیر کی محبت کی شرط

قرار دیتے ہیں۔ انصاف کرنا چاہیئے کہ یہ کیا محبت ہے جس کے حصول کی شرط پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جانشینوں سے بیزاری ہو۔ اور اصحاب خیر البشر علیہ وعلیہم الصلوات والتحیات کو دشنام طرازی اور اُن پر لعن طعن ہو۔ اہل سنّت کا یہی گناہ ہے کہ وہ اہل بیت کی محبت کیساتھ ساتھ سرور کائنات کے سب صحابہ کرام علیہ وعلیہم الصّلوات والتسلیمات کی تعظیم و توقیر بھی بجا لاتے ہیں۔ اور صحابہ کرام میں سے کسی کو بھی ان کی باہمی مخالفتوں اور تنازعات کے باوجود بُرائی سے یاد نہیں کرتے۔ اور صحبت پیغمبر علیہ وعلی آلہ الصّلوٰۃ والسّلام کی تعظیم اور اُن کے حضور علیہ وعلی آلہ الصّلوٰۃ والسّلام کے ساتھی ہونے کی عزت کی بناء پر انھیں خواہش اور تعصّب سے دور جانتے ہیں۔ حق والے کو حق پر تسلیم کرتے ہیں اور غلط کو غلط کہتے ہیں لیکن اس کی غلطی کو ہوا و ہوس سے دور رکھتے ہیں۔ اور فکر و اجتہاد کے سپرد کرتے ہیں۔ روافض اہل سنت سے اس وقت خوش ہوں گے جبکہ اہل سنت بھی ان کی طرح دوسرے صحابہ کرام سے بیزاری دکھائیں اور ان اکابر دین سے بدگمان ہو جائیں۔ جس طرح خوارج کی خوشنودی اہل بیت سے عداوت اور آلِ محمد علیہ وعلیہم الصّلوات والبرکات کیساتھ بُغض رکھنے سے وابستہ ہے۔ اے ہمارے پروردگار ہمیں ہدایت عطا فرمانے کے بعد ہمارے دلوں کو کجی میں مبتلا نہ کر۔ اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما۔ بیشک تُو ہی بہت عطا کرنے والا ہے۔

اکابر اہل سنت شکر اللہ تعالیٰ سَعْیَھُم کے نزدیک اصحاب پیغمبر علیہ وعلیہم الصّلوات والتسلیمات آپس میں لڑائیوں اور جھگڑوں کے وقت تین گروہ تھے۔ ایک جماعت دلیل اور اجتہاد کی روشنی میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق پر ہونے کا اعتقاد رکھتی تھی۔ دوسری جماعت دلیل و اجتہاد کیساتھ آپ کے مخالفین کو حق پر تصوّر کرتی تھی اور تیسری جماعت اس بارے میں متوقّف تھی۔ اور اس نے کسی بھی جانب کو دلیل سے ترجیح نہ دی۔ پس پہلی جماعت پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مدد و نصرت ضروری تھی کیونکہ وہ ان کے اجتہاد کے موافق درستی پر تھے۔ اور گروہ پر حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے مخالف گروہ کی نصرت لازم تھی۔ کیونکہ ان کے اجتہاد کا یہی تقاضا تھا اور تیسرے گروہ کیلئے توقف کا راستہ اختیار کرنا ضروری تھا اور کسی ایک جانب کو ترجیح دینا خطا میں داخل تھا۔ پس تینوں گروہوں نے اپنے اپنے اجتہاد کے مطابق عمل کیا۔ اور جو کچھ ان پر لازم و ضروری تھا بجا لائے۔ لہذا ملامت کی کیا گنجائش ہے اور ان پر طعن و تشنیع کہاں مناسب ہے۔

امام شافعی فرماتے ہیں نیز حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے " یہ وہ خون ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھوں کو پاک رکھا تو ہمیں چاہیئے کہ اپنی زبانوں کو بھی ان سے پاک رکھیں "، اس عبارت سے مفہوم ہوتا ہے کہ ایک کے حق ہونے اور دوسرے کے خطا پر ہونے کے متعلق بھی لب کشائی نہیں کرنی کرنی چاہیئے اور سب کو صرف نیکی کیساتھ یاد کرنا چاہیے۔

اور اسی طرح حدیث نبوی علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام میں آیا ہے۔
اِذَا ذُکِرَ اَصْحَابِیْ فَاَمْسِکُوْا[1] ۔ جب میرے اصحاب کا ذکر کرو۔ تو اپنی زبانوں کو بند رکھو
یعنی جب میرے صحابہ کا ذکر ہو اور ان کے تنازعات کے تذکرے چھڑیں تو تم احتیاط کرو۔ اور انھیں ایک کو دوسرے پر ترجیح نہ دو۔

لیکن جمہور اہل سنّت اس دلیل کی بناء پر جو انھیں معلوم ہوئی ہے اس پر ہیں کہ حق حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی طرف تھا اور آپ کے مخالف خطا پر تھے لیکن یہ خطا چونکہ خطا اجتہادی ہے اس لئے ملامت وطعن سے دور اور تشنیع وتحقیر سے پاک ومبرّا ہے۔ حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے منقول ہے کہ ہمارے بھائیوں نے ہم پر بغاوت کی ہے وہ نہ کافر ہیں نہ فاسق۔ کیونکہ انھیں تاویل کی گنجائش حاصل ہے جو انھیں کفر وفسق سے بچاتی ہے۔ پس اہل سنّت اور شیعہ دونوں حضرات امیر سے لڑنے والوں کو خطا کار کہتے ہیں۔ اور دونوں ہی حضرت امیر رضی اللہ عنہٗ کی حقیقت کے بھی قائل ہیں۔ لیکن اہل سنت لفظ خطا اور وہ بھی تاویل پر مبنی سے زیادہ حضرت امیر سے لڑنے والوں کے حق میں کچھ تجویز نہیں کرتے۔ اور زبان کو طعن وتشنیع سے بچاتے ہیں۔ اور صحبت خیر البشر علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے حق میں حفاظت کرتے ہیں۔ کیونکہ حضور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے۔

"اَللّٰہَ اَللّٰہَ فِیْ اَصْحَابِیْ لَا تَتَّخِذُوْھُمْ غَرَضًا بَعْدِیْ"[2] میں تمہیں تاکید کرتا ہوں۔ کہ میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو میرے بعد انہیں نشانہ نہ بنانا

یعنی میرے صحابہ کے بارے میں خدا جل سلطانہٗ سے ڈرو۔ خدا جل سلطانہٗ سے ڈرو۔ تاکید کی غرض سے یہ کلمہ آپ نے تکرار سے فرمایا۔ میرے صحابہ کو اپنی ملامت کے تیر کا نشانہ نہ بنانا۔

اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بھی فرمایا۔
اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّھِمْ اقْتَدَیْتُمْ اھْتَدَیْتُمْ۔ میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں تم ان میں سے جس کی اقتدا کروگے۔ ہدایت پاؤگے

اور بھی بہت سی احادیث تمام صحابہ کرام کی تعظیم وتوقیر میں وارد ہوئی ہیں۔ پس تمام صحابہ کو معزز ومکرم جاننا چاہیے۔ اور ان کی لغزشوں کو اچھے مطالب پر محمول کرنا چاہیے۔ یہ ہے اس مسئلہ میں اہل سنّت کا مذہب۔ اور شیعہ اس باب میں غلو کرتے ہیں۔ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے جنگ کرنے والوں کی تکفیر کرتے ہیں اور

---

[1] طبرانی بروایت مسعود ثوبان رضی اللہ عنہما اور ابن عدی بروایت عمر رضی اللہ عنہٗ
[2] ترمذی شریف

قسم قسم کی طعن و تشنیع اور مختلف گالیوں سے اپنی زبانوں کو آلودہ کرتے ہیں۔ اگر مقصود حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی جانب حقیقت کا اظہار اور جنگ کرنے والوں کی خطا کا اظہار ہے۔ تو پھر اس مقصد کے لئے اہل سُنّت نے جو موقف اختیار کیا ہے۔ کافی ہے۔ اور وہ حدِ اعتدال ہے۔ اکابر دین کو گالیاں دینا اور طعن و تشنیع کرنا دیانت اور دینداری سے دُور ہے جیسا کہ رافضیوں نے اختیار کر رکھا ہے۔ اور اصحابِ پیغمبر علیہ وعلیہم الصّلوات والتّسلیمات کو گالیاں دینا انہوں نے اپنا دین و ایمان قرار دے رکھا ہے۔ عجب دین ہے۔ کہ اصحاب و جانشینان پیغمبر علیہ وعلیہم الصّلوات والتّسلیمات کو گالی دینا ان کا جزوِ اعظم ہے۔

بدعتی گروہ جنہوں نے مختلف بدعات اختیار کی ہیں۔ اور اہل سنّت سے جدا ہوئے ہیں۔ ان تمام گروہوں کے درمیان فرقہ خوارج و روافض درست معاملہ اور حق سے دور جا پڑے ہیں۔ وہ گروہ جو اکابر دین کو گالیاں دینا اور طعن کرنا ایمان کا جزوِ اعظم تصوّر کرتا ہو، ایمان سے کیا حصہ رکھے گا۔ روافض کے بارہ فرقے ہیں۔ اور سب کے سب اصحابِ پیغمبر علیہ وعلیہم الصّلوات والتّسلیمات کی تکفیر کرتے اور خلفاءِ راشدین کو گالی دینا عبادت جانتے ہیں۔ یہ جماعت اپنے اوپر لفظِ رفض کے اطلاق سے گریز کرتی ہے۔ اور روافض اپنے سوا اوروں کو قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ روافض کے حق میں احادیث کے اندر بہت وعیدیں وارد ہیں۔ کاش کہ رفض کے معنی سے بھی اجتناب کرتے۔ اور اصحابِ پیغمبر علیہ وعلیہم الصّلوات والتحیات سے بیزاری اختیار نہ کرتے۔ ہندوستان کے ہندو اپنے آپ کو ہندو کہتے ہیں۔ اور لفظ کفر سے پرہیز کرتے ہیں۔ اور اپنے آپ کو کافر نہیں جانتے۔ اور کفار دارالحرب میں رہنے والوں کو گمان کرتے ہیں۔ ان لوگوں نے غلط سمجھا ہے۔ دونوں قسمیں کفار ہیں۔ اور حقیقت کفر سے موصوف۔

ان رافضیوں نے شاید پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصّلوات والتّسلیمات کے اہل بیت کو اپنی طرح سمجھ رکھا ہے۔ اور انھیں بھی ابوبکر و عمر کا دشمن خیال کر لیا ہے۔ اور اس گروہ شیعہ نے تقیّہ کے مطابق جو ان کا مسلک ہے۔ اہل بیت کو بھی منافق اور دھوکا باز گمان کرتے ہیں۔ اور اعتقاد کیا ہوا ہے کہ حضرت امیر رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ تیس سال تقیّہ کے طور پر خلفاء ثلٰثہ سے منافقانہ طریقہ سے ہم پیالہ اور ہم نوالہ رہے ہیں۔ اور ناحق ان کی تعظیم و توقیر کرتے ہیں۔ عجب معاملہ ہے۔ اگر اہل بیت رسول کی محبت رسول پاک علیہ وعلیہم الصّلوات والتّسلیمات سے محبّت کی وجہ سے ہے، تو چاہیئے کہ رسول کے دشمنوں سے بھی دشمنی رکھیں۔ اور انھیں گالی اور ان پر لعنت اہل بیت کے دشمنوں کو گالی دینے اور ان پر لعنت

سے زیادہ کریں۔ اسی طرح جس کے بارے جو دشمن رسول ہے " علیہ الصلوٰت والتسلیمات " اور انواع واقسام کے آزار اور بے شمار زیادتیاں آنسرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام سے کیں، اس گروہ شیعہ سے کسی نے نہیں سُنا ہے کہ اُسے گالی دی ہو اور لعنت کی ہو۔ اور اس کی برائیاں بیان کرنے میں لب کشائی کی ہو ابوبکر صدیق کو جو رسول اللہ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کو تمام مردوں سے زیادہ پیارے تھے۔ اپنے زعمِ فاسد میں دشمن اہل بیت قرار دے کر اس کی شان میں سَبّ وطعن سے زبان درازی کرتے اور نامناسب اُمور اس کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ یہ کیا دیانت اور دینداری ہے۔ خدا جل شانہٗ نہ کرے کہ ابوبکر وعمر اور باقی صحابہ کرام اہل بیت رسول علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے دشمن ہوں۔ اور آلِ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بغض رکھیں کاش کہ یہ اہل بیت کے دشمنوں کو گالیاں دیتے اور اس مذموم فعل کے لئے اکابر صحابہ کرام کے اسماء گرامی منتخب نہ کرتے۔ اور ان بزرگوں سے بدظنی پیدا نہ کرتے۔ اس صورت میں اس باب میں ان کی مخالفت اہل سُنّت سے ختم ہو جاتی۔ کیونکہ اہل سنت بھی اہل بیت کے دشمنوں کے دشمن ہیں۔ اور اُن کی طعن وتشنیع کے قائل ہیں۔

یہ اہل سنّت کی خوبی ہے۔ کہ شخص معین کو جو انواع کفر میں مبتلا ہو۔ اسلام وتوبہ کے احتمال سے دوزخی نہیں کہتے۔ اور لعنت کا اطلاق اس کے لئے جائز قرار نہیں دیتے۔ کافروں پر عموماً لعنت جائز سمجھتے ہیں لیکن کسی معین کافر پر اس وقت تک لعنت کرنا جائز نہیں رکھتے۔ جب تک اس کا سوءِ خاتمہ دلیل قطعی سے معلوم نہ ہو جائے۔ اور روافض بے تحاشا حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر لعنت کرتے اور اکابر صحابہ کو گالیوں اور طعن وتشنیع کا نشانہ بناتے ہیں۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ان کو راہِ راست اختیار کرنے کی ہدایت دے۔

اس بحث میں دو مقام پر اہل سُنّت اور مخالفین میں اختلاف عظیم پایا جاتا ہے۔ مقام اوّل یہ ہے۔ اہلِ سُنّت چاروں خلفاء کی خلافت کے حق اور درست ہونے کے قائل ہیں۔ اور چاروں کو خلفاءِ برحق جانتے ہیں۔ کیونکہ صحیح حدیث میں جو غیب کی خبروں میں سے ہے، آیا ہے [۱]

اَلْخِلَافَةُ بَعْدِیْ ثَلَاثُوْنَ سَنَةً
میرے بعد خلافت تیس سال ہوگی

اور یہ مدت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی خلافت کے ساتھ مکمل ہو گئی۔ لہٰذا اس حدیث کے مصداق چاروں خلیفے ہیں۔ اور اس حدیث کے مطابق ترتیب خلافت بھی برحق قرار پاتی ہے۔ اور مخالفین تین خلفاءؑ کی خلافت کی حقیقت کے مُنکر ہیں۔ اور ان کی خلافت کو غصب وغلبہ سے منسوب کرتے ہیں۔ اور امامِ

---

[۱] احمد، ترمذی اور ابوداؤد بروایت حضرت سفینہ مولیٰ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

برحق صرف حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تصوّر کرتے ہیں۔ اور آپ نے جو تین خلفاء کی بیعت کی۔ اُسے تقیہ پر محمول کرتے ہیں۔ اور خیر الانام علیہ و علیٰ اصحابہ الصّلوٰۃ والسّلام کی آپس کی صحبت و دوستی کو نفاق پر محمول کرتے اور ایک دوسرے کے ساتھ مدارات و نرمی کو فریب اور دھوکا تصوّر کرتے ہیں۔ اس لئے کہ ان کے گمان میں حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے ساتھی اُن کے مخالفین کے ساتھ محض منافقانہ طور پر دوستی اور تعلق رکھتے تھے۔ اور ان کے دلوں میں جو کچھ تھا زبان سے اس کے خلاف ظاہر کرتے تھے۔ اور مخالفین بھی چونکہ اُن کے گمان میں حضرت امیر اور ان کے ساتھیوں کے دشمن تھے۔ اس لئے ان کی آشنائی بھی نفاق پر مبنی تھی۔ اور دشمنی کو دوستی کے رنگ میں ظاہر کرتے تھے پس روافض کے گمان میں تمام صحابہ پیغمبر علیہ و علیہم الصّلوات والتسلیمات منافق اور فریبی تھے۔ (معاذ اللہ) اور ان کا ظاہر اُن کے باطن کے برعکس تھا۔ تو چاہیئے کہ ان کے نزدیک اس امّت کے بدترین لوگ صحابہ کرام ہوں۔ اور سب صحبتوں اور مجلسوں میں بدترین حضرت خیر البشر علیہ و علیٰ آلہ الصّلوٰۃ والسّلام کی صحبت و مجلس ہو۔ کیونکہ یہ نفاق اور فریب وغیرہ جیسے بُرے اخلاق اسی مجلس سے پیدا ہوئے۔ اور چاہیئے کہ تمام زمانوں میں سے بدترین صحابہ کا زمانہ ہو۔ جو نفاق، عداوت، بُغض، اور کینہ سے لبریز تھا حالانکہ حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ اپنے کلام مجید میں اُنھیں رُحَمَاءُ بَیْنَھُمْ (آپس میں شفیق اور مہربان) فرماتا ہے۔ اللہ سبحانہٗ شیعوں کے بُرے اعتقادات سے بچائے۔

یہ لوگ جب سابقین امّت (صحابہ کرام) کو ان بُرے اخلاق سے متصف کرتے ہیں۔ تو متاخرین امّت میں کیا بھلائی اور خیریت پائیں گے۔ اس گروہ نے شاید آیات قرآنی اور احادیث نبوی جو صحبت خیر البشر علیہ علیہم الصّلوٰۃ والسّلام اور حضور کے صحابہ کرام علیہ و علیہم الصّلوات والسّلام کی افضلیت اور اس امّت کی، خیریت و افضلیت میں وارد ہوئی ہیں۔ نہیں دیکھیں یا اگر دیکھیں ہیں تو ان پر ایمان نہیں۔

قرآن و احادیث صحابہ کرام کی تبلیغ سے ہم تک پہنچی ہیں۔ جب صحابہ کرام مطعون ٹھہرے تو جو دین اُن کے ذریعہ ہم تک پہنچا ہے۔ نیز مطعون اور ناقابلِ اعتماد ہوگا۔ نعوذ باللہ سبحانہٗ من ذالک۔ شاید اس گروہ کا مقصود حضور علیہ و علیٰ آلہ الصّلوات والتّسلیمات کے دین کا ابطال اور آپ کی شریعت کا انکار ہے۔ ظاہر میں رسول پاک علیہ و علیٰ آلہ الصّلوات والتسلیمات کے اہلِ بیت سے اظہار محبّت کرتے ہیں۔ لیکن حقیقت میں آپ کی شریعت کا ابطال کرتے ہیں۔ کاش کہ حضرت علی اور ان کے موافقین کو ہی عیوب سے سالم رہنے دیتے۔ اور تقیہ کے داغ سے جو اہلِ مکر و نفاق کی صفات سے ہے۔ داغدار نہ کرتے۔ موافقین امیر یا مخالفین امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے گروہ میں جس کی تیس برس آپس میں منافقانہ مجلس و صحبت رہی اور جنہوں نے اتنا طویل عرصہ مکر و فریب سے گذارا، کیا فضیلت و اچھائی ان میں ہو گی۔ اور یہ لوگ کسطرح لائقِ اعتماد

قرار پائیں گے ۔ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو طعن و تشنیع کا نشانہ بناتے ہیں ۔ اُن کے مطعون ہونے سے نصف احکام شرعیہ مطعون ٹھہرتے ہیں ۔ کیونکہ علماء مجتہدین نے فرمایا ہے ۔ کہ احکام سے متعلق جو تین ہزار احادیث وارد ہیں ۔ یعنی تین ہزار احکام شرعیہ جو سُنّت سے ثابت ہوئے ہیں ۔ ان تین ہزار میں سے پندرہ سو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ثابت ہوئے ہیں ۔ پس ابوہریرہ میں طعن نصف احکام شرعیہ میں طعن ہے ۔ اور حضرت امام بخاری فرماتے ہیں ۔ کہ حضرت ابوہریرہ سے روایت کرنے والے آٹھ سو صحابہ کرام اور تابعین ہیں ۔ جن میں ایک ابن عباس ہیں ۔ اور ابن عمر بھی ان سے روایت کرتے ہیں ۔ اسی طرح جابر ابن عبداللہ اور انس بن مالک بھی ان سے روایت کرنے والوں میں ہیں ۔ اور حضرت ابوہریرہ پر طعن میں جو حدیث حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ لوگ نقل کرتے ہیں ۔ سراسر جھوٹ بہتان اور تہمت ہے ۔ جیسا کہ علماء نے اس کی تحقیق کی ہے ۔

اور حضرت سرور کائنات علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فہم علم کے بارے حدیثِ دُعا علماء میں مشہور و معروف ہے ۔

قَالَ اَبُوْھُرَیْرَۃَ حَضَرْتُ مَجْلِسًا لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَنْ یَّبْسُطُ مِنْکُمْ رِدَاءَہٗ حَتّٰی اُفِیْضَ فِیْہِ مَقَالَتِیْ فَیَضُمُّھَا اِلَیْہِ ثُمَّ لَا یَنْسٰھَا فَبَسَطْتُ بُرْدَۃً کَانَتْ عَلَیَّ فَاَفَاضَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَسَلَّمَ مَقَالَتَہٗ ، فَضَمَمْتُھَا اِلٰی صَدْرِیْ فَمَا نَسِیْتُ بَعْدَ ذٰلِکَ شَیْئًا

حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں ۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایک مجلس شریف میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا تم میں سے کون ہے ۔ جو اپنی چادر بچھائے تاکہ میں اس میں اپنی گفتگو (علم) ڈال دوں تو وہ اُسے اپنے ساتھ چمٹا لے پھر اُسے کبھی نہ بھولے تو میں نے چادر بچھا دی ۔ جو میرے اوپر تھی ۔ تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا کلام (علم) اس پر بہا دیا ۔ پھر میں نے اُسے اپنے سینے سے لگا لیا ۔ اس کے بعد میں کوئی چیز نہیں بھولا ۔

تو محض اپنے گمانِ (فاسد) سے دین کی بزرگ شخصیت کو حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دشمن جاننا اور اس کی شان میں لعن طعن کرنا انصاف سے دور ہے ۔ یہ سب محبت میں حد سے بڑھنے کے شگوفے ہیں ۔ ایسا کرنے والا نزدیک ہے کہ شاید ایمان کی رسی سے اپنا سر باہر نکال لے ۔

اور اگر فرضاً حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں تقیہ جائز بھی رکھا ہے ۔ تو یہ لوگ حضرت

امیر کے ان اقوال کے متعلق کیا کہیں گے۔ جو افضلیتِ شیخین میں اُن سے بطریقِ تواتر منقول ہیں۔ اسی طرح آپ کے ان کلمات قدسیہ کے بارے میں کیا کہیں گے۔ جو آپ سے اپنی خلافت و مملکت کے زمانے میں خلفاءِ ثلثہ کی حقیتِ خلافت کے متعلق صادر ہوئے۔ کیونکہ تقیہ یہی ہے۔ کہ اپنی خلافت کی حقیّت چھپائے۔ اور تین خلفاء کی خلافت کا بطلان ظاہر نہ کرے۔ لیکن تینوں خلفاء کی کی حقیّت ظاہر کرنا اور افضلیّتِ شیخین کا بیان اس تقیہ سے بالکل علیحدہ امر ہے۔ جس کے صدق و صواب کی کوئی صورت نہیں۔ اور تقیہ کی تاویل سے بھی اس کی تردید کی کوئی صورت نہیں۔

اور نیز صحاح کی احادیث جو درجۂ شہرت بلکہ متواتر المعنی ہو چکی ہیں۔ اور حضرات خُلفاءِ ثلثہ وغیرہ کی فضیلت میں وارد ہوئی ہیں۔ اور ان میں سے ایک گروہ کو جنّت کی بشارت دی گئی ہے۔ ان احادیث کا کیا جواب دیں گے۔ کیونکہ حضرت پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہٖ الصّلوٰۃ والسّلام کے حق میں تقیہ جائز نہیں۔ اس لئے کہ پیغمبروں پر تبلیغ لازم ہے علیہم الصّلوات والتّسلیمات،

اور نیز آیاتِ قرآنی جو اس باب میں نازل ہوئی ہیں۔ تقیے کی گنجائش نہیں رکھتیں۔ حضرت حق سُبحانہٗ وتعالیٰ اس گروہ کو توفیق انصاف عطا کرے۔

اور اربابِ عقلِ سلیم جانتے ہیں۔ کہ تقیہ بُزدلی کی صفت ہے۔ اسد اللہ (علی) سے اُسے منسوب کرنا نامناسب ہے۔ بشریّت کے تقاضے کے مطابق ایک گھڑی یا دو گھڑی یا ایک دِن یا دو دِن کے لئے تقیے کی صفت جائز قرار دی جائے۔ تو گنجائش ہے۔ لیکن مسلسل تیس سال بزدلی کی اِس صفت کو اسد اللہ میں ثابت ماننا اور تقیہ پر قائم رکھنا بہت ہی نازیبا ہے۔ اور گناہ صغیرہ پر اصرار کو کبیرہ کہا گیا ہے۔ اربابِ مخالفت اور اصحاب نفاق کی صفات میں سے کسی صفت پر قیام و اصرار کیسے روا ہو گا۔ کاش اس امر کی قباحت محسوس کریں۔ یہ لوگ شیخین کو افضل قرار دینے کے عقیدے سے بھاگے ہیں۔ جو (ان کے گمان میں) اہانتِ امیر کو مستلزم ہے۔ اور اس کے نتیجہ میں تقیہ کا عقیدہ اختیار کیا ہے۔ اگر تقیے کی صفت کی بُرائی کو جو اربابِ نفاق کی صفت سے ہے، سمجھتے تو ہرگز اُسے جائز نہ رکھتے۔ اور دو بلاؤں میں سے آسان تر کو اختیار کرتے۔ بلکہ ہم کہتے ہیں۔ کہ شیخین کی تقدیم و افضلیت میں حضرت امیر کی کچھ اہانت نہیں۔ کیونکہ حضرت امیر کی خلافت کا برحق ہونا اپنے حال پر قائم ہے۔ اور آپ کا درجہ ولایت اور رتبۂ ہدایت وارشاد بھی بحال رہتا ہے، کرم اللہ تعالیٰ وجہہٗ،

اور تقیے کے اثبات میں تنقیص و توہین لازم ہے۔ کیونکہ یہ صفت اربابِ نفاق کے خصائص اور اصحابِ مکر و فریب کے لوازم میں سے ہے۔

دوسرا مقام یہ ہے کہ اہل سنت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم صحابہ خیر البشر علیہ وعلیہم الصّلوات والتّسلیمات کے آپس کے اختلافات اور تنازعات کو نیک معانی پر محمول کرتے اور خواہش نفسانی اور تعصب سے دُور جانتے ہیں۔ کیونکہ ان کے نفوس صحبت خیر البشر علیہ وعلیہم الصّلوات والتحیات میں پاک ہو چکے تھے۔ اور ان کے سینے عداوت و کینہ سے بھی صاف ہو چکے تھے۔ غایت ما فی الباب اتنی بات ہے۔ کہ ہر ایک کی اپنی ایک رائے اور اجتہاد تھا اور ہر ایک مجتہد کے لئے اپنی رائے کے مطابق عمل پیرا ہونا ضروری ہوتا ہے۔ اس وجہ سے ضرورتاً بعض امور میں مخالفت آراء کے سبب مخالفت و مشاجرت لازم ہوگئی۔ اور ہر ایک کیلئے اپنی رائے کی تقلید درست نظر آئی۔ پس ان کی آپس کی مخالفت حق کی موافقت کے لئے تھی نہ کہ خواہش اور نفس اَمارہ کی ہوس کے باعث۔ اور مخالفین حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ' سے لڑنے والوں کی تکفیر کرتے ہیں۔ اور لڑنے والوں کے حق میں انواع و اقسام کی طعن و تشنیع جائز جانتے ہیں۔

جب کہ بعض اُمور اجتہادیہ میں صحابہ کرام نے آنسرور علیہ وعلیٰ آلہ الصّلوات والتّسلیمات سے اختلاف رائے کیا ہے۔ اور حضور علیہ وعلیٰ آلہ الصّلوٰۃ والسّلام کی رائے مبارک کے خلاف حکم کیا ہے۔ اور ان کا وہ اختلاف مذموم و قابلِ ملامت نہ تھا۔ اور نزولِ وحی کے باوجود اس سے ممانعت نہ آئی۔ تو حضرت امیر کے ساتھ اُمور اجتہادیہ میں مخالفت کیسے کفر قرار دی جا سکتی ہے۔ اور حضرت امیر کے مخالف کیوں مطعون اور لائق ملامت ہوں گے۔ حضرت امیر سے جنگ کرنے والا اہلِ اسلام کا جمِّ غفیر ہے۔ جس میں اکابر صحابہ بھی شامل ہیں۔ ان میں سے بعض وہ ہیں۔ جنہیں جنت کی بشارت مل چکی ہے۔ ان کی تکفیر و تشنیع کوئی آسان کام نہیں بہت بڑی بات ہے۔ جو ان کے مونہوں سے نکل رہی ہے۔ نصف دین اور شریعت کے نزدیک ہے جس کی انہوں نے تبلیغ کی ہے۔ اگر وہ مطعون ہوں تو نصف دین سے اعتماد اُٹھ جائیگا۔ اور یہ بزرگ کس طرح طعن و تشنیع کے لائق ہو سکتے ہیں۔ جب کہ ان کی کسی روائت کو رد نہیں کیا۔ نہ کسی امیر نے نہ کسی، وزیر نے۔

صحیح بخاری جو کتاب اللہ کے بعد صحیح ترین کتاب ہے اور شیعہ بھی اس کا اعتراف کرتے ہیں (فقیر نے احمد تبتی سے جو اکابر شیعہ میں سے ہے، سُنا ہے کہ وہ کہتا تھا۔ کتاب اللہ کے بعد صحیح ترین کتاب، کتابِ بخاری ہے)۔ اس کتاب میں حضرت امیر کے موافقین کی روایات بھی ہیں۔ اور آپ کے مخالفین کی بھی۔ اور مخالفت اور موافقت کی بناء پر کسی روائت کو مرجوح یا راجح نہیں سمجھا گیا۔ امام بخاری جس طرح حضرت امیر سے روائت کرتے ہیں معاویہ سے بھی روائت کرتے ہیں۔ اگر حضرت معاویہ اور اس کی روائت میں طعن کا شائبہ بھی ہوتا۔ تو امام بخاری ہرگز اس کی روائت اپنی کتاب میں درج نہ کرتے۔ اسی طرح سلف میں جو

احادیث کے ناقد گزرے ہیں۔ کسی نے بھی اس وجہ سے روایت حدیث میں فرق نہیں کیا ہے۔ اور نہ مخالفت امیر کو منشاءِ طعن بنایا ہے۔

جاننا چاہیئے کہ ضروری نہیں کہ تمام اُمور خلافیہ میں حضرت امیر حق پر ہوں اور ان کا مخالف خطا پر۔ اگرچہ معاملہ جنگ میں حق حضرت امیر کی طرف تھا۔ کیونکہ بسا اوقات ایسا ہوا ہے کہ زمانہ صحابہ کے اختلافی اُمور میں علماءِ تابعین اور ائمہ مجتہدین نے حضرت امیر کے غیر کا مذہب اختیار کیا ہے۔ اور حضرت امیر کے مذہب کے مطابق فیصلہ نہیں کیا۔ اگر حق جانب امیر کے لئے ہی متعین و مقرر ہوتا تو اس کے مذہب کے خلاف فیصلہ نہ دیتے۔ قاضی شریح جو تابعین میں سے اور صاحب اجتہاد ہوئے ہیں۔ مذہب امیر کے مخالف فیصلہ کیا۔ اور حضرت امام حسن علیہ الرضوان کی گواہی اُن کے بیٹا ہونے کی وجہ سے اُن کے حق میں قبول نہ کی۔ اور مجتہدین نے قاضی شریح کے قول کے مطابق عمل کیا ہے۔ اور بیٹے کی شہادت باپ کے حق میں جائز تسلیم نہیں کی۔ اور بہت سے دوسرے مسائل میں بھی حضرت علی رضی اللہ عنہٗ کے سوا دوسروں کے اقوال اختیار کئے ہیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہٗ کی رائے کے مخالف ہیں۔ انصاف سے تحقیق و تفتیش کرنے والے پر یہ بات پوشیدہ نہ ہوگی۔ (اس بارے میں زیادہ کچھ لکھنے کی گنجائش نہیں کیونکہ) اس کی تفصیل طوالت چاہتی ہے۔ پس خلاصہ کلام یہ ہوا۔ کہ مخالفتِ امیر میں اعتراض کی گنجائش نہیں اور آپ کے مخالف طعن و ملامت کے لائق نہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو حبیب رب العالمین کی محبوبہ اور آپ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی تا لبِ قبر مقبول و منظورِ نظر رہیں۔ اور حضرت پیغمبر علیہ السلام نے مرضِ موت کے ایام ان کے حجرہ شریفہ میں گذارے۔ اور ان کی گود میں جان دی۔ اور ان کے حجرہ مطہرہ میں مدفون ہوئے۔ اس کے ساتھ ساتھ حضرت صدیقہ عالمہ مجتہدہ تھیں۔ اور پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہٖ الصّلوٰۃ والسّلام نے نصف دین کے بیان کو اُن کے حوالے کیا اور صحابہ کرام مشکل احکام میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔ اور مشکل مسائل کا حل اُن سے پاتے تھے۔ اس طرح کی صدیقہ مجتہدہ کو حضرت امیر کی مخالفت کی وجہ سے مطعون کرنا۔ اور ناشائستہ چیزوں کو ان کی طرف منسوب کرنا بہت نامناسب اور پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہٖ الصّلوٰۃ والسّلام پر ایمان رکھنے سے دور ہے۔ حضرت امیر اگر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے داماد ہیں اور آپ کے چچے کے بیٹے ہیں تو حضرت صدیقہ، حضور علیہ وعلیٰ جمیع اہل بیتہٖ الصّلوٰۃ والسّلام کی زوجہ مطہرہ اور آپ کی محبوبہ اور مقبول بارگاہِ رسالت علیہ الصّلوٰۃ والسّلام ہیں۔

اس سے چند سال پہلے فقیر کی عادت یہ تھی۔ کہ اگر (ایصالِ ثواب کے لئے) کھانا پکاتا تھا۔ تو آلِ عبا کی روحانیت مطہرہ کے لئے مخصوص کرتا تھا۔ اور حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے ساتھ (ایصالِ ثواب میں) حضرت امیر، حضرت فاطمہ، اور حضرات امامین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ملاتا تھا۔ ایک رات (یہ فقیر) خواب

میں دیکھتا ہے کہ آنسرور علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام تشریف فرما ہیں۔ فقیر آپ کو سلام عرض کرتا ہے۔ آپ فقیر کی طرف توجہ نہیں کرتے اور چہرہ مبارک فقیر کی جانب کے بجائے دوسری طرف رکھتے ہیں۔ اس دوران میں فقیر سے فرمایا کہ میں کھانا عائشہ کے گھر میں کھاتا ہوں۔ جو شخص مجھے کھانا بھیجے، عائشہ کے گھر بھیجے اس وقت معلوم ہوا کہ توجہ شریف مبذول نہ کرنے کا سبب یہ تھا۔ کہ فقیر حضرت صدیقہ کو اس کھانے میں شریک نہیں کرتا تھا۔ اس کے بعد سے حضرت صدیقہ بلکہ آپ کی باقی ازواج مطہرات کو تمام اہل بیت کے ساتھ شریک کرتا اور تمام اہل بیت سے توسل[1] کرتا ہے۔ پس جو رنج و اذیت حضور علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کو حضرت صدیقہ کی راہ سے پہنچتی ہے۔ وہ اس رنج و ایذاء سے زیادہ ہے۔ جو حضرت امیر کی راہ سے آپکو پہنچتی ہے۔ صاحب انصاف عقلمندوں سے یہ بات پوشیدہ نہیں۔

ہاں یہ بات اس صورت میں ہے۔ جب کہ حضرت امیر کی محبت و تعظیم حضرت پیغمبر علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت و تعظیم اور آپ کے واسطہ قرابت کی وجہ سے ہو اور اگر کوئی شخص حضرت امیر کی محبت استقلالاً اختیار کرے۔ اور حضرت پیغمبر علیہ السلام کی محبت کو دخل نہ دے تو وہ بحث سے خارج ہے اور خطاب کے لائق نہیں۔ ایسے شخص کی غرض دین کا ابطال اور شریعت کی ویرانی ہے۔ ایسا شخص چاہتا ہے۔ کہ بے واسطہ پیغمبر علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام راہ اختیار کرے۔ اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر علی کی طرف آ جائے۔ اور یہ عین کفر اور محض بے دینی ہے۔ اور علی ایسے شخص سے بیزار اور اس کے کردار سے دکھ اور تکلیف میں ہے۔

صحابہ پیغمبر سے دوستی۔ آپ کے خسر اور دامادوں سے دوستی، پیغمبر علیہ و علیہم الصلوات والتسلیمات سے دوستی کے واسطہ سے ہے۔ اور ان کی تعظیم و تکریم پیغمبر علیہ و علیہم الصلوات والتسلیمات کی تعظیم و تکریم کی وجہ سے ہے۔ حضور علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے۔

مَنْ اَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّیْ اَحَبَّهُمْ ط — حدیث شریف۔

جس نے ان (صحابہ) سے محبت کی۔ اس نے میرے ساتھ محبت کیوجہ سے ان سے محبت کی

اس طرح جو شخص ان کا دشمن ہے۔ پیغمبر علیہ السلام سے دشمنی کی وجہ سے اُن کا دشمن ہے۔ جیسا کہ

---

[1] اس واقعہ سے صاف ظاہر ہے۔ کہ اموات کو کھانے وغیرہ کا ثواب پہنچتا ہے۔ نیز یہ کہ مقبولانِ بارگاہِ الٰہی کا توسل بھی جائز ہے۔ اس مسئلے میں امام ربانی اور فقہائے اہلِ سُنّت کے مسلک کی تفصیلی معلومات کے لئے ناچیز کی تالیف "مسلکِ امام ربانی" کا مطالعہ کریں۔

حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا۔[1]

مَنْ اَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِیْ اَبْغَضَهُمْ ط — جس نے اُن سے بُغض کیا۔ اس نے دراصل میرے ساتھ بُغض کیوجہ سے اُن سے بغض کیا

یعنی جو محبت میرے صحابہ کرام سے متعلق ہے۔ وہ وہی محبت ہے۔ جو مجھ سے تعلق رکھتی ہے۔ اسی طرح ان سے بُغض وہی بُغض ہے۔ جو مجھ سے تعلق رکھتا ہے۔

طلحہ اور زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اکابر صحابہ اور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ ان کی شان میں طعن و تشنیع نامناسب ہے۔ ان پر لعنت و ملامت خود لعنت و ملامت کرنے والے پر لوٹ آتی ہے۔ طلحہ اور زبیر وہی ہیں۔ کہ حضرت فاروق نے اپنے بعد خلافت کا معاملہ چھ افراد کے مشورہ پر چھوڑ دیا اور طلحہ اور زبیر کو بھی ان میں داخل کیا۔ اور آپ نے ایک دوسرے پر ترجیح کی کوئی واضح دلیل نہ پائی۔ اور طلحہ و زبیر نے اپنے اختیار سے اپنا حصہ خلافت چھوڑ دیا۔ اور ہر ایک نے تَرَکْتُ حَظِّیْ کہا (یعنی میں نے اپنا حصّہ چھوڑ دیا)۔ اور طلحہ وہی ہے۔ جس نے حضور علیہ وعلیٰ آلہ الصّلوٰۃ والسّلام کی بے ادبی کرنے کے جرم میں اپنے باپ کو قتل کر دیا۔ اور اس کا سر لاکر حضور کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اور قرآن میں اس فعل پر اس کی ثنا وارد ہوئی ہے۔ اور زبیر وہی ہے۔ کہ مخبرِ صادق علیہ وعلیٰ آلہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اس کے قاتل کو دوزخ کی وعید سنائی۔ چنانچہ حضور علیہ وعلیٰ آلہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا۔

قَاتِلُ زُبَیْرٍ فِی النَّارِ — زبیر کا قاتل دوزخ میں جائیگا۔

حضرت زبیر پر طعن و لعنت کرنے والا بُرائی میں آپ کے قاتل سے کم نہیں۔

تو اے مخاطب! میں تجھے کہتا ہوں۔ کہ اکابر دین اور کبرائے اسلام پر طعن کرنے سے پرہیز کر جنہوں نے کلمہ اسلام بلند کرنے اور سیّد انام علیہ السّلام کی مدد و نصرت میں اپنی پوری کوشش صرف کر دی۔ اور رات دِن۔ پوشیدہ اور ظاہر دین کی تائید کے لئے اپنے اموال خرچ کئے اور حبِّ رسول کی خاطر اپنے خاندان، اپنے قبیلے، اپنی اولاد، اپنی بیویاں، اپنے وطن، اپنے مکانات، اپنے چشمے، اپنی کھیتی باڑیاں اور اپنے درخت اور نہریں سب کچھ چھوڑ دیا۔ اور رسولِ پاک علیہ وعلیہم الصّلوٰۃ والسّلام کی ذات کو اپنی ذوات پر ترجیح دی۔ اور اپنے اموال اور اپنی اولاد کی محبت کے مقابلے میں آپ کی محبت کو اختیار کیا۔ اور

---

[1] ابن عساکر، بروایت ابونضرۃ، حافظ سیوطی نے کہا ہے۔ کہ اس روایت کے رجال حدیث ثقہ ہیں۔ اور یہ حدیث متعدد طرق سے حضرت علی رضی اللہ عنہ، سے مروی ہے۔ تشئیۃ المبانی

آپ کی صحبت میں برکات نبوت سے سرفراز ہوئے۔ اور وحی کا مشاہدہ نصیب ہوا۔ اور حضورِ ملائکہ سے بھی مشرف ہوئے۔ اور خوارق و معجزات دیکھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ یہاں تک کہ ان کا غیب شہادت اور ان کا علم عین بن گیا۔ اور انھیں یقین کی وہ دولت عطا کی گئی جو بعد میں کسی کو نصیب نہ ہو سکی۔ یہاں تک کہ دوسروں کے اُحُد پہاڑ جتنے خرچ کیے ہوئے سونے کا ثواب صحابہ کے ایک سیر جو کے ثواب کے برابر نہیں ہو سکتا۔ اور نہ اس کے نصف ثواب کے برابر ہو سکتا ہے۔ یہی وہ حضرات ہیں۔ جن کی اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں صفت و ثنا کی ہے۔ اور اللہ ان سے راضی ہو چکا۔ اور وہ اللہ سے۔ ایسا ہی ان کا حال تورات میں ہے۔ اور ایسا ہی حال انجیل میں مذکور ہے۔ یہ اس کھیتی کی مانند ہیں جس نے سبز گھاس اُگائی۔ پس اُسے قوی اور طاقتور کیا۔ پھر وہ موٹی ہوئی پھر وہ اپنے تنے پر کھڑی ہو گئی۔ کسان کو بڑی خوشنما معلوم ہوتی ہے۔ تاکہ اللہ ان کے ساتھ کافروں کو غیظ و غضب میں مبتلا کرے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں صحابہ سے ناراض رہنے والوں کو کفار کہا ہے۔ اس لئے میں بار بار کہتا ہوں کہ صحابہ کرام سے بُغض رکھنے سے بالکل اسی طرح بچنا ضروری ہے جس طرح کفر سے۔ "واللہ سبحانہٗ الموفق"۔

جس جماعت نے آنسرور علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کیساتھ اس طرح کی نسبت ہو۔ اور وہ آپ علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات والتحیات کی بارگاہ میں مقبول و منظورِ نظر ہوں۔ اگر بعض معاملات میں ایک دوسرے کی مخالفت کریں۔ اور ان کا ایک دوسرے سے تنازعہ ہو جائے۔ اور وہ اپنی رائے اور اجتہاد پر عمل کریں تو طعن اور اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں۔ بلکہ ایسے مقام میں اختلاف کرنا اور غیر کی رائے کی تقلید نہ کرنا حق و صواب ہے۔ امام ابو یوسف کے لئے درجہ اجتہاد پا لینے کے بعد امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی تقلید خطا ہے۔ اور درست و صواب یہ ہے۔ کہ وہ اپنی رائے کی تقلید کریں۔ امام شافعی، صحابی کے قول کو اپنی رائے پر مقدم نہیں رکھتے۔ چاہیئے جو صحابی بھی ہو خواہ صدیق اکبر یا حضرت علی ہی ہوں،.... اپنی رائے پر عمل کرنے کو درست جانتے ہیں۔ اگرچہ قول صحابی کے مخالف ہی ہو۔ جب مجتہد کے لئے صحابہ کرام کی رائے سے مخالفت کی گنجائش ہے۔ تو اگر صحابہ کرام آپس میں ایک دوسرے سے اختلاف کریں۔ تو کیوں مطعون قرار پائیں گے۔ یا ہم یہ بھی کہتے ہیں۔ کہ صحابہ کرام نے اُمور اجتہادیہ میں آنسرور علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات سے اختلاف کیا ہے۔ اور آنسرور علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات والتحیات کی رائے مبارک کے خلاف نزولِ وحی کے باوجود حکم کیا ہے۔ لیکن وحی میں ان کی مذمت اور ان کے اختلاف پر مخالفت وارد نہیں ہوئی۔ جیسا کہ پہلے مذکور ہوا۔ اگر یہ اختلاف حق جل شانہٗ کو ناپسند اور نامقبول ہوتا۔ تو ضرور اس سے روک دیا جاتا اور اختلاف کرنے والوں کے

متعلق وعید نازل ہوتی۔ تم نہیں دیکھتے کہ جو لوگ آنسرور علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ گفتگو کے دوران آواز بلند کرتے تھے۔ کس سختی کے ساتھ انھیں آواز بلند کرنے سے روکا گیا۔ اور اس فعل پر وعید اور ڈانٹ نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ	اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی کی آواز سے
فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ	اونچی نہ کرو۔ اور نہ ان سے چلا کر بات کرو۔
کَجَهْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ	جس طرح ایک دوسرے کے ساتھ تم چلا کر
وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ؕ	بات کرتے ہو۔ تاکہ تمہارے اعمال ضائع
" سورۃ الحجرات پ ۲۶ "	نہ ہو جائیں۔ اور تمہیں شعور بھی نہ ہو۔

جنگ بدر کے قیدیوں میں اختلاف عظیم واقع ہوا تھا۔ حضرت فاروق اور حضرت سعد بن معاذ نے ان قیدیوں کے قتل کا فیصلہ کیا تھا۔ اور دوسرے حضرات نے ان کی رہائی اور فدیے کا فیصلہ کیا۔ اور آنسرور علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کی رائے میں بقول انہیں آزاد کرنے اور فدیہ لینے کا حکم تھا۔ اس واقعہ کے علاوہ بھی اختلاف کے بہت سے مواضع ہیں۔

اسی قبیلہ سے ہے وہ اختلاف جو کاغذ کے لانے میں صحابہ کرام کے درمیان رونما ہوا۔ کہ آنسرور علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات نے مرض وصال میں کاغذ طلب فرمایا تھا۔ کہ صحابہ کے لئے آپ کچھ لکھیں ایک گروہ نے کہا کاغذ لانا چاہیئے۔ اور دوسرے گروہ نے کاغذ لانے سے روک دیا۔ حضرت فاروق، روکنے والوں سے تھے۔ اور آپ نے فرمایا حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہِ ہمارے لئے اللہ کی کتاب کافی ہے طعن و تشنیع کرنے والوں نے اس راہ سے بھی حضرت فاروق پر اعتراض کیا ہے۔ اور طعن و تشنیع کی زبانیں کھولی ہیں۔ حالانکہ درحقیقت یہ طعن کا کوئی مقام نہیں۔ اس لئے کہ حضرت فاروق جانتے تھے کہ زمانہ وحی منقطع ہو گیا ہے۔ اور احکام سماوی مکمل ہو چکے ہیں۔ اور رائے و اجتہاد کے سوا اثبات، احکام میں اب کوئی گنجائش نہیں۔ اس وقت آنسرور علیہ وعلے آلہ الصلوٰۃ والسلام جو کچھ بھی تحریر فرمائیں گے۔ امور اجتہادیہ میں سے ہوگا۔ جس میں دوسروں کو بھی فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَارِ ؕ یعنی اے اہل بصیرت! عبرت پکڑو، کے مطابق شرکت کی اجازت ہے۔ اس طرح آپ نے بہتری اس میں محسوس کی کہ اس قدر درد و تکلیف کی حالت میں آپ کو رنج و تکلیف نہیں دینی چاہیئے۔ اور دوسروں کی رائے اور اجتہاد پر ہی کفایت کرنی چاہیئے۔ حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہِ یعنی قرآن مجید جو قیاس و استنباط کا ماخذ ہے۔ مجتہدین کے لئے کافی ہے۔ وہ اس سے احکام کا استنباط کریں گے۔ کتاب اللہ کے ذکر کی تخصیص اس بناء پر ہو سکتی

ہے ۔ کہ حضرت فاروق نے قرائن سے معلوم کر لیا ہوگا ۔ کہ جن احکام کو آپ لکھنا چاہتے ہیں ۔ ان کا ماخذ کتاب اللہ ہے ۔ سُنّت نہیں تاکہ سُنّت کا ذکر بھی کیا جائے ۔ پس حضرت فاروق کا کاغذ لانے سے روکنا شفقت و مہربانی کے طور پر تھا ۔ کہ آنحضرت کو شدّت تکلیف میں مزید رنج و تکلیف میں نہ ڈالا جائے ۔ نیز حضور علیہ و علےٰ آلہٖ الصّلوٰۃ والسّلام کا کاغذ طلب کرنے کا حکم بھی استحسان واستحباب کے طور پر تھا نہ کہ وجوب کے طور پر تاکہ دوسرے استنباط کی زحمت سے آرام میں رہیں ۔ اور کاغذ لانے کا حکم وجوب کے طور پر ہوتا تو آپ اپنے حکم کے جاری کرنے میں مبالغہ اور تاکید فرماتے اور صرف اختلاف کی بناء پر اس سے صرفِ نظر نہ کرتے ۔

سوال :۔ حضرت فاروق نے اس وقت کہا تھا ۔ اَهَجَرَ اِسْتَفْهِمُوْهُ یعنی کیا حضور غلبہ مرض کے باعث کچھ فرما رہے ہیں ۔ تحقیق و تفتیش کرو ۔ کہ آپ کیا چاہتے ہیں ۔ حضرت فاروق کے ان الفاظ کا کیا مطلب ہے ؟

جواب :۔ حضرت فاروق نے شائد اس وقت سمجھا ہوگا کہ حضور سے یہ کلام درد و تکلیف کی وجہ سے بلا قصد واختیار صادر ہوا ہے ۔ جیساکہ لفظ اَکْتُبُ ، مَیں لکھتا ہوں ، سے وہم ہوتا ہے ۔ کیونکہ آنسرور علیہ السّلام نے کبھی کچھ نہیں لکھا ۔ نیز آپ نے فرمایا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِیْ "ہرگز میرے بعد گمراہ نہیں ہوگے" جبکہ دین کامل اور نعمت تمام اور رضاءِ مولیٰ اس سے وابستہ ہو چکی ۔ اس کے بعد ضلالت و گمراہی کی کیا صورت ہوگی ۔ اور ایک ساعت میں آپ کیا لکھیں گے ۔ جس سے گمراہی دور ہوگی ۔ جو کچھ تیئس ۲۳ سال لکھا جاتا رہا ۔ کیا وہ کافی نہیں اور وہ گمراہی دور نہیں کرتا ۔ کہ ایک گھڑی میں شدّتِ مرض کے باوجود کچھ تحریر فرمائیں جو گمراہی دور کرے ۔ یہیں سے حضرت فاروق نے سمجھا ہوگا ۔ کہ یہ کلام بناء بر بشریّت بے قصد آپ کی زبان مبارک پر جاری ہوا ہے ۔ لہٰذا اس کی تحقیق کرو ۔ اور از سرِ نو دریافت کرو ۔ اور اس دوران اختلافی گفتگو بلند ہوگئی ۔ تو حضرت پیغمبر علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا ۔ اُٹھ جاؤ ۔ اور آپس میں اختلاف نہ کرو ۔ کہ پیغمبر کے سامنے اختلاف و نزاع مستحسن نہیں ہے ۔ پھر آپ نے اس سلسلہ میں مزید گفتگو نہ کی ۔ اور دوات کاغذ طلب نہ فرمایا ۔

جاننا چاہیئے ۔ کہ اُمورِ اجتہادیہ میں صحابہ کرام کا آنسرور علیہ وعلیہم الصّلوات والتّسلیمات سے جو اختلاف ہوا ۔ اس میں عیاذاً باللہ اگر خواہشِ نفس اور تعصّب کا شائبہ ہوتا تو وہ انھیں اہل ارتداد کے گروہ میں کھینچ کر لے آجاتا ۔ اور اہل اسلام کے حلقہ سے باہر پھینک دیتا ۔ کیونکہ آنسرور علیہ وعلیہم الصّلوات والتّحیات سے بے ادبی اور بدسلوکی کفر ہے ۔ اَعَاذَنَا اللہُ سُبْحَانَہٗ مِنْہُ ۔ شائد یہ اختلاف فَاعْتَبِرُوْا کے حکم کی بجا آوری کے طور پر تھا ۔ اس لئے کہ جو شخص درجہ اجتہاد پر فائز ہو ۔ اجتہادی امور میں اس کے لئے دوسرے کی رائے اور اجتہاد کی تقلید کرنا خطا اور ناروا ہے ۔ ہاں جن احکام منزلہ میں رائے اور اجتہاد کا

کوئی دخل نہیں ہوسکتا۔ ان میں تقلید کے سوا کسی اور شے کی گنجائش نہیں۔ اور ان پر ایمان لانا اور اُنھیں تسلیم کرنا واجب و ضروری ہے۔ غایۃ ما فی الباب اتنی بات ہے۔ کہ صحابہ کرام تکلفات سے پاک اور آرائش الفاظ و عبارات سے بے نیاز تھے۔ ان کا اہتمام اصلاح باطن کے متعلق ہوتا تھا۔ اور ان کا ظاہر ان کی نظر میں بے وقعت اور غیر ملحوظ تھا۔ اور اس زمانہ میں آداب کی رعایت حقیقت و معنی کے اعتبار سے ہوتی تھی۔ صورت و لفظ کے اعتبار سے نہیں ہوتی تھی۔ حضور علیہ و علیٰ آلہ الصّلوٰۃ والسّلام کے حکم کی بجا آوری ان کا کام اور آنسرور علیہ وعلیہم الصّلوات والتسلیمات کو ناپسند باتوں سے اجتناب کرنا اُن کا شیوہ تھا۔ انہوں نے اپنے باپ، اپنی مائیں، اپنی اولاد، اور اپنی بیویاں سب آنسرور علیہ و علیہم الصّلوات والتسلیمات پر قربان کردی تھیں۔ اور کمال اعتقاد و اخلاص سے آنسرور علیہ وعلیہم الصّلوات والتحیّات کے لعاب مبارک کو زمین پر نہیں گرنے دیتے تھے۔ بلکہ اُسے آبِ حیات کی طرح اُٹھاتے تھے اور حضور علیہ السّلام کے فصد کرانے کے بعد آپ کے خون مبارک کو کمال اخلاص سے نوش کرنے کا قصّہ مشہور و معروف ہے۔ اگر کوئی ایسی عبارت جس سے اس جھوٹ اور فریب سے لبریز زمانہ کے لوگوں کے نزدیک بے ادبی کا وہم ہوتا ہو۔ ان بزرگوں سے آنسرور علیہ و علیٰ آلہ الصّلوٰۃ والسّلام کے متعلق صادر ہو تو اُسے اچھے معنی پر محمول کرنا چاہیئے۔ اور عبارت کا حاصل اور خلاصہ لینا چاہیئے۔ الفاظ جیسے بھی ہوں ان کا لحاظ و اعتبار نہیں کرنا چاہیئے۔ طریق سلامتی یہی ہے۔ واللہ سبحانہ المُوفق۔

سوال :- جب احکام اجتہادیہ میں احتمال خطا کی گنجائش ہے۔ تو تمام احکام شرعیہ میں وثوق و اعتماد جو آنسرور علیہ و علیٰ آلہ الصّلوٰۃ والسّلام سے منقول ہے۔ کس طرح قائم اور باقی رہے گا۔

جواب :- احکام اجتہادیہ تھوڑا وقت گزارنے کے بعد آسمان سے نازل شدہ احکام کی حیثیت اختیار کر لیتے تھے۔ کیونکہ خطا پر ٹھہرائے رکھنا انبیاء کے لئے جائز نہیں، علیٰ نبیّنا و علیہم الصّلوات والتسلیمات پس احکام اجتہادیہ میں مجتہدین کے ثبوت اجتہاد اور اختلاف آرا کے بعد حضرت حق جلّ وعلا کے پاس سے ایک حکم نازل ہوتا ہے۔ جو صواب کو خطا سے جُدا کرتا اور حق والے کو باطل والے سے امتیاز بخشتا ہے۔ پس حضور علیہ و علیٰ آلہ الصّلوٰۃ والسّلام کے زمانہ کے نزول وحی کے بعد جس سے صواب اور خطا میں تمیز ہوتی ہے۔ احکام اجتہادیہ بھی قطعی الثبوت ہوتے تھے۔ اور ان میں خطا کا احتمال نہیں رہتا تھا۔ لہٰذا حضور علیہ و علیٰ آلہ الصّلوٰۃ والسّلام کے زمانہ میں ثابت شدہ تمام احکام قطعی اور خطا کے احتمال سے محفوظ ہیں کیونکہ وُہ ابتداءً یا انتہاءً وحی قطعی سے ثابت ہوئے ہیں۔ ان احکام کے استنباط و اجتہاد سے مقصود یہ تھا۔ کہ مجتہدین و مستنبطین کو کرامت و بزرگی کے درجات حاصل ہوں۔ اور مخطی و مُصیب

اپنے اپنے درجات کے مطابق ثواب پائیں ۔ اس لئے احکام اجتہادیہ میں مجتہدین کے درجات بھی بلند ہوئے اور نزولِ وحی کے بعد ان احکام کی قطعیت بھی ثابت ہوگئی ۔ ہاں زمانہ نبوت کے ختم ہونے کے بعد کے احکام اجتہادیہ ظنی ہیں ۔ جو مفید عمل تو ہیں لیکن مثبت اعتقاد نہیں ہیں ۔ کہ اُن کا منکر کافر قرار پائے ۔ ہاں اگر مجتہدین کا اجماع کسی حکم پر منعقد ہو جائے تو وہ مثبت اعتقاد بھی ہو جاتا ہے ۔

خاتمہ مکتوب ہذا

اب ہم فضائل اہل بیت رسول علیہ وعلیٰ آلہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات والبرکات والتحیات کے بیان کے ذریعہ اس مکتوب کو اچھے خاتمے کے ساتھ ختم کرنا چاہتے ہیں ۔

ترجمہ احادیث متفقہ فضائل اہلبیت عَلَیْهِمُ الرِّضْوَانُ

۱ ۔ عبدالبر نے روائت کی ہے ۔ کہ حضور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ۔ جس نے علی سے محبت کی ۔ اُس نے مجھ سے محبت کی ۔ اور جس نے علی سے بُغض کیا ۔ اس نے مجھ سے بُغض کیا ۔ اور جس نے علی کو اذیت دی ۔ اس نے مجھے اذیت دی اور جس نے مجھے اذیت دی اس نے خدا کو اذیت پہنچائی ۔

کتاب الاستیعاب

۲ ۔ حضرت بریدہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے فرمایا ۔ اللہ نے مجھے چار افراد سے محبت رکھنے کا حکم دیا اور یہ بھی خبر دی کہ وہ بھی ان سے محبت رکھتا ہے ۔ کہا گیا یا رسول اللہ ہمیں ان کے نام بتائیں ۔ فرمایا علی ان چاریں سے ہے ۔ یہ بات آپ نے تین بار فرمائی ۔ اور ابوذر اور مقداد اور سلمان (فارسی) رضی اللہ تعالیٰ عنہم

ترمذی و حاکم اور حاکم نے اسکی تصحیح بھی کی ہے

۳ ۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے ۔ کہ بیشک نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے فرمایا ۔ علی کو دیکھنا عبادت ہے ۔ طبرانی و حاکم باسنادِ حسن

۴ ۔ حضرت براء سے روایت ہے ۔ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا ، جب کہ آپ کے کندھے پر حضرت حسن تھے ۔ اور آپ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام فرما رہے تھے ۔ اے اللہ ! میں اس سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت کر ۔ بخاری و مسلم

۵ ۔ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے ۔ انہوں نے کہا ۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے سُنا ۔ جب کہ سامنے منبر پر تشریف فرما تھے ۔ اور حضرت حسن اُن کے ایک پہلو میں تھے ۔ اور آپ ایک بار لوگوں کی طرف دیکھتے اور ایک بار حضرت حسن کی طرف ۔ کہ بیشک میرا بیٹا

سید ہے۔ اور امید ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کے دو گروہوں کے درمیان صلح کرا لے گا۔
بخاری

۶۔ حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے۔ کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم کو اس حال میں دیکھا۔ کہ حسَن وحسین آپ کی دو رانوں پر تھے۔ تو آپ نے فرمایا۔ میرے یہ بیٹے اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں۔ اے اللہ میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں۔ تو بھی ان سے اور جو ان دونوں سے محبت کرے، محبت کر۔
ترمذی شریف

۷۔ حضرت اَنس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ کہ رسولُ اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے سوال کیا گیا۔ آپ کو آپ کے اہل بیت میں سب سے زیادہ کس سے محبت ہے۔ آپ نے فرمایا حسَن اور حُسین سے۔
ترمذی شریف

۸۔ مِسوَر بن مخرَمہ سے روایت ہے۔ کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا فاطمہؓ میرے گوشت کا ٹکڑا ہے۔ جس نے اسے ناراض کیا۔ اس نے مجھے ناراض کیا۔ اور ایک روایت میں ہے۔ جو چیز فاطمہ کو ناراض کرتی ہے۔ وہ مجھے بھی ناخوش کرتی ہے۔ اور جو چیز اُسے رنجیدہ کرتی ہے۔ مجھے بھی رنجیدہ کرتی ہے۔
بخاری ومسلم

۹۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ بیشک نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا۔ کہ فاطمہ مجھے تجھ سے زیادہ محبوب ہے۔ اور تو اُس سے زیادہ مجھے عزیز ہے۔
حاکم

۱۰۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔ کہ بیشک لوگ حضرت عائشہ کی باری کے دن ہدیے بھیجنے کا قصد کرتے تھے۔ جس سے ان کا مقصد پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم کی رضا جوئی ہوتا تھا۔ اور وُہ کہتی ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم کی ازواج مطہرات دو گروہوں میں منقسم تھیں۔ ایک گروہ وہ تھا۔ جس میں حضرت عائشہ، حضرت حفصہ، حضرت صفیہ، اور حضرت سودہ تھیں۔ اور دوسرا گروہ حضرت ام سلمہ اور حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی دوسری ازواج مطہرات کا تھا۔ تو حضرت اُم سلمہ کے گروہ نے حضرت ام سلمہ سے کہا۔ تم رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے عرض کرو۔ کہ آپ لوگوں سے فرمائیں جو شخص رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں ہدیہ بھیجنا چاہے۔ وہ وہاں ہی بھیج دیا کرے۔ جہاں حضور تشریف فرما ہوں۔ چنانچہ حضرت ام سلمہ

ـنے یہ بات آپ کی خدمت میں عرض کردی - اس پر آپ نے فرمایا - اے امِ سلمیٰ مجھے تکلیف نہ دے کیونکہ مجھ پر عائشہ کے کپڑوں (بستر) کے سوا کسی عورت کے کپڑوں میں وحی نازل نہیں ہوتی - اُمِ سلمہ نے عرض کی یارسول اللہ میں آپ کو اذیت پہنچانے سے اللہ سبحانہٗ کی بارگاہ میں توبہ کرتی ہوں - پھر انہوں نے حضرت فاطمہ کو بلایا - اور رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی خدمت اقدس میں روانہ کیا - تو حضرت فاطمہ نے جاکر یہ بات عرض کی - اس پر آپ نے فرمایا اے میری بیٹی! کیا تو اُسے محبوب نہیں رکھتی - جسے مَیں محبوب رکھتا ہوں - آپ نے عرض کیا ہاں - تو فرمایا پھر تو بھی عائشہ سے محبت رکھ -

بخاری ومسلم شریف

۱۱ - حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں ، مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی کسی بیوی پر رشک نہیں آیا - سوائے حضرت خدیجہ کے - اور مَیں نے اُنہیں دیکھا بھی نہیں - لیکن حضور ان کا اکثر ذکر فرماتے رہتے تھے - اور بسا اوقات آپ ایک بکری ذبح فرماتے - پھر اس کے گوشت کے ٹکڑے کرتے - پھر حضرت خدیجہ کی سہیلیوں کو بھیجتے تھے - تو مَیں حضور سے بہت دفعہ کہتی کہ شائد دنیا میں خدیجہ کے سوا کوئی عورت ہی نہیں ہوئی - تو آپ فرماتے خدیجہ میں یہ یہ خوبیاں تھیں - اور اسی سے میرے اولاد ہوئی -

بخاری ومسلم شریف

۱۲ - حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے - کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم نے فرمایا - عباس مجھ سے ہے - اور مَیں اس سے -

ترمذی شریف

۱۳ - ابوسعید سے روایت ہے - بیشک فرمایا رسول اللہ صلیٰ اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم نے - اللہ اس شخص پر سخت ناراض ہے - جس نے میری عترت (اہل بیت) کے بارے میں مجھے اذیت پہنچائی -

دیلمی شریف

۱۴ - حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی - کہ بیشک رسول اللہ صلیٰ اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم نے فرمایا - جس نے میرے اہل بیت سے نیک سلوک کیا - قیامت کے روز مَیں اُسے اس پر بدلہ دونگا -

ابن عساکر

۱۵ - حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے - بیشک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے فرمایا - تم میں سے پل صراط پر زیادہ ثابت قدم وہ ہوگا - جو میرے اہل بیت اور میرے صحابہ سے زیادہ محبت رکھتا ہوگا - رضی اللہ تعالےٰ عنہم اجمعین -

(ابن عدی و دیلمی)

الٰہی[1] بحق بنی فاطمہ کہ بر قولِ ایمان کنی خاتمہ
اگر دعوتم رد کنی ور قبول من و دست و دامانِ آلِ رسول

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلَیْھِمْ وَ عَلٰی جَمِیْعِ اِخْوَانِہٖ مِنَ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَ الْمَلٰئِکَۃِ الْمُقَرَّبِیْنَ وَعَلٰی سَائِرِ عِبَادِ اللّٰہِ الصّٰلِحِیْنَ اَجْمَعِیْنَ ط

مکتوب نمبر ۳۷

ان مکتوبات شریفہ کے جامع فقیر حقیر عبدالحی کی طرف صادر فرمایا۔

فضائل کلمہ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اور اس کے مناسب امور کے بیان میں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط رب جل سلطانہ کے غضب وغصہ کو ٹھنڈا کرنے میں کوئی چیز بھی اس کلمہ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ سے زیادہ نافع نہیں۔ جب کہ یہ کلمہ طیبہ دوزخ کی آگ میں پڑنے کے غضب کو ٹھنڈا کرتا ہے۔ تو دوسرے غصوں کو جو اس سے کمتر ہیں، بطریقِ اولیٰ ٹھنڈا کرتا۔ اور تسکین دیتا ہے۔ کیوں تسکین نہ دے جب کہ بندہ اس کلمہ طیبہ کے تکرار کے ذریعے ماسوائے حق کی نفی کر کے سب سے منہ پھیر کر معبود برحق کو ہی قبلۂ توجہ بناتا ہے۔ غضب کا سبب پراگندہ توجہات تھیں جن میں وہ مبتلا تھا۔ جب پراگندہ توجہات کی بندہ نے نفی کر دی تو اللہ تعالیٰ کا غضب وغصہ بھی جاتا رہا۔ اس معنی کو تو عالم مجاز میں مشاہدہ کر سکتا ہے۔ جب مالک اپنے غلام سے ناراض ہوتا اور اس پر غضب کا اظہار کرتا ہے۔ تو حسن فطرت والا غلام اپنے مالک کے سواء سے توجہ ہٹا کر اپنے آپ کو مالک کی طرف متوجہ کر لیتا ہے۔ اس وقت مالک کو اپنے مملوک کے حق میں شفقت ورحمت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور غضب وغصہ رفع ہو جاتا ہے۔ اور اس کلمہ طیبہ کو آخرت کے ننانوے ذخیرہ ہائے رحمت کی چابی قرار دیا گیا ہے۔ یہ فقیر یوں محسوس کرتا اور جانتا ہے۔ کہ ظلماتِ کفر اور کدورت شرک سے رفع کرنے میں اس کلمہ طیبہ سے بڑھ کر شفاعت کرنے والی کوئی چیز نہیں۔ جس شخص نے اس کلمہ کی تصدیق کی ہو اور ایمان کا ایک ذرہ بھی حاصل کر لیا ہو اور پھر رسومِ

[1] اے اللہ! اولاد فاطمہ کے طفیل مجھے ایمان پر خاتمہ نصیب کرنا۔ تو میری دعا رد کر یا قبول میں ہوں میرا ہاتھ ہے اور آلِ رسول کا دامن ہے

کفر اور رذائل شرک میں گرفتار ہو چکا ہو۔ تو اُمید ہے۔ کہ اس کلمہ طیبہ کی شفاعت سے عذاب سے باہر اور دائمی عذاب دوزخ سے نجات پا جائے گا۔ جس طرح اس امت کے باقی کبیرہ گناہوں کی سزاؤں کے دفع کرنے میں حضرت محمدؐ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ و علیٰ آلہٖ وسلم کی شفاعت بہت نفع مند اور کارگر ہے۔ اور یہ جو میں نے کہا ہے "اس امت کے گناہ کبیرہ" اس بناء پر کہا ہے۔ کہ پہلی امتوں میں کبیرہ گناہوں کا ارتکاب بہت کم ہوا ہے۔ بلکہ رسوم اور رذائل شرک کی ملاوٹ و آمیزش بھی کم ہے۔ شفاعت کی محتاج زیادہ تر یہی امت ہے۔ پہلی امتوں کا ایک گروہ کفر پر مُصر تھا۔ اور دوسرے گروہ نے اخلاص سے ایمان قبول کیا اور احکامِ خداوندی کی بجا آوری کی۔ یہ گناہوں سے بھری ہوئی امت ہلاک ہو جاتی۔ اگر کلمہ طیبہ ان کی شفاعت نہ کرتا۔ جس طرح اگر خاتم الرُسُل علیہ و علیہم الصلوات والتسلیمات والتحیات اس امت کی شفاعت نہ کرتے اُمَّۃٌ مُّذْنِبَۃٌ وَّ رَبٌّ غَفُوْرٌ یہ گناہ گار اُمت ہے اور رب تعالیٰ بخشنے والا ہے۔ جس قدر معافی اور بخشش حق جل و علا اس اُمت کے لئے کام میں لائے گا۔ معلوم نہیں کہ پہلی اُمتوں کے لئے بھی کام میں نہ لائے۔ ایک کم سو رحمت شائد اسی پر گناہ کے لئے ذخیرہ کے طور پر رکھی گئی ہے۔

که مستحق کرامت گناہگاراں اند[1]

اور جب کہ حق سُبحانہٗ و تعالیٰ عفو و مغفرت کو دوست رکھتا ہے۔ اور کوئی مقام اور محل بھی اس پُر تقصیر امت کے عفو و مغفرت کے برابر نہیں۔ اس لئے یہ امت خیر الامم قرار پائی۔ اور کلمہ طیبہ جو افضل الذکر ہے۔ اس امت کی شفاعت کرنے والا ہے۔ اور ان کی شفاعت کرنے والے پیغمبر کو سیّد الانبیاء کا خطاب ملا۔ علیہ و علیہم الصلوات والتحیات "یہی وہ لوگ ہیں۔ جن کی برائیوں کو اللہ تعالیٰ حسنات سے بدل دے گا" اور اللہ غفور رحیم ہے" ہاں ارحم الراحمین ایسا ہی ہوتا ہے اور اکرم الاکرمین کی شان یہی ہوتی ہے[2]

بر کریماں کارہا دشوار نیست

اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے لئے آسان ہے۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَ اِسْرَافَنَا — اے ہمارے پروردگار! ہمارے گناہ بخش اور

---

[1] کیوں کہ بخشش کے مستحق گناہ ہی ہوتے ہیں۔

[2] کرم والوں کے لئے کوئی کام مشکل نہیں۔

فِیْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ ط

ہمارے کام میں ہمارے حد سے بڑھنے کو بھی مُعاف فرما۔ اور ہمارے قدم مضبوط کر اور کافروں کے خلاف ہماری مدد و نصرت فرما۔

نیز اس کلمہ کے فضائل میں سے سنو۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیٰ آلہٖ وسلم وبارک نے فرمایا

مَنْ قَالَ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ دَخَلَ الْجَنَّۃَ[1] ط

جس نے کلمہ طیبہ کی تصدیق کی۔ جنت میں داخل ہوگا۔

کوتاہ نظر لوگ تعجب کرتے ہیں۔ کہ صرف لاالٰہ الا اللہ کہنے سے دخولِ جنّت کیسے میسر آئیگا۔ یہ لوگ اس کلمہ طیبہ کی برکات سے واقف نہیں۔ اس فقیر کو محسوس ہوا ہے۔ کہ اگر تمام عالم کو صرف اس کلمہ طیبہ کے طفیل بخش دیں اور بہشت میں بھیج دیں تو گنجائش رکھتا ہے۔ اور مشاہدے میں اس طرح آتا ہے کہ اگر اس کلمہ مقدسہ کی برکات کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے تمام عالم پر تقسیم کرتے رہیں۔ سب کو کفایت کرتا اور سب کو سیراب کرتا ہے۔ تو اس کلمہ طیبہ کی برکات کس قدر بڑھ جاتی ہیں۔ جب کہ اس کے ساتھ کلمہ مقدسہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ جمع ہو جائے۔ اور تبلیغ توحید کے ساتھ مل جائے۔ اور رسالت ولائیت کی ساتھی بن جائے۔ ان دو کلموں کا مجموعہ ولائیت و نبوت کے کمالات کا جامع ہے۔ اور ان دو سعادتوں کا پیشوائے راہ ہے۔ یہی کلمہ ہے۔ جو ولائت کو ظلمات ظلال سے پاک کرتا اور نبوت کو درجہ عُلیا تک پہنچاتا ہے۔ اے اللہ! ہمیں کلمہ طیبہ کی برکات سے محروم نہ کر اور ہمیں اس پر ثابت رکھ۔ اور ہمیں اس کی تصدیق پر موت نصیب فرما۔ اور اس کی تصدیق کرنے والوں کے ساتھ ہمارا حشر فرما۔ اور ہمیں اس کی حرمت اور اس کی تبلیغ کرنے انبیاء علیہم الصّلوات والتسلیمات والتحیات والبرکات کی حرمت سے جنت میں جانا نصیب فرما۔

نیز جب نظر اور قدم عاجز رہ جاتے ہیں۔ اور ہمت کے پر و بال نیچے لٹک جاتے ہیں۔ اور معاملہ غیب صرف تک جا پہنچتا ہے۔ اس مقام میں کلمہ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ط کے پاؤں کے بغیر نہیں چلا جا سکتا۔ اور اس کلمہ مقدسہ کی آغوش میں بیٹھ کر ہی اُس مسافت کو طے کیا جاسکتا ہے۔ اس مقام میں اس کلمہ طیبہ مقدسہ کو ایک بار پڑھنے والا اس کلمہ طیبہ مقدسہ کی حقیقت کی امداد و اعانت سے اُس مسافت کا ایک قدم طے کرتا ہے۔ اور اپنی ذات سے دور اور حق جل و علا کے

---

[1] حاکم بروائیت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

قریب جا پڑتا ہے۔ اور اس مسافت کا ایک جزو تمام دائرہ امکان سے کئی گنا زیادہ ہے۔ اس سے اس کلمہ طیبہ کے ذکر کی فضیلت معلوم کی جا سکتی ہے۔ کہ اس کلمہ کے سامنے ساری دنیا کی کچھ حیثیت و قدر و قیمت نہیں ہے۔ کاش کہ ساری دنیا اس کے سامنے اتنی حیثیت ہی رکھتی جتنی ایک قطرے کی دریائے محیط کے سامنے ہوتی ہے۔ اس کلمہ طیبہ کی عظمت کا ظہور پڑھنے والے کے درجات کے مطابق ہوتا ہے۔ جس قدر پڑھنے والے کا درجہ زیادہ ہوگا۔ اس کلمہ مقدسہ کی عظمت کا ظہور بھی زیادہ ہوگا۔

إِذَا مَا زِدْتَهُ نَظَراً ۞ يَزِيدُكَ وَجْهُهُ حُسْنًا

معلوم نہیں کہ اس دنیا میں کوئی آرزو اس کے برابر ہو کہ ایک کونے میں بیٹھا ہو۔ اور اس کلمہ طیبہ سے لذت گیر اور محظوظ ہوتا رہے۔ لیکن کیا کیا جائے۔ کہ تمام آرزوئیں میسّر نہیں۔ اور غفلت اور خلق کے میل جول سے چارہ نہیں۔

اے ہمارے رب! ہمارے نور کو مکمل کر۔ اور ہماری مغفرت فرما۔ بیشک تو سب کچھ کر سکتا ہے۔

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

مکتوب نمبر ۳۸

حاجی یوسف کشمیری کی طرف صادر فرمایا

اس بیان میں کہ اہل اللہ کے باطن کا دنیا سے رائی برابر تعلق نہیں ہوتا۔ اگرچہ ظاہراً دنیا اور اسبابِ دنیا سے وابستہ ہوتے ہیں۔ اور اس کے مناسب اُمور کے بیان میں،

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى

خدائے جل سلطانہٗ کی معرفت اس شخص کے لئے حرام ہے۔ جس کے باطن میں دنیا کی رائی

[1] جتنی زیادہ بار تو اس کے چہرے کو دیکھے تجھے اس کا چہرہ زیادہ حسین نظر آئے گا۔

برابر محبّت بھی موجود ہو۔ یا اس کے باطن کا اتنی مقدار میں بھی دنیا سے تعلق موجود ہو یا دنیا کی اتنی مقدار بھی اس کے باطن میں گزرے ۔ جس طرح اس کا ظاہر کہ باطن سے بمراحل دُور ہے ۔ اور آخرت سے دنیا میں آکر افادہ و استفادہ کی مناسبت کی شرط کے حصول کی خاطر لوگوں سے اختلاط پیدا کیا ہوا ہے ۔ اس بنا و پر اگر دنیا کی بات کرے ۔ اور اس کے اسباب سے وابستہ ہو تو اس کی گنجائش ہے ۔ اور کوئی بُری چیز نہیں بلکہ اچھی بات ہے ۔ تاکہ بندوں کے حقوق بیکار نہ ہوں اور افادہ استفادہ کا راستہ بند نہ ہو۔ پس ایسے شخص کا باطن اُس کے ظاہر سے بہتر ہے اور جَو نما گندم فروش کی طرح ظاہر بین لوگ اُسے اپنی مانند گندم نما جَو فروش تصوّر کرتے ہیں ۔ اور اس کے ظاہر کو اُس کے باطن سے بہتر جانتے ہیں ۔ اور خیال کرتے ہیں ۔ یہ بھی ظاہراً دنیا سے بے تعلق لیکن باطناً گرفتارِ دنیا ہے ۔ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِيْنَ ط

وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰى
عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الصَّلَوٰتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ الْعُلٰى

مکتوب نمبر ۳۹

سیّد عبدالباقی رنگپوری کی طرف صادر فرمایا

اصحابِ یمین ، اصحابِ شمال اور سابقین کے بیان میں جنہوں نے ایک قدم شمال اور دوسرا یمین پر رکھا ہوا ہے ۔ اور سبقت کا گیند میدانِ اصل تک لے گئے ہیں ۔ اور اس کے مُناسب اُمور کے بیان میں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ،

اللہ تعالیٰ تجھے رشد و ہدایت کرے ، جان کہ اصحابِ شمال وہ لوگ ہیں ۔ جو تاریک پردوں میں ہیں اور اصحابِ یمین نورانی پردوں والے ۔ سابقین وہ ہیں جو ان ظلماتی اور نورانی پردوں سے باہر نکلے ہوئے اور ایک قدم شمال پر اور دوسرا یمین پر رکھ کر سبقت کا گیند میدانِ اصل میں لے گئے ہیں ۔ اور امکانی اور وجوبی ظلال سے اوپر گذر گئے ہیں ۔ اور انہوں نے اسم و صفت اور شان و اعتبار سے سوائے ذات تعالیٰ و تقدس کے کچھ نہیں چاہا۔ اصحابِ شمال کفر و شقاوت والے ہیں ۔ اور اصحابِ یمین اہل

اسلام اور اربابِ ولائت ہیں۔ اور بالاصالتہ سابقین انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات ہیں۔ تابع ہونے کے اعتبار سے جسے بھی اس دولت سے مشرف کر دیں۔ تبعیت کے طور پر یہ دولت زیادہ تر انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات والتحیات کے اکابر صحابہ میں پائی جاتی ہے۔ اور قلت و ندرت کے طور پر غیر اصحاب میں بھی متحقق ہے۔ اور فی الحقیقت یہ شخص بھی گروہ صحابہ میں شامل اور کمالات انبیاء علیہم الصلوات والبرکات سے ملحق ہے۔ شائد ایسے ہی شخص کے حق میں حضور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے۔

لے لَایُدْرٰی اَوَّلُهُمْ خَیْرٌ اَمْ اٰخِرُهُمْ
نہیں معلوم کیا جاسکتا کہ ان کے پہلے بہتر ہیں یا پچھلے۔

اگرچہ حضور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بھی فرمایا ہے۔

خَیْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ ؎۲
سب زمانوں سے بہتر میرا زمانہ ہے۔

کیونکہ اپنے زمانے کو قرون کے اعتبار سے بہتر فرمایا اور آخری زمانے کو اشخاص کے لحاظ سے وَاللہ سبحانہٗ اعلم،

لیکن انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے بعد افضلیت شیخین (ابوبکر و عمر) پر اہل سنت کا اجماع ہے ایسا کوئی نہیں۔ جو ابو بکر پر سبقت لے گیا ہو۔ اس امت کے سابقین کے پیشرو وہ ہیں۔ اور اس اُمّت کے پہلوں کے پہلے بھی آپ ہیں۔ اور حضرت فاروق آپ کے توسّل کی بدولت افضلیت سے مشرّف ہوئے ہیں۔ اور آپ کے توسّط سے دوسروں سے فوقیت لے گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے۔ فاروق کو خلیفہ صدیق کہتے ہیں۔ اور خطبے میں آپ کو رسول اللہ کے خلیفے کا خلیفہ کہتے ہیں۔ اس معاملہ کے شاہ سوار حضرت صدیق ہیں اور حضرت فاروق ان کے ردیف ہیں۔ کیا اچھا ردیف ہے جو اپنے شاہ سوار سے موافقت کرتا اور اس کے خصوصی اوصاف میں شرکت فرماتا ہے۔

ہم اصل بات کی طرف آتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ سابقین یمین و شمال کے احکام سے خارج ہیں۔ اور ظلمانی و نورانی معاملات سے اوپر ہیں۔ ان کے اعمال نامے کتابِ یمین اور کتابِ شمال سے الگ ہیں۔ اور ان کا محاسبہ اصحابِ یمین و اصحابِ شمال کے محاسبہ کے علاوہ ہے۔ ان کے ساتھ کاروبار علیحدہ اور ان کے ساتھ کرشمہ و ناز جُدا ہے۔ اصحابِ یمین اصحابِ شمال کی طرح ان کے کمالات سے کیا پا سکتے ہیں۔ اور اربابِ

لے ترمذی شریف بروایت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ،

؎۲ بخاری و مسلم شریف۔

ولائیت ان کے اسرار سے کیا حاصل کر سکتے ہیں۔ مقطعات قرآنی کے حروف ان کے اسرار کے رموز اور متشابہات فرقانی ان کے مدارج حصولوں کے خزانے ہیں۔ اصل سے وصول نے انھیں ظل سے فارغ کردیا ہے۔ اور اربابِ ظلال کو ان کے حریم خاص سے دُور کردیا ہے۔ مقرب یہی ہیں۔ اور روح و ریحان انہی کا حصہ ہے۔ یہی ہیں جو فزع اکبر (بڑے خوف) سے فکرمند نہ ہوں گے۔ اور قیامت کے وہشت ناک واقعات سے نہیں گبھرائیں گے۔ اے اللہ! ہمیں ان کے دوستوں میں سے کر۔ کیونکہ انسان اسکے ساتھ شمار ہوتا ہے۔ جس سے پیار کرتا ہے۔ بصدقہ سیدالمرسلین علیہ و علی آلِ کل الصلوات والتسلیمات و التحیات والبرکات۔

مکتوب نمبر ۴۰

مولانا بدرُ الدین کی طرف صادر فرمایا

اس بیان میں کہ حجابات کا ازالہ شہود کے اعتبار سے ہے نہ کہ وجود کے اعتبار سے۔ اور اُس کے مُناسب اُمور کے بیان میں

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ط

حضرت ذات تعالیٰ و تقدس کے اسماء و صفات اور شیون و اعتبارات کے حجابات کا ازالہ دو قسم ہے ایک ازالہ شہود کے اعتبار سے ہے۔ اور دوسرا وجود کے اعتبار سے۔ ازالہ وجودی محال ہے۔ اور ازالۂ شہودی ممکن بلکہ واقع ہے۔ اگرچہ بہت ہی قلیل اور اخص خواص لوگوں کا حصہ ہے۔ اور وہ جو حدیث میں آیا ہے [۱]

اِنَّ لِلّٰهِ سَبْعِیْنَ اَلْفَ حِجَابٍ مِنْ نُوْرٍ وَّ ظُلْمَةٍ لَوْ کُشِفَتْ لَاَحْرَقَتْ سُبُحَاتُ وَجْهِهٖ مَا انْتَهٰی اِلَیْهِ بَصَرُهٗ مِنْ

بیشک اللہ تعالیٰ کے لئے نور اور ظلمات کے ستر ہزار پردے ہیں۔ اگر وہ اُٹھا دیئے جائیں تو اس کے چہرے کے انوار وہاں تک ہر شے کو

[۱] فتوحات مکیہ، مشکوٰۃ شریف اور اشعۃ اللمعات ترجمہ مشکوٰۃ مختلف الفاظ کے ساتھ۔

خَلْقِہٖ ط جلا دیں۔ جہاں تک اس کی نگاہ پہنچتی ہے۔

اس حدیث میں وارد کشف و ازالہ سے مراد وجودی کشف و ازالہ ہے۔ جو ممتنع ہے۔ اور جو کچھ اس فقیر نے اپنے بعض رسائل میں لکھا ہے۔ کہ حضرت ذات تعالیٰ و تقدس سے تمام حجابات کا ازالہ ہو جاتا ہے تو اس ازالہ سے مراد ازالہ شہودی ہے۔ چنانچہ حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ کسی شخص کو ایسی بصارت عطا فرماتا ہے۔ جس سے وہ حجابات و پردوں کے پیچھے پوشیدہ چیزیں دیکھتا ہے۔ یہاں حجابات و پردوں کا ازالہ شہود کے اعتبار سے ہے۔ تو اسی طرح یہ بھی۔ یہ تو معلوم ہو گیا کہ جو کچھ فقیر نے لکھا ہے۔ حجابات کے عدم ازالہ کی حدیث کے منافی نہیں۔ کیونکہ حدیث میں ایک دوسرے ازالے کا ذکر ہے اور میری تحریر میں ایک دوسرے کا ازالے کا بیان ہے۔ لہٰذا تم شک کرنے والوں میں سے نہ ہو۔

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَۃَ الْمُصْطَفٰی

عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ الصَّلَوٰاتُ وَالتَّسْلِیْمٰتُ الْعُلٰی

مکتوب نمبر ۴۱

شیخ فرید تھانیسری کی طرف صادر فرمایا

اس بیان میں کہ نہایت النہایۃ کے مراتب میں پہنچ کر ایک ایسا مرتبہ سامنے آتا ہے۔ جہاں کا ہر ذرہ تمام دائرہ امکان سے کئی گُنا زیادہ ہوتا ہے۔ اور اُس کے مناسب امور کے بیان میں

اللہ ۔۔۔ کی عنایت اور بصدقہ اس کے حبیب پاک علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نہایت النہایہ کے مراتب کی طرف عروج کے وقت ایک ایسا مرتبہ سامنے آیا۔ جس مقام کا ہر ذرہ تمام دائرہ امکان سے کئی گنا زیادہ تھا۔ پس اگر اس مقام کے ایک ذرے کا سلوک طے کر لیا جائے۔ تو گویا دائرہ امکان سے کئی گنا زیادہ مسافت طے ہو جاتی ہے۔ تو اس شخص کی ترقی کا کیا عالم ہو گا۔ جو اس مرتبہ کی مسافت طویلہ طے کر چکا ہو۔ تو معلوم ہوا کہ دائرہ امکان کی وجوب اور اس سے اوپر کے مراتب کے سامنے کچھ حیثیت نہیں۔ کاش۔ کہ دریائے محیط کے سامنے قطرہ کی حیثیت رکھتا۔ تو لازمی بات ہے کہ اپنے پاؤں کی قوت سے کوچہ دوست میں نہیں پہنچ سکتے اور اپنی آنکھ سے نہیں دیکھ سکتے۔ بادشاہ کی عطاؤں کو اُسی کو سواریاں

اٹھا سکتی ہیں۔

مکتوب نمبر ۴۲

خواجہ جمال الدین حسین ولد مرزا حسین الدین احمد کی طرف صادر فرمایا

صوفیہ کے سیر (باطنی) کو آفاق و انفس میں منحصر کرنے اور ان دو سیروں میں تخلیہ اور تجلیہ ثابت کرنے کے بیان میں اور حضرت ایشاں (حضرت امام ربّانی) قدس سرہ الاقدس کا اس معنی کو اس میں تسلیم نہ کرنا اور نہایت النہایۃ کو انفس و آفاق سے باہر ثابت کرنا بعنایۃ اللہ سُبحانہٗ۔ اور اس کے مناسب باتوں کے بیان میں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ط وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ الْکِرَامِ وَاَصْحَابِہِ الْعِظَامِ مِنْ یَوْمِنَا ھٰذَا اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامِ

فرزند عزیز! اللہ تعالیٰ تجھے دونوں جہاں میں سعادت مند کرے۔ ہوش کے کانوں سے سُن کہ جب سالک درستی نیت اور آرزوؤں سے نجات پانے کے بعد ذکر الٰہی جلّ سلطانہٗ میں مشغول ہوتا ہے۔ اور ریاضات شاقہ اور مجاہدات شدیدہ اختیار کرتا اور تزکیہ حاصل کرتا ہے۔ نیز اوصاف رذیلہ کو اخلاقِ حسنہ سے تبدیل کرتا ہے اور اُسے توبہ و انابت میسّر آتی ہے۔ اور دنیا کی محبت دِل سے باہر نکل جاتی ہے۔ اور صبر و توکل اور رضا حاصل ہوتی ہیں۔ اور ان حاصل شدہ باتوں کو تدریج و ترتیب سے عالم مثال میں مشاہدہ کرتا ہے۔ اور اپنے آپ کو کدورت بشریّہ اور اس کی بُری صفات سے پاک اور مصفّا دیکھتا ہے تو یہی سیر آفاقی ہے۔ جسے وہ اس طرح مکمل طور پر طے کر لیتا ہے۔ اس گروہ صوفیہ میں سے ایک جماعت نے اس مقام میں احتیاط کا راستہ اختیار کیا ہے۔ اور انسان کے سات لطائف میں سے ہر لطیفہ کو عالم مثال میں ان کے مناسب انوار میں سے کسی ایک نور کی صورت میں قرار دیا ہے۔ اور ہر لطیفے کی صفائی کی علامت ان انوار مثالی میں سے کسی نور کے ظہور کو مقرر کیا ہے۔ اور اس سیر کی ابتداء لطیفہ قلب سے کر کے تدریج و ترتیب سے لطیفہ اخفیٰ تک جو منتہائے لطائف ہے، پہنچاتی ہے۔ مثلاً صفائی قلب کی علامت سالک کے لئے اس قلب کو نور سرخ کی صورت میں ظاہر ہونا قرار دیا ہے۔ اور صفائے روح کی علامت نور زرد کی صورت قرار دی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس۔ تو سیر آفاقی کا حاصل یہ ہے۔ کہ سالک اپنے تبدّل اوصاف اور تغیّر اخلاق کو عالم مثال کے آئینوں میں مشاہدہ کرتا ہے اور

لہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو۔

اپنی تاریکیوں اور کدورتوں کا زوال بھی اس عالم میں محسوس کرتا ہے ۔ یہاں تک کہ اُسے اپنی صفائی کا یقین اور اُس کے لئے اپنے تزکیے کے ثبوت کا علم ہو جاتا ہے ۔ اور جب سالک ہر گھڑی اپنے احوال واطوار کو عالمِ مثال میں جو آفاق سے ہے ، مشاہدہ کرتا ہے ۔ اور اس عالم میں اپنے آپ کو ایک ہیئت سے دوسری ہیئت میں منتقل ہوتا دیکھتا ہے ۔ تو گویا اس کی آفاق میں سیر ہوتی ہے ۔ اگرچہ یہ سیر فی الحقیقت سالک کے نفس میں سیر ہوتی ہے ۔ اور اس کے اوصاف و اخلاق میں حرکت کیفی ہے ۔ لیکن جب کہ دوبینی کی وجہ سے اس کا مطمحِ نظر آفاق ہیں نہ کہ انفس ۔ اس لئے یہ سیر بھی آفاق سے منسوب ہو گئی ۔ مشائخ نے اس کے مکمل ہونے کو جو سیر آفاق سے منسوب ہے ۔ سیر الی اللہ کا تمام و مکمل ہونا قرار دیا ہے ۔ اور فنا کو اس سیر سے وابستہ کیا ہے ۔ اور سلوک کو اس سیر سے تعبیر کیا ہے ۔ اس کے بعد جو سیر واقع ہوتا ہے اُسے سیر انفسی کے نام سے موسوم کرتے اور اِسے ہی سیر فی اللہ کہتے ہیں ۔ اور لقا باللہ اسی مقام میں ثابت کرتے ہیں ۔ اور اس مقام میں جذبے کا حصول سلوک کے بعد جانتے ہیں ۔ جب سالک کے لطائف سیرِ اوّل میں تزکیہ حاصل کر لیتے اور بشری کدورتوں سے نجات پا لیتے ہیں ۔ تو اس بات کی قابلیت پیدا کر لیتے ہیں ۔ کہ اسم جامع کے جو اس کا رب ہے ۔ ظلال و عکوس ان لطائف کے آئینوں میں ظاہر ہو جاتے ہیں ۔ اور یہ لطائف اُس اسم جامع کی جزئیات کے ظہورات و تجلیات کے وارد ہونے کی جگہ بن جاتے ہیں

اس سیر کو سیر انفسی اس بنا پر کہتے ہیں ۔ کہ انفس اسما کے ظلال و عکوس کے آئینے بن جاتے ہیں نہ اس بنا پر کہ سالک کی سیر نفس میں ہوتی ہے ۔ جیساکہ سیر آفاقی میں گزرا ہے ۔ کہ آئینہ داری کے اعتبار سے اُسے سیر آفاقی کہا گیا ہے ۔ نہ یہ کہ سیر آفاق میں واقع ہے ۔ اس سیر میں فی الحقیقت اسما کے ظلال کی سیر ہے جو انفس کے آئینوں میں واقع ہوتی ہے ۔ لہذا اس سیر کو سیر عاشق در معشوق کہا گیا ہے ۔

آئینہ صورت از سفر دور است[ل] کاں پذیرائے صورت از نور است

اس سیر کو سیر فی اللہ اس اعتبار سے کہا جا سکتا ہے ۔ کہ مشائخ نے کہا ہے کہ سالک اس سیر میں متخلق باخلاق اللہ ہو جاتا ہے ۔ اور ایک عادت سے دوسری عادت کی طرف انتقال کرتا ہے ۔ کیونکہ

حاشیہ صفحہ ۱۲۴ :- لطیفہ نفس کا نور سفید ، لطیفہ سِر کا نور سبز ، لطیفہ خفی کا رنگ نیلگوں ، اور لطیفہ اخفیٰ کا رنگ سیاہ قرار دیا ہے ۔

ل آئینہ جو صورت قبول کرتا ہے ۔ حرکت و سفر کرنے سے دُور ہے ۔ بلکہ وہ صورت کو اپنی نورانیت کی وجہ سے قبول کرتا ہے ۔

مظہر کو ظاہر کے اوصاف سے تھوڑا بہت حصہ ضرور ملتا ہے۔ تو گویا اللہ تعالیٰ کے اسما میں سیر متحقق ہو گئی۔ یہ ہے اس مقام کی نہایت تحقیق اور اس کلام کی تصحیح۔ صاحبِ مقام کا حال شاید کیا ہو۔ اور کلام سے متکلم کی مراد بھی کیا ہے۔ کیونکہ ہر شخص اپنے فہم اور اپنی دریافت کے مطابق بات کرتا ہے۔ اور بعض اوقات متکلم کلام سے کچھ معنی مراد لیتا ہے۔ اور سننے والا اسی کلام سے کچھ اور سمجھ لیتا ہے۔

مشائخ کرام سیر انفسی کو بے تکلف سیر فی اللہ کہتے ہیں۔ اور اُسے بے تحاشا بقا باللہ کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اور وصل و اتصال کا مقام گمان کرتے ہیں۔ اور یہ اطلاقات فقیر پر بڑے گراں گزرتے ہیں۔ اس بنا و پر ان کی تصحیح و توجیہہ میں حیلے اور تکلفات کا مرتکب ہونا پڑتا ہے۔ ان حیلوں کا کچھ حصہ کلام مشائخ سے ماخوذ ہے۔ اور کچھ افاضہ و ابہام کی راہ سے آیا ہے۔ سیر آفاقی میں گویا اخلاقِ بد سے تخلیہ حاصل ہوا تھا۔ اور اس سیر انفسی میں اخلاقِ حمیدہ سے آراستگی ہوتی ہے۔ کیونکہ تخلیہ مقام فنا کے مناسب اور اس سیر انفسی کی نہایت معلوم نہیں کر سکے۔ اور سالک کی عمر دائمی بھی اگر صرف ہو جائے تو بھی مشائخ نے اس سیر کے ختم نہ ہونے کا حکم کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ محبوب کے اوصاف و شمائل کی نہایت نہیں۔ تو ہمیشہ سالک متعلق کے آئینے میں اس کی صفات میں سے ایک صفت اور اس کے کمالات میں سے کسی نا کسی کمال کا ظہور ہوتا رہے گا۔ لہٰذا سیر کا انقطاع کہاں ہوگا۔ اور اس کی نہایت تک پہنچنا کیسے درست قرار دیا جا سکتا ہے۔ بزرگوں نے فرمایا ہے [1]

گر چہ عمرے تگ زند در خود بود | ذرہ گر بس نیک ور بس بد بود

اور اس فنا و بقا پر جو سیر آفاقی اور انفسی سے حاصل ہوتی ہے۔ ولائت کے اسم کا اطلاق کرتے ہیں اور نہایت کمال یہیں تک جانتے ہیں۔ اس کے بعد اگر سیر واقع ہو تو وہ ان کے نزدیک سیر رجوع ہے۔ جو سیر عن اللہ باللہ سے تعبیر کی جاتی ہے۔ اسی طرح سیر چہارم کو جسے سیر فی الاشیاء باللہ کہتے ہیں۔ نزول و رجوع سے متعلق جانتے ہیں۔ اور ان مشائخ نے ان دو سیروں کو تکمیل و ارشاد کے لئے قرار دیا ہے جس طرح پہلی دو سیروں میں نفسِ ولائت کے حصول و کمال کے لئے ہیں۔ اور مشائخ کی جماعت نے کہا ہے کہ ستر ہزار پردوں کا ذکر جو حدیث میں آیا ہے کہ

اِنَّ لِلّٰہِ سَبْعِیْنَ اَلْفَ حِجَابٍ مِّنْ نُّوْرٍ وَّظُلْمَۃٍ | بیشک اللہ تعالیٰ کے لئے نور و ظلمت کے ستر ہزار پردے ہیں۔

---

[1] ذرہ اگرچہ بہت اچھا یا بہت بُرا ہو۔ ساری عمر تگ و دو کرتا رہے تو بھی اپنے اندر ہی رہتا ہے۔

تو یہ پردے سیر آفاقی میں ہٹتے ہیں۔ کیونکہ لطائف میں سے ہر ہر لطیفہ میں دس دس ہزار پردے دور ہوتے ہیں۔ اور جب وُہ سیر مکمل ہو جاتی ہے۔ تو حجابات بھی سارے کے سارے زائل ہو جاتے ہیں۔ اور سالک سیر فی اللہ سے موصوف ہو جاتا اور مقامِ وصل میں پہنچ جاتا ہے۔ یہ ہے ارباب ولایت کے سیر و سلوک کا حاصل اور خلاصہ اور ان کے کمال و تکمیل کا نسخہ جامعہ۔ اور اس باب میں جو کچھ اس فقیر پر محض فضل و کرم خداوندی جلّ سلطانہٗ سے ظاہر کیا گیا ہے۔ اور جس کے مطابق چلنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اظہارِ نعمت اور شکر عطا کے طور پر فقیر اُسے معرضِ تحریر میں لاتا ہے۔ فَاعْتَبِرُوْا یٰاُولِی الْاَبْصَارِ ط
جان لے۔ اللہ تعالیٰ تجھے نیکی کی توفیق عطا کرے اور سیدھے راستے پر چلائے۔ حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ جو بے مثل و بے کیف ہے۔ جس طرح آفاق سے وراء ہے۔ انفس سے بھی وراء ہے۔ اس لئے سیر آفاقی کو سیر الی اللہ کہنے اور سیر انفسی کو سیر فی اللہ کا نام دینے کے کوئی معنی نہیں بلکہ آفاقی اور انفسی دونوں سیریں، سیر الی اللہ میں داخل ہیں۔ سیر فی اللہ وہ سیر ہے۔ جو آفاق و انفس سے کئی منزلیں دور ہے۔ اور ان سب سے وراء الوراء ہے۔
عجب معاملہ ہے۔ سیر فی اللہ کو انہوں نے سیر انفسی قرار دیا ہے۔ اور اس سیر کو بے نہایت کہا ہے۔ اور عمر ابدی کے ساتھ بھی اس کے طے ہونے کو جائز قرار نہیں دیا جیسا کہ ابھی یہ بیان گزرا۔ اور جب انفس آفاق کی طرح دائرہ امکان میں داخل ہیں۔ تو اس تقدیر پر دائرہ امکان کو طے کرنا ممکن نہ ہوگا۔ تو حرمانِ دائمی اور خسارۂ سرمدی لازم ہوگا۔ اور اس صورت میں فنا کبھی متحقق نہ ہوگی۔ اور نہ بقا متصور ہوگی۔ تو وصل و اتصال اور قرب و کمال کیسے حاصل ہوگا۔ سبحان اللہ جب بزرگ پانی کی بجائے سراب پر کفایت کریں اور الی اللہ کو فی اللہ گمان کریں۔ اور امکان کو وجوب اور چون کو بے چون سے تعبیر کریں تو چھوٹوں اور پست فطرتوں کا کیا گلہ کرے۔ اور ان کے متعلق کیا اظہارِ شکایت کرے۔ اُن پر کیا آفت ٹوٹ پڑی۔ انہوں نے کس اعتبار سے انفس کو حق جلّ و علا کہہ دیا۔ کہ انفس کی سیر کو حد و نہایت کے ہوتے ہوئے بے نہایت گمان کر لیا۔ سالک کے آئینے میں اسماء و صفات واجبی جلّ سلطانہٗ کے ظہور کو اس سیر انفسی میں انہوں نے جو قرار دیا ہے۔ وہ دراصل اسماء و صفات کے ظلال میں سے ایک ظل کا ظہور ہے نہ کہ عین اسماء و صفات کا ظہور۔ جیسا کہ اس معنی کی تحقیق اس مکتوب کے آخر میں انشاء اللہ تعالیٰ آئے گی۔ کیا کروں اور کس طرح جناب قدس تعالیٰ و تقدس کے متعلق علم و تمیز رکھنے کے باوجود اس بے ادبی کو جائز رکھوں اور اُس بلند ذات کے ملک میں اس سبحانہٗ کے غیر کو شریک کروں۔ اگرچہ ان اکابر قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے حقوق اپنے اوپر لازم جانتا ہوں۔ کیونکہ میں کئی طرح سے اُن کا

تربیت یافتہ ہوں۔ لیکن حضرت واجب الوجود جل سلطانہٗ کے حقوق ان سب کے حقوق سے فائق ہیں اور اس کی تربیت دوسروں کی تربیتوں سے اوپر ہے۔ مَیں نے اُس بلند ذات کی حُسنِ تربیت سے اس بھنور سے نجات پائی ہے۔ اور اس بلند ذات کے ملکِ مقدس میں اس پاک ذات کے غیر کو شریک نہیں کیا۔ سب تعریفیں اس اللہ کے لئے جس نے ہمیں اس راہ پر آنے کی ہدایت عطا فرمائی۔ اور اگر اللہ ہماری دستگیری نہ فرماتا تو ہم ہدایت یافتہ نہ ہوتے۔

وہ بلند ذات بے مثل و بے کیف ہے اور جو چیز چونی و چندی کے داغ سے داغدار ہے، اس کی بلند جنابِ قدس سے دُور ہے۔ اس لئے آفاق کے آئینوں اور انفس کی جلوہ گاہوں میں اس پاک ذات کی کوئی گنجائش نہیں۔ اور جو کچھ ان میں ظاہر ہوتا ہے مظاہر کی طرح مثل و کیف میں سے ہوتا ہے۔ پس آفاق و انفس سے آگے گزرنا چاہیئے۔ اور اس پاک ذات کو آفاق و انفس سے باہر تلاش کرنا چاہیئے۔ اور جس طرح دائرہ امکان میں آفاق ہو چاہے انفس اس پاک ذات کی گنجائش نہیں۔ اس کے اسماء و صفات کی بھی گنجائش نہیں ہے۔ اور جو کچھ وہاں ظاہر ہے، بلند اور پاکیزہ اسماء و صفات کے ظلال و عکوس اور ان کا شبہ اور مثال ہے۔ بلکہ اسماء و صفات کی ظلیّت و مثالیت بھی آفاق و انفس سے باہر ہے۔ یہاں آراستہ کرنے اور قدرت منقش کرنے سے زیادہ کچھ نہیں۔ ظہور کس کا اور تجلّی کہاں۔ اس لئے کہ اس ذات پاک کے اسماء و صفات بھی اس کی بلند ذات کی طرح بے مثل و بے کیف اور بے شِبہ اور بے نمونہ ہیں۔ جب تک تو آفاق و انفس سے باہر نہیں نکلے گا۔ اس بُلند ذات کے اسماء و صفات کی ظلیّت کے معنی سے واقف نہ ہوگا۔ تو بُلند و پاکیزہ اسماء و صفات تک وصول کیسے میسّر آسکتا ہے۔

عجائب کاروبار ہے۔ اگر اپنے مکشوفات و معلومات یقینیہ کی بات کروں جو مشائخ کے مذاق کے موافق نہیں۔ اور نہ ان کے مکشوفات کے مطابق ہے۔ تو کون اعتبار کرے گا۔ اور اگر نہ کہوں اور پوشیدہ رکھوں۔ تو حق کو باطل کے ساتھ رُلا مِلا دینے کا مرتکب ہوں گا۔ اور جس چیز کا حق تعالیٰ و تقدس پر اطلاق جائز نہیں۔ اس کے اطلاق کی گنجائش پیدا ہوگی۔ اس لئے ضرورۃً جو حق ہے۔ اور اس بُلند ذات کی جناب قدس کے جو کچھ لائق و مناسب ہے۔ اس کا اظہار کرتا ہوں۔ اور جو کچھ اس سُبحانہٗ و تعالیٰ کی جناب قدس کے نامناسب ہے۔ اس کی نفی کرتا ہوں۔ اور دوسرے کے خلاف کرنے کی پرواہ نہیں کرتا۔ اور نہ مجھے اس کا کچھ غم ہے۔ دوسروں کی مخالفت کا خوف اس وقت ہوتا ہے۔ جب کہ مجھے اپنے معاملے میں تذبذب اور اور شک اور اپنے مکشوف میں اشتباہ ہو۔ جب کہ سپیدہ صبح کی طرح کام کی حقیقت واضح کرتے ہیں۔ اور چودھویں رات کے چاند کی مانند اصل معاملے کو نمایاں کرتے ہیں۔ اور ظلال سے مکمل طور پر

آگے گذار کرلے جاتے اور شبہ و مثال سے بلند لے جاتے ہیں۔ تو اشتباہ کہاں اور تذبذب کیسے رہ سکتا ہے۔

ہمارے حضرت خواجہ قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے۔ کہ صحتِ احوال کی علامت کمال کے حصول کا یقین ہے۔ نیز تذبذب و اشتباہ کی صورت کیسے متحقق ہو سکتی ہے۔ جب کہ اس بلند ذات کی عنایت بے نہایت سے ان بزرگوں کے احوال مقررہ پر تفصیلی اطلاع میسر آچکی ہے۔ اور توحید و اتحاد اور احاطہ و سریان کے معارف مکشوف ہو چکے ہیں۔ اور مکشوف و مشہود کی حقیقت بھی حاصل ہو چکی ہے۔ اور ان کے دقائق علوم و معارف وضاحت سے سمجھ میں آچکے ہیں۔ اور مدت دراز تک اسی مقام میں رہا ہوں۔ اور ان کے قلیل و کثیر یعنی ہر شے سے الاماشاء اللہ تعالیٰ واقف ہو چکا ہوں۔ آخر الامر فضلِ خداوندی جلّ سلطانہٗ سے ظاہر ہوا کہ یہ سب ظلال کے شعبدے ہیں۔ اور شبہ و مثال سے گرفتاری ہے۔ مطلوب ان سب سے وراء الوراء اور مقصود ان سب سے ماسوا ہے۔ تو یہ فقیر مجبوراً سب سے رُخ پھیر کر جناب قدس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اور جو کچھ چونی اور چندی کے داغ سے داغدار ہے۔ اس سے پاک و مبرّا ہو گیا۔

" میں نے اپنا رُخ اس ذات کی طرف کر لیا جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔ میں ہر باطل مذہب سے الگ ہوتا ہوں۔ اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں "

اگر معاملہ اس طرح نہ ہوتا تو میں مشائخ کے خلاف ہرگز لب کشائی نہ کرتا۔ اور ظن و تخمینے سے ان کی مخالفت نہ کرتا۔ اور اگر یہ خلاف واجب تعالیٰ جلّ سلطانہٗ کی ذات و صفات سے متعلق نہ ہوتا۔ اور بات اس بلند ذات کی تنزیہہ و تقدیس کے بارے میں نہ ہوتی تو ان اکابر کے مکشوف کے خلاف میری طرف سے کچھ وقوع میں نہ آتا۔ اور نہ ہی ان کے علوم کی مخالفت میں، میں کچھ کہتا۔ کیونکہ میں کمینہ انہی کی دولتوں کے کھلیانوں کا خوشہ چین ہوں اور ان کی نعمتوں کے دسترخوانوں کا پس خوردہ کھانے والا رذیل ہوں۔ میں مکرر اظہار کرتا ہوں کہ مشائخ کرام ہی ہیں جنہوں نے انواع و اقسام کی تربیتوں سے میری پرورش کی ہے اور مجھے قسم قسم کے کرم و احسان سے نفع پہنچایا ہے۔ لیکن کیا کیا جائے کہ واجب تعالیٰ جلّ سلطانہٗ کے حقوق ان کے حقوق سے فائق ہیں۔ جب بحث اس بلند ہستی کی ذات و صفات کے متعلق چھڑتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اس بلند ذات کی جناب قدس کے لائق بعض امور کا اطلاق درست نہیں۔ تو اس مقام میں خاموشی اختیار کرنا۔ اور دوسرے کے خلاف کچھ کہنے سے ڈرنا دین و دیانت سے دُور ہے۔ اور طاعت و بندگی کا مقام اُسے برداشت نہیں کرتا۔ علماء کا مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ سے اُمور خلافیہ میں اختلاف جیسے مسئلہ وحدت وغیرہ نظر و استدلال کی راہ سے ہے۔ اور فقیر کا اختلاف اُن سے کشف و شہود کے راستے سے

ہے۔ علماء ان اُمور کے قبح کے قائل ہیں۔ اور بشرط عبور ان کے حسن کا قائل ہے

مسئلہ وحدت وجود میں شیخ علاؤ الدولہ کا اختلاف علماء کے طور پر مفہوم ہوتا ہے۔ اور ان کی جانب قبح کی طرف ناظر ہے۔ اگرچہ یہ قبح کشف کے راستے سے آیا ہے۔ کیونکہ صاحب کشف انھیں بُرا نہیں جانتا۔ کیونکہ یہ مسئلہ احوالِ عزیبہ کا متضمن اور معارف عجیبہ پر مشتمل ہے۔ غایۃ مافی الباب اتنی بات ہے کہ اس موطن میں قیام کرنا مستحسن نہیں۔ اور ان احوال و معارف پر اکتفا کرنا مناسب نہیں۔

سوال :۔ اس صورت میں مشائخ کو باطل پر ماننا پڑے گا۔ اور حق اُن کے مکشوف و مشہود کے ماسوا ہو گا

جواب :۔ باطل یہ ہے کہ اس کا صحیح محمل و معنی نہ ہو سکے۔ اور ہمارے اس مسئلہ میں ان احوال و معارف کا منشا حق سُبحانہٗ کی محبت کا غلبہ اور اس بلند ذات کی محبت کا ایسے طور پر غلبہ ہے۔ جو ان کی نظر بصیرت میں ماسوا کا نام و نشان باقی نہیں چھوڑتا۔ اور غیر و غیریت کے اسم و رسم کو نیست اور لاشے کر دیتا ہے۔ اس وقت ناچار سکر اور غلبۂ حال کے باعث ماسوا کو معدوم جانے گا۔ اور حق تعالیٰ کے سوا کسی کو موجود نہ دیکھے گا۔ یہاں باطل کیا چیز ہے اور بطلان کیا۔ یہاں تو حق کا غلبہ اور باطل کا بطلان ہے۔ اور ان بزرگوں نے محبّتِ حق جلّ و علا میں اپنے آپ کو اور اپنے علاوہ ہر شے کو بھی ترک کر دیا۔ اور اپنا اور اپنے غیر کا نام و نشان مٹا دیتے ہیں۔ نزدیک ہے کہ باطل ان کے سایہ سے بھی دُور بھاگے۔ یہاں سب حق ہے اور حق کیلئے ہے۔ علماء ظاہر بین ان کی حقیقت سے کیا پا سکتے ہیں۔ اور مخالفت کے سوا اور کیا سمجھ سکتے ہیں۔ اور ان کے کمالات سے کیا حاصل کرتے ہیں۔ گفتگو اس میں ہے کہ ان احوال و معارف کے علاوہ کچھ ایسے کمالات بھی ہیں۔ جن کے سامنے یہ احوال و معارف دریائے محیط کے سامنے قطرے کی حیثیت رکھتے ہیں۔

آسمان نسبت بعرش آمد فرود[1] ورنہ بس عالیست پیش خاک تود

ہم اصل بات کی طرف آتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ حجابات کے زائل ہونے کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے۔ کہ سیر آفاقی میں ظلمانی اور نورانی حجابات مکمل طور پر اُٹھ جاتے ہیں جیسا کہ گذرا، فقیر کے نزدیک یہ بات محلِ خدشہ ہے۔ بلکہ اس کے خلاف ثابت و مشہود ہو چکا ہے۔ کہ ظلمانی حجابات کا اُٹھنا تمام مراتب امکان کے طے ہونے سے وابستہ ہے۔ جو سیر آفاقی و انفسی سے میسّر آ جاتا ہے۔ لیکن نورانی،

---

[1] اگرچہ آسمان عرش کی نسبت نیچے ہے۔ لیکن تودہ خاک کی نسبت بہت بُلند ہے۔

حجابات کا اٹھنا واجب تعالیٰ و تقدس کے اسماء و صفات کی سیر سے مربوط ہے۔ یہاں تک کہ اس کی نظر میں نہ اسم باقی رہے نہ صفت۔ نہ شان باقی رہتی ہے نہ اعتبار۔ تو اس وقت اس کے لئے تمام نورانی حجابات اُٹھنے میسر آجاتے ہیں۔ تو وہ وصل عریانی سے مشرف ہو جاتا ہے۔ اگرچہ یہ وصل حصول میں بہت کم اور یہ واصل بہت نادر الوجود ہے۔ پس سیر آفاقی میں معلوم نہیں کہ نصف ظلمانی حجابات اُٹھتے ہوں۔ نورانی حجابات کے اُٹھنے کی وہاں کیا صورت ہو سکتی ہے۔ غایۃ ما فی الباب اتنی بات ہے کہ ظلمانی حجابات کے مراتب مختلف ہیں۔ جو اشتباہ کا سبب بن جاتے ہیں۔ کیونکہ مثلاً ظلمت میں نفسانی حجابات قلبی حجابات سے اوپر ہیں۔ تو قلیل الظلمۃ شخص اپنے آپ کو نسبتاً نورانیت کے عنوان سے ظاہر کرتا ہے۔ اور ظلمانی حجابات نورانی حجابات کی شکل میں متخیل ہوتے ہیں۔ حالانکہ ظلمانی ظلمانی ہے اور نورانی نورانی۔ تیز نگاہ والا ایک کو دوسرے سے خلط ملط نہیں ہونے دیتا۔ اور اشتباہ کے سبب کو پا لینے کی وجہ سے ظلمت پر نور کا حکم نہیں لگاتا " یہ اللہ کا فضل ہے۔ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ اور اللہ فضل عظیم والا ہے " اور جس طریقے پر اس فقیر کو چلانے سے مشرف کیا گیا ہے۔ ایسا راستہ ہے جو جذبہ و سلوک کا جامع ہے۔ اور وہاں تخلیہ اور تجلیہ آپس میں اکٹھے اور اس مقام میں تصفیہ و تزکیہ آپس میں ملے ہوئے ہیں اور اس میں سیر انفس، سیر آفاق کو متضمن ہے عین تصفیہ میں تزکیہ ہے اور عین تجلیہ میں تخلیہ اور جذبہ سلوک کو فراہم کرتا اور انفس آفاق کو شامل ہیں۔ لیکن تقدم ذاتی تجلیہ اور جذبہ کو شامل ہے۔ اور تصفیہ کو تزکیہ پر سبقت ذاتی ہے۔ اور ملحوظ نظر انفس ہیں نہ کہ آفاق۔ پس لازماً اس طریق میں راہ اقرب ہو گئی۔ اور سالک وصول میں نزدیک تر ہو گیا۔ بلکہ ہم کہتے ہیں کہ یہ طریق یقیناً منزلِ مقصود تک پہنچانے والا ہے۔ اور اس میں عدمِ وصول کا احتمال مفقود ہے۔ حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ سے استقامت کی درخواست اور فرصت طلب کرنی چاہیئے۔ اور وہ جو میں نے کہا ہے۔ کہ یہ طریق یقیناً پہنچانے والا ہے۔ اس لئے کہا ہے۔ کہ اس راہ کا پہلا قدم جذبہ ہے۔ جو وصول کی دہلیز ہے اور رُک جانے کے مواقع یا منازل سلوک ہیں یا مقامات جذبات ہیں جو سلوک کو متضمن نہیں۔ اور اس طریق میں دونوں موانع مرتفع ہیں۔ کیونکہ سلوک طفیلی ہے۔ جو جذبہ کے ضمن میں حاصل ہوتا ہے۔ پس یہاں نہ سلوک خالص ہے نہ محض جذبہ تاکہ سدِّ راہ بنے۔ یہ وہ طریقہ ہے۔ جو انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی شاہراہ ہے۔ یہ بزرگ (انبیاء علیہم السلام) اسی راستے سے اپنے مختلف مراتب کے مطابق منازل وصول تک پہنچے ہیں۔ اور انہوں نے آفاق و انفس کو ایک قدم میں طے کیا اور دوسرا قدم آفاق و انفس سے باہر جا رکھا ہے اور معاملے کو سلوک اور جذبہ سے اوپر لے گئے ہیں۔ اس لئے کہ سلوک کی نہایت سیر آفاقی کی نہایت تک ہے۔ اور جذبے کی نہایت سیر انفسی کی نہایت تک۔ اور جب سیر آفاقی اور انفسی نہایت کو پہنچ گئی یہ سلوک

وجذبہ کا معاملہ مکمل ہوگیا۔ اس کے بعد نہ سُلوک ہے نہ جذبہ۔ یہ معنی ہر مجذوب سالک اور ہر سالک مجذوب کی سمجھ میں نہیں آسکتا۔ اس لئے کہ ان کے نزدیک آفاق و انفس کے باہر قدم رکھنے کی کوئی جگہ نہیں گر بالفرض ابدی عمر پائیں۔ تو ساری کی ساری سیر انفس میں صرف کردیں گے۔ اور پھر بھی اُسے تمام نہ کرسکیں گے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں ؎

ذرہ گر بس نیک ور بس بد بود   گرچہ عمرے تگ زند در خود بود

جیساکہ گذرا۔ اور ایک دوسرے بزرگ فرماتے ہیں۔ کہ ذات کی تجلی متجلیٰ لہٗ کی صورت میں ہی ہوسکتی ہے۔ پس متجلیٰ لہٗ نے اپنی صورت کے سوا حق کے آئینہ میں کچھ نہیں دیکھا۔ اور اس نے حق کو نہیں دیکھا اور نہ ہی ممکن ہے کہ اُسے دیکھ سکے۔

جاننا چاہیئے کہ میرے پیر اور بخدا میرے رہنما جن کے توسّل سے مَیں نے اس راستے میں آنکھیں کھولی ہیں اور اُنکے توسّط سے طریقت میں لب کشائی کی ہے۔ اور طریقت میں الف و با کا سبق انہی سے لیا ہے۔ اور مولویت کا ملکہ بھی مَیں نے انہی کی توجہ شریف سے حاصل کیا ہے۔ اگر مجھ میں علم ہے تو انہی کی طفیل اور اگر معرفت ہے تو وہ بھی انہی کے التفات کا اثر ہے۔ مَیں نے اندراج النہایہ فی البدایہ کا طریقہ انہی سے سیکھا ہے۔ اور قیومیت کے طریقہ پر نسبتِ انجذاب بھی انہی سے اخذ کی ہے۔ اور ان کی ایک نگاہ سے مَیں نے وہ کچھ دیکھا ہے۔ کہ لوگ چالیس دن کے چلہ میں بھی نہیں دیکھ سکتے۔ اور اُن کے ایک التفات سے مَیں نے وہ کچھ پایا کہ دوسرے سالہا سال میں بھی حاصل نہیں کرسکتے [1]

آنکہ بہ تبریز یافت یک نظر شمس دین   طعنہ زند بر دہ سخرہ کند بر چلہ

اچھا کہا ہے جس نے کہا ہے [2]

نقشبندیہ عجیب قافلہ سالار اند   کہ برند از رہِ پنہاں بحرم قافلہ را

ان نقشبندی بزرگوں نے علوِ فطرت اور بُلند ہمّت کی بناء پر طریقت کی ابتداءِ سیر انفسی سے قرار دی ہے۔ اور سیر آفاقی کو اس کے ضمن میں طے کیا ہے۔ ان بزرگوں کی عبارات میں "سفر در وطن" اسی سیر سے کنایہ ہے۔ ان بزرگوں کے طریق میں راہ بہت قریب اور وصول بہت نزدیک ہے۔ اور

---

[1] شمس دین نے تبریز میں جو کچھ ایک نگاہ میں پایا۔ وہ دس روزہ خلوت پر طعنہ زن اور چالیس روزہ چلے کا مذاق اڑاتا ہے۔

[2] نقشبندی بزرگ عجیب قافلہ سالار ہیں۔ کہ پوشیدہ راستے سے قافلے کو حرم تک پہنچا دیتے ہیں۔

دوسروں کی سیر کی نہایت ان بزرگوں کی ابتداء ہے۔ اس لئے انہوں نے فرمایا ہے "ہم نہایت کو بدایت میں درج کرتے ہیں۔ الغرض تمام طرق مشائخ قدس اللہ تعالیٰ اسرار جمیعہم کے درمیان ان بزرگوں کا طریقہ بہت بلند ہے۔ اور یہ کہنا روا ہے کہ دوسروں کی اکثر آگاہیوں سے ان کا حضور اور ان کی آگاہی فائق اور ارفع ہے۔ اسی بناء پر انہوں نے فرمایا ہے۔ کہ ہماری نسبت تمام نسبتوں سے بلند ہے اور اس نسبت سے مراد ان کی یہی حضور و آگاہی ہے۔ لیکن چونکہ ولایت اولیاء کی قدم گاہ و گذر گاہ آفاق و انفس اور سلوک و جذبہ کے ماوراء اور ماسوا نہیں اس بناء پر مجبوراً ان بزرگوں نے آفاق و انفس سے باہر کی خبر نہیں دی اور جذبہ و سلوک سے اوپر کے متعلق گفتگو نہیں کی۔ یہ بزرگ کمالات ولایت کے اندازہ کے مطابق فرماتے ہیں "اہل اللہ فنا و بقا کے بعد جو کچھ دیکھتے ہیں اپنے اندر دیکھتے ہیں۔ اور جو کچھ سنتے ہیں اپنے اندر سنتے ہیں۔ اور ان کی حیرت اپنے وجود میں ہوتی ہے۔

وَفِیْ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ — اور تمہارے اندر ہے کیا تم نہیں دیکھتے

اللہ سبحانہٗ کی حمد اور اس کا احسان ہے کہ ان بزرگوں نے اگرچہ انفس سے باہر کی خبر نہیں دی۔ تاہم انفس میں گرفتار بھی نہیں ہیں۔ چاہتے ہیں کہ انفس کو بھی آفاق کی طرح لا کے نیچے لائیں اور غیرتیت کی وجہ سے اس کی بھی نفی کر دیں۔ حضرت خواجہ بزرگ قدس سرہٗ فرماتے ہیں "جو کچھ دیکھا گیا ہے یا سنا گیا یا جانا گیا سب غیر ہے اور کلمہ لا کی حقیقت اس کی نفی کرنی چاہیئے[1]

نقش بند ند و لے بند بہر نقش نیند — ہر دم از بوالعجبی نقش دگر پیش آرند

نقشبند اندے ولیک از نقش پاک[2] — نقش ما ہم گرچہ پاک از لوح خاک

یہاں ایک سِرّ ہے جاننا چاہیئے کہ غیرتیت کی نفی کرنا اور ہے اور غیرتیت کا خود بخود منتفی ہو جانا امر دیگر۔ ان دونوں میں بہت فرق ہے۔ اور میں نے جو کہا ہے۔ کہ ولایت کے لئے جذبہ و سلوک اور آفاق و انفس سے باہر قدم گاہ نہیں۔ اس لئے کہا ہے کہ ولایت کے ان ارکانِ اربعہ سے اوپر کمالاتِ نبوت کے مبادی اور مقدمات ہیں۔ کہ ولایت کے ہاتھ اس بلند و بالا درخت تک نہیں پہنچ سکتے۔ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے اکثر اصحاب اور اصحاب کے علاوہ امتیوں میں سے بہت کم لوگ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات والتحیات کی تبعیت و وراثت کے طور پر اس دولت سے مستفید

---

[1] نقشبند کہلاتے ہیں۔ مگر کسی نقش میں بند نہیں ہیں۔ اپنے کمال اور بوالعجبی سے ہر ساعت نہایت عمدہ نقش پیش کرتے ہیں۔
[2] نقشبند کہلاتے ہیں۔ لیکن ہر نقش سے پاک ہیں۔ اگرچہ ہمارا نقش بھی لوح خاک سے پاک ہے۔

ہوئے ہیں - اور جذبہ و سلوک کی شاہراہ کے ذریعے دوری کے منازل طے کر کے سلوک و جذبہ سے بالاتر قدم رکھا ہے اور دائرہ ظلال سے مکمل طور پر باہر نکل کر انفس کو آفاق کی طرح پیچھے چھوڑ دیا ہے اور اس مقام میں تجلی برقی ذاتی جو دوسروں کو لمحہ کے لئے چمکنے والی بجلی کی طرح نصیب ہوتی ہے - ان کو دائمی طور پر حاصل ہے - بلکہ اُن بزرگوں کا معاملہ تجلّی سے اوپر ہے چاہے برقی ہو چاہے غیر برقی - کیونکہ تجلّی بھی ایک طرح کی ظلیت چاہتی ہے - اور ظلیت کا ایک نقطہ بھی ان بزرگوں پر عظیم پہاڑ کی طرح بھاری ہے - ان بزرگوں کے کام کی ابتدا جذب و محبت الٰہی جلّ سلطانہٗ سے اور جب خداوند جلّ سلطانہٗ و عَظُمَ شَانُہٗ کی عنایت بے نہایت سے یہ محبت ساعت فساعت غلبہ کرتی چلی جاتی ہے - اور قوت و تسلّط پیدا کر لیتی ہے - تو ناچار ماسوا کی محبت درجہ بدرجہ رُو بزوال ہوتی چلی جاتی ہے - اور اغیار سے گرفتاری کا تعلق بتدریج ہٹتا چلا جاتا ہے - اور جب کسی صاحبِ دولت سے محبتِ خداوندی جلّ سلطانہٗ کے غلبہ کے باعث ماسوا کی محبت بالکل زائل ہو جاتی ہے - اور اس کی جگہ جنابِ قدس خداوندی کی محبت و گرفتاری لے لیتی ہے - تو لازماً اوصافِ رذائل اور اخلاقِ ردیہ پورے طور پر اُس سے دُور ہو جاتے ہیں - اور وہ اخلاقِ حمیدہ سے آراستہ ہو جاتا ہے - اور مقاماتِ عشرہ[1] سے موصوف ہو جاتا ہے - اور جو کچھ سیر آفاقی سے تعلق رکھتا تھا بے مشقّت سلوک و تعفیں اور بے ریاضات و مجاہداتِ شدیدہ میسر آجاتا ہے - کیونکہ محبت محبوب کی اطاعت کا تقاضا کرتی ہے - اور محبت کمال کو پہنچ گئی اطاعت پورے طور پر حاصل ہو گئی - اور جب محبوب کی اطاعت بر وجہ اتم قوتِ بشری کے اندازہ کے مطابق حاصل ہو گئی تو مقاماتِ عشرہ بھی حاصل ہو گئے - نیز اسی سیر محبوبی کے ساتھ جس طرح سیرِ آفاقی میسّر ہو گئی - سیر انفسی بھی انتہا کو پہنچ گئی - کیونکہ مخبر صادق علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے -

[2] اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ   آدمی اس کے ساتھ ہے - جس سے اُسے پیار ہے -

اور جب کہ محبوب آفاق و انفس سے ماوراء ہے - محبّ کو بھی تقاضا معیّت کے مطابق آفاق و انفس سے آگے نکلنا چاہیے - اس لئے لازماً سیر انفسی کو بھی پیچھے چھوڑتا ہے - اور معیّت کی دولت حاصل کرتا ہے پس یہ بزرگ دولتِ معیّت کی وجہ سے نہ تو آفاق سے سروکار رکھتے ہیں نہ انفس سے - بلکہ آفاق و انفس ان کے کاروبار کے تابع ہے - اور سلوک و جذبہ ان کے معاملے کا طفیلی - ان بزرگوں کا سرمایہ محبت ہے

---

[1] یعنی توبہ ، صبر ، شکر ، زہد ، توکّل ، قناعت اور رضا وغیرہ

[2] بخاری و مسلم شریف -

جسے محبوب کی اطاعت لازم ہے۔ اور محبوب کی اطاعت شریعت کی بجا آوری سے وابستہ ہے۔ علی صاحبھا الصّلوٰۃ والسلام والتحیۃ۔ جو اس کا پسندیدہ دین ہے۔ لہٰذا کمالِ محبّت کی علامت شریعت کی کمال بجا آوری کو قرار دیا گیا ہے۔ اور شریعت کی کامل طور پر بجا آوری علم، عمل اور اخلاص سے وابستہ ہے۔ ایسا اخلاص جو تمام اقوال واعمال اور جمیع حرکات و سکنات میں پایا جائے۔ جو مُخلَصین بفتح لام کا حصّہ ہے۔ مخلِصین بکسر لام اس امر دشوار کو کیا پا سکتے ہیں "مخلصین بڑے خطرے میں ہیں" کا مقولہ آپ نے سُنا ہوگا

اب ہم اصل بات کی طرف آتے اور کہتے ہیں۔ کہ سیر و سلوک اور جذبہ و تصفیہ سے مقصود اخلاق رَدیّہ اور اوصافِ رذیلہ سے نفس کی تطہیر اور پاکیزگی ہے۔ کہ ان تمام رذائل اور اخلاق ردیّہ کی رئیس اور سردار نفس، اس کی مرادوں اور اس کی خواہشات کے حصول میں گرفتار رہنا ہے۔ اس لئے سیر الفنسی سے چارہ نہیں اور نہ صفات ذمیمہ سے صفات حمیدہ کی طرف (اس کے بغیر) گذر ہو سکتا ہے۔ اور سیر آفاقی مقصود سے خارج ہے۔ کوئی مفید غرض اس سے متعلق نہیں ہے۔ کیونکہ آفاق سے گرفتاری انفس سے گرفتاری کے واسطے سے ہے اس لئے کہ جس چیز سے بھی انسانی دوستی ہے۔ اپنے آپ سے دوستی کی وجہ سے ہے۔ اور اگر انسان مال و اولاد سے محبت کرتا ہے۔ اپنے نفع اور فائدے کے لئے کرتا ہے۔ اور جب سیر الفنسی میں حق جلّ و علا کی محبّت کے غلبہ کے باعث اپنی ذات سے دوستی زائل ہو گئی تو اس کے ضمن میں مال و اولاد سے دوستی بھی زائل ہو گئی۔ پس سیر الفنسی تو ضروری ہے اور سیر آفاقی طفیلی طور پر اس کے ضمن میں میسّر آ جاتی ہے۔ اسی لئے انبیاء علیہم الصّلوات والتسلیمات کی سیر الفنس میں منحصر تھی۔ اور آفاقی طفیلی طور پر ضمن میں طے ہو جاتی تھی۔ ہاں سیر آفاقی بھی اچھی چیز ہے۔ اگر اس کے طے کرنے کی فرصت دیں۔ اور رکاوٹوں کے درمیان میں حائل ہونے کے بغیر ہی انجام تک پہنچا دیں۔ اور اگر اس کے طے کرنے کی فرصت نہ دیں اور رکاوٹوں میں مبتلا کر دیں تو نزدیک ہے۔ کہ سیر آفاقی لایعنی کاموں میں شمار ہو جائے اور حصولِ مطلوب کے موانع میں داخل ہو جائے۔ سیر الفنسی جس قدر طے ہو سکے غنیمت ہے۔ کیونکہ یہ بدی سے نیکی کی طرف جانا ہے۔ نعمتِ عظیم ہے۔ اگر اس سیر کو بندہ انجام تک لے جائے۔ اور دائرہ انفس سے باہر ٹہلنا شروع کر دے۔ کیا ضرورت ہے کہ (سالک) تلونیات نفس کو آفاق کے آئینہ میں مشاہدہ کرے۔ اور اپنے تغیرات کا آفاق میں معائنہ کرے جس طرح اپنے صفائے قلب کو مثلاً آئینہ مثال میں معلوم کرے اور اسی صفائی کو نور سُرخ کی صورت میں بھی دیکھے۔ اپنی قوتِ باطن کو کیوں کام میں نہیں لاتا۔ اور اس کی صفائی کو اپنی فراست کے سپرد کیوں نہیں کرتا۔ مثال مشہور ہے۔ کہ بارہ سالہ لڑکے کو طبیب کی کیا حاجت ہے۔ کیونکہ سالک اپنے وجدان صحیح سے اپنے احوال کی تلونیات کو پالے گا۔ اور فراست سے ہی اپنی صحت و سقم کو معلوم کرلے گا۔ ہاں یہ بات ضرور

ہے کہ سیرِ آفاقی میں عُلوم ومعارف اور تجلیات وظہورات بہت ہیں۔ لیکن ان سب کا رجوع ظلال کی طرف ہے۔ اور شِبہ ومثال سے تسلی گیر ہونے کی بات ہے۔ جب کہ سیرِ انفسی بھی ظلال سے تعلق رکھتی ہے جیسا کہ (میں نے) رسائل ومکاتیب میں اس کی تحقیق کی ہے۔ تو چاہیئے کہ سیرِ آفاقی ظِلُ الظل سے متعلق ہو۔ کیونکہ آفاق انفس کے لئے ظِل کی طرح اور اس کے ظہور کا آئینہ ہے۔

جاننا چاہیئے کہ انفس کے احوال کو جو آفاق کے آئینے میں مشاہدہ کرتے اور صفا وتجلیہ کو وہاں سے معلوم کرتے ہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے۔ جیسے کوئی شخص خواب یا واقعہ میں عالم مثال کے اندر اپنے آپ کو بادشاہ یا قطب بنا ہوا دیکھے۔ فی الحقیقت وہ شخص نہ بادشاہ ہے نہ قطب۔ بادشاہ اور قطب وہ ہیں جو خارج میں ان دو مرتبوں سے مشرّف ہیں۔ غایۃ مافی الباب اتنی بات ہے۔ کہ اس خواب اور اس واقعہ سے دیکھنے والے کے بادشاہ یا قطب بننے کی استعداد معلوم ہوتی ہے۔ سخت جان ماری کی ضرورت ہے تاکہ معاملہ قوت سے فعل اور گوش سے آغوش تک پہنچ سکے۔ اور جس کے بارے میں ہم گفتگو کر رہے ہیں۔ اس میں تزکیہ اور تجلیہ سیرِ انفسی سے وابستہ ہے۔ کیونکہ سیرِ آفاقی میں جو کچھ دیکھا ہے وہ تزکیہ وتجلیہ کی استعداد وقابلیت ہے پس خارج میں اپنے آپ کو سیرِ انفسی کے ساتھ مزکیّٰ اور مطہر نہیں دیکھ سکتا۔ اور صرف وجدان سے اپنے آپ کو مصفا نہیں پاسکتا۔ فی الحقیقت فنا سے اُسے کچھ حصہ حاصل نہیں۔ اور مقامات عشرہ کے ساتھ موصوف ہونے سے بے بہرہ ہے۔ اور اطوارِ سبعہ[1] سے چھلکے کے سوا اس کے ہاتھ میں کچھ نہیں آیا۔ پس ناچار سیرِ انفسی سیر الی اللہ میں داخل ہوگئی اور سیر الی اللہ کا تمام ہونا جو مقام فنا ہے، سیرِ انفسی کے تمام ہونے کے ساتھ وابستہ ہے۔ اور سیر فی اللہ کی جو گئی مراحل سیرِ انفسی کے بعد یہ صورت سامنے آتی ہے[2]

كَيْفَ الْوُصُوْلُ اِلٰى سُعَادَ وَدُوْنَهَا ۔۔۔ قُلَلُ الْجِبَالِ وَدُوْنَهُنَّ حُيُوْفُ

اے سعادت کے آثار والے! سیرِ انفسی میں علمی اور حُبّی تعلق جو ذات سالک سے منسوب تھا، زائل ہوگیا۔ اور جو گرفتاری اُسے اپنی ذات سے تھی، اُٹھ گئی تو دوسروں کی گرفتاری بھی اس کی ذات سے گرفتاری، کے زوال کے ضمن زائل ہوگئی۔ کیونکہ دوسروں کے ساتھ گرفتاری اپنی ذات کے ساتھ گرفتاری کے واسطہ سے تھی۔ جیسا کہ اس کی تحقیق اوپر مذکور ہوئی۔ پس یہ بات درست ہوگئی۔ کہ سیرِ آفاقی سیرِ انفسی کے ضمن میں طے

---

[1] یعنی عالم خلق وامر کے سات لطائف کے حالات۔

[2] سُعاد معشوقہ تک پہنچنا کس طرح ممکن ہے۔ جب کہ اس کے اور میرے درمیان پہاڑوں کی بلند چوٹیاں اور دشوار گذار پگ ڈنڈیاں واقع ہیں۔

ہو جاتی ہے ۔ اور سالک اس ایک سیر کے ساتھ ہی اپنی ذات کے ساتھ گرفتاری اور دوسروں کی گرفتاری سے نجات پا جاتا ہے ۔ تو اس کے اندازے کے مطابق سیر انفسی اور سیر آفاقی کے معنی کی تحقیق درست ہو گئی کیونکہ فی الحقیقت سیر انفس میں ہوتی ہے ۔ لیکن وہی سیر آفاق میں بھی ہے ۔ اس لئے کہ بتدریج انفس سے تعلقات قطع کرنا انفس میں سیر ہے ۔ اور سیر انفسی کے ضمن میں آفاق سے قطع تعلقات کی جو صورت بنتی ہے ۔ وہ آفاق میں سیر ہے ۔ بخلاف دوسروں کی سیر آفاقی اور سیر انفسی کے ۔ کیونکہ وہ تکلف کی محتاج ہے جیسا کہ گذرا ۔ ہاں ہاں جہاں حقیقت ہے وہاں تکلف سے آزادی ہے وَاللہُ سُبْحَانَہُ الْمُوَفِّق ،

مُن پھر مُن ! کہ سیر انفسی میں سالک کے آئینے میں واجب تعالیٰ جل سلطانہٗ کے اسماء و صفات کا ظہور جو کہا گیا ہے سے تجلیہ بعد از تخلیہ کا خیال کیا گیا ہے وہ فی الحقیقت اسماء و صفات کا ظہور نہیں ہے اور نہ ہی تجلیہ بعد از تخلیہ ہے ۔ بلکہ وہ ظہور اسماء و صفات کے ظلال میں سے کسی ظل کا ظہور ہے جو تخلیہ کا سبب ظہور ہے اور تزکیہ اور تصفیہ کو آسان کرنے والا ہے ۔

اس کی تفصیل یوں ہے ۔ کہ ابتدا حضرت حق تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے ۔ جو مبدائیت کے مناسب ہے ۔ طالب کے آئینے میں اولاً مطلوب کے ظلال میں سے کسی ظل کا ظہور ہوتا ہے ۔ تاکہ طالب کی تاریکیوں اور اس کے میل کچیل کو دور کر دیں ۔ اور اُسے تزکیہ اور تصفیہ حاصل ہو ۔ تاریکیوں کے دُور ہونے اور تزکیہ اور تصفیہ کے حاصل ہونے کے بعد جو مکمل طور پر سیر انفسی سے وابستہ ہے تخلیہ کی صورت بنتی ہے ۔ اور تجلیہ کی استعداد پیدا ہوتی ہے واجب تعالیٰ جل سلطانہٗ کے اسماء و صفات کے ظہور کے قابل ہوتا ہے ۔ لہٰذا سیر انفسی میں تخلیے کو حاصل کیا جاتا ہے ۔ جو تزکیہ و تصفیہ سے وابستہ ہے ۔ اور جس تخلیے کا وہم سیر آفاقی میں ہوا تھا ۔ وہ تخلیے کی صورت تھی نہ کہ حقیقت تخلیہ تاکہ سیر انفسی میں ہی حصول تخلیہ اور ظہور متصور ہو ۔ جیسا کہ مشائخ نے کہا ہے ۔ اس بیان سے لازم آیا ۔ کہ ظلی وابستگی گسستن ، (تعلقات توڑنے) پر مقدم ہے ۔ جب تک مطلوب کے ظلال میں سے کوئی ظل سالک کے آئینے میں منعکس نہ ہو ، غیر مطلوب سے قطع تعلق متصور نہیں ہوتی ۔ لیکن اصل سے وابستہ ہونا گسستن قطع تعلق کے بعد ہے ۔ لہٰذا مشائخ میں سے جنہوں نے پیوستن کو مقدم رکھا ہے ۔ تو اس سے ظلی پیوستگی مراد لینی چاہیئے ۔ اور جنہوں نے گسستن کو پیوستن پر مقدم کیا ہے ۔ تو اس سے اصل سے پیوستگی مراد لی جائے تاکہ فریقین کی نزاع لفظی بن جائے ۔

اور شیخ ابو سعید خراز قدس سرہٗ اس مقام میں متوقف ہے ۔ وہ کہتا ہے " تا نرہی نیابی تا نیابی نرہی ندانم کدام پیش بود " ، یعنی جب تک قطع تعلق نہ کرے گا ۔ مقصود نہ پائے گا اور جب تک مقصود کو نہ

پائے گا۔ غیر سے قطع تعلقی میں کامیاب نہ ہوگا۔ میں نہیں جانتا کہ ان دونوں میں سے پہلے کس کا وقوع ہوتا ہے معلوم ہوگیا کہ ظل کی یافت تعلقات سے آزاد ہونے کے بعد ہے اور اصل کی یافت آزاد ہونے کے بعد۔ لہذا کوئی اشتباہ نہ رہا۔ جس طرح صبح کے وقت طلوع آفتاب سے پہلے سورج کے انوار کے ظلال کا ظہور ہوتا ہے۔ تاکہ عالم کو ظلمات سے خالی کرے اور صفائی عطا کرے ظلمات کے زوال اور صفائی کے حصول کے بعد نفس آفتاب کا طلوع ہوتا ہے۔ اس لئے آفتاب کے ظل کا ظہور ظلمات کے زوال سے پہلے ہے۔ اور نفس آفتاب کا طلوع ظلمات کے زائل ہونے کے بعد ہے۔ بادشاہوں کا جلوہ نما ہونا تخلیہ اور تصفیہ کے بعد مناسب ہوتا ہے۔ اگرچہ تخلیہ اور تصفیہ اُن کے مقدمۃ الجیش کے طلوع کے بغیر متصوّر نہیں ہے۔ تو حق ظاہر ہوگیا اور جھگڑا ختم ہوگیا اور اشتباہ دور ہوگیا۔

" وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْمُلْهِمُ "

مکتوب نمبر ۴۲

مولانا محمد افضل کی طرف صادر فرمایا

اس معنی کے بیان میں کہ اس بارگاہ میں ذوقِ یافت ہے، یافت نہیں اور اندراج النہایۃ فی البدایہ کے معنی میں جو اس بلند طریقہ کا خاصہ ہے اور ان کی دوسرے طریقوں پر افضلیت، اور اس کے مناسب امور کے بیان میں

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

اس بلند طریقہ کے مشائخ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی عبارات میں واقع ہوا ہے۔ کہ اس حضرت جل سلطانہ میں ذوق یافت ہے نہ کہ یافت۔ یہ بات نہایت کے بدایت میں اندراج کے مناسب ہے۔ جو ان بزرگوں کے جذبہ خاص کے مقام کے مناسب ہے۔ اس مقام میں یافت کی حقیقت ہے کیونکہ وہ انتہا کے ساتھ مخصوص ہے۔ لیکن جب کہ نہایت کو بدایت میں درج کرنے کی چاشنی ان بزرگوں نے اس میں ڈال دی ہے۔ اس لئے ذوقِ یافت یہاں میسّر آجاتا ہے۔ اور جب جذبہ سے معاملہ باہر آتا ہے اور ابتدا سے وسط میں آتا ہے۔ تو ذوقِ یافت بھی یافت کی طرح عدم کی جانب رخ کر لیتا ہے۔ نہ یافت رہتی ہے اور ذوق یافت۔ اور جب کام نہایت تک پہنچتا ہے تو یافت میسّر آجاتی ہے۔ اور

ذوق یافت مفقود ہو جاتا ہے۔ اور جب منتہی کے حق میں ذوق یافت مفقود ہے تو التذاذ اور حلاوت بھی اس کے حق میں کمتر ہے۔ منتہی ذوق و حلاوت کو اوّل قدم میں ہی چھوڑ چکا ہے۔ اور آخر کار بے حلاوتی اور بے مزگی کے گوشہ گمنامی چلا جاتا ہے [۱]

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمَ وَبَارَكَ مُتَوَاصِلُ الْحُزْنِ دَائِمُ الْفِكْرِ ؕ	رسول اللہ صلے اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہ وسلم و بارک ہمیشہ غمگین اور متفکر رہتے تھے

سوال :۔ جب منتہی کو مطلوب کی یافت میسر آگئی تو ذوق یافت کیوں مفقود ہو گیا۔ اور مبتدی جب کہ یافت سے بے بہرہ ہے تو اُسے ذوقِ یافت کہاں سے میسر آگیا۔

جواب :۔ یافت کی دولت منتہی کے باطن کے لئے ہے۔ جس سے اپنے ظاہر سے تعلق منقطع کرنے سے مشرف ہوا ہے۔ اور جب اس کے باطن کو اس کے ظاہر سے تعلق بہت کم رہ گیا ہے تو لازماً باطنی نسبت ظاہر میں سرایت نہیں کرتی اور باطن کی یافت سے ظاہر کو کچھ ذوق و لذت نصیب نہیں ہوتی پس منتہی کے باطن کو مطلوب کی یافت حاصل ہوتی ہے۔ اور اس کے ظاہر کو ذوقِ یافت نہیں ہوتا باقی رہا ذوقِ باطن کہ یافت اس کا حصّہ ہے جب باطن نے بے چونی سے حصّہ پایا ہے۔ تو اس کا وہ ذوق بھی بے چونی کے جہاں سے ہوگا۔ اور ظاہر کے رنگ میں جو سراسر چون ہے نہیں آئے گا۔ لہٰذا بسااوقات ایسا ہوتا ہے۔ کہ ظاہر باطن کے ذوق کی نفی کرتا ہے۔ اور باطن کو بھی اپنی طرح بے حلاوت جانتا ہے۔ کیونکہ چوں کا ذوق اور ہے اور بے چوں کا ذوق اور۔ اور جب کہ منتہی کا ظاہر بھی اس کے باطن سے بے خبر ہے۔ تو ظاہر بین عوام منتہی کے باطن سے کیا واقف ہونگے۔ اور انکار کے سوا اُنکے حصّے میں کیا آئے گا۔ جو ذوق ان کے فہم میں آتا ہے، ظاہر کا ذوق ہے۔ جو عالم چوں سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سماع، رقص، ہاؤ ہو اور بے قراری وغیرہ جو ظاہر کے احوال اور صورت کے اذواق ہیں۔ ان کے نزدیک بڑے نادر الوجود اور عظیم القدر ہیں۔ بلکہ بہت ممکن ہے کہ اذواق و مواجید کو انھیں مذکورہ امور میں منحصر جانیں۔ اور ولایت کے کمالات صرف انہی امور کو گمان کریں۔ اللہ سُبحانہٗ انھیں سیدھی راہ دکھائے۔ ظاہر کے احوال باطنی احوال کی نسبت اس طرح ہیں جس طرح چوں بے چوں کے سامنے۔ تو ثابت ہو گیا کہ

---

[۱] ترمذی شریف۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ کیفیت زیادہ فکر اور جلال الٰہی میں استغراق کے باعث ہوتی تھی ظاہر میں آپ کا اکثر متبسم رہنا تالیفِ قلوب اور شفقت کے طور پر ہوتا تھا۔

منتہی کا باطن یافت بھی رکھتا ہے اور ذوقِ یافت بھی۔ صرف اتنی بات ہے کہ جب وہ ذوق بے چونی کے عالم سے بہرہ ور ہے تو اس کے ظاہر کے ادراک میں نہیں آسکتا۔ بلکہ ظاہر اس ذوق کی نفی کا فیصلہ کرتا ہے۔ اگرچہ یافت باطن کی ظاہر کو اطلاع ہے۔ لیکن اس یافت کے ذوق کو نہیں پا سکتا۔ پس نظر بہ ظاہر کہا جا سکتا ہے۔ کہ منتہی کو یافت میسر ہے لیکن ذوقِ یافت مفقود ہے۔ اور اس بلند طریقہ سے سمجھ دار مبتدی کیلئے جو فقدانِ یافت کے باوجود ذوق یافت ثابت کرتے ہیں۔ تو وہ اس وجہ سے ہے کہ بزرگ ابتداء میں انتہا کی چاشنی درج کرتے ہیں۔ انعکاس کے طور پر مبتدیِ رشید کے باطن میں نہایت کا پرتو ڈالتے ہیں اور جب کہ مبتدی کا ظاہر اس کے باطن سے مرتبط ہے اور اس کے ظاہر و باطن میں قوتِ تعلق ثابت ہے تو لازماً نہایت کا وہ پرتو اور وہ چاشنیِ ولایت باطن سے مبتدی کے ظاہر کی طرف دوڑ آتی ہے۔ اور ظاہر کو اس کے باطن کی طرح رنگین کر دیتی ہے۔ اور یافت کا ذوق بے اختیار اس کے ظاہر میں نمایاں ہو جاتا ہے۔ تو یہ بات درست ہو گئی کہ مبتدی میں حقیقتِ یافت مفقود اور ذوقِ یافت موجود ہے۔ اس بیان سے اکابر نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے طریقہ کی بلندی اور ان کی بلند نسبت کی رفعت معلوم ہوتی ہے۔ اور مریدوں اور طالبوں کے حق میں ان بزرگوں کے حسنِ تربیت اور کمال اہتمام کا پتہ چلتا ہے۔ اور پہلے قدم میں ہی جو کچھ خود رکھتے ہیں طالبِ صادق مُریدِ رشید کو حوصلے کے مطابق عطا کر دیتے ہیں۔ اور ربطِ حُبّی کے تعلق کی بناء پر التفات و انعکاس سے اس کی تربیّت کرتے ہیں۔

دوسرے سلاسل کے بعض مشائخ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کو ان بزرگوں کے صادر شدہ قول یعنی اندراج النہایۃ فی البدایۃ میں اشتباہ ہے۔ اور انھیں اس بات کی حقیقت میں شک و تردد ہے۔ اور وہ اس کو جائز قرار نہیں دیتے کہ اس طریقہ کا مبتدی دوسرے طریقوں کے منتہی کے برابر ہو جائے۔ تعجب ہے کہ اس طریقہ کے مبتدی کی دوسرے طریقوں کے منتہی حضرات کیساتھ مساوات انہوں نے کہاں سے سمجھی ہے۔ نقشبندی بزرگوں نے نہایت کو بدایت میں درج کرنے کی بات سے زیادہ کچھ نہیں کہا۔ اور یہ عبارت مساوات پر دلالت نہیں کرتی اور (اس قول سے ان بزرگوں کا) مقصود یہ ہے کہ اس طریقہ میں شیخ منتہی اپنی توجہ و تصرّف سے انعکاس کے طور پر اپنی نہایت کی دولت کی چاشنی سے مبتدی رشید کو عطا فرماتا ہے۔ اور اس کی بدایت میں اپنی نہایت کا نمک ملا دیتا ہے۔ مساوات کی جائے اشتباہ کہاں ہے۔ اور اس کی حقیقت میں شک کی کیا گنجائش ہے۔ اور اندراج بڑی دولت ہے۔ اس طریق کا مبتدی اگرچہ منتہی کا حکم نہیں رکھتا۔ تاہم نہایت کی دولت سے بے نصیب نہ رہے گا۔ اور نمک کا وہ ذرہ اُسے مکمل طور پر ملیح اور نمکین کر دے گا بخلاف دوسرے طریقوں کے مبتدیوں کے کہ نہایت سے بہت دور ہیں۔ اور منزلوں اور مسافتوں کے طے کرنے میں

زیر بار ہیں - افسوس ہزار افسوس اگر انھیں ان منازل کے قطع کرنے کی فرصت نہ دیں اور مسافتوں کے طے کرنے کو ان کے حق میں تجویز نہ کریں - اور جب اس طریق کے مبتدی اور دوسرے طریقوں کے مبتدیوں کے درمیان فرق واضح ہوگیا اور اس مبتدی کی فضیلت دوسرے ارباب ہدایت پر ظاہر ہوگئی - تو جاننا چاہیئے کہ اس طریق کے منتہیوں اور دوسرے طرق کے منتہیوں میں بھی اسیقدر فرق ہے اور اس منتہی کی دوسرے طرق کے منتہیوں پر اسی مقدار میں ثابت ہے - بلکہ اس طریقہ علیہ کی نہایت دوسرے تمام طرق کے مشائخ کی نہایات سے وراء الوراء ہے - میری اس بات کا انھیں یقین ہے یا نہ ہو - اگر انصاف سے کام لیں گے تو شائید باور کریں - وہ نہایت جس کی ہدایت نہایت آمیز ہو دوسروں کی نہایات سے البتہ ممتاز ہوگی اور بہرحال باقی تمام نہایتوں کی نہایت ہوگی

سالیکہ نکوست از بہارش پیدا است [1]

دوسرے سلاسل کے متعصب لوگوں کی ایک جماعت ہمیں کہتی ہے کہ ہماری نہایت وصول بحق سبحانہٗ ہے - اور تم اُسے اپنی ہدایت کہتے ہو - تو حق سے آگے کہاں جاؤ گے - اور حق سے آگے تمہاری نہایت کیا چیز ہوگی - ہم کہتے ہیں کہ ہم حق سے حق جلّ سلطانہٗ کی طرف جاتے ہیں - اور شائبہ ظلیت سے بھاگ کر اصل الاصل کی طرف دوڑتے ہیں - اور تجلّیات سے اعراض کرکے متجلّی کو طلب کرتے ہیں اور ظہورات کو پیچھے چھوڑ کر ظاہر کو ابطن بطون میں چاہتے ہیں - اور جب کہ ابطنیّت میں مختلف مراتب ہیں - اس لئے ایک ابطنیت سے دوسری ابطنیّت کی طرف جاتے ہیں - اور اس دوسری ابطنیت سے تیسری ابطنیّت کی طرف قدم بڑھاتے ہیں - اسی طرح آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں جہاں تک اللہ چاہیئے - حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ اگرچہ بسیط حقیقی ہے - لیکن فراخ بھی ہے - نہ وہ وسعت جس میں طول و عرض ہو - کیونکہ وہ تو نشانات امکان اور علامات حدوث میں سے ہے بلکہ اس بلند ذات کی وسعت اس سبحانہٗ کی طرح بے چون و بے چگون ہے - اور جو سیر اس وسعت میں واقع ہوتی ہے وہ بھی بے چون و بے چگون ہے - اور صاحب سیر بھی چونی اور چندی کے باوجود بے چونی اور بے چگونی کی قوت سے ان بے چونی کی منازل کو قطع کرتا ہے اور چون سے بے چون میں آجاتا ہے - بے سر و سامان بے چارے حقیقت معاملہ کو کیا پائیں - عالم چون میں گرفتار بے چون سے کیا خبر دے سکتے ہیں [illegible] اپنی نارسائی کو اعتراض گمان کرتے ہیں اور اپنی نادانی سے فخر و مباہات کرتے ہیں [2]

بے خرے چند ز خود بے خبر   عیب پسندند بزعم ہنر

---

[1] سال کی خوبی اور [illegible] کی بہار سے [illegible] [illegible] حاشیہ صفحہ ۱۵۲ پر ملاحظہ ہو -

اس قدر نہیں سمجھنے کہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی نہایت بلکہ خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات والتحیات کی نہایت بھی حق سبحانہٗ ہے۔ اور اعتراض کرنے والوں کی نہایت ان بزرگ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی نہایت کے ساتھ متحد نہیں ہے۔ بلکہ دونوں نہائیتں ایک دوسری سے کچھ مناسبت نہیں رکھتیں۔ پس ہو سکتا ہے کہ ایک جماعت کو ایسی نہایت میسر آچکی ہو جو ان اعتراض کرنے والوں کی نہایت سے وراء ہو۔ لیکن ان بزرگ انبیاء علیہم الصلوات والتحیات کی نہایت سے نیچے ہو۔ تو درست ہو گیا کہ سب کی نہایت حق سبحانہٗ ہے۔ اور گروہوں کے درمیان ان کے درجات کے مطابق فرق و تفاوت ہے۔ یا ہم یوں کہتے ہیں کہ سب اپنی نہایت وصول بحق جل سلطانہٗ ہی سمجھتے ہیں۔ لیکن بہت سے ایسے ہیں جو حق کے ظلال اور ظہورات کو ان ظلال وظہورات کے تفاوت کے باوجود حق تعالیٰ و تقدس سمجھ لیتے ہیں۔ پس تمام اربابِ نہایات کی نہائیتں نفس الامر میں وصول بحق تعالیٰ و تقدس نہیں ہے۔ بلکہ ہر ایک کے گمان کے مطابق اس کا منتہا حق سبحانہٗ ہے۔ جس کے ماوراء بھی ظلال اور ظہورات ہیں اور یہ کوئی بعید نہیں اور یہ بات کس طرح انکار و اشتباہ کا محل ہو سکتی ہے۔

قاصرے[1] گر کند ایں طائفہ راطعنِ قصور حاش للّٰہ کہ برآرم بزباں ایں گلہ را

ہمہ شیرانِ جہاں بستۂ ایں سلسلہ اند روبہ از حیلہ چساں بگسلد ایں سلسلہ را

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَ اِسْرَافَنَا فِیْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ

وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى

مکتوب نمبر ۴۴

محمد صادق ولد محمد مومن کی طرف صادر فرمایا۔

اس کے استفسار کے جواب میں جو اس نے وحدت الوجود کے متعلق کیا تھا۔ اور

حاشیہ صفحہ ۱۵۱ [1] چند بے عقل اپنے آپ سے بے خبر اپنے زعم میں عیب کو کمال خیال کرتے ہیں۔

[1] کوئی کوتاہ فکر اس گروہ میں نقص وکمی کا عیب نکالے تو حاشا للّٰہ کہ میں اس گلے کو زبان پر لاؤں۔ جہان کے تمام شیر اس سلسلہ سے منسلک ہیں۔ لومڑی حیلے بہانے سے اس سلسلے کو کیسے درہم برہم کر سکتی ہے۔

عُلوم شرعیہ سے اس کی تطبیق دینا۔ نیز انہوں نے دریافت کیا تھا کہ اِذَا اَحَبَّ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ عَبْدًا الخ کے کیا معنی ہیں۔ اور اس کے مناسب امور کے بیان میں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی آپ نے پوچھا تھا کہ صوفیہ وحدت وجود کے قائل ہیں۔ اور علماء اُسے کفر و زندقہ جانتے ہیں۔ حالانکہ دونوں گروہ فرقہ ناجیہ سے ہیں۔ اس معاملہ کی حقیقت تیرے نزدیک کیا ہے۔ محبت کے آثار والے! اس بحث کی تحقیق فقیر نے اپنے مکتوبات ورسائل میں تفصیل سے لکھ دی ہے۔ اور فریقین کے اختلاف کو نزاع لفظی قرار دیا ہے۔ اس کے باوجود جب آپ نے دریافت کیا ہے تو سوال کا جواب ضرور دینا چاہیے۔ اس لئے ضرورۃً چند کلمات لکھے ہیں۔

جان لیں کہ صوفیہ علیہ میں سے جو وحدتِ وجود کے قائل ہے اور اشیاء کو حق تعالیٰ کا عین دیکھتا ہے اور ہمہ اوست کا حکم لگاتا ہے۔ اس کی مراد یہ نہیں کہ اشیا حق جلّ وعلا کے ساتھ متحد ہیں اور تنزیہہ تنزل کر کے تشبیہ ہوگئی ہے۔ اور واجب ممکن بن گیا ہے۔ اور بے چون چوں میں آگیا ہے۔ کیونکہ یہ سب کفر و الحاد اور ضلالت و زندقہ ہے۔ وہاں نہ اتحاد ہے نہ عینیت نہ تنزل ہے نہ تشبیہ۔ تو وہ سُبحانہٗ الآن کما کان ہے۔ تو پاک ہے وہ جو نہ اپنی ذات میں متغیر ہو سکتا ہے نہ صفات میں اور نہ حدوثِ اکوان میں اپنے اسماء کے اندر متغیر ہو سکتا ہے۔ وہ سبحانہٗ وتعالیٰ اپنی اسی صرافتِ اطلاق پر ہے۔ اس نے وجوب کی بلندی سے امکان کی پستی کی طرف میلان نہیں فرمایا۔ بلکہ ہمہ اوست کا معنی ہے کہ اشیاء نہیں ہیں اور وہ تعالیٰ وتقدس موجود ہے۔ منصور نے جو انا الحق کہا اس کی مراد یہ نہیں کہ میں حق ہوں اور حق کے ساتھ متحد ہوں کہ یہ معنی کفر ہے اور اس کے قتل کا موجب۔ بلکہ اس کے قول کا معنی ہے۔ میں نہیں ہوں حق سُبحانہٗ موجود ہے۔ صرف اتنی بات ہے کہ صوفیہ اشیاء کو حق تعالیٰ وتقدس کے ظہورات جانتے ہیں اور اس سُبحانہٗ کے اسماء وصفات کا جلوہ گاہ قرار دیتے ہیں بے شائبہ تنزل اور تغیر وتبدل کے گمان کے بغیر۔ جس طرح سایہ شخص سے دراز ہوتا ہے لیکن نہیں کہہ سکتے کہ وہ سایہ اس شخص کے ساتھ متحد ہے اور عینیت کی نسبت رکھتا ہے یا وُہ شخص تنزل کر کے سایہ کی صورت میں ظاہر ہوا ہے۔ بلکہ وہ شخص اپنی اصالت کی صرافت پر ہے۔ اور سایہ اس سے وجود میں آیا ہے۔ بے شائبہ تنزل وتغیر۔ اگرچہ بعض اوقات ایک جماعت کو جس نے اس شخص کے وجود کے ساتھ کمال محبت پیدا کر لی ہوتی ہے۔ ان کی نظر سے سایہ پوشیدہ ہو جاتا ہے۔ اور شخص کے سوا کوئی چیز انہیں مشہود نہیں ہوتی۔ ہو سکتا ہے۔ کہ ایسے لوگ کہیں کہ سایہ شخص کا عین ہے۔ یعنی سایہ معدوم ہے اور شخص موجود ہے۔ اور بس۔

اس تحقیق سے لازم آیا کہ صوفیہ کے نزدیک اشیاء حق تعالیٰ کے ظہورات ہیں نہ حق جلّ سلطانہٗ کا عین پس

پس اشیاء حق سے ہیں نہ کہ حق جل شانہٗ ہیں۔ پس ان کے اس کلام ہمہ از اوست کا معنی ہمہ از اوست ہے جو علماءِ کرام کا مختار ہے۔ اور علماء کرام اور صوفیہ عظام کثّرہم اللہ سُبحانہٗ الیٰ یوم القیامۃ کے درمیان فی الحقیقت کوئی نزاع ثابت نہیں ہوتی۔ اور دونوں باتوں کا مآل وانجام ایک بن جاتا ہے۔ اس قدر فرق ہے کہ صوفیہ اشیاء کو حق تعالیٰ کے ظہورات کہتے ہیں اور علماء اس لفظ سے بھی پرہیز کرتے ہیں۔ حلول اور اتحاد کے وہم سے بچنے کے لئے۔

سوال :- صوفیہ اشیاء کو ظہورات قرار دیتے کے باوجود معدوم خارجی جانتے ہیں۔ اور خارج میں حق سُبحانہٗ کے سوا کسی کو موجود نہیں جانتے۔ اور علماء اشیاء کو موجودات خارجیہ کہتے ہیں۔ لہٰذا فریقین کے درمیان نزاع معنوی ثابت ہو گئی۔

جواب :- صوفیہ اگرچہ عالم کو معدوم خارجی جانتے ہیں لیکن خارج میں اس کا وہمی وجود ثابت کرتے ہیں اور اُسے اراءۃً خارجی کہتے ہیں۔ اور وہمی خارجی کثرت کا انکار نہیں کرتے۔ اس کے ساتھ یہ بھی کہتے ہیں۔ کہ اس وہمی وجود نے جو خارج میں نمود پیدا کیا ہے۔ اس قسم کے وجودات خارجیہ میں سے نہیں جو وہم کے زوال سے زائل ہو جائے۔ اور قیام و استقرار نہ رکھے۔ بلکہ یہ وہمی وجود اور یہ خیالی نمود چونکہ حق سُبحانہٗ کے فعل اور اس بلند ذات کی قدرت کاملہ کے انتقاش سے ہے۔ اس لئے زوال اور خلل سے محفوظ ہے۔ اور اس جہان اور اس جہان کا معاملہ اس سے وابستہ ہے۔ سوفسطائی جو عالم کو اوہام و خیالات جانتا ہے، اشیاء کا زوال وہم کے زوال سے متعلق کرتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ اشیاء کا وجود ہمارے اعتقاد کے تابع ہے۔ نفس امر میں وجود و ثبوت نہیں رکھتے۔ اگر آسمان کو زمین اعتقاد کریں تو زمین ہے اور زمین ہمارے اعتقاد سے آسمان ہے۔ اور اگر شیریں چیز کو تلخ جانیں تو تلخ ہے۔ اور تلخ ہمارے اعتقاد سے شیریں۔ مختصر یہ کہ یہ بے عقل لوگ صانع مختار جل سلطانہٗ کی ایجاد کا انکار کرتے ہیں اور اشیاء کو اس بلند ذات کے ساتھ قائم نہیں جانتے۔ تو خود بھی گمراہ ہوئے دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔

پس صوفیہ اشیاء کے لئے خارج میں وجود وہمی جو قیام و استقرار رکھتا ہے۔ اور وہم کے ارتفاع سے مرتفع نہیں ہوتا ثابت کرتے ہیں۔ اور اس جہان کو جو دائمی اور ابدی ہے۔ اس وجود سے وابستہ رکھتے ہیں۔ علماء اشیاء کو خارج میں موجود جانتے ہیں۔ اور احکام خارجی ابدی اس پر مرتب کرتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود اشیاء کا وجود حق جل و علا کے پہلو میں ضعیف و نحیف تصوّر کرتے ہیں۔ اور ممکن کے وجود کو واجب تعالیٰ و تقدس کے وجود کی نسبت نیست جانتے ہیں۔ پس فریقین کے نزدیک اشیاء کا وجود خارج میں ثابت ہو گیا کیونکہ اس دنیا اور آخرت کے احکام اس سے وابستہ ہیں۔ اور وہم و خیال کے ارتفاع سے اس کا زوال

نہیں ہوتا۔ تو نزاع ختم ہو گئی اور خلاف دور ہو گیا۔ صرف اتنی بات ہے کہ صوفیہ اُسے وجود وہمی کہتے ہیں۔ اس بناء پر کہ عروج کے وقت اشیاء کا وجود ان کی نظر سے پوشیدہ ہو جاتا ہے اور حق جل و علا شانہٗ کے وجود کے سوا ان کی نظر میں کچھ نہیں رہتا۔ علماء اس وجود پر وہم کے اطلاق سے پرہیز کرتے ہیں اور وجود وہمی نہیں کہتے۔ تاکہ کوئی کوتاہ نظر اس کے زوال کا اعتقاد نہ کرے۔ اور اس طرح ثواب و عذاب ابدی سے انکار کر بیٹھے۔

سوال :- صوفیہ جو اشیاء کا وہمی وجود ثابت کرتے ہیں۔ اس سے ان کا مقصود یہ ہے کہ یہ وجود قیام و استقرار کے باوجود نفس امری نہیں ہے۔ صرف وہم میں ہے اور نمود کے سوا اس کا کچھ حصہ نہیں۔ اور علماء اشیاء کو خارج میں نفس امری وجود کے ساتھ موجود مانتے ہیں لہٰذا نزاع و اختلاف باقی رہا۔

جواب :- وجود وہمی اور نمود خیالی جب کہ وہم و خیال کے زوال سے زائل نہیں ہوتا تو نفس امری ہو گیا اس لئے کہ اگر تمام وہم کرنے والوں کے وہم کا زوال فرض کر لیں تب بھی یہ وجود ثابت رہتا ہے۔ ان کے زوال سے ہرگز زائل نہیں ہوتا۔ اور واقع اور نفس الامر کے یہی معنیٰ ہیں۔ البتہ اس قدر ہے کہ جو نفس الامر ممکن کے وجود میں ثابت کیا جاتا ہے۔ اس نفس الامر کے سامنے جو واجب تعالیٰ کے وجود میں ثابت ہے، لاشئ کا حکم رکھتا ہے۔ اور نزدیک ہے کہ اُسے موہومات اور متخیلات میں سے شمار کیا جائے۔ جس طرح کلی مشکک کے افراد کہ آپس میں بہت زیادہ فرق رکھتے ہیں۔ جس طرح ممکن کا وجود کہ واجب تعالیٰ کے وجود کی نسبت لاشئ کا حکم رکھتا ہے۔ اور نزدیک ہے کہ اُسے عدمات میں شمار کریں۔ لہٰذا فی الحقیقت کوئی نزاع اور اختلاف نہیں۔

سوال :- جب سب اشیاء کا وجود نفس الامری ہو گیا تو لازم آیا کہ نفس الامر میں اشیاء متعدد ہوں۔ اور نفس الامر میں ایک موجود نہ ہو۔ اور یہ وحدتِ وجود کے منافی ہے۔ جو صوفیہ وجودیہ کے ہاں طے شدہ امر ہے

جواب :- دونوں چیزیں نفس امری ہیں۔ وحدتِ وجود بھی نفس امری ہے اور تعدد وجود بھی نفس امری ہے۔ لیکن جب کہ جہت اور اعتبار مختلف ہے۔ اجتماع نقیضین کا وہم بھی مرتفع ہے۔ یہ بحث ایک مثال سے واضح ہو جاتی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ زید کی صورت جو آئینے میں دکھائی دیتی ہے۔ درحقیقت آئینے میں کوئی صورت نہیں ہے۔ اس لئے کہ وہ صورت نہ آئینہ کے حجم میں موجود ہے اور نہ ہی آئینہ کی سطح میں۔ بلکہ آئینہ میں اس صورت کا وجود وہم کے اعتبار سے ہے۔ اور آئینے میں ارائۃ خیالی سے زیادہ اس کا ثبوت نہیں ہے۔ لہٰذا اگر کوئی کہے کہ میں نے زید کی صورت آئینے میں دیکھی ہے۔ اسے اس کلام میں عقلاً و شرعاً سچا جانتے اور حق پر گمان کرتے ہیں۔ اور جب کہ قسموں کا مبنیٰ حق پر ہے۔ اس لئے اگر کوئی شخص قسم کھائے اور کہے کہ اللہ کی قسم میں نے زید کی شکل آئینے میں دیکھی ہے۔ تو چاہیئے کہ حانث نہ ہو۔ پس اس صورت میں

آئینے میں صورتِ زید کا عدمِ حصول بھی نفس امری ہے اور تخیل و توہم کے اعتبار سے آئینے میں اس کا حصول بھی نفس امری ہے۔ لیکن پہلا نفس امر مطلقاً نفس امر ہے۔ اور یہ دوسرا نفس امر توہم و تخیل کے واسطہ سے عجب معاملہ ہے۔ توہم و تخیل کا اعتبار جو نفس امر کے منافی ہے۔ یہاں وہی نفس امر کا محصل بن گیا ہے اسلئے کہ اگر توہم و تخیل کا اعتبار نہ ہوتا تو یہاں نفس امر کا حصول و ثبوت نہ ہوتا۔

دوسری مثال۔ نقطہ جوالہ ہے جس نے توہم و تخیل کے اعتبار سے خارج میں دائرے کی صورت پیدا کرلی ہے۔ یہاں خارج میں دائرے کا عدمِ حصول بھی نفس امری ہے اور توہم و تخیل کے اعتبار سے خارج میں اس کا حصول بھی نفس امری ہے۔ لیکن دائرے کا عدمِ حصول مطلقاً نفس امری ہے۔ اور اس کا حصول توہم و تخیل کے لحاظ سے نفس امری ہے تو پہلا مطلق اور دوسرا مقیّد ہے۔ تو ہماری اس بحث میں وحدتِ وجود مطلق نفس امری ہے۔ اور تعدّد وجود توہم و تخیل کے اعتبار سے نفس امری ہوا ہے۔ پس اطلاق و تقیید کے ملاحظہ سے ان دونوں میں نفس الامر میں تناقض نہ رہا اور اجتماع نقیضین ثابت نہ ہوا۔

سوال:۔ جب کہ سب وہم کرنے والوں کے وہم کا زوال فرض کرلیا جائے تو وجود وہمی اور نمودِ خیالی کیسے ثابت ہو سکتا ہے۔

جواب:۔ یہ وہمی وجود محض اختراعِ وہم سے حاصل نہیں ہوا۔ کہ وہم کے زوال سے زائل ہو جائے۔ بلکہ حق تعالیٰ جلّ و علا کے فعل سے مرتبہ وہم سے حاصل ہوا۔ اور استحکام پیدا کیا ہے۔ اس بناء پر ناچار وہم کے زوال سے خلل پذیر نہیں ہوتا۔ اور وجود وہمی اس اعتبار سے کہتے ہیں حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے اُسے مرتبہ حس و وہم میں اُسے پیدا فرمایا ہے۔ اور جب اس بلند ذات کا فعل خلق ہے تو جس مرتبہ میں بھی ہوگا زوال و خلل سے محفوظ ہے۔ اور حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے جب اُسے پیدا کیا ہے تو ناچار نفس امری بھی ہوا۔ جس مرتبے میں بھی اُسے پیدا کیا گیا ہو۔ اگرچہ وہ نفس نفس امری نہ ہو صرف اعتبار ہو۔ لیکن اس مرتبے میں اس کی پیدائش نفس امری ہے اور وہ جو میں نے کہا ہے کہ حضرت حق سُبحانہٗ و تعالیٰ نے مرتبہ حس و وہم میں پیدا کیا ہے یعنی اشیاء کو مرتبہ ایجاد میں فرمایا ہے۔ کہ اس مرتبہ کے لئے حصول و ثبوت نہیں ہے مگر صرف حس و وہم میں۔ جیسے ایک شعبدہ باز غیر واقع اشیاء کو واقع کی صورت میں ظاہر کرتا ہے۔ اور ایک چیز کو دس چیزیں کرکے دکھاتا ہے حالانکہ ان دس چیزوں کے لئے حس و وہم کے سواء کوئی ثبوت نہیں اور نفس امر میں صرف ایک ہی چیز موجود ہے۔ اور ان دس چیزوں کو جو ظاہر کیا ہے۔ اگر قدرت کاملہ خداوندی جلّ سلطانہ سے ثبات و استقرار پیدا کردیں۔ اور خلل اور جلد زائل ہونے سے محفوظ کریں۔ تو وہی دس چیزیں نفس الامری بن جائیں گی۔ تو اس اعتبار سے وہ دس چیزیں نفس امری ہیں بھی اور نہیں بھی۔ لیکن دو اعتبار سے۔ اگر مرتبہ حس و وہم سے قطع نظر کرلی جائے تو معدوم ہیں۔ اور اگر حس و وہم کا لحاظ کیا جائے تو موجود ہیں۔ قصّہ مشہور ہے کہ بلادِ ہندوستان میں چند شعبدہ بازوں نے ایک بادشاہ

کے سامنے شعبدہ بازی کی۔ اس درمیان میں طلسم و شعبدہ سے باغ اور آم کے درخت لوگوں کے سامنے لائے اور ایک عارضی نمود سے انہیں ظاہر کیا۔ اور انہوں نے اسی مجلس میں یہ بھی دکھایا کہ وہ درخت بڑے ہوئے۔ اور انھیں پھل بھی لگا۔ اور اہلِ مجلس نے ان پھلوں سے کچھ کھائے بھی۔ عین اسی وقت بادشاہ نے ان شعبدہ بازوں کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ کیونکہ اس نے سنا ہوا تھا کہ اگر ظہور شعبدہ کے بعد شعبدہ باز کو قتل کر دیں تو وہ شعبدہ قدرت خداوندی جل سلطانہٗ سے اپنی حالت میں موجود رہتا ہے۔ اتفاق سے جب ان شعبدہ بازوں کو قتل کر دیا گیا۔ تو آم کے وہ درخت قدرت خداوندی جل سلطانہٗ سے اسی حالت میں موجود رہے۔ اور مَیں نے سُنا ہے کہ وہ درخت اس وقت تک موجود ہیں۔ اور لوگ ان کے میوے کھاتے ہیں۔ اور اللہ کی ذات کیلئے یہ کوئی مشکل کام نہیں۔

پس متنازع فیہ صورت میں حضرت حق سُبحانہٗ و تعالیٰ نے جس کے سوا خارج اور نفس امر میں کوئی موجود نہیں ہے اپنی قدرت کاملہ سے اسمائی اور صفاتی کمالات کو ممکنات کی صورتوں کے پردے میں حس و وہم کے مرتبے میں ظاہر کیا ہے۔ اور وجود وہمی اور ثبوت خیالی سے ان کمالات کو اشیاء کے آئینوں میں جلوہ گر کیا ہے یعنی اشیاء کو ان کمالات کے مطابق مرتبہ حس و وہم میں ایجاد فرمایا تو انہوں نے نمودِ وہمی اور ثبوت خیالی پیدا کیا۔ لہٰذا اشیاء کی ہستی نمودِ خیالی کے اعتبار سے ہے۔ لیکن جب کہ حضرتِ حق سُبحانہٗ و تعالیٰ نے اس نمود کو استقرار و ثبات عطا فرمایا ہے۔ اور اشیاء کی آفرینش میں استواری و استحکام کی رعایت کی ہے۔ اور معاملہ ابدی کو ان سے مربوط کیا ہے۔ اس بناء پر ناچار اشیاء کا وجود وہمی اور ثبوت خیالی نفس الامری ہو چکا ہے اور خلل سے محفوظ ہو گیا ہے۔ لہٰذا کہا جا سکتا ہے کہ اشیاء خارج میں نفس الامر کے اعتبار سے موجود ہیں بھی اور نہیں بھی لیکن دو مختلف اعتبار سے جیسا کہ مکرّر گزرا۔

اس فقیر کے والد بزرگوار قدس سرّہٗ جو علماءِ محققین میں سے تھے، فرماتے تھے کہ قاضی جلال الدین اگری نے جو متبحر علماء میں سے تھا، مجھ سے پوچھا کہ نفس الامر میں وحدت ہے یا کثرت۔ اگر وحدت ہے تو شریعت جس کا مبنیٰ احکام متباینہ اور متمایزہ ہیں، باطل ہوتی ہے۔ اور اگر نفس الامر میں کثرت ہے تو ان صوفیہ کا قول باطل ہوتا ہے جو وحدت وجود کے قائل ہیں۔ ہمارے حضرت والد ماجد قدس سرّہٗ نے اس کے جواب میں فرمایا دونوں نفس الامری ہیں۔ اور اُسے بیان فرمایا۔ فقیر کے ذہن میں نہیں آرہا کہ آپ نے کیا فرمایا تھا۔ جو کچھ اس وقت فقیر کے دل میں ڈالا گیا ہے، تحریر کر دیا گیا ہے۔ وَالْاَمْرُ اِلَی اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ

پس جو صوفیہ وحدت وجود کے قائل ہیں، حق پر ہیں اور علماء جو کثرتِ وجود کے معتقد ہیں، وہ بھی حق پر ہیں۔ صوفیہ کے حالات کے مناسب وحدت ہے۔ اور علماء کے حالات کے مناسب کثرت۔ کیونکہ شرائع کی بناء کثرت پر ہے۔ اور احکام کا تغایر کثرت سے وابستہ ہے۔ اور انبیاء علیہم الصّلوات والتسلیمات کی دعوت اور آخری

تنعیم و تعذیب بھی کثرت سے متعلق ہے۔ اور جب حضرت حق سُبحانہٗ و تعالیٰ مطابق فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ (میں نے چاہا کہ اپنا تعارف کرادوں) کثرت کو چاہتا اور ظہور کو پسند کرتا ہے۔ تو اس مرتبہ کو باقی رکھنا بھی ضروری ہے۔ کیونکہ اس مرتبہ کی تربیت اللہ رب العالمین کی پسندیدہ اور محبوب ہے۔ سلطان ذی شان کیلئے نوکر چاکر ہونے چاہئیں اور اس کی عظمت و کبریائی کے لئے خواری محتاجی اور شکستگی درکار ہے۔ وحدت وجود کا معاملہ اگرچہ حقیقت کی مانند ہے اور اس کی نسبت کثرت کا معاملہ مجاز کی طرح۔ اسی طرح اس عالم کو عالمِ حقیقت کہتے ہیں۔ اور اس عالم کو عالمِ مجاز۔ لیکن چونکہ ظہورات اس بلند ذات کو پیارے لگتے ہیں۔ اور اس نے اشیاء کو بقائے ابدی عطا فرمائی ہے۔ اور قدرت کو لباس حکمت میں لایا ہے۔ اور اسباب کو اپنے فعل کا روپوش بنایا ہے۔ اس بناء پر وہ حقیقت، حقیقت مہجورہ کی طرح ہو گئی ہے۔ اور یہ مجاز متعارف ہو چکی ہے۔ نقطہ جوالہ اگرچہ حقیقت کی طرح ہے۔ اور اس سے پیدا ہونے والا دائرہ مجاز کی طرح۔ لیکن وہاں حقیقت مہجور ہے اور جو کچھ متعارف ہے مجاز ہے۔

آپ نے اس قول اِذَا اَحَبَّ اللّٰہُ عَبْدًا لَا یَضُرُّہٗ ذَنْبٌ کے معنی بھی دریافت کئے تھے۔ جان لیں کہ حضرت حق سُبحانہٗ و تعالیٰ کسی بندے کو دوست رکھتا ہے۔ تو گناہ اس سے صادر ہی نہیں ہوتا۔ کیونکہ اولیاء حق جل وعلا ارتکابِ ذنوب سے محفوظ ہیں۔ اگرچہ ممکن ہے کہ گناہ ان سے صادر ہو بخلافِ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے کہ وہ گناہ سے معصوم ہیں۔ اور ان سے صدورِ گناہ کا جواز بھی مسلوب ہے۔ اور جب گناہ اولیاء سے صادر نہیں ہوتا تو یقین ہے کہ گناہ ضرر بھی نہیں ہوگا۔ پس عدم صدور ذنب کی صورت میں لَا یَضُرُّہٗ ذَنْبٌ درست ہے۔ جیسا کہ اربابِ علم پر پوشیدہ نہیں۔ اور ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ ذنب سے پہلا ذنب مراد ہو جو درجہ ولایت تک وصول سے پہلے صادر ہوا ہو۔

فَاِنَّ الْاِسْلَامَ یَجُبُّ مَا کَانَ قَبْلَہٗ — بیشک اسلام ماقبل کی سب باتوں کو مٹا دیتا ہے

اور حقیقتِ حال خدا تعالیٰ سُبحانہٗ کو معلوم ہے۔

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِیْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا ط — اے ہمارے پروردگار! ہمیں نہ پکڑنا۔ اگر ہم بھول جائیں یا خطا کر بیٹھیں

وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَعَلٰی سَائِرِ مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَۃَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ

العُـلـی

مکتوب نمبر ۴۵

حقائق آگاہ، معارف دستگاہ خواجہ حسام الدین احمد کی طرف صادر فرمایا

اس بیان میں کہ سارا جہان واجب جلّ سلطانہٗ کے اسماء و صفات کا آئینہ ہے - بخلاف ذات واجب کے کہ ممکن اس دولت سے بے نصیب ہے - اور ممکن کو اپنی ذات کے ساتھ قیام عطا نہیں فرمایا گیا - اور وہ سارے کا سارا عرض ہے - اس نے جوہریّت کی ہوا تک نہیں پائی - اور اس کے مناسب امور کے بیان میں

" اَلحَمدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِینَ اصطَفٰی "

مخدوما مکرما ! ؎

از ہر چہ میرود سخن دوست خوشتر است

کچھ معارف عجیبہ املاءِ تحریر میں لائے جاتے ہیں کان لگا کر سنیں - اور اخص خواص کا طریق مراقبہ بیان کیا جاتا ہے پوری توجہ مبذول فرمائیں - جاننا چاہیئے - کہ سارا جہان واجب تعالیٰ و تقدس کے اسماء و صفات کا آئینہ اور مظہر ہے - چنانچہ ممکن میں حیات ہے تو واجب تعالیٰ کی حیات کا نمونہ ہے - اگر علم ہے تو اس سُبحانہٗ کے علم کا آئینہ ہے - اور اگر قدرت ہے تو وہ بھی اس بلند ذات کی قدرت کا آئینہ ہے - عَلٰی ھٰذَا القِیَاسِ اور اس کی بلند ذات کے لئے عالم میں کوئی مظہر و آئینہ نہیں - بلکہ اس کی بلند ذات کی عالم کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں اور کسی چیز میں اشتراک نہیں - اگرچہ وہ مناسبت اسم میں اور وہ مشارکت صورت میں ہو

اِنَّ اللّٰہَ لَغَنِیٌّ عَنِ العٰلَمِینَ ط بیشک اللہ سب جہانوں سے بے نیاز ہے

بخلاف اسماء و صفات کے کہ عالم کے ساتھ اسمی مناسبت رکھتے ہیں اور ظاہری مشارکت ان کے درمیان ثابت ہے - چنانچہ جس طرح واجب تعالیٰ میں علم ہے ممکن میں بھی علم کی صورت ثابت و موجود ہے - اور جس طرح وہاں قدرت ہے [illegible] صورت موجود ہے بخلاف ذات کے کہ ممکن اس دولت سے بے بہرہ ہے - اور اُسے اپنی ذات [illegible] عطا نہیں فرمایا گیا - بلکہ ممکن کو جب اس بلند ذات کے اسماء و صفات کی صورتوں پر پیدا کیا گیا ہے - اس لئے سارے کا سارا عرض ہے - اسے جوہریّت کی بو تک نہیں پہنچی اور اس کا قیام ذات واجب تعالیٰ و تقدس کے ساتھ ہے اور اربابِ معقول نے جو ممکن کو جوہر و عرض کی طرف

تقسیم کیا ہے، ظاہر بینی کے باعث ہے۔ اور ایک ممکن کا دوسرے ممکن کے ساتھ جو قیام ثابت ہے۔ یہ قیام عرض بعرض کے قبیلے سے ہے نہ از قبیلہ قیام عرض بجوہر۔ بلکہ فی الحقیقت وہ دونوں عرض ذات واجب تعالیٰ کے ساتھ قائم ہیں۔ جوہریت ان کے درمیان ثابت نہیں۔ تمام ممکنات کو قائم رکھنے والا وہی تعالیٰ و تقدس ہے۔ پس ممکن کے لئے فی الحقیقت ذات نہیں ہے۔ کہ صفات اس ذات کے ساتھ قائم ہوں۔ بلکہ ذات صرف واجب کے لئے ہے۔ کہ اس بلند ذات کی صفات اور اسی طرح تمام ممکنات اس کے ساتھ قائم ہیں۔ اور ہر شخص جو اشارہ لفظ انا سے اپنی ذات کی طرف کرتا ہے۔ وہ اشارہ فی الحقیقت اس ایک ذات کی طرف رجوع کرتا ہے۔ جس کے ساتھ قائم ہیں۔ اس بات کو اشارہ کرنے والا جانے یا نہ جانے اگرچہ وہ بلند اور پاک ذات کسی اشارہ کی مشارٌ الیہ نہیں اور کسی چیز کے ساتھ متحد نہیں۔ ان پوشیدہ معارف کو کوتاہ نظر لوگ کہیں توحید وجودی کے ساتھ خلط ملط نہ کر دیں اور انہیں ایک دوسرے کا گریبان تصور نہ کر لیں۔ توحید وجودی والے سوائے ایک بلند اور پاکیزہ ذات کے کچھ موجود نہیں جانتے۔ اور اس بلند ذات کے اسماء و صفات کو بھی اعتبارات علمی گمان کرتے ہیں۔ اور حقائق ممکنات کے متعلق کہتے ہیں۔ کہ ان تک وجود کی بو نہیں پہنچی۔ اَلْاَعْیَانُ مَا شَمَّتْ رَائِحَۃَ الْوُجُوْدِ یعنی موجودات خارجیہ نے وجود کی بو نہیں سونگھی۔ یہ ان صوفیہ کا کلام ہے کہ یہ فقیر اس بلند ذات کی صفات کو بھی وجود زائد کے ساتھ موجود مانتا ہے جس طرح علماء اہلِ حق نے فرمایا ہے۔ اور ممکنات کے لئے بھی جو واجب تعالیٰ کے اسماء و صفات کے آئینے ہیں وجود ثابت کرتا ہے۔ صرف اتنی بات ہے کہ ممکنات کو اعراض کے سوا جو اپنے ساتھ قیام رکھتے ہیں۔ کچھ نہیں جانتا اور جوہریت جو اپنے ساتھ قیام رکھتی ہے۔ ممکنات میں ثابت نہیں کرتا۔ اور سب کا قیام اس بلند ذات کے ساتھ یقین کے ساتھ تسلیم کرتا ہے۔

سوال:- اس تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ ذات ممکن ذات واجب تعالیٰ کی عین ہے اور ممکن واجب جل شانہ کے ساتھ متحد ہے۔ اور یہ محال ہے کیونکہ یہ قلبِ حقائق کو مستلزم ہے؟

جواب:- ہم کہتے ہیں کہ ذات ممکن یعنی اس کی حقیقت و ماہیت وہی اعراض متعددہ مخصوصہ ہیں جو واجب تعالیٰ کے اسماء و صفات کے آئینے ہیں۔ اور ان اعراض کے لئے ذات واجب تعالیٰ و تقدس کے ساتھ کسی طرح کی عینیت نہیں ہے۔ اور کسی وجہ سے بھی اتحاد نہیں۔ تاکہ قلبِ حقائق لازم آئے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ ان اعراض کا اس بلند ذات کے ساتھ قیام ہے۔ اور وہی پاک ذات تمام اشیاء کو قائم رکھنے والی ہے۔

سوال:- جب ہر ایک کا اشارہ جو وہ لفظ انا سے اپنی ذات کی طرف کرتا ہے۔ ذات واجب تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے تو اس سے لازم آتا ہے۔ کہ ذات ممکن یعنی اس کی ماہیت و حقیقت واجب تعالیٰ کی ذات کا عین ہو۔ کیونکہ ہر ایک کا اشارہ لفظ انا سے اپنی ماہیت و حقیقت کی طرف ہے اور یہ بات قلبِ حقیقت کو مستلزم ہے

اور بعینہٖ ارباب توحید وجودی والوں کی بات ہے ؟

جواب :- ہاں لفظ انا سے ہر شخص کا اشارہ اگرچہ اپنی حقیقت کی طرف ہے۔ لیکن اس کی حقیقت جب کہ چند اعراض کا مجموعہ ہے ۔ اس لئے اس اشارہ کی قابلیت واستعداد نہیں رکھتی ۔ کیونکہ اعراض مستقلاً اور اصالتہً اشارہ حسی کے قابل نہیں ۔ اور جب اس کی حقیقت نے اس اشارہ کو قبول نہ کیا تو لازماً وہ اشارہ اس حقیقت کے قائم کرنے والے کی طرف رجوع کر گیا۔ پس ممکن کی ماہیت وہی اعراض مجتمعہ ہیں۔ اگرچہ لفظ انا کا اشارہ اس کی حقیقت کے عدم قابلیت کے واسطہ سے اس کے قائم کرنے والے کی طرف راجع ہو چکا ہے ۔ جو کہ ذات واجب تعالیٰ و تقدس ہے تو قلب حقیقت نہ ہوئی اور ممکن واجب تعالیٰ و تقدس نہ بنا ۔ اور یہ بات توحید وجودی والوں کی بات سے الگ ہو گئی ۔ عجب معاملہ ہے کہ ممکن کا انا تو واجب کی طرف رجوع کرتا ہے اور ممکن اپنے حال پر ممکن ہی رہتا ہے ۔ اور سبحانی اور انا الحق کا لفظ زبان پر نہیں لاتا ۔ بلکہ نہیں لا سکتا ۔ کیونکہ صاحب ہوش و تمیز ہے

سوال :- ممکن کا ذات واجب تعالیٰ کے ساتھ قیام مستلزم ہے ۔ حوادث کے قیام کو ذات واجب تعالیٰ کے ساتھ اور یہ ممتنع ہے ؟

جواب :- حوادث کے قیام کا امتناع بمعنی حلول حوادث ہے ذات واجب تعالیٰ میں ۔ اور یہی محال ہے لیکن یہاں قیام بمعنی حلول نہیں ۔ بلکہ بمعنی ثبوت و تقرر ہے ۔ یعنی ممکن کا ثبوت و تقرر ذات واجب تعالیٰ کے ساتھ ہے ۔

سوال :- جب کہ ممکن بتمامہ عرض ہوا تو اس کے لئے محل کا ہونا ضروری ہے ۔ جس کے ساتھ وہ قائم ہو اور وہ محل کیا چیز ہے ۔ ذات واجب تعالیٰ تو ہے نہیں ۔ اسی طرح ممتنع بھی محل قیام نہیں ہو سکتا ؟

جواب :- عرض اُسے کہتے ہیں جس کا قیام اپنی ذات کے ساتھ نہ ہو ۔ بلکہ غیر کے ساتھ قائم ہو ۔ اور جبکہ فلاسفہ نے قیام عرض کے معنی حلول کے سوا اور کچھ نہیں سمجھے ۔ تو مجبوراً عرض کے لئے محل کا اثبات کیا ہے اور محل کے بغیر اس کے ثبوت کو محال جانا ہے ۔ اور جب قیام کے دوسرے معنی پیدا ہو گئے جیسا کہ گزرے تو محل کی کچھ ضرورت نہ رہی ۔ یہ بات ہمارے مشاہدے اور حس میں ہے کہ تمام اشیاء کا قیام ذات واجب تعالیٰ کے ساتھ ہے ۔ لیکن کسی قسم کا حلول و محل درمیان میں نہیں ۔ فلاسفہ کو اس کا یقین آئے یا نہ آئے ۔ ان کا کسی کو شک میں ڈالنا بداہت سے متصادم نہیں ہو سکتا ۔ اور ہمارا یقین ان کے شک سے زائل نہیں ہو سکتا ۔ ہم اس بحث کو ایک مثال سے واضح کرتے ہیں ۔ طلسمات اور سیمیا کے ماہر لوگ اجسام غریبہ اور اعراض عجیبہ کی جنس سے کئی قسم کی چیزیں دکھاتے ہیں ۔ ہر صورت میں سب جانتے ہیں ۔ کہ ان اجسام کا اعراض کی طرح اپنے ساتھ قیام نہیں ہے ۔ بلکہ ان دونوں کا قیام صاحب طلسم کی ذات کے ساتھ ہے ۔ لیکن کسی طرح کا محل ان کے لئے ثابت نہیں ۔ اور یہ بھی جانتے

ہیں کہ اس قیام میں حالیت اور محلیت کا شائبہ تک نہیں ہے۔ بلکہ ان کا ثبوت و تقرر حلول کے وہم کے بغیر صاحب طلسم کی ذات کے ساتھ ہے۔ اور ہماری اس گفتگو میں بھی یہی صورت ہے کیونکہ حضرت حق سُبحانہٗ وتعالیٰ نے اشیاء کو مرتبہ حس و وہم میں پیدا فرمایا۔ اور استواری و مضبوطی ان کی پیدائش میں ملحوظ رکھی۔ اور معاملہ ابدی اور تنعیم و تعذیب سرمدی ان سے وابستہ کیا۔ پس ان اشیاء کا قیام اپنی ذات سے نہیں بلکہ ذات حق سُبحانہٗ کے ساتھ قائم ہیں بے شائبہ حلول اور بغیر گمان حلول کرنے اور محل بننے کے۔ دوسری مثال پہاڑ یا آسمان کی صورت ہے۔ جو آئینہ میں ظاہر ہوتی ہے۔ احمق کو چاہیئے کہ ان صورتوں کو اجسام گمان کرتے ہوئے جواہر خیال کرے۔ اور ان تماثیل کو جواہر جانتے ہوئے اپنی ذات کے ساتھ قائم جانے۔ اور اگر فرضاً کوئی شخص ان صورتوں کو اعراض جانے اور قائم بغیر تصور کرے اور ان کے عرض ہونے کی وجہ سے ان کے لئے جگہوں کا طالب بنے۔ اور جگہوں کے بغیر ان کے ثبوت کو محال جانے تو ایسا شخص بھی بے وقوف ہے۔ جو لوگوں کی تقلید میں اپنی بداہت کا انکار کرتا ہے۔ کیونکہ تھوڑی سی تمیز رکھنے والا بھی بداہت سے جانتا ہے۔ کہ ان صورتوں کے لئے بالکل جگہیں ثابت نہیں ہیں۔ بلکہ انھیں جگہوں کی ضرورت نہیں ہے۔ اسی طرح اربابِ کشف و شہود کے نزدیک تمام ممکنات ان صورتوں کی طرح ہیں۔ اور تماثیل سے زیادہ کچھ نہیں ہیں۔ صرف اتنی بات ہے کہ حضرت حق سُبحانہٗ وتعالیٰ نے ان صورتوں اور تماثیل کو اپنی کامل کاریگری سے ایسی استواری اور ایسا استحکام بخشا ہے۔ کہ خلل و زوال سے محفوظ و مصئون ہیں۔ اور معاملہ اخروی اور ابدی ان کے ساتھ وابستہ ہے۔ جیسا کہ کئی دفعہ گذر چکا ہے۔

متکلمین سے نظام نے جو معتزلہ علماء میں سے ہے۔ اپنے اٹکل پچو سے عالم کو مجموعہ اعراض جانا اور جواہر سے خالی مانا ہے۔ ہاں کبھی چھوٹے سے بھی سچی بات نکل جاتی ہے۔ جب اس نے کوتاہ نظری کے باعث ان اعراض کا قیام ذات واجب جلّ سلطانہٗ کے ساتھ نہیں جانا ہے۔ اس بناء پر وہ عقلاء کے طعن و تشنیع کا نشانہ بنا ہے۔ کیونکہ عرض کے لئے غیر کے ساتھ قیام کے بغیر چارہ نہیں۔ اور وہ جوہر کے وجود کا قائل نہیں۔ تاکہ اُس کے ساتھ قیام تسلیم کرے۔ اور صوفیہ میں سے صاحبِ فتوحاتِ مکیہ نے عالم کو عین واحد میں اعراض مجتمعہ قرار دیا ہے۔ اور عین واحد ذات احدیت جلّ سلطانہٗ کو قرار دیا ہے۔ لیکن ان اعراض کو دو زمانوں میں عدم بقا کا حکم لگایا ہے اور کہا ہے کہ عالم ہر آن میں معدوم ہوتا ہے۔ اور اس کی مثل دوسری آن میں پھر وجود میں آتا ہے۔ اور اس فقیر کے نزدیک یہ معاملہ شہودی ہے وجودی نہیں۔ جیسا کہ فقیر نے رباعیات کی شرح کے حواشی میں اس بحث کی تحقیق کی ہے۔

سالک کو احوال کے درمیان میں اس سے قبل کہ اس کی نظر بالکلیہ زائل ہو، ہر آن میں اس طرح دیکھتا

ہے کہ عالم معدوم ہوا ہے۔ اور دوسری آن میں محسوس کرتا ہے کہ عالم موجود ہے۔ تیسری آن میں پھر معدوم پاتا ہے۔ اور چوتھی آن میں پھر موجود۔ یہاں تک کہ فنا مطلق سے مشرف ہوتا ہے اور ہمیشہ ماسوا کو معدوم پاتا ہے اس وقت اس کے شہود میں عالم مستمر العدم ہوتا ہے۔ اور اسی طرح وسط میں حصول بقا اور عالم کی طرف رجوع کرتا ہے۔ کبھی عالم اُسے نظر آتا ہے اور کبھی پوشیدہ ہو جاتا ہے۔ اور یہاں سے تعدد امثال کی حالت کا وہم ہوتا ہے۔ اور جب عارف معاملۂ بقا اور عالم کی طرف رجوع انجام کو پہنچتا ہے۔ اور مقام تکمیل وارشاد میں قیام فرماتا ہے۔ تو عالم اس کی نظر میں آجائے گا۔ اور عالم مستمر الوجود ہو جائے گا۔ پس یہ معاملہ سالک کے شہود کی طرف راجع ہو گیا نہ کہ عالم کے وجود کی طرف کیونکہ اس کا وجود ہمیشہ ایک ہی وتیرے پر ہے۔ اگر تذبذب ہے تو شہود میں ہے۔
وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْمُلْهِمُ لِلصَّوَابِ

اور اعراض کے لئے دو زمانوں میں عدم بقا کا حکم جاری کرنا جیسا کہ بعض متکلمین نے کہا ہے، قابل اعتراض ہے اور ثبوت تک نہیں پہنچا اور جو دلائل اعراض کے عدم بقا کے سلسلے میں پیش کئے جاتے ہیں، سب ناتمام اور نامکمل ہیں۔ یہ معارف دقیقہ وہاں کے اکثر یاروں کے لئے گویا سبق ہے۔ توجہ کر کے ہر شوق رکھنے والے کو اس کی نقل عنایت کریں۔ چونکہ فقیر کو ضعف لاحق تھا۔ اس بناء پر دوستوں کو علیحدہ علیحدہ خط نہیں لکھا جا سکا۔ اور انہیں معارف پر اکتفا کیا گیا

وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلٰى مَنْ لَّدَيْكُمْ

مکتوب نمبر ۴۶

مولانا حمید بنگالی کی طرف صادر فرمایا

کلمہ طیبہ کے فضائل میں جو طریقت، حقیقت اور شریعت کا جامع ہے۔ اور اس میں کہ ولائت کے کمالات کی نبوت کے کمالات کے سامنے کچھ قدر و قیمت نہیں۔ اور اس بیان میں کہ ولائت کے لئے شریعت ضروری ہے۔ اور ظاہر ہمیشہ شریعت کا مکلف ہے اور باطن اس معاملے کا گرفتار اور اس کے مناسب امور کے بیان میں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ط یہ کلمہ طیبہ طریقت، حقیقت اور شریعت کو متضمن ہے سالک جب تک مقام نفی میں ہے۔ مقام طریقت میں ہے۔ اور جب نفی سے مکمل طور پر فارغ ہوگیا۔ اور سب ماسوا اس کی نظر سے پوشیدہ ہوگیا۔ تو طریقت کو مکمل کرلیا اور مقام فنا میں پہنچ گیا۔ اور جب نفی کے بعد مقامِ اثبات میں آتا ہے۔ اور سلوک سے جذبہ میں داخل ہوتا ہے تو مرتبہ حقیقت سے متحقق اور بقا سے موصوف ہوجاتا ہے۔ اور اس نفی و اثبات اور طریقت و حقیقت اور اس فنا و بقا اور اس سلوک و جذبہ سے ولایت کا اسم صادق آتا ہے۔ اور نفس امارگی سے اطمینان میں داخل ہوجاتا ہے اور پاک و طاہر ہوجاتا ہے۔ پس ولایت کے کمالات اس کلمہ طیبہ کے جزوِ اوّل سے وابستہ ہوئے۔ اور یہ جزو نفی و اثبات ہے۔ باقی رہا اس کلمہ مقدسہ کا جزوِ دوم جو حضرت خاتم الرسل علیہ و علی آلہ و علیہم الصلوات والتسلیمات کی رسالت کا مثبت ہے۔ یہ جزوِ اخیر شریعت کا محصل اور اُسے مکمل کرنے والا ہے۔ کیونکہ ابتداء اور درمیان میں جو کچھ حاصل ہوا تھا شریعت کی صورت تھی۔ اور اسم و نشان تھا۔ حقیقتِ شریعت کا حصول اس مقام میں ہوتا ہے۔ جو مرتبۂ ولائت کے حصول کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ اور نبوت کے کمالات جو انبیاء علیہم الصلوات والتحیات کی وراثت و تبعیت کے طور پر کامل پیرو کاروں کو حاصل ہوتے ہیں۔ اسی مقام میں حاصل ہوتے ہیں۔ طریقت و حقیقت جو ولایت کے حصول کا سبب ہیں۔ حقیقت شریعت اور کمالاتِ نبوت کی تحصیل کے لئے گویا شرائط ہیں۔ ولائت طہارت کی طرح ہے۔ اور شریعت نماز کی طرح۔ طریقت میں گویا نجاسات حقیقیہ کا ازالہ ہے۔ اور حقیقت میں نجاسات حکمیہ کا ازالہ۔ طہارت کاملہ کے بعد احکام شرعیہ کی بجا آوری کے لائق ہوتا ہے۔ اور نماز جو مراتبِ قرب کی نہایت دین کا ستون اور مومن کی معراج ہے۔ اس کے بعد اس کی ادا کے قابل ہوتا ہے۔ میں نے اس کلمہ مقدسہ کے جزوِ آخیر کو ایک ناپیدا کنار دریا پایا ہے۔ جس کے سامنے جزوِ اوّل قطرے کی طرح ہے۔ ہاں ہاں کمالاتِ ولایت کی کمالاتِ نبوت کے سامنے کچھ حیثیت نہیں۔ ذرّے کی آفتاب کے سامنے کیا حیثیت ہے۔

سُبحان اللہ۔ ایک گروہ نے کج بینی کے باعث ولائت کو نبوت سے افضل جانا ہے۔ اور شریعت کو جو کہ لبِ لباب ہے چھلکا گمان کیا ہے۔ کیا کریں ان کی نظر صورت شریعت پر بند ہے۔ اور مغز کی بجائے پوست ہی ان کے ہاتھ آیا ہے۔ اور نبوت کو مخلوق کی طرف توجہ کے باعث کم مرتبہ گمان کیا ہے۔ اور اس توجہ کو عوام کی توجہ کی طرح ناقص جانا ہے۔ ولایت کو جس کی توجہ حق جلّ و علا کی طرف ہے اس توجہ پر فضیلت دی ہے۔ اور ولائت کو نبوت سے افضل کیا ہے۔ نہیں جانتے کہ کمالاتِ نبوت بھی عروج میں حق سبحانہٗ کی طرف رُخ رکھتے ہیں۔ جیسا کہ مرتبہ ولائت میں ہے۔ بلکہ مرتبہ ولائت میں ان کمالات عروجی کی صورت ہے

جو مقامِ نبوّت میں حاصل ہے۔ چنانچہ اس کا کچھ ذکر آگے آئے گا۔ اور وقتِ نزول میں نبوّت کا ولائیت کی طرح رُخ خلق کی طرف ہوتا ہے۔ اس قدر فرق ہے کہ ولائت میں بظاہر خلق کی طرف متوجہ ہے اور باطن میں حق سبحانہٗ کی طرف۔ اور نزول نبوّت میں ظاہر و باطن دونوں طرح خلق کی طرف متوجہ ہے۔ اور انھیں مکمل طور پر حق جلّ شانہٗ کی طرف دعوت دیتا ہے۔ اور یہ نزول ولائت کے نزول سے اتم و اکمل ہے۔ جس طرح کہ کتب و رسائل میں اس کی تحقیق کی ہے۔ اور مخلوق کی طرف ان کی یہ توجہ عوام کی توجہ کی طرح نہیں ہے۔ جس طرح کہ ان لوگوں نے گمان کیا ہے۔ بلکہ عوام کی توجہ مخلوق کی طرف ان کے ماسوا میں گرفتاری کی بناء پر ہے۔ اور اخص خواص کی توجہ مخلوق کی طرف گرفتاری کی بناء پر نہیں۔ کیونکہ یہ بزرگوار ماسوا کی گرفتاری اول قدم میں وداع کر چکے ہیں۔ اور اس کی بجائے خالق جلّ سلطانہٗ کی گرفتاری اختیار کر چکے ہیں۔ بلکہ مخلوق کی طرف ان بزرگوں کی توجہ ہدایت وارشاد کے لئے ہے۔ تاکہ انھیں خالقِ خلق جلّ سلطانہٗ کی طرف راہنمائی کریں۔ اور ان کے مولیٰ تعالیٰ و تقدس کی رضامندی کے کاموں کی طرف دلالت کریں۔ اور شک نہیں کہ اس قسم کی توجہ خلق جس سے مقصود لوگوں کو ماسوا کی غلامی سے نجات دلانا ہو بہت افضل ہے اس توجہ بحق جلّ و علاء سے جو صرف اپنی ذات کے لئے ہو۔ مثلاً ایک شخص ذکرِ الٰہی میں مصروف ہوتا ہے۔ اس دوران میں وہ ایک نابینا دیکھتا ہے۔ جس کے راستے میں کنواں ہے۔ کہ اگر ایک قدم اُٹھائے گا۔ کنوئیں میں گر جائے گا۔ اس حالت میں اس شخص کے لئے ذکر میں مصروف رہنا بہتر ہے یا نابینا کو کنوئیں میں گرنے سے نجات دلانا۔ شک نہیں کہ ذکر میں مصروف سے اس نابینا کو نجات دلانا بہتر ہے۔ کیونکہ وہ بلند ذات اس سے اور اس کے ذکر سے بے نیاز ہے۔ اور نابینا ایک محتاج بندہ ہے۔ اس کی تکلیف دور کرنا ضروری ہے۔ خصوصاً جبکہ اس نجات دلانے کا حکم مل چکا ہو۔ اس وقت اس کا نجات دلانا ذکر ہی ہے کیونکہ حکم کی فرمابرداری ہے۔ اس کے ذکر میں ایک حق کی ادائیگی ہے جو حق مولیٰ جلّ شانہٗ ہے۔ اور نجات دلانے میں جو حکم کی بجاآوری کے تحت ہو۔ دو حق کی ادائیگی ہے۔ ایک حق بندہ کا اور ایک حق مولیٰ تعالیٰ کا۔ بلکہ نزدیک ہے کہ اس وقت ذکر میں مصروف رہنا گناہ میں داخل ہو۔ کیونکہ تمام اوقات ذکر کرتے رہنا مستحسن نہیں۔ بعض اوقات ایسے ہیں۔ کہ ان میں ذکر نہ کرنا مستحسن ہے۔ جن ایام میں روزہ رکھنے سے روکا گیا ہے۔ ان میں اور اوقاتِ مکروہ میں روزہ، نماز نہ ادا کرنا۔ روزہ نماز ادا کرنے سے بہتر ہے۔

جاننا چاہیئے کہ ذکر غفلت دور کرنے سے عبارت ہے۔ جس طریقہ سے بھی میسر آئے۔ نہ یہ کہ ذکر کلمہ نفی و اثبات کے تکرار میں بند اور منحصر ہے۔ یا اسمِ ذات تعالیٰ کا تکرار جس طرح لوگوں کا گمان ہے۔ پس جو کچھ احکام کی بجاآوری اور منہیات شرعیہ سے باز رہنے کی صورتیں ہیں۔ سب ذکر میں داخل ہیں۔ بیع و شراء حدودِ شرع کی رعایت کے ساتھ ذکر ہے۔ اسی طرح نکاح و طلاق وغیرہ اس رعایت کے ساتھ ذکر ہیں۔ کیونکہ رعایت

مذکورہ کے ساتھ ان امور کے کرنے کے وقت حکم دینے والا اور روکنے والا اللہ جل سلطانہ' ان امور کے کرنے والے کا نصب العین ہوتا ہے ۔ لہذا غفلت کی گنجائش نہیں رہتی ۔ ہاں اتنی بات ہے کہ جو ذکر مذکورہ اسم وصفت کے ساتھ واقع ہو جلد تاثیر کرنے والا اور محبت کرنے والا ہے ۔ اور مذکور تک جلد پہنچانے والا ہے بخلاف اس ذکر کے جو اوامر کی فرمانبرداری اور نواہی سے پرہیز کی صورت میں واقع ہوتا ہے ۔ کہ ان صفات خصوصیات سے کم حصہ رکھتا ہے ۔ اگر ان صفات سے بھی بعض افراد میں جن کا ذکر اوامر میں بجا آوری اور منہیات شرعیہ سے پرہیز کی صورت ہوتا ہے ۔ بر سبیل قلت پایا جاتا ہے ۔ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ فرماتے تھے کہ حضرت مولانا تاج الدین[1] تایبادی قدس سرہٗ علم کے راستے خدا جل سلطانہ' تک پہنچے ہیں ۔

نیز جو ذکر اسم وصفت کی شکل میں وقوع پذیر ہوتا ہے ۔ وہ اس ذکر کا ذریعہ بنتا ہے جو حدود شرعیہ کی رعایت میں حاصل ہوتا ہے ۔ اس لئے کہ تمام امور میں احکام شرعیہ کی رعایت شرع شریف برپا کرنے والے کی کامل محبت کے بغیر نہیں ہو سکتی ۔ اور یہ محبت تام اللہ تعالیٰ کے اسم وصفت کے ذکر سے وابستہ ہے ۔ لہذا پہلے وہ ذکر چاہیئے تاکہ اس ذکر کی دولت سے مشرف ہو ۔ ہاں عنایت الٰہی کا معاملہ جُدا ہے ۔ وہاں نہ کوئی شرط ہے اور نہ کسی ذریعے کی حاجت ۔

اَللّٰہُ یَجۡتَبِیۡۤ اِلَیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ[2] اللہ برگزیدہ بنا لیتا ہے اپنی ذات کے لئے جسے چاہتا ہے ۔

ہم اصل بات کی طرف آتے اور کہتے ہیں ۔ کہ ان تینوں معاملوں یعنی طریقت ، حقیقت اور شریعت کے علاوہ ایک اور معاملہ اور ایک الگ کاروبار بھی ہے (وہ اس حد تک ان سے الگ ہے) کہ یہ کہنا درست ہے کہ ان تین چیزوں کا معاملہ اس معاملے کے سامنے کچھ اہمیت اور اعتبار نہیں رکھتا ۔ کیونکہ اُس صورت کی حقیقت کے مرتبے میں جو کچھ حاصل ہوا تھا اور اثبات (الا اللہ) سے تعلق رکھتا تھا وہ اس معاملے کی صورت تھی اور یہ معاملہ اس

---

[1] مولانا زین الدین رحمۃ اللہ علیہ ظاہری علوم میں مولانا نظام الدین ہروی کے شاگرد ہیں ۔ اتباع شریعت اور متابعت سُنّت کی برکت سے باطنی علوم کے دروازے آپ پر کھل گئے ۔ اور ارباب ولایت کے احوال و مقامات عالیہ میسر آئے ۔ آپ فی الحقیقت اویسی النسبۃ ہیں ۔ شیخ الاسلام احمد النامقی کے زیر تربیت رہے ۔ مدت دراز تک آپ کے مزار پُر انوار پر خادم کی حیثیت سے مقیم رہے ۔ اس دوران میں وہاں ایک ہزار ختم قرآن کیا ۔ محرم الحرام ۷۹۱ھ میں جمعرات کے روز دوپہر کے وقت وصال فرمایا ۔ نفحات باختصار

[2] سورۃ شوریٰ پارہ الیہ یُرَدُّ

اس صورت کی حقیقت ہے۔ جس طرح شریعت کی صورت کہ ابتداء میں مرتبہ عوام میں حاصل ہوتی ہے۔ اور طریقت وحقیقت کے حصول کے بعد اس صورت شریعت کی حقیقت میسر آتی ہے۔ اور خیال کرنا چاہیئے کہ وہ معاملہ جس کی صورت حقیقت ہو اور جس کا مقدمہ ولایت ہو۔ گفتگو میں کیسے آسکتا ہے۔ اور بیان میں کیسے سما سکتا ہے۔ اور اگر بالفرض بیان کیا بھی جائے تو کون سمجھ سکتا اور کیا سمجھ سکتا ہے۔ یہ معاملہ انبیاء اولوالعزم علیہم الصلوات والتسلیمات والتحیات والبرکات کی وراثت ہے جو بہت ہی کم لوگوں کے حصے آتی ہے۔ اس معاملہ میں جب کہ اصول ہی کم ہیں تو فروع لازماً بہت ہی کم ہونگے۔

سوال :۔ ان معارف سے لازم آتا ہے کہ بعض مراتب میں عارف شریعت سے باہر قدم رکھتا ہے اور شریعت کے ماوراء میں عروج کرتا ہے۔

جواب :۔ شریعت ظاہر کا عمل ہے۔ اور وہ معاملہ اس دنیا میں باطن سے متعلق ہے۔ ظاہر ہمیشہ شریعت کا مکلف ہے اور باطن اس معاملے کا گرفتار ہے اور جب کہ یہ دنیا دارِ عمل ہے۔ اور باطن کو ظاہری اعمال کی عظیم مدد پہنچتی ہے۔ اور باطنی ترقیات شریعت کی بجا آوری کے ساتھ وابستہ ہیں۔ جو ظاہر سے متعلق ہے۔ لہذا تمام اوقات میں اس دنیا کے اندر ظاہر و باطن دونوں کو شریعت کے بغیر چارہ نہیں۔ ظاہر کا کام شریعت کے مطابق عمل ہے اور باطن کا حصہ شریعت کے نتائج وثمرات ہیں۔ اس لئے شریعت تمام کمالات کی اصل و بنیاد ہے۔ نیز تمام مقامات کی اصل ہے۔ اور شریعت کے ثمرات ونتائج اسی دنیوی زندگی میں ہی منحصر نہیں ہیں۔ بلکہ عالم آخرت کے کمالات اور دائمی نعمتیں، بھی شریعت کے ثمرات ونتائج ہیں۔ پس شریعت پاک درخت ہے۔ کہ اس کے ثمرات ومیوہ جات سے سارا جہاں نفع اندوز ہو رہا ہے۔ اور بیشمار فوائد اس سے حاصل کئے جارہے ہیں۔

سوال :۔ اس بیان سے لازم آتا ہے۔ کہ کمالات نبوّت میں بھی باطن حق سبحانہٗ کے ساتھ ہوتا ہے اور ظاہر خلق کے ساتھ۔ اور تو نے اپنے رسائل میں لکھا ہے اور ابھی اوپر بھی گذرا ہے۔ کہ مقامِ نبوّت میں جو محل دعوت ہے پوری توجہ خلق کی طرف ہوتی ہے۔ دونوں باتوں میں موافقت کی کیا صورت ہے۔

جواب :۔ وہ معاملہ عروج سے تعلق رکھتا ہے۔ اور مقامِ دعوت نزول سے وابستہ ہے۔ پس عروج کیوقت باطن حق سبحانہٗ کے ساتھ ہوتا ہے اور ظاہر مخلوق کے ساتھ۔ اسی وجہ سے وہ ان کے حقوق شریعت غرا کے مطابق ادا کرتا ہے۔ اور نزول کے وقت پورے طور پر خلق کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اور پورے طور پر مخلوق کو حق جلّ و علا کا راستہ دکھاتا ہے۔ لہذا دونوں میں کوئی منافات نہیں۔ اور اس مقام کی تحقیق یہ ہے۔ کہ خلق کی طرف توجہ عین حق سبحانہٗ کی طرف توجہ ہے،، تم جس طرف بھی منہ کرو گے اُدھر ہی اللہ کی ذات موجود ہے ،، نہ بایں معنی کہ ممکن عین واجب سبحانہٗ ہے۔ یا واجب کا آئینہ ہے۔ ممکن حقیر کو کیا طاقت ہے۔ کہ واجب تعالیٰ وتقدس کا عین ہو۔

یا اس بلند ذات کا آئینہ بن سکے۔ بلکہ ایسا کہنا درست ہے۔ کہ واجب ممکن کا آئینہ ہے۔ اور واجب تعالیٰ میں اشیاء اس طرح متوہم ہوتی ہیں۔ جس طرح اشیاء کی صورتیں ظاہری آئینے میں۔ لیکن جس طرح اشیاء کے لئے آئینے میں حلول یا سریان نہیں اس طرح واجب تعالیٰ کے آئینے میں بھی ان اشیاء کا حلول یا سریان نہیں۔ حلول کیسے متصور ہو سکتا ہے۔ جب کہ مرتبہ مرأت میں صورتوں کا وجود نہیں۔ بلکہ صورتوں کا وجود مرتبہ توہم وتخیل میں ہے۔ اور بس۔
جہاں آئینہ ہے وہاں صورت نہیں اور جہاں صورت ہے وہاں آئینے کے لئے ہزاروں عار ہیں۔ اس لئے کہ صورتوں کے لئے نمودِ خیالی کے سوا کچھ ثبوت نہیں اور تحقق وہمی کے سوا ان کی کچھ ہستی نہیں۔ اگر مکان رکھتے ہیں درجہ توہم میں رکھتے ہیں اور زمانہ رکھتے ہیں تو وہ بھی مرتبہ تخیل میں۔ لیکن اشیاء کے لئے یہ بے بود نمود خداوند جل سلطانہ کی کاریگری سے ہے۔ جو خلل اور فنا ہونے سے محفوظ ہے۔ اور ابدی معاملہ اس سے مربوط۔ اور عذاب وثواب دائمی اس سے وابستہ ہے۔

یہ بات ذہن میں رکھیں کہ ظاہری آئینے میں اولاً صورتیں ملحوظ ہوتی ہیں۔ اور آئینے کے لئے دوسری توجہ درکار ہے۔ اور واجب تعالیٰ کے آئینے میں اولاً ملحوظ وہ آئینہ ہے۔ اور اشیاء کے شہود کے لئے دوسری توجہ درکار ہے اور نیز ظاہری آئینوں میں صورتیں بھی آئینوں کے احکام وآثار کے آئینے ہیں۔ مثلاً اگر آئینے لمبے ہوں گے۔ تو اس میں صورتیں بھی لمبی ظاہر ہوں گی۔ اور آئینوں کی لمبائی کے آئینے بنیں گے۔ اسی طرح اگر آئینے چھوٹے ہوں گے۔ تو وہ چھوٹا پن صورتوں کے آئینوں میں ہوگا۔ بخلاف واجب تعالیٰ کے آئینے میں کہ اشیاء اس کے احکام وآثار کے آئینے نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ اس مرتبہ علیا میں کوئی حکم واثر نہیں۔ بلکہ وہاں تمام نسبتیں مسلوب ہیں۔ اشیاء کس چیز کے آئینے بنیں اور کس چیز کو ظاہر کریں۔ ہاں مراتب تنزل میں جو اسماء وصفات کے ثبوت کا مقام ہے۔ اگر اشیاء واجب تعالیٰ کے احکام کی صورتوں کے آئینے بنیں تو البتہ گنجائش ہے۔ اس لئے کہ سمع، بصر، علم اور قدرت مثلاً جو اشیاء کے، آئینوں میں ظاہر ہیں۔ مرتبہ وجوب کے سمع، بصر وقدرت کی صورتیں ہیں۔ جو ان اشیاء کے آئینے ہیں۔ یہ احکام مرأت کے ہیں۔ جو ظاہری اشیاء کے آئینے میں ظاہر ہوئے ہیں۔
اور وہ جو ہم نے کہا ہے۔ کہ واجب تعالیٰ کے آئینے میں اولاً ملحوظ وہ آئینہ ہے۔ اور شہود اشیاء کے لئے جو صورتوں کی طرح ہیں اس مرأت میں توجہ ثانی کی ضرورت ہے تو یہ دراصل ابتداء رجوع کا حال ہے۔ جس میں صورتیں نظر آتی ہیں۔ بعد اس کے کہ وہ صورتیں تمام کی تمام زائل ہو چکی تھیں۔ اور جب رجوع کا معاملہ آخر کو پہنچتا ہے۔ اور اشیاء میں دور و دراز سیر واقع ہوتی ہے۔ اور دائرہ امکان کے مرکز میں استقرار میسر آتا ہے تو لازماً شہود غیب سے تبدیل ہو جائے گا۔ اور ایمان شہودی ایمان غیبی ہو جائے گا۔ تا آنکہ معاملہ دعوت مکمل ہو۔ اور الرحیل کی ندا لگائیں اس وقت غیب نہ رہے گا۔ اور شہود ہی شہود رہ جائے گا۔ لیکن اتنی بات ہے کہ یہ شہود اتم اور اکمل ہوگا اس

شہود سے جو رجوع سے پہلے تھا۔ کیونکہ جو شہود آخرت سے تعلق رکھتا ہے اکمل ہے اس شہود سے جو دنیا سے متعلق ہے۔

هَنِيئًا لِأَرْبَابِ النَّعِيمِ نَعِيمُهَا[1] وَلِلْعَاشِقِ الْمِسْكِينِ مَا يَتَجَرَّعُ

جاننا چاہیئے۔ کہ تحقیق سابق سے راسخ ہوگیا کہ شئی کی صورت کے لئے جو آئینے میں ظاہر ہوتی ہے تخیل کے سوا کہیں ثبوت نہیں۔ حصولِ صورت کے باوجود آئینہ اپنی صرافتِ تجرّد پر قائم ہے۔ اس صورت کے بارے میں کہا جا سکتا ہے۔ کہ آئینہ اس کے قریب ہے۔ اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے۔ کہ آئینہ اس صورت کو محیط اور اس صورت کے ساتھ ہے۔ یہ قرب و احاطہ اور معیت نہ جسم کے جسم کے قرب و احاطہ کے قبیلہ سے ہے یا جوہر کے عرض کے ساتھ ہے وہاں وہ قرب و احاطہ ہے جس کی تصویر سے عقل عاجز اور اس کی کیفیت کے ادراک سے قاصر ہے۔ پس اس صورت میں قرب و معیت اور احاطہ ثابت ہے۔ لیکن اس کی کیفیت بالکل معلوم نہیں۔ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی[2]

اسی طرح ہے وہ قرب جو حضرت حق سبحانہٗ کو عالم کے ساتھ حاصل ہے۔ اسی طرح اس بلند ذات کا احاطہ اور معیت معلوم الانیت[3] اور مجہول الکیفیت ہے۔ ہم ایمان رکھتے ہیں کہ وہ بلند ذات قریب و محیط اور عالم کے ساتھ ہے۔ لیکن اس بلند ذات کے قرب و احاطہ اور معیت کی کیفیت ہم نہیں جانتے کہ کیسی ہے۔ کیونکہ یہ صفات اشیاء کی صفات سے جدا اور امکان و حدوث کے نشانات سے علیحدہ ہیں۔ تاہم اس کی نظیر و تشبیہ عالم مجاز میں جو حقیقت کا پل ہے۔ بیان کی گئی ہے۔ اور آئینہ و صورت کے ذریعے اس طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ تاکہ تیز بین لوگ اس بلند ذات کی عنایت سے مجاز کے واسطے سے حقیقت کا سراغ لگائیں۔ اور صورت سے معنی کی طرف رغبت کریں

والسلام علی من اتبع الہدیٰ

مکتوب نمبر ۴۷

نصیحت و تنبیہ میں خواجہ محمد قاسم بدخشی کی طرف صادر فرمایا

---

[1] ارباب نعمت کو نعمتیں گوارا ہوں۔ عاشق مسکین کے لئے تو وہی (غم واندوہ) ہے جو گھونٹ گھونٹ کر کے پی رہا ہے

[2] اور اللہ ہی بلند صفات والا ہے۔ سورۃ النحل پارہ ۱۴

[3] یعنی اس احاطہ اور معیت کا وجود معلوم ہے لیکن اس کی کیفیت معلوم نہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط بعد الحمد والصلوٰۃ وتبلیغ الدعوات ۔ عرض کرتا ہے ۔ اللہ سبحانہٗ کی حمد اور اس کا احسان ہے ۔ کہ اس بھائی کے کلمہ و کلام سے طلب کی حرارت معلوم ہوتی ہے ۔ اور جمعیت کی بُو آتی ہے ۔ بیشک یہ دولت قربِ صحبت کا اثر ہے ۔ بے فائدہ اُمور کی گرفتاری نے تمہیں نہ چھوڑا ۔ کہ ایک ہفتہ ہی صحبت میں رہو ۔ معلوم نہیں تمہاری صحبت کے کل دس دن ہوں ۔ خدائے جل سلطانہٗ سے شرم کرنی چاہیئے ۔ کہ ہزاروں میں سے صرف ایک دن بھی خدائے عزّ و جلّ کے لئے منتخب نہیں کرتے ۔ اور اِدھر اُدھر کے تعلقات سے اپنے آپ کو جمع نہیں کرتے ۔ تم پر حجت قائم ہو چکی ہے ۔ اور تم اپنے وجدان سے جان چکے ہو کہ اس صحبت کی ایک گھڑی ریاضت و مجاہدہ کے چلوں سے بہتر ہے ۔ اس کے باوجود اس صحبت سے گریز کر رہے ہو ۔ اور حیلوں اور بہانوں سے اپنے آپ کو دور رکھتے ہو ۔ تمہاری استعداد کا جوہر نفیس ہے ۔ لیکن کیا فائدہ اگر قوت سے فعل میں نہ آئے ۔ تمہاری استعداد بلند ہے لیکن ہمت پست ہے ۔ بچوں کی طرح نفیس موتیوں کو چھوڑ کر خسیس خزف ریزوں (ٹھیکریوں) کے ساتھ آرام پذیر ہو ۔

بوقتِ صبح شود ہمچو روز معلومت ۔ کہ باکہ باختہ عشق در شبِ دیجور[۱]

اب بھی کچھ نہیں گیا ۔ اپنے اصل کام کی فکر کرنی چاہیئے ۔ اور اس کام طریقت کا عمدہ پہلو اربابِ جمعیت کی صحبت ہے ۔ اور اگر یہ دولت میسر نہ ہو تو اپنے اوقات کو ذکرِ الٰہی جل شانہٗ میں جو صاحبِ دولت سے سیکھا گیا ہو ۔ مشغول رکھنا چاہیئے ۔ اور جو کچھ ذکر کے منافی ہے ۔ اس سے اجتناب کرنا چاہیئے اور شرع شریف کے حلال و حرام میں بہت احتیاط کرنی چاہیئے ۔ اور اس بارے میں سستی سے بچنا چاہیئے اور نماز باجماعت پابندی سے ادا کریں اور تعدیلِ ارکان میں بہت کوشش کریں اور اس بات کا دھیان رکھیں کہ نماز اوقات مستحبّہ میں ادا ہو ۔

رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا ط اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ط

ماتم پرسی اور مقامِ رضا کے حصول کی ترغیب میں خواجہ محمد طالب بدخشی کی طرف صادر فرمایا

۱؎ تجھے صبح کو روزِ روشن کی طرح معلوم ہو جائے گا ۔ کہ شبِ تاریک میں تو کس سے عشق بازی کرتا رہا ہے ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ۔ خواجہ محمد طالب! ہمیشہ مطلوب کے خواہاں رہیں۔ آنکھوں کی ٹھنڈک محمد صدیق کی خبر وفات آپ نے تحریر کی ہے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ برادرِ عزیز! حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ ایمان والوں کے نزدیک سب سے زیادہ عزیز اور محبوب ہے۔ چاہے اموال ہوں چاہے انفس۔ اور زندہ کرنا اور مارنا اس بلند ذات کا فعل ہے۔ جس میں دوسرے کا دخل نہیں ہے۔ تو لازماً اس بلند ذات کا فعل بھی عزیز تر اور بلند تر ہوگا۔ بلکہ یہ ایک ایسا موقعہ ہے کہ محبتوں کو محبوبوں کے فعل سے لذت گیر اور خوشی محسوس کرنی چاہیئے۔ صبر کی کس بناء پر تلقین کرے کیونکہ اس میں ناپسندیدگی کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔ اور مرتبہ رضا بھی اگرچہ رغبت و سرور کی خبر دیتا ہے۔ تاہم مرتبہ التذاذ ایک الگ ہی شئی ہے

عشق آن شعلہ ست کو چوں برفروخت ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

تیغ لا در قتل غیر حق براند درنگر زاں پس کہ بعد لا چہ ماند

ماند الا اللہ باقی جملہ سوخت شاد باش اے عشق شرکت سوز رفت

والسلام علی من اتبع الہدیٰ

مکتوب نمبر ۴۹

خواجہ گدا کی طرف صادر فرمایا

اس بیان میں کہ غیر حق کو فراموش کر دینا اس راہ میں قدم اول ہے۔ کوشش کریں کہ اس ایک قدم میں توکوتاہی نہ ہو

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى نَبِيِّهٖ وَنُسَلِّمُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الْكِرَامِ۔ مکرمی! عقائد کی درستی اور احکام شرعیہ کی بجاآوری کے بعد اپنے آپ کو بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ہمیشہ ذکر الٰہی میں مصروف رکھیں۔ چاہیئے کہ اس ذکر کا غلبہ اس قدر ہو کہ باطن میں غیر مذکور کا گذر نہ رہے۔ اور ما سوا سے تعلق حبی اور علمی کو زائل کر دے۔

۱؎ عشق وہ شعلہ ہے کہ جب جل اُٹھتا ہے تو معشوق کے سوا ہر چیز کو جلا دیتا ہے۔

۲؎ اس نے لا کی تلوار غیر حق کے قتل کرنے میں چلائی تو دیکھو کہ لا کے بعد پیچھے کیا رہ گیا

۳؎ باقی صرف الا اللہ رہا اس کے سوا سب کچھ جل گیا۔ اے شرکت کے خس وخاشاک کو مکمل طور پر جلا دینے والے عشق تو شاد اور خوش رہ

اس وقت قلب کو ماسوا سے فراموشی حاصل ہوتی ہے۔ وہ غیر کے دید و دانش سے فارغ ہو جاتا ہے۔ اگر تکلف و کوشش سے بھی اُسے یاد دلائیں تو اس کی یاد میں نہیں آتیں اور نہ ہی ان کو پہچانتا ہے اور ہمیشہ مطلوب میں فانی اور مستغرق رہتا ہے۔ جب معاملہ یہاں تک پہنچ جاتا ہے۔ تو اب اس راہ کا ایک قدم طے کرتا ہے۔ کوشش کریں کہ اس ایک قدم کے اُٹھانے میں تو کوتاہی نہ ہو۔ اور دید و دانش میں غیر کے گرفتار نہ رہیں لے

گوئے توفیق و سعادت درمیان افگندہ اند کس بمیدان در نمے آید سواراں را چہ شد

بظاہر تمہارے تعلقات کم دکھائی دیتے ہیں۔ لیکن آپ شوقِ تعلق سے اپنے آپ کو اربابِ تعلق کے ساتھ جمع رکھتے ہیں۔ "جو شخص اپنے نقصان میں خود راضی ہو۔ وہ شفقت کا مستحق نہیں ہوتا" طے شدہ مسئلہ ہے۔

وَالسَّلام

مکتوب نمبر ۵۰

میرزا شمس الدین کی طرف صادر فرمایا

اس بیان میں کہ شریعت کی ایک صورت ہے۔ اور ایک حقیقت۔ اور اس بیان میں کہ از ابتداء تا انتہاء شریعت کے بغیر چارہ نہیں۔ اور قلب کی تمکین، نفس کے اطمینان اور اجزاءِ قلب کے بیان میں جو مرتبۂ نبوت میں ہے اور جو باتیں اسکے مناسب ہیں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ شریعت کی ایک صورت ہے اور اس کی ایک حقیقت۔ صورتِ شریعت ایمان باللہ و بالرسول اور ان تمام احکام پر ایمان رکھنے کے بعد احکامِ شرعیہ کے بجالانے سے عبارت ہے۔ جب کہ نفسِ امارہ کی مزاحمت اور اس کی سرکشی اور بغاوت جو اس کی سرشت میں رکھی گئی ہے، موجود ہو۔ اس مقام میں اگر ایمان ہے تو صرف اس کی صورت ہے۔ اور اگر نماز ہے تو وہ بھی صورتِ نماز۔ اور اگر روزہ ہے تو وہ بھی صرف صورتِ روزہ۔ علیٰ ہذا القیاس، دوسرے تمام احکام۔ اس لئے کہ وجودِ انسان میں نفس جو ایک عمدہ جزو ہے۔ اور قول انا سے ہر ایک فرد کا مشارٌ الیہ بھی یہی نفس ہے۔ ابھی تک اپنے کفر و انکار پر قائم ہے۔ لہذا اس حالت میں حقیقتِ ایمان اور اعمالِ صالحہ کی حقیقت کس طرح متصور ہو سکتی ہے۔ اور یہ خدا تعالیٰ

لے توفیق و سعادت کا گیند درمیان میں ڈال دیا گیا ہے۔ لیکن کوئی میدان میں نہیں آتا۔ سواروں کو کیا ہو گیا ہے۔

جل شانہٗ کی رحمت ہے کہ صرف صورت کو قبول فرما کر دخولِ جنت کی بشارت دی ہے۔ جو خدا تعالیٰ کا مقامِ رضا ہے۔ اور یہ بھی اس کا احسان ہے۔ کہ نفسِ ایمان میں صرف تصدیق بالقلب کے ساتھ کفایت فرمائی۔ اور نفس کے اذعان وایقان کے ساتھ مکلف نہیں فرمایا۔ ہاں یہ بات ضرور ہے۔ کہ جنت کی بھی ایک صورت ہے اور ایک حقیقت۔ اصحابِ صورت، صورت جنت سے لطف اندوز ہوں گے۔ اور اربابِ حقیقت، حقیقتِ جنت سے۔ اصحابِ صورت اور اربابِ حقیقت دونوں جنت کا میوہ تناول فرمائیں گے۔ صاحبِ صورت اس سے ایک قسم کی لذت پائے گا۔ اور صاحبِ حقیقت دوسری قسم کی لذت۔ ازواجِ مطہرات امہات المؤمنین آنسرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ایک ہی جنت میں ہونگی۔ اور ایک ہی پھل تناول فرمائیں گے۔ لیکن ہر ایک کے لئے لذت ونعمت کی الگ الگ کیفیت ہوگی۔ اور اگر علیحدہ نہ ہو تو ہمارے پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد تمام بنی آدم پر امہات المؤمنین کی افضلیت لازم آتی ہے۔ نیز لازم آتا ہے کہ جو شخص افضل ہو اس کی زوجہ بھی اس سے افضل ہو۔ کیونکہ بیوی خاوند کے ساتھ زندگی گزارتی ہے۔ یہ صورتِ شریعت بشرطِ استقامت فلاح کی موجب اور نجاتِ اخروی کو مستلزم ہے۔ اور دخولِ جنت کی مسیح ہے۔ جیسا کہ ابھی گزرا۔ اور جب ایک شخص نے صورتِ شریعت درست کرلی تو ولائت عام حاصل ہوگئی

اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ط — یعنی اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا دوست ہے

اور اس وقت اللہ تعالیٰ کی عنایت ومہربانی سے سالک اس امر کی استعداد پیدا کرلیتا ہے۔ کہ طریقت میں قدم رکھے اور ولایت خاصہ کی طرف رُخ کرے اور بتدریج نفس کو امارگی سے اطمینان کی طرف کھینچے۔ لیکن یہ بات ذہن میں رکھیں کہ اس ولایت خاصہ کے ساتھ منازل وصول طے کرنا بھی اعمالِ شریعت کے ساتھ وابستہ ہے۔ کیونکہ ذکرِ الٰہی جل شانہٗ جو اس راہ میں عمدہ چیز ہے۔ ماموراتِ شرعیہ میں سے ہے۔ اور ممنوعاتِ شرعیہ سے اجتناب بھی اس راہ کی ضروریات سے ہے۔ اور ادائے فرض اللہ تعالیٰ کے نزدیک کرنے والی چیز ہے۔ اور پیر راہ بین اور راہنما جو وسیلہ اور ذریعہ بنے، بھی مامور شرعی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَابْتَغُوْا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ[1] — اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے لئے وسیلہ تلاش کرو

---

[1] سورہ مائدہ پارہ لایحب اللہ۔ یاد رہے کہ بعض بے ادب اس آیت میں "الوسیلہ" سے صرف اعمال صالحہ مراد لیتے ہیں۔ اور اہل اللہ کی ذوات مقدسہ کے وسیلہ ہونے کا انکار کرتے ہیں۔ بلکہ ذواتِ مقدسہ کو وسیلہ قرار دینے کو غلط کہتے ہیں۔ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کی اس تفسیر سے واضح ہے۔ کہ بے ادب لوگوں کا مؤقف غلط ہے۔ اور اعمال صالحہ کی طرح اہل اللہ بھی وسیلہ اور ذریعہ ہیں۔ از مترجم غفرلہٗ

بہر صورت شریعت کے بغیر چارہ نہیں۔ صورتِ شریعت ہو، چاہے حقیقتِ شریعت۔ کیونکہ ولایت و نبوت کے تمام کمالات کے بنیادی ارکان احکام شرعیہ ہیں۔ ولایت کے کمالات صورتِ شریعت کے نتائج ہیں۔ اور کمالاتِ نبوت حقیقتِ شریعت کے ثمرات۔ جیسا کہ انشاء اللہ تعالیٰ ابھی آئے گا۔ ولایت کا مقدمہ حقیقت ہے جہاں مطلوب کے ماسوا کی نفی اور مقصود کے غیر و غیریت کو دور کرنا ہوتا ہے اور جب خداوند جل شانہٗ کے فضل سے غیر حق تعالیٰ کلی طور پر نظر سے ہٹ گیا۔ اور دید میں اغیار کا نام و نشان باقی نہ رہا۔ تو فنا حاصل ہو گئی۔ اور مقامِ طریقت اپنے انجام کو پہنچ گیا۔ اور سیر الی اللہ مکمل ہو گئی۔ اس کے بعد مقامِ اثبات کا آغاز ہوتا ہے۔ جو سیر فی اللہ سے عبارت ہے۔ اور یہی مقامِ بقا ہے۔ جسے مقامِ حقیقت کہتے ہیں اور یہی ولایت کا مقصدِ اعلیٰ ہے۔ اس طریقت و حقیقت سے جو فنا اور بقا سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ سالک پر ولایت کا نام صادق آتا ہے۔ اور نفس سرکش نفس مطمئنہ بن جاتا ہے۔ اور اپنے کفر و انکار سے باز آ جاتا ہے۔ اور اپنے مولیٰ جل سلطانہٗ سے راضی ہو جاتا ہے۔ اور مولیٰ تعالیٰ بھی اس سے راضی ہو جاتا ہے۔ اور اس کی سرشت میں احکام شریعت سے جو نفرت پائی جاتی تھی۔ زائل ہو جاتی ہے۔

بزرگانِ دین فرماتے ہیں۔ کہ اگرچہ نفس مقامِ اطمینان میں پہنچ جاتا ہے۔ تاہم اپنی سرکشی سے باز نہیں آتا[1]

ہر چند کہ مطمئنہ گردد — ہر گز صفات خود نگردد

اور جہادِ اکبر جس کا ذکر حضور نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حدیث رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَی الْجِهَادِ الْاَکْبَرِ۔ ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف واپس آئے، میں کیا ہے[2]۔ اس سے مراد یہی نفس سے جہاد ہے۔

اور جو کچھ فقیر کے کشف میں آیا ہے۔ اور اپنے وجدان سے پایا ہے۔ مشائخ کے اس بیان مشہور کے خلاف ہے۔ یہ فقیر حصولِ اطمینان کے بعد نفس میں کسی قسم کی سرکشی اور بغاوت نہیں پاتا۔ اور نفس کو فرمانبرداری کے مقام میں قیام پذیر دیکھتا ہے۔ بلکہ نفس مطمئنہ کو مضبوط دل کی طرح جو غیر حق کو فراموش کر چکا ہو، پاتا ہے۔ جو غیر اور غیریت کی دید و دانش سے گذر چکا ہوتا ہے۔ اور جاہ و ریاست کی محبت اور لذت و تکلیف سے چھوٹ چکا

---

[1] نفس اگرچہ مطمئنہ ہو جاتا ہے۔ لیکن پھر بھی اپنی صفات سے باز نہیں آتا۔

[2] اس حدیث کو شیخ شہاب الدین سہروردی نے عوارف میں اور امام غزالی نے احیاء العلوم میں ذکر کیا ہے۔ اور عراقی نے بروایت جابر بیہقی کی طرف منسوب کیا ہے۔ نیز خطیب بغدادی نے بھی اپنی تاریخ میں بروایت جابر اس حدیث کی روایت کی ہے۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس جہاد کی تفسیر مجاہدۂ قلب اور خواہشات نفسانی کے خلاف مجاہدہ سے کی ہے۔

ہوتا ہے۔ مخالفت کہاں رہی۔ اور سرکشی کس نے کرنی ہے۔ یعنی مقامِ اطمینان میں پہنچ کر نفس تمام خرابیوں سے پاک ہوجاتا ہے۔ حصولِ اطمینان سے پہلے اگر بال برابر بھی فرق پڑے تو سرکشی اور بغاوت کے متعلق مشائخ جو کچھ فرماتے ہیں۔ اس کی گنجائش ہے۔ لیکن حصولِ اطمینان کے بعد مخالفت اور سرکشی کی کوئی گنجائش نہیں۔ اس باب میں اس فقیر نے اگرچہ بڑی تیز اور گہری نظر سے مطالعہ کیا ہے۔ اور اس معمّا کے اغلاط دور گیا ہے۔ کہ یہ بات قوم کی طے شدہ بات کے خلاف ہے۔ لیکن اللہ سبحانہٗ کی عنایت سے نفس مطمئنہ میں بال برابر بھی مخالفت اور سرکشی نہیں پائی۔ اور ہلاک اور نیست ہو جانے کے سوا اس میں اور کوئی چیز نہیں دیکھی۔ نفس جب اپنے آپ کو اپنے مولیٰ جلّ سلطانہٗ و تعالیٰ پر قربان کردے۔ تو پھر مخالفت کی کیا گنجائش رہتی ہے۔ اور جب نفس حق سبحانہٗ و تعالیٰ سے راضی ہو گیا۔ اور حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ اس سے راضی ہو گیا۔ تو سرکشی کی کیا صورت ہو سکتی ہے۔ کیونکہ یہ بات رضا کے منافی ہے۔ جو چیز حق جلّ شانہٗ کے پسندیدہ ہوگی۔ وہ ہرگز ناپسندیدہ نہیں ہو سکتی۔ اور فقیر کے نزدیک وَاللہُ سُبْحَانَہٗ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَۃِ الْحَالِ۔ جہادِ اکبر سے مراد ہو سکتی ہے۔ کہ بدن عنصری سے جہاد ہو جو مختلف طبائع سے مرکب ہے۔ اور اس کی ہر طبیعت ایک امر کی خواہاں ہے اور دوسرے امر سے دور ہونا چاہتی ہے۔ اگر شہوانی قوت ہے تو وہ بھی بدن عنصری سے پیدا ہوتی ہے۔ اور قوتِ غضبیہ ہے۔ تو وہ بھی یہیں سے ظاہر ہوتی ہے۔ تم نہیں دیکھتے کہ باقی حیوانات جو نفسِ ناطقہ نہیں رکھتے۔ یہ کمینی صفات ان میں موجود ہیں۔ اور شہوتِ غضب، غلبہ حرص اور لالچ سے موصوف ہیں۔ یہ جہاد ہمیشہ برپا ہے۔ نفس کا اطمینان اس جہاد سے تسکین نہیں بخشتا۔ اور جنگ کی مضبوطی اس جنگ کو دور نہیں کرتی۔ اس جہاد کے باقی رکھنے میں بہت سے فوائد ہیں۔ کیونکہ یہ بدن عنصری کے تنقیہ و تطہیر کو شامل ہے۔ تاکہ اگلی دنیا کے کمالات اور معاملہ آخرت بالاصالت اس کے ساتھ وابستہ ہوں۔ کیونکہ اس دنیا کے کمالات جسم کے تابع ہیں۔ اور قلب متبوع ہے وہاں کام برعکس ہے کہ قلب تابع ہے اور بدن عنصری متبوع۔ اور جب اس دنیا کا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ اور وہ جہان پر تو انداز ہوگا۔ تو جہاد اور یہ لڑائی ختم ہو جائے گی۔ اور جب اللہ سبحانہٗ کے فضل سے نفس مقامِ اطمینان میں آگیا۔ اور خدائے جلّ شانہٗ کے حکم کا فرمانبردار بن گیا۔ تو اسلام حقیقی میسّر آگیا۔ اور حقیقتِ ایمان، کی صورت جلوہ گر ہو گئی۔ اس کے بعد وہ جو عمل بھی کرے گا۔ حقیقت شریعت ہی ہوگا۔ اگر نماز ادا ہوگی۔ تو وہ بھی حقیقت نماز ہوگی۔ اور اگر روزہ ہے تو وہ بھی حقیقتِ روزہ۔ اور اگر حج ہوگا تو وہ بھی حقیقتِ حج۔ اسی قیاس پر باقی تمام احکامِ شرعیہ۔ پس طریقت و حقیقت شریعت کی صورت و حقیقت کے درمیان واقع ہیں۔ سالک جب تک ولایتِ خاصہ سے مشرف نہیں ہوتا۔ اسلام مجازی سے اسلام حقیقی تک نہیں پہنچتا۔ اور جب محض فضلِ خداوندی جلّ سلطانہ سے حقیقتِ شریعت سے آراستہ ہوا۔ اور اسلام حقیقی میسّر ہوا۔ تو اب اس قابل ہوا کہ نبوّت کے کمالات

سے انبیاء علیہم الصّلوات والتسلیمات کی وراثت تبعیت میں پورا بہرہ ور اور کامل حصّہ پاتا ہے۔ چنانچہ صورتِ شریعت کمالات ولائیت کے لئے پاک درخت کی طرح ہے۔ کمالات ولائیت حقیقتِ شریعت کے گویا ثمرات ہیں۔ اور حقیقتِ شریعت بھی کمالات نبوّت کے لئے گویا شجرہ مبارکہ ہے۔ اور یہ کمالات اس کے ثمرات کی طرح ہیں۔ اور جب کمالات ولائیت صورت کے ثمرات ہیں۔ اور کمالاتِ نبوّت حقیقت کے ثمرات۔ تو لازماً کمالاتِ ولایت کمالاتِ نبوّت کے لئے صورتوں کی طرح ہیں۔ اور نبوّت کے کمالات ان صورتوں کے حقائق۔

جاننا چاہیئے۔ کہ صورت شریعت اور حقیقتِ شریعت کے درمیان فرق نفس کے راستے سے آیا تھا۔ کہ درجہ صورت میں نفس امّارہ سرکشی کی حالت میں اور اپنے انکار پر تھا۔ اور حقیقت کے درجہ میں نفس مطمئنہ اور مسلمان ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کمالاتِ ولائیت کے درمیان جو صورتوں کی طرح ہیں۔ اور کمالاتِ نبوّت کے درمیان جو حقائق کی طرح ہیں فرق جسم عنصری کی طرف سے ہے۔ مقامِ ولائیت میں جسم عنصری کے اجزاء بغاوت و سرکشی سے باز آجاتے ہیں۔ مثلاً جسم عنصری کا جزو ناری اطمینانِ نفس کی وجہ سے اپنے بہتر اور بڑا ہونے کے دعویٰ سے باز آجاتا ہے۔ اور خاکی جزو اپنی عاجزی اور کمینگی سے پشیمان نہیں ہوتا۔ اسی طرح باقی اجزاء۔ اور کمالاتِ نبوّت کے مقام میں بدن کے اجزاء اعتدال پر آجاتے ہیں۔ اور افراط و تفریط سے نجات پا جاتے ہیں۔ اسی بناء پر ہو سکتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ اَسۡلَمَ شَیۡطَانِیۡ۔ یعنی میرا شیطان مسلمان ہو چکا ہے۔ شیطان جس طرح آفاق میں ہے۔ انفس میں بھی ہے۔ اور وہ ناری جزو ہے۔ جو اپنے بہتر ہونے کا مدّعی اور اپنی بڑائی اور بلندی کا خواہاں ہے۔ جو صفاتِ رذیلہ میں سے بدترین صفت ہے۔ اور اس کا اسلام لے آنا اس کی ان بُری صفات کے ازالے سے کنایہ ہے۔ پس کمالاتِ نبوّت میں اطمینان قلب بھی ہے۔ اور اطمینان نفس بھی۔ اور اجزائے قالب کا اعتدال بھی۔ اور ولائیت میں بس یہی اطمینانِ قلب ہے۔ اور زیادہ سے زیادہ اطمینانِ نفس۔ اور وہ جو میں نے کہا ہے کہ زیادہ سے زیادہ اطمینانِ نفس۔ اس بناء پر کہا۔ کہ نفس کو اطمینان کامل اور بے تکلف طور پر اجزائے قالب کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ اس لئے اربابِ ولائیت نے اجزائے قالب کے عدم اعتدال کے واسطے سے نفس مطمئنہ کا رجوع صفاتِ بشریّت کی طرف جائز قرار دیا ہے۔ جیسا کہ اوپر گذرا۔ اور جو اطمینان اجزائے قالب کے اعتدال کے بعد نفس کو حاصل ہوتا ہے وہ صفاتِ رذیلہ کی طرف رجوع سے پاک اور مبرّا ہے۔ پس نفس کے رذائل کی طرف رجوع کرنے اور رجوع نہ کرنے کا اختلاف مقامات و افکار کے اختلاف پر مبنی ہے۔ ہر ایک نے اپنے مقام سے خبر دی ہے اور اپنی دانست کے مطابق بات کی ہے۔

سوال:۔ جب کہ قالب کی اجزاء بھی حدِ اعتدال پر آجاتی ہے۔ اور بغاوت اور سرکشی سے رُک جاتی ہیں۔ تو پھر ان کے ساتھ جہاد کی کیا صورت ہوتی ہے۔ اور نفس مطمئنہ کی طرح ان کے ساتھ جہاد کرنے کا سلسلہ بھی زائل

ہو جاتا ہے۔

جواب :۔ نفس مطمئنہ اور ان اجزاء کے درمیان فرق ہے۔ کیونکہ نفس مطمئنہ ہلاکت اور نیستی کی صفت رکھتا ہے۔ اور عالم امر سے ملحق ہے۔ جو کمال نیستی اور سکر سے موصوف ہے۔ اور یہ اجزاء احکام شرعیہ کی بجا آوری کے واسطہ سے جن کی بناء صحو پر ہے۔ نیستی اور سکر سے مناسبت نہیں رکھتی۔ اور فانی میں اس مخالفت کی گنجائش نہیں ہے۔ اور جو صحو کی حالت میں ہو۔ وہ بعض مصالح اور منافع کی بناء پر صورت کے بعض امور میں اگر مخالفت کرے تو گنجائش ہے۔ امید ہے کہ یہ مخالفت فضلِ خداوندی جل سلطانہ سے ترکِ استحباب سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی اور کراہت تنزیہیہ سے نیچے نہیں جائے گی۔ اس لئے اعتدال اجزاء کے باوجود مرتبہ قالب میں جہاد متصور ہے اور نفس مطمئنہ کے درجے میں جہاد جائز ہے۔ اس بحث کی تحقیق مکتوبات کی جلد اول کے اس مکتوب میں تفصیل سے تحریر ہو چکی ہے۔ جو اپنے بڑے فرزند مرحوم کے نام بیان طریقہ میں لکھا ہے۔ اگر کچھ پوشیدگی باقی رہ گئی ہو تو اس کی طرف رجوع کریں۔ اور اگر محض فضلِ خداوندی جل سلطانہ سے کمالاتِ نبوت جو حقیقت شریعت نتائج و ثمرات ہیں بھی اختتام کو پہنچ جائیں۔ اور وہاں ترقیاتِ اعمال کے ساتھ وابستہ نہ رہیں۔ تو اس مقام میں معاملہ حضرت رحمان جل سلطانہ کے محض فضل و احسان سے وابستہ ہے۔ اعتقاد کا وہاں کوئی اثر نہیں۔ اور علم و عمل کا وہاں کوئی فیصلہ جاری نہیں ہوتا۔ بلکہ وہاں فضل در فضل اور کرم در کرم ہے۔ یہ مقام سابق مقامات کی نسبت سے بہت بلند ہے۔ اور بڑا وسیع اور فراخ ہے۔ اور جو نورانیت یہ مقام رکھتا ہے۔ مقامِ سابق میں اس کا اثر بھی نہیں تھا۔ یہ مقام اصالتہ انبیاء اولی العزم علیہم الصلوات والتسلیمات کے لئے مخصوص ہے۔ اور ان کی فرمانبرداری میں، جسے چاہیں اس سے نواز دیں۔ اور وراثت کے طور پر جسے چاہیں اس سے مشرف فرما دیں[1]

با کریماں کار ہا دشوار نیست

یہاں کوئی شخص غلطی نہ کھائے اور یہ نہ کہے کہ اس مقام میں صورت شریعت اور حقیقتِ شریعت سے بے نیازی حاصل ہو جاتی ہے۔ اور احکام شرعیہ کے بجالانے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ شریعت اس کام کی اصل اور اس معاملہ کی بنیاد ہے۔ درخت چاہے کتنا ہی اونچا اور بلندی میں چلا جائے۔ اور دیوار چاہے کتنی ہی بلندی میں چلی جائے۔ اور محلات بلند اس پر تعمیر کئے جائیں۔ اصل اور بنیاد سے بے نیازی نہیں ہو سکتی۔ اور اس کی ضرورت سے وہ بے نیاز نہیں ہو سکتے۔ مثلاً ایک بلند مقام چاہے کتنی بھی بلندی پیدا کرے۔ اور پستی سے دور چلا جائے۔ نیچے والے مکان سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ اور

---

[1] کریم لوگوں کے لئے کوئی مشکل کام نہیں۔

یعنی نیچے والے مکان سے اس کی محتاجی زائل نہیں ہو سکتی۔ اور اگر فرض کے طور پر نیچے والے مکان میں خرابی پیدا ہو۔ تو وہ خرابی اوپر کے گھر سے میں بھی اثر کرے گی۔ اور نیچے والے کا زوال اوپر والے کے زوال کا باعث بنے گا۔ پس شریعت ہر وقت اور ہر حال میں درکار ہے۔ اور اس کے احکام کی بجا آوری کے سب محتاج ہیں۔ اور جب خدائے تعالیٰ جلّ شانہٗ کی مہربانی سے معاملہ اس مقام سے اور بلند ہوتا ہے۔ اور کام فضل سے محبت کی طرف رخ کرتا ہے۔ تو ایک اور مقام سامنے آتا ہے۔ جو بہت بلند ہے۔ اور اصالۃً خاتم الرسل علیہ وعلیہم وعلیٰ آلِ کل الصلوات والتسلیمات والتحیات والبرکات کے لئے مخصوص ہے۔ فرمانبرداری اور وراثت کے طور پر جسے چاہیں۔ اس دولت سے مشرف فرمادیں۔ وہ بلند ترین محل جو غایت بلندی کے باعث چھوٹا نظر آتا ہے۔ حضرت صدیق کے لئے اس مقام میں وراثت کے طور پر ناف تک داخل پاتا ہے۔ اور حضرت فاروق بھی اس دولت سے مستفید ہیں۔ امہات المؤمنین میں سے حضرت خدیجہ اور حضرت صدیقہ کو بھی حضور علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ علاقہ زوجیت کی بناء پر اس مقام میں دیکھتا ہے۔ اور اصل معاملہ اللہ سبحانہٗ کے قبضہ قدرت میں ہے۔ اے ہمارے پروردگار! ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما۔ اور ہمارے لئے ہمارے کام میں نیکی اور آسانی مہیا فرما۔

میرے عزیز بھائی معارف آگاہ شیخ عبدالحی نے جب کہ سال ہا سال صحبت میں گزارے ہیں۔ اور اب اپنے وطن کو روانہ ہوا ہے۔ اور وہ مقام اور علاقہ ان کی جناب سے تعلق رکھتا ہے۔ اس لئے ضرورتاً یہ چند سطریں لکھی ہیں۔ اور مشارٌالیہ کے حالات سے اطلاع دی ہے۔ اہل اللہ کا وجود جہاں بھی ہوں غنیمت ہے۔ اور وہاں کے رہنے والوں کے لئے خوشخبری ہے۔ تو مبارک ہو اُسے جس نے اُسے پہچان لیا۔ اور اسی مقام میں میرے برادر عزیز شیخ نور محمدؐ بھی اقامت پذیر ہیں۔ اور فکر و نامرادی میں اپنا وقت گزار رہے ہیں۔ وہ مقام جائے رشک ہے۔ جہاں اس طرح کے دو اہل اللہ ہوں۔ اور دو مبارک ستارے یکجا موجود ہوں۔

والسّلام

خدائے تعالیٰ کی مدد اور اس کی حسن توفیق سے مکتوبات شریف کے چھٹے حصے اور دفتر دوم کے پہلے حصے کا اردو ترجمہ اختتام پذیر ہوا۔ اللہ تعالیٰ اصل کتاب کی طرح اس ترجمے کو بھی شرف قبولیت عطا فرمائے۔ اور مترجم کے لئے ذخیرہ آخرت بنائے۔ پڑھنے والوں سے التماس ہے۔ کہ مترجم گنا ہگار کو اپنی دعوات صالحہ میں یاد رکھیں۔

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ وَنُوْرِ عَرْشِہٖ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ

محمد سعید احمد نقشبندی غفرلہٗ
خطیب و امام مسجد حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لاہور پاکستان
مورخہ ۲۳ مارچ ۱۹۷۲ء بروز جمعرات بمطابق
۶ صفر المظفر ۱۳۹۲ھ ہجری